میں اپنی اِس محنتِ شاقّہ کو اپنی مادرِ علمی اور عالمی مرکزِ علمی
جامعۃُ العلومِ الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کی طرف منسوب کرتا ہوں

جس کے سایۂ عاطفت میں

بندہ نے محدّثُ العصر حضرتِ اقدس حضرت مولانا محمدّ یوسف البنوری رحمہ اللہ
اور صدر مدرّس حضرتِ اقدس حضرت مولانا فضل محمّد سواتی رحمہ اللہ سے

احادیثِ مقدّسہ کی سند حاصل کی۔

فضل محمد یوسف زئی

الفضل

مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ المتوحد بجلال ذاتہ المتفرد بکمال صفاتہ احمدہ تعالیٰ علی جلیل نعمائہ اللھم لک الحمد کماینبغی لجلال وجھک وعظیم سلطانک ولک الشکر علی جزیل عطائک وکثیر آلائک.

والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی رسلک وانبیائک خصوصاً علی سید الرسل وھادی السبل وخاصۃ اصفیائک جیش الانبیاء والمرسلین وخاتم النبین محمد بن عبداللّٰہ رسول اللّٰہ وحبیب اللّٰہ صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ سیدالمرسلین وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وذریاتہ اجمعین.

اما بعد : اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بندۂ عاجز وکمزور کو توفیق عطا فرمائی اور خاص اپنے فضل وکرم سے مشکوۃ جلد اول تا کتاب الصلوۃ کی ایک جلد توضیحات شرح مشکوۃ کی تکمیل فرمائی۔

توضیحات اردو شرح مشکوۃ کی جلد اول کی تکمیل کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ مشکوۃ کی جلد ثانی کتاب النکاح سے بھی ایک جلد منظر عام پر آنا چاہئے چند احباب نے بھی مشورہ دیا کہ مشکوۃ جلد ثانی کی اردو شرح کی بہت ضرورت ہے کیونکہ اس حصہ پر اردو زبان میں زیادہ کام نہیں ہوا ہے مجھے چونکہ اس سال پھر جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مشکوۃ جلد ثانی کا سبق ملا ہے تو میرے لئے بھی اس حصہ پر کام کرنا آسان ہے اور عام طلبہ اور اصحاب تدریس حضرات کے لئے بھی اس میں فائدہ ہے اس لئے میں نے بے انتہا مصروفیات کے باوجود آج بروز بدھ مورخہ ۸ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ صبح سویرے اس مبارک کام کا آغاز کردیا اللہ تعالیٰ سے انتہائی عاجزی کے ساتھ دست بستہ ہوکر دعاء کرتا ہوں کہ مشکوۃ جلد اول اور جلد ثانی دونوں کی شرح کی تکمیل میں میری مدد فرمائے اور جو کچھ لکھتا ہوں اسے قبولیت عامہ وخاصہ عطا فرمائے۔

اٰمِیْنَ اٰمِیْنَ لَا اَرْضٰی بِوَاحِدَۃٍ

حَتّٰی اَضُمَّ اِلَیْھَا اَلْفَیْنِ اٰمِیْنَا

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم.

بدھ ۸ ذیقعدہ ۱۴۲۲ھ

بمطابق ۲۳ جنوری ۲۰۰۲ء

کچھ اس کتاب کے متعلق

''توضیحات اردو شرح مشکوٰۃ'' کے متعلق تمام تفصیلات پہلی جلد میں آچکی ہیں یہاں چند باتوں کی طرف بطور یاد دہانی اشارہ کرتا ہوں، میں نے اس شرح میں یہ طرز اختیار کیا ہے کہ سب سے پہلے مشکوٰۃ شریف کی مکمل حدیث اعراب کے ساتھ لکھا ہے پھر اس کا مکمل ترجمہ لکھا ہے اور اس کے بعد ''توضیح'' کے عنوان سے لغوی اور فقہی تشریح کی ہے فقہی مذاہب بیان کرتے ہوئے میں نے اس کا خیال رکھا ہے کہ مباحث نہ زیادہ طویل ہوں اور نہ زیادہ مختصر بلکہ اعتدال کا پورا پورا خیال رکھا ہے اور کسی شاذ قول کا نہ تذکرہ کیا ہے اور نہ جمہور علماء کے اقوال سے ہٹ کر کسی کے تفرد پر اپنا مسلک قائم کیا ہے۔

☆ حدیث میں اگر تشریح و توضیح کی ضرورت نہ ہوتو میں نے صرف ترجمہ لکھ کر حدیث کو درج کیا ہے اس لئے اس شرح میں مشکوٰۃ شریف کی تمام احادیث پر مشتمل مشکوٰۃ شریف کا پورا نسخہ درج ہو گیا ہے جس سے علماء اور طلباء کے علاوہ عوام الناس بھی آسانی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

☆ میں نے جن شروحات سے اس شرح کے لکھنے میں استفادہ کیا ہے ان کا نام بھی لکھا ہے وہ کسی بھی حوالہ کے لئے کافی ہیں توضیحات جلد اول کے ص ۴۰ پر ان شروحات کے نام آپ ملاحظہ کر سکتے ہیں، الگ حوالہ جات کا ہر جگہ اہتمام نہیں کیا گیا ہے، اگر چہ اکثر حوالے تشریحات کے ضمن میں بھی دئے گئے ہیں۔

☆ میں نے ۱۴۱۷ھ میں مشکوٰۃ شریف کا دوسرا حصہ پڑھانا جب شروع کردیا تھا اس سال میں نے روزانہ جتنا سبق پڑھایا تھا اس کی تاریخ اسلامی ماہ وسال کے حوالے سے لکھدیا تھا میں نے اسی طرح تاریخیں درج کردیں اس سے ہر مدرس کے لئے یہ آسانی ہوگی کہ وہ درسی نصاب پڑھانے میں کس رفتار سے سفر کررہا ہے اور جس دن وہ جس مقام کو پڑھارہا ہے اس تاریخ میں ان کی منزل کس مقام پر ہونی چاہئے؟ مشکوٰۃ کا حصہ دوم بھی چونکہ شوال سے شروع ہوکر رجب میں ختم ہوتا ہے تو اس میں بھی پہلے حصے کی طرح شوال سے تاریخ لکھی گئی ہے۔

☆ میں نے فقہی مذاہب بیان کرنے میں یہ اسلوب اپنایا ہے کہ پہلے مذاہب متبوعہ کا ذکر کیا ہے پھر اسی ترتیب سے ان کے دلائل کا ذکر کیا ہے اور پھر مسلک احناف کو ترجیح دی ہے اور دوسرے حضرات کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں یہ آسان تر طریقہ ہے، میں نے کسی تعصب سے کام نہیں لیا ہے البتہ فقہاء احناف کے شاہراہ اعظم کو نظر انداز بھی نہیں کیا ہے۔

☆ میں نے مشکوٰۃ کے حصہ اول میں احادیث مبارکہ پر جس انداز سے تحقیقی اور فقہی بحث کی ہے اسی طرح میں نے مشکوٰۃ شریف کے حصہ دوم میں کتاب النکاح سے آخر تک طرز اپنایا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ حصہ اول میں خوب تفصیل ہو اور حصہ

دوم میں تعطیل ہو۔

☆ میں نے اس شرح میں بڑی کوشش کی ہے کہ ایک مدرس کے لئے مناسب تدریس کی حد تک یہ شرح مفید ثابت ہو اور ان کی تدریسی ضروریات اس سے پوری ہوں۔ ہاں تمام طبائع پر اس کا محیط ہونا ممکن نہیں کیونکہ ''پسند اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا'' معروف مقولہ ہے۔ میں نے طلباء کے لئے اس شرح کو آسان اور مفید بنانے کی بھی بھرپور کوشش کی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس عاجز بندے کی یہ کمزور کوشش مقبول فرمائے اور اسے دانستہ اور نادانستہ غلطیوں سے پاک فرما کر پایۂ تکمیل تک پہنچادے اور بندہ ناچیز کے جوڑ جوڑ کی مغفرت کا ذریعہ بنادے آمین یارب العالمین

وَذٰلِکَ فِی ذَاتِ الْاِلٰہِ وَاِنْ یَشَا

یُبَارِکْ عَلٰی اَوْصَالِ شِلْوٍمُمَزَّعِ

وصلی اللہ علی نبیه الکریم

۲۶ شوال ۱۴۲۱ھ

کتاب النکاح

الفصل الاول

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع﴾

نکاح من وجہ عبادت ہے اور من وجہ معاملہ ہے اس لئے عبادات اور معاملات کے بعد ذکر کیا گیا، لفظ نکاح لغت میں ضم اور ملنے کو کہتے ہیں اور ''ثقب'' سوراخ کو بھی کہتے ہیں نکاح میں دونوں مفہوم موجود ہیں۔ شاعر ساحر ابوطیب کہتا ہے ؎

اَنْسَاعُهَا مَمْغُوطَةٌ وَخِفَافُهَا مَنْكُوحَةٌ وَ طَرِيقُهَا عَذْرَاءُ

اس شعر میں ''منکوحۃ'' کا لفظ زخم اور سوراخ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

نکاح کی اصطلاحی تعریف عربی الفاظ میں فقہاء کرام کے ہاں اس طرح ہے، ''اَلنِّكَاحُ هُوَعَقْدٌ وُضِعَ لِتَمْلِيكِ الْمُتْعَةِ بِالْاُنْثٰى قَصْداً''

اردو میں نکاح کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے، نکاح اس عقد اور معاہدہ کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان قرار پاتا ہے جس سے ان دونوں کے درمیان زوجیت کے تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔

لغوی اور اصطلاحی معنی قریب قریب ہیں کیونکہ عقد میں ضم ملنا بھی ہے اور وطی میں ثقب بھی ہے شوافع حضرات کے ہاں ''نکاح'' عقد میں حقیقت ہے اور وطی میں مجاز ہے ائمہ احناف کے ہاں نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے بعض فقہاء کے ہاں نکاح وطی اور عقد میں مشترک ہے قرینہ اور مقام سے کسی ایک معنی کا تعین اور امتیاز آتا ہے۔

اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نکاح ایک مسنون شرعی طریقہ ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آیا نکاح معاملات کے قبیلہ سے ہے یا عبادات کے قبیلہ سے ہے شوافع کے ہاں نکاح معاملات کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جو باقی ''عقود اور فسوخ'' کی طرح ایک رضا کارانہ عقد ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں طرفین یعنی میاں بیوی جس طرح راضی ہو گئے یہ عقد مکمل ہو جائے گا کسی مقرر مقدار مہر کی پابندی نہیں البتہ مہر کے نام سے کچھ نہ کچھ ہونا چاہئے۔ (میاں بیوی راضی کیا کریگا قاضی)

نیز یہاں یہ بحث بھی ہے کہ شوافع کے ہاں ''تخلي بالعبادة النافلة'' نکاح سے افضل ہے اس مدعا پر وہ حضرات یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ''سیدا وحصورا'' فرمایا ہے اور ''حصور'' وہ ہوتا ہے جو شادی بیاہ نہ کرے اور مسلسل عبادت میں لگا رہے۔

امام ابوحنیفہ اپنی گہری نگاہ اور شرعی نقطۂ نگاہ کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ نکاح پر نوع انسانی کا دارومدار ہے یہ انسان کے توالد وتناسل کا ذریعہ ہے یہ دو افراد کا آپس میں کوئی ذاتی بندھن یا صرف شخصی اور طبعی خواہش ہی نہیں بلکہ یہ عمل انسانی معاشرہ کے وجود، اس کی تشکیل، اس کی بقاء اور اس کی ترقی کا بنیادی ستون ہے، یہی وجہ ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام سے لیکر شریعت محمدیہ تک تمام آسمانی مذاہب اور شریعتوں میں نکاح مسلسل چلا آیا ہے کوئی شریعت ایسی نہیں آئی جو اس عمل نکاح سے خالی رہی ہو، اگرچہ بعض شریعتوں میں بعض عبادات میں تغیر وتبدل آتا رہا ہے لیکن شرائط وضوابط کے تغیر کو چھوڑ کر نفس نکاح کا وجود ہر مذہب میں رہا ہے کسی آسمانی مذہب نے یہ اجازت کبھی نہیں دی ہے کہ بغیر عقد ونکاح اور بغیر معاہدہ ومعاقدہ مرد اور عورت کا جنسی تعلق قائم ہو۔

نکاح کیوں ضروری ہے؟

انسان کے اندر دو قوتیں نمایاں طور پر موجود ہیں جس کے افراط وتفریط اور اس کی بے قاعدگی سے انسان تباہ وبرباد ہوجاتا ہے (۱) قوت غضبیہ (۲) قوت شھویہ۔

قوت غضبیہ میں افراط اور زیادتی "تھوُّرْ" اور ظلم ہے اور اس میں تفریط اور کمی "جُبْنْ" اور بزدلی ہے اور اس میں توسط اور اعتدال شجاعت ہے جو شرعاً مطلوب ومقصود ہے۔

قوت شھویہ میں افراط فسق وفجور اور زنا ہے اور اس میں تفریط خمود وجمود اور نامردی ہے اور اس کا وسط "عفت" ہے جو مطلوب ومقصود ہے۔

نکاح میں انسان کی یہی دو بنیادی قوتیں قابو میں آکر کنٹرول ہوجاتی ہیں اور انسان کی زندگی میں اعتدال کا راستہ پیدا ہوجاتا ہے، مثلاً رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے سے آدمی کے تعلقات میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے کوئی اس کا سسر بن جاتا ہے کوئی ساس ہے کوئی بہنوئی اور کوئی سالہ ہے قسم قسم کے رشتے پیدا ہوجاتے ہیں اور دور دور تک جاکر پھیلتے ہیں اس سے آدمی کے غضب کے مواقع کم ہوجاتے ہیں تو قوت غضبیہ میں اعتدال آتا ہے۔

☆ اسی طرح ایک شخص مثلاً کمزور ہے ان کی افرادی قوت نہ ہونے کے برابر ہے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے سے ان کو افرادی قوت حاصل ہوجاتی ہے نئے رشتہ داروں کی طرف سے ان کی پشتی اور مدد ونصرت ہوتی ہے تو ان کو حوصلہ مل جاتا ہے بزدلی سے بچ جاتا ہے اب یہ شخص نہ ظالم رہتا ہے اور نہ مظلوم بلکہ اس کے درمیان شجاعت کے مطلوبہ مقام پر قائم رہتا ہے۔

☆ اسی طرح نکاح قوت شھویہ کو اعتدال پر لاتا ہے مثلاً قضاء شھوت کے لئے جب صحیح اور جائز محل آدمی کو مل جاتا ہے تو فسق وفجور اور حیوانیت سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ حضرت مولنا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر چودہ سال کی

لڑکی اور پندرہ سال کے لڑکے کو نکاح کا پابند بنایا جائے تو بڑی حد تک زنا کا وجود ختم ہو جائے گا۔

اسی طرح طویل عرصہ تک عدم نکاح سے جو عضو مخصوص میں تذابل وخمود وجمود اور نامردی پیدا ہو جاتی ہے صحیح نکاح سے آدمی اس مصیبت سے محفوظ رہتا ہے۔

☆ جالینوس نے لکھا ہے کہ انسان کے کسی عضو کو جب اس کے تخلیقی عمل سے دیر تک روکا جائے تو وہ اپنا تخلیقی عمل چھوڑ کر بیکار ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نکاح کرنے سے آدمی اپنی اصلی صفت اعتدال اور عفت پر قائم رہتا ہے نہ فسق وفجور اور زنا میں پڑتا ہے اور نہ نامردی کا شکار بنتا ہے خلاصہ یہ کہ نکاح سے جنسی ہیجان میں مکمل سکون آجاتا ہے۔

☆ فوائد نکاح میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس سے انسان کے عزائم اور حوصلوں میں بلندی آتی ہے کیونکہ شوہر بننے کے بعد آدمی سوچتا ہے کہ خود کماؤں گا خود کھاؤں گا بیوی بچوں اور رشتہ داروں کو کھلاؤں گا اس سے انسان میں اچھی صفات مثلاً ہمت سخاوت عزیمت وجرأت آتی ہے نیز نکاح کرنے والا مجاہدات کا عادی ہو جاتا ہے کیونکہ پورا گھریلو نظام ان کے سر پر آپڑتا ہے، اس سے وہ سستی کاہلی لاپرواہی اور غفلت جیسی بری صفات سے بچ جاتا ہے۔

☆ نیز نکاح صالح اولاد کا واحد ذریعہ ہے اور صالح اولاد میں دین اور دنیا کے بڑے بڑے فوائد موجود ہیں، اسی طرح تند مزاج آدمی کے مزاج میں ٹھہراؤ آتا ہے بیوی کی فرمائشوں کو سن سن کر مزاج میں اعتدال آتا ہے۔

قوم کا نمائندہ اور پیشوا جب گھر جاتا ہے تو بیوی اسے دھنیہ اور ہلدی لانے کے لئے بازار دوڑاتی ہے یہ چل کر خود سامان خرید کر لاتا ہے اس سے اس کی زندگی میں عاجزی آتی ہے اور نخوت وتکبر سے بچ جاتا ہے اور اس کی روحانی اصلاح ہو جاتی ہے۔

چنانچہ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج کا حال ہر واقف حال پر عیاں ہے کہ وہ کتنے نازک طبع تھے ان کی بیوی اتنی ہی بد اخلاق تھی جتنا کہ یہ حضرت نازک مزاج تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے مجھے اس طرح بیوی دے رکھی ہے۔

ان بیشمار فوائد کو دیکھ کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نکاح کرنا نفلی عبادات سے افضل ہے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ''سنت نکاح'' حضرت یحیٰ علیہ السلام کے عدم نکاح سے بدرجہا افضل اور قابل عمل ہے اگر حضرت یحیٰؑ نے نکاح نہیں کیا تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی نکاح کئے ہیں اگر حضرت یحیٰ علیہ السلام نے نکاح کی ترغیب اپنی امت کو نہیں دی تو نہ سہی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا نکاح کی ترغیب دیدی ہے، جو رجال قال اور رجال حال کے لئے شاہراہ اعظم ہے۔

علماء سے سنا ہے کہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا مقام احمد بن حنبلؒ سے اونچا تھا لیکن وہ مجھ سے آگے بڑھ گئے اس لئے کہ وہ شادی شدہ تھے اور میری شادی نہیں۔

نکاح کب ضروری ہو جاتا ہے؟

مسلک احناف میں نکاح اس وقت فرض ہو جاتا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں جنسی ہیجان کی وجہ سے زنا میں پڑ جانے کا یقین ہو اور حق مہر ادا کرنے پر شوہر قادر ہو یہی مطلب ہے فقہاء کرام کے اس جملہ کا کہ **"وعند التوقان فرض"** یعنی دو طاقتوں کی موجودگی میں نکاح فرض ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر اس صورت میں بیوی پر ظلم کرنے کا خوف ہو تو پھر فرض نہیں۔

نکاح اس وقت واجب ہو جاتا ہے جب جنسی ہیجان کا غلبہ ہو مگر زنا میں پڑنے کا یقین نہ ہو صرف خطرہ ہو اور حق مہر اور نان ونفقہ پر آدمی قادر ہو اور بیوی پر ظلم کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں جب اعتدال ہو تب نکاح سنت مؤکدہ ہو جاتا ہے، اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ جنسی ہیجان کا غلبہ نہیں اور نان ونفقہ پر آدمی قادر ہے۔ عام اوقات میں نکاح احناف کے ہاں بھی مباح ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں نکاح مطلقاً مباح ہے اس صورت میں شریعت مطہرہ نے نکاح کی بہت ترغیب دیدی ہے اس کو نصف ایمان قرار دیا ہے اور صالح مستقبل کا ضامن بتایا ہے۔

نکاح اس وقت مکروہ ہو جاتا ہے جب بیوی پر ظلم کرنے کا خوف وخطرہ لاحق ہو کہ مزاج اتنا سخت ہو کہ اگر نکاح کیا تو ظلم کا خطرہ ہے۔ نکاح اس وقت حرام ہو جاتا ہے جبکہ نکاح کرنے کے بعد بوجہ بدمزاجی بیوی پر ظلم کرنا یقینی ہو۔

مندرجہ بالا صورتوں کی روشنی میں ہر شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کن حالات میں نکاح کرنا فرض ہے اور کن حالات میں واجب یا سنت یا مستحب ہے اور کن حالات میں نکاح نہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

نکاح کے مستحبات

آنے والی احادیث میں نکاح کے سارے مستحبات آئیں گے مگر میں ابتدا میں چند مستحبات کا ذکر کرتا ہوں تا کہ تمام مباحث پر روشنی پڑ جائے۔

☆ مستحب یہ ہے کہ آدمی پہلے مخطوبہ منسوبہ عورت کو دیکھ لے دونوں جانب سے تمام احوال کو ٹٹولا جائے کیونکہ یہ عمر بھر کا سودا ہے۔

☆ یہ بھی مستحب ہے کہ بیوی عمر میں کم ہو شان وشوکت میں کم ہو اور مال میں بھی کم ہو تا کہ شوہر کو غلام نہ بنائے۔

☆ یہ بھی مستحب ہے کہ عورت خوبصورتی میں شوہر سے زیادہ ہو سنجیدگی حلم وادب اور وقار وتحمل میں شوہر سے زیادہ ہو اور کنواری ہو۔

☆ یہ بھی مستحب ہے کہ نکاح اعلانیہ ہو دونو طرف سے بزرگ حضرات کھلے مقام یا مسجد میں تقریب میں شریک ہوں۔

نکاح ایجاب وقبول سے منعقد ہو جاتا ہے جس میں دونوں صیغے ماضی کے ہوں یا ایک صیغہ مستقبل یعنی حال کا ہو۔ مرد ول

میں سے دو گواہ ہوں، یا ایک مرد دو عورتیں بطور گواہ ہوں اور دور از کار بیکار شرائط نہ ہوں۔

نکاح کی اقسام

عرب میں جاہلیت کے دور میں آٹھ قسم کے نکاح ہوتے تھے، اسلام نے ان میں سے صرف ایک قسم کو جائز قرار دیا اور باقی تمام کو رد کر دیا۔

(۱) نکاح عام:

یہ وہی نکاح تھا جو آج کل مسلمانوں میں رائج ہے عرب میں جب یہ نکاح اپنے خاندان میں ہوتا تو لڑکی کا باپ لڑکی کے حق میں یہ دعا کرتا تھا کہ اللہ تجھے اس گھرانے میں خوش رکھے تیری اولاد پھیل جائے تجھے اللہ تعالیٰ لڑکے دیدے اور عزت وعظمت کے ساتھ رکھے۔ اور اگر لڑکی دوسرے خاندان میں بیاہی جاتی تو باپ یوں دعا مانگتا تھا اللہ تجھے خوش رکھے تیرا پانی میٹھا ہو تجھے اللہ لڑکے نہ دے کیونکہ اس سے ہمارے دشمن بڑھیں گے تم اپنے شوہر کی عزت کرو سسرال کی خدمت کرو ان کے عزیز واقارب کی قدر کرو۔ یہ نکاح عرب میں عام شرفاء کا نکاح تھا اور اس کا نام نکاح الشرفاء بھی تھا۔

(۲) نکاح استبضاع:

عورت جب حیض سے پاک ہو جاتی تو شوہر کہتا تھا کہ فلاں سردار سے جا کر جماع کروتا کہ شریف بہادر اور نجیب بچہ پیدا ہو جائے عورت ایسا کرتی اور حمل کے ظہور تک شوہر اپنی بیوی سے جماع نہیں کرتا تھا۔

(۳) نکاح تعین ونامزدگی:

عورت نوبت بنوبت دس آدمیوں سے جماع کرتی جب لڑکا پیدا ہو جاتا تو یہ عورت ان سب مردوں کو بلاتی کوئی بھی آنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا پھر یہ عورت ان سے کہتی تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے اے فلاں یہ لڑکا تیرا ہے وہ شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا اور یہ لڑکا اس نامزدگی اور تعین سے اس شخص کا ہو جاتا تھا۔

(۴) نکاح الرایات:

یہ بازاری اور فاحشہ عورتوں کا نکاح تھا ان میں سے ہر عورت اپنے گھر کے اوپر جھنڈا نصب کرتی تھی اور جو شخص بھی زنا کرنا چاہتا تھا ان کو معلوم ہو جاتا اور وہ ان کے پاس چلا آتا جب بچہ پیدا ہو جاتا تو یہ لوگ قیافہ شناس کو بلاتے تھے وہ دیکھ کر فیصلہ کرتا تھا کہ یہ بچہ فلاں شخص کے مشابہ ہے لہٰذا یہ اس کا بچہ ہے۔

(۵) نکاح الخدن:

یہ یار باشی کا چھپا ہوا نکاح تھا اس میں دوستی اور یارانہ کے طور پر خفیہ زنا ہوتا تھا اسلام نے اس کو ﴿ولامتخذات اخدان﴾ کہہ کر رد فرمایا ہے۔

(۶) نکاح متعہ:

یہ موقت سازشی نکاح ہوتا تھا کہ کوئی شخص کسی شہر یا گاؤں جاتا وہ وہاں ٹھہرنے اور سامان سنبھالنے اور جنسی خواہش پورا کرنے کی غرض سے بغیر کسی گواہ کے کچھ معاوضہ پر کسی عورت سے نکاح کرتا تھا اور ان کے ہاں ٹھہر جاتا تھا، آج کل شیعہ روافض کے ہاں اس کا پورا انتظام اور سہولیات موجود ہیں اسلام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(۷) نکاح البدل:

جاہلیت میں ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ تم میرے لئے اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ میں تیرے لئے اپنی بیوی سے علیحدہ ہو جاؤں گا یہ ان کے ہاں نکاح کی ایک صورت تھی اسلام نے اس کو منع کر دیا مگر آج کل بے غیرت دنیاداروں میں یہ رواج وقتی طور پر نائٹ کلبوں میں ہوتا ہے۔

(۸) نکاح شغار:

یہ دولڑکیوں کے تبادلے کی صورت ہے جس کے بیچ میں مہر نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہتا تھا کہ یہ میری بیٹی ہے اس کو تم اپنے نکاح میں اپنی بیٹی کے عوض قبول کرلو، وہ جواب میں کہتا تھا کہ تم میری بیٹی کو اپنی بیٹی کے عوض میں قبول کرلو اور ان دونوں لڑکیوں کے درمیان مہر نہیں ہوتا تھا۔

شغر اور شغار کتے کے پیشاب کے وقت ٹانگ اٹھانے کو کہتے ہیں، گویا یہاں ہر ایک نے دوسرے کو کہا کہ میں تیری لڑکی اور تم میری لڑکی کی ٹانگ اٹھاؤ اور یہی دونوں کا مہر ہے، اسلام نے اس کو منع کر دیا ہے۔ (بحوالہ رسوم جاہلیت)

اتوار ۲۹ شوال ۱۴۱۷ھ

جوانوں کو نکاح کرنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ (متفق علیه)

صَدَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الهم صل عليه وعلى اله واصحابه اجمعين.

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے جوانوں کے گروہ! تم میں سے جو شخص مجامعت کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو بہت جھکاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے بچتا ہے) اور جو شخص جماع کے لوازمات کی استطاعت نہ رکھتا ہو اسے چاہئے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کو خصی کرنے کا فائدہ دیگا۔ (یعنی جس طرح خصی ہونے سے جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی ہیجان ختم ہوجاتا ہے) (بخاری ومسلم)

توضیح

يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ: معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی خاص وصف پر مشتمل ہو، مثلاً معشر الرجال مردوں کی جماعت، معشر النساء عورتوں کی جماعت، معشر الجن جنات کی جماعت، معشر الشیوخ بوڑھوں کی جماعت اور معشر الشباب جوانوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔

شباب: جمع ہے اس کا مفرد شاب ہے، شبان اور شبۃ بھی جمع آتی ہے، جوان کو کہتے ہیں، جوانی کی آخری عمر اور آخری حد میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، شوافع حضرات کے ہاں جوانی کی آخری حد تیس سال ہے ائمہ احناف کے ہاں ایک شخص چالیس سال تک جوان کہلائے جانے کا حق رکھتا ہے اور بلوغ کے وقت سے جوانی شروع ہوجاتی ہے۔

الباءۃ: "ای مؤنۃ الباءۃ" یہ کلمہ چار لغات پر پڑھا جاتا ہے (۱) "بآئۃ" اس میں مد بھی ہے اور تا بھی ہے (۲) "بآء" اس میں مد تو ہے لیکن آخر میں تا نہیں ہے (۳) "باھۃ" اس میں مد نہیں مگر آخر میں ایک ہا اور ایک تا ہے (۴) "باۃ" اس میں مد نہیں ہے مگر آخر میں ہا موجود ہے۔ باہ اور مباہات جماع اور نکاح کے معنی میں آتا ہے جو دراصل ہمزہ کے ساتھ مباءۃ مکان دینے کے معنی میں ہے کیونکہ جو شخص نکاح کرتا ہے وہ بیوی کو جگہ اور مکان دیتا ہے۔ باہ قوت باہ کو بھی کہا جاتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں حدیث میں اس لفظ کا کیا معنی ہے اور مراد کیا ہے۔

شارحین حدیث میں سے علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے جماع اور نکاح دونوں مراد لیا جاسکتا ہے اور جماع مراد لینا راجح ہے، لیکن اس صورت میں مضاف محذوف ماننا پڑیگا یعنی مؤنۃ الجماع واسباب الجماع، اس محذوف کی اس لئے ضرورت پیش آئی کہ بعد میں ومن لم یستطع کا جملہ آیا ہے اس کا عطف "باءۃ" پر صحیح نہیں کیونکہ معنی یہ ہوجائے گا کہ جو شخص تم میں سے جماع کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ روزے رکھے، یہ معنی غلط ہے کیونکہ جو شخص جماع پر قادر نہیں اسے شہوت

کنٹرول کرنے کے لئے روزے رکھنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو پہلے سے جماع پر قادر نہیں ہاں اگر ''باءۃ'' کے لفظ سے نکاح مراد لیا تو پھر یہ عطف صحیح ہو جائے گا۔

مسلم شریف کے شارح علامہ محمد بن خلیفہ متوفی ۸۲۸ھ مسلم شریف کی شرح اُبیّ میں فرماتے ہیں کہ ''الباءۃ'' نکاح ہی کے معنی میں ہے جماع کا معنی مراد لینا غلط ہے کیونکہ اس صورت میں **ومن لم یستطع** کا مفہوم غلط ہو جائے گا یعنی جس کو جماع کی طاقت نہیں وہ روزے رکھے یہ غلط ہے اس لئے نکاح ہی مراد ہے علامہ اُبیّ کی تشریح زیادہ بہتر اور آسان تر ہے۔

اغض: نگاہ نیچے رکھنے کے معنی میں ہے یعنی نکاح کرنے سے آدمی غلط نظر بازی سے بچ جاتا ہے۔

واحصن للفرج: شرم گاہ کی حفاظت اور آدمی کے پاک دامن رہنے کے معنی میں ہے نکاح کرنے سے آدمی حرام کاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے دو بڑے فائدے بتائے ہیں ایک یہ کہ نکاح سے آدمی غلط نظر بازی سے بچتا ہے، دوسرا یہ کہ حرام کاری سے بچتا ہے۔

ومن لم یستطع: اس جملے کا عطف اس سے پہلے من استطاع کے جملے پر ہے اور ''باءۃ'' نکاح کے معنی میں ہے تب معنی صحیح ہوگا، اور اگر باءۃ جماع کے معنی میں لیا جائے جیسا کہ علامہ طیبی کی رائے ہے تو پھر مضاف محذوف ماننا پڑے گا تاکہ معنی درست ہو جائے یعنی **مؤنۃ الباءۃ ای اسباب الجماع**۔

وجاء: خصیتین کے کچلنے کو وجاء کہتے ہیں اس سے مراد کسر شہوت ہے کیونکہ خصیتین مرکز شہوت ہے۔

فعلیہ بالصوم: علی لزوم اور رکوب کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، جس سے یہ اشارہ کیا گیا کہ ایک دو روزوں سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا بلکہ مسلسل روزے رکھنے سے حاصل ہوگا کیونکہ روزہ رکھنے سے انسانی رگوں میں خون کا دوڑنا بند ہو جاتا ہے اور شیطان اسی خون کے راستوں سے داخل ہوتا ہے تو اس کا داخلہ جسم میں بند ہو جاتا ہے جس سے مستی کے راستے بند ہو جاتے ہیں، ورنہ روزہ سے آدمی خصی نہیں ہوتا صرف شہوت کنٹرول ہو جاتی ہے۔ جانوروں کو بدھیا بنانے میں شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم چھوٹے جانوروں کا خصی کرنا جائز ہے بڑوں کا جائز نہیں ہے اور حرام جانوروں کا خصی کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ احناف کے ہاں جانوروں کے خصی کرنے کا ذکر تو ہے مگر مزید تفصیل نہیں ہے۔

تبتل کی ممانعت

﴿۲﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ التَّبَتُّلَ وَلَوْ أَذِنَ لَهُ لَاخْتَصَيْنَا (متفق علیہ)

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعونؓ کو تبتل (یعنی نکاح

ترک کرنے) سے منع کر دیا تھا، اگر آنحضرتؐ ان کو تبتل کی اجازت دیدیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

التبتل: عورتوں سے انقطاع اور ترک نکاح کو تبتل کہتے ہیں۔
امرءالقیس کہتا ہے۔

تضئ الظلام بالعشی کأنها منارة ممسی راهب متبتل

محبوبہ رات کے اندھیرے کو اس طرح روشن کر دیتی ہے جیسے کسی راہب تارک دنیا کے روشنی کا مینار ہوتا ہے

حضرت مریم کو بتول ترک نکاح کی وجہ سے کہتے ہیں اور حضرت فاطمہ کو بتول یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے دنیا کو ترک کیا تھا اور یا اس لئے کہ وہ اس امت کی عورتوں سے حسب نسب، دین اور درجہ کے اعتبار سے الگ تھلگ اور ممتاز تھیں۔

تبتل رھبانیت ہے جو نصاریٰ کے ہاں اعلیٰ عبادت ہے ان کے ہاں لذائذ دنیا اور عورتوں کے نکاح اور اختلاط سے بچنا تقویٰ ہے۔ اگرچہ خود راھب دیگر تمام گناہوں میں آلودہ پڑا ہو کسی نے خوب کہا ہے۔

وَالُوطُ مِنْ رَاهِبٍ يَدَّعِي بِاَنَّ النِّسَاءَ عَلَيْهِ حَرَامْ

مگر اسلام افزائش نسل، کثرت اولاد اور عورتوں بچوں میں رہتے ہوئے عبادت کرنے کو افضل قرار دیتا ہے۔
بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید فرمایا کہ میرا درجہ امام احمد بن حنبل سے بڑا تھا لیکن وہ مجھ سے مقام میں آگے بڑھ گئے کیونکہ انکے بیوی بچے ہیں اور میں مجرد ہوں بہرحال نکاح میں تکثیر امت کا راز مضمر ہے اور اس سے بقاء جہاد کے لئے افراد مہیا ہوتے ہیں جو نہایت ضروری ہے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ نے اسی ترک نکاح کو حضور اکرمؐ سے مانگا تھا کہ بس عورتوں اور بیوی بچوں کے جھگڑوں اور بکھیڑوں سے فارغ ہو کر خوب عبادت کروں گا لیکن حضور اکرمؐ نے ان کا مطالبہ مسترد فرما دیا جس پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عثمان کو ترک نکاح کی اجازت دیتے تو ہم تبتل سے بڑھکر اپنے آپ کو خصی کر کے رکھدیتے تاکہ شہوت کا مادہ ہی ختم ہو جائے۔ حضرت سعدؓ نے یہ کلام بطور مبالغہ فرمایا ہے حقیقۃً خصی کرنے کا نہ ارادہ تھا نہ یہ مقصد تھا کیونکہ اسلام میں یہ ناجائز ہے۔

دیندار عورت سے نکاح کرنا بہتر ہے

﴿۳﴾ وعن أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت سے نکاح کرنے کے بارہ میں چار چیزوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے اول اس کا مالدار ہونا، دوم اس کا حسب نسب والی ہونا، سوم اس کا حسین وجمیل ہونا اور چہارم اس کا دیندار ہونا۔ لہٰذا دیندار عورت کو اپنا مطلوب قرار دو خاک آلودہ ہو تیرے دونوں ہاتھ۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

ولحسبھا: آدمی کی اپنی ذات اور اس کے باپ دادا اور خاندان میں شرعایا عرفا جو اچھی صفات ہوتی ہیں اس کا نام حسب نسب ہے۔ حسب کا لفظ بالخصوص عورت کے خاندان کے نسب پر بولا جاتا ہے خاندان کی نسبی رفعت وعظمت کا اثر اولاد پر پڑتا ہے، انسان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ ایسی عورت سے نکاح کرے جو خاندان کے اعتبار سے بلند ہو باعزت اور باحیثیت ہو تاکہ اس کی اولاد میں یہ خصوصیات آجائیں، بعض لوگ چاہتے ہیں کہ انکا نکاح اچھی خاصی مالدار عورت سے ہوجائے۔ بہت سارے لوگوں کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ انکا نکاح حسین وجمیل عورت سے ہوجائے کچھ نیک اطوار اور دیندار لوگ یہ چاہتے ہیں کہ انکی بیوی نیک و دیندار اور شریف ہو۔

خلاصہ یہ کہ عام طور پر لوگ نکاح کے سلسلے میں ان چار چیزوں کا بطور خاص خیال رکھتے ہیں اسلام نے ان ترجیحات کو مسترد نہیں کیا ہے بلکہ ان میں سے دینداری اور نیک اطواری کو باقی صفات پر ترجیح دیدی ہے، شریعت نے دینداری کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ اس میں انسان کی دنیا کی بھلائی ہے اور آخرت کی بھی بھلائی ہے کیونکہ دینداری میں پائیداری ہے باقی تینوں چیزیں عارضی اور زوال پذیر ہیں لہٰذا اہل دین و دیانت اور اہل عقل ومروت کو چاہئے کہ انکے سامنے دین سب پر مقدم ہو جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

فاظفر: ظفر اس کامیابی کو کہتے ہیں جو کامیابی کا آخری درجہ اور پسند کی آخری منزل ہو، جس میں فوائد جلیلہ کا حصول ہو، یہ امر ارشادی ہے دین کو اولیت دی گئی ہے بقیہ ترجیحات کی نفی مقصود نہیں۔

تربت یداک: یہ کلمہ واضع نے بددعاء کے لئے وضع کیا ہے لیکن عرب اپنے محاورات میں اس کو دیگر معانی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً انکار کے لئے سرزنش کے لئے، کسی کام پر برانگیختہ کرنے کے لئے اور تعجب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے یہاں بددعا مقصود نہیں بلکہ برانگیختہ کرنا مقصود ہے جسے ترغیب بھی کہہ سکتے ہیں اردو میں اس کے لئے ''تیرا ناس ہو'' کے الفاظ مناسب ہونگے۔ عربی میں پورا جملہ اس طرح بنے گا ''تربت یداک ان لم تفعل ما امرتک''

نیک بخت عورت دنیا کی بہترین دولت ہے

﴿۴﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ

مَتَاعِ الدُّنيَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ (رواه مسلم)

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت عورت ہے۔ (مسلم)

توضیح

متاع :. دنیا کا وہ قلیل وکثیر ساز وسامان جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے متاع کہلاتا ہے، مختصر الفاظ میں یوں کہو کہ متاع وہ چیز ہے جس سے تھوڑا سا عارضی فائدہ اٹھایا جائے اور پھر فنا ہو جائے امام لغت شیخ اصمعیؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کو تین چیزوں یعنی، متاع، تبارک، اور رقیم'' کی حقیقت معلوم کرنے کی تلاش تھی کہ ان تینوں الفاظ کی اصلی مفہوم اور حقیقت کیا ہے چنانچہ وہ دیہات کی طرف نکل گئے تا کہ صحرانشین فصحاء عرب سے اس کی حقیقت معلوم کرسکیں جب آپ دیہات میں ایک کنوئیں کے پاس پہنچ گئے تو آپ نے دیکھا کہ کنوئیں پر ایک لڑکی برتن دھورہی ہے جس کے پاس برتن دھونے کے لئے میلا کچیلا اور چکناہٹ سے آلودہ کپڑا تھا اصمعی یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ ایک کتا آیا اور یہی گندہ کپڑا منہ میں اٹھا کر پہاڑ کے اوپر چڑھنے اور بلند ہونے لگا۔ اس لڑکی نے فریاد کے انداز میں اپنی والدہ کو اس طرح پکارا'' یَا اُمَّاهُ جَآءَ الرَّقِيمُ وَاَخَذَ الْمَتَاعَ وَتَبَارَكَ اِلَى الْجَبَلِ'' اصمعی نے جب اپنے تینوں مقاصد ایک جملہ میں سن لئے تو خوشی سے جھومنے لگے۔

مطلب یہ کہ متاع کی حقیقت چیتھڑا اور دست پناہ اور برتن دھونے کا گندہ کپڑا ہے۔ اور سورۂ کہف میں جو رقیم کا لفظ آیا ہے اس سے کتا مراد ہے اور قرآن میں جہاں تبارک کا لفظ آیا ہے اس سے اللہ کی بلندی اور عظمت مراد ہے، نیک عورت کو اس لئے متاع اور نفع کا سامان کہا گیا کہ یہ مفت میں چوکیدار ہے شوہر کی خدمتگار ہے اچھا وفادار نسل بردار ہے اور غمگسار ہے خیر خواہ مشورہ کار ہے اور یہی بہترین روزگار ہے۔

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبَلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغْرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں پر سوار ہونی والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی ہیں جو چھوٹے بچوں پر بہت شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے اس مال کی جو ان کے قبضہ میں ہوتا ہے بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں (بخاری ومسلم)

توضیح

رکبن الابل :. اس سے عرب کی عورتیں مراد ہیں کیونکہ اونٹوں پر سواری عرب عورتوں کی عادت اور انکی خصوصیت ہے یہ انکی تعریف ہے

احناہ علی ولد: حنایحنو نصر ینصر سے شفقت کے معنی میں ہے ''ولد'' کو نکرہ لایا تا کہ عموم آجائے کہ کسی کا کوئی بھی ولد ہو خواہ اپنا ہو یا سابقہ بیوی کا ہو جو اس کی تربیت میں ہو ہر ایک پر شفقت کرنے والی ہے۔

''حانہ'' وہ عورت جو یتیم بچے کو پالے ورنہ حانہ نہیں یا اگر یتیموں کو چھوڑ کر نکاح کرے تو پھر بھی حانہ نہیں ہے اس حدیث میں عرب اور بالخصوص قریش کی عورتوں کی تعریف ہے۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ ''احناہ'' میں ضمیر مذکر کا کیوں لایا جبکہ ضمیر بظاہر عورتوں کی طرف لوٹتی ہے اسکا جواب یہ ہے کہ مذکر کی ضمیر ''الصنف'' کی طرف لوٹتی ہے مراد ھذا الصنف ہے یا ''من رکب الابل'' کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے مفہوم میں موجود ہے، اسی طرح ارعاہ کی ضمیر بھی ماں کی طرف لوٹتی ہے جو کلام کے مفہوم میں ہے۔

﴿۶﴾ وعن اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ (متفق عليه)

اور حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنے سے زیادہ ضرر رساں ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

فتنة اضر: ۔ عورت کو اگر اس کی جبلّی اور تخلیقی فطرت، یا کوئی ظاہری شریعت قابو نہ کرے اور یہ فطری اور شرعی چیزیں اسکی اصلاح نہ کریں تو عورت عین فساد ہے اور مردوں کے حق میں یہ سب سے بڑا اضرر رساں فتنہ ہے۔ اول تو اس لئے کہ عام طور پر مردوں کے طبائع عورتوں کی طرف مائل ہوتی ہیں، دوسرے یہ کہ مرد زیادہ تر عورتوں کی خواہشات پورا کرنے کے پابند ہوتے ہیں اور عورت کا کل سرمایہ یہ ہے کہ وہ مرد کو دنیا کے آرائشوں زیبائشوں کی طرف مائل کرتی ہے اور دنیا کی محبت میں گرفتار کر دیتی ہے اور دنیا کی محبت ہر برائی اور فتنہ کی جڑ ہے۔ لہٰذا عورت صرف فساد کا ذریعہ نہیں بلکہ عین فساد ہے۔

دنیا میں سب سے پہلا قتل قابیل نے عورت کی وجہ سے کیا تھا اور وہ بھی اپنے بھائی کو مارا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ﴿زين للناس حب الشهوات من النساء﴾ الخ میں عورتوں کو نفس شھوات قرار دیکر تمام شھوات میں سرفہرست رکھا۔

خلاصہ یہ کہ عورت اگر صالحہ ہو تو یہ حوا کی بیٹی اور حُور ہے اور اگر مفسدہ ہو تو یہ شیطان کی خالہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے اس فتنہ کو ''بعدی'' سے جوڑ کر اشارہ فرمادیا کہ ان کا فتنہ میرے انتقال کے بعد بڑھتا جائیگا۔

﴿۷﴾ وعن أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنيا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَإِنَّ

اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْهَا فَیَنْظُرُ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَانَتْ فِی النِّسَاءِ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا شیرین اور سبز (جاذب نظر) ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس دنیا کا خلیفہ بنایا ہے اس لئے وہ ہر وقت دیکھتا ہے کہ تم اس دنیا میں کس طرح عمل کرتے ہو، لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنے) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل کی تباہی کا باعث سب سے پہلے فتنہ عورتوں ہی کی صورت میں تھا۔ (مسلم)

توضیح

حلوۃ خضرۃ: یعنی میٹھی شیرین سبز جاذب نظر ہے، شیرین چیز کو طبعیت چاہتی ہے اور سبزہ زار چیز بھی نظروں میں بھاتی ہے اسی طرح دنیا بھی دونوں آنکھوں میں بڑی پیاری لگتی ہے۔

واللہ مستخلفکم: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا رکھا ہے تم خلیفہ ہو اصل مالک اللہ تعالیٰ ہے تم صرف نائب اور وکیل کے طور پر اس میں رہ رہے ہو۔

فاتقوا الدنیا: یعنی دنیا ایک پُر فریب جال ہے اس میں پھنس نہ جاؤ دنیا فانی اور ناپائیدار ہے اپنا بیڑا اس خطرناک سمندر میں غرق نہ کرو ۔

یار ناپائیدار دوست مدار — دوستی را نشائید ایں غدار

دنیا تخادعنی کأنی لست اعرف حالها — مدت الی یمینها فقطعتها و شمالها

منع الالٰه حرامها و انا اجتنبت حلا لها — فرأیتها محتاجة فوهبت جملتها لها

اور عورتوں کے مکر و فریب سے بچو یہ بہت مکار عیار دغا رشطار ہیں ﴿ان کیدکن عظیم﴾ ان کا کردار ہے تم کو ہلاک کر کے رکھ دیگی ۔

شاہوں کے تاج چھینے راجوں کے راج چھینے — گردن کشوں کی گردن نیچا دکھا کے چھوڑا

فان اول فتنة بنی اسرائیل: اس حدیث میں بنی اسرائیل پر عورتوں کی وجہ سے جو فتنہ آیا تھا اس کا مصداق دو واقعے ہو سکتے ہیں

حکایت ۱! حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر جہاد کی غرض سے شام کے علاقہ میں جبارون (عمالقہ وغیرہ) کے مقابلہ میں نکل آئے، اس قوم میں بلعم ابن باعور کے نام سے ایک مستجاب الدعوات شخص رہتا تھا قوم نے ان سے کہا کہ موسیٰ

کے خلاف بددعا کرو تا کہ موسی اپنے لشکروں کے ساتھ واپس چلا جائے اس نے کہا تو بہ کرو وہ پیغمبر ہیں اگر بددعا کی تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ ان لوگوں نے عورتوں اور تحفوں کے ذریعے ان کو بددعا پر آمادہ کیا بلعم اپنے گدھے پر سوار ہو کر بددعا کے لئے نکلا گدھے نے گویا ہو کر کہا!

اے نادان بلعم ! تجھ پر افسوس ہے کہاں جا رہے ہو اپنے ساتھ مجھے بھی ہلاک کر رہے ہو؟ تم مجھے آگے بڑھا رہے ہو اور فرشتے مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں بلعم گدھے سے اتر کر پیدل چلنے لگا اور جا کر ایک مقام پر بددعا کی، بددعا الٹ گئی اب وہ اپنی قوم کو بددعا دے رہے ہیں قوم نے کہا بلعم یہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا میں کیا کروں بے اختیار زبان سے تمہارے لئے بددعا نکل رہی ہے، اس کے ساتھ بلعم کی زبان منہ سے باہر آئی اور سینہ پر لٹک گئی۔

بلعم نے قوم سے کہا میری دنیا و آخرت تو تباہ ہو گئی اب تم موسی اور اس کے لشکر کو روکنے کے لئے اپنی خوبصورت عورتوں کو سنوار کر لشکر کے اندر بھیجدو اور ان عورتوں سے کہدو کہ ہر سپاہی کی ہر خواہش پوری کریں۔

چنانچہ یہ عورتیں جا کر لشکر اسلام میں فتنہ ڈالنے لگیں لیکن کسی نے ان کی طرف نہیں دیکھا مگر زمزم نام کے ایک سردار نے ایک عورت سے زنا کیا جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل میں ایک وبائی بیماری پھیل گئی جس سے ستر ہزار فوجی مر گئے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے اس گناہ کی تلاش کے لئے آدمی بھیجے ایک آدمی نے زمزم اور اس کے ساتھ اجنبی عورت کو قتل کر دیا تب عذاب ٹل گیا۔ ہو سکتا ہے اس حدیث میں اس قصہ اور اس فتنہ کی طرف اشارہ ہو۔

حکایت ۲! دوسرا قصہ یوں پیش آیا کہ بنی اسرائیل میں عامیل نام کے ایک شخص نے اپنے چچا یا چچازاد بھائی کو اس لئے قتل کیا کہ اس کی بیٹی یا اس کی بیوی سے نکاح کرے، سورت بقرہ کا لمبا قصہ اسی واقعہ کے متعلق ہے، ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اس قصہ کی طرف اشارہ ہو۔

تین چیزوں میں نحوست

﴿۸﴾وعن اِبنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَلشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالفَرَسِ (متفق علیه) وَفِي رِوَايَةِ اَلشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَةِ.

اور حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت، گھر، اور گھوڑے میں نحوست ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورت میں، مکان میں اور جانور میں۔

توضیح

الشوم: شوم بدشگونی نحوست اور بے برکتی کو کہتے ہیں یہ ''یُمن'' یعنی برکت کی ضد ہے۔

سوال! یہ حدیث ان تمام احادیث سے معارض ہے جن میں بدشگونی اور نحوست کی نفی کی گئی بلکہ "الطیرۃ شرک" فرمایا گیا ہے؟

جواب! اس سوال کے کئے جوابات ہیں اول جواب یہ کہ یہ کلام فرض وتقدیر کے طور پر ہے کہ فرض کرلو اگر نحوست ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی مگر نحوست نہیں ہے اس لئے ان تین میں بھی نہیں ہے۔

دوسرا جواب! یہ کہ خود حضرت ابو ہریرہؓ اس نحوست کی تشریح وتوضیح میں فرماتے ہیں کہ عورت کی نحوست یہ کہ بداخلاق ہو گھوڑے کی نحوست یہ کہ سرکش ہو سوار ہونے نہیں دیتا ہو گھر کی نحوست یہ کہ تنگ ہو۔ تو یہاں حدیث میں شوم سے بدشگونی نہیں بلکہ بدی اور برائی مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ منحوس عورت وہ ہے جو بانجھ ہو گھر کی نحوست یہ کہ اس کا پڑوسی بیکار ہو گھوڑے کی نحوست یہ کہ اس پر جہاد نہ کیا جائے۔

تیسرا جواب! یہ کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے ان تین چیزوں میں نحوست کی خاصیت رکھی ہے یہ تاثیر بالخاصہ ہے اس لئے یہ تین چیزیں بدشگونی اور طیرہ کی عام احادیث سے مستثنیٰ ہیں "ومامن عام الاوقد خص عنه البعض"

اپنے نکاح کے لئے کنواری عورت کو ترجیح دو

﴿۹﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيبًا مِنَ الْمَدِينَةِ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي حَدِيثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَبِكْرٌ أَمْ ثَيِّبٌ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ أَمْهِلُوا حَتّٰى نَدْخُلَ لَيْلًا أَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ (متفق علیه)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے چنانچہ جب ہم (جہاد سے) واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری نئی نئی شادی ہوئی تھی (کہ میں جہاد میں چلا گیا اب اگر حکم ہو تو میں آگے چلا جاؤں تاکہ اپنے گھر جلد سے جلد پہنچ سکوں) آپؐ نے فرمایا تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! آپؐ نے پوچھا تمہاری (بیوی) کنواری تھی یا بیوہ تھی؟ میں نے عرض کیا کہ بیوہ تھی، آپؐ نے فرمایا تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا تاکہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی، پھر جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں جانے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ابھی ٹھہر جاؤ ہم رات میں (یعنی شام کے وقت) گھروں میں داخل ہوں گے تاکہ جس عورت کے بال پراگندہ ہوں وہ کنگھی چوٹی کرلے اور وہ عورت جس کا خاوند موجود نہیں تھا (بلکہ ہمارے ساتھ جہاد میں گیا تھا) اپنے زائد بال صاف کرلے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

فی غزوۃ: اس سے غزوہ تبوک مراد ہے "قفلنا" میدان جہاد اور غزوہ سے واپس گھر لوٹ کر آنے کو قفل کہتے ہیں۔

تلاعبہا وتلاعبک: اس جملہ سے میاں بیوی کے درمیان کھیل کود اور حقوق زوجیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت جابر کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باکرہ اور کنواری سے نکاح کی ترغیب دی حضرت جابرؓ نے اس کی معقول وجہ یہ بتائی کہ میری آٹھ بہنیں ہیں اگر میں کنواری لڑکی سے شادی کر کے لاتا تو وہ بھی ان کے ساتھ ایک لڑکی بن کر رہتی میں نے چاہا کہ ایک ثیبہ بیوہ تجربہ کار عورت سے شادی کرلوں تا کہ وہ ان کی ماں بن کر تربیت کرے۔

ندخل لیلا: یہاں سوال یہ ہے کہ دوسری حدیث میں رات کے وقت داخل ہونے کو منع فرمایا اور یہاں رات کے دخول کے لئے انتظار کا حکم دیا گیا ہے، یہ تعارض ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ رات کا دخول اس وقت منع ہے کہ پہلے عورت کو اطلاع نہ ہو اور عورت کی تزئین وآرائش کے بغیر اچانک یہ شخص اندر گھس آیا اور ادھر بیوی صاحبہ میلی کچیلی چڑیل کی طرح بیٹھی ہوئی تھی اس سے دونوں کے تعلقات کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے تو یہ منع ہے اور یہاں رات کے دخول سے پہلے عورتوں کو اطلاع ہوگئی تھی ان کو تیاری اور آرائش وزیبائش کا موقع مل گیا تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ صورت اس ممنوع صورت سے الگ ہے۔

لکی تمتشط: امتشاط کنگھی کرنے کو کہتے ہیں "الشعثۃ" پراگندہ بال عورت کو کہتے ہیں جب دیر تک شوہر گھر سے غائب رہتا ہے تو عورت عموماً بال سنوارنے سے غافل رہتی ہے یہی شعثہ ہے۔

تستحد المغیبۃ: استحداد حدید سے ہے لوہا استعمال کرنے کے معنی میں آتا ہے "المغیبۃ" اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر کافی عرصہ سے غائب ہو۔ میم پر ضمہ ہے۔

اب یہاں پہلا سوال یہ ہے کہ یہاں عورت کے لئے اُسترے کا استعمال بتایا گیا ہے یہ کیسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کے لئے استرے کا استعمال نامناسب بھی ہے اور نہ عورتیں اس استعمال کو صحیح طریقہ سے پورا کرسکتی ہیں یہاں استحداد کا لفظ ازالۂ بال سے کنایہ ہے، خواہ نورہ سے ہو یا بالصفا وغیرہ سے ہو۔ عورتوں کے لئے اصل طریقہ "نتف" یعنی بال نوچنے کا ہے لیکن اس لفظ کو بوجہ قباحت ظاہر نہیں کیا گیا تو استحداد کا لفظ استعمال کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں "المغیبۃ" کا لفظ آیا ہے اور اس سے پہلے الشعثۃ کا لفظ آیا ہے حالانکہ وہ کنگھی کرنے والی پراگندہ بال عورت بھی المغیبۃ ہے اس کا شوہر بھی غائب رہا ہے لیکن یہاں عورت کے زیرناف بال کے لمبے ہونے کا ذکر چھوڑ کر اس کو مغیبۃ کے نام سے یاد کیا گیا ہے تا کہ عورتوں کے پوشیدہ مسائل پر ممکن حد تک پردہ ڈالا جا سکے تو المغیبۃ کا لفظ درحقیقت عورت کے زیرناف بال کے لمبے ہونے سے کنایہ ہے اس کا ذکر بوجہ قباحت چھوڑا گیا ہے اور الشعثۃ میں قباحت نہیں تھی اس لئے اس کا ذکر کیا گیا اس کو المغیبۃ کہنے کی

ضرورت نہیں تھی۔مردوں کے لئے زیرناف بال کی صفائی میں استرے کا استعمال زیادہ بہتر اور باعث قوت مردمی ہے اور عورتوں کے لئے "نتف" یعنی نوچنا زیادہ بہتر ہے۔

۳۰ شوال ۱۴۱۷ھ

وہ تین شخص جن کی اللہ ضرور مدد کرتا ہے

الفصل الثانی

﴿۱۰﴾عن أَبِی هُرَیْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلاثَةٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُکَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُالْاَدَاءَ وَالنَّاکِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُالْعَفَافَ وَالْمُجَاهِدُ فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ.

(رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے تین شخص ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے ایک تو وہ مکاتب جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو، اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح

حق علی اللّٰه: لفظ حق کو اس لئے اختیار کیا کہ آنے والے تین امور انسان کے لئے بڑے شاق اور گراں ہیں جو انسان کی کمر توڑ کر رکھ دیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ خصوصی مہربانی اور نصرت و مدد نہ فرمائے تو کوئی شخص انکو پورا نہیں کرسکتا ہے۔

المکاتب: مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ اس کے مالک نے اسے کہہ دیا ہو کہ اگر تم مجھے اتنا روپیہ کما کر دیدو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے، یہ رقم بدل کتابت کہلاتی ہے اس کے ادا کرنے پر غلام آزاد ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا ایک روپیہ بھی باقی ہو تو مکاتب غلام رہیگا اس غلام کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر احسان واکرام کے طور پر انکی اعانت واجب فرمادی ہے۔

اسی طرح ناکح ہے اور اسی طرح مجاھد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ ناکح پاکدامنی چاہتا ہے اور مجاھد تو اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے جان کی بازی لگاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ انکی اعانت فرماتا ہے کہ یہ بے غرض لوگ ہیں۔

عورت کے ولی کے لئے ایک ضروری ہدایت

﴿۱۱﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِذَاخَطَبَ إِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَهُ وَخُلُقَهُ

فَزَوِّجُوْهُ إِنْ لَاتَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ (رواه الترمذی)

اور حضرت ابوہریرۃؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمھارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اخلاق سے مطمئن ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔ (ترمذی)

توضیح

فَزَوِّجُوْهُ:۔ یعنی ایک نیک سیرت و نیک صورت آدمی نے پیغام نکاح دیا تو لڑکی کے اولیاء کو چاہئے کہ اس پیغام پر عمل کر کے لڑکی اس کے نکاح میں دیدیں اور بیکار شرائط نہ لگائیں، جیسا کہ دنیا کے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اہل ثروت مالداروں کو ڈھونڈتے پھیرتے ہیں اور اچھے اخلاق واطوار اور دینداری کو نہیں دیکھتے ہیں پھر طرح طرح کی شرائط رکھتے ہیں اس وجہ سے مرضی کا رشتہ جلدی نہیں ملے گا تو لڑکی گھر میں موت تک بھیٹی رہیگی جب مردوں اور عورتوں کی بیاہی اور شادیوں میں یہ رکاوٹیں آجائیں گی تو زنا عام ہو جائے گا اس کے نتیجہ میں جھگڑے اٹھیں گے اور طویل فساد شروع ہو جائے گا۔ حدیث میں خطاب عورت کے اولیاء کو ہے کبھی کبھی پیغام ٹھکرانے سے باہمی بغض وحسد اور عناد وفساد اور عداوت کا میدان بھی گرم ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیغام نکاح آنے کے بعد صرف دین کو دیکھنا چاہئے اس کے علاوہ ''کفو'' میں کسی شرف اور خاندانی تناسب کو نہیں دیکھا جائے گا لیکن جمہور علماء کرام فرماتے ہیں کہ کفو کے لئے چار اشیاء کا ہونا ضروری ہے (۱) دین (۲) حریت (۳) نسب حسب (۴) حرفت و پیشہ۔

زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو

﴿۱۲﴾ وعن مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ (رواه ابوداؤد والنسائی)

حضرت معقل ابن یسارؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنیوالی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنیوالی ہو کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

الولود الودود:۔ عورت اگر کثیر الاولاد ہو مگر اپنے شوہر سے محبت کرنے والی نہ ہو تو یہ بھی باعث تسکین قلب اور جاذب نظر

ہیں ہوتی اور اگر اولاد نہیں بانجھ ہے تو مقصد نکاح اور مطلوب فوت ہو جاتا ہے پھر بھی باعث اطمینان نہیں لیکن اگر یہ دونوں وصف عورت میں آجائیں تو وہ مرغوبہ بھی ہے اور محبوبہ مطلوبہ بھی ہے۔

سوال! یہ کیسے معلوم ہوگا کہ فلاں لڑکی محبت کرنے والی ہوگی فلاں نہیں ہوگی اور فلاں کثیر الاولاد ہوگی اور فلاں نہیں ہوگی؟

جواب! اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ہر عورت کے خاندان اور ان کے رشتہ داروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس خاندان کی لڑکیاں کس طرح ہوتی ہیں۔

فانی مکاثر بکم! یہ جملہ ماقبل کے لئے علت ہے "**مکاثر ای مفاخر**" یعنی دیگر امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا کہ میرے پیروکار زیادہ ہیں جب تم زیادہ ہونگے تو میں اس مقابلہ میں ان پر غالب آجاؤنگا۔

اس حدیث میں کثرت اولاد کی ترغیب ہے لہٰذا یہ غلط ہے کہ "بچے دو ہی اچھے"

اگر کثرت اولاد پر لوگوں کو اس لئے اعتراض ہے کہ یہ بچے معاشرہ پر بوجھ بنیں گے تو ان کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ یہی آج کے بچے کل کے معاشرہ کی ترقی کا ذریعہ ہیں اور اگر کم ہی کرنا ہے تو میدان جہاد کھولدو ادھر سے بچے جوان ہوں گے اور ادھر جاکر شہید ہوں گے اللہ کی رضا اور دین کی ترقی حاصل کریں گے جس میں دین بھی ہے دنیا بھی ہے۔

اور اگر اہل باطل اور کفار کا کثرت اولاد پر اس لئے اعتراض ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بچے زیادہ پیدا ہوتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم جلتے رہو تم جلتے رہوگے اور مسلمان بڑھتے رہیں گے تم لاکھ دوائی ایجاد کرو اور ناجائز خاندانی منصوبے بناؤ مسلمانوں کے غیور اور شرم وحیاء سے بھرپور نوجوان تمہارے منصوبوں کو خاک میں ملائیں گے اور زیادہ سے زیادہ بچے لائیں گے۔

کنواری سے نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے

﴿۱۳﴾ وعن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهًا وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا وَأَرْضَى بِالْيَسِيرِ (رواه ابن ماجه مرسلا)

اور حضرت عبد الرحمٰن ابن سالم ابن عتبہ ابن عویم ابن ساعدہ انصاری اپنے والد حضرت سالم سے اور وہ عبد الرحمٰن کے دادا (یعنی حضرت عتبہ تابعی) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہیں کنواری عورتوں سے نکاح کرنا چاہیئے کیونکہ وہ شیریں دہن (یعنی کنواری عورتیں شیریں زبان وخوش کلام ہوتی ہیں اور وہ بدزبانی فحش گوئی میں مبتلا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں نیز وہ تھوڑے پر بھی راضی رہتی ہیں (یعنی تھوڑا مال واسباب پانے پر بھی راضی رہتی ہیں) اس روایت کو ابن ماجہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح

اعذب افواھا:۔ عربی محاورہ میں محبوبہ کے منہ کی تھوک کی جب تعریف کی جاتی ہے تو اس کو اعذب کہتے ہیں یہاں منہ بول کر تھوک مراد لیا گیا ہے۔ شاعر ساحر نے محبوبہ کی تھوک کو مٹھاس میں شہد سے بڑھکر بتایا ہے ۔

مظلومة القدفی تشبيهه غصنا مظلومة الريق فی تشبيهه ضربا

ضرب شہد کو کہتے ہیں ۔ ''اعذب افواھا'' یا تو اس کی زبان اور کلام کی مٹھاس سے کنایہ ہے کہ باکرہ کی زبان میں بوجہ شرم وحیا زبان درازی نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کا اس سے پہلے کسی شوہر سے واسطہ نہیں پڑا ہے۔

یا اس سے کنایہ ہے کہ باکرہ کی شکل وصورت میں بناوٹ اور سجاوٹ ہوتی ہے جو عذوبت کا ذریعہ ہے یہ کیفیت ثیبہ میں نہیں ہوتی ہے ۔

وہ لب کہ جیسے ہو شاخ گلاب پر غنچہ جو بات بھی نہ کرے باکمال لگتا ہے

یاحقیقۃ باکرہ کی تھوک بوجہ بکارت لذیذ ہوتی ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ منہ بول کر تھوک مراد لیا گیا ہے۔ اس حدیث میں باکرہ کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ باکرہ بوجہ بکارت زیادہ بچے پیدا کرتی ہے۔

وانتق ارحاما:۔ انتق او سع کے معنی میں ہے "ای اکثر اولادا" یعنی رحم میں قوت غریزی اور حرارت زیادہ ہونے کی وجہ سے نطفہ کو جلدی قبول کر کے بچے زیادہ پیدا کرتی ہے۔ ناتق اس عورت کو کہتے ہیں جس کی اولاد کثیر ہوں۔ شاعر حماسی کہتا ہے ۔

ابی لهم ان يعرفوا الضيم انهم بنو ناتق كانت كثيرا عيالها

یعنی کثیر الاولاد عورت کے بہت سارے بیٹے ہیں وہ ظلم اور ذلت کو نہیں پہچانتے ہیں۔

نتق عربی میں پھینکنے کے معنی میں ہے گویا یہ عورت اولاد کو مسلسل پھینک رہی ہے "وارضی بالیسیر" اس جملہ میں باکرہ کی تیسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ باکرہ ہر چیز میں جتنا حصہ اس کو دیا گیا اس پر راضی رہتی ہے خواہ وہ جماع ہو یا سامان ہو یا طعام ہو یا سلام کلام ہو کیونکہ اس نے کسی اور شوہر کو نہیں دیکھا ہے بلکہ اس میدان کی پہلی شہسوار ہے تو قلیل وکثیر پر راضی رہتی ہے۔ بخلاف بیوہ عورت کے کہ اس نے اس سے پہلے ایک اور شوہر کی شہسواری کی ہے تو وہ اس دوسرے شوہر کو ہر چیز میں تولتی رہتی ہے۔

یہ حدیث اور اس سے پہلے حضرت معقل کی حدیث آپس میں مفہوم ومضمون کے ساتھ عجیب انداز میں مربوط ہے۔ پہلی حدیث میں محبت والی عورت کا ذکر تھا اور جس عورت میں محبت ہوتی ہے اس کی زبان اور الفاظ میٹھے ہوتے ہیں تو دوسری حدیث میں اس کا ذکر آگیا یہ اس عورت کی ظاہری خوبی ہوئی اور ''ارضی بالیسیر'' سے اس کی قناعت اور صبر وتحمل کا پتہ چلا یہ اس

عورت کی باطنی خوبی ہوئی جو اس دوسری حدیث میں مذکور ہے اور جس انسان میں دل اور زبان کی خوبی جمع ہوگئی وہ کامیاب انسان ہوتا ہے۔شاعر کہتا ہے۔

لسان الفتی نصف ونصف فؤادہ   فلم یبق الاصورۃ اللحم والدم

الفصل الثالث

﴿۱۴﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّیْنِ مِثْلَ النِّکَاحِ.

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے شخص) تو نے نکاح کی مانند ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو زیادہ کرے۔

لِلْمُتَحَابَّیْنِ: یعنی نکاح کے ذریعے سے میاں بیوی کے آپس کی محبت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ایک دوسرے میں فنا ہو جاتے ہیں دو سے متجاوز ہو کر طرفین کے خاندان آپس کی محبت میں جڑ جاتے ہیں گویا خونی رشتہ سے یہ رشتہ محبت میں بڑھ جاتا ہے ایک دوسرے پر فدا ہوتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ پہلے دونوں میں پاکیزہ محبت تھی اس کے بعد دونوں میں نکاح ہوگیا تو نکاح والی محبت اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ کسی نے اس طرح کی محبت نہ دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے بغیر محبت ناقص ہے اور نکاح میں جماع ہے جس میں محبت کی تکمیل ہے۔

آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی فضیلت

﴿۱۵﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ أَنْ یَلْقَی اللّٰہَ طَاھِرًا مُطَھَّرًا فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ.

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ پاکی کی حالت میں اور پاکیزہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہیئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔

فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ: وجہ یہ کہ لونڈی میں وہ خصوصیات نہیں جو حرائر میں ہوتی ہیں اس کا بُرا اثر شوہر پر بھی پڑتا ہے اور پھر اس کے برے خصائل اور پست ہمت کا اثر اولاد پر بھی پڑتا ہے۔لونڈی خود ادب وتہذیب سے خالی ہوتی ہے اس لئے انکی اولاد بے تربیت اور بدتہذیب بن سکتی ہے۔اس کے برعکس حرہ کی اعلی صفات کا اثر شوہر اور اولاد پر پڑتا ہے تو وہ پاکیزہ ہوں گے حرائر جیسا سلیقہ اور تربیت لونڈیوں میں کہاں ہوسکتی ہے۔خلاصہ یہ کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو کامل انسان اور کامل صفات والا دیکھنا چاہتا ہے یہ صفات حرائر اور شریف زادیوں میں ہیں لونڈیوں میں نہیں۔

نیک بخت بیوی کی خصوصیت

﴿۱۶﴾ وعن أَبِی أُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ يَقُوْلُ مَااسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا لَهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ (رَوَى ابْنُ مَاجَه اَلاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ.

اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مومن بندہ اللہ تعالی کے تقوی کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لئے منتخب کرتا ہے وہ نیک بخت اور خوبصورت بیوی ہے، ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر (شوہر) اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے، جب وہ اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی وپاک سیرتی سے) اس کا دل خوش کرتی ہے، جب وہ اس کو قسم دیتا ہے تو وہ اس قسم کو پورا کرتی ہے اور جب اس کا خاوند موجود نہیں ہوتا تو وہ اپنے نفس کے بارے میں (اور شوہر کے مال میں) خیر خواہی کرتی ہے (کہ اس کو ضائع وخراب ہونے سے بچاتی ہے اور اس میں کوئی خیانت نہیں کرتی) مذکورہ بالا تینوں حدیثیں ابن ماجہ نے نقل کی ہیں۔

بعد تقوی اللہ: یعنی دینداری اور تقوی کے بعد سب سے بہتر چیز صالح عورت ہے جو مفت کی خدمت گار ہے غم گسار و اطاعت گذار ہے شوہر کے تمام احساسات کا محافظہ ہے جس میں دین و دنیا دونوں کا فائدہ ہے۔

اس حدیث میں ''تقوی اللہ'' یعنی خوف خدا اور دین اسلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا آدھا حصہ نیک عورت سے نکاح ہے اور باقی آدھا اس کے علاوہ ہے، اس حدیث کا مضمون آنے والی حدیث کی طرح ہے کہ نکاح کرنا آدھا دین ہے۔ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو تباہ کرنے والی عمومی طور پر دو چیزیں ہیں ایک بطن ہے اور دوسرا فرج ہے، نکاح سے فرج کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ اس حدیث میں زوجہ صالحہ کی تشریح وتفصیل ہے خلاصہ یہ کہ عورت اگر صالحہ ہے تو شوہر کے اوامر ونواھی اور اسکے اشارہ آبرو پر لبیک کہتی ہے، شوہر موجود نہ ہو پھر بھی خیر خواہ ہوتی ہے۔ اور اگر مفسدہ ہو تو پھر فساد ہی فساد ہے۔

اقسم علیھا: مطلب یہ کہ شوہر نے بیوی سے متعلق کوئی قسم کھائی کہ یہ کام نہیں کریگی یا کریگی تو نیک بیوی شوہر کی قسم کا پورا پورا خیال رکھتی ہے۔

نکاح آدھا دین ہے

﴿۱۷﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَاتَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ

الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِيْ نِصْفِ الْبَاقِي.

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس بندہ نے نکاح کیا اس نے آدھا دین پورا کرلیا اب اس کو چاہیئے کہ باقی آدھے کے بارہ میں خدا سے ڈرے۔

توضیح

نصف الدین: یعنی انسان میں دو قوتیں اور دو چیزیں ایسی ہیں جس سے پورے دین میں فساد آنے کا احتمال ہے۔ ایک شہوت بطن کی قوت ہے اور دوسرا شہوت فرج کی قوت ہے۔ شہوت بطن شہوت فرج کا نصف ہے تو نکاح سے شہوت فرج کی حفاظت ہوجاتی ہے لہٰذا نصف دین کی حفاظت نکاح سے ہوگئی، باقی نصف کی حفاظت دیگر اچھے افعال واعمال اور عبادات کے ذریعے سے کرنا چاہئے، تاکہ ایمان کامل ہوجائے۔

کون سا نکاح بابرکت ہے

﴿۱۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مُؤْنَةً (رواهما البيهقي في شعب الإيمان)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بلا شبہ بہت زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔

توضیح

ایسر مؤنة: یعنی آسان اور کم خرچ بالانشین نکاح وہ ہے کہ عورت کا مہر کم سے کم ہو بوقت نکاح شوہر پر ناجائز شرائط نہ لگائی جائے شوہر کی حیثیت سے زیادہ مال واسباب کا مطالبہ عورت نہ کرے جہیز کا بوجھ بیوی پر نہ ڈالا جائے اور دیگر رسومات وبدعات سے نکاح پاک ہو۔

باقی جہاں لڑکی کو فرخت کر کے مہر کے نام سے والدین مال کماتے ہیں یہ ظلم اور حرام کی کمائی کے علاوہ بڑی بے غیرتی بھی ہے ایسے علاقوں کے علماء پر فرض ہے کہ وہ خود بھی اس ظلم سے دور رہیں اور عوام کو بھی خوب نصیحت کر کے منع کردیں۔

باب النظر الی المخطوبة وبیان العورات

منسوبہ کو دیکھنے اور مستورہ اعضاء کو چھپانے کا بیان

المخطوبة: خطب، مخاطبہ اور تخاطب ایک دوسرے سے کلام کرنے کے معنی میں ہے، خُطبہ وعظ کے کلام اور خِطبہ نکاح کے پیغام کو کہتے ہیں یہاں یہی نکاح کا پیغام مراد ہے۔ عورات جمع ہے اس کا مفرد عورة ہے اصل اور حقیقت میں عورة انسان کی شرمگاہ اور مستورہ اعضاء کو کہا جاتا ہے یہ عار سے مشتق ہے کیونکہ ان اعضاء کے ظاہر ہونے سے انسان کو عار لاحق ہوتا ہے اسی لئے عورة کا لفظ مستورات پر بولا جاتا ہے۔

النظر الی المخطوبة: مخطوبہ وہ عورت ہے جس کے نکاح کا پیغام دیا گیا ہو جس کو اردو میں منسوبہ کہتے ہیں، نکاح سے پہلے مخطوبہ کو دیکھنا جائز ہے یا ناجائز ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

اہل ظواہر کے نزدیک مخطوبہ کو کسی صورت میں دیکھنا جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک ایک قول کے مطابق مطلقاً ممنوع ہے اور ایک قول کے مطابق عورت کی اجازت سے جائز ہے بغیر اجازت منع ہے۔ جمہور فقہاء اور عام علماء فرماتے ہیں کہ مخطوبہ کو دیکھنا مطلقاً جائز ہے خواہ انکی اجازت ہو یا نہ ہو۔

دلائل:

اہل ظواہر نے مشکوٰۃ شریف ص ۲۶۹ پر حضرت علی کی روایت سے استدلال کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "یا علی لاتتبع النظرة النظرة" اہل ظواہر کہتے ہیں کہ اس سے مطلقاً دیکھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

جمہور نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے زیر بحث باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ص ۲۶۸ پر ہے جسمیں "فانظر الیها" واضح الفاظ آئے ہیں، اسی صفحہ پر فصل ثانی میں حضرت جابرؓ کی روایت ہے اس کے ساتھ مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت ہے ان احادیث میں واضح طور پر مخطوبہ کو دیکھنے کا حکم ہے اور تاکید ہے تو یہ کس طرح ممنوع ہوسکتا ہے۔ نیز یہ زندگی کا مسئلہ اور معاملہ ہے تو خوب تسلی کرنی چاہئے۔

جواب:

اہل ظواہر نے حضرت علیؓ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ غلط استدلال ہے کیونکہ اس حدیث کا تعلق اجنبیات

کی بدنظری سے ہے اور ہماری بحث مخطوبہ منسوبہ میں ہے۔ ہاں اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ کسی تجربہ کار عورت کو اس لڑکی کے ہاں بھیجا جائے وہ تسلی سے دیکھ کر صورت حال بتادیگی، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ مخطوبہ کو دیکھنے کی مردوں کو جو اجازت ہے وہ صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کے ایک بار دیکھنے کی اجازت ہے دیگر اعضاء نہیں اور بار بار دیکھنا بھی نہیں۔

اپنی منسوبہ کو دیکھ لینا مستحب ہے

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں (اس بارے میں آپکی کیا ہدایت ہے) آپؐ نے فرمایا "تم اس عورت کو دیکھ لو (تو اچھا ہے) کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے۔ (مسلم)

فَإِنَّ فِي أَعْيُنِ الْأَنْصَارِ شَيْئًا: یعنی مشورہ کا تقاضا یہی تھا جس طرح کہ حضور اکرمؐ نے اس شخص کو صاف صاف بتلادیا کیونکہ "المستشار مؤتمن" کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین بنایا جاتا ہے تو ان کو صاف بتلانا چاہئے۔

"شئی" اس سے مراد یا یہ کہ انصاری عورتوں کی آنکھیں نیلی ہوتی ہیں، یا مطلب یہ کہ اس میں پیلاپن ہوتا ہے۔

سوال!

اب شارحین نے یہاں یہ سوال اٹھایا ہے کہ حضور اکرم کو اجنبی عورتوں کی آنکھوں کا کیسا علم ہوا؟

جواب!

پہلا جواب یہ کہ مردوں پر عورتوں کو قیاس کیا مردوں کی آنکھیں ایسی تھیں۔ دوسرا جواب یہ کہ وحی کے ذریعے سے معلوم ہوا۔ تیسرا جواب یہ کہ آنحضرتؐ امت کے روحانی باپ تھے آپ سے شرعاً کسی کا پردہ نہیں تھا یا یہ کہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے آپ نے دیکھ لیا تھا۔ یا امہات المؤمنین کے ذریعے سے معلوم ہو گیا تھا۔

یہ چند جوابات ہو گئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال بالکل بے وزن اور بے جا ہے کیونکہ ایک ہی ماحول و معاشرہ میں رہتے ہوئے اپنی قوم وطبقہ کے حالات سے کون واقف نہیں ہوتا۔ کیا انصار کی عورتیں سب بالغہ پیدا ہوئیں تھیں ان پر بچپن کا زمانہ نہیں گذرا تھا یا انکی آنکھوں پر پیدائش کے وقت سے بلوغ تک پردے پڑے تھے کسی کی نظر ان پر نہیں پڑی؟

کسی عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر سے بیان مت کرو

﴿۲﴾وعن ابن مسعودٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاتباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتها لزوجها كأنه ينظر إليها (متفق علیہ)

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کوئی عورت اپنا برہنہ جسم کسی دوسری عورت کے برہنہ جسم سے نہ لگائے اور نہ اس عورت کے جسم کا حال اپنے خاوند کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے خاوند کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا خاوند اس عورت کے جسم کو خود دیکھ رہا ہو۔ (بخاری ومسلم)

لاتباشر المرأۃ۔۔ تباشر سے التصاق البشرۃ بالبشرۃ مراد ہے یعنی کوئی عورت برہنہ جسم کے ساتھ کسی عورت کے برہنہ جسم کو مس نہ کرے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے دیکھنا اور چھونا دونوں مراد ہے۔ یہ حکم دس سال کے بعد کی عمر میں مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے یہاں دو عورتوں کو منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے وہ عورت دوسری عورت کے جسم کی خصوصیات گداز پن وغیرہ معلوم کرلیگی اور پھر اپنے شوہر کے سامنے بیان کریگی گویا وہ اسکو دیکھ رہا ہے یہ بہت معیوب عمل ہے اس قبیح فعل میں ایک تو بے شرمی، بے حیائی اور بے غیرتی ہے دوسرا یہ کہ اگر اس بیان سے اس کا شوہر اس عورت پر فریفتہ ہوگیا تو وہ فتنہ میں پڑ جائے گا اور خود یہ عورت کف افسوس ملتی رہے گی۔

عورتوں اور مردوں کے لئے چند ہدایات

﴿۳﴾وعن أبي سعيدٍ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لاينظر الرجل إلى عورة الرجل ولاالمرأة إلى عورة المرأة ولايفضي الرجل إلى الرجل في ثوبٍ واحدٍ ولاتفضي المرأة إلى المرأة في ثوبٍ واحدٍ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کوئی مرد کسی دوسرے کے ستر کو نہ دیکھے، کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں جمع نہ ہوں اور نہ دو برہنہ عورتیں ایک کپڑے میں جمع ہوں۔ (مسلم)

توضیح

"لاینظر الرجل" مردوں اور عورتوں کے جسم کے جن حصوں کی طرف دیکھنا شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس کو ستر کہا جاتا ہے، مرد و عورت کے ستر کی حدود اس طرح ہیں۔

مرد کا ستر اس کے ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنوں کے نیچے تک ہے مرد کے اس حصہ کو دیکھنا مردوں اور عورتوں کے لئے حرام ہے ہاں ان کی بیوی اور لونڈی کے لئے جائز ہے۔

عورت کا ستر دوسرے عورت کے لئے زیر ناف سے گھٹنوں تک ہے لہٰذا کوئی بھی عورت کسی عورت کے اس حصہ کو نہ دیکھے یہ حرام ہے، ہاں شرعی عذر اس سے مستثنیٰ ہے عورت کا پورا جسم اجنبی مرد کے لئے ستر ہے ہاں چہرہ اور ہتھیلی بوجہ مجبوری اس حکم سے مستثنے ہیں یہ عورتوں کی مجبوری ہے مردوں کو دیکھنے کی ترغیب نہیں ہے۔اجنبی مرد کسی جوان لڑکی کے جسم کے کسی حصہ کو چھو نہیں سکتا ہے۔

مرد کو اپنی بیوی اور لونڈی سے جب جماع حلال ہے تو ان کے تمام اعضاء کو دیکھنا بھی جائز ہے عورت کا ستر اس کے محرم کے حق میں زیر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے اور پیٹھ اور پیٹ بھی ستر میں داخل ہے اس کے علاوہ ستر نہیں۔

خوبصورت مرد کو شہوت کی نگاہ سے دیکھنا عورتوں کے لئے حرام ہے اور مرد کا جسم چھونا بھی حرام ہے غلام اپنی مالکہ یعنی مالک کی بیوی کے حق میں اجنبی مرد کی طرح ہے، یعنی غلام سے پردہ کرنا ضروری ہے۔

دو برہنہ مرد ایک کپڑے میں اکٹھا نہ سوئیں اسی طرح دو برہنہ عورتیں بھی ایک کپڑے میں نہ سوئیں اگر چہ محل فتنہ نہ ہو پھر بھی یہ بے حیائی ہے جو ممنوع ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اصل ضابطہ شہوت اور ہیجان ہے جب ہیجان آجائے تو پھر جائز مقامات کو دیکھنا بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ ہیجڑا اور خواجہ سرا بھی اجنبی مردوں کی طرح ہیں۔

﴿۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحًا أَوْ ذَا مَحْرَمٍ (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خبردار ! کوئی مرد کسی ثیب عورت کے ساتھ شب نہ گذارے الّا یہ کہ وہ مرد ناکح یعنی خاوند یا محرم ہو۔ (مسلم)

توضیح

لا یبیتن: رات گذارنے سے یہاں مراد تنہائی میں ملنا ہے رات میں ہو یا دن میں ہو دونوں ناجائز ہے۔

ثیبہ یعنی بیوہ کو اس لئے خاص کیا کہ باکرہ میں حیاء مانع اور حجاب ہوتی ہے تو وہاں فتنے کا اتنا خطرہ نہیں جتنا کہ ثیبہ میں ہے نیز ثیبہ اس میدان کی شہسوار اور تجربہ کار ہے اس کو اپنی عادت جلدی مجبور کر سکتی ہے۔ یا ثیبہ کے لفظ سے بلا زوج عورت مراد ہے خواہ بیوہ ہو یا کنواری ہو یہ تشریح زیادہ بہتر ہے۔

محرم: دائمی محرم وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ عورت کا نکاح کبھی بھی کسی صورت میں ممکن نہ ہو۔

دیور سے پردہ کا حکم

﴿۵﴾وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ (متفق علیه)

اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (اجنبی) عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو (جب کہ وہ تنہائی میں ہوں یا ننگی کھلی بیٹھی ہوں) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حمو کے بارہ میں آپ کا کیا حکم ہے؟ (کیا ان کے لئے بھی یہ ممانعت ہے) آپؐ نے فرمایا ''حمو، تو موت ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

الحمو الموت: حمو کی جمع احماء آتی ہے یہ عورت کے ان رشتہ داروں کو کہتے ہیں جو شوہر کی جانب سے ہو مگر یہاں شوہر کا باپ اور شوہر کا بیٹا اس سے مستثنے ہیں یہاں اس لفظ کا پہلا مصداق شوہر کے بھائی ہیں جو اس عورت کے دیور کہلائے جاتے ہیں۔ حدیث میں دیور کو موت کہہ کر یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ خطرناک چیز ہے اس سے بچ کر رہو۔

عرب جب کسی کو کسی چیز سے ڈراتے ہیں تو اس چیز کو موت یا آگ سے یاد کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں ''الاسد الموت'' شیر سے بچو وہ موت ہے ''السلطان النار'' بادشاہ کے قریب نہ جاؤ وہ موت ہے ''الحمو الموت'' یعنی دیور سے اس طرح بچو جس طرح موت سے بچتے ہو، کیونکہ اس کا فتنہ پُر خطر ہے گھر کے افراد میں سے ایک فرد ہے گھر کا بھیدی ہے شرعی مسئلہ اسی طرح ہے کہ دیور سے شرعی پردہ ہے مگر میرے محترم ومکرم استاذ حضرت مولینا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سوات والے نے درس مشکوٰۃ میں ہمیں یہ حدیث پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اگر عورت جوان ہے ابھی تک ان کے بچے بھی نہیں گھر بھی خالی ہے شوہر کے والدین بھی گھر میں نہیں تو اس حالت میں دیور کے لئے جائز نہیں کہ بھابھی کے ہاں جائے ہاں دیور بالکل اجانب کی طرح بھی نہیں ہے اگر گھر میں دوسرے افراد مثلاً ساس، سسر، یا عورت کے اپنے بچے موجود ہوں تو پھر دیور اندر جاسکتا ہے یہ اتنا اجنبی نہیں جتنا دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔

۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

علاج معالجہ اور عورت

﴿۶﴾وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ اسْتَأْذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ فَأَمَرَ أَبَا

طَيْبَةَ أَنْ يَحْجِمَهَا قَالَ حَسِبْتُ أَنَّهُ كَانَ أَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ أَوْغُلَامًا لَمْ يَحْتَلِمْ (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سینگی کھنچوانے کی اجازت مانگی تو آپ نے حضرت ابوطیبہؓ کو سینگی کھینچنے کا حکم دیا، حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ ابوطیبہ کو سینگی کھینچنے کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حضرت ام سلمہؓ کے دودھ شریک بھائی تھے یا ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے۔ (مسلم)

فی الحجامة: حجامہ سینگی کھچوانے پچھنے لگوانے کو کہتے ہیں احادیث میں اسکی بہت زیادہ ترغیب دیدیگئی ہے اور اس امت کے لئے اسکو علاج کا بڑا ذریعہ قرار دیا گیا ہے سینگی کرانے سے بلڈ پریشر اور اس سے پیدا ہونے والی تمام بیماریوں کا مؤثر علاج ہوسکتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کسی بیماری کے علاج کے لئے اسکی اجازت اس لئے مانگی کہ سینگی کا یہ عمل مرد کررہا تھا آنحضرتؐ نے اجازت دیدی اور ابوطیبہ حجام کو اس کے لئے متعین فرمایا اب یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ابوطیبہ اجنبی مرد نے حضرت ام سلمہؓ کے جسم کو کیسے دیکھا؟

حضرت جابرؓ اس سوال کو دفع کرنے کے لئے دو جواب دیتے ہیں۔ پہلا جواب یہ دیا ہے کہ میرا خیال ہے کہ ابوطیبہ ام سلمہ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ وہ نابالغ لڑکا تھا۔

بہرحال ان دو جوابات کے علاوہ تیسرا جواب اور مسئلہ یہ ہے کہ اگر علاج کی ضرورت ہو اور بیماری کی مجبوری ہو تو طبیب مریض عورت کے جسم کا صرف متأثرہ حصہ دیکھ سکتا ہے ہاں غیر ضروری مقامات پر کپڑا ڈالنا چاہئے۔ اگر عورت طبیب اور ڈاکٹر ہو تب بھی مسئلہ اسی طرح ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہسپتالوں میں ڈاکٹر عورتیں اور مرد دونوں شوقیہ طور پر مریضوں کے جسم کے غیر ضروری مواضع دیکھتے رہتے ہیں۔

اجنبی عورت پر نظر پڑ جانے کے مسائل

﴿۷﴾ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَأَمَرَنِيْ أَنْ أَصْرِفَ بَصَرِيْ (رواه مسلم)

اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی اجنبی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جانے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی نظر (فوراً) پھیرلوں۔ (مسلم)

توضیح

نظر الفجاءة: بغیر قصد و ارادہ اچانک کسی اجنبی عورت پر نظر پڑ جانے کو ''نظر الفجاءۃ'' کہا گیا ہے۔ شریعت میں یہ اچانک

نظر ایک بار معاف ہے لیکن نظر پڑنے والے شخص پر واجب ہے کہ فوراً اپنی نظر پھیر لے اگر وہ پہلی بار نظر کو مسلسل جمائے رکھتا ہے تو پہلی نظر پر بھی گناہ گار ہو جائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت بوجہ مجبوری چہرہ کھول سکتی ہے یہ انکی مجبوری ہے لیکن کسی شخص کو اجازت نہیں کہ وہ ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر ان کے چہرہ مین مطالعہ شروع کرے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو نگاہ نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت امام غزلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نگاہ زنا کی بنیاد ہے اسکی حفاظت بہت ضروری ہے۔

اس حدیث کے بعد والی حدیث نمبر ۸ میں ہے کہ اجنبیہ پر اچانک نظر پڑ جانے کا علاج یہ ہے کہ اگر ان کو شہوت آئی ہو تو جا کر اپنی بیوی سے جماع کر لے۔ آئندہ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت فتنے میں خالص شیطان کی طرح ہے لہٰذا ان کو شدید ضرورت کے بغیر گھومنا پھرنا جائز نہیں اور پُر کشش اور جاذب لباس میں تو کسی صورت میں باہر نکلنا جائز نہیں کیونکہ یہ شیطان کا سب سے بڑا جال ہے جس سے مرد شکار ہوتے ہیں۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو لازم ہے کہ وہ اجنبی عورتوں اور ان کے لباس کو نہ دیکھیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرددن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے آئندہ حدیث نمبر ۱۱ تک تمام آحادیث کی تشریح وتوضیح کی ضرورت نہیں یہ تشریح سب کے لئے کافی ہے۔

﴿۸﴾وعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَرْأَةَ تُقْبِلُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِي صُورَةِ شَيْطَانٍ إِذَا أَحَدُكُمْ أَعْجَبَتْهُ الْمَرْأَةُ فَوَقَعَتْ فِي قَلْبِهِ فَلْيَعْمِدْ إِلَى امْرَأَتِهِ فَلْيُوَاقِعْهَا فَإِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِي نَفْسِهِ (رواه مسلم)

اور حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''عورت شیطان کی صورت میں آتی ہے اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو کوئی اجنبی عورت اچھی لگے اور وہ اس کے دل مین گھر کرنے لگے تو اس کو چاہئے کہ وہ فوراً اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور اس سے مباشرت کرے کیونکہ یہ مباشرت اس چیز کو ختم کر دیگی جو اس کے دل میں پیدا ہو گئی ہے (یعنی جنسی خواہش) (مسلم)

الفصل الثانی

﴿۹﴾عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى مَا يَدْعُوهُ إِلَى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ (رواه ابو داؤد)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا

پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ) تو ایک نظر دیکھ لے۔ (ابوداؤد)

﴿۱۰﴾ وعن المغيرة بن شعبة قال خطبت امرأة فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم هل نظرت إليها قلت لا قال فانظر إليها فإنه أحرى أن يؤدم بينكما.

(رواه أحمد والترمذي والنسائي وابن ماجه والدارمي)

حضرت مغیرہ ابن شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کا ارادہ کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ تم دونوں کے درمیان الفت و محبت پیدا ہونے کے لئے اس کو ایک نظر دیکھ لینا مناسب و بہتر ہے۔
(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ دارمی)

اچانک نظر پڑ جانے کا علاج

﴿۱۱﴾ وعن ابن مسعود قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة فأعجبته فأتى سودة وهي تصنع طيبا وعندها نساء فأخلينه فقضى حاجته ثم قال أيما رجل رأى امرأة تعجبه فليقم إلى أهله فإن معها مثل الذي معها (رواه الدارمي)

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک عورت پر پڑی تو وہ آپؐ کو اچھی لگی، چنانچہ آپؐ (فورا) ام المؤمنین حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھیں اور چند عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، ان عورتوں نے خلوت کر دی (یعنی حضرت سودہؓ کے پاس سے اٹھ کر باہر آگئیں) پھر آپؐ نے اپنی ضرورت پوری کر دی (یعنی حضرت سودہؓ سے مجامعت فرمائی) اور فرمایا کہ جس مرد کی کسی ایسی عورت پر نظر پڑ جائے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ (فورا) اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس کے ذریعے سے جنسی تسکین حاصل کرے تا کہ اس کی جنسی خواہش پوری ہو جائے اور برے خیالات میں مبتلا نہ ہو) کیونکہ اس کی بیوی کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔ (دارمی)

توضیح

فاعجبته: سوال یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کو اس طرح خیال کیوں اور کیسے آیا آپ تو معصوم ہیں؟؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ بشری اور طبعی تقاضا کے تحت آپ کو اس عورت کی پسندیدگی کا خیال آیا یہ خیال صرف

''ہاجس'' اور ''خاطر'' کے درجہ میں تھا جس پر کوئی مؤاخذہ نہیں لہٰذا مسئلہ بے غبار ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ حضور اکرمؐ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے عملاً اس مسئلہ کو ظاہر فرمایا تا کہ امت کے لئے تعلیم اور نمونہ کا ذریعہ بن جائے اور تعلیم امت کے لئے کبھی کبھی مکروہ تنزیہی فعل کا ارتکاب بھی مباح قرار دیا گیا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اچانک کی نظر تھی جس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

فان معها: یعنی اصل مقصود قضائے شہوت ہے وہ تو اپنی بیوی سے بھی پوری ہوسکتی ہے اس میں کوئی تفاوت نہیں ہاں حکم میں تفاوت ضرور ہے کہ اپنی بیوی سے جماع حلال ہے اور اجنبی عورت سے حرام ہے۔

ہر عورت کو شیطان جھانک کر دیکھتا ہے

﴿۱۲﴾ وعنه عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قال اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ (رواه الترمذی)

اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت پردہ میں رہنے کی چیز ہے، چنانچہ جب کوئی عورت (اپنے پردے سے) باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو مردوں کے نظر میں اچھا کر کے دکھاتا ہے۔ (ترمذی)

توضیح

المرأة عورة: یعنی عورت قابل پردہ چیز ہے یہ ''عار'' سے ہے اس کے ظاہر ہونے اور بے پردہ ہونے سے مرد کو عار لاحق ہوجاتا ہے۔ عورت کا بے پردہ ہونا ایسا ہے جیسا شرمگاہ بے پردہ ہوجائے جب اس کو کوئی برداشت نہیں کرسکتا تو عورت کی بے پردگی کیسے برداشت کرتا ہے، لیکن حقیقت میں مردوں کی غیرت پر پردہ پڑگیا ہے لسان العصر اکبر الہ آبادی نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں　　اکبر زمین میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟　　کہنے لگیں کہ عقلوں پہ مردوں کی پڑ گیا

استشرفها الشیطان: ''استشرف'' جھانک کر دیکھنے کو کہتے ہیں خاص کر تعجب کے وقت آدمی جب ہاتھ کو آنکھوں کے اوپر آبرو پر رکھ کر دیکھتا ہے وہ استشراف ہے، اب شیطان کے جھانکنے کے کئی مطلب ہیں۔

مطالب حدیث: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس جھانکنے کا پہلا مطلب یہ ہے کہ شیطان اس عورت کو مردوں کے سامنے خوبصورت بناتا ہے اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور خود اس عورت کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

صاحب آکام المرجان فی احکام الجان نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ شیطان عورت کی سرین کے اوپر پتلی کمر کے نیچے بیٹھ کر لوگوں کو اس کی طرف راغب کرتا رہتا ہے۔

علامہ طیبی کے نزدیک اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جھانکنے سے بدکار لوگوں کا جھانکنا مراد ہے یعنی جب عورت گھر سے بے پردہ ہو کر نکلتی ہے تو فساق و فجار اس کو جھانک کر دیکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں یہ وسوسہ اور خباثت چونکہ شیطان پیدا کرتا ہے اس لئے ان کے فعل کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے یعنی شیطان سے مراد فساق و فجار لوگ ہیں۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ شیطان چاہتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے کہ عورت ذات کھلے میدان میں آئے تاکہ شیطان اس کو خوب جی بھر کر دیکھے اور وہ شیطان کے سامنے کھڑی ہو۔

چوتھا مطلب اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان باہر نکلی ہوئی عورت پر جھانک کر اپنی خبیث نگاہ ڈالتا رہتا ہے تاکہ اس کے اثر سے یہ پاکیزہ اور طیبہ عورت رذیلہ اور خبیثہ بن جائے۔ علامہ طیبی کی یہ آخری توجیہ بہت عمدہ ہے۔

﴿۱۳﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَاتُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ (رواہ أحمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

اور حضرت بریدہؓ راوی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی نظر پڑنے کے بعد پھر نظر نہ ڈالو (یعنی اگر کسی عورت پر ناگہاں نظر پڑ جائے تو اس کے بعد دوبارہ اس کی طرف نہ دیکھو) کیونکہ تمہارے لئے پہلی نظر تو جائز ہے (جبکہ اس میں قصد و ارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو) مگر دوسری نظر جائز نہیں ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

شادی شدہ لونڈی کا حکم

﴿۱۴﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَازَوَّجَ اَحَدُكُمْ عَبْدَهُ أَمَتَهُ فَلَايَنْظُرَنَّ إِلٰى عَوْرَتِهَا وَفِي رِوَايَةٍ فَلَايَنْظُرَنَّ إِلٰى مَا دُوْنَ السُّرَّةِ وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کردے تو پھر اس لونڈی (کی شرمگاہ) کو نہ دیکھے (کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ (اس لونڈی کے جسم کے) اس حصے کو نہ دیکھے جو ناف کے نیچے سے زانو کے اوپر تک ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

فلاینظـرن: یعنی جب آقا نے اپنی لونڈی کا نکاح اپنے غلام سے کرادیا تو اب یہ لونڈی دوسرے شخص کی بیوی بن گئی، لہٰذا اب آقا کے لئے یہ لونڈی اجنبی عورت کی طرح بن گئی اب اس کے گھٹنوں سے اوپر اور ناف سے نیچے اور اس کے علاوہ دیگر مستورہ اعضاء کی طرف دیکھنا آقا کے لئے جائز نہیں ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔

لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ بیاہ ہونے کے بعد لونڈی کا ستر آقا کے لئے مردوں کے ستر کی طرح ہو جائے گا یعنی گھٹنوں سے اوپر اور ناف سے نیچے کا پردہ اب ضروری ہے پہلے آقا کے لئے ضروری نہیں تھا کیونکہ اس کے لئے اس سے جماع کرنا جائز تھا مگر اب اس کا یہ حصہ ممنوع اور باقی حصے مردوں کی طرح ہو جائینگے یعنی اسکی پیٹھ اور پیٹ وغیرہ اعضاء ستر سے خارج رہیں گے۔

ران جسم کا مستورہ حصہ ہے

﴿۱۵﴾وَعن جَرْهَدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ.

(رواہ الترمذی وابو داؤد)

اور حضرت جرہد کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر ہے (یعنی ران جسم کا وہ حصہ ہے جسے چھپا ہوا ہونا چاہئے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

ان الفخذ عورة: آیا ران مستورہ اعضا میں داخل ہے یا ران ستر نہیں ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے ۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ اور اہل ظواہر کے ہاں ران عورت نہیں ہے۔ جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ ران عورت ہے۔

دلائل:

اہل ظواہر اور امام مالکؒ نے نبی کریمؐ کے اس عمل سے استدلال کیا ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہم غزوۂ خیبر کے لئے نبی کریمؐ کے ساتھ چل دیئے صبح کے وقت میں ابوطلحہؓ کے پیچھے حضور اکرمؐ کے ساتھ اونٹنی پر سوار ہوا میرے قدم آنحضرتؐ کے قدم کے ساتھ مس ہو رہا تھا یعنی ران آپس میں مس ہو رہی تھیں معلوم ہوا عورت نہیں۔

جمہور کے دلائل اس مسئلہ میں بہت زیادہ ہیں اور واضح اور صریح احادیث سے وہ استدلال کرتے ہیں ایک حدیث تو یہی زیر بحث حضرت جرہد کی روایت ہے جو مشکوۃ ص ۲۶۹ پر مذکور ہے اسی صفحہ میں اس سے پہلے عمرو بن شعیب کی روایت ہے کہ لونڈی کے گھٹنوں سے اوپر اور ران سے نیچے مت دیکھو طرز استدلال اس طرح ہے کہ لونڈی کے اعضائے مستورہ وہی ہیں جو مرد کے ہیں لہٰذا ران عورت ہے یہ جمہور کی دوسری دلیل ہے

جمہور کی تیسری دلیل اس کے بعد حضرت علیؓ والی روایت ہے جس میں زندہ اور مردہ آدمی کی ران کو دیکھنا ممنوع

قرار دیا گیا ہے اس کے علاوہ باب کی آخری مرسل روایت بھی جمہور کی دلیل ہے۔

الجواب:

اہل ظواہر اور مالکیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ خیبر کے سفر میں اگر مسّ فخذ کا واقعہ پیش آیا ہو تو وہ مجبوری اور سواری پر غیر اختیاری طور پر ہوا ہوگا جس کو ضابطہ نہیں بنایا جا سکتا ہے یا وہ مس فخذ حائل کے ساتھ تھا کہ بیچ میں کوئی کپڑا حائل تھا۔ بہر حال وہ ایک جزئی واقعہ ہے اور وہ بھی محتمل ہے اور دوسری طرف کثیر مقدار میں واضح احادیث ہیں ان پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

﴿۱۶﴾ وعن عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ يَا عَلِيُّ لَاتُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَاتَنْظُرْ إِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَلَامَيِّتٍ (رواه ابو داؤد وابن ماجه)

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے علی اپنی ران کو (لوگوں کے سامنے) مت کھولو اور نہ زندہ شخص کی ران دیکھو اور نہ مردے کی ران دیکھو۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

﴿۱۷﴾ وعن مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مَعْمَرٍ وَفَخِذَاهُ مَكْشُوفَتَانِ قَالَ يَا مَعْمَرُ غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ (رواه في شرح السنة)

اور محمد ابن جحشؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معمرؓ کے پاس اس حال میں گذرے کہ ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اے معمر اپنی رانوں کو چھپالو کیونکہ ران ستر ہے۔ (شرح السنۃ)

بغیر ضرورت تنہائی میں بھی ستر نہ کھولو

﴿۱۸﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَايُفَارِقُكُمْ إِلَّاعِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلٰى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرِمُوهُمْ (رواه الترمذي)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم برہنہ ہونے سے اجتناب کرو (اگرچہ تنہائی کیوں نہ ہو) کیونکہ پاخانہ اور بیوی سے مجامعت کے اوقات کے علاوہ تمہارے ساتھ ہر وقت وہ فرشتے ہوتے ہیں (جو تمہاری نگرانی وحفاظت اور تمہارے اعمال لکھنے پر مامور ہیں) لہٰذا تم ان فرشتوں سے حیاء کرو اور ان کی تعظیم کرو۔ (ترمذی)

عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے یا نہیں؟

﴿۱۹﴾ وَعَن أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُونَةَ إِذْ أَقْبَلَ ابْنُ أُمِّ

مَكْتُومٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَيْسَ هُوَ أَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفَعَمْيَا وَانِ أَنْتُمَا أَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ.

(رواه احمد والترمذی وابوداؤد)

اور حضرت ام سلمہؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ اور ام المؤمنین حضرت میمونہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن ام مکتوم (جو ایک نابینا صحابی تھے) آگئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ابن مکتوم کو دیکھ کر) ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ ان سے چھپ جاؤ۔ ام سلمہ کہتی ہے کہ (آپ کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ کیا وہ نابینا نہیں ہے، جو ہمیں نہیں دیکھ سکتے، آپؐ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی اندھی ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (یعنی وہ اندھے ہیں تم تو اندھی نہیں ہو) (احمد، ترمذی، ابوداؤد)

توضیح

افعمیاوان انتما: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت اجنبی مرد کی طرف نہیں دیکھ سکتی ہے۔ جس طرح مرد کا اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اسی طرح عورت کا شہوت کے ساتھ مطلقاً اجنبی مرد کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔

اب اس حکم پر حضرت عائشہؓ کی روایت سے اعتراض آتا ہے جس میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت سیاہ فام حبشیوں کو دیکھتی تھی جبکہ وہ مسجد میں اپنے نیزوں اور تلواروں سے کھیل رہے تھے۔ ان دو قسم متعارض روایات کی وجہ سے بعض علماء نے تو حرمت ہی کی بات کی ہے لیکن عام علماء فرماتے ہیں کہ اگر فتنہ سے امن ہو تو عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ واقعہ ۹ھ کا ہے جبکہ حضرت عائشہ کی عمر ۱۶ سال تھی، نیز قرآن کریم نے عورتوں کو پردہ اور حجاب کا حکم دیا ہے تاکہ مرد ان کو نہ دیکھے اور مردوں کو پردہ اور حجاب کا حکم نہیں دیا گیا اگر عورتوں کا دیکھنا ناجائز ہوتا تو مردوں کو پردے کا حکم دیا جاتا۔

بہر حال دیکھنے کا یہ جواز مشروط ہے کہ شہوت نہ ہو اور فتنے کا خطرہ نہ ہو اگر شہوت اور فتنہ کا خطرہ ہو تو پھر دیکھنا حرام ہے ہاں زیر ناف اور گھٹنوں سے اوپر حصہ کو دیکھنا ہر حال میں حرام ہے، کھلاڑیوں کے کھیل میں اگر ران کھلے ہوں تو مردوں اور عورتوں دونوں کو دیکھنا حرام ہے اور بہتر یہی ہے کہ عورت بلا ضرورت مرد کو نہ دیکھے۔

وَمَيْمُونَةَ: اس لفظ کا عطف ''انھا'' میں ''ان'' کے اسم پر ہے اس لئے اسکو منصوب پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

الستماتبصرانه: یہ جملہ اس سے پہلے جملہ کے استفہام انکاری کے لئے بطور تقرر اور ثبوت فرمایا اس زجر و توبیخ اور اس روایت کی ممانعت کو علماء حدیث اور فقہاء نے تقوی اور احتیاط پر حمل کیا ہے اور عدم فتنہ اور عدم شہوت کی صورت سے مربوط کیا ہے۔

﴿۲۰﴾ وعن بَهزِبنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّامِنْ زَوْجَتِكَ أَوْمَامَلَكَتْ يَمِينُكَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَرَأَيْتَ إِذَاكَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيٰ مِنْهُ (رواه الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجه)

اور حضرت بہز ابن حکیم اپنے والد مکرم (حضرت حکیم) سے اور وہ بہز کے دادا (حضرت معاویہ ؓ ابن جیدہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنا ستر چھپائے رکھو علاوہ اپنی بیوی یا لونڈی کے (کہ ان کے سامنے اپنا ستر چھپانا ضروری نہیں ہے) حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ آدمی جب خلوت (تنہائی) میں ہو تو کیا وہاں بھی اپنا ستر چھپائے رکھے؟ آپ ؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ لائق تر ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ رہو

﴿۲۱﴾ وعن عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانُ (رواه الترمذی)

اور حضرت عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں یکجا ہوتا ہے تو وہاں ان میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ (ترمذی)

توضیح

ظاہر ہے شیطان ان دونوں کے درمیان کسی اصلاح کے لئے نہیں آئے گا بلکہ فساد اور فتنہ ڈالنے کے لئے آئیگا عورتوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ دل صاف رکھو کچھ نہیں ہوگا اگر دل صاف ہوتا تو اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط کیوں کرتیں؟ یاد رکھو! فتنہ سے اصل حفاظت حجاب اور پردہ ہے، بے پردگی میں قرآن پڑھانے والا قرآن طاق میں رکھ کر گناہ شروع کردیگا الا ماشاء اللہ۔

انسانی جسم میں شیطان کا تصرف

﴿۲۲﴾ وعن جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَمِنِّي وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ (رواه الترمذی)

اور حضرت جابر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ان عورتوں کے پاس (تنہائی میں) نہ جاؤ جن کے خاوند موجود نہ ہوں کیونکہ تمہارے جسموں میں خون کی جگہ شیطان دوڑتا رہتا ہے (یعنی شیطان کا بہکاوا اور اسکا تصرف انسان کے تمام رگ و پوست میں سرایت کرتا رہتا ہے) ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا شیطان آپ کی رگو میں بھی دوڑتا ہے؟ آپ نے فرمایا! ہاں میرے جسم میں بھی دوڑتا ہے لیکن اللہ تعالی نے شیطان کے مقابلہ پر میری اعانت فرمائی ہے چنانچہ میں اس سے محفوظ رہتا ہوں۔ (ترمذی)

توضیح

مجری الدم: یہ کلام یا تو تشبیہ اور مجاز پر محمول ہے، یعنی جس طرح خون رگوں میں دوڑتا ہے اسی طرح شیطان بھی وسوسہ کے ذریعے انسانی جسم میں دوڑتا ہے۔ یا یہ کلام حقیقت پر مبنی ہے کہ جہاں جہاں خون جاتا ہے وہاں تک شیطان داخل ہو کر جاتا ہے اور نظر نہیں آتا ہے جس طرح کہ خون بھی نظر نہیں آتا ہے۔

المغیبات: میم کے ضمہ کے ساتھ یہ لفظ مغیبۃ کی جمع ہے، اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر سفر پر ہو اور اس کا گھر خالی ہو۔ حدیث میں ایسی عورتوں کا بطور خاص اس لئے ذکر فرمایا کہ ایک عرصہ سے شوہر کی عدم موجودگی کی وجہ سے ایسی عورت جماع کا زیادہ مشتاق رہتی ہے تو اس کے ساتھ خلوت رکھنا زیادہ باعث فتنہ ہے اور شیطان تو چھپا ہوا دشمن ہے جو ہر وقت وار کرنے کے انتظار میں رہتا ہے۔

اسلم: یہ لفظ اَسْلَمَ بھی ہے اور اَسْلَمُ بھی ہے پہلا صیغہ ماضی کا ہے اور دوسرا مضارع متکلم کا صیغہ ہے اگر ماضی کا صیغہ ہے تو ترجمہ اس طرح ہوگا کہ شیطان نے اطاعت گذاری اختیار کی ہے اور اگر متکلم کا صیغہ ہے تو اس کا ترجمہ اس طرح ہوگا کہ میں اس سے محفوظ رہتا ہوں۔ بہر حال یہ صیغہ اسلام کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ شیطان مردود ہے وہ اسلام قبول نہیں کرتا ہے۔

مالکہ کا اپنے غلام سے پردے کا حکم

﴿۲۳﴾ وعن أنسٍ أنَّ النَّبيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أتى فاطِمَةَ بِعَبْدٍ قَدْ وَهَبَهُ لَهَا وَعَلَى فاطِمَةَ ثَوْبٌ إذا قَنَّعَتْ بِهِ رَأْسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا وَإذا غَطَّتْ بِهِ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَأْسَهَا فَلَمَّا رَأى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلْقَى قَالَ إنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكِ بَأْسٌ إنَّمَا هُوَ أبُوكِ وَغُلامُكِ (رواه ابو داؤد)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لائے، اس وقت حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں وہ غلام بھی موجود تھا جو انکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا اور حضرت فاطمہ کے جسم پر ایک ایسا (چھوٹا) کپڑا تھا کہ جب وہ اس سے اپنے سر کو چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہ جاتے تھے اور جب

اس سے اپنے پاؤں کو چھپاتی تو سر کھلا رہ جاتا تھا، چنانچہ جب آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کو اس پریشانی میں دیکھا (کہ وہ شرم وحیا کی وجہ سے اپنے پورے جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں) تو فرمایا کہ (اتنی کیوں پریشان ہوتی ہو) اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ (جس سے تم اتنی شرما رہی ہو) وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ تمھارا باپ ہے یا تمھارا غلام ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

انماھو ابوک وغلامک: یہاں یہ بحث فقہاء کرام کے درمیان چل پڑی ہے کہ آیا مالکہ عورت کا غلام اس عورت کا محرم ہوتا ہے یا اجانب کی طرح ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے

فقہاء کرام کا اختلاف

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عورت کا غلام اسکے محارم میں سے ہے ان سے کوئی پردہ نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ امام غزالیؒ اور علامہ نوویؒ کے نزدیک عورت کا غلام اس کے لئے بمنزلہ اجنبی ہے جن سے مکمل پردہ ہے اس عورت کے چہرہ اور کفین کے علاوہ بدن کے کسی حصہ کو غلام نہیں دیکھ سکتا ہے۔

دلائل:

مالکیہ اور شوافع زیر بحث حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں ان حضرات نے سورت نور کی آیت ﴿ولا یبدین زینتهن ....او ماملکت ایمانهن﴾ سے بھی استدلال کیا ہے کہ یہاں ما کا لفظ عام ہے لہٰذا عورت اپنے مملوک غلام اور لونڈی دونوں کے سامنے مواضع زینت ظاہر کر سکتی ہے۔

ائمہ احناف اپنی دلیل میں مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ **"تستر المرأة من غلامها"** اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں مذکور مجاھد اور حضرت طاؤس والی روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ **"لاینظر المملوک الی شعر سیدته"**

صاحب ہدایہ نے عقلی دلیل اس طرح پیش کی ہے کہ جب غلام آزاد ہو جاتا ہے تو اس کا نکاح اپنی سابقہ مالکہ عورت سے جائز ہے اگر یہ محارم میں سے ہوتا تو نکاح کیسے جائز ہوتا۔

الجواب:

سورت نور کی آیت میں " ماملکت ایمانهن " سے لڑکیاں اور مملوکہ لونڈیاں مراد ہیں لڑکے مراد نہیں حضرت

سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری اور حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ "لاتغرنکم سورۃ النور فانھا فی الاناس دون الذکور" باقی حضرت انسؓ کی مذکورہ روایت کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ غلام نابالغ ہو، یا جواب یہ ہے کہ یہاں مظنۂ شہوت اور فتنہ کا احتمال نہیں تھا بہر حال یہ ایک جزوی واقعہ ہے اس میں کئی احتمالات ہوسکتے ہیں ہمیں قاعدہ اور ضابطہ کو اپنانا چاہئے

الفصل الثالث

﴿۲۴﴾عن أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي أُمَيَّةَ أَخِي أُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَاللّٰهِ إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَإِنِّي اَدُلُّكَ عَلَى اِبْنَةِ غَيْلَانَ فَإِنَّهَا تُقْبِلُ بِأَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ (متفق علیه)

ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما تھے اور گھر میں ایک مخنث (بھی موجود) تھا وہ مخنث حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہ جو حضرت ام سلمہ کے بھائی تھے کہنے لگے کہ عبداللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے کل آپ لوگوں کو طائف پر فتح بخشی تو میں آپ کو غیلان کی بیٹی دکھلاؤں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب مخنث کی یہ بات سنی تو) فرمایا کہ یہ مخنث تمہارے پاس نہ آیا کریں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

وفی البیت مخنث: مخنث وہ عورت نما شخص ہوتا ہے جس کے اعضاء عورتوں کی طرح ہوں رنگ ڈھنگ اور آواز عورتوں والی ہو اور یہ عورت نما شخص بالکل عورتوں کے مشابہ ہو، مخنث ہونا اور عورتوں سے مشابہت کبھی خِلقی اور پیدائشی ہوتی ہے لہٰذا وہ شرعاً قابل مذمت نہیں ہے کیونکہ اس کے اختیار میں نہیں۔

ہاں اگر مشابہت مصنوعی ہو اور مرد نے کسی مقصد اور غرض کے لئے اپنے آپ کو عورتوں کے مشابہ بنا رکھا ہو تو یہ موجب لعنت اور حرام ہے اور یہ تصنع مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ناجائز ہے۔

صحابیات اور امہات المؤمنین نے مخنث کو ﴿غیر اولی الاربة من الرجال﴾ سمجھ رکھا تھا کہ یہ لوگ عورتوں کے خط وخال سے کوئی رغبت وخواہش نہیں رکھتے ہیں لیکن جب اس مخنث نے عورتوں کے ٹھیک ٹھیک محاسن کا ذکر کیا تو حضور اکرمؐ نے ان کو گھروں میں داخل ہونے سے اور عورتوں کے ساتھ اختلاط رکھنے سے منع فرمادیا کیونکہ معلوم ہوگیا کہ یہ لوگ "غیر اولی

الاربۃ" میں سے نہیں یہی حکم خصی اور مجبوب الذکر آدمی کا بھی ہے کہ وہ بھی "غیر اولی الاربۃ" میں سے نہیں ہے۔

ابنۃ غیلان :. غیلان طائف کا سردار تھا اسکی بیٹی کا نام بادیہ تھا یہ فربہ ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی پُر کشش اور پُر گوشت تھی اسی دلکش منظر کو اس مخنث نے کھینچا ہے۔

تدبر بثمان:. اس کا مطلب یہ ہے کہ موٹاپے کی وجہ سے اس کے جسم میں شکنیں بنی ہوئی ہیں۔ جو سامنے کی طرف چار شکنوں کی دھاریاں پیچھے کی طرف جاتی ہیں ایک کوکھ کی دائیں جانب اور ایک بائیں جانب جاتی ہیں اب چار لکیریں سامنے کی طرف تو چار ہی ہیں مگر پیچھے کی طرف جا کر کمر سے پہلے پہلے ختم ہو جاتی ہیں تو ہر دو جانب میں چار کی جگہ آٹھ شکنیں بن جاتی ہیں تو اس عورت کے سامنے آنے سے چار اور جانے میں آٹھ شکنیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی نقشہ اس مخنث نے کھینچا ہے کہ "تقبل باربع وتدبر بثمان"

﴿۲۵﴾ وعن الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ حَمَلْتُ حَجَرًا ثَقِيْلًا فَبَيْنَا أَنَا أَمْشِيْ سَقَطَ عَنِّيْ ثَوْبِيْ فَلَمْ اَسْتَطِعْ أَخْذَهُ فَرَآنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوْا عُرَاةً (رواه مسلم)

اور حضرت مسور ابن مخرمہ کہتے ہیں (ایک مرتبہ اپنی کسی ضرورت کے تحت) میں نے ایک بڑا بھاری پتھر اٹھایا اور اسے لیکر چلا تو (راستہ میں) میرا کپڑا (میرا تہبند) میرے بدن سے گر پڑا (جس کی وجہ سے میرا ستر کھل گیا) مگر میں (بوجھ کی وجہ سے فوری طور پر) اپنے کپڑے کو اٹھا نہیں سکا اور اسی دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (برہنگی کی حالت میں) دیکھ لیا، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ (فوراً) اپنا کپڑا اٹھاؤ (اور ستر پوشی کرو اور پھر آپؐ نے یہ حکم دیا کہ) ننگے نہ چلا کرو۔ (مسلم)

شرم وحیاء کا انتہائی درجہ

﴿۲۶﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ مَانَظَرْتُ أَوْمَارَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ (رواه ابن ماجه)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کبھی نظر نہیں اٹھائی۔ یا یہ فرمایا کہ (میں نے آپ کا ستر) کبھی نہیں دیکھا۔

﴿۲۷﴾ وعن أَبِيْ أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ إِلٰى مَحَاسِنِ اِمْرَأَةٍ أَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهُ إِلَّا أَحْدَثَ اللّٰهُ لَهُ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا (رواه احمد)

اور حضرت ابوامامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس مسلمان کی نظر پہلی مرتبہ (بلا قصد

وارادہ) کسی عورت کے حسن و جمال کیطرف اٹھ جائے اور پھر (فورا) اپنی نظر پھیر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک عبادت پیدا کرے گا جس سے وہ شخص لذت حاصل کریگا (احمد)

مستورہ اعضا کھولنا بھی حرام ہے اور اسکو دیکھنا بھی حرام ہے

﴿۲۸﴾وعن الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

اور حضرت حسن بصری سے بطریق ارسال روایت ہے، انہوں فرمایا کہ مجھے (صحابہ سے) یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص پر کہ جس نے (بلا عذر و بغیر اضطرار) دیکھا اور اس پر کہ جس کو دیکھا گیا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (بیہقی)

توضیح

النَّاظِرَ وَالْمَنْظُورَ إِلَيْهِ: یعنی قصدا اور شہوت کے ساتھ اجنبی عورت کو دیکھنے والا ملعون ہے اسی طرح اعضائے مستورہ کو دیکھنے والا بھی ملعون ہے۔

اسی طرح ''منظور الیہ'' یعنی جن کی طرف دیکھا جاتا ہے وہ بھی ملعون ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کیوں ملعون ہے دیکھنے والے کا تو قصور ہے مگر اس کا کیا قصور ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ منظور الیہ میں یہ قید ہے کہ اس نے بغیر عذر و اضطرار اپنے آپ کو ننگا کیا ہے نمائش کرا رہا ہے خواہ عورت ہو یا کسی مرد کے مستورہ اعضاء ہوں۔ ہاں اگر منظور الیہ بے اختیار ہو یا معذور و مجبور ہو وہ اس وعید سے خارج ہے۔

اس روایت سے چڈی پہننے والے کھلاڑی سوئمنگ کے شوقین فلم اور فلم اسٹار عریان تصاویر اور ٹلی ویژن، ویسی آر، سب اس لعنت کے تحت آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام بلاؤں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور مسلمان نما منافق حکمرانوں کو مسلمان بنادے اور اسلامی ممالک کو ان فحاشیوں سے نجات دلا دے۔ آمین یارب العالمین

۲ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب الولي في النكاح وإستئذان المرأة

ولی نکاح اور عورت کی اجازت کا بیان

ولی لغت میں منتظم امور اور کارساز کے معنی میں ہے یہ ولایت سے ماخوذ ہے جو "تنفیذالحکم علی الغیر" کو کہتے ہیں یہاں ولی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی عورت کے نکاح کا اختیار رکھتا ہو اور اس معاملہ کا قانونی ذمہ دار ہو۔ سب سے پہلے کسی عورت کے نکاح کی ولایت کا اختیار عورت کے اس رشتہ دار کو حاصل ہوتا ہے جو عصبہ بنفسہ ہو، اور عصبات کی ترتیب وہی ہوگی جو میراث اور وراثت میں ہوتی ہے۔

حق ولایت حاصل ہونے کے لئے آدمی کا آزاد ہونا شرط ہے عاقل ہونا ضروری ہے بالغ ہونا اور مسلمان ہونا لازم ہے لہٰذا غلام مجنون، بچہ اور کافر ولی نہیں بن سکتا ہے۔ تا کہ کامل شفقت اور مکمل حکمت کی روشنی میں زندگی کا یہ لمبا معاملہ کسی نقصان کا شکار نہ ہو جائے، اسلام کی نظر میں چونکہ نکاح اور انسانی شرافت کا بہت زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے اس لئے ولی کی اجازت اور عورت کی اجازت سے اس معاملہ کو شرافت کی روشنی میں جوڑا گیا ہے۔ تا کہ نامناسب جگہ میں نکاح کر کے عورت اپنے خاندان کو رسوا نہ کرے اور دوسری طرف عورت بے بس ہو کر حیوانات کے زمرے میں شامل نہ ہو جائے اس لئے اس "باب ولی النکاح" میں وہ تمام احادیث آئیں گی جن میں طرفین کے احساسات وجذبات کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے انسانی حق خودارادی کے اصول کے تحت اس معاملہ میں عورت کی حیثیت ذرا طاقتور اور مستحکم ہے لیکن شرافت اور شرم وحیاء کے میدان میں ولی کا پلہ بھاری ہے، لہٰذا اس باب میں جن احادیث میں بظاہر تعارض نظر آئیگا اس کو اسی طرفین کے حقوق کے تناظر میں دیکھنا چاہئے پھر کوئی تعارض نہیں رہیگا۔

"مسئلة ولاية الاجبار"

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا قَالَ أَنْ تَسْكُتَ (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایّم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا حکم حاصل نہ کیا جائے، اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ

اس کی اجازت حاصل نہ کر لی جائے (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس (کنواری عورت) کی اجازت کیسے حاصل ہوگی (کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم وحیا کرتی ہے) آپؐ نے فرمایا اس کی اجازت یہ ہے کہ وہ چپ رہے (یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجازت مانگے جانے پر اگر بسبب شرم وحیا زبان سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اجازت سمجھی جائے گی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

اَلْاَیِّمُ :. ایم کا لفظ شد کے ساتھ ہے یہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو، مطلقہ ہو یا شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔ لیکن یہاں اس حدیث میں صرف ثیبہ مراد ہے یعنی جن کی بکارت زائل ہو چکی ہو خواہ نکاح صحیح سے زائل ہوئی ہو یا نکاح فاسد سے یا شبہ سے یا زنا سے اور یا چھلانگ وغیرہ سے ختم ہوگئی ہو۔ علامہ طیبی نے ایسا ہی لکھا ہے۔

اس حدیث میں "الایم" کے ساتھ امر اور حکم کا لفظ آیا ہے کیونکہ ثیبہ میں اصل نسوانی حیا باقی نہیں رہی تو وہ اپنے نکاح کا خود حکم دیکر الفاظ کی قطار لگا دیگی۔

اور "البکر" کے ساتھ اذن اور اجازت کا لفظ لگا ہوا ہے کیونکہ وہ دوشیزہ ہے اس میدان میں نسوانی حیاء اس میں کامل ہوتی ہے تو زبان سے حکم نہیں دے سکتی ہے اس لئے اس کا چپ رہنا اور سکوت اسکی رضامندی پر دلالت کریگی۔

ولایت اجبار میں فقہاء کا اختلاف

سب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ ولایت اجبار اور عدم اجبار میں عورتوں کی چار اقسام ہیں۔

(۱) اول ثیبہ بالغہ ہے اس قسم عورتوں میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ ثیبہ کی اجازت ضروری ہے بغیر اجازت نکاح درست نہیں ہے،

(۲) دوسری قسم باکرہ صغیرہ ہے اس میں بھی تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے نکاح کے لئے اس سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) تیسری قسم ثیبہ صغیرہ ہے اس میں جمہور کا خیال ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوسکتا ہے، مگر احناف کہتے ہیں کہ یہاں اسکی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ثیبہ صغیرہ کی صورت یہ ہے کہ لڑکی چھوٹی ہے اور بلوغ سے پہلے بیوہ ہوگئی۔

(۴) چوتھی قسم باکرہ بالغہ ہے اس میں بھی اختلاف ہے، علماء احناف فرماتے ہیں کہ اسکا نکاح اسکی رضامندی اور اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ بالغہ خود مختار ہے۔ لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ اسکی اجازت اور رضامندی کے بغیر اس کا نکاح اس کا ولی کرا سکتا ہے کیونکہ یہ باکرہ ہے یہ خود مختار نہیں ہے اور یہی مطلب ولایت اجبار کا ہے کہ ولی جبری طور پر اس کا نکاح کرا دیتا ہے۔

ولایت کی دو قسمیں ہیں (۱) ولایت اجبار (۲) ولایت استحباب ۔ ولایت اجبار کا مطلب تو اوپر بیان میں گذر گیا ولایت استحباب کا مطلب یہ ہے کہ جس کا نکاح کرا گیا ہے اس میں اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہ ہو یعنی لڑکی کی مرضی کا خیال رکھنا مناسب ہو۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ احناف کے نزدیک ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے یعنی نابالغ کم سن لڑکی پر اولیاء کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرائے خواہ ثیبہ ہو خواہ باکرہ ہو۔

جمہور حضرات کے نزدیک مدار اجبار بکارت پر ہے ولی کو جبر کا حق صرف اس صورت میں حاصل ہوگی جب لڑکی کنواری باکرہ ہو خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہو۔ تو دو صورتوں یعنی ثیبہ بالغہ اور باکرہ صغیرہ میں سب کا اتفاق ہے اسی طرح ثیبہ صغیرہ اور باکرہ بالغہ دونوں صورتوں میں فقہاء کا اختلاف ہے ۔ یہاں جب فقہاء کے اختلاف کی بات آتی ہے تو اس سے یہی دو نزاعی صورتیں مراد ہوتی ہیں۔

دلائل

جمہور کے پاس ولایت اجبار کے لئے ایسی کوئی صریح حدیث نہیں ہے جو جبر کی تمام صورتوں کے لئے دلیل بن جائے صرف ایک حدیث کے مفہوم مخالف سے اپنے مدعا پر دلیل قائم کرتے ہیں وہ حدیث اس طرح ہے "**الثیب احق بنفسها من ولیها**" (رواہ مسلم)

اس روایت میں ثیب کا لفظ آیا ہے کہ وہ اپنے نکاح کا اختیار خود رکھتی ہے تو مفہوم مخالف یہ ہوا کہ باکرہ اپنے نکاح کا اختیار خود نہیں رکھتی ہے بلکہ اس کا ولی اس کے نفس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ جمہور نے خنساء بنت خذام کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ وہ ثیب تھیں تو حضور اکرمؐ نے اسکے نکاح کو رد کر دیا جو اس کے والد نے کرایا تھا اس سے بھی استدلال مفہوم مخالف کے طور پر کیا ہے کہ ثیب کا نکاح رد کر دیا لہٰذا اسکو اختیار ہے اور باکرہ کو اختیار نہیں۔

ائمہ احناف نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے "وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ" احناف کی دوسری دلیل ساتھ والی حضرت ابن عباس کی روایت ہے جسمیں وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ و تُسْتَأْمَرُ. وَ الْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں اسی طرح آئندہ فصل ثانی کی چوتھی حدیث بھی احناف کی دلیل ہے جس میں "**الیتیمة تستأمر فی نفسها**" کے الفاظ ہیں، یتیمہ باکرہ کے معنی میں ہے۔ احناف نے اس باب کی فصل ثالث کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے جس میں واضح طور پر باکرہ کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

یہ متعدد احادیث اس پر واضح دلائل ہیں کہ باکرہ جب بالغہ ہو وہ اپنے نکاح کا اختیار خود رکھتی ہے اس پر کوئی جبر نہیں

کرسکتا ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ شرافت ومروت اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ عورت اپنے نکاح کا معاملہ اپنے بزرگوں کے حوالہ کرے، حدیث شریف میں احق کے اسم تفضیل سے بھی اشارہ ہوتا ہے کہ خود عورت زیادہ حقدار ہے اور ولی کو بھی حق حاصل ہے۔

الجواب: جمہور حضرات نے جن حدیثوں کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے تو ان کو پہلا جواب یہ ہے کہ ہم مفہوم مخالف کو نہیں مانتے ہیں کیونکہ مفہوم مخالف کو اگر بطور قاعدہ اور ضابطہ تسلیم کیا جائے تو شریعت کے بعض نصوص کے مفہوم مخالف کے ماننے سے شریعت کی کھلی خلاف ورزی آئے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جب مفہوم موافق موجود ہے اور حکم منطوق ثابت ہے تو مفہوم مخالف کی طرف اور غیر منطوق حکم کی طرف جانے کی نہ ضرورت ہے اور نہ مناسب ہے اس لئے ہمارے دلائل راجح ہیں۔

﴿۲﴾وعن ابنِ عبّاسٍ أنَّ النّبيَّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ الثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا أَبُوهَا فِي نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا (رواه مسلم)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایم'' یعنی وہ عورت جو بیوہ، بالغہ اور عاقلہ ہو اپنے (نکاح) کے معاملہ میں اپنے ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی (جو بالغ ہو) اس کی حقدار ہے کہ اس کے نکاح کی اس سے اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے، (یعنی ضروری نہیں کہ وہ اپنی زبان سے اجازت دے بلکہ اس کی شرم وحیا کے پیش نظر اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت کے لئے کافی ہے) ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ''ثیب'' (یعنی بیوہ عورت) اپنے بارے میں اپنی ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی (اس کے نکاح کی) اجازت حاصل کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ آپؐ نے فرمایا ثیبہ اپنے بارہ میں اپنے ولی سے زیادہ خود اختیار رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارے میں اجازت حاصل کرے اور اس کی اجازت اس کا چپ رہنا ہے۔ (مسلم)

بیوہ کو اپنا نکاح رد کرنے کا اختیار

﴿۳﴾وعن خنساءَ بنتِ خِذَامٍ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَأَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهُ (رواه البخارى ،وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجه نِكَاحَ أَبِيهَا)

اور حضرت خنساء بنت خذامؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح (ان کی اجازت حاصل کئے بغیر) کر دیا جبکہ وہ بیوہ (اور بالغہ) تھیں چنانچہ انہوں اس عقد کو ناپسند کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (اپنا معاملہ لیکر) حاضر ہوئیں ،لہذا آپؐ نے ان کا نکاح (یعنی ان کے والد کے نکاح کرنے کو) رد کر دیا۔ (بخاری) اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ نے ان کا نکاح جو ان کے والد نے کیا رد کر دیا۔

توضیح

وهى ثيب:. جمہور نے اس سے مفہوم مخالف کےطور پر اپنے مسلک کے اثبات کے لئے استدلال کیا ہے کہ ثیب کو نکاح رد کرنے کا اختیار ہے باکرہ کو اختیار نہیں ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ یہاں ثیب سے بالغہ عورت مراد ہے اور اس کو اختیار بوجہ اہلیت دیا گیا کیونکہ عاقلہ بالغہ عورت ہے ہر قسم عقود و فسوخ کا اختیار اسکو شریعت نے دیا ہے تو عقد نکاح کا اختیار بھی شریعت نے دیا ہے اور جب ایک عورت کو اختیار دیا گیا تو پھر بیوہ اور باکرہ کا فرق نہیں صرف بلوغ کا لحاظ ہے۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر

﴿۴﴾وعن عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِينَ وَزُفَّتْ إِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِينَ وَلُعَبُهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِي عَشَرَةَ (رواه مسلم)

اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جبکہ ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھیجی گئیں تو انکی عمر نو سال کی تھی اور ان کے (کھیلنے کیلئے) کھلونے ان کے ساتھ تھے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ سے ہمیشہ کیلئے جدا ہوئے تو اس وقت انکی عمر اٹھارہ سال تھی۔ (مسلم)

توضیح

یہ حدیث حضرت عائشہؓ کی زندگی کے ابتدائی دور کا نقشہ پیش کر رہی ہے اور ان کی نوعمری کے تین اہم مرحلوں کی نشاندہی کرتی ہے، چنانچہ سات سال کی عمر میں آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں اور نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی اور نو سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے بعد اٹھارہ سال کی عمر میں نبی اکرم سے دنیوی رفاقت ختم ہوگئی جبکہ آنحضرت کا وصال ہوا۔

نو سال کی عمر میں لڑکی بالغ ہو سکتی ہے یہ اقل مدت بلوغ ہے اور اس کم عمری میں دربار نبوی میں پہنچنا حضرت عائشہؓ کے لئے اعزاز ہے نادان ہیں وہ لوگ جو اس صریح اور صحیح حدیث کو اس لئے رد کرتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس سے حضرت عائشہؓ کی شان گھٹتی ہے غلط سلط مفروضوں سے صحیح حدیث رد کرنا گمراہی ہے۔

حضرت عائشہؓ چونکہ نو عمر تھیں اس لئے اپنے کھلونے ساتھ لائی تھیں یہ کھلونے کپڑوں اور لکڑیوں سے بنی ہوئی گڑیاں تھیں، علماء نے لکھا ہے کہ بچیوں کے لئے اس سے کھیلنا بہتر ہے تاکہ وہ خانہ داری امور سیکھ لیں اس سادہ نظام پر آج کل کے پلاسٹک کی گڑیاں قیاس کرنا جائز نہیں ہے یہ بت ہیں جو ناجائز ہیں۔

کم سن لڑکی کا نکاح ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا

الفصل الثانی

﴿۵﴾عن أَبِی مُوسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانِکَاحَ إِلَّابِوَلِیٍّ .

(رواه احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجه والدارمی)

حضرت ابو موسیٰؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ولی (کی اجازت) کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح

نکاح زندگی بھر کی بندھن کا نام ہے زندگی بھر کا سودا ہے شریعت نے اس میں سوچ سمجھ کر قدم رکھنے کی تعلیم دی ہے اس کے لئے لازم ہے کہ فریقین کی رضا و رغبت اس میں شامل ہو تاکہ بعد میں کوئی پیچیدگی نہ آئے شریعت نے نہایت اعتدال کے ساتھ ایک طرف اولیاء کو ترغیب دی ہے کہ وہ لڑکی کی مرضی کا خیال رکھا کریں اور دوسری طرف لڑکی کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے ولی کی مرضی کے بغیر نکاح نہ کرے تاہم یہ ترغیب کا معاملہ ہے لیکن اگر کوئی عاقلہ بالغہ لڑکی کفو میں مہر مثل پر نکاح کرتی ہے اور ولی سے اجازت نہیں لیتی یا اس کا نکاح کوئی دوسری عاقلہ بالغہ عورت کراتی ہے جس کو "**انعقاد النکاح بعبارۃ النساء**" کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو کیا نکاح اس سے منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ فقہاء کرام کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا "**نکاح بعبارۃ النساء**" درست ہے یا نہیں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہاء کرام کا اختلاف

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اذن ولی کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا اور صاحبین کا مسلک بھی یہی

ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر نکاح کفو میں ہوا ہے اور مہر مثل مقرر ہے تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اگر غیر کفو میں ہے یا مہر مثل سے کم پر نکاح ہوا ہے تو امام ابوحنیفہؒ سے دو روایتیں ہیں ایک ظاہر الروایۃ ہے وہ یہ کہ نکاح تو ہو جائیگا مگر ولی کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا نادر الروایۃ یہ ہے کہ یہ نکاح بالکل صحیح نہیں ہے، لہٰذا راجح اور قابل فتویٰ قول یہ ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت وضیعہ ہے یعنی گھٹیا خاندان سے اس کا تعلق ہے تو وہ اپنا نکاح خود کرا سکتی ہے ولی کی ضرورت نہیں اور اگر شریف خاندان سے اس کا تعلق ہے تو وہ اپنا نکاح خود نہیں کرا سکتی ہے۔

دلائل:

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فصل ثانی میں حضرت ابوموسی اشعریؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں اس میں "**لانکاح الابولی**" کے واضح الفاظ ہیں۔ان کی دوسری دلیل ساتھ والی حضرت عائشہؓ کی روایت ہے جس میں "**ایماامرأة نکحت نفسهابغیر اذن ولیهافنکاحهاباطل**" الخ کے الفاظ آئے ہیں۔

امام مالکؒ نے احادیث میں تطبیق کی راہ نکالی ہے یعنی منع کی احادیث شریفہ عورت کے حق میں ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کرے اور وہ احادیث جو جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ وضیعہ عورت کے حق میں ہیں ان کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے پاس اس مدعا پر کہ عاقلہ، بالغہ اپنا عقد نکاح خود کرا سکتی ہے بہت دلائل ہیں قرآن عظیم کی بہت ساری آیتوں میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے جیسے ﴿**فلاتعضلوهن ان ینکحن ازواجهن**﴾ ﴿**فلاتحل له حتی تنکح زوجاغیره**﴾ ﴿**فلاجناح علیکم فیمافعلن فی انفسهن بالمعروف**﴾ احادیث میں "**الایم احق بنفسها من ولیها**" سے احناف نے استدلال کیا ہے نیز ان تمام احادیث سے بھی احناف استدلال کرتے ہیں جن میں عورت کی اجازت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔احناف نے عقلی دلیل سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ عورت انسان ہے جب ان کو تمام فسوخ وعقود کا حق حاصل ہے تو نکاح بھی ایک عقد ہے اس میں عورت کو حیوانات کی طرح نہیں رکھا جا سکتا ہے لہٰذا عبارات النساء سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور ولی کی اجازت کے بغیر بھی۔

جواب:

جن احادیث میں ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کو ممنوع قرار دیا گیا ہے تو وہ احادیث یا تو صغیرہ پر محمول ہیں یا مجنونہ پر محمول ہیں کیونکہ ان کے اختیار کا اعتبار نہیں بلکہ اختیار ہی نہیں۔

یا "لانکاح الابولی" میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر غیر کفو میں نکاح ہوا ہو تو ولی کی اجازت ضروری ہے یعنی اگر غیر کفوء میں نکاح ہوا ہو تو ولی اس کو فسخ کرسکتا ہے، گویا یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف ہے تو لانکاح الابولی صحیح ہوگیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ منع کی احادیث سند کے اعتبار سے نا قابل احتجاج ہیں نیز خود حضرت عائشہؓ کا عمل اپنی روایت کے برعکس ہوا ہے کیونکہ آپ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح خود کروادیا جس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر ناراض تھے مگر نکاح کو نافذ مانا گیا۔ لہٰذا اس صورت میں یہ روایت قابل حجت نہیں، نیز امام بخاریؒ نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔ بعض نے کہا کہ احناف کے ہاں لانکاح میں لانفی کمال کے لئے ہے کہ بہتر نہیں ہے۔ نسائی نے اسکو مخدوش قرار دیا ہے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ یہ روایت قوی نہیں ہے۔ بہر حال اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک مضبوط تر ہے۔

آنے والی حدیث نمبر ۶ کے آخر میں "اشتجروا" کا لفظ آیا ہے یہ تشاجر اور مشاجرہ سے ہے جو جھگڑے کے معنی میں ہے۔ یعنی جب کسی عورت کے اولیاء آپس میں تنازع کرتے ہیں اور کسی متفقہ فیصلہ تک نہیں پہنچتے ہیں تو پھر حق ولایت وقت کے قاضی کو ہوگا کیونکہ جن کا ولی نہیں ان کا ولی قاضی اور حاکم ہوتا ہے

﴿۶﴾ وعن عائشة أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اسکا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ مجامعت کی تو وہ مہر کی حق دار ہوگی کیونکہ شوہر نے اس کی شرمگاہ سے فائدہ اٹھایا ہے، اور اگر کسی عورت کے ولی باہم اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی بادشاہ ہے۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

بغیر گواہوں کے نکاح صحیح نہیں ہوتا

﴿۷﴾ وعن ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَغَايَا الَّاتِي يُنْكِحْنَ أَنْفُسَهُنَّ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورتیں زنا میں مبتلا ہوتی ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کر لیتی ہیں اس روایت کے بارہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ پر موقوف ہے یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے (ترمذی)

توضیح

اہل ظواہر اور ابن ابی لیلیٰ کی طرف یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ عقد نکاح کے وقت ان کے ہاں دو گواہوں کا ہونا اور ایجاب وقبول سننا ضروری نہیں۔ جمہور امت کے نزدیک نکاح کے لئے دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے البتہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میاں بیوی کی ملاقات تک گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے جمہور کے ہاں عقد نکاح کے وقت موجود ہونا کافی ہے۔

عورت کا سکوت دلیل رضا ہے

﴿۸﴾وعن أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ فِي نَفْسِهَا فَإِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ إِذْنُهَا وَإِنْ أَبَتْ فَلَاجَوَازَعَلَيْهَا.

(رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی ورواه الدارمی عن أبی موسی)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغہ کنواری عورت سے اس کے نکاح کے بارہ میں اجازت حاصل کی جائے اور اگر وہ (طلب اجازت کے وقت) خاموش رہے تو اس کی خاموشی ہی اسکی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کردے تو اس پر جبر نہ کیا جائے۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی) دارمی نے اس روایت کو حضرت ابو موسیٰؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

الیتیمة: یہاں یتیمہ کا اطلاق اس باکرہ بالغہ عورت پر باعتبار ماضی ہوا ہے کہ پہلے یہ یتیمہ تھی اب تو بلوغ کے بعد "لایتم بعدالبلوغ" ہے کہ بلوغ کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا۔

فان صمتت: خاموشی کے لئے یہ ضابطہ سمجھ لینا چاہئے کہ عورت کی خاموشی اس کی اجازت کا قائم مقام ہونا صرف اس کے ولی کے حق میں ہے، یعنی عورت اس وقت خاموش سمجھی جائیگی جب اس کے ولی نے اس سے اجازت نکاح مانگی اور وہ خاموش ہوگئی۔ یہ خاموشی قائم مقام رضا ہے اور اگر غیر ولی نے نکاح کا مطالبہ کیا اور عورت خاموش ہوگئی تو اس خاموشی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگر یتیمہ کا نکاح غیر باپ نے کیا تو بلوغ کے بعد احناف کے نزدیک اس کو فسخ کا حق حاصل رہیگا فی الحال نکاح موقوف ہے شوافع کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں۔

غلام کا نکاح اسکے آقا کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا

﴿۹﴾وعن جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ سَيِّدِهٖ فَهُوَ عَاهِرٌ

(رواہ الترمذی و ابو داؤد والدارمی)

اور حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ؐ نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

توضیح

عــاهـر : ای زان امام مالکؒ کے نزدیک عبد کا نکاح آقا کی اجازت کے بغیر جائز اور صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک یہ نکاح باطل ہے صحیح نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غلام اہلیت نہیں رکھتا لہٰذا ایجاب وقبول بھی موقوف ہے اور نکاح بھی موقوف ہے مولیٰ نے اگر اجازت دیدی تو نکاح نافذ ورنہ موقوف رہیگا۔ تو احناف مولیٰ کی اجازت ملنے کی صورت میں جو نکاح کو نافذ مانتے ہیں اس میں وہ امام مالکؒ کے ساتھ ہو گئے اور عدم اجازت کی صورت میں احناف اس نکاح کو باطل مانتے ہیں تو اس صورت میں وہ شوافع کے ساتھ ہو گئے۔

بالغہ اپنے نکاح کے معاملہ میں خود مختار ہے

الفصل الثالث

﴿۱۰﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک کنواری عورت (جو بالغ تھی) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے یہ بیان کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے جسے وہ ناپسند کرتی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیدیا (کہ چاہے تو وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے فسخ کردے) (ابوداؤد)

بالغہ عورت کا نکاح ولی کو کرنا مستحب ہے

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا (رواہ ابن ماجہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ عورت

خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زنا میں مبتلا رہتی ہے، جو اپنا نکاح خود کرتی ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح

لاتزوج المرأۃ: عورت اپنے یا کسی اور کے نکاح کا ایجاب وقبول کرے تو کیا وہ نکاح معتبر ہے یا نہیں؟ یعنی عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

جمہور کے نزدیک عبارات النساء سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ائمہ احناف کے ہاں منعقد ہو جاتا ہے۔ احناف اس سلسلہ میں قرآن کریم کی وہ ساری آیتیں اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں جن میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف ہوئی ہے جیسے ﴿حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ ﴿لاتعضلوھن ان ینکحن ازواجھن﴾ ان آیات اور چند احادیث کے پیش نظر احناف نے فرمایا کہ عبارات النساء سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے نیز عورت بھی انسان ہے دیگر معاملات میں اس کا قول وفعل معتبر ہے تو نکاح میں بھی معتبر ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ حدیث نمبر ۵ کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا ہے۔

جمہور ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں عورت کے نکاح کو ولی کی اجازت کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے زیر نظر حدیث سے بھی جمہور استدلال کرتے ہیں کہ کوئی عورت نہ اپنا نکاح کرے اور نہ دوسری عورت کے لئے ایجاب وقبول کرے کیونکہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں تو اس باطل نکاح کے بعد جو ہمبستری ہوگی وہ زنا شمار ہوگا، جمہور اس حدیث کو ولی کی اجازت کے ساتھ جوڑتے ہیں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نکاحوں میں اس طرح مستقل کردار ادا نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر انہوں نے اس طرح عمل کیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا کیونکہ امور شرعیہ سے نہی ان کی ممانعت کی دلیل تو ہے لیکن بطلان کی دلیل نہیں کہ وہ باطل ہوں۔

احناف اس روایت کے دو مطلب بیان کرتے ہیں پہلا مطلب یہ کہ اس عورت سے مراد وہ عورت ہے جس کو کسی دوسری عورت کے نکاح کا حق ولایت حاصل نہیں اور وہ اس کا نکاح کرتی ہے۔ دوسرا مطلب یہ کہ یہاں نہی تحریم کے لئے نہیں ہے بلکہ کراہت تنزیہی کے لئے ہے جس کے ہم بھی قائل ہیں، حدیث کے دوسرے جملے کہ "نہ عورت خود اپنا نکاح کرے" کا مطلب احناف کے ہاں اس طرح ہے کہ کوئی عورت گواہوں کے بغیر اپنا نکاح نہ کرے ورنہ زنا ہو جائے گا مگر جمہور اس کا مطلب وہی لیتے ہیں کہ ولی کے اذن کے بغیر خود نکاح کیا تو زنا ہوگا۔

باپ پر اولاد کے تین حقوق ہیں

﴿۱۲﴾ وعن أَبِیْ سَعِیْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ وُلِدَ لَہٗ وَلَدٌ فَلْیُحْسِنِ اسْمَہٗ وَأَدَبَہٗ فَإِذَا بَلَغَ فَلْیُزَوِّجْہُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ یُزَوِّجْہُ فَأَصَابَ إِثْمًا فَإِنَّمَا إِثْمُہٗ عَلٰی أَبِیْہِ.

اور حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو چاہیئے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو نیک ادب سکھائے (یعنی اس کو شریعت کے احکام وآداب سکھائے اور زندگی کے بہترین طریقے سکھائے تاکہ وہ دنیا وآخرت میں کامیاب اور سر بلند ہو) اور پھر جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر لڑکا بالغ ہو (اور غیر مستطیع ہو) اور اسکا باپ (اس کا نکاح کرنے پر قادر ہونے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکا برائی میں مبتلا ہو جائے (یعنی جنسی بے راہ روی کا شکار ہو جائے) تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا۔

توضیح

اسلام ایک صالح معاشرہ تشکیل دیتا ہے بچوں کا ابتدائی مدرسہ والدین کا گھر ہوتا ہے اگر وہاں سے اچھی بنیاد پڑ گئی تو زندگی کے آخر تک یہ بنیاد کام آئے گی اور اگر زندگی کے اس ابتدائی مرحلہ میں بنیاد خراب ہوگئی تو پھر آخر تک یہ خراب ہی جائے گی اور پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا میرود دیوار کج

اس حدیث میں والدین کو انھیں بنیادی چیزوں میں سے تین کی تعلیم دیدی گئی ہے۔ اول یہ کہ پیدائش کے وقت بچے کا نام اچھا رکھو اسلامی نام رکھو اسکا اچھا اثر پوری زندگی پر پڑتا ہے۔ دوم یہ کہ بچے کو صحیح تعلیم دیا کرو تا کہ بچہ جاھل نہ رہے تعلیم کا مقصد اچھی رہنمائی ہے کہ بچہ خالق اور مخلوق کے حقوق کو پہچان لے دینی تعلیم کو نظر انداز کرنا اور اسکول پڑھنا بے مقصد تعلیم حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ سوم یہ کہ بلوغ کے بعد اس کا نکاح کرو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ بچہ آوارہ گردی سے بچ جائے گا اور زنا کے مہلک اثرات سے محفوظ رہیگا۔ حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یہ بات مشہور ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ لڑکا چودہ سال کا ہو اور لڑکی پندرہ سال کی ہو اور دونوں کے لئے اس عمر میں شادی کرنے کو لازم قرار دیا جائے تو تقریباً زنا ختم ہو جائے گا۔

اس حدیث کے آخر میں بطور تشدید وتھدید اور بطور تغلیظ وتوبیخ یہ فرمایا کہ بلوغ کے بعد اگر غیر شادی شدہ لڑکے یا لڑکی نے زنا وغیرہ فحاشی کا گناہ کیا تو اس کا وبال باپ پر پڑیگا۔ یعنی باپ اس گناہ میں شریک سمجھا جائیگا بشرطیکہ ان کو کوئی شرعی عذر نہ ہو آنے والی روایت کا مضمون بھی اسی طرح ہے۔

لڑکی کے بالغ ہوتے ہی اس کا نکاح کردو

﴿۱۳﴾ وعن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي

التَّوْرَاتِ مَكْتُوبٌ مَنْ بَلَغَتِ ابْنَتُهُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَلَمْ يُزَوِّجْهَا فَاصَابَتْ إِثْمًا فَإِثْمُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ

(رواهما البيهقی فی شعب الإيمان)

اور حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ''تورات میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی کی عمر بارہ سال کی ہو جائے اور وہ (کفو پانے کے باوجود) اس کا نکاح نہ کرے اور پھر وہ لڑکی برائی (یعنی بدکاری وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے تو اس کا گناہ باپ پر ہے۔ ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح

مسلمانوں نے غیر مسلموں کو دیکھ دیکھ کر ان کے رسم و رواج اور غلط رسومات و بدعات اپنے غم اور اپنی خوشیوں میں داخل کر کے اپنے لئے مشکلات پیدا کر لی ہیں، جہیز بنانے کے لئے بھیک مانگی جاتی ہے اور جگہ جگہ دعائیں کرائی جاتی ہیں کہ بچیوں کے رشتوں کا انتظام ہو جائے لیکن ان رشتوں کے لئے جو دور دراز اور بیکار شرائط رکھی جاتی ہیں ان کا پورا کرنا آسان نہیں ہوتا تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچیاں سالہا سال سے بلوغت کے بعد گھروں میں پڑی رہتی ہیں اور طرح طرح کے گناہوں سے آلودہ ہو جاتی ہیں یہی حال لڑکوں کا ہے۔ اسلام نے حق مہر ادا کرنے کے سوا شادی کے لئے کسی تکلف کو لازم نہیں کیا ہے۔

جمعرات ۳ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ
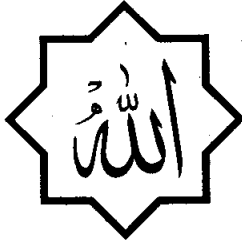
باب اعلان النكاح والخطبة والشرط

نکاح کا اعلان اور شرائط

اسلام میں نکاح زوجین کے درمیان جنسی تعلقات استوار کرنے کا پہلا جائز مرحلہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کو چھپانے کے بجائے ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ دوسرے سازشی نکاحوں اور ناجائز بندھنوں سے اس کا امتیاز ہو جائے اسی اصول اور قاعدہ کے پیش نظر "اعلان النکاح" کے عنوان سے یہاں باب باندھا گیا ہے۔

اس باب میں نکاح کے واجبات وآداب، سنن ومستحبات اور دیگر ضروریات کا نہایت واضح انداز سے بیان آ گیا ہے۔ اعلان نکاح کے سلسلہ میں سب سے پہلا اعلان یہ ہونا چاہئے کہ نکاح دو گواہوں کے سامنے ہو ورنہ صحیح نہیں ہوگا۔ دوسرا اعلان یہ کہ نکاح کی خوب تشہیر ہو، کھلے عام مسجد میں ہو، جانبین کے بزرگوں اور علاقے کے معززین کے سامنے ہو، اس میں جائز حد تک علاقائی دستور کے مطابق فائرنگ ہو، کیونکہ اس میں ایک فائدہ تشہیر کا ہے اور دوسرا فائدہ نشانہ سیدھا کرنے کا ہے اور تیسرا فائدہ جہادی تربیت کا بھی ہے لیکن اسراف سے بچ کر اچھی نیت سے کرے۔ اعلان نکاح کے سلسلے میں دف بجانا بھی ہے جو جائز کی حد تک ہو اس میں ایک فائدہ تشہیر نکاح کا ہے تاکہ سازشی نکاح سے شرعی نکاح ممتاز ہو جائے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ماتم اور غم اور شادی وخوشی میں فرق آ جائے کہ یہ شادی ہے غمی نہیں۔

اعلان نکاح کے سلسلہ میں دعوت ولیمہ بھی ہے تاکہ عام تشہیر ہو جائے اور ہر سازش بند ہو جائے، خطبہ نکاح بھی اعلان تشہیر کا ذریعہ ہے یہ تمام امور تشہیر کی غرض سے جائز ہیں بعض واجب ہیں اور بعض مستحب ومسنون یا مباح ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کا نکاح جاہلیت اور اہل بدعت کی تمام رسومات سے پاک ہونا چاہئے یہود وہنود اور اہل باطل کے تمام خرافات سے اس کا پاک ہونا اسلام وایمان اور شریعت وشرافت کا تقاضا ہے، مثلاً گانے بجانے، آتش بازیاں، بے پردگی، سہرا باندھنا، گھوڑے کی سواری، بازار کا چکر اور دولھا دلھن کی ناشائستہ حرکات فضول ہیں۔

الخطبة: اس لفظ کو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر "خا" کا ضمہ ہو تو نکاح کا خطبہ مراد ہوگا اور یہ خطبہ احناف اور شوافع سب کے ہاں مسنون ہے البتہ شوافع ہر عقد کے موقع پر خطبہ کو مسنون کہتے ہیں۔ مثلاً بیع وشراء کے وقت بھی خطبہ ان کے ہاں مسنون ہے۔ اور اگر یہ لفظ خا کے کسرہ کے ساتھ ہو تو پھر پیغام نکاح کے معنی میں ہے، باب کی احادیث میں دونوں چیزیں ہیں لیکن خطبہ مسنونہ مراد لینا زیادہ واضح ہے۔

نکاح کے وقت دف بجانا جائز ہے

الفصل الاول

﴿۱﴾عن الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوَّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلَى فِرَاشِي كَمَجْلِسِكَ مِنِّي فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ آبَائِي يَوْمَ بَدْرٍ إِذْقَالَتْ إِحْدَاهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِي غَدٍ فَقَالَ دَعِي هٰذِهِ وَقُوْلِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ (رواه البخاری)

حضرت رُبیع بنت معوذ بن عفراء کہتی ہیں کہ جب میں (نکاح کے بعد) اپنے شوہر کے گھر رخصت ہو کر آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تم میرے بستر پر بیٹھے ہو (ربیعؓ نے یہ بات حضرت خالد ابن ذکوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہی جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے) اور ہمارے خاندان کی بچیوں نے (جو اس وقت ہمارے گھر میں موجود تھیں) دف بجانا شروع کیا اور ہمارے آباء میں سے جو لوگ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے ان کی خوبیوں اور شجاعت پر مشتمل اشعار پڑھنے لگیں، اسی دوران ان میں سے ایک بچی نے یہ کہا کہ ''اور ہمارے درمیان وہ نبیؐ ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں،، آپؐ نے یہ (سنکر) (فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو (یعنی اس قسم کی باتیں مت کہو) بلکہ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں (بخاری)

توضیح

کمجلسک منی: یہ خطاب حضرت خالد بن ذکوان کو ہے۔

سوال:

اب یہاں سوال اور اشکال ہے کہ آنحضرتؐ حضرت رُبیع کے پاس بلا حجاب کیسے بیٹھے حالانکہ آپس میں محرمیت کا کوئی رشتہ نہیں ہے؟

جواب:

اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ جلوس حجاب کے ساتھ تھا یعنی ستر کے اصول کے مطابق تھا۔ دوسرا جواب یہ کہ اجنبی عورت کے چہرہ اور کفین کو بوقت ضرورت دیکھنا جائز ہے، تیسرا جواب یہ کہ حضور اکرمؐ امت کے مردوں اور عورتوں کے لئے بمنزلہ باپ کے تھے تو پردہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا ہے یہ آخری جواب علامہ عینی نے دیا ہے جس سے اکثر مواقع کے اس قسم کے

سوالات کا جواب ہو جاتا ہے۔

یضربن بالدف: دف ڈھول یا کسی برتن پر چمڑا وغیرہ چڑھا کر بجانے والی چیز کو کہتے ہیں جس سے دف دف کی آواز نکلتی ہے تو یہ "تسمیۃ الشئی باسم صوتہ" ہے اس میں باجے گاجے اور چنگ رباب اور ستار و ہارمونیم نہیں ہوتے اگر یہ چیزیں تو وہ بالاتفاق حرام ہیں۔

صرف ڈھول بجانا یا اشعار پڑھنا کیسا ہے؟

تو بعض علماء نے مطلقاً ہر وقت دف بجانا منع کر دیا ہے اور بعض نے ہر وقت مطلقاً مباح قرار دیا ہے مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ عیدین، ختنہ اور شادی بیاہ کے موقعوں میں دف بجانے کا ذکر احادیث میں کثرت سے ملتا ہے مثلاً ایک تو یہی زیر بحث حدیث ہے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ والی حدیث ہے اسی طرح ص ۲۷۲ پر حضرت عائشہ کی روایت ہے اس کے بعد حاطب جمحیؓ کی روایت ہے اس کے بعد پھر حضرت عائشہؓ کی روایت ہے یہ متعدد احادیث جواز و اباحت کے واضح دلائل ہیں۔

اس مسئلہ پر حضرت مولینا مفتی محمد شفیعؒ نے احکام القرآن میں سورت لقمان کے فوائد میں بہت ہی تفصیلی بحث اور گفتگو فرمائی ہے اور غناء و سماع کے قواعد بیان فرمائے ہیں ان کو وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کے خوشی اور غم میں امتیاز ہونا چاہئے۔ شادی غم نہیں اس کو غم میں تبدیل کر کے دلھن کی مجلس میں قرآن خوانی نہیں کرنی چاہئے اور نہ دعوت ولیمہ کو دعوت خیرات کے نام سے یاد کرنا چاہئے جیسے بعض خشک صوفی کرتے ہیں۔

ویندبن من آبائی: حضرت معوذ بدر کے شہداء میں سے تھے "آبائی" کے لفظ سے انہیں کی طرف اشارہ کیا ہے چونکہ ان اشعار میں مجاھدین اور جہاد اور جوش و شجاعت کے تذکرے تھے اس لئے حضور اکرمؐ خاموش تھے لیکن جب ان بچیوں نے "وفینا رسول اللّٰہ یعلم مافی غد" پڑھا تو آنحضرتؐ نے ان کو منع فرمادیا کیونکہ اس سے فساد عقیدہ کا خطرہ تھا کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات میں سے ہے علامہ طیبی اس مقام میں لکھتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے اس بچی کو اس شعر کے پڑھنے سے اس لئے منع فرمادیا کہ "لکراھۃ ان یسند علم الغیب الیہ مطلقا لان الغیب لایعلمہ الا اللہ" (طیبی ج ۶ ص ۲۵۴)

بابا سعدی نے خوب فرمایا ہے ؎

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار　　ہر کہ گوید ما بدانم تو از و باور مدار
مصطفٰے ہرگز نہ گفتی تا نہ گفتی جبرئیل　　جبرئیلش ہم نہ گفتی تا نگفتی کردگار

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند   کہ اے روشن گہر پیر خردمند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی   چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی

☆

بگفت احوال ما برقِ جہان است   دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم   گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

☆

تبارک اللہ ماوحی بمکتسب   ولانبی علی غیب بمتہم

☆

﴿قل لایعلم من فی السموات والارض الغیب الااللّٰہ﴾﴿وعندہ مفاتیح الغیب﴾﴿وقل رب زدنی علما﴾

☆

﴿۲﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ زُفَّتْ امْرَأَةٌ إِلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَاکَانَ مَعَکُمْ لَھْوٌ فَإِنَّ الْاَنْصَارَ یُعْجِبُھُمُ اللَّھْوُ (رواہ البخاری)

اورحضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نکاح کے بعد رخصت کرا کر انصار میں کے ایک شخص کے ہاں لائی گئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس شخص سے) فرمایا کہ کیا تمھارے ساتھ کھیل (یعنی دف اور گانا) نہیں ہے (یعنی شریعت نے شادی بیاہ میں جس دف کے بجانے کی اجازت دی ہے اور جس قسم کی گیت جائز قرار دیئے ہیں تمہاری شادی ان چیزوں سے خالی کیوں ہے؟ کیونکہ انصار ان چیزوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔(بخاری)

شوال کے مہینے میں نکاح کرنا سنت ہے

﴿۳﴾وعنہا قَالَتْ تَزَوَّجَنِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی شَوَّالٍ وَبَنٰی فِی شَوَّالٍ فَأَیُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ أَحْظٰی عِنْدَہٗ مِنِّی (رواہ مسلم)

اورحضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا اور پھر (تین سال کے بعد) شوال ہی کے مہینہ میں مجھے رخصت کرا کر اپنے گھر لائے، اب (تم ہی بتاؤ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں کونسی زوجہ مطہرہ مجھ سے زیادہ خوش نصیب تھی؟۔(مسلم)

توضیح

جاہلیت کے لوگ شوال کے مہینے میں شادی کو منحوس سمجھتے تھے جس طرح آج کل بعض جاہل لوگ دو عیدین کے درمیان یا شعبان یا محرم میں شادی کرنے کو برا سمجھتے ہیں حضرت عائشہؓ نے اسی کی تردید فرمائی کہ اگر یہ منحوس ہوتا تو میری شادی تو شوال میں ہوئی رخصتی بھی شوال میں ہوئی میں کتنی خوش نصیب ہوں۔

مہر ادا کرنے کی تاکید

﴿۴﴾وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ (متفق علیه)

اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن شرطوں کا پورا کیا جانا تمہارے لئے ضروری ہے ان سب سے اہم شرط وہ ہے جس کے ذریعے تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا ہے (بخاری ومسلم)

توضیح

احق الشروط: سب سے اہم شرط سے مراد بیوی کا مہر ہے، اب سوال یہ ہے یہاں شرائط کہاں ہیں جن میں سے اس کو سب سے اہم کہہ دیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شرط سے مراد یا تو مہر ہے جیسا لکھا گیا ہے اور یا میاں بیوی کے درمیان زوجیت کے حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں جیسے نان نفقہ اور مکان وغیرہ کی ضروریات ہیں اب رہی یہ بات کہ ان چیزوں کو ''شرط'' کے نام سے کیوں یاد کیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ عقد نکاح کے وقت شوہر صراحۃً یا دلالۃً اقرار اور عہد کرتا ہے کہ میں ان تمام حقوق کو پورا کرونگا اسی عزم اور عہد کو شرط کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دوراز کار شروط کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے جو روافض وغیرہ کے ہاں رائج ہیں۔

نکاح میں تین قسم کی شروط ہوسکتی ہیں (۱) وہ شرطیں جو عقد نکاح کے تقاضوں کے موافق ہوں اور لوازم نکاح میں سے ہوں جیسے روٹی، کپڑا اور مکان وغیرہ۔ ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔

(۲) وہ شرط جو عقد نکاح کے تقاضوں کے منافی ہوں، اس قسم کی شرط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی اعتبار ہے۔

(۳) وہ جائز شرائط جو نہ عقد نکاح کے تقاضوں کے منافی ہوں اور نہ عقد نکاح کے لوازمات میں سے ہوں جیسے خاص گھر میں رہنے کی شرط، خاص علاقہ میں ٹھہرنے کی شرط، ایسی شرطوں کا پورا کرنا حسن سلوک کی بنیاد پر تو صحیح ہے لیکن یہ کوئی شرعی ضابطہ اور ایسا قاعدہ نہیں جس کی پابندی لازم ہو احق الشروط مبتدا ہے اور مااستحللتم خبر ہے اور ان توفوا بہ شروط سے بدل ہے۔

کسی دوسرے کی منسوبہ کو اپنے نکاح کا پیغام نہ دو

﴿۵﴾وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيْهِ حَتّٰى يَنْكِحَ أَوْيَتْرُكَ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد اپنے نکاح کا پیغام اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر نہ بھیجے تا آنکہ وہ اس سے نکاح کرے یا اس کو ترک کردے (بخاری)

توضیح

لایخطب: پیغام نکاح کو خطبہ کہتے ہیں یہ خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اسلام بغض وحسد اور تنازعات اور اس کے اسباب کو ختم کرنا چاہتا ہے چنانچہ ایک مسلمان جب کسی عقد میں لگا ہوا ہے تو جب تک اسکا معاملہ ختم نہیں ہوتا دوسرا مسلمان اس معاملہ میں داخل نہیں ہوسکتا ہے تاکہ بغض وحسد اور عداوت قائم نہ ہو اسی سلسلہ میں یہ حدیث ہے کہ دوران گفتگو اور معاملہ طے کرنے کے دوران مداخلت نہ کرو یہاں تک کہ ان کا نکاح ہوجائے یا مخطوبہ کو چھوڑ دے۔

سوال:

یہاں ایک فنی اعتراض ہے اور وہ یہ کہ ''حتی ینکح'' کا جملہ لایخطب کے جملہ پر متفرع ہے لیکن اس نہی کے لئے یہ جملہ غایہ نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہوجائیگا، کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ بھائی نکاح کرلے یا ترک کردے تو جب اس بھائی نے نکاح کرلیا پھر یہ شخص اس کے منکوحہ بیوی کو پیغام نکاح کیسے دے سکتا ہے؟

جواب:

علامہ طیبی نے یہ اعتراض کر کے پھر دو جواب دئے ہیں۔

اول جواب یہ کہ یہ کلام تعلیق بالمحال کے طور پر ہے یعنی بفرض محال اگر یہ شخص پیغام نکاح دے سکتا ہے اور ممکن ہے تو دیدے لیکن نکاح کے بعد پیغام دینا جائز نہیں لہٰذا پیغام نہ دے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حتی کا کلمہ بمعنی ''کی'' ہے اور ''او'' کا کلمہ ''الی ان'' کے معنی میں ہے اور ینکح کی ضمیر اس نئے شخص کی طرف راجع ہے اور یترک کی ضمیر اس کے مسلمان بھائی کی طرف لوٹائی جائیگی۔ ترجمہ اس طرح ہوگا، کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نہ دے تاکہ اس عورت کے ساتھ خود نکاح کرے یہاں تک کہ اس کا مسلمان بھائی اس

عورت کو ترک کردے۔اس توجیہ کے مطابق حدیث میں نہی کے لئے غایہ صرف یترک کا جملہ بنیگا ینکح نہیں بنیگا،

اب یہ بحث ہے کہ پیغام دینے کی یہ حرمت کس وقت اور کس صورت میں ہے۔تو جمہور علماء فرماتے ہیں اگر عورت یا اس کے ولی نے واضح طور پر اس پیغام کو قبول کرلیا اور دونوں طرف سے رضامندی ہوگئی صرف عقد نکاح باقی ہے تو اس وقت دوسرے کو پیغام بھیجنا ناجائز ہے اور اگر واضح طور پر رد کردیا تو اتفاقاً پیغام دینا جائز ہے۔

ایک سوکن دوسری سوکن کے لئے بدخواہ نہ بنے

﴿۶﴾وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَسْأَلِ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَإِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت (کسی شخص سے) اپنی کسی (دینی) بہن کے بارہ میں یہ نہ کہے کہ اس کو طلاق دے دو اور اس عورت کو طلاق دلوانے کا مقصد یہ ہو کہ وہ اس کے پیالہ کو خالی کردے (یعنی اس کو طلاق دلوا کر اس کے سارے حقوق خود سمیٹ لے) اور اس کے خاوند سے خود نکاح کرلے، کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اسکے مقدر میں لکھا جاچکا ہے (بخاری و مسلم)

توضیح

لتستفرغ: استفرغ فراغت سے ہے خالی کرنے کے معنی میں ہے۔

صحفة: سے مراد وہ بڑا پیالہ اور کاسہ ہے جس میں پانچ آدمی کھانا کھاسکتے ہیں اس حدیث کے دو مفہوم ہیں، پہلا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کی ایک بیوی ہے اس پر وہ دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے لیکن یہ نئی آنے والی نامزد بیوی کہتی ہے کہ میں تب نکاح کرونگی کہ تم اس پہلی بیوی کو طلاق دیکر گھر سے ہٹادو تاکہ کیچن اور جگہ میرے لئے خالی ہوجائے ''ولتنکح'' یعنی سابقہ بیوی کے خاوند سے یہ نئی آنے والی خود نکاح کرے۔

اس حدیث کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں دو بیویاں ہیں مگر ایک سوکن کہتی ہے کہ اس دوسری کو فارغ کردو تاکہ اس کا کاسہ میرے لئے فارغ ہوجائے ''ولتنکح'' اس دوسرے مفہوم کے مطابق اس کلمہ کا ترجمہ یہ ہوگا کہ وہ مطلقہ سابقہ بیوی کہیں اور جاکر کسی اور مرد سے نکاح کرے حضور اکرمؐ نے اس سے مسلمان عورتوں کو منع فرمایا ہے کیونکہ ہر ایک بیوی کے ساتھ اسکی اپنی قسمت آتی ہے تو اس بداخلاقی اور بدخواہی کا کیا فائدہ ہے۔

نکاح شغار کی ممانعت

﴿۷﴾وعن ابنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلٰى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صِدَاقٌ (متفق عليه،وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ لَا شِغَارَ فِي الْإِسْلَامِ)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع کیا ہے: اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کر دے کہ اس دوسرے شخص کو اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کرنا ہوگا اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''اسلام میں شغار (جائز) نہیں ہے۔

توضیح

نهى عن الشغار: شغار شغر سے ماخوذ ہے اور شغر اٹھانے کے معنی میں آتا ہے چنانچہ کتا جب ٹانگ اٹھا کر پیشاب کرتا ہے تو کہتے ہیں ''شغر الكلب'' ادھر شغار کے اس معاملہ میں مہر کو بیچ سے اٹھایا جاتا ہے اس لئے اس کو بھی شغر کہا گیا یا یہ کہ ہر ایک دوسرے کی بیٹی یا بہن کی ٹانگ اٹھانے پر عقد کرتا ہے اس لئے یہ شغار ہوا اس میں ہر قسم کے عار کی طرف اشارہ ہے۔

شغار کی صورت تو اس حدیث میں ترجمہ کے ساتھ بیان ہو چکی ہے ذرا مزید وضاحت سے یوں سمجھیں کہ شغار یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہدے کہ مجھے اپنی بیٹی نکاح میں دیدو وہ کہتا ہے تم اپنی بیٹی میری بیٹی کے عوض نکاح میں دیدو، اس طرح دونوں کے راضی ہو جانے پر عقد ہو جاتا ہے اور درمیان میں مہر نہیں ہوتا بلکہ لڑکیوں کا یہ تبادلہ ہی مہر مانا جاتا ہے فقط یہی عقد گویا ایک دوسرے کے لئے مہر ہے۔

فقہاء کا اختلاف

نکاح شغار میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ عقد باطل ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں عقد صحیح ہے نکاح تو ہو گیا البتہ مہر مثل ادا کرنا پڑیگا۔ احناف حدیث کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں ''لاشغار فی الاسلام'' یعنی اسلام میں کسی عقد میں اس طرح شرط صحیح نہیں تو شرط باطل ہے نفس عقد ہو گیا مہر مثل دینا لازم ہوگا۔

احناف فرماتے ہیں کہ کئی مسائل میں اس کے نظائر موجود ہیں کہ عقد صحیح ہے اور شرط باطل ہے مثلاً نکاح کر لیا اور مہر میں خمر یا خنزیر مقرر کر لیا تو سب کے نزدیک عقد صحیح ہے لیکن مہر مثل دینا ہوگا، احناف فرماتے ہیں کہ احادیث میں جس شغار

سے نہی آئی ہے وہ اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس کے ضمن میں عقد منعقد ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ شغار کے معاملہ کا یہ طریقہ وطرز باطل ہے نفس نکاح صحیح ہے تو مہر مثل دینا پڑیگا۔ زیلعی نے کہا ہے کہ یہ عقد اور معاملہ مکروہ ہے لیکن کراہت سے کسی چیز میں فساد تو نہیں آتا ہے مہر مثل دینے کے بعد پھر شغار نہیں رہتا یہ بحث وتحقیق اپنی جگہ پر لیکن حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسطرح کے نکاح سے سختی سے اجتناب کرنا چاہئے اور نہی اسی کراہت پر محمول ہے۔

متعہ کی ممانعت

﴿۸﴾وعن عَلِيٍّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ أَكْلِ لُحُومِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ (متفق عليه)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا، نیز آپؐ نے گھروں میں رہنے والے گدھوں کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا (گھروں میں رہنے والے گدھوں سے وہی گدھے مراد ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں، جنگلی گدھا جس کو گورخر کہتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے (بخاری ومسلم)

توضیح

نهى عن متعة النساء: کسی معینہ مدت کے لئے معینہ رقم کے عوض نکاح کرنے کا نام متعہ ہے، مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہدے میں دو سال کے لئے یا ایک ماہ کے لئے بعوض اتنی رقم تم سے نکاح کرتا ہوں۔

گویا متعہ ایک سازشی نکاح ہے نہ اس میں گواہ ہے نہ اولیاء کی اجازت ہے نہ کفو اور خاندان کا سوال ہے نہ ایجاب ہے نہ قبول ہے، متعہ جاہلیت کے باطل نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا۔ ابتداء اسلام میں یہ اسی طرح چلتا رہا کوئی نیا حکم نہیں آیا تھا۔ جنگ خیبر کے موقع پر حضور اکرمؐ نے اسکی ممانعت فرمائی پھر فتح مکہ کے بعد جنگ اوطاس کے موقع پر تین دن کی اجازت کے بعد قیامت تک کے لئے متعہ کو مسلمانوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا گویا نکاح متعہ کی دو مرتبہ اباحت آئی اور دو مرتبہ حرمت آئی اور پھر ہمیشہ کے لئے حرام ٹھرا ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کی حرمت حجۃ الوداع کے موقع پر آئی تھی ممکن ہے کہ یہ اعلان حرمت کے بعد مزید تشہیر وتفہیم وتعمیم کے لئے کیا گیا ہو۔

بہر حال متعہ نکاح کے اغراض کے سراسر منافی ہے اور بے شمار مفاسد کا منبع ہے مثلاً ایک عورت نے ایک ماہ میں تین شوہروں سے دس دس دن کے لئے متعہ کیا پھر سال کے بعد بچہ پیدا ہو گیا تو اب تین شوہروں کے اشتراک عمل سے جو بچہ پیدا ہوا ہے یہ بچہ کس کا ہے؟ کس کا وارث بنے گا کون اسا کا سرپرست اور وارث ہوگا؟ متعہ کے اس عمل بد سے تلبیس نسل

اور ابطال میراث لازم آتا ہے۔

لہٰذا اجماع امت کے فیصلے سے متعہ حرام ہے فقہاء اربعہ کے اتفاق سے متعہ حرام ہے شرافت کے اصولوں سے متعہ حرام ہے۔ صاحب ہدایہ نے ہدایہ میں امام مالکؒ کی طرف متعہ کے جواز کی نسبت کی ہے لیکن اس نسبت میں غلطی ہوگئی ہے کیونکہ مؤطا مالک میں اس کو ناجائز لکھا ہے۔

روافض: شیعہ روافض اس سازشی نکاح اور بیغرتی سے لبریز عمل کو جائز کہتے ہیں اور اس کا بڑا ثواب بیان کرتے ہیں اور جواز پر قرآن کی آیت کو دلیل کے طور پر پیش کر کے کہتے ہیں کہ ﴿**فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن**﴾ میں استمتاع کا ذکر ہے جو متعہ سے ماخوذ ہے اور اجورھن میں اجرت کا ذکر ہے مہر کا نہیں ہے لہٰذا متعہ مستقل حکم ہے۔ نیز روافض حضرت ابن عباسؓ کی طرف متعہ کے جواز کا قول منسوب کرتے ہیں اور مشکوۃ ص ۲۷۳ پر ابن مسعودؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

جمہور فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیت ﴿**فمن ابتغى وراء ذلك فاولئك هم العادون**﴾ (سورۂ مؤمنون) حرمت متعہ پر یہ آیت نص قطعی ہے۔ مسلم شریف کی ایک روایت حرمت متعہ پر اسی طرح واضح دلیل ہے "**وان الله قد حرم ذلك الى يوم القيامة**" مشکوۃ ص ۲۷۲ پر حضرت علی کی روایت حرمت پر دال ہے اس کے ساتھ ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت ہے جو متعہ کی حرمت پر دال ہے۔ اسی طرح مشکوۃ ۲۷۳ پر ابن عباسؓ کی روایت حرمت متعہ پر دال ہے اجماع امت بھی حرمت متعہ پر قائم ہے۔

الجواب: جمہور شیعہ شنیعہ اور رافضہ مرفوضہ کی دلیل قرآنی آیت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ "**فما استمتعتم**" کی آیت سے پہلے اور آیت کے بعد نکاح کا ذکر ہے لہٰذا 'اجورھن' سے مراد مہر ہے اور "**استمتعتم**" سے نکاح مراد ہے۔ اجور کا اطلاق مہر پر ہوتا ہے، جیسے قرآن میں ہے ﴿**فانكحوهن باذن اهلهن وآتوهن اجورهن**﴾ یہاں اجور سے مزدوری مراد نہیں بلکہ حق بضعہ کا معاوضہ مراد ہے جو مہر ہے۔

باقی ابن مسعودؓ اگر کسی وقت ابتداء میں متعہ کے قائل تھے تو ہوں گے بعد میں آپ نے رجوع کر لیا تھا اور حضرت ابن عباسؓ اگرچہ جواز کے قائل تھے لیکن جب حضرت علیؓ نے آپ کو سختی سے منع کر دیا تو آپ نے رجوع کیا اور فرمایا "**فكل فرج سواهما فهو حرام**"

شیعہ روافض پر تعجب ہے کہ حضرت علیؓ نے جس متعہ سے سختی سے منع کر دیا ہے شیعوں کا محبوب مشغلہ یہی متعہ بن کر رہ گیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے آپ کے شاگرد سعید بن جبیر نے ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت!! متعہ کے متعلق آپ کا فتویٰ تو دنیا میں پھیل گیا اور قافلوں اور مجالس میں اس کے تذکرے ہو رہے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ کیا فتویٰ

اور کیا تذکرے ہیں؟ تو شاگرد نے کہا کہ لوگ آپ کی طرف اس طرح فتوی منسوب کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے اشعار میں ایک شاعرہ عورت نے اس طرح کیا ہے ۔

قدقلت للشیخ لماطال مجلسه ☆ یاصاح هل لک فی فتوی ابن عباس

جب بڑے میاں دیر تک ہمارے ہاں رہے تو میں نے ان سے کہا اے میرے ساتھی کیا تجھے حضرت ابن عباس کے متعہ کے فتوی میں کوئی رغبت نہیں۔

هل لک فی رخصة الاطراف آنسة ☆ یکون مثواک حتی مصدرالناس

کیا تجھے نازک اندام محبت کرنے والی لڑکی میں رغبت نہیں کہ لوگوں کے واپس لوٹنے تک تم ان کے پاس ٹھرے رہو گے

فقال ابن عباس سبحان اللّٰه مابهذاافتیت وماهی الاکالمیتة والدم والخمرولحم الخنزیر

بہر حال متعہ کو نکاح میں داخل کرنا ایسا مشکل ہے جیسا کسی نے کہا ہے ۔

کسے در صحن کاچی قلیہ جوید اضاع العمر فی طلب المحال

یعنی جو شخص فیرنی اور کھیر کے پلیٹ میں گوشت کی بوٹیاں تلاش کرتا ہے اس نے محال کی تلاش میں اپنی عمر ضائع کر دیا۔

آنے والی حدیث نمبر ۹ کی تشریح بھی ملاحظہ کریں تا کہ پوری تفصیل سامنے آجائے۔

متعہ کب حرام ہوا؟

﴿۹﴾وعن سَلَمَةَ بنِ الاَکْوَعِ قَالَ رَخَّصَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسٍ فِی الْمُتْعَةِ ثَلاثًا ثُمَّ نَهٰی عَنْهَا (رواه مسلم)

اور حضرت سلمہ ابن اکوع ؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس میں تین یوم کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی پھر اس سے (ہمیشہ کے لئے) منع فرما دیا۔ (مسلم)

توضیح

عام اوطاس: متعہ کی حرمت کب آئی ہے، اس بارے میں احادیث مختلف ہیں زیادہ مشہور تو یہی ہے کہ جنگ خیبر کے موقع پر متعہ کی حرمت آئی تھی اور گھریلو پالتو گدھوں کے گوشت کھانے کی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن بعض روایات میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر متعہ کی تحریم کا حکم آیا اور بعض روایات میں آیا ہے کہ جنگ حنین واوطاس کے موقع پر یہ حرمت آئی تھی ان روایات میں تطبیق وترتیب کی چند صورتیں ہیں۔

اول یہ کہ متعہ کی حرمت تو جنگ خیبر کے موقع پر ہوئی تھی لیکن پھر فتح مکہ کے موقع پر رخصت ہوئی اس کے بعد

اوطاس کے موقع پر ہمیشہ کے لئے حرمت ہوگئی تو دو دفعہ رخصت اور دو دفعہ حرمت آئی۔

دوم یہ کہ جنگ خیبر کے موقع پر جو حرمت ہوئی تھی وہ ایسی تھی جس طرح مردار اور میتة کی حرمت ہے کہ حالت اختیار میں حرام ہے اور حالت اضطرار میں جائز ہے، جن صحابہ کی طرف جواز کا قول منسوب کیا جاتا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ تو وہ اسی طرح اضطرار کی حالت میں ابتدا میں قائل تھے پھر اس سے بھی رجوع کر لیا۔

بہر حال جن لوگوں کو جس وقت معلوم ہوا کہ متعہ حرام ہے اس نے اس وقت کی طرف نسبت کی یہ کوئی تعارض نہیں ہے۔ فتح مکہ اور جنگ حنین ساتھ ساتھ دو واقعے ہیں اگر کسی نے نسبت فتح مکہ کی طرف کی کہ اس دن متعہ حرام ہوا تو وہ بھی صحیح ہے اور جنہوں نے اوطاس کے موقع کی طرف نسبت کی تو وہ بھی صحیح ہے کیونکہ فتح مکہ کے سال میں فتح مکہ بھی ہے اور جنگ حنین واوطاس اور طائف بھی ہے۔

امام حازمیؒ نے لکھا ہے کہ حجة الوداع کے موقع پر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو ہمیشہ کے لئے حرام ٹھہرایا ہے۔ ابوداؤد شریف میں بھی ایک حدیث ہے جس میں حجة الوداع کے موقع پر متعہ کی حرمت کا ذکر ہے تعمیم وتفہیم اور تشہیر کے لئے اس وقت بھی اعلان ہوا تھا تو جس نے جس وقت حرمت کا سنا اسی کی طرف حرمت کو منسوب کیا یہ کوئی تعارض نہیں ہے۔

نکاح کا خطبہ

الفصل الثانی

﴿۱۰﴾ عَن عَبدِاللهِ بنِ مَسعُودٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ اَلتَّشَهُّدُ فِي الصَّلَاةِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِاللهِ الصَّالِحِيْنَ أَشْهَدُأَنْ لَااِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَالتَّشَهُّدُ فِي الْحَاجَةِ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ ﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَاتَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ o يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا o يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًاسَدِيْدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًاعَظِيْمًا (رواه أحمد والترمذی وابو داؤد والنسائی وابن ماجه

والدارمی) وَفِی جَامِعِ التِّرمِذِیِّ فَسَّرَ الآیَاتِ الثَّلَاثَ سُفیَانُ الثَّورِیُّ وَزَادَ ابنُ مَاجَه بَعدَ قَولِهِ أَنِ الحَمدُ لِلّٰهِ نَحمَدُهُ وَبَعدَ قَولِهِ مِن شُرُورِ أَنفُسِنَا وَمِن سَیِّئَاتِ أَعمَالِنَا وَالدَّارِمِیُّ بَعدَ قَولِهِ عَظِیمًا ثُمَّ یَتَکَلَّمُ بِحَاجَتِهِ وَرَوٰی فِی شَرحِ السُّنَّةِ عَنِ ابنِ مَسعُودٍ فِی خُطبَةِ الحَاجَةِ مِنَ النِّکَاحِ وَغَیرِهِ.

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تشہد بھی سکھایا ہے اور کسی حاجت اور ضرورت کے وقت جو تشہد پڑھا جانا چاہئے اس کی تعلیم بھی دی ہے، چنانچہ نماز کا تشہد تو یوں ہے۔

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَیکَ أَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَینَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِینَ أَشهَدُ أَن لَا اِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُهُ وَرَسُولُهُ،

زبان کی عبادتیں، بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں سب اللہ کے لئے ہیں اے نبی! آپؐ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو، اور ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو، میں گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اور کسی حاجت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد یہ ہے

أَنِ الحَمدُ لِلّٰهِ نَستَعِینُهُ وَنَستَغفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِن شُرُورِ أَنفُسِنَا مَن یَهدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَن یُضلِل فَلَا هَادِیَ لَهُ وَأَشهَدُ أَن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبدُهُ وَرَسُولُهُ.

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش کے طلب گار ہیں اور ہم اپنے نفس کی ہر برائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت (کی توفیق) دیدے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (یعنی نہ تو اس کو شیطان بہکا سکتا ہے نہ نفس گمراہ کرسکتا ہے اور نہ کوئی اور گمراہی میں مبتلا کرسکتا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

پھر اس تشہد کے بعد آپؐ قرآن کریم کی تین آیتیں پڑھتے، ایک آیت یہ ہے!

﴿یا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُسلِمُونَ﴾

اے ایمان والو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا ہو تو مسلمان ہی مرنا۔

دوسری آیت یہ ہے!

﴿یا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِی تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالأَرحَامَ إِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیکُم رَقِیبًا﴾

اے ایمان والو خدا سے ڈرو جس کے نام کو تم اپنی حاجت برآری کا ذریعہ بناتے ہو اور (قطع مودت)

ارحام سے (بچو) بیشک خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

تیسری آیت یہ ہے!

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا﴾

اے ایمان والو! خدا سے ڈرا کرو، اور بات سیدھی کہا کرو، وہ تمہارے سب اعمال درست کردے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی،) اور جامع ترمذی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ان تینوں آیتوں کو سفیان ثوری نے بیان کیا ہے۔

ابن ماجہ نے ان الحمد للہ کے بعد نحمدہ اور من شرور انفسنا کے بعد ومن سیئات اعمالنا کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے، اور دارمی نے اپنی روایت میں ''عظیما'' کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ (یہ تشہد اور آیتیں پڑھنے کے بعد) اپنی حاجت (یعنی عقد کے الفاظ) بیان کرے۔ اور شرح السنۃ نے ابن مسعودؓ کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں خطبۂ حاجت کی وضاحت نکاح وغیرہ سے کی گئی ہے (یعنی شرح السنۃ نے لفظ ''حاجت'' کی توضیح میں من النکاح وغیرہ کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے)

توضیح

خطبہ نکاح مسنون ہے اور شوافع کے ہاں دیگر عقود میں بھی خطبہ پڑھنا مسنون ہے۔

ثم یتکلم بحاجته: سے مراد یہی نکاح اور اس میں ایجاب وقبول ہے۔ قرآن کریم کی تین آیتیں یہاں خطبہ نکاح میں درج ہیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ سورت النساء کی آیت جو یہاں ''یاایھا الذین'' سے شروع ہے مصحف عثمانی میں اس طرح نہیں ہے اس میں **"یٰأیھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء واتقوا اللّٰہ الذی"** ہے یاایھا الذین اٰمنو نہیں ہے تو یہ شائد کسی کاتب کی غلطی ہے یا حضرت ابن مسعودؓ کی مصحف کی ایک قرأت ہے۔

بہرحال جو لوگ نکاح پڑھاتے ہیں ان کو چاہئے کہ خطبہ کو تشہد سے شروع کرلے پھر تین آیات پڑھے پھر چند احادیث متعلق نکاح پڑھے اور پھر ایجاب وقبول کرے پہلے لڑکی والوں سے قول وقرار لے لے اور پھر لڑکے سے قول وقرار اور قبول کے واضح الفاظ لے لے یہ صورت واضح اور بہتر ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک صیغہ ماضی کا ہو دوسرا مستقبل یعنی حال کا ہو تو اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے، بعض حضرات آج کل صرف تبوّل کے الفاظ ادا کرکے نکاح پڑھاتے ہیں مناسب یہی ہے کہ ایجاب اور قبول دونوں ہو

خطبہ کے بغیر نکاح بے برکت رہتا ہے

﴿۱۱﴾وعن أَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غريب)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس خطبہ میں تشہد (یعنی خدا کی حمد وثنا) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی طرح ہے۔ (ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے)

﴿۱۲﴾وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أَمْرٍ ذِی بَالٍ لَايُبْدَأُ فِيهِ بِالْحَمْدُلِلّٰهِ فَهُوَاَقْطَعُ (رواه ابن ماجه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس اہم اور عظیم الشان کام کو خدا کی حمد وثنا کے بغیر شروع کیا جائے وہ بے برکت ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

نکاح کا اعلان کرنا مستحب ہے

﴿۱۳﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْلِنُوا هٰذَاالنِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِی الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ (رواه الترمذی وقال هذاحديث غريب)

اور ام المؤمنین حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نکاح کا اعلان کیا کرو نکاح مسجد کے اندر کیا کرو اور نکاح کے وقت دف بجایا کرو (ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

توضیح

اس حدیث میں نکاح کے چند آداب کا ذکر ہے نکاح کا اعلان کرو یعنی خوب تشہیر کرو اسی تشہیر کی ایک صورت یہ ہے کہ نکاح کھلی مجلس اور کھلی مسجد میں ہو طرفین کے بزرگ حاضر ہوں دف بجانے کا شور وغوغا ہو مگر مسجد میں دف یا شور منع ہے۔ مسجد میں نکاح تشہیر کے ساتھ باعث برکت بھی ہے کیونکہ یہ عبادت کی جگہ ہے اور نکاح بھی عبادت ہے اسی طرح جمعہ کا دن نکاح کے لئے بہتر ہے کیونکہ اس میں زیادہ تشہیر بھی ہے اور حصول برکت بھی ہے۔

﴿۱۴﴾وعن مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبِ الْجُمَحِيِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصْلُ مَابَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدَّفُّ فِی النِّكَاحِ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجه)

اور حضرت محمد ابن حاطب جمحیؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال اور حرام کے درمیان فرق، نکاح

میں آواز اور دف بجانا ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح

الصوت: آواز سے مراد یا تو اشعار ہے اور یا نکاح کے تذکرے ہیں۔

حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ ان چیزوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں نکاح کے لئے تو ایجاب وقبول اور دو گواہ ضروری ہیں۔ اس حدیث میں صرف یہ ترغیب ہے کہ نکاح کی تشہیر ہونی چاہئے اسکی مجلس عام اور اعلانیہ ہونی چاہئے تشہیر کی کم از کم حد یہ ہے کہ پڑوس والوں کو معلوم ہو جائے کہ یہاں شادی ہو رہی ہے اب یہ علم آواز سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اور دف بجانے سے بھی ہو جاتا ہے، اس حدیث کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ بازاروں اور شہروں اور اخباروں اور ویڈیو وغیرہ میں تشہیر ہونی چاہئے اور نہ باجوں اور میوزک کے خرافات اس سے مراد ہو سکتے ہیں۔

شادی میں اشعار گائے جانے کی اجازت

﴿۱۵﴾ **وعن عائِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِندِي جَارِيَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عائِشَةَ أَلَاتُغَنِّيْنَ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يُحِبُّونَ الْغِنَاءَ (رواه ابن حبان في صحيحه)**

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی جب میں نے اس کا نکاح (کسی سے) کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عائشہؓ! کیا تم گانے کے لئے کسی کو نہیں کہہ رہی ہو کیونکہ یہ انصار کی قوم گانے کو بہت پسند کرتی ہے۔ (اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)

﴿۱۶﴾ **وعن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَنْكَحَتْ عَائِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَهَدَيْتُمُ الْفَتَاةَ قَالُوا نَعَمْ قَالَ أَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ تُغَنِّي قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْأَنْصَارَ قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُولُ أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ (رواه ابن ماجه)**

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ایک لڑکی کا نکاح کیا جو انصاری تھی اور ان کے قرابتداروں میں سے تھی، چنانچہ جب (نکاح کے بعد) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (گھر میں) تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا تم نے اس لڑکی کو کہ جس کا نکاح کیا گیا ہے، اس کے خاوند کے گھر بھیجدیا ہے؟ گھر والوں نے کہا کہ ہاں! آپؐ نے فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے کو بھی بھیجا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نہیں، آپؐ نے فرمایا کہ انصار ایک ایسی قوم ہے جس میں گانے کا شوق ہے، کاش! تم اس کے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیج دیتیں

جو یہ گا تا ہوا جاتا "اتینا کم اتینا کم فحیانا و حیا کم" (یعنی ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے) (ابن ماجہ)

توضیح

انصارِ مدینہ میں قدیم روایت تھی کہ خوشی کے موقع پر وہ اشعار وغیرہ گایا کرتے تھے اسی قومی روایت کے مطابق آنحضرتؐ نے اس خواہش کا اظہار فرمایا ہے کہ تم کسی گانے والی کا انتظام کردیتے تاکہ انصار کی خوشی میں اضافہ ہوتا، پھر آنحضرت نے اس موقع کے مناسب ایک شعر کی طرف اشارہ فرما کر اس کا آدھا حصہ پڑھا پورا شعر اس طرح ہے ۔

اَتَیْنَا کُمْ اَتَیْنَا کُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّا کُمْ   وَلَوْلَا الْحِنْطَةُ السَّمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَذَارَا کُمْ

ہم تمہارے پاس آگئے جی آگئے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی زندہ تابندہ رکھے، اگر سرخ گندم نہ ہوتی تو تمہاری کنواریاں اسطرح فربہ جسم اور گداز بدن والی نہ ہوتیں۔

یاد رہے ان اشعار کے ساتھ باجے نہیں تھے وہ جائز نہیں، گاؤں اور دیہاتوں میں اشعار گائے جانے کا رواج اب بھی ہے اور پردہ کے اہتمام کے ساتھ جاری رہنا مستحب ہے مزید تشریح انشاء اللہ بیان شعر کے باب میں آئے گی کچھ وضاحت پہلے بھی ہو چکی ہے۔

ایک عورت کے دو نکاحوں میں پہلا نکاح درست ہے

﴿۱۷﴾وعن سَمُرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا (رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی والدارمی)

اور حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کے دو ولی اس کا نکاح کردیں تو وہ عورت ان دونوں میں سے اس کیلئے ہے جس کے ساتھ نکاح پہلے ہوا اور جو شخص (کسی ایک چیز کو) دو آدمیوں کے ہاتھ بیچے تو وہ چیز ان دونوں میں سے اس کے لئے ہے جسے پہلے بیچی گئی ہے (ترمذی ابوداؤد نسائی دارمی)

متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا

الفصل الثالث

﴿۱۸﴾عن ابنِ مَسْعُودٍ قَالَ كُنَّا نَغْزُو مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا أَلَا نَخْتَصِي فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا أَنْ نَسْتَمْتِعَ فَكَانَ أَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْأَةَ بِالثَّوْبِ إِلٰى أَجَلٍ ثُمَّ

قَرَأَ عَبْدُاللهِ ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَاأَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ (متفق عليه)

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک جہاد تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں (یعنی بیویاں اور لونڈیاں) نہیں تھیں چنانچہ (جب عورتیں نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو) ہم نے کہا کیا ہم خصی نہ ہو جائیں (تاکہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تو اس سے منع فرما دیا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ہم میں سے بعض لوگ کپڑے کے عوض ایک معینہ مدّت کیلئے عورت سے نکاح (یعنی متعہ) کر لیتے تھے، اس کے بعد پھر ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی: اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کو حرام نہ سمجھو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے متعہ کے جواز کا پتہ چلتا ہے ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ ابتدائے اسلام کے جواز پر اضطرار کی صورت میں ہمیشہ کے لئے قائم رہے ہوں اور نسخ کے واضح احکامات کا انکو علم نہ ہوا ہو اور بہت قوی امکان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی طرح حضرت ابن مسعودؓ نے رجوع کیا ہو کیونکہ حضرت عمرؓ نے سرکاری اعلان فرمایا تھا کہ احادیث میں ممانعت کے باوجود اب بھی اگر کوئی شخص متعہ کریگا میں اس پر حدزنا نافذ کروں گا۔

بہر حال متعہ کے شوقین حضرات پر صد افسوس اور تعجب ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے صریح احکامات کو جو متعہ کی حرمت سے متعلق ہیں چھوڑ گئے اور حضرت ابن مسعودؓ کے احتمالی قول کی طرف چلے گئے نیز حضرت ابن عباسؓ کی حرمت کے صریح فتویٰ کے بھی خلاف ہو گئے، چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت حاضر ہے۔

متعہ کا حکم منسوخ ہو گیا ہے

﴿۱۹﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِي اَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدْرِ مَايُرٰى أَنَّهُ يُقِيْمُ فَتَحْفَظُ لَهُ مَتَاعَهُ وَتُصْلِحُ لَهُ شَيَّهُ حَتّٰى إِذَانَزَلَتِ الْآيَةُ ﴿إِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَافَهُوَا حَرَامٌ (رواه الترمذی)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ متعہ (کا جواز) صرف ابتداء اسلام میں تھا (اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں (لوگوں سے) اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی (کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام وطعام کا بندوبست کرتا) تو وہاں کسی عورت سے اتنی مدّت کے لئے نکاح کر لیتا جتنی مدّت اس کو ٹھہرنا

ہوتا، چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی دیکھ بھال کرتی، اور اس کا کھانا پکاتی، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی، الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم، حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ ان دونوں (یعنی بیوی اور لونڈی) کی شرم گاہ کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔ (ترمذی)

جائز اشعار سننا اور گانا جائز ہے

﴿۲۰﴾وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى قَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ وَأَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ فِي عُرُسٍ وَإِذَا جَوَارٍ يُغَنِّيْنَ فَقُلْتُ أَيْ صَاحِبَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلَ بَدْرٍ يُفْعَلُ هٰذَا عِنْدَكُمْ فَقَالَا اِجْلِسْ إِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَإِنْ شِئْتَ فَاذْهَبْ فَإِنَّهُ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرُسِ (رواه النسائی)

اور حضرت عامر بن سعدؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ جب میں ایک شادی میں شرکت کے لئے پہونچا جہاں (دو صحابی) حضرت قرظہ ابن کعبؓ اور حضرت ابو مسعودؓ انصاری بھی موجود تھے، تو دیکھا کہ چند بچیاں اشعار گا رہی ہیں میں نے کہا کہ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیو! اور جنگ بدر میں شریک رہنے والو! کیا تمھارے سامنے بھی یہ (گانا) ہو رہا ہے؟ (یہ سنکر) ان دونوں صحابیوں نے کہا کہ ''بیٹھ جاؤ، اگر تمہارا جی چاہے تو تم بھی ہمارے ساتھ سنو اور چاہے چلے جاؤ، کیونکہ شادی بیاہ کے موقع پر ہمیں گیت (گانے سننے) کی اجازت دی گئی ہے (نسائی)

تنبیہ:
یاد رہے یہ اشعار باجوں اور طبل و سارنگی کے ساتھ نہیں گائے جا رہے تھے بلکہ آلات غنا کے بغیر سادے اچھے اشعار تھے جو جائز ہے

ہفتہ ۵ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب المحرمات

مرد پر حرام عورتوں کا بیان

نکاح ایک اسلامی رشتہ ہے صرف شہوت رانی نہیں ہے اس لئے اسکی صحت وحرمت کی نہایت ضرورت ہے نکاح کے صحیح ہونے کے لئے دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت محرمات سے نہ ہواس ''باب المحرمات'' میں یہی بیان ہے کہ کونسی عورت کس مرد پر حرام ہے۔

حرمت دو قسم پر ہے ایک حرمت مؤبدہ ہے یعنی وہ عورت جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح نہیں ہوسکتا ہے۔ دوسری حرمت غیر مؤبدہ ہے یہ وہ عورت ہے جو عارض کی وجہ سے حرام ہوتی ہے۔

حرمت نکاح کے اسباب

حرمت نکاح کے مختلف اسباب ہیں سب کا بیان کرنا مشکل بھی ہے اور طویل بھی ہے صرف نو اسباب کا بیان مختصر طور پر یہاں ہوگا، ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) پہلا سبب نسبی رشتہ ہے، جو عورتیں نسبی رشتے کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی۔ لہٰذا ان عورتوں سے نکاح حرام ہے اسی طرح والدین کے اصول اوپر تک اور ان کے فروع نیچے تک حرام ہیں۔

(۲) دوسرا سبب سسرالی رشتہ ہے جیسے ساس، بہو، ام مزنیہ وغیرہ۔

(۳) تیسرا سبب رضاعت اور دودھ کا رشتہ ہے۔

(۴) چوتھا سبب عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کا سبب ہے جس سے حرمت آتی ہے جیسے چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں اکٹھا کرلیا، یا دو بہنیں یا پھوپھی اور اس کی بھتیجی کو جمع کرلیا یا ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کردیا کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کیا جائے تو وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ یا اجنبیات کو چار سے زیادہ اکٹھا کرنا یا ذوات الارحام میں سے دو یا دو سے زیادہ اکٹھا کرنا یہ سب حرام ہیں۔

(۵) پانچواں سبب عورت کا مملوکہ ہونا ہے یعنی پہلے سے منکوحہ آزاد بیوی موجود ہے تو اس پر لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے۔

(۶) چھٹا سبب تعلق حق الغیر ہے یعنی دوسرے کی منکوحہ سے نکاح ہے۔

(۷) ساتواں سبب اختلاف مذہب ہے یعنی مشرکہ، آتش پرست، دھریہ، آغاخانیہ، قادیانیہ، رافضیہ سے نکاح حرام ہے صرف اہل

کتاب کی عورتیں اگر واقعی اہل کتاب ہوں ان سے نکاح جائز ہے لیکن مسلمان لڑکی کا اہل کتاب سے نکاح حرام ہے۔
(۸) آٹھواں سبب عورت کا مالکہ ہونا ہے یعنی عورت مالکہ ہے وہ اپنے مملوک غلام سے نکاح نہیں کرسکتی ہے۔
(۹) نواں سبب طلاق ہے یعنی تین طلاق دینے کے بعد بغیر حلالہ یہ عورت اس مرد کے لئے حرام ہوگئی ہے نیز لعان سے جو عورت شوہر کے لئے ہمیشہ حرام ہوجاتی ہے وہ بھی طلاق کے زمرے میں آتی ہے۔

مندرجہ ذیل عورتوں کو نکاح میں اکٹھا نہ کرو

الفصل الاول

﴿ ۱ ﴾ عَن اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایُجْمَعُ بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَعَمَّتِہَا وَلَا بَیْنَ الْمَرْأَۃِ وَخَالَتِہَا (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عورت کو اپنی پھوپھی کے ساتھ اپنی نکاح میں نہ رکھا جائے اور نہ کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

لایجمع: اس حدیث میں ایک ضابطہ اور ایک اصولی قاعدہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور علماء امت نے اس قاعدہ کی تشریح کر کے واضح فرمایا ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر ان دو عورتوں کو کہ جن میں قرابت محرمیت ہو اگر ان میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے تو دونوں کا نکاح درست نہ ہوتا ہو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا حرام ہے۔ اس کی مثال مذکورہ حدیث میں پھوپھی اور بھتیجی کی ہے اگر پھوپھی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجی سے چچا کا نکاح حرام ہے اور اگر بھتیجی کو مرد فرض کیا جائے تو بھتیجے سے پھوپھی کا نکاح حرام ہے۔

اس قاعدہ کے متعلق ایک بات ذہن میں رکھنی چاہئے وہ یہ کہ یہ حرمت دونوں طرف سے ضروری ہے یعنی جانبین میں سے جس کو بھی مرد فرض کرلو تو نکاح حرام ہوجاتا ہے اگر ایسا نہیں بلکہ ایک طرف سے تو حرمت آتی ہے لیکن اسکے برعکس میں حرمت نہیں آتی ہے تو یہ قاعدہ اس صورت کو شامل نہیں ہے بلکہ ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں اکٹھا کیا جاسکتا ہے مثلاً بیوی اور اس کے پچھلے شوہر کی بیٹی کو جمہور کے نزدیک ایک نکاح میں اکٹھا کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ لڑکی اس بیوی سے نہ ہو اب اگر پچھلے خاوند کی اس بیٹی کو مرد فرض کیا جائے تو یہ بیوی اس کے باپ کی بیوی یعنی ''زوجۃ الاب'' بنتی ہے اور زوجۃ الاب سے نکاح حرام ہے لیکن اگر اس بیوی کو مرد فرض کیا جائے تو اس لڑکی سے نکاح کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں بنتی ہے لہٰذا مذکورہ بالا قاعدہ طرفین کی حرمت پر مبنی ہے ایک طرف کی حرمت کافی نہیں ہے۔

مسئلة حرمة الرضاعة

﴿۲﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ(رواه البخاری)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دودھ پینے کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہیں۔(بخاری)

توضیح

یحرم من الرضاعة: رضاعت دودھ شریک دو بچوں کے درمیان نسبت کا نام ہے رضاعت اصل میں دودھ پینے کے معنی میں ہے رضاعت کا صیغہ باب فتح وکرم وسمع سب سے آتا ہے۔

رضیع دودھ پینے والے بچے کو کہتے ہیں اور مرضعہ دودھ پلانی والی عورت کو کہتے ہیں مدت رضاعت دوسال ہے جس پر فتویٰ ہے اب اس بات میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ کتنی مقدار دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے جس سے نسب کی حرمت کی طرح حرمت آتی ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور یعنی امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ وجمہور علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کا دودھ مدت رضاعت دوسال کے اندر اندر یقینی طور پر بچے کے حلق سے نیچے اتر گیا تو یہ دودھ قلیل ہو یا کثیر ہو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی مرضعہ پر اس بچے کے فروع حرام ہو جائیں گے اور رضیع بچے پر مرضعہ اور اس کے اصول وفروع سب حرام ہو جائیں گے۔ شرح وقایہ میں بطور خاص یہ شعر لکھا ہے ۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند وز جانب شیر خوار زوجان وفروع

دودھ پلانے والی عورت کی جانب کے اصول وفروع سارے رشتہ دار بچے پر حرم ہو جائیں گے۔ اور دودھ پینے والے بچے کی جانب سے مرضعہ پر زوجان اور بچے کے فروع حرام ہو جائیں گے، زوجان سے مراد رضیع اور اسکی بیوی ہے۔

امام احمد بن حنبل اور اہل ظواہر کے نزدیک حرمت رضاعت تین بار چوسنے سے ثابت ہوتی ہے امام شافعیؒ نے حرمت رضاعت کو پانچ رضعات سے وابستہ کیا ہے۔

دلائل

شوافع حضرات کی دلیل حضرت عائشہؓ کی حدیث نمبر ۶ ہے جس میں مذکور ہے کہ قرآن کریم میں پہلے دس رضعات

سے حرمت کا حکم نازل ہوا تھا پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ رضعات کا حکم آ گیا آنحضرتؐ کے انتقال کے وقت تک وہ آیت قرآن میں پڑھی جاتی رہی۔

امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر نے حدیث نمبر ۵ ام الفضل کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں ہے کہ دو رضعات سے حرمت نہیں آتی ہے لہٰذا تین سے حرمت آئے گی گویا انہوں نے مفہوم مخالف پر عمل کیا ہے۔

• امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ یعنی جمہور نے قرآن کریم کی آیت ﴿وامھاتکم اللاتی ارضعنکم﴾ سے استدلال کیا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ ارضاع مطلق ہے خواہ ایک گھونٹ ہو یا کم وزیادہ ہو حرمت رضاعت ثابت ہوجائیگی، ارضاع باب افعال ارضعنکم کا مصدر ہے نیز احادیث میں الرضاعة کا لفظ بھی آیا ہے جو مصدر ہے اور مصدر میں تکرار نہیں تو ایک بار پینے سے بھی حرمت آئیگی۔ خواہ پستان سے چوس کر پی لے یا کسی برتن میں ڈالکر یا چوسنی سے چوس کر پی لے حرمت ثابت ہوجائیگی اس میں عدد اور تعداد کی کوئی قید اور شرط نہیں۔

احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ حرمت کی اصل علت جزئیت ہے کہ دودھ کی وجہ سے ایک دوسرے کے جسم میں اجزا کا اختلاط آجاتا ہے اور اپنے جزء سے استمتاع کرنا جائز نہیں ہے اس لئے نکاح جائز نہیں اور یہ جزئیت ایک قطرہ دودھ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے، لہٰذا حرمت ثابت ہوجائے گی خواہ کم ہو یا زیادہ ہو۔

الجواب:

احناف و مالکیہ نے شوافع حضرات کو یہ جواب دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث خبر واحد ہے اور خبر واحد سے قرآن کی قرآنیت ثابت نہیں ہوسکتی ہے، لہٰذا قرآن کی آیت کی موجودگی میں اس روایت کو ترک کرنا ہوگا یا تاویل کرنی ہوگی کیونکہ قرآن کریم ایک محفوظ آسمانی صحیفہ ہے اس محفوظ کتاب میں پانچ رضعات والی آیت نہیں ہے نہ مشہور اور متواتر قرأت میں اس کا کوئی ذکر ہے اب اگر حضور اکرمؐ کے آخری وقت میں وہ آیت پڑھی جاتی اور حضورؐ کی وفات کے بعد منسوخ ہوگئی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ العیاذ باللہ یہ قرآن محفوظ نہیں اور یہ نظریہ ﴿انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون﴾ کے منافی ہے۔

تو اصل حقیقت یہ ہے کہ دس رضعات والی آیت پانچ رضعات والی آیت سے منسوخ ہوگئی جس کا تذکرہ حضرت عائشہؓ نے کیا ہے اور پانچ رضعات کی آیت ﴿وامھاتکم اللاتی ارضعنکم﴾ کی مطلق آیت سے منسوخ ہوگئی اب یہ آیت منسوخ التلاوۃ والحکم ہے البتہ حضرت عائشہ کو اس پہلے نسخ کا علم ہوگیا اور دوسرے نسخ کا علم شاید نہیں ہوا تو انہوں نے اپنے علم کے مطابق مذکورہ حدیث بیان فرمادی۔

باقی حنابلہ اور اہل ظواہر کی دلیل کا جواب اس طرح ہے کہ ہم مفہوم مخالف کے قائل ہی نہیں تو اس کے پابند بھی نہیں

نیز منطوق کے مقابلہ میں مفہوم کی طرف جانا بھی مناسب نہیں اور اس کو ماننا بھی مناسب نہیں یا ام الفضل کی روایت اس وقت کی ہے جب پانچ رضعات کا دور دورہ تھا اور اس کا حکم منسوخ نہیں ہوا تھا جب منسوخ ہوا تو سب قصہ ختم ہوگیا۔

ام الفضل کی روایت کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ''مصة'' چوسنا بچے کا فعل ہے اور ''املاجة'' ماں کا فعل ہے تو عادت اور تجربہ اس طرح ہے کہ بچہ جب پستان کو منہ میں لیتا ہے تو پستان میں جلدی دودھ نہیں آتا ہے بلکہ ایک دو مرتبہ ویسے ہی منہ مارتا ہے اسی کو فرمایا کہ اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے کیونکہ اس سے حلق میں دودھ نہیں جاتا ہے دودھ کے اُترنے سے تو یقیناً رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ حنابلہ اور اہل ظواہر کو آخری جواب یہ ہے کہ مصتان یا املاجتان یہ عدد ہے اور تعداد وعدد میں مفہوم مخالف نہیں لیا جا سکتا ہے ''قال الطیبی و مفہوم العدد ضعیف''

رضاعت کی مستثنیٰ صورتیں

یہاں چند صورتیں ہیں جو رضاعت کے مسئلہ سے مستثنیٰ ہیں کہ رضاعت میں جائز اور نسب میں وہاں نکاح منع ہے۔

(۱) نسبی بھائی کی رضاعی بہن جائز ہے (۲) رضاعی بھائی کی نسبی بہن جائز ہے (۳) رضاعی بھائی کی رضاعی بہن جائز ہے (۴) رضاعی بیٹے کی نسبی بہن جائز ہے (۵) نسبی بیٹے کی رضاعی بہن جائز ہے (۶) رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن جائز ہے (۷) نسبی بہن کے رضاعی بھائی سے نکاح صحیح ہے (۸) رضاعی بہن کے نسبی بھائی سے نکاح جائز ہے (۹) رضاعی بہن کے رضاعی بھائی سے نکاح جائز ہے۔ یہ کل نو صورتیں ہیں جو مستثنیٰ ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں کچھ اور صورتیں بھی ہیں لیکن شارحین حدیث یہ نو بیان کرتے ہیں۔

اتوار ۶ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

رضاعی ماں کا شوہر رضاعی باپ ہے

﴿۳﴾ وعنها قَالَتْ جَاءَ عَمِّی مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَیَّ فَأَبَیْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ حَتّٰی أَسْأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ إِنَّهُ عَمُّکِ فَأْذَنِی لَهُ قَالَتْ فَقُلْتُ یَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّمَا اَرْضَعَتْنِی الْمَرْأَةُ وَلَمْ یُرْضِعْنِی الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهُ عَمُّکِ فَلْیَلِجْ عَلَیْکِ وذٰلِکَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَیْنَا الْحِجَابُ (متفق علیه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میرے رضاعی چچا میرے گھر آئے اور انھوں نے میرے پاس آنے کی اجازت مانگی میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا تاکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لوں (کہ ان کا میرے پاس آنا درست ہے یا نہیں ہے؟) چنانچہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپؐ سے ان

کے بارہ میں پوچھا، آپ ؐ نے فرمایا کہ وہ تمھارے چچا ہیں ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دیدو" حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ (یہ سنکر) میں نے عرض کیا کہ "مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا تھا کسی مرد نے تو دودھ نہیں پلایا تھا، آپ ؐ نے فرمایا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمھارے چچا ہیں اس لئے وہ تمھارے پاس آسکتے ہیں، (حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ) میرے رضاعی چچا کی یہ آمد اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہمارے لئے پردہ کرنا واجب ہو چکا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

انه عمک: حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جس عورت کا دودھ پیا تھا ان کے شوہر کا نام ابوالقُعیس تھا اور جو شخص حضرت عائشہؓ کے گھر میں داخل ہونے آرہا تھا ان کا نام افلح تھا افلح ابوالقعیس کا بھائی تھا ابوالقعیس کی بیوی کا دودھ پینے کی وجہ سے یہ شخص حضرت عائشہؓ کا رضاعی باپ ہوا اور ان کا بھائی افلح حضرت عائشہؓ کا رضاعی چچا ہوا۔

اَرْضَعَتْنِی الْمَرْأَةُ: حضرت عائشہؓ اس کلام سے یہ بتلانا چاہتی ہیں کہ دودھ جب عورت کا ہے تو رضاعت بھی عورت سے ثابت ہونی چاہئے مرد کو رضاعت میں کیا دخل ہے حضور اکرم ؐ نے اشارہ فرمایا کہ نہیں، عورت کے دودھ کی وجہ سے مرد بھی رضاعی بن جاتا ہے دودھ اگرچہ عورت کا ہے لیکن شوہر کے جماع سے دودھ پیدا ہوتا ہے تو شوہر کو بھی دودھ میں دخل ہے۔

رضاعی بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے

﴿۴﴾ وعن عَلِیٍّ أَنَّهُ قَالَ یَارَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لَکَ فِی بِنْتِ عَمِّکَ حَمْزَةَ فَإِنَّهُ اَجْمَلُ فَتَاةٍ فِی قُرَیْشٍ فَقَالَ لَهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ حَمْزَةَ اَخِی مِنَ الرَّضَاعَةِ وَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَاحَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ (رواه مسلم)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! آپ ؐ کے چچا (حمزہؓ) کی لڑکی آپ کو (اپنے نکاح کیلئے) کیوں پسند نہیں ہے؟ وہ تو قریش کے جوان لڑکیوں میں ایک حسین ترین لڑکی ہے، آنحضرت ؐ نے فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حمزہؓ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ نے جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں۔ (مسلم)

توضیح

هل لک: یعنی کیا آپ کو حمزہ کی بیٹی میں کوئی رغبت نہیں حالانکہ یہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے تو "هل لک" مبتدا اور "رغبة" خبر محذوف ہے۔ حضرت حمزہ حضور اکرم ؐ کے چچا تھے لیکن دونوں ہم عمر تھے اور دونوں رضاعی بھائی تھے کیونکہ دونوں نے ابولھب کی باندی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اس لئے حمزہؓ کی بیٹی حضور اکرم کی رضاعی بھتیجی ہوئی جن سے نکاح حرام تھا۔

آنحضرتؐ نے چار عورتوں کا دودھ پیا ہے (۱) اپنی والدہ محترمہ آمنہ کا (۲) حلیمہ سعدیہ کا (۳) ام ایمن کا (۴) اور ثویبہ کا۔

رضاعت کی مقدار

﴿۵﴾ وعن أُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ اَوِ الرَّضْعَتَانِ، وَفِي رِوَايَةِ عَائِشَةَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ وَفِي أُخْرٰى لِأُمِّ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ اَوِ الْإِمْلَاجَتَانِ (هذه روايات لمسلم)

اور حضرت ام فضل کہتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک بار یا دو بار دودھ پینا حرام نہیں کرتا (یعنی ایک بار یا دو بار چوسنے سے نکاح کے لئے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی) اور حضرت عائشہ کی روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا ایک بار یا دو بار چوسنا (نکاح) کو حرام نہیں کرتا، اور ام فضل کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "ایک بار یا دو بار (منہ) میں چھاتی کو داخل کر لینا (نکاح) کو حرام نہیں کرتا۔ (یہ سب روایتیں مسلم نے نقل کی ہیں)

﴿۶﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِي مَاأُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَءُ مِنَ الْقُرْآنِ (رواه مسلم)

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس بار دودھ پینا (جب کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو) (نکاح کو حرام کرتا ہے، پھر یہ حکم پانچ بار پینے کے ساتھ کہ جس کے پینے کا کامل یقین ہو، منسوخ ہو گیا (یعنی جب بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ پانچ بار دودھ پینا کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو، حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا، اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے اور یہ آیت قرآن کریم میں تلاوت کی جاتی رہی۔ (مسلمؒ)

مدت رضاعت کا زمانہ

﴿۷﴾ وعنها أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَأَنَّهُ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ إِنَّهُ أَخِي فَقَالَ اُنْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ فَإِنَّ الرَّضَاعَةَ مِنَ الْمَجَاعَةِ (متفق عليه)

اور ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا (اسے دیکھ کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گویا ناگواری ہوئی، حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ناگواری کو محسوس کر کے عرض کیا کہ یہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھا کرو (یعنی یہ غور کرو اور سوچو) کہ تمہارا بھائی کون ہو سکتا ہے کیونکہ شرعی طور پر رضاعت کا اعتبار بھوک کے وقت ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

المجاعة: اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ دودھ پینے کے احکام اس وقت جاری ہوتے ہیں جب یہ دودھ بطور غذا جسم میں اتر گیا ہو کیونکہ اسی زمانہ میں دودھ جزو بدن بنتا ہے اور اسی سے حرمت رضاعت ثابت ہوتی ہے۔ المجاعة کا مطلب یہی ہے کہ یہ دودھ بھوک کی وجہ سے جسم میں اتر گیا ہو دوسری کوئی غذا نہ ہو۔ حضرت عائشہؓ نے اس شخص کو دودھ شریک بھائی سمجھ لیا تھا لیکن چونکہ یہ دودھ مدت رضاعت کے بعد پیا گیا تھا اس لئے اس سے رضاعت ثابت نہ ہوئی تو آنحضرتؐ کو ناگوار گذرا۔

مدت رضاعت جمہور کے ہاں دو سال ہے اور صاحبین بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ ڈھائی سال کا فرماتے ہیں لیکن فتویٰ صاحبین اور جمہور کے قول پر ہے۔

ثبوت رضاعت میں ایک عورت کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟

﴿۸﴾وعن عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيْزٍ فَأَتَتِ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ قَدْ أَرْضَعْتِنِي وَلَا أَخْبَرْتِنِي فَأَرْسَلَ إِلَى آلِ أَبِي إِهَابٍ فَسَأَلَهُمْ فَقَالُوا مَا عَلِمْنَا أَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَأَلَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ (رواه البخاری)

اور حضرت عقبہ ابن حارثؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ابواہاب ابن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آکر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور ابواہاب کی بیٹی کو کہ جس سے عقبہ نے شادی کی ہے دودھ پلایا ہے (لہذا عقبہ اور ابواہاب کی بیٹی چونکہ دودھ شریک بھائی بہن ہوئے اس لئے ان کا نکاح باطل ہوا) عقبہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے (اس سے پہلے) اس بارے میں بتایا، پھر عقبہؓ نے ایک آدمی کو ابواہاب کے خاندان والوں کے پاس یہ دریافت کرنے بھیجا کہ کیا اس عورت نے تمھاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو، اس کے بعد عقبہؓ سوار ہو کر مدینہ منورہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپؐ سے اپنے نکاح کے بارے میں پوچھا کہ (یہ صورت پیدا ہوگئی ہے آیا میرا نکاح باطل ہوگیا ہے یا باقی ہے) آپؐ نے فرمایا کہ تم اس لڑکی کو کس طرح اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو جبکہ یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ تمھاری دودھ شریک بہن ہے، چنانچہ عقبہؓ نے اس لڑکی کو علیحدہ کر دیا اور اس لڑکی نے ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا (بخاری)

توضیح

کیف وقد قیل:۔ اگر ایک عورت گواہی دیدے کہ میں نے فلاں شخص کو دودھ پلایا تھا تو کیا اس عورت کی اس گواہی کا کوئی اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اس بارے میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن راھویہ کے نزدیک حرمت رضاعت کے لئے ایک عورت کی گواہی کافی ہے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ صرف ایک عورت مرضعہ کی گواہی سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی ہے پھر جمہور کا آپس میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کی شہادت کافی ہوجاتی ہے، امام شافعیؒ چار عورتوں کی گواہی کو معتبر مانتے ہیں، ائمہ احناف کے ہاں رضاعت میں بھی وہی عام قاعدہ چلے گا جو دین کے تمام شعبوں میں گواہی کا قاعدہ چلتا ہے کہ دو مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتیں ہوں یہ شہادت کا نصاب ہے، رضاعت میں بھی اسی پر عمل ہوگا۔

جمہور نے حضرت عقبہ کی روایت کے دو جواب دیئے ہیں (۱) ایک جواب یہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کو وحی کے ذریعے سے معلوم ہوگیا کہ اس عورت نے واقعی دونوں کو دودھ پلایا تھا تو آپ نے فرقت کا حکم دیدیا۔

(۲) دوسرا جواب یہ کہ چھوڑنے کا یہ فیصلہ اور حکم بطور قاعدہ شرعیہ نہیں تھا اور نہ بطور فتویٰ تھا بلکہ یہ حکم بطور احتیاط وتقویٰ تھا اور حدیث کا یہ لفظ کیف وقد قیل اس پر صریح دلالت کرتا ہے یعنی جب ایک شک والی بات کہی گئی ہے تو اس کے بعد تیرا دل کیسے مطمئن ہوگا اس لئے بہتر یہ ہے کہ چھوڑ دو۔

میدان جہاد میں گرفتار عورتوں سے جماع کا حکم

﴿۹﴾وعن أبي سعيد الخدريّ أنّ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يوم حنين بعث جيشًا إلى أوطاس فلقوا عدوًّا فقاتلوهم فظهروا عليهم وأصابوا لهم سبايا فكأنّ ناسًا من أصحاب النبيّ صلّى الله عليه وسلّم تحرّجوا من غشيانهنّ من أجل أزواجهنّ من المشركين فأنزل الله تعالىٰ في ذلك ﴿والمحصنات من النّساء إلّا ما ملكت أيمانكم﴾ أي فهنّ لهم حلال إذا انقضت عدّتهنّ (رواه مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن ایک لشکر کو اوطاس کی جانب روانہ کیا (جو طائف کے قریب واقع ہے) چنانچہ وہ لشکر دشمنوں سے نبرد آزما ہوا اور جنگ کے بعد ان پر فتح یاب ہوا اور بہت سارے قیدی ان کے ہاتھ لگے (جن میں عورتیں بھی تھیں اور وہ عورتیں بطور لونڈی مجاہدین کی ملکیت میں آئیں) لیکن

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے بعض حضرات نے گویا ان لونڈیوں سے بایں وجہ جماع کرنے سے پرہیز کیا کہ وہ خاوند والی تھیں اور ان کے وہ خاوند مشرک تھے چنانچہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔
اور حرام کی گئی ہے تم پر وہ عورتیں جو خاوند والی ہیں مگر وہ عورتیں تم پر حرام نہیں جو تمہاری ملکیت میں آگئی ہیں۔یعنی (وہ عورتیں جنہیں تم جنگ کے بعد دار الحرب سے بطور باندی پکڑ کر لائے ہو اور ان کے شوہر دار الحرب میں رہ گئے ہیں) وہ عورتیں عدت گذر جانے کے بعد تمہارے لئے حلال ہیں۔(مسلم)

توضیح

وَأَصَابُوا لَهُمْ سَبَايَا: یعنی مسلمانوں کے ہاتھ میں کافروں کی عورتیں قید ہو کر آئیں، یہ مسئلہ تو واضح تر ہے کہ جو عورت کسی شخص کے نکاح میں ہو کسی دوسرے مرد کو نہ تو اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور نہ اس پر تصرف جائز ہے۔
ہاں کافروں کی بیویاں اگر میدان جہاد میں مسلمانوں کی ہاتھ آگئیں اور ان کے شوہر دار الحرب میں رہ گئے تو اب ان کا کیا حکم ہے؟
تو اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ان عورتوں پر استبراء رحم واجب ہے یعنی استبراء رحم سے پہلے ان سے جماع کرنا جائز نہیں استبراء کی صورت یہ ہے کہ اس عورت کو ایک حیض آجائے اگر حیض نہیں آتا کہ صغیرہ ہو یا باکرہ ہو تو اس پر ایک ماہ کا گذرنا ضروری ہے تب جماع جائز ہوگا اور اگر وہ عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک انتظار کرنا ضروری ہے یہ استبراء رحم ہے۔

وہ عورتیں جنہیں بیک وقت نکاح میں رکھنا ممنوع ہے

الفصل الثانی

﴿۱۰﴾ وعن أبی هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى أَنْ تُنْكَحَ الْمَرْأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا أَوِ الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ أَخِيهَا وَالْمَرْأَةُ عَلٰى خَالَتِهَا أَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ أُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى (رواه الترمذی وابو داؤد والدارمی والنسائی وَرِوَايَتُهُ إِلٰى قَوْلِهِ بِنْتِ أُخْتِهَا)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی پھوپی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھتیجی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھانجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے نیز (آپؐ نے فرمایا کہ) بڑے رشتہ والے کی موجودگی میں چھوٹے رشتہ والی سے اور چھوٹی رشتہ والی کی موجودگی میں بڑی رشتہ والی سے نکاح کیا جائے (ترمذی، ابوداود، دارمی، نسائی) اور نسائی نے اس روایت کو بنت اختھا تک نقل کیا ہے۔

باپ کی بیوی سے نکاح کرنا حرام ہے

﴿۱۱﴾ وعن البراء بن عَازِبٍ قَالَ مَرَّ بِي خَالِي أَبُو بُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَمَعَهُ لِوَاءٌ فَقُلْتُ أَيْنَ تَذْهَبُ قَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رَجُلٍ تَزَوَّجَ إِمْرَأَةَ أَبِيهِ آتِيَهِ بِرَأْسِهِ (رواه الترمذی وابوداؤد) وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ لِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَة وَالدَّارِمِيِّ فَأَمَرَنِي أَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهُ وَآخُذَ مَالَهُ وَفِي هٰذِهِ الرِّوَايَةِ قَالَ عَمِّي بَدَلَ خَالِي)

اور حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میرے ماموں حضرت ابو بردہ ابن نیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک جنگی نشان تھا میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کرلیا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس شخص کے پاس بھیجا ہے تا کہ میں اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں لے آؤں (ترمذی، ابوداؤد)

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں نیز نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ (ابو بردہؓ نے کہا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال واسباب لے آؤں۔ اور اس روایت میں میرے ماموں کی جگہ ''میرے چچا'' کے الفاظ ہیں۔

توضیح

ان اضرب عنقه:. دراصل اس شخص کا عقیدہ اہل جاہلیت کی طرح یہ تھا کہ باپ کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے بلکہ وہ لوگ بڑے بیٹے کو بطور حقدار باپ کی بیوی یعنی اس کی سوتیلی ماں دیا کرتے تھے اور وہ بد بخت اس سے نکاح کرتا تھا اس شخص کا جب یہ عقیدہ تھا کہ اسلام میں ایک حرام چیز درحقیقت حرام نہیں بلکہ حلال ہے تو اس عقیدہ سے یہ شخص مرتد ہو گیا تو واجب القتل ہو گیا کیونکہ اسلام ایک دوٹوک قانون ہے جہاں حدود وتعزیرات ہیں یہ نہیں کہ اپنی نرم طبعیت کی وجہ سے اسلام کے احکام ہی خراب کرے اب دیکھو یہ صحابی حضور اکرمؐ کی طرف سے ایک شخص کو سمجھانے نہیں بلکہ گردن اڑانے جارہے ہیں حضورؐ کا جھنڈا ہاتھ میں لیکر اس لئے لہرارہے تھے تا کہ لوگوں کو یقین آجائے کہ یہ حضور اکرمؐ کا بھیجا ہوا شخص ہے۔

لواء:. جنگی جھنڈے کو کہتے ہیں۔

مدت رضاعت کا زمانہ

﴿۱۲﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَافَتَقَ

اَلْاِمْعَاءَ فِی الثَّدْیِ وَکَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دودھ پینا حرمت رضاعت کو ثابت کرتا ہے جو چھاتی سے پینے کی وجہ سے انتڑیوں کو کھول دیتا ہے اور وہ دودھ، دودھ چھڑانے کے وقت سے پہلے پیا گیا ہو، (ترمذی)

توضیح

مَافَتَقَ الْاَمْعَاءَ:. اس عبارت میں ما موصولہ بمعنی الذی ہے اور فتق نصر ینصر سے ہے اس کا معنی کھولنا ہے۔ الامعاء آنتوں کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دودھ بچے کے پیٹ اور آنتڑیوں کو اس طرح سیر کرے جس طرح کسی بھوکے آدمی کے پیٹ کو غذا سیر کردیتی ہے یعنی اس بچے کی غذا صرف ماں کا دودھ ہے کھانا نہیں کھاتا ہے اور یہ مدت رضاعت میں ہوتا ہے جو مفتی بہ قول کے مطابق دو سال کا زمانہ ہے۔

فی الثدی:. عربی محاورہ میں یہ لفظ مدت رضاعت اور دودھ پینے کے زمانہ پر بولا جاتا ہے یہاں اگر یہی معنی لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دودھ پینے کے زمانہ میں بچہ نے دودھ پیا اور یا اس لفظ سے امر واقعی کو بیان کیا گیا ہے کہ بچہ عموماً دودھ چھاتی ہی سے براہ راست چوس کر پیتا ہے تو یہ کوئی قید احترازی نہیں ہے کہ چھاتی کے علاوہ اگر برتن سے پیا تو رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

فتق:. کی ضمیر فاعل سے فی الثدی حال مقدرہ ہے اور الامعاء مفعول بہ ہے۔

ای لایحرم من الرضاع الاالذی فتق الا معاء حال کون اللبن ممتلئاً فی الثدی

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ الثدی کا لفظ برتن کے معنی میں ہے گویا یہ دودھ چھاتی کے برتن میں جمع پڑا ہے اور بچہ پی رہا ہے۔ فتق الامعاء اور فی الثدی یہ تمام الفاظ مدت رضاعت کی طرف اشارہ ہے۔

وکان قبل الفطام:. یعنی دودھ چھڑانے سے پہلے پیا ہو یہ جملہ سابق کلام کے لئے بطور تاکید ہے، یعنی مدت رضاعت میں دودھ پیا ہو اور وہ مدت دو سال ہے کیونکہ اسی زمانہ کا دودھ جزو بدن بنتا ہے جو موجب حرمت رضاعت ہے۔

رضاعی ماں کا حق کس طرح ادا ہوگا

﴿۱۳﴾ وعن حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجٍ الْاَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذَمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْأَمَةٌ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

اور حضرت حجاج ابن حجاج اسلمیؒ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حضرت حجاج اسلمی نے) عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کونسی چیز ہے جس سے میں دودھ کے حق میں سبکدوش ہوسکتا ہوں؟ آپؐ نے فرمایا مملوک یعنی بردہ خواہ غلام ہو یا لونڈی (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

توضیح

مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ :. مذمۃ ذال کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ حق اور ذمہ داری کے معنی میں ہے الذمام واجب الحفاظت چیز کا حق ادا کر کے حفاظت کرنے کو کہتے ہیں مراد دودھ پینے کے احسان کا بدلہ دینا ہے عرب کی عادت تھی کہ وہ دودھ پلانے کی اجرت دینے کے علاوہ بھی بطور احسان کچھ دیا کرتے تھے۔

اسی چیز کا سوال حضرت حجاج اسلمیؒ نے کیا ہے آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا ''غرہ'' دیدو غرہ خوبصورت غلام کو کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ گھوڑے کی پیشانی کے سفید داغ پر بولا گیا پھر اس کا اطلاق ہر روشن اور سردار اور شریف آدمی پر ہونے لگا اسی سلسلہ میں یہ لفظ غلام ولونڈی پر بولا گیا آپؐ نے فرمایا کہ مرضعہ کو خدمت کے لئے لونڈی یا غلام دیدو وہ انکی خدمت کریگا جس طرح مرضعہ نے تیری خدمت کی گویا یہ ''**جزاء حقهامن جنس فعلها**'' ہو یعنی خدمت کا بدلہ خدمت سے ہو﴿**هل جزاء الاحسان الاالاحسان**﴾

رضاعی ماں کی تعظیم وتکریم کا ایک نمونہ

﴿۱۴﴾وعن أَبِي الطُّفَيْلِ الْغَنَوِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَقْبَلَتْ اِمْرَأَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِدَاءَهُ حَتّٰى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيْلَ هٰذِهِ أَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابوطفیل غنوی کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک خاتون (دایہ حلیمہؓ) آئیں، آں حضرتؐ نے (انکی تعظیم وتکریم اور ان کی خوشی کے لئے) اپنی مبارک چادر بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر جب وہ (کہیں) چلی گئیں تو (ان لوگوں کو جو آپ کی اس تعظیم وتکریم کی وجہ سے اور آپؐ کی مبارک چادر پر ان خاتون کے بیٹھ جانے سے حیران ومتعجب تھے) بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہیں کہ جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

حضرت حلیمہ سعدیہ قبیلہ سعد سے تعلق رکھتی تھیں آپ نے دو سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا ہے جنگ حنین کے موقع پر شائد یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تھیں آنحضرتؐ نے ان کا بہت اکرام کیا اسی موقع پر حضور اکرمؐ کی رضاعی بہن اور حلیمہ سعدیہ کی بیٹی شیما بھی حضور اکرمؐ کے پاس آئی تھیں ان کا بھی حضرت پاکؐ نے بہت اکرام کیا یہ

دونوں خوش قسمت مسلمان ہوئی تھیں حضرت حلیمہ کی قبر مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں ہے۔

چار سے زیادہ نکاح کی ممانعت

﴿۱۵﴾ وعن اِبْنِ عُمَرَ أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ أَسْلَمَ وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِفَأَسْلَمْنَ مَعَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ أَرْبَعاً وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ (رواه احمدو الترمذی و ابن ماجه)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب غیلان ابن سلمہؓ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں جن سے انہوں نے زمانہ جاہلیت میں شادیاں کی تھیں چنانچہ ان کے ساتھ ان کی دس بیویاں بھی مسلمان ہوگئیں پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار عورتوں کو (اپنے نکاح میں) رکھو اور باقی کو علیحدہ کر دو۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

امسک اربعا: کوئی کافر مسلمان ہو جائے اور اس کی بیویاں بھی ساتھ مسلمان ہو جائیں اب اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ شخص چار بیویاں اپنے پاس رکھ سکتا ہے باقی کو چھوڑنا پڑیگا لیکن اختلاف اس میں ہے کہ ان عورتوں میں کن کو رکھے اور کن کو چھوڑ دے فیصلہ کیسے کرے۔ اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

ائمہ ثلاثہ اور امام محمد یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اختیار ہے جن کو رکھنا چاہتا ہے رکھ لے اور جسے چھوڑنا چاہتا ہے رخصت کر لے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو چھوڑنے میں تخییر نہیں بلکہ پہلے جن چار عورتوں سے نکاح ہوا ہے ان ہی کو رکھ لے اور چار کے نکاح کے بعد جن سے نکاح کیا ہے وہ چھوڑنے کے لئے متعین ہیں۔

دلائل

جمہور زیر بحث غیلان بن سلمہ کی روایت اور واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جس میں امسک اربعا کے مطلق الفاظ آئے ہیں کوئی قید نہیں کہ پہلے کس کو چھوڑے اور بعد میں کس کو رکھے۔ جمہور کی دوسری دلیل حضرت ضحاک بن فیروز کی روایت ہے جس میں "اختر ایتهما شئت" کے الفاظ آئے ہیں جو تخییر اور اختیار استعمال کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ جمہور کی تیسری دلیل نوفل بن معاویہ کی روایت ہے کہ ان کو جب چار کے رکھنے اور باقی کے چھوڑنے کا حکم ملا تو انہوں نے سب سے پرانی والی کو چھوڑ دیا اور چار کو رکھ لیا۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نکاح کے معاملات میں کفار شرعی نصوص اور احکامات اور فروعات کے پابند

ہیں تو جو چار نکاح کسی کافر نے پہلے کئے تھے وہ تو اسلام کی نظر میں صحیح تھے لیکن چار کے بعد والے نکاح صحیح نہیں تھے مگر کافر پر شرعی احکامات کی تنفیذ اس لئے نہیں تھی کہ وہ مسلمان نہیں اور اہل ذمہ اپنی شخصی زندگی میں آزاد ہیں لیکن جب وہ شخص مسلمان ہوا تو اب شریعت کا حکم اس کی طرف متوجہ ہوا لہٰذا جو چار پہلے نکاح میں آئیں تھیں وہ تو بیویاں تھیں اور بعد میں بھی وہی رہیں گی اور جو چار کے بعد نکاح میں آئیں تھیں انکا نکاح کلا نکاح تھا وہ اسی وقت کالعدم تھا لہٰذا وہ چھوڑنے اور رخصت کرنے کے لئے متعین ہیں۔

احناف کی یہ دلیل شریعت کے مجموعی قواعد اور اصول پر مبنی ہے یہ کوئی قیاس نہیں جو نصوص کے مقابلہ میں آیا ہے تاہم چونکہ امام محمدؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں لہٰذا فتوی جمہور کے قول پر ہے اسی میں احتیاط بھی ہے۔

جواب:

امام طحاوی نے جمہور کے مستدلات کا یہ جواب دیا ہے کہ مذکورہ احادیث میں شوہر کو جو اختیار دیا گیا ہے یہ اس پرانے اور قدیمی نکاح کی بات ہے جبکہ چار سے زائد یا دو اختین کے اکٹھار کھنے کی تحریم کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ لہٰذا اس وقت سب نکاح صحیح تھا تو سب میں اختیار دیا گیا کہ جسے چاہو رکھ لو جسے چاہو رخصت کرلو، پھر یہ حکم موقوف ہوگیا۔ بہر حال جمہور کا قول راجح ہے آنے والی حدیث نمبر ۱۶ اور حدیث نمبر ۱۷ کی بھی اسی طرح توضیح وتشریح ہے۔

﴿۱۶﴾ وعن نوفل بن معاوية قال أسلمت وتحتي خمس نسوة فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال فارق واحدة وأمسك أربعا فعمدت إلى أقدمهن صحبة عندي عاقر منذ ستين سنة ففارقتها (رواه في شرح السنة)

اور حضرت نوفل ابن معاویہؓ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں چنانچہ میں نے (اس بارہ میں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک کو علیحدہ کردو اور چار کو باقی رکھو (آپ کا یہ حکم سن کر) میں نے اپنے سب سے پہلی عورت کو علیحدہ کردیا جو بانجھ تھی اور ساٹھ سال سے میرے ساتھ تھی (شرح السنۃ)

دو بہنوں کو نکاح میں رکھنا منع ہے

﴿۱۷﴾ وعن الضحاك بن فيروز الديلمي عن أبيه قال قلت يا رسول الله إني أسلمت وتحتي أختان قال اختر أيتهما شئت (رواه الترمذي وابوداؤد وابن ماجه)

اور ضحاک ابن فیروز دیلمی اپنے والد (حضرت فیروزؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میری نکاح میں دو بہنیں ہیں (اس بارہ میں کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس ایک کو چاہو رکھ لو (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

وتحتی اختان: ایک شخص نے مثلاً اسلام قبول کرلیا اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہیں وہ بھی دونوں مسلمان ہوگئیں، تو جمہور فرماتے ہیں کہ اس شخص کو اختیار ہے جونسی کو رکھنا چاہتا ہے اور جونسی کو رخصت کرنا چاہتا ہے کرسکتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں بہنوں کا نکاح ایک ساتھ ہوا تھا تو اب دونوں کو رخصت کرنا پڑیگا اور اگر نکاح آگے پیچھے ہوا تھا تو پہلی والی کو رکھے گا دوسری رخصت ہوجائیگی دلائل ومسائل کی بحث پہلے ہوچکی ہے۔

مسئلة اسلام احدالزوجين

﴿۱۸﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي قَدْأَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِي فَانْتَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَوْجِهَاالْآخِرِ وَرَدَّهَا إِلٰى زَوْجِهَا الْاَوَّلِ وَفِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّهَا أَسْلَمَتْ مَعِي فَرَدَّهَا عَلَيْهِ (رواه ابوداؤد) وَرُوِيَ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ أَنَّ جَمَاعَةً مِنَ النِّسَاءِ رَدَّهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنِّكَاحِ الْاَوَّلِ عَلَى أَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اِجْتِمَاعِ الْاِسْلَامَيْنِ بَعْدَ اِخْتِلَافِ الدِّيْنِ وَالدَّارِ مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِيْدِ بْنِ مُغِيْرَةَ كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ فَأَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ فَبَعَثَ إِلَيْهِ ابْنَ عَمِّهِ وَهْبَ بْنَ عُمَيْرٍ بِرِدَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَانًا لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْيِيْرَ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ حَتّٰى أَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهُ وَاَسْلَمَتْ أُمُّ حَكِيْمٍ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ امْرَأَةُ عِكْرِمَةَ بْنِ أَبِي جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰى قَدِمَ الْيَمَنَ فَأَرْتَحَلَتْ أُمُّ حَكِيْمٍ حَتّٰى قَدِمَتْ عَلَيْهِ الْيَمَنَ فَدَعَتْهُ إِلَى الْاِسْلَامِ فَأَسْلَمَ فَثَبَتَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا (رواه مالک عن ابن شهاب مرسلا)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور پھر اس نے (ایک شخص سے) نکاح کرلیا، اس کے بعد اس کا پہلا شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں اسلام قبول کرچکا ہوں اور میری اس بیوی کو میرے اسلام قبول کرلینے کا علم تھا (لیکن اس کے باوجود اس نے دوسرے شوہر سے نکاح کرلیا ہے) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے خاوند سے علیحدہ کرکے پہلے خاوند کے حوالے کردیا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس پہلے خاوند نے یہ کہا کہ وہ عورت (یعنی میری بیوی جس نے اب دوسرے سے نکاح

کرلیا ہے) میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی، آپ ؐ نے یہ (سنکر) اس عورت کو اسی (پہلے) شوہر کے حوالہ کر دیا (ابوداؤد) اور شرح السنۃ میں یہ روایت اس طرح نقل کی گئی ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی عورتوں کو ان کے پہلے نکاح کے مطابق ان کے شوہروں کے حوالہ کر دیا تھا جن کے شوہر دین اور ملک کے فرق کے بعد انکے ساتھ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے تھے (یعنی غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے اور ایک کے دار الاسلام میں اور دوسرے کے دار الحرب میں رہنے کی وجہ سے گویا دونوں کے درمیان مذہبی اور ملکی بعد واختلاف واقع ہو جا تا تھا مگر جب وہ دوسرا بھی اسلام قبول کر لیتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے بیوی کو شوہر کے حوالہ کر دیتے تھے گویا قبولیت اسلام کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی) ان عورتوں میں ایک عورت ولید ابن مغیرہ کی بیٹی بھی تھی جو صفوان ابن امیہ کی بیوی تھی، یہ عورت (اپنے شوہر سے پہلے) فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئی اور اس کے شوہر نے اسلام سے گریز کیا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شوہر (صفوان ابن امیہ) کے پاس اس کے چچا کے بیٹے وہب ابن عمیرؓ کو اپنی مبارک چادر دیکر بھیجا اور اس کو امان عطا کیا (یعنی آپ ؐ نے وہبؓ کو بطور علامت اپنی چادر دیکر بھیجا کہ وہ صفوان کو یہ چادر دکھا کر مطلع کریں کہ قتل وتشدد سے تمہیں امان دی گئی ہے، تم بلا خوف آسکتے ہو) پھر جب صفوان آ گئے تو ان کی سیر کے لئے چار مہینے مقرر کر دیئے گئے (یعنی انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پورے امن وامان کے ساتھ چار مہینے تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھریں تا کہ وہ مسلمانوں کی عادات واطوار کا اچھی طرح مشاہدہ کرلیں چنانچہ وہ چند دنوں تک مسلمانوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہے) یہاں تک کے صفوان بھی (اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے دو مہینے بعد) مسلمان ہو گئے، اور ولید کی بیٹی جو ان کے نکاح میں تھی ان کی بیوی برقرار رہی، اسی طرح ان عورتوں میں ایک عورت ام حکیم تھیں جو حارث ابن ہشام کی بیٹی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہؓ کی بیوی تھیں، انہوں نے بھی فتح مکہ کے دن مکہ میں اسلام قبول کیا اور ان کے خاوند (عکرمہ) نے اسلام سے گریز کیا اور یمن چلے گئے، چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) ام حکیمؓ بھی (آنحضرت ؐ کے حکم پر اپنے خاوند کو راہ راست پر لانے کیلئے) یمن پہنچیں اور انہوں نے اپنے خاوند عکرمہ کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی تا آنکہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان دونوں کا نکاح باقی رہا۔ اس روایت کو امام مالک نے ابن شہاب سے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح

وَرَدَّهَا إِلَى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ:. اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے اور دوسرا غیر مسلم رہے تو اس میں چند صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ اسلام کے بعد دونوں میاں بیوی ایک ہی ملک میں رہ رہے ہیں، دوسری صورت یہ کہ یہ ملک دار الاسلام ہے یا دار حرب ہے۔ تیسری صورت یہ کہ دونوں میں ایسی جدائی ہوگئی کہ ایک ملک چھوڑ کر چلا گیا دوسرا رہ گیا اختلاف دارین

آ گیا۔ چوتھی صورت یہ کہ جدائی کے بعد کتنا عرصہ گذر گیا ہے۔ پانچویں صورت یہ کہ بیوی کتابیہ ہے یا غیر کتابیہ ہے۔ یہ چند صورتیں ہیں مگر سب منتشر ہیں اس لئے فقہاء کے اختلاف بیان کرنے کے ضمن میں جس صورت کی طرف اشارہ ملیگا فوراً پہچان لو۔

فقہاء کرام کا اختلاف

(۱) ائمہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ احدالزوجین میں سے اگر کوئی اسلام قبول کرے تو دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو نکاح برقرار رہے گا اور اگر اس دوسرے نے انکار کیا تو نکاح ختم ہو جائیگا، قاضی دونوں کے درمیان تفریق کریگا ہاں اگر عورت کتابیہ ہو تو اس پر اسلام پیش نہیں کیا جائے گا نکاح برقرار رہیگا۔

(۲) اگر احدالزوجین میں سے ایک مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد تبدل دارین آ گیا یعنی ایک نے ملک چھوڑا تو اس اختلاف دارین کی وجہ سے بھی جمہور کے نزدیک نکاح ختم ہو جائیگا کیونکہ دارین کے اختلاف سے اسلام کا پیش کرنا ممکن نہیں ہے ہاں دارحرب میں جانے کے بعد اگر عدت کی مقدار مدت گذر گئی تو نکاح ختم ہو جائیگا۔

(۳) اگر احدالزوجین میں سے ایک نے اسلام قبول کرلیا اور دوسرے نے مدت عدت یعنی تین حیض تک اسلام قبول نہیں کیا تو اس سے بھی دونوں کا نکاح ختم ہو جائیگا۔ الغرض جمہور کے نزدیک بیوی کی جدائی کے اسباب تین ہیں ایک انکار اسلام، دوسرا تبدل دارین اور تیسرا مقدار عدت تک کا عرصہ بغیر قبول اسلام کے گذر جانا یعنی تین حیض کا عرصہ گذر جانا۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ احدالزوجین نے جب اسلام قبول کرلیا تو بقاء نکاح میں دوسرے کا انتظار انقضاء عدت یعنی تین حیض تک کیا جائے گا اگر اس میں دوسرا بھی مسلمان ہو گیا تو نکاح باقی رہے گا ورنہ نکاح ختم ہو جائیگا، خواہ میاں بیوی میں اختلاف دینین کے ساتھ اختلاف دارین آیا ہو یا نہیں آیا ہو، اختلاف دارین سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا ہے اسی طرح ایک کے اسلام کی صورت میں دوسرے پر اسلام پیش نہیں کیا جائیگا اور نہ اسلام کے انکار سے فرقت کا کوئی تعلق ہے فرقت کا تعلق صرف انقضاء عدت سے ہے۔

دلائل

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل نے اپنے مسلک کے لئے جس واقعہ سے استدلال کیا ہے وہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوالعاص کا قصہ ہے کہ حضرت زینب چھ سال تک مدینہ میں رہیں اور پھر آنحضرتؐ نے نکاح اول کے ساتھ ابوالعاص کو لوٹا دیا (ترمذی ج ۱ ص ۲۱۷) صاحب مشکوٰۃ نے زیر بحث حدیث کے نقل کرنے کے بعد صاحب مصابیح کی شرح السنۃ کے حوالے سے کئی واقعات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے گویا یہ واقعات ان کے مسلک کے دلائل ہیں کہ تباین دارین کے باوجود نکاح اول کے ساتھ میاں بیوی کو برقرار رکھا گیا ہے نکاح جدید نہیں کیا گیا لہٰذا تباین

دارین کی کوئی حیثیت نہیں فرقت کا اصل سبب انقضاء عدت ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے عرض اسلام کو تسلیم نہیں کیا وہ فرماتے ہیں کہ ذمی کو ہم نے عدم تعرض کا عہد دیا ہے اب اس پر اسلام پیش کرنا یہ تعرض ہے جو جائز نہیں ہے۔

جمہور اور ائمہ احناف کے لئے دو قسم دلائل کی ضرورت ہے ایک وہ دلائل جو عرض اسلام کے لئے مفید اور مثبت ہوں۔ دوسری قسم وہ دلائل جو تباین دارین سے فرقت کے ثبوت کے لئے ہوں۔

پہلے دعوی کی دلیل

چنانچہ عرض اسلام کے لئے احناف نے حضرت عمر فاروقؓ کے دو واقعات سے استدلال کیا ہے۔ پہلے واقعہ کا خلاصہ یہ کہ داؤد بن کردوس کا بیان ہے کہ ہمارے بنو تغلب میں سے ایک نصرانی آدمی تھا اس کے نکاح میں ایک نصرانی عورت تھی اس عورت نے اسلام قبول کیا اور شوہر انکار کر رہا تھا حضرت عمرؓ کے پاس جب شوہر لا گیا تو آپ نے فرمایا "اسلم والا فرقت بینکما" اس نصرانی نے کہا کہ میں اس لئے اسلام قبول نہیں کرتا کہ میں عرب سے شرماتا ہوں یہ کہیں گے کہ اس شخص نے عورت کے فرج کے لئے اسلام قبول کیا حضرت عمرؓ نے دونوں میں تفریق فرمائی اس روایت کو زجاجۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۲۰ پر اس کے مصنف نے نقل کیا ہے اور عارضۃ الاحوذی کے مصنف ابن عربی نے شرح ترمذی میں اور امام طحاوی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کی طرف ایک اور واقعہ منسوب ہے کہ ان کے پاس دو مشرک لائے گئے ایک مسلمان ہو چکا تھا آپ نے دوسرے پر اسلام پیش فرمایا انکار پر آپ نے دونوں میں تفریق فرمائی معلوم ہوا اسلام پیش کرنا ثابت ہے اور فرقت نکاح کے اسباب میں سے ایک سبب انکار اسلام ہے۔

عقلی دلیل

احناف فرماتے ہیں کہ اسلام رحمت ہے شفقت اور طاعت ہے لہٰذا یہ خود فرقت کا ذریعہ نہیں بن سکتا ہے جب کافر پر اسلام پیش کیا گیا اور اس نے انکار کیا تو اب انکار از اسلام فرقت کا ذریعہ بنے گا اور قصور وار وہی کافر ٹھہریگا اس لئے عرض اسلام ضروری ہے تاکہ اسلام پر تفریق زوجین کا الزام نہ آئے۔ باقی شوافع نے جو یہ کہا ہے کہ ذمی کو تعرض جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے تعرض جائز نہیں جبری طور پر جائز نہیں مجبور کر کے ڈرا دھمکا کر جائز نہیں اختیاری طور پر تو جائز ہے اسکی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

دوسرے دعوی کی دلیل

جمہور اور احناف کا دوسرا دعوی یہ ہے کہ تباین دارین سے فرقت واقع ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اس دعوی پر احناف نے قرآن کریم سے دو آیتیں پیش کی ہیں اول آیت اس طرح ہے۔

﴿فان علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن الى الكفار لاهن حل لهم ولاهم يحلون لهن﴾(سورت ممتحنه ١٠)
اس سے واضح طور پر یہ مسئلہ ثابت ہوجاتا ہے کہ تباین دارین فرقت زوجین کا سبب ہے۔ دوسری آیت یہ ہے۔

﴿ولاجناح عليكم ان تنكحوهن اذاآتيتموهن اجورهن﴾(سورت ممتحنه)

اگر تباین دارین فرقت زوجین کا ذریعہ نہیں تو ان عورتوں سے نکاح کیسے جائز ہوا جن کے شوہر مکہ میں موجود تھے۔
احناف نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جسکو امام ترمذیؒ نے عمرو بن شعیبؒ کے حوالے سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے الفاظ یہ ہیں!

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ردابنته زينب على ابى العاص بن الربيع بمهر جديد ونكاح جديد (ترمذى ج ١ ص ٢١٧)

الجواب:

جمہور اور احناف زیر بحث حدیث ابن عباس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس روایت میں کوئی تفصیل اور کوئی تصریح نہیں ہے کہ یہاں تباین دارین ہوا ہے اس طرح محتمل اور مجمل روایت سے کوئی قطعی استدلال نہیں ہوسکتا ہے۔
باقی صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کے واقعات سے تباین دارین پر استدلال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں تباین ہوا ہی نہیں یہ دونوں حضرات بے شک مکہ سے بھاگے تھے لیکن مکہ کی حدود سے باہر نہیں نکلے تھے بلکہ ایک تو ساحل سمندر تک گیا تھا اور دوسرا مکہ کے مضافات میں چھپا ہوا تھا۔
باقی صاحب مشکوٰۃ کا یہ کہنا کہ شرح السنۃ میں صاحب مصابیح سے روایت ہے کہ عورتوں کی ایک جماعت تھی جن کو حضور اکرمؐ نے نکاح اول کے ساتھ ان کے شوہروں کی طرف لوٹا دیا تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ یہ ایک مجمل اور مبہم دعویٰ ہے، جب تک تباین دارین کی تفصیل سامنے نہیں آتی محض یہ اجمال کسی پر حجت نہیں بن سکتا۔

حضرت ابوالعاصؓ کا واقعہ اور تحقیق

بنیادی طور پر شوافع اور حنابلہ نے حضرت ابوالعاصؓ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، حضرت ابوالعاصؓ کا نکاح مکہ میں بنت الرسولؐ حضرت زینبؓ سے ہوا تھا حضرت زینب تو مسلمان تھیں مگر ابوالعاص نے اسلام قبول نہیں کیا تھا جنگ بدر میں جب گرفتار ہوئے تو آنحضرتؐ نے ان کو بلا فدیہ چھوڑ دیا مگر یہ شرط رکھ لی کہ میری بیٹی زینب کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے لئے چھوڑ دو گے اس موقع پر حضرت زینب نے ان کو چھڑانے کے لئے اپنا وہ ہار بھی بھجوایا تھا جو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے

اپنی بیٹی کو شادی کے موقع پر دیا تھا، حضورؐ نے جب یہ ہار دیکھا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یاد تازہ ہوگئی تو آپ پر رقت طاری ہوگئی آپ نے صحابہ کے مشورہ سے ابوالعاص کو بلا فدیہ واپس بھیجا اور ہار بھی واپس کیا حضرت ابوالعاص نے وعدہ پورا کیا اور حضرت زینب مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔

پھر ایک قافلہ کا صحابہ کرام نے کچھ عرصہ تعاقب کیا جس میں حضرت ابوالعاص بھی تھے آپ بھاگتے ہوئے مدینہ آئے اور سیدھے حضرت زینب کے گھر پہنچ گئے حضرت زینب نے آپ کے لئے امان مانگی حضور اکرمؐ نے امان دیدی ابوالعاص مکہ چلے گئے اور وہاں جاکر اپنے اسلام کا شاندار انداز سے اعلان کیا اور واپس مدینہ چلے آئے اس میں چھ سال کا عرصہ گذر چکا تھا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نکاح کے ساتھ حضرت زینبؓ کو ان کی طرف واپس کیا شوافع کہتے ہیں کہ دیکھو تباین دارین ہوگیا تھا مگر فرقت نکاح نہیں ہوا۔

الجواب:

احناف اور جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو حضرت ابوالعاص کے واقعہ سے تو آپ حضرات قطعاً استدلال نہیں کر سکتے ہو ایک تو یہ کہ ترمذی میں جہاں یہ ہے کہ نکاح اول کے ساتھ لوٹا دیا وہاں یہ بھی ہے کہ نکاح جدید اور مہر جدید کے ساتھ لوٹایا اب کیا کروگے؟ ''اذا تعارضا تساقطا'' اسی طرح آپ حضرات اس واقعہ اور روایت سے اس لئے بھی استدلال نہیں کر سکتے ہو کہ اس میں تو عدت کی مدت بھی گذر گئی تھی تین حیض یا تین ماہ کیا چھ سال گذر گئے تھے تو لامحالہ تم بھی تاویل کروگے ہم بھی تاویل کریں گے بغیر تاویل کوئی بھی استدلال نہیں کر سکے گا تو تاویلات میں ایک تاویل یہ ہے کہ یہ خصوصیت پیغمبری تھی کہ چھ سال تک سابقہ نکاح برقرار رہا دوسری توجیہ یہ کہ بالنکاح الاول میں ایک تشبیہ کی صورت ہے کہ پہلے نکاح کی طرح مہر جدید اور نکاح جدید کے ساتھ نکاح ہوا۔

باقی ترمذی کی دونوں روایتیں صحیح ہیں اور اس میں واضح تعارض ہے تو جمہور کہتے ہیں کہ عمرو بن شعیب کی روایت جو ہماری دلیل ہے کہ نکاح جدید ہوا مہر جدید رکھا یہ روایت راجح ہے کیونکہ یہ مثبت ہے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت نافی اور نافی ومثبت میں جب تعارض آتا ہے تو مثبت اولی بالترجیح ہوتی ہے۔

علامہ خطابی نے شوافع کی حمایت میں فرمایا کہ ممکن ہے کہ حضرت زینب کی عدت چھ سال تک لمبی ہوگئی ہو کیونکہ طہر طویل بھی ہوجاتا ہے تو فرقت زوجین نہیں آئی کیونکہ عدت ابھی تک گذری نہیں، ہم نے کہا شاباش!!

کون کونسی رشتہ والی عورتیں محرمات میں داخل ہیں

الفصل الثالث

﴿۱۹﴾عن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرِّمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ الْآيَةَ (رواه البخاری)

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ از روئے نسب سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں اور از روئے مصاہرت بھی سات رشتوں کی عورتیں حرام کی گئی ہیں، پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهاتُكُمْ آخر تک پڑھی، (بخاری)

نوٹ: سورت النساء کی آیت ۲۳ میں یہ تمام محرمات مذکور ہیں نسبی رشتوں والی سات کا ذکر ہے اور سسرالی رشتوں کی اکثر کا ذکر ہے وہاں پر دیکھ لیا جائے (مؤلف)

اپنی بیوی کی بیٹی سے نکاح کی ممانعت

﴿۲۰﴾وعن عمرو بنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَايَحِلُّ لَهُ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَأَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَأَةً فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَنْكِحَ أُمَّهَا دَخَلَ بِهَا أَوْلَمْ يَدْخُلْ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ لَا يَصِحُّ مِنْ قِبَلِ إِسْنَادِهِ إِنَّمَا رَوَاهُ ابْنُ لَهِيعَةَ وَالْمُثَنّٰى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ وَهُمَا يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيْثِ)

اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عورت سے نکاح اور پھر جماع کرے تو اس کے لئے اس بیوی کی بیٹی سے (جو اسکے پہلے شوہر سے ہے) نکاح کرنا جائز نہیں (بشرطیکہ اس بیوی کو طلاق دے چکا ہو یا وہ مرگئی ہو، کیونکہ اس بیوی اور اس کی بیٹی کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا اس صورت میں جائز نہیں، اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو اب اس کے لئے اپنی منکوحہ کی ماں یعنی اپنی ساس سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا خواہ اپنی اس منکوحہ سے جماع کیا ہو یا جماع نہ کیا ہو، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت اپنی سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو ابن لہیعہ اور مثنی ابن صباح نے عمرو ابن شعیبؒ سے نقل کیا ہے اور وہ دونوں حدیث روایت کرنے کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں (گویا کہ یہ روایت اپنے راویوں کے اعتبار سے تو صحیح نہیں ہے لیکن اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اس روایت میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کے مطابق ہے)

۷ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب المباشرة

اپنی بیوی سے مباشرت کا بیان

البشرة: انسان کی ظاہری کھال اور ظاہر جسم کو کہتے ہیں اسی سے بشر ہے کیونکہ بشر انسان ہوتا ہے اور حیوان کے مقابلہ میں اس کا جسم بالوں سے خالی اور کھلا ہوتا ہے۔

"المباشرة الصاق البشرة بالبشرة" کو کہا جاتا ہے کہ طرفین سے کھلا جسم ایک دوسرے سے مس ہوجائے یہ لفظ عربی میں جماع کے ساتھ خاص نہیں ہے البتہ جماع سے کنایہ ہوسکتا ہے۔ جیسے یہاں المباشرۃ بمعنی المجامعة ہے لیکن ابواب الصوم میں احادیث میں حضور اکرمؐ کے بارے میں رمضان کے دنوں میں "یباشر" کا جو لفظ آیا ہے وہ الصاق البشرة بالبشرة غیر الجماع کے معنی میں ہے جس کا اردو میں ترجمہ بوس و کنار ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے بخاری شریف کے اردو ترجمہ میں اس لفظ کا ترجمہ مباشرت سے کیا ہے انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے کیونکہ مباشرت اردو میں جماع کے ساتھ خاص ہے تو رمضان میں حضور اکرمؐ نے دن میں کیسے جماع کیا اس ترجمہ سے بہت سارے لوگ گمراہ ہوجائیں گے۔

اس باب میں جائز اور ناجائز مباشرت کی تفصیلات ہیں اور مباشرت کے آداب و مسائل بھی بیان ہوئے ہیں۔ لیکن اس میں عزل کی احادیث زیادہ ہیں۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن جابرٍ قَالَ كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ (متفق عليه)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی عورت کے پیچھے کیطرف سے اس کے اگلے حصہ (یعنی شرمگاہ) میں جماع کرتا ہے تو اس کا بھینگا بچہ پیدا ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی! تمہاری عورتیں (یعنی بیویاں اور لونڈیاں) تمہاری کھیتی ہیں لہذا تمہیں اختیار ہے کہ ان کے پاس جس طرح چاہو آؤ۔ (بخاری و مسلم)

مسئلة العزل

﴿۲﴾ وعنه قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ (متفق عليه) وَزَادَ مُسْلِمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہوتا رہتا تھا (یعنی نزول کا سلسلہ جاری تھا مگر اس بارہ میں میں کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی) (بخاری ومسلم) مسلم نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ہمارے اس فعل کی اطلاع آنحضرتؐ کو تھی مگر آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

توضیح

عزل کا لغوی معنی جدا کرنا الگ کرنا ہے جیسے ﴿فاعتزلوا النساء فی المحیض﴾ ہے۔عزل کی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے جماع کرتے وقت نطفہ کو بوقت انزال الگ کر کے ضائع کرنا۔اس باب پر عزل کی احادیث حاوی ہیں بعض سے جواز کا پتہ چلتا ہے بعض سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اکثر علماء عزل کے قائل ہیں درمختار نے بھی جائز لکھا ہے۔بعض صحابہ اور بعض سلف عزل کو ناجائز کہتے ہیں ابن حزم بھی عدم جواز کے قائل ہیں۔

بہر حال عام علماء فرماتے ہیں اور احادیث میں بھی اس طرح ہے کہ لونڈی سے بغیر اجازت عزل جائز ہے اور حرہ بیوی سے اجازت کے بعد عزل جائز ہے کیونکہ تکمیل شہوت میں عورت کے لئے مرد کے پانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے تو یہ اس کا حق ہے اگر وہ اجازت نہ دے تو ناجائز ہے۔بہر حال اگر اجازت ہو جائے تو عزل صرف مباح کے درجہ میں ہے پوری احادیث کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کی نظر میں عزل پسندیدہ کام نہیں ہے بعض روایات میں تو اسکو وأد خفی کہا گیا ہے یعنی پوشیدہ طریقہ سے بچے کو زندہ درگور کرنا۔بہر حال صاحب ہدایہ نے جب عزل کے متعلق لکھا کہ "وکرہ العزل" کہ عزل اگرچہ مباح ہے لیکن یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے اس پر ہدایہ کے شارحین کفایہ عنایہ اور فتح القدیر نے ضبط تولید کے متعلق لکھا ہے کہ آج کل اگر کوئی شخص ضبط تولید کے لئے حمل ٹھہرنے سے پہلے پہلے نطفہ کو کسی دوائی کے استعمال سے ضائع کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے وہ حضرات لکھتے ہیں کہ چونکہ آج کل اولاد کی تربیت تو ہوتی نہیں اس لئے فساق وفجار اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔یہ ان حضرات کی ایک اچھی نیت ہے اسی طرح اگر عورت کمزور ہو بیمار ہو یا اولاد زیادہ ہو تو وہ بھی عذر کے طور پر دوائی استعمال کر سکتی ہے۔

لیکن آج کل جو ایک طوفان بدتمیزی اُٹھا ہے کہ منصوبہ بندی کرو بچے دو ہی اچھے وقفہ ضروری ہے تو ان لوگوں کی نیت کچھ اور ہوتی ہے جس میں اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پوشیدہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے پر عدم اعتماد ہوتا ہے اس نظریہ سے کوئی دوائی استعمال کرنا جائز نہیں ہوگا علماء بہتر فتوی دے سکتے ہیں۔

﴿۳﴾وعنه قَالَ إِنَّ رَجُلًا اَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ لِي جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَأَنَا أَطُوفُ عَلَيْهَا وَأَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا إِنْ شِئْتَ فَإِنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَاقُدِّرَلَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ

أَتَاهُ فَقَالَ إِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْحَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ أَخْبَرْتُكَ أَنَّهُ سَيَأْتِيهَا مَاقُدِّرَ لَهَا (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک لونڈی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے جماع بھی کرتا ہوں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو آپؐ نے فرمایا تم چاہو تو عزل کرلیا کرو لیکن اس (لونڈی) کے ذریعہ جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہو گی اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ شخص نہیں آیا اور پھر جب آیا تو کہنے لگا کہ میری لونڈی حاملہ ہوگئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اس کے ذریعے جو چیز پیدا ہونی مقدر ہو چکی ہے وہ ضرور پیدا ہو گی؟ (مسلم)

مقدر کو کوئی نہیں روک سکتا

﴿۴﴾وعن أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَأَصَبْنَا سَبْيًا مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَأَرَدْنَا أَنْ نَعْزِلَ وَقُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَظْهُرِنَا قَبْلَ أَنْ نَسْأَلَهُ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَاعَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوا مَامِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ (متفق علیه)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ بنی المصطلق کی جنگ میں گئے تو عرب قوم میں سے کچھ لونڈی غلام ہمارے ہاتھ آئے، ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور مجرد رہنا ہمارے لئے سخت مشکل ہو گیا اور (ان لونڈیوں سے جو ہمارے ہاتھ لگی تھیں) ہم نے عزل کرنا چاہا (تا کہ ان کا حمل نہ ٹھہر جائے) آخر ہم نے عزل کا ارادہ کرلیا مگر پھر ہم نے سوچا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود ہیں (تو آپؐ سے دریافت کئے بغیر عزل کرنا ہمارے لئے جائز ہے یا نہیں؟) چنانچہ ہم نے آپؐ سے اس بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے کہ قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ تو پیدا ہو کر رہے گی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

مِنْ سَبْيِ الْعَرَبِ: علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عرب پر بھی غلامی طاری ہوسکتی ہے کیونکہ یہاں بنو مصطلق کے لوگوں کو غلام اور لونڈی بنائے جانے کا ذکر ہے اور وہ عرب تھے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا یہی مسلک ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عرب قوم کو اللہ تعالیٰ نے مخصوص شرف عطا کیا ہے ان پر غلامی نہیں آسکتی۔

مـاعـلیکم ان لا: یہاں ان پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہے معنی یہ کہ اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں کوئی نقصان نہیں بعض نے ''لا'' کلمہ کو زائد مانا ہے ترجمہ یہ کہ عزل کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

﴿۵﴾ وعنہ قَالَ سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَامِنْ کُلِّ الْمَاءِ یَکُونُ الْوَلَدُ وَإِذَا أَرَادَاللّٰہُ خَلقَ شَیْءٍ لَمْ یَمْنَعْہُ شَیْءٌ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کے بارے میں پوچھا گیا (کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپؐ نے فرمایا منی کے ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو پیدا ہونے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ (مسلم)

توضیح

بظاہر اشکال ہوتا ہے کہ سائل کے سوال اور حضور اکرمؐ کے جواب میں بظاہر مطابقت نہیں ہے لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو کوئی سوال نہیں اٹھتا کیونکہ سوال کا مقصد یہ تھا کہ عزل کی اجازت مل جائے تا کہ عزل کرنے کی صورت میں اولاد پیدا ہونے کا خوف لاحق نہ ہو۔

اسی سوال کے اسی مفہوم کی روشنی میں آنحضرتؐ نے جواب دیا ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ منی کے اندر جانے سے بچہ پیدا ہوگا اور نہ جانے سے پیدا نہیں ہوگا یہ غلط ہے بعض دفعہ پانی جاتا ہے اور بچہ پیدا نہیں ہوتا اور بعض دفعہ پانی نہیں جاتا مگر اللہ تعالیٰ رحم مادر میں بچہ پیدا فرما دیتا ہے تو دارومدار نطفہ پر نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توالد وتناسل کا سلسلہ نطفہ کے ساتھ جوڑ دیا ہے مگر نطفہ مؤثر حقیقی نہیں ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ نطفہ کا ایک ذرہ اندر پہنچ جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بچہ پیدا کرے ساری منی سے تو بچہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔

مدت رضاعت میں جماع جائز ہے

﴿۶﴾ وعن سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَاصٍ أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلٰی رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّی أَعْزِلُ عَنْ اِمْرَأَتِی فَقَالَ لَہُ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفعَلُ ذٰلِکَ فَقَالَ الرَّجُلُ أُشْفِقُ عَلٰی وَلَدِھَا قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْکَانَ ذٰلِکَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ (رواہ مسلم)

اور حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (سن کر) فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے

ہو؟ اس شخص نے کہا کہ میں اس کے شیر خوار بچہ کی وجہ سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں مدت رضاعت میں وہ حاملہ نہ ہو جائے اور اس صورت میں بچے کو دودھ پلانا نقصان پہونچائیگا) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ نقصان پہونچاتا تو روم وفارس والوں کو ضرور نقصان پہونچاتا۔ (مسلم)

توضیح

اشفق علی ولدها: عام لوگوں کا خیال یہ تھا کہ رضاعت کی مدت میں جماع کرنے سے اور پھر حمل ٹھہر جانے سے عورت کے دودھ میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس دودھ کو پینے سے شیر خوار بچے کو نقصان پہنچتا ہے اور عورت کا دودھ کم بھی ہو جاتا ہے اسی خوف کی وجہ سے اس شخص نے آنحضرتؐ سے عزل کی اجازت چاہی اس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر اس طرح دودھ پینے سے بچے کو نقصان ہوتا تو فارس اور روم کے لوگوں کو نقصان ہو جاتا کیونکہ وہ یہ عمل کرتے ہیں معلوم ہوا اس میں نقصان نہیں ہے تو پھر عزل کی کیا ضرورت ہے اس سے عزل کی ناپسندیدگی کا اشارہ ملتا ہے۔

﴿۷﴾ وعن جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُنَاسٍ وَهُوَ يَقُولُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَفَارِسَ فَإِذَاهُمْ يُغِيْلُوْنَ أَوْلَادَهُمْ فَلَايَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَأَلُوْهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَإِذَاالْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ (رواه مسلم)

اور حضرت جدامہ بنت وہبؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت لوگوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی اور آپؐ (ان کو مخاطب کر کے) فرما رہے تھے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو غیلہ سے منع کر دوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم وفارس کے لوگ اپنی اولاد کی موجودگی میں غیلہ کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کے اولاد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا (تو میں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا) پھر لوگوں نے آپؐ سے عزل کرنے کے بارے میں پوچھا (کہ اس کا کیا حکم ہے) تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ (عزل کرنا) تو پوشیدہ طور پر زندہ گاڑ دینا ہے اور یہ ایک بری عادت ہے جو اس آیت کریمہ واذا الموؤدة سئلت الآیة (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے پاداش میں قتل کی گئی تھی) کے حکم میں داخل ہے۔ (مسلم)

توضیح

أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ: غیلہ غین کے کسرہ کے ساتھ غیل بفتح الغین سے ماخوذ ہے الغیل اور غیلہ کی تفسیر اور توضیح میں اہل لغت کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) اصمعی اوران کے ہمنوا اہل لغت اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی عورت سے جب اس کا شوہر جماع کرے اس خاص فعل کا نام غیلہ ہے، ابن سکیت کہتے ہیں کہ حاملہ عورت کے ساتھ جب شوہر حالت حمل میں جماع کرے تو اس مخصوص عمل کو غیلہ کہتے ہیں عرب اس عمل سے احتراز واجتناب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے بچہ کو نقصان پہنچتا ہے یہ عقیدہ ان کے ہاں شائع ذائع اور خاص وعام میں مشہور تھا آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ اس سے امت کو منع کریں لیکن جب آپ نے دیکھا کہ فارس اور روم کے لوگ یہ عمل کرتے ہیں اور ان کو نقصان نہیں پہنچتا ہے نہ وہ اس چیز کی پرواہ کرتے ہیں پس آنحضرتؐ نے اس عمل سے امت کو منع نہیں کیا۔

جمہور کے نزدیک غیلہ جائز ہے مگر بچہ کے نقصان کا خطرہ ہے اس لئے خلاف اولی ہے۔

اَلْوَأْدُ الْخَفِیُّ: یعنی عزل پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے اس جملہ سے عزل کی کراہت کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے ''الوأد'' زندہ درگور کرنے کے معنی میں ہے یعنی کسی کو جیتا گاڑ دینا، علماء کا ایک طبقہ عزل کے عدم جواز کی طرف گیا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک عزل مباح ہے اگرچہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو عزل سے روکا ہے، حضرت عثمانؓ نے بھی روکا ہے تاہم یہ نہی کراہت تنزیہی اور خلاف اولی پر حمل کی جائیگی۔

میاں بیوی ایک دوسرے کا راز فاش نہ کریں

﴿۸﴾ وعن أَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَعْظَمَ الْاَمَانَةِ عِنْدَاللّٰهِ یَومَ الْقِیَامَةِ وَفِی رِوَایَةٍ إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ الرَّجُلُ یُفْضِی إِلٰی اِمْرَاَتِهِ وَتُفْضِی إِلَیْهِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّهَا (رواه مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بڑی امانت، ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے سب سے برا شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی سے ہمبستر ہو اور اس کی بیوی اس کے ہم آغوش ہو اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

إِنَّ أَعْظَمَ الْاَمَانَةِ: یعنی سب سے بڑی امانت جس میں بندے نے خیانت کی اس آدمی کی خیانت ہے الخ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کے لئے لباس بنایا ہے ان کے درمیان پوشیدہ جنسی تعلقات قائم ہوتے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے راز دان ہوتے ہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک صبح اٹھ کر رات کے پوشیدہ حالات کا اظہار کرتا ہے

اور کہتا پھرتا ہے کہ میرا رفیق حیات ایسا ہے ویسا ہے مین نے یہ کیا اس نے یہ کیا جیسا چھچھورے لوگوں کی عادت ہوتی ہے اس طرح گھٹیا حرکات سے اسلام ہمیں روکتا ہے اور یہ پوشیدہ راز افشا کرنا بڑی خیانت ہے اور بڑی بے غیرتی بھی ہے اور بڑی شرارت بھی ہے۔

ایام حیض میں بیوی کے پاس نہ جاؤ

الفصل الثانی

﴿۹﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُوحِيَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ﴿نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ﴾ الآية أَقْبِلْ وَأَدْبِرْ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحَيْضَةَ (رواه الترمذی وابن ماجه والدارمی)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل کی گئی ﴿نِسَاءُ كُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ﴾ الآیۃ (معنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس آؤ تم اپنی کھیتیوں میں الخ لہذا تم جس طرح چاہوان سے مجامعت کرو) خواہ آگے سے اگلی جانب میں آؤ یا پیچھے سے اگلی جانب میں آؤ لیکن مقعد میں دخول کرنے سے اجتناب کرو اور حیض کی حالت میں جماع نہ کرو۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح

انّٰی شئتم: لفظ انّٰی مِنْ اَیْنَ کے معنی میں عموم مکان کے لئے آتا ہے "ای من این شئتم" اور کیف کے معنی میں بھی آتا ہے جس سے عموم احوال مراد لیا جاتا ہے۔

روافض نے دونوں معنی لیکر وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا ہے اور قبائح میں مبتلا ہو گئے بعض لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک مجمل کلام سے غلط فائدہ اٹھا کر ان کی طرف غلط نسبت کی ہے انہوں نے انی شئتم ای فی دبرھا "فرمایا یہ سراسر بہتان ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عمر نے وطی فی الدبر کے بارے میں فرمایا "**ھل یفعل ذلک احدمن المسلمین**" کیا کوئی مسلمان بدفعلی کر سکتا ہے؟

روافض نے انی شئتم سے جو عموم افعال لیکر وطی فی الدبر کو جائز قرار دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عموم موضع مراد نہیں بلکہ عموم احوال مراد ہے یعنی موضع خاص ہو کیفیت عام ہو بیٹھ کر ہو لیٹ کر ہو کروٹ پر ہو اوپر نیچے ہو قیام ہو قعود ہو یہ سب احوال جائز ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وطی موضع حرث میں ہو موضع فرث میں نہ ہو شیعہ ہر عمل میں مسلمانوں سے الگ چلنا چاہتے ہیں یہاں بھی انہوں نے الگ راستہ بنالیا ہے "خذلھم اللّٰہ کما

خذلوا الاسلام"

﴿۱۰﴾ وعن خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَايَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ لَاتَأْتُوا النِّسَاءَ فِي أَدْبَارِهِنَّ (رواه احمد والترمذی وابن ماجه والدارمی)

اور حضرت خزیمہ ابن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا ،تم عورتوں کے مقعد میں بدفعلی نہ کرو۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

بیوی سے بدفعلی کرنے والا ملعون ہے

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى اِمْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا (رواه احمد وأبو داود)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت کے ساتھ بدفعلی کرے۔ (ابوداؤد، احمد)

توضیح

ملعون: اپنی بیوی کے ساتھ جو عورت بھی ہے بدفعلی کرنا کتنا بڑا جرم ہے تو اجانب امارد اور رجال سے بدفعلی کا کیا ٹھکانہ ہوگا سابقہ اقوام میں قوم لوط مکمل طور پر اس جرم کی پاداش میں تباہ ہوگئی کہتے ہیں اس فعل بد کی وجہ سے عرش میں زلزلہ اٹھتا ہے بعض نے کہا ہے کہ اس فعل کے بعد اگر اس جرم کا مرتکب سات سمندروں میں غسل کرے پھر بھی اسکو طہارت حاصل نہیں ہوتی ہے، ظاہر ہے ظاہری غسل اور پانی سے باطنی خباثت اور گناہ کہاں زائل ہوسکتا ہے۔

لواطت کی سزا

جمہور کے ہاں لواطت کی سزا زنا کی حد کی طرح ہے لہٰذا اسی کی طرح حد نافذ ہوگی صاحبین بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے لوطی کو سنگسار کیا تھا، حسن بصریؒ اور ابراہیم نخعیؒ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔

عقلی دلیل میں جمہور فرماتے ہیں کہ لواطت سے قضاء شہوت کامل درجہ میں ہوتی ہے لہٰذا یہ زنا کے حکم میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ لواطت میں تعزیر ہے کیونکہ اسکو کسی حد کے تحت لانا مشکل ہے اگر یہ کسی حد کے تحت متعین طور پر داخل ہوتی تو صحابہ کرام اس کی سزا دینے میں مختلف نہ ہوتے حالانکہ مختلف صحابہ نے مختلف انداز سے سزا دی ہے کسی نے پہاڑ سے لوطی کو گرایا ہے کسی نے اس پر دیوار گرائی ہے کسی نے اسکو سمندر میں ڈبو دیا ہے کسی نے آگ میں ڈالا ہے کسی نے چھت سے

گرا کر پیچھے سے سنگ باری کی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں حد نہیں البتہ تعزیر ہے تعزیر کے تحت اسکو قتل بھی کیا جا سکتا ہے سنگسار بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ تعزیر تو امیر کی صوابدید پر ہے۔

لہٰذا احناف پر یہ اعتراض حسد پر مبنی ہے کہ وہ لواطت کی حد کے قائل نہیں ہیں حالانکہ ان کے ہاں تو حد سے بھی زیادہ اس عمل بد پر سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے۔

﴿۱۲﴾وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الَّذِى يَأْتِى امْرَأَتَهُ فِى دُبُرِهَا لَايَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِ (رواه فى شرح السنة)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی عورت کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف (رحمت وشفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا۔(شرح السنۃ)

﴿۱۳﴾وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلًا أَوِامْرَأَةً فِى الدُّبُرِ (رواه الترمذى)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف (رحمت وشفقت کی نظر سے) نہیں دیکھتا جو مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے۔(ترمذی)

﴿۱۴﴾وعن أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ سِرًّا فَإِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيُدَعْثِرُهُ عَنْ فَرَسِهِ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت اسماء بنت یزیدؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ تم اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو کیونکہ غیل، سوار پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کو گھوڑے سے گرا دیتا ہے۔(ابوداؤد)

توضیح

فَيُدَعْثِرُهُ: دعثر يدعثر دعثرة ۔گرانے کے معنی میں ہے یعنی داء الغیل کا اثر اس بچے کے بدن اور ٹانگوں پر کمزوری کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے جب بچہ مرد بن کر گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اسکو دوڑاتا ہے تو یہ بیماری اپنا اثر دکھاتی ہے تو وہ گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے گویا یہ پوشیدہ قتل ہے تو فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

داء الغیل کی تفصیل گذر چکی ہے کہ اس بیماری کا اثر اعضاء پر پڑتا ہے اور یہ ساری خرابی اس غلط دودھ کا نتیجہ ہے کہ شوہر کے جماع کی وجہ سے بیوی کا دودھ خراب ہو گیا اور بچے نے پی لیا یا حالت حمل میں اس سے جماع کیا گیا۔

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ اس سے پہلے آنحضرتؐ نے غیل کے عمل کو مباح قرار دیا ہے دو حدیثوں میں یہ بات آئی ہے کہ غیل سے کچھ نہیں ہوتا اور اب اس حدیث میں غیل کے نقصان کو تسلیم کر لیا گیا ہے؟

جواب: علامہ طیبیؒ نے جواب دیا ہے کہ گذشتہ احادیث میں غیلہ کے نقصان کی نفی اہل جاہلیت کے اس اعتقاد کے پیش نظر تھی کہ وہ غیلہ کے اس اثر کو مؤثر حقیقی سمجھتے تھے تو آپ نے نفی فرما دی اور یہاں اس میں فی الجملہ اثر کی طرف اشارہ کیا گیا کہ فی الجملہ اس کا اثر پڑتا ہے دوسرا جواب یہ کہ ابتداء میں آپ نے ارادہ کیا تھا کہ غیلہ کو حرام قرار دے دیں بعد میں آپ کا اجتھاد بدل گیا زیر بحث حدیث کا تعلق شاید اس زمانہ سے ہے جس وقت غیلہ کی ممانعت کی باتیں ہو رہی تھیں۔

الفصل الثالث

﴿۱۵﴾وعن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ إِلَّا بِإِذْنِهَا (رواه ابن ماجه)

حضرت عمر ابن خطابؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرہ (آزاد عورت) کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ)

باب

مسئلة خيار العتق

الفصل الاول

﴿۱﴾عن عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهَا فِي بَرِيْرَةَ خُذِيْهَافَأَعْتِقِيْهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْكَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا(متفق عليه)

حضرت عروہؒ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یعنی حضرت عائشہؓ) سے بریرہؓ کے بارے میں فرمایا کہ اسے خرید لو اور پھر اس کو آزاد کر دو اور بریرہؓ کا خاوند چونکہ غلام تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیدیا تھا اور بریرہؓ نے (اس اختیار کے مطابق) اپنے آپ کو (اپنے خاوند سے) علیحدہ کرلیا تھا، اور اگر اس کا خاوند آزاد ہوتا تو آپؐ اسے یہ اختیار نہ دیتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

مدینہ منورہ میں ایک یہودی کی لونڈی تھی جس کا نام بریرہ تھا اس کے مالک نے ۹ اوقیہ کے بدلے میں اسکو مکاتب بنالیا بدل کتابت میں مدد کے سلسلہ میں بریرہ حضرت عائشہؓ کے پاس آئی تھیں، حضرت عائشہؓ نے ان کو خرید لیا اور پھر آزاد کیا خریدنے کے وقت بریرہ کے مالک یہودی نے اس شرط کا ذکر کیا کہ بریرہ کا ''حق ولا'' اس کے مرنے کے بعد ہمیں ملے گا ،حضرت عائشہؓ نے اس کا تذکرہ حضور اکرمؐ کے سامنے کیا حضور اکرمؐ بہت ناراض ہوئے اور خطبہ دیا اور فرمایا!

''فقضاء اللّٰہ احق وشرط اللّٰہ اوثق وانما الولاء لمن اعتق''

حضرت بریرہ کا ایک شوہر تھا جن کا نام مغیث تھا وہ بھی پہلے غلام تھا بعد میں انکو بھی آزادی ملی اس سلسلہ میں حضرت بریرہ کو خیار عتق یعنی اختیار طلاق بوجہ عتق حاصل ہوگیا اسی خیار عتق کی تفصیلات میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے۔

فقہاء کا اختلاف

(۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر لونڈی کے آزاد ہونے کے وقت اس کا شوہر غلام ہو تو لونڈی کو خیار عتق یعنی اختیار طلاق ملے گا۔

(۲) اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ایک ساتھ دونوں میاں بیوی آزاد ہو جائیں تو کسی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔

(۳) اگر لونڈی کی آزادی کے وقت خاوند آزاد ہو تو بیوی کو خیار عتق ملے گا یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہوا ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک لونڈی کو ہر حالت میں خیار عتق ملے گا خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو، جمہور اور شوافع کے ہاں خیار عتق صرف اس صورت میں ہے جب شوہر غلام ہو اور بیوی آزاد ہو جائے اگر شوہر آزاد ہو تو لونڈی کو خیار عتق حاصل نہیں ہوگا۔

علت اختلاف

احناف اور جمہور کے درمیان یہ جو اختلاف ہے یہ تخریج علت کی وجہ سے ہے، جمہور نے خیار عتق کے لئے جو علت نکالی ہے وہ یہ ہے کہ لونڈی جب آزاد ہو جائیگی تو اب وہ غلام شوہر کے تحت رہنے کو عار تصور کریگی کیونکہ دونوں میں کفاءت نہیں رہی اور اگر شوہر آزاد ہو تو کوئی عار نہیں اس لئے اسکو خیار نہیں غلام میں عار ہے تو وہاں اختیار ہے۔

احناف کے نزدیک خیار عتق کی علت آزادی کے بعد عار نہیں بلکہ تین طلاق کا اختیار ہے کیونکہ طلاق کا مدار عورتوں پر ہے اگر عورت لونڈی ہے تو شوہر کو دو طلاق کا حق حاصل ہے (طلاق الامة اثنتان) اور اگر عورت آزاد ہے تو شوہر کو تین طلاق کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ آزادی کے بعد اس عورت کی طرف ایک زائد تیسری طلاق متوجہ ہوگئی لہٰذا اس کو اس اضافی بوجھ کے دفع کرنے کا حق حاصل ہے جو خیار عتق ہے، یہ اس خیار عتق کی علت بھی ہے اور فائدہ وحکمت بھی ہے۔

منشائے اختلاف

اس مسئلہ میں اختلاف کا منشاء احادیث مقدسہ اور روایات کا اختلاف ہے حضرت عائشہؓ سے دو روایات منقول ہیں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "وکان زوجها عبدا" رواہ البخاری۔ ادھر مشکوٰۃ شریف میں بھی یہی روایت ہے۔

دوسری روایت میں ہے "وکان زوجها حرا" رواہ ابوداؤد۔ یہ روایت بخاری میں بھی ہے، حضرت عائشہؓ کے شاگردوں عروہ، عبدالرحمٰن اور اسود میں بھی اختلاف ہے، بعض نے بریرہ کے شوہر کو حر کہا ہے اور بعض نے عبد کہدیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے شاگردوں میں بھی اسی طرح اختلاف ہے اس لئے فقہاء کرام کا خیار عتق کے مسئلہ میں اختلاف ہوا ہے۔

دلائل

اس مسئلہ میں حضرت بریرہؓ کی حیثیت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور دلائل کا مدار بھی اسی واقعہ پر ہے کہ آیا آزادی کے وقت ان کا شوہر حر تھا یا غلام؟ اگر اس وقت وہ حر تھا تو یہ لفظ احناف کی دلیل بنے گا جمہور کے خلاف ہوگا اور اگر اس وقت وہ غلام تھا تو یہ حدیث جمہور کی دلیل بنے گی لیکن احناف کے خلاف دلیل نہیں بنے گی۔ کیونکہ احناف تو حر اور عبد دونوں صورتوں میں خیار عتق کے قائل ہیں۔

جمہور کے دلائل:

جمہور نے زیر بحث حضرت عروہ عن عائشۃ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "کان زوجها عبدا" کے واضح

الفاظ آئے ہیں نیز "ولو كان حرا لم يخيرها" الفاظ سے جانب مخالف کا رد بھی ہوگیا تو مسئلہ صاف ہوگیا اور روایت بخاری ومسلم کی ہے یہ مزید پختگی ہے، اسی طرح جمہور نے عقلی دلیل بھی پیش فرمائی ہے جو درحقیقت اس مسئلہ کی علت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر شوہر غلام ہوتو عورت کو اس کے ماتحت رہنے میں عار ہے اور اگر شوہر حر ہوتو کوئی عار نہیں لہٰذا اسکو خیار نہیں مسئلہ میں کوئی غبار نہیں۔

احناف کے دلائل

(۱) روى البخارى واصحاب السنن عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة فى قصة بريرة وفى آخرها وكان زوجها حرا (بحواله زجاجة المصابيح ج ۲ ص ۴۲۸، بخارى ج۲ ص ۹۹۹)

(۲) روى مسلم عن عبدالرحمن بن القاسم الى آخر الحديث قال القاسم وخُيِّرتُ فقال عبدالرحمن وكان زوجها حرا. (زجاجة ج ۲ ص ۴۳۰)

(۳) وروى ابوداؤد عن الاسود عن عائشة ان زوج بريرة كان حرا حين عتقت (زجاجة ج۲ ص ۴۳۱)

(۴) وفى رواية الترمذى قالت كان زوج بريرة حرا فخيرها النبى صلى الله عليه وسلم (ايضا)

(۵) وروى ابن ماجة والنسائى عن الاسود عن عائشة انها اعتقت بريرة فخيرها النبى صلى الله عليه وسلم وكان لها زوج حر (ايضا)

(۶) وروى الطحاوى وابن ابى شيبة عن طاؤس قال للامة الخيار اذا اعتقت وان كانت تحت قرشى ،وفى روايةلهما عنه قال لها الخيار فى الحر والعبد (ايضا)

(۷) وروى ابن ابى شيبة عن ابن سيرين والشعبى نحوه وفى روايةله عن مجاهد قال لها الخيار ولو كانت تحت امير المؤمنين (زجاجة المصابيح مشكوٰة الحنفى ج۲ ص ۴۳۱)

(۸) دارقطنی نے ایک روایت نقل کی ہے "قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لبريرة ملكت بضعك فاختارى" یہاں اس روایت میں خیار عتق کی علت کو بیان کر کے آنحضرت نے خود فیصلہ فرمادیا کہ شوہر کا اعتبار نہیں خواہ غلام ہو خواہ حر ہو شرط یہ ہے کہ عورت اپنے اختیار کی مالکہ بن جائے، اب یہاں مطلق ملکیت بضعہ کو فاختاری کا سبب قرار دیا گیا ہے شوہر کا لحاظ نہیں رکھا گیا افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ اتنی روایات ہیں مگر صاحب مشکوٰۃ نے ایک بھی نقل نہیں فرمائی۔

الجواب:

اب جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ دونوں طرف کی حدیثیں صحیح ہیں جمہور نے وكان زوجها عبدا کو اختیار کیا ہے

اور احناف نے وکان زوجھا حرا کو اختیار کیا ہے تو بظاہر ان متعارض روایات میں کسی ایک جانب کو ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے تو پھر ان روایات پر عمل کیسے کریں گے تو احناف نے تطبیق کی صورت اختیار کرلی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب وکان زوجھا حرا کو اختیار کرلیا جائے تو تمام روایات پر عمل ہو جائے گا اور وہ اس طرح کہ ہم حر اور عبد کے دو متضاد الفاظ کو ایک وقت پر حمل نہیں کریں گے بلکہ تطبیق کی غرض سے ہم حر کو الگ زمانہ پر حمل کریں گے اور عبد کو الگ زمانہ پر حمل کریں گے۔

تو اصولی قاعدہ یہ ہے کہ حر مسلم پر عبدیت طاری نہیں ہو سکتی ہے اور عبد مسلم پر حریت طاری ہو سکتی ہے اور بریرہ کے شوہر مغیث پہلے غلام تھے بعد میں آزاد ہوئے تو ان کے حق میں عبدیت کے جو الفاظ آئے ہیں یہ حکایت ماضی اور گذشتہ زمانہ پر محمول ہیں ''یعنی وکان عبدا'' پہلے زمانہ میں غلام تھے اب بریرہ کی آزادی کے وقت نہیں تو وہ واقعی پہلے غلام تھے۔

اور جہاں وکان زوجھا حرا کے الفاظ آئے ہیں تو یہ الفاظ حالت عتق اور خیار عتق کے وقت پر محمول ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ مغیث حر تھے اور بریرہ کو حضور اکرمؐ نے خیار عتق کا حق دیدیا معلوم ہوا حر کی ماتحتی میں اگر لونڈی آزاد ہو جائے تو اس کو بھی خیار عتق حاصل رہیگا اور عبدیت میں تو سب مانتے ہیں۔ باقی جمہور نے جو عقلی دلیل پیش کی ہے کہ عبد کے ماتحت آزاد عورت کا رہنا عار ہے تو یہ علت بیان کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ حرہ کا ابتداءً غلام کی ماتحتی میں آنا عار ہے لیکن اگر وہ پہلے سے اس کے نکاح میں مستعملہ مستفرشہ ہو تو اس میں اب کیا عار ہے؟

باقی زیر نظر حدیث ''ولو کان حرا لم یخیرھا'' کے الفاظ حضرت عائشہؓ کے نہیں بلکہ حضرت عروہؓ کے الفاظ ہیں کیونکہ حضرت عائشہؓ تو مغیث کے حر ہونے کی روایت بار بار بیان کر چکی ہیں۔

﴿۲﴾ وعن ابن عبّاسٍ قال كان زوجُ بريرةَ عبدًا أسودَ يقالُ له مغيثٌ كأنّي أنظرُ إليه يطوفُ خلفَها في سككِ المدينةِ يبكي ودموعُه تسيلُ على لحيتِه فقال النبيُّ صلّى اللهُ عليه وسلّم للعبّاسِ يا عبّاسُ ألا تعجبُ من حبِّ مغيثٍ بريرةَ ومن بغضِ بريرةَ مغيثًا فقال النبيُّ صلّى اللهُ عليه وسلّم لو راجعتِيه فقالت يا رسولَ اللهِ تأمرُني قال إنّما أشفعُ قالت لا حاجةَ لي فيه (رواه البخاری)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ بریرہؓ کا شوہر ایک سیاہ فام غلام تھا جس کو مغیثؓ کہا جاتا تھا میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ منظر ہے جب وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا اور اسکی آنکھوں سے آنسوں ٹپک ٹپک کر اس کی داڑھی پر گرتے تھے، چنانچہ (ایک دن) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا کہ، عباس! کیا تمہیں اس پر حیرت نہیں ہے کہ مغیثؓ، بریرہؓ کو کتنا چاہتا ہے اور بریرہؓ، مغیثؓ سے کس قدر نفرت کرتی ہے؟ پھر آپ نے بریرہؓ سے بھی فرمایا کاش تم مغیث سے رجوع کرتیں (یعنی مغیث سے دوبارہ نکاح کرلیتیں) بریرہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپؐ مجھے (بطور وجوب) اس کا حکم دے رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ بریرہ میں

تو سفارش کر رہا ہوں (یعنی بطور وجوب نہیں بلکہ بطریق استحباب تمہیں حکم دے رہا ہوں) بریرہؓ نے کہا کہ مجھے اس سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں (یعنی مجھے اس کے پاس رہنا منظور نہیں) (بخاری)

الفصل الثانی

﴿۳﴾عن عائشة أنها أرادت أن تعتق مملوكين لها زوج فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فأمرها أن تبدأ بالرجل قبل المرأة (رواه ابو داؤد والنسائی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو مملوک آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو آپس میں خاوند و بیوی تھے آپ نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپؐ نے، انہیں عورت سے پہلے مرد کو آزاد کرنے کا حکم دیا (تاکہ عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے) (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

ان تبدأ بالرجل: حضرت عائشہؓ کے پاس دو مملوک تھے ان میں ایک بیوی دوسرا شوہر تھا یعنی دونوں کے درمیان ازدواجی رشتہ تھا حضرت عائشہؓ نے دونوں کو آزاد کرنا چاہا تو آنحضرتؐ سے معلوم کیا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مرد کو پہلے آزاد کرو اسکی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مرد کی آزادی سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا تو بقاء نکاح انقطاع نکاح سے اولی ہوتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عموماً مرد لونڈی کو نکاح میں رکھتا ہے اسکو زیادہ ناگوار نہیں گذرتا ہے لیکن عورت جب آزاد ہو اور شوہر غلام ہو تو اس میں عورت عار محسوس کرتی ہے اس لئے مرد کو پہلے آزاد کرنے کا حکم ہوا۔ تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ﴿الرجال قوامون علی النساء﴾ کی فضیلت کا خیال رکھا گیا۔

﴿۴﴾وعنها أن بريرة عتقت وهي عند مغيث فخيرها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال لها إن قربك فلا خيار لك (رواه ابو داؤد)

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ بریرہؓ اس حال میں آزاد ہوئی تھی کہ وہ مغیثؓ کے نکاح میں تھی چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کردینے کا) اختیار دیدیا لیکن یہ بھی فرمادیا تھا کہ اگر تیرا شوہر تجھ سے جماع کریگا تو تجھے یہ اختیار حاصل نہیں رہیگا (کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائیگا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے) (ابوداؤد)

نوٹ: یاد رہے یہ درس دو دن کا ہے جو ایک تاریخ کے تحت لکھا گیا ہے۔

۸ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب الصداق

مہر کا بیان

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم ﴾ وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم ﴾ وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ واٰتیتم احداھن قنطاراً ﴾ وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ واٰتوا النساء صدقاتھن نحلہ ﴾

صداق بروزن کتاب عورت کے مہر کو کہتے ہیں اس کی جمع صُدُق کتب کی طرح آتی ہے صداق میں صاد کا کسرہ زیادہ فصیح اور فتح بھی مشہور ہے ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ مہر کو صداق اس لئے کہا گیا "**لانہ یظھر بہ صدق میل الرجل الی المرءۃ**" **المھر** بھی عربی میں بولا جاتا ہے جس کی جمع مھور آتی ہے۔

شوہر کی طرف سے بیوی کو حقوق زوجیت کے معاوضہ میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ مہر ہے نکاح کی صحت کے لئے مہر کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہاں اگر تذکرہ نہیں کیا تو مہر مثل لازم آئے گا نکاح صحیح ہوگا۔

مہر، خالص عورت کا حق ہے جو لوگ بیٹی یا بہن کے نام مہر وصول کر کے خود اپنے مصرف میں لاتے ہیں یہ عورتوں کے حق میں بڑے ظالم لوگ ہیں اور بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ بیٹیاں فروخت کرتے ہیں علماء حق پر فرض ہے کہ اس رسم بد اور ظلم کے خلاف حق کا نعرہ بلند کریں۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ نے مہر کی حکمتوں سے متعلق حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ نکاح ایک نظم وضبط اور جوڑ و ترتیب کا نام ہے اور میاں بیوی کے درمیان دائمی معاونت اور نصرت و مدد کا نام ہے۔

اسی جوڑ اور نظم وضبط کے پیش نظر مہر مقرر ہوا تاکہ بلاضرورت خاوند اس نظم کے توڑنے میں اپنے مال یعنی مہر کے ضائع ہونے کا خطرہ محسوس کرتا رہے گویا مہر مقرر کرنا نکاح کے دوام اور پائیداری کے لئے ضروری ہے مہر میں دوسری حکمت یہ ہے کہ مہر مقرر کرنے سے نکاح میں عظمت اور اہتمام پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لوگ طبعی طور پر مال کے بارے میں حریص ہیں تو جب ایک شخص ملک بضعہ کے عوض مال دیتا ہے تو دینے والے اور لینے والے دونوں کی آنکھوں میں نکاح کی عظمت پیدا ہوگی اور لڑکی والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں کہ ہمارے لخت جگر کا ایک شخص مفت میں مالک نہیں بنا ہے۔

تیسری حکمت یہ کہ مہر مقرر کرنے سے زنا اور نکاح میں امتیاز آجاتا ہے، پھر مال کے دینے اور لینے میں چونکہ لوگوں کی عادت اور ان کے حرص کے درجات نیز انسانوں کے طبقات مختلف ہیں اس لئے شریعت نے کسی کو مہر کے کم اور زیادہ مقرر کرنے میں پابند نہیں کیا (یعنی جانب اکثر میں مہر میں پابندی نہیں لگائی)

مہر کا مسئلہ

الفصل الاول

﴿۵﴾ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوِيْلًا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيهَا إِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَاعِنْدِي إِلَّا إِزَارِي هٰذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتِمًا مِنْ حَدِيْدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُورَةُ كَذَا وَسُورَةُ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَامَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ (متفق عليه)

حضرت سہل ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک عورت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ! میں نے اپنے آپکو آپؐ کے لئے ہبہ کردیا (یہ کہہ کر) وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ (آنحضرتؐ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور ابھی آپؐ خاموش ہی تھے کہ) ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ، یارسول اللہ! اگر آپ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کرادیجئے، آپؐ نے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے کہ جسے تم اس عورت کے مہر میں دے سکو؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس تہبند کے علاوہ (جسے میں باندھے ہوئے ہوں) میرے پاس کوئی اور چیز نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا جاؤ (کوئی چیز) ڈھونڈلاؤ، اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو، جب صحابی نے بہت تلاش کیا اور انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا، تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''قرآن میں جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کردیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کردیا تم اس کو قرآن کی تعلیم دیا کرو۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

مقدار مہر کتنا ہونا چاہئے اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے۔

مقدار مہر میں فقہاء کا اختلاف

اس بات پر سارے فقہاء متفق ہیں کہ مہر کی جانب اکثر میں کوئی حد مقرر نہیں بلکہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے

"قنطارا" کا ذکر فرمایا ہے اگر چہ مستحب یہ ہے کہ مہر میں غلو نہ ہو اور وہ اتنا زیادہ نہ ہو کہ لوگ نکاح کرنے کے قابل ہی نہ رہیں اور مہر تلے دب کر رہ جائیں البتہ مہر کی جانب اقل میں اختلاف ہے۔

امام مالکؒ کے ہاں کم از کم مہر ربع دینار ہے۔ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اقل مہر کی بھی کوئی حد مقرر نہیں ہے بلکہ زوجین جس پر راضی ہوگئے وہی درست ہے ان کے نزدیک نکاح بیع وشراء کی طرح مالی معاملہ ہے مال ہونا چاہئے کم ہو یا زیادہ، میاں بیوی راضی کیا کریگا قاضی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اقل مہر دس دراہم ہے اس سے کم جائز نہیں یہ آخری حد ہے۔

دلائل

امام مالک کی دلیل حدیث المجن ہے کہ حضور اکرمؐ کے زمانہ میں "ثمن المجن" پر نکاح ہوا ہے اور ڈھال کی قیمت ربع دینار ہوتی تھی۔ امام مالکؒ کا استدلال حد سرقہ اور قطع ید سے بھی ہے فرماتے ہیں کہ ہاتھ ربع دینار کے بدلے چوری میں کاٹا جاتا ہے تو ایک عضو کی قیمت ربع دینار ہے یہاں نکاح میں ملک بضعہ بھی ایک عضو ہے اس کا بدلہ بھی ربع دینار ہونا چاہئے۔

امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے دلائل وہ اکثر احادیث ہیں جن میں شئی قلیل من المال کا ذکر ہے جیسے بخاری کی ایک روایت ہے "ولو خاتما من حدید" ایک روایت میں "ستّو" کا ذکر آیا ہے ایک میں "چھوہارے" کا ذکر ہے ایک میں "نعلین" کا ذکر ہے لہٰذا مہر کی کوئی حد نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے قرآن عظیم کی آیت ﴿قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم﴾ سے استدلال کیا ہے۔ طرز استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مفروض و مقرر فرمایا ہے اس کی کوئی معتد بہ معین مقدار ہونی چاہئے اسی طرح آیت ﴿ان تبتغوا باموالکم﴾ بھی ایک معین و مقرر مقدار کا تقاضا کرتی ہے یہ مقدار ضرور معلوم ہونی چاہئے تو اس مجمل آیت کی تفصیل کے لئے حضرت ابن مسعودؓ کی وہ حدیث آگئی جو دار قطنی اور بیہقی نے نقل کی ہے "لا مهر دون عشرة دراهم" انہیں دو کتابوں میں حضرت علیؓ کی وہ موقوف روایت بھی ہے "ولا یکون المهر اقل من عشرة دراهم" ان روایات میں اگر چہ انفرادی طور پر ضعف ہے لیکن کثرت طرق کی وجہ سے درجہ حسن سے کم نہیں ہیں۔ ابن ابی حاتم نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے "قال قال رسول الله صلى الله علیه وسلم لا مهر اقل من عشرة" اس روایت کو ابن حجرؒ نے حسن کہا ہے۔

الجواب:

امام مالکؒ کا مستدل ہمارے خلاف نہیں ہے کیونکہ ابتدائی دور میں ربع دینار یا ثمن مجن یہ چیزیں دس درھم کے برابر تھیں اور قطع ید کے مسئلہ کو تو ہم بھی اپنی عقلی دلیل میں پیش کرتے ہیں کیونکہ وہاں دس دراہم کا ذکر ہے وہی ربع دینار ہے،

امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کی مستدلات کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث میں قلیل اشیاء کا مہر میں دینے کا ذکر آیا ہے اس سے مہر معجل مراد ہے عرب کی عادت تھی کہ پہلی ملاقات میں بیوی کو کچھ نہ کچھ بطور تحفہ دیا کرتے تھے جو مہر کے علاوہ منہ دکھائی کا تحفہ ہوتا تھا یا مہر کا کچھ حصہ ہوتا تھا، جس طرح حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کو ایک زرہ دی تھی حالانکہ مہر الگ مقرر تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت کی بات تھی جب مہر کی حد مقرر نہیں ہوئی تھی یہی وجہ ہے کہ احادیث میں تعلیم قرآن کو مہر میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ وہ مال نہیں ہے۔

زوجتکھا بما معک من القرآن:. حدیث کے اس لفظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا گیا ہے امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ نے اس کو جائز مانا ہے لیکن امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں وہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنے سے مہر مثل لازم آئیگا۔

البتہ ابتداء اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن عظیم کو ہر شعبۂ زندگی میں عام کرنا چاہتے تھے اس لئے کبھی کسی محلہ میں اس شخص کو امام مقرر فرمایا جو زیادہ قرآن کا حافظ ہوتا خواہ چھوٹا بچہ کیوں نہ ہو جہاد پر بھیجنے والی جماعت کا امیر بھی اسی کو مقرر فرمایا جو زیادہ حافظ ہوتا۔ اسی طرح اجتماعی قبر میں قبلہ کی طرف آگے اس کو رکھا جو زیادہ حافظ ہوتا قرآن عظیم کی وجہ سے مہر کے بغیر ان کا نکاح کیا جن کے پاس بالکل مال نہ ہوتا گویا یہ مہر مقرر کرنے کا ضابطہ نہیں تھا بلکہ قرآن کو عام کرنے کا ایک اعزاز تھا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے مہر کا ہونا ضروری ہے بغیر مہر کے کسی کا نکاح جائز نہیں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھا۔ **خالصة لک من دون المؤمنین** ہاں اگر مہر کا انکار نہ ہو اور بوقت نکاح تذکرہ بھی نہ ہو تو نکاح صحیح ہو جائیگا اور مہر مثل دیا جائیگا۔ مہر مثل باپ کے خاندان کی لڑکیوں کی مہر کی مانند ہوتا ہے، اس حدیث سے اشارہ کے طور پر یہ بھی معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن اس شخص کے لئے بدرجہ مجبوری مہر بن سکتا ہے جس کے پاس پوری مالیت میں ایک لوہے کی انگوٹھی بھی نہ ہو ایسا شخص دنیا میں کون ہو سکتا ہے تو یہ ایک نادر صورت تھی "**والنادر کالمعدوم**" نیز سنن سعید بن منصور میں ایک حدیث اس طرح بھی ہے،

"عن ابی النعمان الازدی قال زوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرأة علی سورة من القرآن ثم قال لایکون لاحد بعدک مھرا" (مشکوٰۃ الحنفی ج ۲ ص ۴۳۵)

ابوداؤد شریف میں بروایۂ مکحول یہ منقول ہے "**انہ کان یقول لیس ذالک لاحد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**"، معلوم ہوا یہ خصوصیت پیغمبری تھی۔

ازواج مطہراتؓ کے مہر کی مقدار

﴿۲﴾ وعن أَبِی سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ کَمْ کَانَ صِدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ کَانَ

صِداقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشٌّ قَالَتْ أَتَدْرِي مَاالنَّشُّ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ أُوقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ (رواه مسلم)وَنَشٌّ بِالرَّفْعِ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي جَمِيعِ الْأُصُولِ.

اور حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی ازواج مطہرات کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک نش کا مہر مقرر فرمایا تھا پھر حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ جانتے ہو نش کسے کہتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، انہوں نے فرمایا کہ ایک نش آدھے اوقیہ کے برابر ہوتا ہے اس طرح بارہ اوقیہ ایک نش کی مجموعی مقدار پانچ سو درہم کے برابر ہوئی (کیونکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے)اس روایت کومسلم نے نقل کیا ہے اور شرح السنۃ اور اصول کی تمام کتابوں میں لفظ نَشٌّ مرفوع منقول ہے یعنی نَشٌّ ہے نشاً نہیں۔

توضیح

ثِنْتَيْ عَشَرَةَ أُوقِيَّةً وَنَشٌّ: . اوقیہ کی جمع اواق ہے۔ایک اوقیہ چالیس دراہم کا ہوتا ہے اور ''نش'' نصف اوقیہ ہوتا ہے، یعنی بیس دراہم نش ہے تو ساڑے بارہ اوقیہ سے پانچ سو دراہم پورے ہوگئے عام ازواج مطہرات کا مہر اتنا ہی تھا اور اسی کا ذکر عام روایات میں ملتا ہے ہاں ام حبیبہ رضی اللہ عنھا کا مہر چار ہزار دراہم تھا لیکن وہ آنحضرتؐ کی طرف سے حبشہ کے نجاشی بادشاہ نے مقرر کر کے ادا کر دیا تھا لہٰذا اس روایت کا اس سے کوئی تعارض نہیں ہے۔

آج کل ایک درھم جو متحدہ عرب امارات میں چلتا ہے وہ پاکستانی روپے کے حساب سے ۱۶ روپے بنتے ہیں اس حساب سے پانچ سو دراھم آٹھ ہزار روپے بنتے ہیں اور دس دراہم ایک سو ساٹھ روپے بنتے ہیں اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ دس دراہم سے مہر کم نہ ہو جائے دس دراہم غالباً ڈھائی تولہ چاندی کے وزن کے برابر ہے مظاہر حق میں لکھا ہے کہ پانچ سو درھم چاندی کی مقدار ایک کلو پانچ سو تیس گرام ہوتی ہے اور آج کل کے نرخ کے مطابق اسکی قیمت تقریباً ۹۱۸ روپے ہوتی ہے۔

بھاری مہر کی ممانعت

الفصل الثاني

﴿۳﴾عن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ أَلَا لَا تُغَالُوا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَإِنَّهَا لَو كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا وَتَقْوٰى عِنْدَاللّٰهِ لَكَانَ أَوْلَاكُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعَلِمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَاأَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلَى أَكْثَرَ مِنْ اثْنَتَيْ عَشَرَةَ أُوقِيَّةً.

(رواه أحمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حضرت عمر ابن خطابؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا خبردار! عورتوں کا بھاری مہر نہ باندھو اگر بھاری مہر دنیا میں بزرگی وعظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا موجب ہوتا تو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے (کہ آپؐ بھاری سے بھاری مہر باندھتے) مگر میں نہیں جانتا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر پر اپنی ازواج مطہرات سے نکاح کیا ہو، یا اس سے زیادہ مہر پر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کرایا ہو۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی،)

توضیح

لاتغالوا: حضرت عمرؓ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ افضل یہی ہے کہ مہر کم سے کم ہو اور اس میں زیادہ تجاوز نہ کیا جائے اس کا مطلب یہ نہیں کہ بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر باندھنا جائز نہیں ہے جواز تو زیادہ کا بھی ہے۔

باقی یہ اعتراض بھی نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت عمر نے بارہ اوقیہ کا ذکر کیا ہے اور حضرت عائشہؓ نے ایک نش کا اضافہ کر کے بیان کیا ہے، یہ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے بیان میں کسر کو چھوڑ دیا ہے جس کو عام طور پر عرب چھوڑ دیتے ہیں اور حضرت عائشہؓ نے بیان کیا ہے یا یہ کہ حضرت عمرؓ کے علم کے مطابق یہی تھا آپ نے اپنی معلومات کے مطابق بیان کیا ہے کوئی تعارض نہیں ہے۔

مہر میں سے کچھ حصہ علی الفور دینا بہتر ہے

﴿۴﴾ وعن جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَعْطٰى فِي صِدَاقِ امْرَأَتِهِ مِلْءَ كَفَّيْهِ سَوِيْقًا أَوْتَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنی بیوی کے مہر میں سے (کچھ حصہ بطور مہر معجّل دیدیا مثلاً) دونوں ہاتھ بھر کر ستّو یا کھجوریں دیدیں تو اس نے اس عورت کو اپنے لئے حلال کیا۔ (ابوداؤد)

﴿۵﴾ وعن عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ بَنِي فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَأَجَازَهُ (رواه الترمذی)

اور حضرت عامر ابن ربیعہؓ کہتے ہیں کہ (قبیلہ) بنی فزارہ کی ایک عورت نے ایک جوڑا جوتی پر نکاح کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تم اپنی مالداری کے باوجود اپنے آپ کو ایک جوڑا جوتی کے بدلے حوالے کر دینے پر راضی ہو گئیں؟ (یعنی اس کے باوجود کہ تم خود مالدار اور باحیثیت خاتون ہو کیا صرف ایک جوڑا جوتی پر اپنے آپ کو حوالہ کر دینے پر راضی ہو؟) اس عورت نے کہا کہ ہاں (میں راضی ہوں) آپؐ نے (یہ جواب سن کر) اس کو جائز رکھا۔ (ترمذی)

نعلین :. اس سے مراد یا تو وہی مہر معجل اور مہر علی الفور بطور تحفہ ہے یا مہر کا کچھ حصہ فوری طور پر دیدیا وہ مراد ہے یا یہ عورت مہر مقرر کرنے کے بعد اپنے حق سے دو جوتوں کے بدلے دستبردار ہوگئی، یا جوتے بھی تو مختلف ہوتے ہیں نام لینے میں تو جوتے کا لفظ آتا ہے لیکن بعض جوتے تو دس دراہم کیا بلکہ سو دراہم سے بھی زیادہ قیمتی ہوتے ہیں تو یہ روایت شوافع کے لئے کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، اور یہ روایت ضعیف بھی ہے۔

مہر مثل واجب ہونے کی ایک صورت

﴿۲﴾ وعن عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ لَهَا مِثْلُ صِدَاقِ نِسَائِهَا لَاوَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيْرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْاَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا بِمِثْلِ مَاقَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَاابْنُ مَسْعُوْدٍ (رواه الترمذی و ابو داؤد و النسائی و الدارمی)

اور حضرت علقمہؒ، حضرت ابن مسعودؓ کے بارہ میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور پھر اس نے ابھی دخول نہیں کیا تھا (یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی) کہ اسکا انتقال ہو گیا، حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مہینے تک اس مسئلے میں غور اور فکر کیا اور پھر (اپنی اجتہاد کی بنیاد پر فرمایا کہ اس عورت کو وہ مہر ملے گا، جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر مثل دیا جائیگا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر (شوہر کی وفات کی) عدت بھی واجب ہوگی اور اس کو میراث بھی ملے گا۔ (یہ سن کر) حضرت معقل ابن سنان اشجعی کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے خاندان کی ایک عورت بروَع بنت واشق کے بارہ میں یہی حکم دیا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے، حضرت ابن مسعودؓ (یہ بات سن کر) بہت خوش ہوئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

توضیح

مِثْلُ صِدَاقِ نِسَائِهَا:. حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کا یہ مسلک تھا کہ جب کسی عورت کا مہر مقرر نہ ہوا ہو اور شوہر نے دخول بھی نہ کیا ہو صرف نکاح ہوا ہو اور پھر شوہر کا انتقال ہو گیا ہو تو اس صورت میں عورت کو مہر نہیں ملے گا ہاں عدت گذارے گی اور میراث ان کو ملے گی، حضرت ابن مسعودؓ نے فیصلہ سنادیا کہ اس عورت کو مہر مثل ملے گا یہ آپ کا اجتہادی فیصلہ اور ایمانی فراست اور علمی مہارت تھی اس پر ایک صحابی اٹھے اور انہوں نے گواہی دیدی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے بارہ میں ایسا ہی

فیصلہ فرمایا تھا اس پر ابن مسعودؓ بہت ہی مسرور ہوئے کہ آپ کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی۔ اس واقعہ سے حضرت ابن مسعودؓ کی شان بہت بلند ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے متعلق آنحضرتؐ نے فرمایا" **رضیت لامتی مارضی لها ابن ام عبد**" یہ معمولی ایوارڈ نہیں ہے بلکہ دارین کا اعزاز ہے جس پر حضرت ابن مسعودؓ پورے اترے۔

مہر مثل عورت کے اس مہر کو کہتے ہیں جو اس کے باپ کے خاندان کی ان عورتوں کا ہو جو مندرجہ ذیل باتوں میں اس کے مثل ہوں عمر، جمال، مال، شہر، زمانہ، عقل وکمال، بکارت، دینداری، علم وادب اور اچھے اخلاق وعادات۔

ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر

الفصل الثالث

﴿۷﴾ **عَن أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَحتَ عَبدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِأَرْضِ الْحَبْشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمْهَرَهَا عَنْهُ أَرْبَعَةَ آلَافٍ وَفِي رِوَايَةٍ أَرْبَعَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ** (رواه ابوداؤد والنسائی)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ (پہلے) عبداللہ ابن جحش کے نکاح میں تھیں پھر جب ملک حبشہ میں عبداللہ کا انتقال ہوگیا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا اور نجاشی نے آنحضرتؐ کی طرف سے ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار مقرر کیا ایک اور روایت میں چار ہزار درہم کے الفاظ ہیں (یعنی یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں درہم کا لفظ نہیں ہے بلکہ صرف چار ہزار کا ذکر ہے جبکہ ایک دوسری روایت میں چار ہزار کے ساتھ درھم کا لفظ بھی ہے اور یہی مراد ہے) اور نجاشی نے (نکاح کے بعد) ام حبیبہؓ کو شرحبیل ابن حسنہ کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

حضرت ام حبیبہؓ کے پہلے شوہر کا نام عبیداللہ بن جحش تھا مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں عبداللہ بن جحش لکھا ہوا ہے یہ غلط ہے عبداللہ بن جحش تو احد میں شہید ہوئے ہیں اور آج کل انکی قبر حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعب بن عمیر کے پہلو میں زیارت کرنے والے کو یہ دعوت دے رہی ہے

لئے پھرتی ہے بلبل چونچ میں گل　　شہید ناز کی تربت کہاں ہے

حضرت ام حبیبہؓ کا اصل نام "رملہ" تھا یہ حضرت ابوسفیان بن حرب کی بیٹی اور حضرت معاویہؓ کی بہن ہیں پہلے ان کا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا عبیداللہ نے اسلام قبول کیا اور پھر مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے حضرت ام حبیبہؓ

ساتھ تھیں حبشہ میں عبید اللہ مرتد ہو کر عیسائی بن گئے اور وہیں مر گئے، حضرت ام حبیبہؓ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ نے ایک قاصد کے ذریعے سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو پیغام دیا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ سے کرائیں،

اور وہ حضرت ام حبیبہ کو حضور اکرم کے لئے پیغام نکاح دیں نجاشی نے اپنی باندی کے ذریعہ حضرت ام حبیبہ کو پیغام نکاح دیدیا ام حبیبہ نے خوشی خوشی اس کو قبول کرلیا اور پیغام لانے والی باندی کو دو کپڑے اور ایک انگوٹھی دیدی، اور پھر اپنے رشتہ دار حضرت خالد بن سعید کو اپنا وکیل نکاح مقرر فرمایا جب شام کا مبارک وقت آیا تو نجاشی نے حضرت جعفر طیار کو اور ان تمام صحابہ کو جو حبشہ میں تھے محفل نکاح کی تقریب سعید میں شمولیت کی دعوت دیدی، جب سب مسلمان جمع ہوگئے تو حبشہ کے بادشاہ نے خود خطبہ نکاح اس طرح پڑھا!

''الحمد لله الملک القدوس السلام المؤمن المهيمن العزيز الجبار اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ارسله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون''

پھر نجاشی نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم قبول کیا اور میں نے چار ہزار دینار مہر مقرر کیا، اس کے بعد حضرت خالد بن سعید نے خطبہ توحید و رسالت پڑھا اور پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا اور میں نے ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ سے حضور اکرمؐ کا نکاح کر دیا، اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نکاح مبارک کرے،

مجلس جب برخاست ہونے لگی تو نجاشی نے فرمایا آپ لوگ بیٹھ کر کھانا کھالو کیونکہ نکاح کے بعد کھانا کھلانا انبیاء کرام کی سنت ہے سب لوگ بیٹھ گئے اور کھانا کھایا یہ واقعہ ۷ھ کا ہے

مشروط اسلام کا بیان

﴿۸﴾ وعن أنسٍ قَالَ تَزَوَّجَ أَبُو طَلْحَةَ أُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صِدَاقُ مَابَيْنَهُمَا الْإِسْلَامُ أَسْلَمَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ أَبِي طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ إِنِّي قَدْ أَسْلَمْتُ فَإِنْ أَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَأَسْلَمَ فَكَانَ صِدَاقَ مَابَيْنَهُمَا (رواه النسائی)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہؓ نے جب ام سُلیمؓ سے نکاح کیا تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا، ام سُلیمؓ نے ابوطلحہؓ سے پہلے اسلام قبول کرلیا تھا اور پھر جب ابوطلحہؓ نے ام سُلیم کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو ام سُلیم نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہے اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو میں تم سے نکاح کرلوں گی، (اور تم سے مہر نہیں لوں گی) چنانچہ ابوطلحہؓ نے اسلام قبول کرلیا اور اسلام قبول کر لینا ہی آپس میں مہر قرار پایا۔ (نسائی)

توضیح

فکان صداق ما بینھما : یعنی اسلام ان دونوں کے درمیان مہر بن گیا اسلام اور تعلیم قرآن شوافع کے نزدیک ایک ہی چیز ہے لہذا ان کے نزدیک دونوں مہر بن سکتے ہیں احناف کے ہاں تعلیم قرآن اور اسلام وغیرہ طاعات چونکہ مال نہیں اور مہر کے بارے میں صریح آیت ہے (ان تبتغوا باموالکم) لہذا یہ چیزیں مہر نہیں بن سکتی ہیں۔

حضرت ابوطلحہ کا معاملہ بہت پہلے کا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلام ہجرت سے پہلے تھا مختصر واقعہ اسطرح ہے کہ ام سلیم پہلے مالک بن نضر کے نکاح میں تھیں جن سے حضرت انس پیدا ہوئے تھے مالک اسلام قبول کرنے سے پہلے مارا گیا حضرت ام سلیم نے اسلام قبول کرلیا ابوطلحہ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا حضرت ام سلیم نے یہ شرط لگائی کہ اگر تم اسلام قبول کرلو گے تو میں تم سے نکاح کرلونگی ابوطلحہ نے اسلام قبول کرلیا اور پھر دونوں کا نکاح ہوگیا اور مہر یہی قبول اسلام رہا۔

اب احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ مہر تو پہلے سے مقرر تھا لیکن ام سلیم نے اپنے وعدہ کے مطابق ابوطلحہ کے اسلام کی وجہ سے اپنا حق مہر معاف کردیا تو اسلام مہر کے معاف کرنے کا ذریعہ بنا۔

دوسرا جواب وہی ہے جو اوپر لکھا گیا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جس وقت مہر کے متعلق آیت بھی نہیں اتری تھی ابوطلحہ تو بیعت عقبہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے آیت مہر مدینہ منورہ میں اتری تھی لہٰذا یہ ضابطۂ مہر سے پہلے کا واقعہ ہے نیز یہ ایک جزئی واقعہ ہے جس مین بہت سارے احتمالات ہیں معلوم نہیں کہ صحیح صورت حال کیا تھی اس کو ضابطہ کے تحت دیکھنا پڑیگا خود ضابطہ نہیں بنے گا۔

سوال . یہاں وہ مشہور اعتراض بھی ہے کہ مہاجر ام قیس کی ہجرت نکاح سے مشروط کرنے کی وجہ سے باطل ہوگئی تو اسلام ابوطلحہ جب نکاح سے مشروط کیا گیا یہ باطل کیوں نہیں ہوا؟

جواب . اس کا جواب یہ ہے کہ ہجرت ایک آنی چیز ہے اس میں امتداد نہیں جب ہجرت مکمل ہوگئی اس وقت تک اس میں اخلاص نہیں تھا اور مکمل ہونے کے بعد اخلاص کی گنجائش نہیں رہی کیونکہ ہجرت میں امتداد نہیں لیکن اسلام ایک ممتد عمل ہے اگر آج اخلاص نہیں تو کل آجائیگا تو ابوطلحہ نے اگرچہ شادی کی غرض سے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن نکاح کے بعد اسلام میں اخلاص آگیا اور سچے دل سے اسلام قبول کرنے کی گنجائش باقی تھی لہٰذا اس میں اور ہجرت میں فرق ہوا۔

یہ سوال وجواب توضیحات مشکاۃ جلد اول حدیث ''انما الاعمال بالنیات'' میں مفصل لکھا گیا ہے۔

۹ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب الولیمة

دعوت ولیمہ

ولیمہ کی جمع ولائم ہے۔ ولم یلم ولما جمع ہونے جُڑ جانے اور اکٹھا ہونے کی معنی میں ہے ولائم ان کھانوں کو کہا جاتا ہے جو جاہلیت کے دور میں غم یا خوشی کے موقع میں کھلائے جاتے تھے عرب لوگ سب کو ولائم کہتے تھے پھر اضافت کے ساتھ خاص کیا کرتے تھے مثلاً ولائم العرس ولائم الخرس وغیرہ وغیرہ۔

آج کل ولیمہ صرف شادی کے کھانے کے ساتھ خاص ہوگیا ہے کیونکہ شریعت نے ولیمہ کا لفظ شادی اور نکاح کے لئے استعمال کیا ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ولیمہ اس کھانے کا نام ہے جو شب زفاف کے بعد یعنی میاں بیوی کی ملاقات کے بعد کھلایا جاتا ہے، ولیمہ کی اصل سنت تو یہی ہے کہ میاں بیوی کی ملاقات کے بعد ہو لیکن اگر ملاقات نہ ہو تو کم از کم نکاح ہو چکا ہو اگر نکاح سے پہلے کوئی شخص ولیمہ کھلا رہا ہے تو یہ ولیمہ کی سنت نہیں صرف دعوت ہے۔

اسلام میں دعوت ولیمہ کو بعض نے واجب کہا ہے بعض نے سنت مؤکدہ کہا اور بعض نے مستحب کہا ہے۔ رحمة الامة فی اختلاف الائمة ایک مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے **"ولیمة العرس سنة علی الراجح من مذهب الشافعی ومستحبة عندالثلاثة"** (ص ۲۱۴) جن حضرات اہل ظواہر وغیرہ نے ولیمہ کو واجب کہا ہے انہوں نے **"اولم ولو بشاة"** امر کے صیغہ کو دیکھا ہے **"الولیمة حق"** کے الفاظ کو دیکھا ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ امت کا تعامل لزوم اور وجوب پر نہیں رہا ہے البتہ سنت کا لفظ عام اور مشہور ہے مستحب اور سنن زوائد ایک ہی چیز ہے لہٰذا مستحب کہنا بھی صحیح ہے۔

دعوتوں کا بیان

دعوت کے قبول کرنے میں شرعی عذر نہ ہو تو اس کا قبول کرنا واجب ہے اگر عذر ہو کہ آدمی خود بیمار ہے یا جانے میں خطرہ ہے یا دعوت حرام مال سے ہے یا دعوت میں ناچ گانے ہیں یا بدعات ومنکرات ہیں تو اس کا قبول کرنا جائز نہیں ہے اگر جانے کے بعد پتہ چلا کہ منکرات ہیں تو اگر یہ شخص خود مقتدا بنا ہے تو وہاں نہ ٹھہرے بلکہ بھاگ کر واپس آجائے اور اگر مقتدا نہیں بنا ہے تو پھر کھانا کھا کر آجائے۔

مقتدا بننے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا عالم بنا ہے کہ جس کے عمل سے لوگ دلیل پکڑتے ہیں اور اس کو سند سمجھتے ہیں یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ دعوت خاص کو قبول کرنا لازم ہے کہ خصوصی دعوت کسی نے دیدی ہو، اگر خصوصی دعوت نہ ہو تو عام دعوت

کو قبول کرنا لازم اور واجب نہیں ہے، دعوت قبول کرنے کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ شریعت کا حکم ہے دوسری وجہ یہ کہ بلانے والے کی خصوصی دعوت کے بعد انکار کرنے سے اس کا دل ٹوٹ جائیگا نفرت بڑھے گی اور عام دعوت میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

دعوت کے منکرات میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی بڑا آدمی اپنی جاہ اور منصب کی بنیاد پر اپنی جاہ بڑھانے کے لئے خصوصی دعوت پر عالم کو بلا رہا ہے یا کسی باطل کی تقویت کے لئے اسکو بلا رہا ہے اور اس کے ذریعے سے دوسروں پر اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے یا کسی قاضی کو دعوت پر بلا رہا ہے یہ دعوت رشوت کی شکل اختیار کرتی ہے یا دیگر منکرات ہیں مثلاً ریشمی قالین وغیرہ یا حرام مال ریا کاری یا تکبر و تجبر وغیرہ منکرات ہیں۔

عرب جاہلیت کے ولیمے

عرب جاہلیت میں ولائم کے نام سے پندرہ دعوتیں چلتی تھیں اضافت سے اس میں تخصیص کیا کرتے تھے ان سب کے نام مختصر تعارف کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

(۱) **ولیمة العرس**: یہ شادی بیاہ کے موقع پر ہوتا تھا اسلام نے اسکو برقرار رکھا ہے عام طور پر یہی ولیمہ رہ گیا ہے۔

(۲) **الخرس**: بچہ کی پیدائش کے موقع پر جو کھانا دیا جاتا ہے وہ الخرس کہلاتا ہے۔

(۳) **عقیقة**: ساتویں دن بچہ کا نام رکھتے وقت جو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ وہ عقیقہ ہے اسلام میں یہ مسنون ہے۔

(۴) **اعذار**: بچوں کے ختنہ کی تقریبات میں جو کھانا کھلایا جاتا ہے، یہ اعذار کہلاتا ہے اسلام میں یہ نہیں صرف رواج میں ہے۔

(۵) **ذوالحذاق**: بچہ جب کسی فن میں کمال پیدا کرتا تھا مثلاً تیر اندازی، تیراکی، شمشیر زنی، گھڑ دوڑ وغیرہ اس وقت کمال حاصل کرنے پر یہ کھانا کھلایا جاتا تھا اسلام میں یہ کھانا تحفیظ قرآن یا فارغ تحصیل ہونے پر کھلایا جاتا ہے۔

(۶) **ملاک**: منگنی کی تقریب میں جو کھانا کھلایا جائے وہ ملاک کہلاتا ہے۔

(۷) **وضیمہ**: کسی کے ہاں میت ہو جانے پر ان کے گھر جو کھانا بھیجا جاتا ہے وہ ضیمہ کہلاتا ہے اسلام نے اسکے دینے کی تاکید کی ہے جاہلیت میں وضیمہ کے تحت تیجہ، ساتواں، نواں، پندرہواں، اور برسی کے کھانے بھی آتے تھے جو آج کل بریلویوں نے سنبھال رکھے ہیں۔

(۸) **وکیرہ**: مکان بنانے کے موقع پر جو کھانا ہوتا تھا وہ وکیرہ کہلاتا تھا ''وکر'' گھونسلے کو کہتے ہیں۔

(۹) **عقیرہ**: یہ کھانا رجب کے چاند دیکھنے پر کھلایا جاتا تھا۔

(۱۰) **شُنْدُخ**: یہ کھانا اس وقت دیا جاتا تھا جب کسی کی کھوئی ہوئی چیز مل جاتی تھی۔

(۱۱) **نقیعه**: یہ کھانا مسافر کے وطن اور گھر واپس لوٹنے پر دیا جاتا تھا۔

(۱۲)تحفه: . یہ کھانا ملاقات کے وقت کھلایا جاتا تھا

(۱۳)قری: . یہ عام مہمانوں اور نو واردلوگوں کو کھلایا جانے والا کھانا ہوتا تھا۔

(۱۴)نِقری: . یہ خاص کارڈ پر دعوتی کھانا ہوتا تھا۔

(۱۵)جفلی: . یہ عام خیرات کا کھانا ہوتا تھا اس میں دوست اور دشمن سب ہی شریک ہوتے تھے۔

ولیمہ کرنے کا حکم

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن أنسٍ أنَّ النَّبيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم رَأَى عَلَى عَبدِالرَّحمٰنِ بنِ عَوفٍ أثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَاهٰذَا قَالَ اِنِّي تَزَوَّجتُ اِمْرَاَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ (متفق عليه)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ نے عبدالرحمن ابن عوفؓ (کے بدن یا کپڑے) پر (زعفران کا) زردنشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عبدالرحمن نے کہا کہ "میں نے ایک نواۃ سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا آنحضرتؐ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے ولیمہ کرو (یعنی کھانا پکا کر کھلاؤ) اگرچہ وہ ایک بکری ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

ماھذا: . یہ سوال اس لئے کیا کہ آپؐ نے صحابہ کو خلوق یعنی زعفران کے عطر لگانے سے روکا تھا عبدالرحمن نے عذر پیش کیا کہ بیوی سے لگ گیا ہے "اولم" جولوگ ولیمہ کو واجب کہتے ہیں انکی دلیل ہے "ولو بشاۃ" یعنی بڑی چیز اونٹ وغیرہ نہ سہی لیکن بکری ہی ذبح کرلو، بعض علماء نے اس کو تکثیر پر حمل کیا ہے کہ ولیمہ کرو اگرچہ بکری کیوں نہ ہو، یہ مفہوم بعید ہے تقلیل زیادہ واضح ہے۔

بعض نے نواۃ سے مراد پانچ درھم لیا ہے جو بعید ہے بلکہ نواۃ سے مراد کھجور کی گھٹلی کے برابر سونا ہے۔

ام المؤمنین حضرت زینب کا شاندار ولیمہ

﴿۲﴾ وعنه قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وعَلَى اَحَدٍ مِنْ نِسَائِهِ مَا اَوْلَمَ عَلَى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ (متفق عليه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کا اتنا بڑا ولیمہ نہیں کیا جتنا بڑا ولیمہ حضرت زینبؓ کے نکاح میں کیا تھا، آپؐ نے ان کے نکاح میں ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

ما اولم:۔ یعنی دیگر ازواج مطہرات کی دعوت ولیمہ کے اعتبار سے بکری بڑی چیز تھی کیونکہ حضرت زینبؓ کے علاوہ کسی کی دعوت میں بکری ذبح نہیں ہوئی اس کا مطلب یہ نہیں کہ بکری سب سے بڑی دعوت تھی بڑی دعوت تو اونٹ وغیرہ سے ہوتی تھی جیسا کہ حضرت علیؓ نے شادی کے لئے دو اونٹنیاں پال رکھی تھیں اور حضرت حمزہؓ نے اسے مار ڈالا تھا جو مشہور قصہ ہے لہٰذا اس سے پہلی روایت میں "ولو بشاة" تقلیل کے لئے ہے تکثیر کے لئے نہیں۔

﴿۳﴾ وعنه قَالَ اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَنٰى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَاَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَلَحْمًا (رواه البخارى)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ بنت جحشؓ کے ساتھ شب زفاف گذارنے کے بعد ولیمہ کیا اور (اس ولیمہ میں) لوگوں کا پیٹ گوشت اور روٹی سے بھر دیا۔ (بخاری)

عورت کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں

﴿۴﴾ وعنه قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صِدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ (متفق عليه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو (پہلے) آزاد کیا اور (پھر) ان سے نکاح کر لیا، آپ نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں حیس کا ولیمہ کیا (بخاری ومسلم)

توضیح

حضرت صفیہ خیبر کے یہود کے سردار حُیی بن اخطب کی بیٹی تھیں جنگ خیبر کے موقع پر انہوں نے خواب دیکھا کہ یثرب سے ایک چاند آ کر ان کی گود میں اترا ہے انہوں نے یہ خواب اپنے شوہر کو بتا دیا اس نے ان کے چہرہ پر تھپڑ مار دیا کہ تم یثرب یعنی مدینہ کے بادشاہ (محمدؐ) سے شادی کرنے کی تمنا کرتی ہو، وہ خود فرماتی ہیں کہ اس تھپڑ کی وجہ سے ابھی تک میری آنکھ اور چہرہ نیلا تھا کہ میں دوسری عورتوں کیساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قید میں آ گئی شام کے وقت حضور اکرمؐ میرے پاس آئے مجھ سے گفتگو فرمائی اس گفتگو کا خلاصہ یہ تھا۔

حضرت صفیہؓ سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اگر اپنے دین پر قائم رہتی ہو تو تم پر کوئی جبر نہیں اور اگر تم اللہ اور اسکے رسول کو اختیار کرو گی تو یہ تیرے لئے بہتر ہوگا، حضرت صفیہ نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اسلام کو اختیار کرتی

ہوں آنحضرتؐ نے ان کو آزاد کیا اور پھر ان سے نکاح کیا صحابہ کو معلوم نہ تھا کہ صفیہ لونڈی ہے یا ام المؤمنین بن گئیں بعض صحابہ نے فرمایا اگر پردہ کیا تو نکاح ہوا ہوگا اور ام المؤمنین بن گئی ہوں گی اور اگر پردہ نہ کیا تو باندی ہوں گی چنانچہ سواری کے وقت جب میرا پردہ کیا گیا تو صحابہ کو اندازہ ہوا کہ ام المؤمنین بن گئیں۔

اب یہاں ایک فقہی مسئلہ اٹھتا ہے کہ اس حدیث میں یہ لفظ موجود ہے کہ "جعل عتقها صداقها" کہ حضور اکرمؐ نے صفیہ کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا تو امام احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہ، اوزاعیؒ شام اور قاضی ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عتق کو مہر بنایا جا سکتا ہے یہ جائز ہے۔

امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عتق کو مہر قرار دینا درست نہیں ہے فریق اول نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت صفیہ کا مہر ان کا عتق قرار دیا گیا تھا جمہور دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ان تبتغوا باموالكم﴾ اور عتق مال نہیں تو مہر نہیں فریق اول کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جو صداق کا لفظ آیا ہے یہ حضرت انسؓ کا کلام ہے اور قرآنی آیت کے مقابلے میں قابل استدلال نہیں ہے، دوسرا جواب یہ کہ یہ خصوصیت پیغمبری تھی آپ کے لئے بغیر مہر کے نکاح کرنا جائز تھا تو عتق کو اگر مہر بنایا تو بوجہ خصوصیت جائز تھا کسی اور کے لئے جائز نہیں یا حضرت صفیہؓ نے مہر معاف کیا تھا یہ بھی خصوصیت پیغمبری تھی۔

حضرت صفیہؓ کے ولیمہ کا ذکر

﴿۵﴾ وعنه قَالَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِيْنَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ وَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَّلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَاُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْاَقِطُ وَالسَّمْنُ (رواه البخاری)

اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور صفیہؓ کے ساتھ (ان کے نکاح کے بعد) شب زفاف گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپؐ کی دعوت ولیمہ میں بلایا ولیمہ میں نہ تو گوشت تھا اور نہ روٹی تھی بلکہ آپؐ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور جب دسترخوان بچھا دیا گیا تو اس پر کھجوریں ''اقط'' اور گھی رکھ دیا گیا (بخاری)

توضیح

التَّمْرُ وَالْاَقِطُ وَالسَّمْنُ: اس سے پہلے حدیث میں لفظ ''حیس'' آیا تھا یہ اسکی تفسیر ہے کہ کھجور و پنیر اور گھی کا حریرہ اور حلوا نما ایک کھانا ''حیس'' کہلاتا ہے۔ اس حدیث کے بعد والی حدیث میں دو سیر جو کا ذکر آیا ہے کہ سردار اولین والآخرین کا ولیمہ

اس طرح تھا اس سے امت کے ان غریبوں کی دلجوئی ہوگی جو ولیمہ کی دعوت کی طاقت نہیں رکھتے تو ان کو حضور اکرمؐ کا یہ نمونہ ملا کہ آپ نے دو سیر جو سے اپنا ولیمہ کیا اور اس سے پہلے حضرت زینبؓ کے ولیمے میں لوگوں کو بکری کا گوشت پیٹ بھر کر کھلایا گیا جس سے مالداروں کو سنت کا نمونہ ملتا ہے کہ اگر استطاعت ہو تو خوب کھلاؤ اور استطاعت نہ ہو تو قرض لیکر اپنے آپ کو خراب نہ کرو، حضور اکرمؐ کی سیرت کو دیکھو دو سیر جو کا ولیمہ دیا جا رہا ہے۔

سچ ہے کہ آپ تمام انسانوں کے لئے کامل نمونہ تھے ؎

جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک　　　سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

حضرت ام سلمہ کا ولیمہ

﴿۶﴾ وعن صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ اَوْلَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ (رواه البخاری)

اور حضرت صفیہ بنت شیبہ کہتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ مطہرہ (غالبا) ام سلمہؓ کا ولیمہ دو سیر جو کے ساتھ کیا۔ (بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ وہ ولیمہ کی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی اور دعوت۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنا چاہئے

﴿۷﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا (متفق عليه) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَلْيُجِبْ عُرُسًا كَانَ اَوْنَحْوَهُ.

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شادی کے کھانے پر بلایا جائے تو اسے جانا چاہئے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۸﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو (شادی بیاہ یا اسی قسم کسی اور تقریب کے) کھانے پر بلایا جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کرے (یعنی دعوت میں چلا جائے) پھر (وہاں جا کر اس کی مرضی پر موقوف ہوگا کہ) چاہے تو کھائے چاہے تو نہ کھائے۔ (مسلم)

ولیمہ میں صرف مالداروں کو بلانا انتہائی برا ہے

﴿۹﴾ وعن اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى

لَهَا الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑا جائے اور جس شخص نے دعوت (کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود قبول نہ کی اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

شر الطعام:۔ ولیمہ کو برا کھانا ولیمہ کی وجہ سے نہیں کہا بلکہ اس وجہ سے اسکو شر الطعام کہا گیا ہے کہ دنیا والوں کے ہاں عادت ہے کہ ولیمہ میں نمائش کے طور پر مالدار، منصب دار، رعب دار اور شہرت یافتہ افراد کو بلایا جاتا ہے اور غرباء وفقراء کو چھوڑ دیا جاتا ہے اگر یہ خارجی علت نہ ہو تو نفس ولیمہ تو شریعت کا مامور بہ مسنون یا مستحب حکم ہے اسکی ترغیب آپؐ نے دی ہے تو اس کو شر الطعام کیسے فرمایا معلوم ہوا اس خارجی قید کی وجہ سے مذمت آگئی ہے اور وہ یہ کہ غریبوں کو چھوڑا جاتا ہے امیروں کو بلایا جاتا ہے اور پھر کھلایا جاتا ہے۔

فقد عصى الله:۔ دعوت قبول کرنا ائمہ احناف کے نزدیک راجح قول کے مطابق مستحب ہے اور جمہور کے نزدیک مشہور قول کے مطابق واجب ہے۔ ''رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ'' میں اسی طرح لکھا ہے لیکن بعض کتابوں میں اس طرح لکھا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو دعوت قبول کرنے کو واجب کہتے ہیں اور جمہور کے نزدیک دعوت قبول کرنا مستحب ہے، یہ قول زیادہ واضح معلوم ہوتا ہے باقی دعوت میں اگر منکرات یا کوئی شرعی عذر ہو تو قبول کرنا ضروری نہیں تفصیل گذر چکی ہے۔

اجازت مانگ کر دعوت میں جانا چاہئے

﴿۱۰﴾ وعن اَبِى مَسْعُودِ الْاَنْصَارِىِّ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ يُكْنٰى اَبَاشُعَيْبٍ كَانَ لَهُ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اصْنَعْ لِى طَعَامًا يَكْفِى خَمْسَةً لَعَلِّى اَدْعُو النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَصَنَعَ لَهُ طُعَيْمًا ثُمَّ اَتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا شُعَيْبٍ اِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ اَذِنْتَ لَهُ وَاِنْ شِئْتَ تَرَكْتَهُ قَالَ لَابَلْ اَذِنْتُ لَهُ (متفق عليه)

اور حضرت مسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابیؓ کے ہاں جن کی کنیت ابوشعیب تھی ایک غلام تھا جو گوشت بیچا کرتا تھا (ایک دن) ان انصاری صحابی (یعنی حضرت ابوشعیبؓ) نے اپنے اس غلام سے کہا کہ میری ہدایت کے مطابق اتنا کھانا تیار کرو جو پانچ آدمیوں کیلئے کافی ہو، کیونکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کروں گا اور آپؐ ان پانچ آدمیوں میں سے ایک ہونگے (یعنی ایک آنحضرتؐ ہونگے اور چار آدمی آپؐ کے ساتھ ہونگے)

چنانچہ غلام نے ان کی ہدایت کے مطابق آنحضرتؐ کیلئے تھوڑا سا کھانا تیار کرلیا پھر وہ (ابوشعیبؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور آپ کے چار صحابہؓ کو) اس کھانے پر مدعو کیا (جب آنحضرتؐ ان کے گھر تشریف لے چلے تو) ایک شخص آپؐ کے ساتھ ہولیا آپؐ نے (ان کے گھر پہنچ کر) فرمایا کہ ابوشعیب! ایک شخص اور ہمارے ساتھ ہولیا ہے، اگر تم چاہو تو اس کو بھی (کھانے پر) آنے کی اجازت دیدو! ورنہ اس کو (دروازہ ہی پر) چھوڑ دو (اور دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دو) ابوشعیب نے کہا کہ نہیں (اس کو دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا) بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں۔ (بخاریؒ ومسلمؒ)

توضیح

لحام: لحم سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی یہ غلام گوشت فروخت کیا کرتا تھا اور گوشت بنانے کا بھی ماہر تھا اس کے آقا کی کنیت ابوشعیب تھی انہوں نے حضور اکرمؐ کے لئے دعوت کا اہتمام فرمایا آپؐ کے ساتھ چار دیگر ساتھی بھی تھے۔

اس روایت سے ایک تعلیم تو یہ ملی کہ کسی شخص کو بلائے بغیر کسی کی دعوت میں جانا نہیں چاہئے اسی طرح کسی مہمان کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ کسی بن بلائے کو اپنے ساتھ لے جائے اور کھانا کھلائے ہاں اگر میزبان نے صراحۃً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھر لیجانا جائز ہے، علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر میزبان نے مہمان کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے یہ کہا کہ میں یہ کھانا تمہاری ملکیت میں دیتا ہوں تو اس صورت میں میزبان کسی بھی دوسرے شخص کو یہ کھانا کھلا سکتا ہے بلکہ اٹھا کر گھر بھی لیجا سکتا ہے لیکن اگر میزبان نے مہمان کے لئے کھانا صرف مباح کیا ہو تو وہ صرف خود کھا سکتا ہے کسی اور کو نہیں کھلا سکتا۔

سوال:

جب نبی کریمؐ کے ساتھ ایک بن بلایا شخص دروازہ پر بھی پہنچ گیا جہاں سے کسی کو واپس نہیں کیا جا سکتا اور حضور اکرمؐ نے صاحب خانہ سے اجازت بھی مانگ لی تو یہاں کیسے ممکن تھا کہ میزبان انکار کرتا، خواہ دل میں وہ ناراض کیوں نہ ہو تو گویا یہ خوشی کی اجازت نہیں تھی بلکہ ایک قسم جبر تھا اگرچہ صورت اجازت کی تھی تو یہ کیسے جائز ہوا؟۔

جواب:

حضور اکرمؐ نے ایسا معاشرہ تیار فرمایا تھا کہ اس کے ہر فرد کا ظاہر اور باطن یکساں روشن تھا جو بات زبان پر ہوتی وہ دل میں تھی اور جو دل میں تھی وہ زبان پر تھی اگر یہاں اس صحابی کے دل میں ذرا بھی عدم اجازت کی بات ہوتی تو وہ کھل کر فرماتے کہ یا رسول اللہ اس زائد شخص کی گنجائش نہیں ہے پھر اس شخص کے واپس چلے جانے میں نہ خود ان کو بوجھ محسوس ہوتا اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناگوار گذرتا لہٰذا یہاں کوئی جبر نہیں تھا زبان سے اظہار و رضامندی دل کی رضامندی کی

دلیل تھی بے تکلف اور پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی وہاں دل و زبان کا تناؤ ایک تھا۔

الفصل الثانی

﴿۱۱﴾عن انسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰی صَفِیَّةَ بِسَوِیْقٍ وَتَمْرٍ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت صفیہؓ کا ولیمہ ستو اور کھجور کے ساتھ کیا تھا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

زیبائش وآرائش سے حضور اکرمؐ کا اجتناب

﴿۱۲﴾وعن سَفِیْنَةَ اَنَّ رَجُلًا ضَافَ عَلِیَّ ابْنَ اَبِی طَالِبٍ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ لَوْدَعَوْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَکَلَ مَعَنَا فَدَعَوْهُ فَجَاءَ فَوَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی عِضَادَتَیِ الْبَابِ فَرَاَی الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِی نَاحِیَةِ الْبَیْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْتُهٗ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَارَدَّکَ قَالَ اِنَّهٗ لَیْسَ لِیْ اَوْ لِنَبِیٍّ اَنْ یَدْخُلَ بَیْتًامُزَوَّقًا (رواہ احمد وابن ماجه)

اور حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت علی ابن طالبؓ کے ہاں ایک مہمان آیا تو حضرت علیؓ نے اس کیلئے کھانا تیار کرایا! حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ اگر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مدعو کرلیں اور آپؐ ہمارے ساتھ کھانا کھالیں تو بڑا اچھا ہو، چنانچہ آپؐ کو بلایا گیا جب آپؐ تشریف لائے اور (مکان میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی) دروازے کے دونوں بازوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے آپؐ کی نظر اس پردہ پر لگی جو گھر کے ایک کونے پر پڑا ہوا تھا آپؐ (اس پردہ کو دیکھتے ہی) واپس ہوگئے حضرت فاطمہ کہتی ہیں کہ میں بھی آپؐ کے پیچھے گئی، اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ واپس کیوں ہوگئے؟ آنحضرت نے فرمایا مجھ کو یا کسی بھی نبی کو زینت والے گھر میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے (احمد، ابن ماجہ)

توضیح

قرام: نرم کپڑے کے پردے کو قرام کہا گیا ہے یہ کپڑا منقش تھا جس میں آرائش اور زیبائش تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف نہیں لائے یا تو زیب و زینت اور آرائش سے اجتناب کی وجہ سے اندر نہیں گئے اور یا اس وجہ سے کہ اس کپڑے سے دیوار کو ڈھانک لیا گیا تھا جو اسراف تھا حضورؐ نے ناپسند فرمایا۔

طفیلی کی مذمت

﴿۱۳﴾ وعن عبدِاللهِ بنِ عُمرَ قال قالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيرًا (رواه ابو داؤد)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والا ہوگا اور جو شخص بغیر بلائے کسی کے ہاں کھانے کی مجلس میں چلا جائے تو وہ چوروں کی طرح آیا اور مال لوٹ کر نکل گیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

حضور اکرمؐ نے اپنی امت کو اچھے اخلاق کا درس دیا ہے لہٰذا بغیر دعوت اور بغیر بلائے کسی کی دعوت طعام میں جانے کو ممنوع قرار دیا ہے اور اپنی امت کو حرص ولالچ کی ذلت سے بچالیا دوسری جانب عذر شرعی کے بغیر کسی کی دعوت کے انکار کو ممنوع قرار دیدیا تو حرص وتکبر کے درمیان معتدل راستہ بتادیا تاکہ انکار کی وجہ سے امت میں تکبر، بڑائی، علو اور عدم الفت کی بری صفات داخل نہ ہوں اور نہ حرص ولالچ آئے اس لئے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جو بغیر اجازت دعوت میں گیا اور کھانا کھا کر باہر آیا تو "دخل سارقا" اور "خرج مغیرا" کی بری صفات سے متصف ہو جائیگا۔

کئی دعوتوں میں کس کو ترجیح ہوگی

﴿۱۴﴾ وعن رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا وَاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِي سَبَقَ.

(رواه احمد وابو داؤد)

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بیک وقت دو شخص دعوت کریں تو ان میں سے اس شخص کی دعوت قبول کرو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے مدعو کیا اور دوسرے نے اس کے بعد دعوت دی تو (اس صورت میں) اس شخص کی دعوت قبول کی جائے جس نے پہلے مدعو کیا۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

اقربهما بابا: یہ وہ صورت ہے کہ بیک وقت یک زبان ہو کر دو آدمیوں نے کسی کو کھانے کی دعوت دیدی اب یہ

مدعو کیا کریگا؟ تو اگر ممکن ہے تو دونوں کی دعوت کو کھائے خواہ کم کھائے مگر رد نہ کرے اور یا جس کا دروازہ زیادہ قریب ہے تو وہ حقدار ہے کیونکہ محاورہ معروفہ ہے "الحق للقريب ثم للبعيد" اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے پہلے دعوت دیدی تو اس کی دعوت کو قبول کرنا لازم ہے۔

دعوت ولیمہ صرف دو دن تک ہے

﴿۱۵﴾ وعن ابنِ مَسعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ طَعَامُ اَوَّلِ يَومٍ حَقٌّ وَطَعَامُ يَومِ الثَّانِي سُنَّةٌ وَطَعَامُ يَومِ الثَّالِثُ سُمعَةٌ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ (رواه الترمذی)

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے دن (شادی کا) کھانا کھلانا حق ہے دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا (اپنے آپ کو) سنانا ہے اور جو اپنے آپ کو سنانے کا خواہشمند ہوگا اللہ تعالیٰ اسے سنائیگا۔ (ترمذی)

توضیح

اول یوم حق:۔ جو حضرات ولیمہ کو واجب کہتے ہیں یہ حدیث ان کی دلیل ہے لیکن جمہور کے ہاں ولیمہ سنت ہے جو حضرات دعوت ولیمہ کو مسنون کہتے ہیں ان کے ہاں اس لفظ کا ترجمہ اس طرح ہے کہ پہلے دن کا کھانا کھلانا ثابت ہے بہر حال دو دن تک کھانا کھلانا جائز ہے لیکن تیسرے دن بھی اگر کوئی دعوت کھلا رہا ہے تو سمجھنا چاہئے کہ اس میں ریا کاری، نام نمود اور نمائش کا جذبہ شامل ہو گیا ہے اب یہ شخص چاہتا ہے کہ اس کی شہرت ہو جائے اس کی تعریفیں ہوں اور چاروں طرف اس کی سخاوت کے ڈنکے بجنے لگ جائیں تا کہ وہ فخر کا اظہار کر سکے "سمعة" کا یہی مطلب ہے۔

سمع الله به: یعنی یہ شخص ریا کاری کرتا ہے نفس کی شہرت چاہتا ہے کہ معظم و مکرم بن جائے اللہ تعالیٰ میدان حشر میں اس کو لوگوں کے سامنے مشہور کر دیگا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور ریا کار ہے اس سے وہ معظم بننے کی بجائے مُحقّر بن جائیگا۔

فخر و مقابلہ کرنے والوں کی دعوت کھانا منع ہے

﴿۱۶﴾ وعن عِكرَمَةَ عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُؤْكَلَ (رواه ابوداؤد) وَقَالَ مُحيِ السُّنَّةِ وَالصَّحِيحُ اَنَّهُ عَنْ عِكرَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ مُرسَلًا۔

اور حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آدمیوں کا کھانا

کھانے سے منع فرمایا جو آپس میں فخر کا مقابلہ کریں (ابوداؤد) اور محی السنہ نے کہا ہے کہ صحیح الفاظ یہ ہیں حضرت عکرمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں (یعنی روایت کی سند میں عن ابن عباس کے الفاظ مذکور نہیں ہیں بلکہ یہاں زیادہ نقل کئے گئے ہیں)

توضیح

اَلْمُتَبَارِیَیْنِ: . یہ لفظ مبارات سے ہے کسی کام میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے معنی میں ہے، یہاں اس لفظ سے مراد وہ دو آدمی ہیں جو زیادہ کھانا پکانے اور کھلانے میں آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور لوگوں سے داد تحسین وصول کرنا چاہتے ہیں کہ کس کا کھانا زیادہ اچھا تھا کس نے زیادہ لوگوں کو کھلایا کس کا انتظام زیادہ بہتر ہے دونوں کا مقصود نمائش اور نام نمود ہوتا ہے ،ایسی دعوت کا کھانا ممنوع قرار دیا گیا ہے تاکہ لوگوں کی اس ''ریس'' اور مقابلہ کی حوصلہ شکنی ہو جائے آنے والی حدیث کا بھی یہی مفہوم ہے اس میں اس لفظ کا مفہوم متعارضان سے واضح کیا گیا ہے یعنی ایک دوسرے کی ضد میں بڑھ چڑھ کر دعوتیں پکار ہے ہیں اور کھلا رہے ہیں۔

الفصل الثالث

﴿۱۷﴾عن اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُتَبَارِیَانِ لَایُجَابَانِ وَلَایُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ یَعْنِی الْمُتَعَارِضَیْنِ بِالضِّیَافَةِ فَخْرًا وَرِیَاءً .

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دو شخصوں کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ انکا کھانا کھایا جائے جو اظہار فخر کے لئے کھانا پکانے کھلانے کا آپس میں مقابلہ کریں امام احمدؒ نے لفظ متباریان کی وضاحت میں کہا ہے کہ متباریان سے آنحضرتؐ کی وہ دو شخص مراد ہیں جو از راہ فخر و ریا اور بطریق مقابلہ یعنی ایک دوسرے کی ضد میں دعوت کریں۔

فاسق کی دعوت قبول نہ کرو

﴿۱۸﴾وعن عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ نَهٰی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِیْنَ .

اور حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔

توضیح

اَلْفَاسِقِیْنَ: اس سے مراد مطلق فاسق ہے خواہ کسی طرح کے فسق میں مبتلا ہو۔ فساق وفجار کی دعوت کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ اکثر ظالم ہوتے ہیں تو کسی پر ظلم کر کے حرام مال اکٹھا کیا ہوگا، نیز انکے ہاں جاکر بیٹھنا اور انکی دعوت قبول کرنا یہ ان کا اعزاز ہے جس کے وہ بوجہ فسق مستحق نہیں ہے نیز آج اگر فاسق کا کھانا کھالیا تو کل اس کو اپنا حلال مال کھلانا پڑیگا اور یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے دعا مانگی ہے کہ اے اللہ! مجھ پر فاسق کا احسان نہ ڈال کہ جس کا میں بعد میں بدلہ اتاروں۔

نیک مسلمان کی دعوت کھانے میں شک نہ کرو

﴿۱۹﴾ وعن ابی ھُریرۃَ قالَ قالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمْ عَلٰی اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ فَلْیَاْکُلْ مِنْ طَعَامِہٖ وَلَایَسْاَلْ وَیَشْرَبْ مِنْ شَرَابِہٖ وَلَایَسْاَلْ (روی الاحادیث الثلاثۃ البیھقی فی شعب الایمان) وَقَالَ ھٰذَا اِنْ صَحَّ فَلِاَنَّ الظَّاھِرَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَایُطْعِمُہٗ وَلَایُسْقِیْہِ اِلَّا مَاھُوَ حَلَالٌ عِنْدَہٗ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کے ہاں جائے تو اس کا کھانا کھالے اور پانی پی لے اور یہ نہ پوچھے کہ وہ کھانا اور پانی کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے، ان تینوں حدیثوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (آخری) حدیث اگر صحیح ہے تو اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو وہی چیز کھلاتا پلاتا ہے جو اس کے نزدیک حلال ہوتی ہے۔

توضیح

اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ: مسلمان بھائی سے مراد متقی اور پرہیز گار مسلمان ہے تو فرمایا کہ ایسے شخص کے کھانے پینے میں خواہ مخواہ شک نہ کرو کہ یہ حلال کا کھانا ہے یا حرام کا ہے بلکہ جو سامنے آئے بلاشک وشبہ کھالے کیونکہ جب وہ آدمی نیک ہے تو وہ کبھی حرام مال کا کھانا نہ خود کھائیگا نہ دوسروں کھلائے گا اور اس تحقیق وتفتیش اور گفتگو وجستجو سے اس کو تکلیف ہوگی جو ممنوع ہے ہاں اگر حرام آمدن کا شبہ ہے تو پھر سوال کرسکتا ہے اور اگر غالب کمائی حرام کی ہے تو پھر کھانا نہ کھائے اور اگر غالب مال حلال ہے تو کھائے۔

۱۰ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب القسم

متعدد بیویوں میں باری مقرر کرنے کا بیان

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدة او ماملکت ایمانکم﴾ وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم فلاتمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة﴾(نساء ۱۲۹)

القسم: قاف پر فتحہ اور سین کا سکون ہے یہ قسم یقسم قسمًا کا مصدر ہے تقسیم کے معنی میں ہے، مال کی تقسیم میں کئی شریکوں میں جب مال تقسیم ہو کر ہر ایک کو اس کا حصہ مل جاتا ہے وہ تقسیم اور قسم ہے اسی سے یہاں بھی مراد کئی بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا اور ان کے درمیان برابری اور عدل وانصاف قائم کرنا قسم ہے۔ بعض نے عورتوں کے ہاں رات گذارنے کی باری کو قسم کہا ہے مگر پہلا مفہوم جو ابن ہمامؒ نے بیان کیا ہے وہ زیادہ واضح ہے بعض نے اس سے بھی زیادہ واضح کر کے یوں فرمایا ہے کہ بیویوں کے درمیان شب باشی کھانے پینے اور کپڑے اور مکان میں برابری کرنے کا نام قسم ہے۔ یہ برابری کرنا واجب ہے ہاں جماع میں برابری ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کا تعلق آدمی کی نشاط اور چاہت سے ہے اسی طرح قلبی محبت میں بھی برابری ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ غیر اختیاری معاملہ ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے قسم کو عدل کے نام سے یاد فرمایا ہے جیسا کہ اوپر آیتوں میں مذکور ہے اسی طرح احادیث مقدسہ میں اس برابری کو تقسیم اور عدل کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ قسم حضور اکرمؐ پر بھی واجب تھا مگر صحیح قول یہ ہے کہ آپؐ قسم سے مستثنٰی تھے قرآن کریم کی آیت ﴿ترجی من تشآء منھن وتؤوی الیک من تشآء﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت قسم کے پابند نہیں تھے لیکن اس کے باوجود آنحضرتؐ نے قسم اور عدل پر عمل کیا ہے قسم صرف مدت اقامت میں ہوتی ہے سفر میں نہیں ہے۔ اسی طرح قسم صرف رات گذارنے میں ہے دن میں نہیں ہے ہاں اگر شوہر رات کو ڈیوٹی پر ہو تو پھر قسم کی باری دن میں مقرر کرے۔ سفر کے دوران تطییب قلب کے لئے قرعہ اندازی کر کے ایک بیوی کو ساتھ لے جائے تو بہتر ہے، باری کی مدت کم از کم ایک رات دن ہے اس سے کم میں باری جاری نہیں ہوتی لہٰذا ایک رات میں دو بیویوں کی باری مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد

الفصل الاول

﴿۱﴾ وعن ابن عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ وَكَانَ يَقْسِمُ

مِنۡهُنَّ لِثَمَانٍ (متفق علیه)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اسوقت آپؐ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں جن میں سے آٹھ بیویوں کی باری مقرر تھی (بخاری ومسلم)

توضیح

تسع نسـوة: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کل گیارہ بیویاں تھیں لیکن حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینب خزاعیہؓ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا اس حدیث میں ان ازواج کا ذکر ہے جو آپؐ کی وفات کے وقت زندہ موجود تھیں۔ یہ کل نو بیویاں تھیں جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ (۲) ام المؤمنین حفصہؓ (۳) ام المؤمنین زینبؓ (۴) ام المؤمنین ام سلمہؓ

(۵) ام المؤمنین صفیہؓ (۶) ام المؤمنین سودہؓ (۷) ام المؤمنین میمونہؓ (۸) ام المؤمنین جویریہؓ (۹) ام المؤمنین ام حبیبہؓ

ان میں سے صرف آٹھ کی باری مقرر تھی حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کو دی تھی۔ آنحضرتؐ نے ارادہ کیا تھا کہ حضرت سودہؓ کو طلاق دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے آپ طلاق نہ دیں اس لئے کہ میں امید کرتی ہوں کہ میں جنت میں آپ کی بیوی رہونگی میں اپنی باری عائشہؓ کو دیتی ہوں۔

حضور اکرمؐ کی کثرت ازواج کی بحث

عام کفار اور اکثر ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی زیادہ شادیاں کیوں کیں اور اتنی زیادہ بیویاں کیوں رکھیں؟

جواب:

اہل اسلام اور علماء کرام اس کا جواب بھی دیتے ہیں اور کثرت ازواج کی مصلحت اور ضرورت بھی بتاتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عظیم مصلحت وحکمت کے تحت زیادہ نکاح کئے تھے اس میں کوئی خواہش نفس نہیں تھی کیونکہ آپؐ نے ۲۵ سال کی جوانی میں ۴۰ سالہ معمر خاتون حضرت خدیجہؓ سے نکاح کیا جو دو دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں اگر آپ کو خواہش نفس مجبور کرتی تو آپؐ یہ نکاح کبھی نہ کرتے کیونکہ قریش میں آپ کے لئے دوشیزہ لڑکیاں موجود تھیں۔

پھر جب تک حضرت خدیجہؓ موجود تھیں ۵۳ سال کی عمر تک آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد چند حکمتوں کی وجہ سے آپؐ نے کثرت ازواج پر عمل کیا جس میں مندرجہ ذیل حکمتیں پوشیدہ تھیں۔

(۱) ازدواجی زندگی اور گھریلو معاملات نصف دین کے برابر ہیں اس آدھی شریعت کو ایک یا دو بیویاں امت تک نہیں پہنچا سکتی

تھیں یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ازواج مطہرات نے دین کا ایک بڑا حصہ محفوظ کر کے امت کو دیا ہے ہجرت کے بعد یہ مسائل اور احکام زیادہ ہو گئے تھے اس لئے آپؐ نے بیویوں کی تعداد زیادہ کر دی جن میں حضرت عائشہؓ کے سوا سب بیوہ تھیں یہ خواہش نہیں بلکہ ضرورت تھی۔

(۲) آنحضرتؐ نے عام قبائل عرب میں رشتے قائم کر کے اسلام پھیلانے کا انتظام فرمایا لوگوں کے ساتھ رشتے قائم ہونے سے میل جول پیدا ہو گیا لوگوں کی عداوتیں اور ان کے قلبی احساسات وجذبات کو اعتدال پر لانے کا موقع فراہم ہو گیا اور یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آنحضرتؐ کے ان رشتوں سے لوگوں کی دشمنیاں جو اسلام کے ساتھ تھیں بہت کم ہو گئیں خود ابوسفیان جو کفار کی قیادت کر رہے تھے جب ان کو معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی ام حبیبہ نے محمد عربی صلی اللہ سے نکاح کر لیا تو انہوں نے کہا ''ذاک فحل لا یقدع'' یعنی یہ ایسا تو جوان ہے کہ انکی بات اور پیغام کو ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

(۳) بعض قبائل عرب کے لوگ زیادہ تر مسلمانوں کی غلامی میں آ گئے تھے آنحضرتؐ نے ایسے قبائل میں نکاح کر کے سینکڑوں غلاموں کی آزادی کا سامان پیدا فرمایا چنانچہ حضرت جویریہؓ کے ساتھ نکاح کرنے سے اس قبیلہ کے سینکڑوں غلام صحابہ کرامؓ نے اس لئے آزاد کیئے کہ اب یہ قبیلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سسرالی قبیلہ بن گیا ہے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کئی سو انسانوں کی قوت عطا فرمائی تھی اس کے پیش نظر تو آپ کو اس سے بھی زیادہ شادیوں کا حق تھا آپ پر اعتراض کرنا انسانی حق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ہم پھر عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے شادی کیوں نہیں کی؟ تم اس کا کیا جواب دو گے؟ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ تمہارے نبی نے تمہیں ازدواجی زندگی کے متعلق کونسی تعلیم دی ہے؟ جس پر تم عمل کر سکو گھریلو معاملات کے ہزاروں مسائل ہیں تمہارے پاس اس کا کیا حل موجود ہے تمہارے دین میں یہی کمی تھی جو محمد عربی کے دین اسلام نے پوری کر دی ہے۔ اگر ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نبی برحق ہونے کی وجہ سے اعتراض نہیں کرتے تو تم کو نبی برحق محمد عربی پر اعتراض کر کے شرم آنی چاہئے۔

عورت اپنی باری اپنی سوکن کو دے سکتی ہے

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبِرَتْ قَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ قَدْجَعَلْتُ يَوْمِي مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ (متفق عليه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہے کہ حضرت سودہؓ کی عمر جب زیادہ ہو گئی تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے اپنی باری کا دن جو آپؐ نے میرے لئے مقرر کیا تھا عائشہؓ کو دیدیا، چنانچہ اس کے بعد آپ حضرت عائشہؓ کے ہاں دو دن رہنے لگے، ایک دن تو ان کی باری میں اور ایک دن حضرت سودہؓ کی باری میں (بخاری ومسلم)

﴿۳﴾وعنها اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهُ اَزْوَاجُهُ يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا (رواه البخاری)

اورحضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری میں کہ جس میں آپ نے وفات پائی (روزانہ) یہ پوچھا کرتے تھے کہ کل میں کہاں رہوں گا کل میں کس بیوی کے گھر رہوں گا اور اس دریافت کرنے سے آپ کا منشاء یہ معلوم کرنا تھا کہ عائشہؓ کی باری کس دن ہے (کیونکہ آپؐ کو حضرت عائشہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے آپؐ ان کی باری کے شدت سے منتظر رہتے تھے) چنانچہ ازواج مطہرات (نے آپؐ کے اس قلبی اضطراب کو محسوس کیا تو سب نے) یہ اجازت دے دی کہ آپؐ جس کے ہاں چاہیں رہیں پھر آپؐ حضرت عائشہ ہی کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ انہی کے پاس آپ کی وفات ہوئی۔ (بخاری)

توضیح

فَاَذِنَ لَهُ اَزْوَاجُهُ: حضور اکرمؐ کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ محبت تھی اس لئے بیماری کے اضطراب میں آپ قلبی سکون کے حصول کے لئے حضرت عائشہؓ کی باری کا بار بار پوچھتے تھے آپ کا ارادہ یہی تھا کہ آپ کو حضرت عائشہ کے ہاں جانے کی سب ازواج مطہرات اجازت دیدیں چنانچہ سب نے اجازت دیدی اور آپ کا انتقال حضرت عائشہ کے ہاں ہوا مگر عجیب اتفاق ہے کہ جب حضرت عائشہ کی باری آئی تو آپؐ کا اس وقت عائشہ کی باری میں انتقال ہو گیا حضرت سودہ نے تو پہلے اپنی باری حضرت عائشہ کو دے رکھی تھی۔

خلاصہ یہ کہ ایک سوکن اپنی باری دوسری سوکن کو ھبہ کرسکتی ہے بشرطیکہ شوہر کی طرف سے کوئی جبر نہ ہو اور نہ شوہر کا کوئی غلط ارادہ یا کوئی لالچ ہو یہاں چند نکتے ہیں جو علامہ طیبی نے بیان کئے ہیں۔

(۱) اگر کوئی عورت اپنی باری اپنی سوکن کو ہبہ کردے تو شوہر پر اس کا قبول کرنا لازم نہیں بلکہ اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے۔

(۲) شوہر نے جب کسی معین بیوی کے متعلق باری کا ہبہ قبول کرلیا تو اب وہ ڈبل وقت اس بیوی کے پاس گذاریگا، جس بیوی کو دو باریاں مل گئی ہیں مگر اس عورت کو یہ اختیار نہیں کہ اس زائد باری کو مسترد کردے۔

(۳) اپنی باری ہبہ کرنے والی اپنے ہبہ سے جب بھی چاہے رجوع کرسکتی ہے یہ اس کی مرضی ہے۔

(۴) یہ بھی جائز ہے کہ عورت اپنی باری براہ راست شوہر کو ہبہ کردے پھر شوہر اپنی مرضی سے جس بیوی کے لئے متعین کرنا چاہے مقرر کرلے۔

(۵) اگر ایک بیوی نے اپنی باری ترک کردی لیکن کسی کے لئے متعین نہیں کی اب شوہر تمام بیویوں میں برابری ہی رکھے گا البتہ ہبہ کرنے والی کی باری ختم ہوگئی۔ (۶) باری کے ہبہ کرنے کے عوض کوئی پیسہ وغیرہ لینا جائز نہیں ہے۔

سفر میں ساتھ لیجانے کے لئے بیویوں میں قرعہ اندازی

﴿۴﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ (متفق علیه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا رادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے ان میں سے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسی کو آپؐ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

اَقْــرَعَ: سفر میں لیجانے کے لئے کئی بیویوں میں قرعہ اندازی کرنا اب بھی امام شافعیؒ کے نزدیک واجب ہے مگر امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سفر میں کسی بیوی کو لیجانے کے لئے قرعہ اندازی ضروری نہیں ہے بلکہ شوہر کو اختیار ہے جسے لے جانا چاہتا ہے بغیر قرعہ لے جاسکتا ہے۔ امام شافعیؒ نے اس مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے جو بالکل واضح ہے کہ آپؐ سفر میں لیجانے کے لئے قرعہ اندازی کرتے تھے۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں باری کا نظام اور ترتیب ختم ہوجاتی ہے تو جب سفر میں کسی عورت کا لیجانا واجب نہیں تو قرعہ اندازی کیونکر واجب ہوگی؟ ہاں حدیث میں جو قرعہ کا ذکر آیا ہے یہ تطییب خاطر کے لئے تھا جو استحباب پر محمول ہے۔

نئی دلہن کے لئے باری مقرر کرنے کا مسئلہ

﴿۵﴾ وعن اَبِي قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَاتَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ اَبُو قِلَابَةَ وَلَوْشِئْتُ لَقُلْتُ اِنَّ اَنَسًا رَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (متفق علیه)

اور حضرت ابوقلابہ (تابعیؒ) حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا یہ مسنون ہے کہ جب کوئی شخص ثیب کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو سات رات تک اس کے پاس رہے اور پھر (نئی اور پرانی بیویوں کے درمیان) باری مقرر کردے اور کسی ثیب (یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ عورت) سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک رہے اور پھر باری مقرر کردے، حضرت ابوقلابہؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو کہتا کہ حضرت انسؓ نے

یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا: اگر کسی کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو اتفاقاً سب کے نزدیک ان میں عدل وانصاف قائم رکھنا واجب ہے اسی طرح اگر شوہر نے نئی شادی کرلی تو اگر باکرہ سے شادی کی ہے تو سات دن تک پہلے اس کے پاس رہے اور ثیبہ کے پاس تین دن تک رہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ اختلاف اس میں ہے کہ جب یہ اعزازی اضافی دن ختم ہوجائیں گے تو پھر باقی بیویوں کو بھی اتنے ہی دن دینے ہونگے یا یہ صرف اس نئی دلہن کا اضافی اعزاز ہے۔

فقہاء کرام کا اختلاف

جمہور فرماتے ہیں کہ باری میں پہل کرنا بھی اس نئی دلھن کا حق ہے اور پھر یہ دن تقسیم سے مستثنیٰ رکھنا بھی اس نئی دلہن کا حق باکرہ کا اعزاز سات دن تک ہے اور ثیبہ کا تین دن تک ہے باری ان دنوں کے بعد شروع ہوگی، یہ موج کے دن ہیں سوچ کے دن نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف پہل کرنا اس نئی دلھن کا حق ہے تالیف وتانیس کی غرض سے یہ دن پہلے اس کو ملیں گے پھر یہ دن باری میں شمار ہوں گے جتنا انتظار اوروں نے کیا ہے اس کو بھی کرنا ہوگا یہ ہوش کا کام ہے جوش کا نہیں۔

دلائل:

جمہور نے مذکورہ حضرت انس کی روایت سے استدلال کیا ہے جمہور فرماتے ہیں کہ یہ واضح حدیث ہے اور یہی شریعت کا قانون اور ضابطہ ہے۔

ائمہ احناف نے اس کے ساتھ والی ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی روایت سے استدلال کیا ہے اس میں حضرت ام سلمہؓ کا واقعہ ہے جس میں تصریح موجود ہے کہ یہ دن تقسیم میں شمار ہونگے کیونکہ **"سبعت عندک وسبعت عندھن"** کے الفاظ واضح بتا رہے ہیں کہ یہ دن تقسیم سے باہر اضافی دن نہیں تھے بلکہ صرف پہل کرنے کا اعزاز تھا۔

جواب:

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہاں تفضیل واعزاز واکرام زیادت ایام کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بداءت وابتداء کرنے میں اعزاز دینا تھا، جس طرح بیسی (کمیٹی) ڈالنے والے کسی ایک رکن کو بطور رعایت بیسی کا نمبر پہلے دیتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس ترتیب سے باہر ہوگیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت انسؓ کی روایت مجمل ہے اسکی تفصیل حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں ہے لہٰذا اسکو اپنانا چاہیئے یا یہ کہ اگر بیویوں میں صلح کی صورت بن جائے اور سب کی مرضی کے ساتھ یہ اعزازی دن نئی دلھن کو مل جائیں تو وہ محل بحث نہیں۔

احناف نے قرآن عظیم کی ان آیات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں عدل وانصاف اور برابری پر زور دیا گیا ہے خواہ بیوی قدیمہ ہو یا جدیدہ دونوں کے مساوات میں کوئی فرق نہیں۔

﴿۶﴾وعن اَبِی بَکرِ بنِ عَبدِالرَّحمٰنِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ حِینَ تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَۃَ وَاَصبَحَت عِندَہُ قَالَ لَھَا لَیسَ بِکِ عَلٰی اَھلِکِ ھَوَانٌ اِن شِئتِ سَبَّعتُ عِندَکِ وَسَبَّعتُ عِندَھُنَّ وَاِن شِئتِ ثَلَّثتُ عِندَکِ وَدُرتُ قَالَت ثَلِّث ،وَفِی رِوَایَۃٍ اَنَّہٗ قَالَ لَھَا لِلبِکرِ سَبعٌ وَلِلثَّیِّبِ ثَلاثٌ

(رواہ مسلم)

اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ام سلمہؓ سے نکاح کیا تو دوسرے دن صبح کو ان سے فرمایا کہ تمہارے خاندان والوں کے لئے تمہاری طرف سے اس میں کوئی ذلت نہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات رہوں اور پھر دوسری تمام بیویوں کے پاس سات سات رات تک رہوں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین رات تک رہوں اور اس کے بعد دورہ کروں (یعنی دوسری تمام بیویوں کے پاس بھی تین رات تک رہوں) حضرت ام سلمہؓ نے (یہ سن کر) کہا آپؐ میرے پاس تین تین راتیں رہیئے۔ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ سے فرمایا کہ کنواری کے پاس سات رات تک رہنا چاہیئے اور ثیبہ کے پاس تین رات تک۔(مسلم)

توضیح

عَلٰی اَھلِکِ: . اھل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے یا ام سلمہؓ کا قبیلہ مراد ہے اور مفہوم واضح ہے ،یعنی ہمارے ہاں تمہاری کوئی ناقدری اور اعراض و بے رغبتی نہیں ہے لیکن شرعی مسئلہ یہ ہے کہ ثیبہ کا حق تین دن ہے اگر میں تمہارے پاس سات دن رہوں گا تو سات دن دوسری بیویوں کے پاس بھی رہوں گا تاکہ عدل وانصاف قائم رہے۔علماء کرام نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے ام سلمہ کو بطور اعزاز واکرام باکرہ کا درجہ دیدیا اور سات دن کی بات فرمائی یہ ابتدائی کلام آئندہ کلام کے لئے بطور تمہید ہے پھر آپ نے فرمایا کہ اگر میں تین دن تک تمہارے پاس رہوں تو پھر دوسری بیویوں کے پاس چلا جاؤں گا اب تم بتاؤ تم کونسی صورت پسند کروگی ،حضرت ام سلمہؓ نے تین دن کو اختیار فرمایا تاکہ شرعی قاعدہ کے مطابق

بھی ہو اور دن جب کم ہوں تو آنحضرت جلدی دوبارہ حضرت ام سلمہ کے پاس لوٹ کر آجائیں گے۔

ائمہ احناف نے اپنے مسلک کے لئے اس روایت سے استدلال کیا ہے اور تمام شارحین بھی اسی کو بیان کر رہے ہیں کہ ام سلمہ کی روایت احناف کی دلیل ہے لیکن یہ دلیل مکمل طور پر واضح نہیں ہے کہ خصم کو خاموش کر سکے کیونکہ ام سلمہ بیوہ ثیبہ تھیں اور ہمیں باکرہ وثیبہ کی دلیل چاہئے الا یہ کہ ام سلمہ کو دوشیزہ کا درجہ دیا جائے جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا۔

قلبی محبت قسم سے مستثنیٰ ہے

الفصل الثانی

﴿۷﴾عن عائشة اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَائِهٖ فَیَعْدِلُ وَیَقُولُ اَللّٰهُمَّ هٰذَاقَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَاتَلُمْنِی فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَااَمْلِکُ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے، اور پھر احتیاط وعدل کے باوجود) یہ دعا مانگا کرتے کہ اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اسمیں میں نے باری مقرر کردی ہے لہذا جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کیجئے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

بیویوں میں برابری نہ کرنے کی سزا

﴿۸﴾وعن اَبِی هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَاکَانَتْ عِنْدَالرَّجُلِ اِمْرَأَتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَهُمَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا، جس شخص کے نکاح میں (ایک سے زائد مثلاً) دو بیویاں ہوں اور وہ اُن دونوں کے درمیان عدل وبرابری نہ کرتا ہو، تو وہ قیامت کے دن (میدان حشر میں) اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا۔ (ترمذی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ودارمی)

ازواج مطہرات میں باری مقرر کرنے کی تفصیل

الفصل الثالث

﴿۹﴾عن عطاءٍ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَیْمُونَةَ بِسَرِف فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُزَعْزِعُوهَا وَلَا تُزَلْزِلُوهَا وَارْفُقُوا بِهَا فَإِنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ كَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ قَالَ عَطَاءٌ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْسِمُ لَهَا بَلَغَنَا أَنَّهَا صَفِيَّةُ وَكَانَتْ آخِرَهُنَّ مَوْتًا مَاتَتْ بِالْمَدِينَةِ (متفق عليه) وَقَالَ رَزِينٌ قَالَ غَيْرُ عَطَاءٍ هِيَ سَوْدَةُ وَهُوَ أَصَحُّ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِينَ أَرَادَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهُ أَمْسِكْنِي قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِي لِعَائِشَةَ لَعَلِّي أَنْ أَكُونَ مِنْ نِسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ.

حضرت عطاء ابن رباحؒ تابعی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے ہمراہ مقام سرف میں ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے جنازہ میں شریک ہوئے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (دیکھو) یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ ہیں جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو اس کو زیادہ حرکت اور جنبش نہ دینا بلکہ (تعظیم وتکریم کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر) نہایت آہستگی سے اٹھانا اس لئے کہ (یہ ان ازواج مطہرات میں سے ہیں جن کے لئے آنحضرتؐ نے باری مقرر کر رکھی تھی چنانچہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں آپؐ نے ان میں آٹھ کیلئے باری مقرر کر رکھی تھی اور ایک کے لئے کوئی باری نہیں تھی، حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ وہ زوجۂ مطہرہ جن کے لئے آنحضرتؐ کی طرف سے کوئی باری مقرر نہیں تھی ہمیں معلوم ہوا کہ حضرت صفیہؓ تھیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں حضرت صفیہؓ کا سب سے آخر میں مدینہ میں انتقال ہوا، (بخاری ومسلم) اور رزین کا بیان ہے کہ عطاؒ کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث سے منقول ہے کہ وہ زوجۂ مطہرہ جن کے لئے باری مقرر نہیں تھیں (حضرت صفیہؓ نہیں تھی بلکہ) حضرت سودہ تھیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت سودہؓ (کیلئے باری مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں) نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دیا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ میں اپنی باری کا دن عائشہؓ کو دیدیتی ہوں آپؐ مجھے اپنے نکاح میں رہنے دیجئے تا کہ جنت میں مجھے آپؐ کی بیویوں میں شامل رہنے کا شرف بھی حاصل رہے۔

توضیح

قال عطاء: حضرت میمونہؓ کا نکاح ۶ھ میں مقام سرف میں ہوا تھا وہیں پر شب زفاف اور وہیں پر دعوت ولیمہ اور وہیں پر انتقال اور وہیں پر دفن اور وہیں پر قبر اب تک موجود ہے۔ یہ جگہ تنعیم سے مدینہ کی طرف وادی فاطمہ کے پاس ہے برلب سڑک قبر نظر آتی ہے حضرت میمونہ حضرت ابن عباسؓ کی خالہ تھیں والدہ کا نام ہندہ تھا ان کا اپنا نام برّہ تھا حضور اکرمؐ نے میمونہ

رکھا۔

انها صفیه: جس زوجہ محترمہ کی باری مقرر نہ تھی وہ حضرت سودہ تھیں حضرت صفیہ نہیں تھیں یہاں کسی راوی سے غلطی ہوگئی ہے کہ صفیہ کا نام لیا ہے۔ یہاں دو متضاد روایتیں ہیں مگر راجح اور تحقیقی بات یہی ہے کہ وہ حضرت سودہ تھیں۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ عطاء کے قول میں کہ باری معاف کرنے والی حضرت صفیہ تھیں کسی راوی سے سہو ہو گیا یعنی حضرت عطاء نے تو سودہ کا نام لیا تھا مگر کسی راوی نے حضرت سودہ کے بجائے حضرت صفیہ کا ذکر کر دیا اور اسی کو نقل کر دیا۔

اس روایت میں دوسری غلطی یہ ہوئی ہے کہ اس میں کہا گیا ہے کہ صفیہ کا انتقال آخر میں ہوا حالانکہ ان کا انتقال ۵۰ ہجری کے قریب ہوا۔ یہاں حضرت میمونہ کا ذکر زیادہ بہتر تھا کیونکہ ان کا انتقال ۶۶ھ میں ہوا تھا باقی ازواج کا زیادہ تر اسی ۵۰ھ کے قرب وجوار میں انتقال ہوا ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی وفات ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں تھی وقیل ۵۸ھ میں ہوئی۔ حضرت سودہ کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی، حضرت صفیہ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی تھی وقیل فی ۴۱ھ حضرت ام سلمہ کا انتقال ۵۹ھ میں ہوا، حضرت ام حبیبہ کا انتقال ۴۴ھ میں ہوا وقیل فی ۴۳ھ، حضرت زینب بنت جحش کا انتقال ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں ہوا اور حضرت جویریہ کا انتقال ۵۰ھ میں ہوا۔ اب اگر یہاں میمونہ کا نام ہوتا تو اس لحاظ سے تو وہ بہتر تھا کہ ان کا انتقال سب سے آخر میں ہوا تھا لیکن پھر یہ اشکال اٹھے گا کہ مذکورہ روایت میں "ماتت بالمدینة" کے الفاظ آئے ہیں حالانکہ حضرت میمونہ کا انتقال مقام "سرف" میں ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس روایت میں اس قدر خلط ملط کیوں ہے شارحین عاجز اور حیران ہیں کہ کیا کریں۔

باب عشرة النساء ومالكل واحدة من الحقوق

گھریلو زندگی اور میاں بیوی کے حقوق کا بیان

قال اللّٰه تعالیٰ ﴿وعاشروهن بالمعروف﴾وقال تعالیٰ﴿ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف وللرجال علیهن درجه واللّٰه عزیز حکیم﴾

عشرة النساء: عاشر یعاشر معاشرة وعشرة میل جول رہن سہن اور مل جل کر زندگی گذارنے کو"عِشْرَۃ" کہتے ہیں اسی سے عشیرہ اور عشائر ہیں جو آدمی کے خاندان قبیلہ اور برادری پر مشتمل ہوتا ہے عشیر شوہر کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں میاں بیوی کے آپس کی زندگی گذارنے کے اصول وقواعد مراد ہیں

ومالکل واحدة: ہر عورت کی اپنی حیثیت وحالت اور کیفیت ہوتی ہے، کہ کوئی باکرہ ہے تو کوئی ثیبہ ہے کوئی مالدار ہے کوئی غریب اور کوئی متوسطہ ہوتی ہے کوئی خوش خلق ہوتی ہے کوئی بدخلق ہوتی ہے ان تمام اقسام کے پیش نظر" ومالکل واحدة" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ ہر قسم عورت کے حقوق کا بیان ہے ورنہ اس لفظ کے لانے کی ضرورت نہیں تھی مشکوٰۃ شریف کے متن کے تمام نسخوں میں" لکل واحد" کے الفاظ ہیں یہ الفاظ زیادہ بہتر ہیں کیونکہ یہ مردوں اور عورتوں دونوں قسم کے افراد کو شامل ہیں۔ لیکن تمام شراح نے واحدة کا لفظ نقل کیا ہے۔

اس باب میں وہ احادیث درج ہیں جن میں میاں بیوی کے گھریلو نظام، ہر ایک کے حقوق اور دونوں کو صبر وتحمل کی تلقین کے قواعد کا ذکر ہے اور دونوں کے درمیان خوش اخلاقی کی چند مثالی قصوں کا بیان ہے۔

عورتوں کی تخلیقی کمزوری کا خیال رکھو

الفصل الاول

﴿۱﴾عن اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهُ کَسَرْتَهُ وَاِنْ تَرَکْتَهُ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں جو ٹیڑھی ہے اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن اس پسلی میں ہے جو اوپر کی ہے لہٰذا اگر تم پسلی

کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر پسلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہیگی اس لئے عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

من ضلع: ضلع ضاد کے کسرہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ پسلی کو کہتے ہیں یہ مفرد ہے اسکی جمع اضلاع ہے، اور سب سے ٹیڑھی پسلی یہاں مراد ہے حضرت حوا علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی چھوٹی پسلی سے پیدا ہوئی تھی جو سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے لہٰذا عورت کی طبعیت اور اس کے مزاج میں ٹیڑھا پن ہے یہ اس کے تخلیقی مزاج کا حصہ ہے اس حدیث میں عورتوں کے عیوب اور نقائص بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ان کی خلقت اور استعداد اور طبعیت کو بیان کیا گیا ہے کہ جو اس کی نفسیات اور استعداد و حالات ہیں اسی کے مطابق ان پر بوجھ ڈالا جائے ان کی استعداد طبعی سے زیادہ بوجھ ان پر نہ ڈالا کرو ورنہ سدھار کے بجائے بگاڑ آجائیگا۔

خلاصہ یہ کہ عورتوں کے بدلتے سدلتے حالات اور تلوّن مزاجی اور ان کی نفسیات کو خوب سمجھ کر اس کے مطابق گذارہ کی حد تک ان کے ساتھ زندگی گذارو۔

فاستوصوا: اس جملہ کا ایک ترجمہ یہ ہے کہ عورتوں کے بارہ میں جو نصیحت اور وصیت میں کر رہا ہوں ان کے حق میں میری نصیحت اور وصیت کو خوب قبول کرلو، سین اور تاء مبالغہ کے لئے ہو سکتے ہیں۔ دوسرا ترجمہ و مفہوم اس طرح ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو عورتوں کے متعلق بھلائی اور نصیحت کی باتیں بتایا کرو، اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اور ان کے ٹیڑھے اخلاق پر صبر وتحمل اور برداشت کا درس دیا گیا ہے انکو طلاق دینے کو ناپسند کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ عورت کے مکمل سیدھا ہونے کی امید اور توقع نہ رکھو۔

یاد رہے کہ یہ صبر وتحمل خانہ داری امور اور میل جول کے اونچ نیچ میں ہے اگر عورت کھلی معصیت اور گناہ پر اتر آتی ہے تو مردوں پر لازم ہے کہ اس کو کھلا نہ چھوڑیں بلکہ پابند کریں اور گناہ کی آزادی کی اجازت نہ دیں اوپر کی پسلی سے وہ چھوٹی پسلی مراد ہے جو کمر کے پاس ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ وعن ابی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِیْمَ لَکَ عَلٰی طَرِیْقَۃٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِھَا اِسْتَمْتَعْتَ بِھَاوَبِھَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُھَا کَسَرْتَھَا وَکَسْرُھَا طَلَاقُھَا (رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت (کی اصل اور بنیاد یعنی اس کی ماں حوا)

چونکہ (حضرت آدمؑ کی) پسلی سے پیدا کی گئی ہے (اسلئے وہ تمہارے لئے کسی ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہو گے تو اس کے ٹیڑھے پن ہی کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اگر تم اس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو (اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ) تم اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے، (مسلم)

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرو

﴿۳﴾وعنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ (رواه مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی مسلمان مرد کسی مسلمان عورت سے بغض نہ رکھے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی خصلت و عادت ناپسندیدہ ہوگی تو کوئی دوسری خصلت و عادت پسند بھی ہوگی (مسلم)

توضیح

لایفرک:۔ یہ صیغہ نہی کا ہے لیکن نفی میں مستعمل ہے یعنی شوہر کو مناسب نہیں کہ بیوی سے نفرت کرے، فرک یفرک سمع یسمع سے بغض وحسد اور نفرت کو کہتے ہیں خاص کر میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کے لئے جو نفرت و کراہت ہوتی ہے اسکو ''الفرک'' کہتے ہیں، اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ کسی آدمی کی تمام حرکات وسکنات اور انکی تمام عادات و اخلاقیات سب کے سب برے نہیں ہوتے اگر کسی انسان کے برے افعال ہونگے تو اس کے اچھے اخلاق بھی ہو سکتے ہیں اگر ایک آدھ خصلت بری ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو بالکل مسترد کر دیا جائے بلکہ اس برے افعال و عادات کے علاوہ اس کے اچھے خصائل و عادات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے!!!

بالکل بے عیب یار کو ڈھونڈھنے والا بے یار ہی رہ جاتا ہے

خلاصہ یہ کہ بیوی کے اچھے خصائل اور اخلاق حمیدہ کو پیش نظر رکھو اور برے خصائل پر صبر و تحمل کرو۔

کجی ہر عورت کو ورثہ میں ملی ہے

﴿۴﴾وعنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا بَنُو اِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ اُنْثٰى زَوْجَهَا الدَّهْرَ (متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ

سڑا کرتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کیا کرتی۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

لولابنواسرائیل: یعنی بنو اسرائیل میدان ''تیہ'' میں سرکاری اور شاہی مہمان تھے ان کو صبح وشام ترنجبین اور تازہ گوشت ملتا تھا مگر گوشت کو ذخیرہ کرنے سے روک دیئے گئے تھے لیکن ان لوگوں نے حرص ولالچ اور عدم بھروسہ اور کج طبعی کی بنیاد پر گوشت کو دوسرے وقت کے لئے ذخیرہ کرنا شروع کردیا، اس وقت سے پہلے گوشت نہیں سڑتا تھا ان کا رکھا ہوا گوشت بطور سزا سڑنے لگا اور اب تک پوری انسانیت کو اسکی سزا بھگتنی پڑرہی ہے۔

لم تخن: یہاں خیانت سے وہ خیانت مراد نہیں جو امانت اور دیانت کی ضد ہے بلکہ خیانت سے یہاں وہی کجی اور اعوجاج مراد ہے جو عورتوں کی تخلیق میں شامل ہے۔

حضرت حوا نے حضرت آدم علیہ السلام کو گندم کھانے کی بار بار دعوت دی حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے حضرت حوا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ یا اس باغ کے درخت سے کھانا منع کردیا ہے ہم دوسرے علاقہ کے درخت سے کھالیں گے کیونکہ ﴿ولاتقربا هذه الشجرة﴾ مشارالیہ خاص درخت ہے چنانچہ حضرت حوا نے درخت کی ٹہنی کو نیچے کی طرف جھکانا چاہا جس سے ٹہنی ٹوٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا ٹہنی نے بددعا دی کہ اللہ تجھ سے ایسا ہی خون جاری کردے جیسا تم نے مجھ سے جاری کیا چنانچہ عورتوں کو ماہواری کی بیماری ملی۔

اس بددعا کے اثر سے ایک تو عورتوں کے ساتھ ماہواری کی بیماری لگ گئی اور دوسرا انکی طبعیت میں استقامت کے بجائے کجی اور ٹیڑھے پن کی بیماری سرشت میں پڑ گئی۔

بلاضرورت بیوی کو مارنے کی ممانعت

﴿۵﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَجْلِدُ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَتَهٗ جَلْدَالْعَبْدِثُمَّ يُجَامِعُهَافِي آخِرِ الْيَوْمِ ،وَفِي رِوَايَةٍ يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُاِمْرَاَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهٗ يُضَاجِعُهَا فِي آخِرِ يَوْمِهٖ ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِي ضِحْكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ فَقَالَ لِمَ يَضْحَكُ اَحَدُكُمْ مِمَّايَفْعَلُ (متفق عليه)

اور حضرت عبداللہ ابن زمعہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح (بددلی سے) نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصے میں اس سے جماع بھی کرے۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) تم میں سے ایک شخص ارادہ کرتا ہے اور اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے حالانکہ (یہ نہیں سوچتا کہ)

شاید وہ اسی دن کے آخری حصہ میں اس سے ہمبستر ہو، پھر آپؐ نے ریح خارج ہونے پر ہنسنے کے بارے میں صحابہ کو نصیحت فرمائی کہ کوئی شخص ایسے فعل پر کیوں ہنستا ہے جس کو وہ خود بھی کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

لایجلد:. یعنی ایک طرف اتنا پُر کیف معاملہ کہ ہمہ جہت یک قالب و یک جان ہوگئے اور دوسری طرف یہ وحشیانہ سلوک کہ ڈنڈا اٹھا کر غلام اور گدھے کی طرح مارنا شروع کر دیا۔

ثم یجامعها:. یہ ثم استبعادیہ اور استعجابیہ ہے کہ کسی بھی ذی ہوش عقلمند آدمی سے یہ بہت ہی بعید ہے اور سخت تعجب کا مقام ہے کہ وہ اس مارنے اور اس پٹائی کو ایک ساتھ اکٹھا کر رہا ہے مارتے وقت اس کو کچھ خیال تو کرنا چاہئے کہ دن کے آخری حصہ یعنی رات کے وقت یہ شخص اپنی بیوی کی طرف کس قدر محتاج ہو کر جھکتا ہے۔

اپنی بیوی کو شرعی حدود کے اندر نافرمانی پر مارنا جائز ہے مگر اس طرح نہیں کہ غلاموں کی طرح اسے مارا پیٹا جائے یہ انتہائی ناپسندیدہ انداز ہے۔

﴿**فاضربوهن**﴾ یہ تو قرآن میں ہے اور ''ضرباغیر مبرح'' حدیث میں ہے لیکن قرآن وحدیث نے وحشت اور بربریت کی قطعاً اجازت نہیں دی ہے حدیث سے معلوم ہوا کہ مارنا ادباً جائز ہے۔

ضحکھم:. یہاں یہ تعلیم دیدی گئی ہے کہ جو عیب ایک آدمی میں خود موجود ہے اس عیب کی وجہ سے دوسروں پر ہنسنے کا کیا مطلب ومقصد ہے اگر یہ ہنسنے کی چیز ہے تو خود اس کا ارتکاب کیوں کرتا ہے، یعنی ہر آدمی کو چاہئے کہ اگر وہ دوسروں کے عیوب دیکھنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ یہ عیب خود اس کے اندر موجود ہے یا نہیں تب دوسروں کے عیوب ٹٹولنا شروع کر دے۔

بہرحال اس حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی مجلسوں کے اندر لوگوں کے سامنے ریح (ہوا) خارج کرنا عیب سمجھا جاتا تھا اسی لئے تو صحابہ کرام ہنسنے لگے تھے لہٰذا محفلوں کو ان ناشائستہ حرکات سے محفوظ کرنا تہذیب ہے لیکن اگر مجبوری کی وجہ سے کسی سے اخراج ہو جائے تو ہنس ہنس کر اس کو ذلیل کرنا جائز نہیں ہے۔

بچیوں کی گڑیاں

﴿۶﴾وعن عائشة قالت كنت ألعب بالبنات عند النبي صلى الله عليه وسلم وكان لي صواحب يلعبن معي وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا دخل ينقمعن منه فيسربهن الي فيلعبن معي (متفق عليه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہے کہ (جب میں چھوٹی تھی اور میری شادی کا ابتدائی دور تھا تو) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے ہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری ہمجولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (گھر میں) تشریف لاتے تو میری ہمجولیاں (شرم کی وجہ سے) آپ سے چھپ جاتی تھیں لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

بنات: بنات کپڑوں سے بنی ہوئی گڑیاں ہوتی ہیں بچیاں اس سے کھیلتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے بناتی ہیں اس سے مسلمان بچیوں کو خانہ داری امور میں مدد ملتی ہے لڑکی کو امور خانہ سنبھالنے کھانا پکانے اور لین دین کا اچھا خاصا ابتدائی سلیقہ آجاتا ہے گویا کہ یہ بچیوں کی مہارت حاصل کرنے کا دستکاری کا سکول ہے اس لئے شریعت نے اسکی اجازت دی ہے اس پر آج کل کی پلاسٹک کی گڑیاں قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ ناجائز مجسمے ہیں جو ناجائز تصاویر کے زمرے میں آتی ہیں۔

اس حدیث سے آنحضرت کی عظیم الشان وسعت صدری کا پتہ چلتا ہے اور خوشگوار گھریلو ماحول کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے اور اس میں حسن معاشرت کی بڑی تعلیم موجود ہے۔

يَنْقَمِعْنَ: انقماع چھپنے اور غائب ہونے کے معنی میں ہے اصل میں انقماع غار میں چھپنے کے معنی میں ہے۔

فَيُسَرِّ بُهُنَّ: سرب تسریب بھیجنے کے معنی میں ہے خواہ تنہا ہو خواہ جماعتی صورت میں ہو یہاں دونوں معنی صحیح ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان بچیوں کو میری طرف بھیجتے تھے۔

مسجد نبوی میں جہاد کی مشق

﴿۷﴾وعنها قَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ لِأَنْظُرَ إِلٰى لَعِبِهِمْ بَيْنَ أُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ أَجْلِي حَتّٰى أَكُوْنَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ (متفق عليه)

اور حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے دیکھا (اور مجھے اچھی طرح یاد ہے) کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی برچھیوں کے کرتب دکھا رہے تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر سے میرے لئے پردہ کر رکھا تھا تاکہ میں بھی آپ کے کان اور مونڈھے کے درمیان سے ان حبشیوں کا کھیل کرتب دیکھتی رہوں یہاں تک کہ آپ اس وقت تک (پردہ کئے) کھڑے رہے جب تک کہ میں خود وہاں سے نہ ہٹ گئی اس سے تم اس عرصہ کا اندازہ کرلو جس میں ایک صغیر السن لڑکی جو کھیل تماشہ کی شائق ہو کھڑی رہ سکتی ہے (یعنی خیال کرو کہ

خوردسال لڑکیاں کھیل تماشہ دیکھنے کی کتنی شائق ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ دیر تک کھڑے رہنا بھی ان کے لئے ایک معمولی بات ہوتی ہے، چنانچہ میں بھی اس وقت جتنی دیر تک وہاں کھڑی رہی آپ بھی میری وجہ سے پردہ لئے کھڑے رہے)۔حاصل یہ کہ آپؐ بہت دیر تک وہاں کھڑے ہو کر مجھے ان حبشیوں کا کھیل کرتب دکھاتے رہے(بخاری ومسلم)

توضیح

وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِالْحِرَابِ:. الحراب برچھی کو کہتے ہیں یعنی حبش لوگ برچھیوں کے کرتب دکھارہے تھے یہ حربی مظاہرہ یا تو مسجد سے متصل رحبہ اور کھلی جگہ میں تھا مسجد اس لئے کہا گیا کہ یہ مسجد سے بالکل متصل جگہ تھی یا اس تاویل کی ضرورت نہیں یہ مسجد ہی تھی اور حبشیوں کا یہ کھیل کوئی دنیاوی کھیلوں میں سے نہیں تھا بلکہ یہ جہاد کی ٹریننگ اور تربیت کا ایک حصہ تھا اور عبادت تھی لہٰذا اس پر دوسرے فضول کھیلوں کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے، حضرت عائشہؓ اس وقت اتنی بڑی بالغہ عورت بھی نہیں تھیں دوسرا یہ کہ حضور کی موجودگی تمام آفات وبلیات اور فتن ظاہرہ وباطنہ سے حفاظت بھی تھی نزول وحی کا زمانہ تھا فرشتوں کی آمد ورفت تھی صحابہ کرام جیسے فرشتوں کی جماعت موجود تھی اس میں کسی بھی فتنہ کا خطرہ نہ تھا تو حضرت عائشہؓ نے دیکھا اس سے ان لوگوں کی بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عورت اجنبی مردوں کو بغیر شہوت کے نگاہ کرسکتی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ نزول حکم حجاب سے پہلے کا ہے۔اس پر دیگر بالغہ غیر محفوظہ عورتوں کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔نیز یہ ایک جہادی حربی مظاہرہ تھا تو جہاد کی وجہ سے یہ عبادت تھی اس کی طرف دیکھنے کی ممانعت نہیں ہے۔

﴿۸﴾ وعنها قَالَتْ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَااَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ (متفق عليه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے کہ جس وقت تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں اور جب تم (کسی دنیوی معاملہ میں) مجھ سے ناراض ہو (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے) تو مجھے وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، میں نے عرض کیا کہ آپؐ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا (اس طرح کہ) جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو اس طرح کہا کرتی ہو، یہ بات نہیں ہے محمدؐ کے پروردگار کی قسم، اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو اس طرح کہتی ہو کہ یہ بات نہیں ہے ابراہیم کے پروردگار کی قسم (یعنی جب تم مجھ سے خفا ہونے کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو میرا نام نہیں لیتیں بلکہ ابراہیمؑ کا پروردگار کہتی ہو) حضرت

عائشہ کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے لیکن میں صرف آپ کا نام ہی چھوڑتی ہوں (یعنی زبانی طور نام چھوڑتی ہوں ورنہ قلب میں آپ ہی ہوتے ہیں)۔ (بخاری ومسلم)

شوہر کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے

﴿۹﴾ وعن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَى الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهِ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ (متفق علیه) وَفِي رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَامِنْ رَجُلٍ يَدْعُو اِمْرَاَتَهُ اِلٰى فِرَاشِهِ فَتَاْبٰى عَلَيْهِ اِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مرد اپنی عورت کو ہم بستر ہونے کے لئے بلائے اور وہ عورت انکار کر دے اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاری ومسلم) اور بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اُس سے اُس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اُس کا شوہر اُس سے راضی نہ ہو۔

توضیح

اِذَا دَعَى الرَّجُلُ امْرَاَتَهُ: یعنی شرعی عذر نہیں اور بغیر عذر کے عورت ہمبستری سے انکار کرتی ہے تو اس عورت کے لئے وعید ہے ورنہ عذر کے وقت انکار پر وعید نہیں ہے۔ نیز رات کا ذکر اغلبی طور پر کیا گیا ہے ورنہ انکار خواہ دن میں ہو خواہ رات میں ہو سب کو یہ وعید شامل ہے۔

الذی فی السماء: یہ جملہ متشابہات میں سے ہے سلف صالحین کے ہاں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ رب جو آسمانوں میں ہے "مایلیق بشانہ" اور دوسرا ترجمہ جو سلف کے بعد متأخرین کے ہاں ہے وہ اس طرح ہے وہ رب جس کا حکم آسمانوں میں چلتا ہے اور آسمانوں پر اس کا قبضہ ہے عام نصوص کے واضح اشاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے۔

سوکن کو جلانے کے لئے جھوٹ بولنا حرام ہے

﴿۱۰﴾ وعن اَسْمَاءَ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِي ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ اِنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِي غَيْرَ الَّذِي يُعْطِيْنِي فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَالَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ (متفق علیه)

اور حضرت اسماء کہتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری ایک سوکن ہے اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند کی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اُس نے مجھے نہیں دی ہے تو کیا یہ گناہ ہے؟ (یعنی میرا خاوند مجھے جو کچھ دیتا ہے اگر میں اپنی سوکن کو جلانے کے لئے اُس کے سامنے اس چیز کو زیادہ کر کے بیان کروں کہ دیکھو مجھے تم سے زیادہ ملتا ہے تو کیا اس میں کوئی برائی ہے؟ آپؐ نے فرمایا (ہاں یہ بہت بری بات ہے کیونکہ) نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا دو جھوٹ موٹ کے کپڑے پہننے والے کی مانند ہے۔ بخاری ومسلم)

توضیح

لابس ثوبی زور:. یعنی اوپر سے نیچے تک جھوٹ ہے جھوٹا لباس یہ کہ عالم نہیں اور علماء کا خاص وضع اختیار کیا ہوا ہے صوفی زاہد نہیں اور وضع قطع اور لباس صوفیوں کا پہن رکھا ہے گویا اس شعر کا مصداق ہے ؎

گدائے مست مٹکا جارہا ہے
لباس سبز کندھوں پر پڑا ہے
لباس سبز درویشی تو پہنا
دل درویش لیکن بے خدا ہے

دو کپڑوں سے تہبند اور اوپر کی چادر مراد ہے اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے لوگوں کی امانت کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور لوگوں کو دکھا رہا ہے کہ یہ میرے کپڑے ہیں۔

ایلاء کا مطلب

﴿۱۱﴾وعن انس قال آلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من نسائہ شھرًا وکانت انفکّت رجلہ فاقام فی مشربۃ تسعًا وعشرین لیلۃ ثم نزل فقالوا یارسول اللّٰہ آلیت شھرًا فقال ان الشھر یکون تسعًا وعشرین (رواہ البخاری)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیویوں سے ایک مہینہ کا ایلاء کیا اور اسی زمانہ میں آپؐ کے پاؤں میں موچ آگئی تھی چنانچہ آپؐ انتیس راتوں تک بالا خانہ ہی پر رہے پھر جب آپؐ نیچے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپؐ نے تو ایک مہینہ کا ایلاء کیا تھا (اور مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے پھر آپ انتیس دن کے بعد کیوں اتر آئے؟) آپؐ نے فرمایا مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے (بخاری)

توضیح

آلٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: یہ لفظ ایلاء سے ہے اور ایلاء قسم کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے ۔

وَیَوْمًا عَلٰی ظَھْرِ الْکَثِیْبِ تَعَذَّرَتْ عَلَیَّ وَ اٰلَتْ حِلْفَةً لَمْ تَحَلَّلِ

یعنی ایک دن محبوبہ نے ریت کے ٹیلوں پر انکار کے وقت ایسی قسم کھائی کہ اس سے حلال ہونے کی کوئی صورت نہ تھی

ایلاء اس قسم کو کہتے ہیں کہ شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا اس پر عمل کرنے سے بیوی کو ایک طلاق بائن اس وقت پڑ جائے گی جبکہ چار ماہ کا عرصہ گذر جائے گا اور اگر قسم کو توڑ دیا اور پورا نہ کیا بلکہ چار ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی سے جماع کر دیا تو اب کفارہ قسم ادا کریگا اول غلام آزاد کریگا اگر غلام نہیں تو پھر دو ماہ کے روزے رکھے گا ورنہ پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا۔ تفصیل بعد میں آئے گی اس حدیث میں شرعی اور اصطلاحی ایلاء مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہاں صرف ایلاء لغوی مراد ہے کیونکہ یہاں ایک ماہ تک آنحضرتؐ نے انتظار فرمایا اور ایلاء شرعی میں چار ماہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔

انفکت: یعنی نبی کریمؐ کے قدم مبارک میں موچ آئی تھی آپ گھوڑے سے گر گئے تھے جس کی وجہ سے پیر میں موچ آئی تھی۔

حضور اکرمؐ کے ایلاء کا قصہ

﴿۱۲﴾ وعن جابرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِہٖ لَمْ یُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْھُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِیْ بَکْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ لَہٗ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَہٗ نِسَاءُہٗ وَاجِمًا سَاکِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَیْئًا اُضْحِکُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْرَئَیْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَاَلَتْنِیَ النَّفَقَةَ فَقُمْتُ اِلَیْھَا فَوَجَاْتُ عُنُقَھَا فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ھُنَّ حَوْلِیْ کَمَا تَرٰی یَسْاَلْنَنِی النَّفَقَةَ فَقَامَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی عَائِشَةَ یَجَأُ عُنُقَھَا وَقَامَ عُمَرُ اِلٰی حَفْصَةَ یَجَأُ عُنُقَھَا کِلَاھُمَا یَقُوْلُ تَسْاَلِیْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَالَیْسَ عِنْدَہٗ فَقُلْنَ وَاللّٰہِ لَانَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا اَبَدًا لَیْسَ عِنْدَہٗ ثُمَّ اِعْتَزَلَھُنَّ شَھْرًا اَوْتِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَةُ ﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِاَزْوَاجِکَ (حتی بلغ) لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ قَالَ فَبَدَاَ بِعَائِشَةَ فَقَالَ یَا عَائِشَةُ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَیْکِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَاتَعْجَلِیْ فِیْہِ حَتّٰی تَسْتَشِیْرِیْ اَبَوَیْکِ قَالَتْ

وَمَاهُوَيَارَسُولَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الْآيَةَ قَالَتْ اَفِيْكَ يَارَسُولَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَيَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ وَاَسْاَلُكَ اَنْ لَاتُخْبِرَ امْرَاَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِي قُلْتُ قَالَ لَاتَسْاَلُنِي امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَااِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلٰكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًامُيَسِّرًا (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (جس زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کی علیحدگی اختیار کئے ہوئے مکان میں گوشہ نشین تھے تو ایک دن) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر لوگ جمع ہیں اور کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہیں مل رہی ہے مگر حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ آپؐ کی خدمت میں چلے گئے پھر حضرت عمر فاروقؓ آئے اور انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی ان کو بھی اجازت مل گئی چنانچہ حضرت عمرؓ (جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں) نے آپؐ کو اس حالت میں پایا کہ آپؐ کے اردگرد آپؐ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آپؐ اس وقت غمگین اور خاموش تھے حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں) کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں، چنانچہ انہوں نے کہا یارسول اللہ! اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے روٹی پانی کا خرچ (معمول سے) زیادہ طلب کرے تو میں کھڑا ہو کر اس کی گردن پر مار لگاؤں (حضرت عمرؓ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ) آنحضرتؐ ہنس پڑے اور پھر فرمایا کہ یہ (میری) عورتیں جنہیں تم میرے اردگرد بیٹھی دیکھ رہے ہو مجھ سے (معمول سے) زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہوئے اور (اپنی صاحبزادی) حضرت عائشہؓ کی گردن پر مار لگانے لگے، اسی طرح حضرت عمرؓ بھی کھڑے ہوئے اور وہ بھی (اپنی صاحب زادی) حضرت حفصہؓ کی گردن پر مار لگانے لگے اور پھر ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ) نے کہا کہ کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپؐ کے پاس موجود نہیں، (یعنی یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت جانتی ہو اور اس کے باوجود آپؐ سے اتنے خرچ کا مطالبہ کرتی ہو جس کو آپؐ پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیا تمہارا یہ مطالبہ آنحضرت کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے مترادف نہیں؟) ان عورتوں نے کہا (بیشک ہم نے بے جا مطالبہ کیا تھا جس پر ہم نادم ہیں اور آئندہ کے لئے ہم عہد کرتی ہیں کہ) خدا کی قسم! اب ہم کبھی بھی آپؐ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپؐ کے پاس نہ ہو لیکن (آپؐ نے چونکہ علیحدگی کی قسم کھائی تھی اس لئے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے) آپؐ ایک مہینہ تک یا انتیس دن تک اپنی بیویوں سے علیحدہ رہے (اس جگہ حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا ہے کہ حضرت جابرؓ نے یہاں ایک مہینہ کہا تھا

یا انتیس دن کہا تھا) پھر یہ آیت ﴿قل لازواجک سے للمحصنت منکن اجرا عظیما﴾ تک نازل ہوئی ،حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) آپؐ نے سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے رابطہ قائم کیا (کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں وہی سب سے زیادہ عقلمند اور افضل تھیں) چنانچہ آپؐ نے ان سے فرمایا کہ عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم (اس کا جواب دینے میں) جلدی نہ کرو بلکہ اس کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فرمائیے وہ کیا بات ہے؟ آنحضرتؐ نے ان کے سامنے مذکورہ بالا آیت پڑھی، حضرت عائشہؓ نے (یہ آیت سن کر) کہا یارسول اللہ! کیا میں آپ کے معاملے میں اپنے والدین سے مشورہ کروں (یعنی مشورہ تو اس معاملہ میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی تردد ہو جبکہ اس معاملہ میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے) بلکہ میں نے اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرلیا ہے (یعنی میں اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مرضی وخواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہوں کہ اسی میں میرے لئے دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی کامیابی ہے) مگر میں آپ سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ اس وقت میں نے آپ سے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا ذکر اپنی کسی بیوی سے نہ کریں ،آنحضرتؐ نے فرمایا (یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ) اگر کوئی بیوی مجھ سے یہ پوچھے گی تو میں اس کے سامنے (ضرور) ذکر کروں گا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلئے نہیں بھیجا ہے کہ کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کو خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا کروں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلئے بھیجا ہے کہ میں مخلوق خدا کو دین کے احکام سکھاؤں اور آسانی (یعنی دینی دنیوی راحت) سے ہمکنار کروں۔(مسلم)

توضیح

واجماً ساکتاً: "وجم یجم وجما" غم کی وجہ سے خاموش رہنے کو وجم کہتے ہیں تو ساکتاً گویا اسکی تفسیر وتوضیح ہے، بعض نے کہا کہ "وجم" غم کو کہتے ہیں اور سکوت کا ذکر یہاں الگ کیفیت بیان کرنے کے لئے ہے۔

"**الیٰ ایلاء**" یہاں بھی ایلا لغوی مراد ہے یعنی ایک ماہ تک گھر میں نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔

بنت خارجه: حضرت عمرؓ نے اپنی زوجہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سألتنی النفقة: یعنی مجھ سے میری استطاعت سے زیادہ نفقہ طلب کرلے تو میں اس کی گردن دبوچ لوں گا۔

وجأت: وجاء کچلنے اور گردن مروڑنے کے لئے آتا ہے، یہاں مراد گردن پر مارنا ہے بعد میں بھی اس حدیث میں یہی لفظ اسی طرح مارنے کے معنی میں آیا ہے حضرت عمرؓ اپنی بیوی کے اصل نفقہ کا انکار نہیں کررہے ہیں بلکہ اگر وہ انکی حیثیت سے زیادہ نفقہ کا مطالبہ کرے پھر ایسا عمل ہوگا۔

ثم نزلت: یعنی آیت تخییر اتری آنحضرتؐ نے تخییر کی آیت سنائی سب ازواج نے اللہ اور اسکے رسول کو اختیار فرمایا۔
جمہور علماء کے نزدیک اپنی بیوی کو ''اختاری'' کہنے سے کوئی طلاق نہیں پڑتی ہاں اگر بیوی نے طلاق اختیار کی تو طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

لاتعجلی: یعنی اے عائشہ! میں ایک بات بتانا چاہتا ہوں تم جواب میں جلدی نہ کر بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دو۔ نبی کریمؐ کا خیال یہ تھا کہ عائشہ نوعمر ناتجربہ کار ہے کہیں طلاق کو اختیار نہ کرلے جس سے ان کے والدین کو بھی تکلیف ہوگی اور دیگر امہات المؤمنین بھی حضرت عائشہ کی طرح طلاق کو اختیار کر سکتی ہیں تو سب کو پریشانی ہوگی۔

ان لاتخبری امرأة: حضرت عائشہؓ نے چاہا کہ میرے جواب کا علم دیگر ازواج کو جب نہ ہو تو ممکن ہے ان میں کوئی طلاق اختیار کرلے اور اس کو طلاق پڑجائیگی۔ یہ ایک بشری جذبہ ہے جو بشر کے ساتھ لگا ہوا ہے خاص کر سوکنوں کی کمی کو کونسی عورت نہیں چاہیگی پھر آنحضرتؐ کی ملاقات میں جتنے واسطے کم ہوں اتنا ہی مستفید علم کو استفادہ کا زیادہ موقع ملے گا تو یہ غرض کوئی فاسد غرض نہیں۔

مشربه: پانی کی جگہ کو کہتے ہیں یہاں ایک کمرہ اور بالا خانہ مراد ہے جو مسجد نبوی کے پاس تھا۔

معنتا: تکلف کر کے تکلیف پہنچانے والا۔ یعنی نہ کسی کو مشقت میں ڈالا نہ کسی کی مشقت چاہنے والا ہوں۔

واقعہ:
خیبر کے فتح ہوجانے کے بعد دنیا کی فراوانی ہوگئی اور صحابہ کرام کے لیئے اموال بڑھ گئے بعض ازواج مطہرات نے حضور اکرمؐ سے خرچ بڑھانے کی درخواست کی تھی اس پر حضور اکرمؐ ناراض ہوئے اور ازواج کے پاس جانے سے ایک ماہ کے لئے قسم کھالی اور مسجد کے پاس بالا خانہ میں ایک ماہ گذار لی اور پھر آیت تخییر اتری، یہ واقعہ اور خرچ کی یہ بات ابتداء کی بات تھی بعد میں جب مکمل وسعت آگئی تو آنحضرتؐ اپنی ازواج کے لئے ایک سال کا خرچ پہلے ادا فرماتے تھے حضرت عائشہ کے علاوہ سب اپنا خرچ لیتی تھیں۔

﴿۱۳﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغَارُ عَلَى اللَّاتِى وَهَبْنَ اَنْفُسَهُنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَتَهَبُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿تُرْجِى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِى اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ قُلْتُ مَا اَرٰى رَبَّكَ اِلَّا يُسَارِعُ فِى هَوَاكَ (متفق عليه) وَحَدِيْثُ جَابِرٍ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِى النِّسَاءِ ذُكِرَ فِى قِصَّةِ حَجَّةِ الْوِدَاعِ.

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں ان عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی جو اپنے نفس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے ہبہ کر دیتی تھیں، چنانچہ میں کہا کرتی تھی کہ کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی (اے محمدؐ) ''ان عورتوں میں سے جس کو آپؐ چاہیں علیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن عورتوں کو آپؐ نے علیحدہ کر دیا ہے اگر ان میں سے بھی کسی کو آپ بلائیں تو کوئی گناہ نہیں'' تو میں نے (آنحضرتؐ سے) کہا کہ میں دیکھتی ہوں کہ آپ کا پروردگار آپؐ کی مرضی وخواہش کو جلد پورا کر دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

حسن معاشرت کا بہترین نمونہ

﴿۱۴﴾ عن عَائِشَةَ اَنَّهَا کَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي قَالَ هٰذِهِ بِتِلْکَ السَّبْقَةِ (رواه ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ جو ایک سفر میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں کہتی ہیں کہ (اس سفر میں ایک موقع پر) میں آنحضرتؐ کے ساتھ اپنے پیروں کے ذریعہ دوڑی (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں باہم مقابلہ کیا) اور میں آپؐ سے آگے نکل گئی پھر جب میں (عرصہ دراز کے بعد) فربہ ہوگئی تو پھر ہم دونوں کی دوڑ ہوئی اور اس مرتبہ آنحضرتؐ مجھ سے آگے نکل گئے، چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ اس مرتبہ میرا آگے نکل جانا پہلی مرتبہ تمہارے آگے نکل جانے کے بدلہ میں ہے (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں اس مرتبہ میں جیت گیا لہٰذا دونوں برابر رہے) (ابوداؤد)

توضیح

فَسَابَقْتُهُ: یہ سفر کا کوئی واقعہ ہے صحرائی میدانوں میں تنہا میاں بیوی دوڑ میں مقابلہ کریں تو یہ حجاب اور پردہ کے منافی بھی نہیں اور نہ اس میں آج کل بے حیا لڑکیوں کے دنگل وفساد سے کوئی مشابہت ہے۔

برجلی: کالفظ پیدل دوڑنے کی تعیین کے لئے ہے کہ یہ مقابلہ پیروں پر تھا سواری پر نہیں تھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن معاملہ اپنی نظیر آپ تھا علامہ قاضی خان نے لکھا ہے کہ چار چیزوں میں دوڑ کا مقابلہ جائز ہے۔

(۱) اونٹ میں (۲) گھوڑے خچر میں (۳) تیراندازی میں (۴) اور پیدل دوڑنے میں۔ لیکن باہمی شرط لگانا جانبین سے حرام ہے ہاں ایک طرف سے جائز ہے کہ کوئی کسی سے کہدے کہ آؤ مقابلہ کرتے ہیں اگر میں آگے نکل گیا تو مجھے پانچ سو روپے دوگے اور اگر تم آگے نکل گئے تو میں کچھ بھی نہیں دوں گا یہ جائز ہے اور اس صورت میں بھی جائز ہے کہ درمیان میں ''محلل'' موجود ہو یعنی زید وبکر نے دونوں طرف سے شرط رکھی لیکن ساتھ یہ کیا کہ ایک تیسرے شخص کو بیچ میں مقابلہ میں داخل

کرادیا اور کہا کہ اگر ہم میں سے کوئی آگے نکل گیا تو پیچھے رہ جانے والا اسکو پانچ سو روپے دیگا، لیکن اگر محلل آگے نکل گیا تو اس کو کچھ بھی نہیں ملیگا یہ صورت اس شرط والی دوڑ کو جائز بنادیتی ہے اسی طرح اگر کوئی انجمن یا کمپنی اعلان کرے کہ آگے نکلنے والے کو ہم اتنی رقم دیں گے یہ بھی جائز ہے یہ انعام کی صورت ہے۔"هذه بتلك السبقة" یعنی یہ کامیابی اس ناکامی کے بدلہ میں ہے "تلک بتلک"۔

مُردوں پر تبصرے نہ کرو

﴿۱۵﴾ وعنها قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَاخَيْرُكُمْ لِاَهْلِي وَاِذَامَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ (رواه الترمذی والدارمی) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجه عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰى قَوْلِهٖ لِاَهْلِي.

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی بچوں اقرباء اور خدمت گاروں) کے حق میں بہترین ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم میں بہترین ہوں (یعنی اپنے اہل وعیال کے ساتھ جتنا بہتر سلوک میں کرتا ہوں اپنے اہل وعیال کے ساتھ اتنا بہتر سلوک تم میں سے کوئی بھی نہیں کرتا) اور جب تمہارا صاحب مرجائے تو اس کو چھوڑ دو (ترمذی ودارمی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباسؓ سے لفظ لِاَهلی تک نقل کیا ہے۔

توضیح

وَاِذَامَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوهُ: یعنی تمہارا کوئی دوست مسلمان مرجائے تو اس کو چھوڑ دو اب اس کی غیبت نہ کرو اور عیب جوئی نہ کرو اور ان پر بے جا تبصرے نہ کرو یا مطلب یہ ہے کہ ان کے مرنے کے بعد ان پر رونا دھونا چھوڑ دو۔ یا صاحبکم سے مراد حضور اکرمؐ ہیں مطلب یہ کہ اب انتقال کے بعد حضور اکرمؐ پر ماتم اور غم وتحسر چھوڑ دو۔

تین دن تک سوگ منانا عام اموات پر جائز ہے تین دن سے زیادہ جائز نہیں ہے ہاں بیوی اپنے شوہر پر چار ماہ دس دن تک سوگ کر سکتی ہے۔

اطاعت گذار بیویوں کے فضائل

﴿۱۶﴾ وعن اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَائَتْ

(رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت نے (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز پڑھی، رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی (یعنی فحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھا) اور اپنے خاوند کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کی (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لئے یہ بشارت ہے کہ) وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے، اس روایت کو ابو نعیم نے حلیۃ الابرار میں نقل کیا ہے۔

﴿۱۷﴾ وعن اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ کُنْتُ آمُرُ اَحَدًا اَنْ یَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا (رواہ الترمذی)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ کسی (کسی غیر اللہ) کو سجدہ کرے تو میں یقیناً عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (ترمذی)

ایک اور فضیلت

﴿۱۸﴾ وعن اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ (رواہ الترمذی)

اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی وخوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ (ترمذی)

مشکل وقت میں بھی شوہر کی اطاعت کرو

﴿۱۹﴾ وعن طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَاْتِهِ وَاِنْ کَانَتْ عَلَی التَّنُّورِ (رواہ الترمذی)

اور حضرت طلق ابن علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کرنے کے لئے) بلائے تو بیوی کو شوہر کے پاس پہنچ جانا چاہئے اگر چہ وہ چولہے کے پاس ہو، (ترمذی)

توضیح

علی التنور:۔ یعنی اگر چہ وہ بیوی ایک نہایت مشکل کام میں مشغول بھی ہو اور کام چھوڑنے سے اس کے خراب ہونے

کا خطرہ بھی ہو جیسا کہ گرم تندور میں لگی ہوئی روٹی چھوڑنے سے روٹیاں جل جائیں گی۔ یہ اس صورت میں ہوگا جب آٹا شوہر کا ہو جب وہ اپنا مال ضائع کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرلے بیوی اطاعت کرے کیونکہ اگر بیوی انکار کرے اور شوہر کے سر میں مستی چڑھی ہوئی ہے تو شوہر بدکاری اور زنا میں جاکر پڑسکتا ہے یا گھریلو تعلقات خراب ہو سکتے ہیں جو بڑا نقصان ہے یا یہ کلام تعلیق بالمحال کے طور پر ہے کہ خواہ وہ کام چھوڑنا ممکن ہی نہ ہو اور محال ہو پھر بھی چھوڑ دے اور شوہر کی اطاعت کرے۔

شوہر کو تکلیف مت پہنچاؤ

﴿۲۰﴾وعن مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتُؤْذِي اِمْرَاَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا اِلَّاقَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِالْعِيْنِ لَاتُؤْذِيْهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ فَاِنَّمَاهُوَعِنْدَكِ دَخِيْلٌ يُوْشِكُ اَنْ يُفَارِقَكِ اِلَيْنَا (راه الترمذی و ابن ماجه) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

اور حضرت معاذؓ نبی کریم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ تجھ پر اللہ کی مار پڑے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچاؤ کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرا مہمان ہے جو جلدی تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) آئے گا۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

میاں بیوی کے حقوق

﴿۲۱﴾وعن حَكِيْمِ بْنِ مَعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاحَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَاتَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَاتُقَبِّحْ وَلَاتَهْجُرْ اِلَّافِي الْبَيْتِ (رواه احمد و ابوداؤد و ابن ماجه)

اور حضرت حکیم ابن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے آپؐ نے فرمایا یہ کہ جب تم کھاؤ تو اس کو بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی جس طرح تم کھاؤ پہنو اسی طرح اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ پہناؤ) اس کے منہ پر نہ مارو نہ اس کو برا کہو اور نہ یہ کہو کہ اللہ تیرا برا کرے اور اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

وَلَاتَضْرِبِ الْوَجْهَ: تمام اعضاء میں چہرہ زیادہ معظم و مکرم ہے اس لئے بطور خاص اس پر مارنے سے منع کیا گیا ہے قرآن

عظیم میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کے مارنے کی اجازت دی ہے حضور اکرمؐ نے "ضرباً غیر مبرح" فرما کر حد بندی فرمائی ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں شوہر سے (حدود شریعت میں رہتے ہوئے) بیوی کے مارنے کا سوال نہیں ہوگا۔

چار باتوں کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کو مار سکتا ہے (۱) شوہر کے لئے زیب وزینت اختیار نہ کرنے پر (۲) بغیر عذر جماع سے انکار کرنے پر (۳) فرائض اسلام کے چھوڑنے پر (۴) اجازت کے بغیر گھر سے باہر جانے پر یعنی بے پردگی کرنے پر مار سکتا ہے قرآن کریم کی یہ ترتیب ہے ﴿واللاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن﴾ اور حدیث میں ہے "ولا ترفع عنهم عصاک ادبا"۔

وَلَاتُقَبِّحْ: یعنی بیوی کو قبیح الفاظ سے یاد نہ کرو کہ تم گندی ہو، چڑیل ہو بدشکل ہو کیونکہ عورت کا اصل سرمایہ اس کا حسن اور اس کی تعریف ہے تو اس قسم مذمت پر وہ مرتی ہے۔

بدزبان بیوی کو طلاق دیدو

﴿۲۲﴾ وعن لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِي اِمْرَاَةً فِي لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبَلاءَ قَالَ طَلِّقْهَا قُلْتُ اِنَّ لِي مِنْهَا وَلَدًاوَلَهَا صُحْبَةً قَالَ فَمُرْهَا يَقُولُ عِظْهَا فَاِنْ يَكُ فِيهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَاتَضْرِبَنَّ ظَعِينَتَكَ ضَرْبَكَ اُمَيَّتَكَ (رواه ابو داؤد)

اور حضرت لقیط ابن صبرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک عورت ہے جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ زبان دراز ہے اور فحش بکتی ہے آپؐ نے فرمایا (اگر تم اس کی زبان درازی اور فحش گوئی کی ایذاء پر صبر نہیں کر سکتے تو بہتر یہ ہے کہ) تم اس کو طلاق دیدو (گویا آپؐ نے یہ حکم بطور اباحت دیا) میں نے عرض کیا کہ اس (کے بطن) سے میرے ہاں اولاد ہے اور اس کے ساتھ (پرانی رفاقت اور) صحبت ہے (اس لئے اس کو طلاق دینا میرے لئے مشکل ہے) آپؐ نے فرمایا تو پھر اس کو حکم کرو، (یعنی اس کو زبان درست کرنے اور اپنی عادات واطوار ٹھیک کرنے کی) نصیحت کرو اگر اس میں کچھ بھی بھلائی ہوگی تو وہ تمہاری نصیحت قبول کرلے گی اور اس کو لونڈی کی مار نہ مارو۔ (ابوداؤد)

توضیح

عِظْهَا: یہ لفظ مرھا کی تفسیر ہے ظعینہ اس شریف عورت کو کہتے ہیں جو ہودج اور کجاوہ میں عظمت کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو اگر کجاوہ میں نہیں تو ظعینہ نہیں ہے، پھر اس میں وسعت آگئی اور ہر شریف عورت کو اور خاص بیوی کو ظعینہ کہنے لگے یہ لفظ رفیقہ سفر اور رفیقہ حیات کی بہترین تعبیر ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ عرب انتہائی شریف عورت کو ظعینہ کہتے ہیں جیسے شاعر کہتا ہے۔

قفی قبل التفرق یاظعینا نخبرک الیقین وتخبرینا

اب دیکھئے کہ اس حدیث مبارک میں کتنی بلاغت ہے فرمایا کہ انتہائی شریف باعزت پردہ نشین عورت کو لونڈی کی طرح نہ مارا کرو۔

شرعی حد سے بڑھ کر عورتوں کو مارنے کی ممانعت

﴿۲۳﴾وعن اِیَاسِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاتَضْرِبُوا اِمَاءَ اللّٰهِ فَجَاءَ عُمَرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰی اَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِی ضَرْبِهِنَّ فَاَطَافَ بِآلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَیْسَ اُولٰٓئِکَ بِخِیَارِکُمْ.

(رواہ ابوداؤد وابن ماجه والدارمی)

اورحضرت ایاس ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی لونڈیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو نہ مارو، پھر (اس حکم کے کچھ دنوں بعد) حضرت عمرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اورعرض کیا کہ (آپؐ نے چونکہ عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے اس لئے) عورتیں اپنے خاوندوں پر دلیر ہوگئی ہیں ،آپؐ نے عورتوں کو مارنیکی اجازت عطافرمادی، اس کے بعد بہت سی عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پاس جمع ہوئیں اوراپنے خاوندوں کی شکایت کی (کہ وہ ان کو مارتے ہیں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کو جب یہ معلوم ہوا تو آپؐ) نے فرمایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کی شکایت لے کر آئی ہیں، یہ لوگ (جو اپنی بیویوں کو مارتے ہیں) تم میں سے بہتر لوگ نہیں ہیں۔ (ابوداؤد ،ابن ماجہ، دارمی)

توضیح

قرآن وحدیث سے مجموعی طور پر بیویوں کو مارنے کی اجازت کوئی پوشیدہ معاملہ نہیں ہے لیکن زیرنظر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو مارنا نہیں چاہیئے تو بظاہر آیت کا حدیث اور حدیث کا حدیث کے ساتھ تعارض معلوم ہوتا ہے؟

اس کا جواب اور تطبیق یہ ہے کہ قرآن کریم میں جب عورتوں کے مارنے کی اجازت آگئی تو آنحضرتؐ نے اس مارنے کی اجازت بھی دیدی اور حد بھی متعین فرمادی اور اس حد سے زیادہ مارنے کو منع فرمایا تو جہاں ممانعت آئی ہے وہ اس مارنے کی ہے جو شرعی حد سے زیادہ ہو۔ اور جہاں مارنے کا حکم ہے وہ شرعی حدود کے اندر اندر کا ہے۔

ذَئِـرْنَ: یعنی عورتیں جری ہوگئیں شیرنیوں کی طرح دھاڑنے لگیں یہ صیغہ مفرد کا ہونا چاہئے تھا کیونکہ فاعل اسم ظاہر ہے لیکن اس کے ساتھ "اکلونی البراغیث" اور ﴿واسروا النجوی الذین ظلموا﴾ کا معاملہ کیا گیا ہے۔

میاں بیوی میں تفریق ڈالنے والا ہم میں سے نہیں

﴿۲۴﴾ وعن اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَاَةً عَلٰى زَوْجِهَا اَوْعَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ (رواه ابوداؤد)

اورحضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہمارے تابعداروں میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے خاوند کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف ورغلا کر بدراہ کرے۔ (ابوداؤد)

توضیح

میاں بیوی میں تفریق ڈالنا یہ ہے کہ باتوں اور غیبتوں اور چغلیوں سے ان کے درمیان بگاڑ پیدا کرے یا جادو اور منتر جنتر تعویذات سے فساد ڈالے سب ممنوع ہے خواہ روحانی توڑ ہو یا مادی توڑ ہو ہم سے نہیں کا مطلب یہ کہ اب یہ شخص اس شعبہ میں اسلام کے طریقہ پر نہیں ہے، یا یہ مطلب بطور اسلوب حکیم حضورؐ نے فرمایا کہ ہم سے نہیں تو جو مسلمان اس بات کو سنے گا وہ رورو کر اس کام کو چھوڑ یگا۔

اپنے اہل وعیال پر شفقت کرنا کمال ایمان ہے

﴿۲۵﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ (رواه الترمذی)

اورحضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو خوش اخلاق ہو اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربان ہو۔ (ترمذی)

﴿۲۶﴾ وعن اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ (رواه الترمذی وقال هذاحديث حسن ورواه ابوداؤد الی قوله خلقا)

اورحضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمنین میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جو ان میں بہت زیادہ خوش اخلاق ہو (یعنی پوری مخلوق خدا کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے) اور تم میں بہتر وہ شخص ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے (کیونکہ عورتیں اپنے عجز وکمزوری کی بناء پر زیادہ مہربانی اور مروت کے

مستحق ہیں) امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے نیز امام ابوداؤد نے اس روایت کو لفظ خلقا تک نقل کیا ہے۔

حضور اکرمؐ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان دلچسپ گفتگو

﴿۲۷﴾ وعن عائشة قالت قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم من غزوة تبوك او حنين وفي سهوتها ستر فهبت ريح فكشفت ناحية الستر عن بنات لعائشة لعب فقال ماهذا يا عائشة قالت بناتي ورای بینهن فرسا له جناحان من رقاع فقال ماهذا الذي ارى وسطهن قالت فرس قال وماهذا الذي عليه قالت قلت جناحان قال فرس له جناحان؟ قالت اما سمعت ان لسليمان خيلا لها اجنحة؟ قالت فضحك حتى رايت نواجذه (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک یا غزوۂ حنین سے واپس گھر تشریف لائے تو (اس وقت) ان کے (یعنی عائشہؓ کے) گھر کے دریچہ پر پردہ پڑا ہوا تھا، جب ہوا چلی تو اس پردے کا ایک کونا کھل گیا جس سے عائشہؓ کی کھیلنے کی گڑیاں نظر آئیں (جو اس دریچہ میں رکھی ہوئی تھیں) آنحضرتؐ نے پوچھا کہ عائشہ یہ کیا ہے؟ عائشہؓ نے کہا کہ یہ میری گڑیاں ہیں، ان گڑیوں میں آنحضرتؐ نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے یا کاغذ کے دو پر تھے، چنانچہ آپؐ نے پھر پوچھا کہ ان گڑیوں کے درمیان جو چیز میں دیکھ رہا ہوں یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ گھوڑا ہے، آپؐ نے فرمایا یہ اس کے اوپر کیا چیز ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے کہا کہ (یہ گھوڑے کے) پر ہیں۔ آپؐ نے فرمایا (کیا) گھوڑے کے (بھی) پر (ہوتے ہیں) حضرت عائشہؓ نے کہا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے پاس جو گھوڑے تھے ان کے پر تھے، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (میرا جواب سن کر) ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپؐ کی کچلیاں دیکھیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

سھوۃ: چھوٹے سے کمرے کو کہتے ہیں جس میں الماری کی طرح ٹیڑھا پن ہو، بعض نے کہا کہ یہ گھر کے اندر چبوترہ نما جگہ کو کہتے ہیں، بعض نے کہا کہ یہ طاقچہ کو کہتے ہیں۔

الرقاع: رقعۃ کی جمع ہے کپڑوں یا کاغذ کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں اس وقت تو کپڑا ہی ہوگا کاغذ کہاں تھا۔

اما سمعت: یعنی کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کا گھوڑا تھا اس کے دو پر تھے حضرت عائشہؓ نے یہ بات معاشرہ میں ان مشہور قصوں سے سن کر بیان کی ہے جو کہانیاں عام طور بچوں کی مجلسوں میں چلتی رہتی ہیں اس لئے حضور اکرمؐ بہت ہنسے اس

ہنسنے سے ثابت ہوا کہ آپ کبھی کبھی تبسم کے علاوہ ضحک بھی فرماتے تھے جس سے کناروں کے دانت ظاہر ہو جاتے تھے۔

الفصل الثالث

غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں

﴿۲۸﴾عن قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُسْجَدَ لَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّى اَتَيْتُ الْحِيْرَةَ فَرَاَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يُسْجَدَ لَکَ فَقَالَ لِىْ اَرَاَيْتَ لَوْمَرَرْتَ بِقَبْرِى اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَاتَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ آمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ (رواه ابو داؤد) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ.

حضرت قیس ابن سعدؓ کہتے ہیں کہ میں (کوفہ کے قریب ایک شہر) حیرہ پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے، چنانچہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ گیا تو وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں لہٰذا آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپؐ کو سجدہ کیا جائے، آپؐ نے فرمایا مجھے بتاؤ اگر تم میری قبر پر جاؤ تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں آپؐ نے فرمایا (تو پھر میری زندگی میں بھی) ایسا نہ کرو اگر میں کسی کو یہ حکم کر سکتا کہ وہ (اللہ کے علاوہ) کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا (بہت زیادہ) حق مقرر کیا ہے (ابوداؤد) اس روایت کو احمدؒ نے بھی معاذ بن جبلؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

لِمَرْزُبَان :. میم کا فتحہ اور زا پر ضمہ ہے یہ فارسی لفظ ہے تو مندان کو بھی کہتے ہیں رئیس و امیر کمانڈر اور چودھری اور بڑے زمیندار کو بھی کہتے ہیں۔

بقبر :. یعنی روضۂ رسول کو سجدہ کرو گے؟ صحابی نے کہا نہیں کروں گا، اس لفظ میں کتنی بڑی تعلیم ہے اور قبر پرستوں کے منہ پر کتنا بڑا طمانچہ ہے۔ "لو کانوا یشعرون"

نافرمان بیوی کو مارنے پر مواخذہ نہیں ہوگا

﴿۲۹﴾وعن عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَايُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ اِمْرَاَتَهُ عَلَيْهِ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

اور حضرت عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اگر مرد اپنی عورت کو اس چیز پر مارے تو قابل مواخذہ نہیں ہوگا (ابوداؤد و ابن ماجہ)

توضیح

لَايُسْـأَلُ الـرَّجُـلُ: اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نافرمان بیوی کو حدود شریعت کی روشنی میں مارنے پر قیامت اور دنیا میں شوہر سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ یہاں لفظ ''علیہ'' کی ضمیر مجرور حرف ما کی طرف راجع ہے جو فیما ضرب میں یہاں مذکور ہے لیکن چونکہ ﴿واللاتی تخافون نشوزھن﴾ کی آیت اس مسئلہ کی بنیاد ہے لہٰذا لفظ ما ''نشوز'' کا قائم مقام ہے درحقیقت علیہ کی ضمیر نشوز کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوا کہ کوئی مرد اپنی بیوی کو نشوز (نافرمانی) پر مارے تو اس کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

﴿۳۰﴾وعن اَبِي سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَقَالَتْ زَوْجِي صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِي اِذَاصَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِي اِذَاصُمْتُ وَلَايُصَلِّي الْفَجْرَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَاَلَهُ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّاقَوْلُهَا يَضْرِبُنِي اِذَاصَلَّيْتُ فَاِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُوْرَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْكَانَتْ سُوْرَةً وَاحِدَةً لَكَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَاَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِي اِذَاصُمْتُ فَاِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَاَنَارَجُلٌ شَابٌّ فَلَااَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَصُوْمُ اِمْرَاَةٌ اِلَّابِاِذْنِ زَوْجِهَا وَاَمَّاقَوْلُهَا اِنِّي لَااُصَلِّي حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ قَدْعُرِفَ لَنَا ذٰكَ لَانَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَاِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَاصَفْوَانُ فَصَلِّ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان ابن معطل جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے اور خود فجر کی نماز اس وقت پڑھتا ہے جبکہ سورج (یا تو نکلنے

کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس وقت صفوان کی بیوی شکایت کر رہی تھی اس وقت) صفوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے! راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے صفوان سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارہ میں پوچھا تو صفوان نے کہا کہ یا رسول اللہ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز (کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں) میں دو (لمبی لمبی) سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (لمبی لمبی) سورتیں پڑھنے سے منع کیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کی تصدیق کیلئے فرمایا، (سورۂ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہوتا ہے، پھر صفوان نے کہا اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزہ رکھے چلی جاتی ہے (یعنی ہمیشہ نفلی روزے رکھتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں اور (چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو) میں صبر نہیں کر سکتا، آپؐ نے فرمایا کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت نماز پڑھتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میسر نہیں ہوتا) اور ہم لوگوں کی یہ عادت ہوگئی ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوتے ہیں تو) اس وقت جاگتے ہیں جب سورج (یا نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ آپؐ نے (یہ عذر سنکر) فرمایا کہ صفوان! جس وقت آنکھ کھلے نماز پڑھ لو (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

یَضْرِبُنِی اِذَاصَلَّیْتُ: ہر خاص و عام کو اس واقعہ سے عبرت لینا چاہئے کہ زبان کے (ظاہری الفاظ اور اس کے مصداق اور حقیقت میں کتنا فرق آجاتا ہے اگر کوئی شخص اجمال کو اجمال ہی میں رکھ کر بات کرے تو سننے والے پر کیسا اثر پڑیگا۔ لیکن جب اس اجمال کی وضاحت ہو جاتی ہے تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہوتا مگر آپس کے تنازعات کے لئے یہی کافی ہوتا ہے۔

آج کل الفاظ کی ظاہری ساخت سے لوگ کیا کیا تنازعات پیدا کرتے ہیں پھر آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں لیکن حقیقت کا پتہ چلتا ہے تو کچھ نہیں ہوتا بس یہ نقل کرنے والوں کی کرم فرمائی ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

وهم نقلوا عنی الذی لم افه به　　　و ما آفة الاخبار الا رواتها

یعنی انہوں نے مجھ سے وہ کچھ نقل کیا ہے جو میں نے نہیں کہا اور خبر دینے کی مصیبت خبر دینے والے راویوں کی وجہ سے ہے

اب یہاں حدیث میں دیکھیں تین شکایتیں ہیں اور کتنی بڑی شکایتیں ہیں کہ شوہر نماز پڑھنے پر مارتا ہے روزہ رکھتی ہوں تڑواتا ہے اور فجر کی نماز پڑھتا ہی نہیں۔ آنحضرتؐ نے جب اس کی تفصیل اسکے شوہر سے معلوم کی تو حقیقت کچھ اور تھی

تاہم آنحضرتؐ نے نماز پر مارنے والی شکایت میں حضرت صفوان کی بیوی کے حق میں فیصلہ فرمایا اور روزہ افطار کرانے کی شکایت میں شوہر کے حق میں فیصلہ سنادیا اور فجر کی نماز میں بھی حضرت صفوان کو معذور سمجھ کر ان کے حق میں فیصلہ دیا اور پھر نماز کی ترتیب بتادی۔

سخت حکم میں بھی شوہر کی اطاعت کرو

﴿۳۱﴾وعن عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَ لَهُ فَقَالَ اَصْحَابُهُ يَارَسُولَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ آمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِي لَهَا اَنْ تَفْعَلَهُ (رواه احمد)

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور آپؐ کے سامنے سجدہ ریز ہوا (یہ دیکھ کر) آپؐ کے صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (جب) چوپایہ (جانور) اور درخت آپ کو سجدہ کرتے ہیں (جو نا سمجھ ہیں اور آپ کی تعظیم واحترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں؟ آپؐ نے فرمایا اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دے سکتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زرد رنگ کے پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ وہ اپنے شوہر کا یہ حکم بجالائے۔ (احمد)

توضیح

فسجدله: یعنی اونٹ نے بطور خرق عادت آنحضرتؐ کے سامنے آکر سجدہ کیا چونکہ اونٹ غیر مکلف حیوان ہے اور بطور معجزہ ایسا ہوا ہے تو اس سے مکلف انسانوں کے لئے ایسا کوئی قاعدہ نہیں بن سکتا پھر اونٹ کا یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا آنحضرتؐ بمنزلہ قبلہ ہوگئے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کا صرف اونٹ کو حکم ہوا تھا تو کسی اور کے لئے گنجائش نہیں آنحضرتؐ نے منع فرمادیا تو جو لوگ آج کل قبروں کو سجدہ لگاتے ہیں وہ بڑے ہی نادان اور نافرماں ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت　　کررہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

اکرموا اخاکم :. آنحضرتؐ نے تعظیم واکرام کے بارہ میں فرمایا کہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اپنے بھائی یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکرام وتعظیم اور ادب کرو، دل میں مجھ سے محبت رکھو اور ظاہر و باطن میں میری اطاعت کرو۔

آپؐ نے تواضعاً ''اخاکم'' کا لفظ استعمال فرما کر اشارہ فرما دیا کہ میں بھی آدم علیہ السلام کی اولاد کی طرح بشر ہوں لیکن میرے رب نے مجھے نبوت سے نوازا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے اکرام کی روشنی میں میرا اکرام کرو۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں ''**یعنی اکرموا من هو بشر مثلکم ومفرع من صلب ابیکم آدم، واکرموه لما اکرمه اللّٰه تعالی**'' اس حدیث کی تشریح کے لئے ایک بدعتی نے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ سے درخواست کی، حضرت شاہ صاحب نے عمدہ تشریح لکھ کر بھیج دی بدعتی کی نیت اچھی نہیں تھی اس نے شاہ صاحب کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا کہ شاہ صاحب نے حضور اکرم کو بڑا بھائی کہہ دیا ہے آج تک سلسلہ مطاعن جاری ہے اللہ تعالیٰ ایسے فتنہ پرور لوگوں سے حفاظت فرمائے۔

ان تنقل حجرا :. **ای تنقل حجرا:** یعنی اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ وہ ایک بھاری پتھر اٹھا کر زرد رنگ کے پہاڑ سے سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے لیکر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس بیوی کو چاہئے کہ وہ یہ کام کرے اگر چہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ موقع ہے کہ ایسے فضول شوہر کو ڈانٹ پلائی جائے جو ایک بے مقصد کام کے لئے ایک انسان کو یہ اذیت دیتا ہے لیکن شریعت اور پیغمبر اسلام کا حکم ہے کہ بیوی اس جیسے حکم کو بھی مانے وہ کام کو نہ دیکھے بلکہ شوہر کے حکم اور اطاعت کو دیکھے اس پر اسکو ثواب ملے گا۔

بہرحال یہ نقل وحمل ایک شاق اور مشکل معاملہ سے کنایہ ہے، شاعر اسی مشکل امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے ؎

لنقل الصخر من قلل الجبال　　　احب الی من منن الرجال

پہاڑیوں کی چوٹیوں سے پتھر اٹھا کر منتقل کرنا لوگوں کے احسانات اٹھانے سے مجھے زیادہ پسند ہے

من جبل :. پہاڑوں کے ان خاص رنگوں کا ذکر مبالغہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کیونکہ اس قسم کے مختلف رنگوں والے پہاڑ ایک دوسرے سے بہت دور ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے قریب تقریباً نہیں پائے جاتے ہیں۔

نافرمان بیوی کی عبادت قبول نہیں ہوتی

﴿۳۲﴾وعن جابرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلاثَةٌ لاتُقبَلُ لَهُم صَلاةٌ وَلاتَصعَدُ لَهُم حَسَنَةٌ اَلعَبدُ الآبِقُ حَتّٰى يَرجِعَ اِلٰى مَوالِيهِ فَيَضَعُ يَدَهُ فِي اَيدِهِم وَالمَرأةُ السَّاخِطُ عَلَيهَا زَوجُهَا وَالسَّكرَانُ حَتّٰى يَصحُوَ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے تین شخص ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول

نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے ایک تو بھاگا ہوا غلام جب تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آ کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ نہ رکھدے (یعنی جب تک کہ واپس آ کر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے نہ کر دے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا خاوند اس سے ناراض ہو اور تیسرا نشہ باز جب تک کہ ہوش میں نہ آئے (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

توضیح

الی موالیہ: موالی مولی کی جمع ہے آقا کو کہتے ہیں یہاں جمع لاکر اشارہ کیا گیا کہ اس غلام کو چاہئے کہ صرف آقا نہیں بلکہ ان کے اولاد کے ہاتھ میں بھی ہاتھ دے کر توبہ کرلے تاکہ اس کی عبادت خراب نہ ہو اور وفاداری کا خوب اظہار ہو جائے۔

لاتقبل: میں نفی کمال کی ہے یعنی عبادت پوری طرح اور کامل طور پر قبول نہیں ہوتی ہے۔

لاتصعد: سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ نیک اعمال اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور عرش بریں کا نظام اوپر ہے، یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ جن احادیث میں شوہر کو اعزاز دیا گیا ہے اس سے مراد وہ شوہر ہے جو اپنے خالق و مالک کا مطیع و فرمانبردار اور مؤمن پرہیزگار ہو فاسق فاجر شوہر کا یہ مقام نہیں ہے۔

بہترین بیوی کی پہچان

﴿۳۳﴾ وعن ابی ھریرۃ قال قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای النساء خیر قال التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امر ولاتخالفہ فی نفسھا ولامالھا بمایکرہ (رواہ النسائی والبیہقی فی شعب الایمان)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کونسی بیوی بہتر ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے، اور جب شوہر اس کو کوئی حکم دے تو اس کو بجالائے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو، (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

توضیح

ولامالھا: یہاں یہ سوال ہے کہ مال کی نسبت عورت کی طرف کس طرح کی گئی ہے؟ تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ ممکن ہے یہ مال ذاتی طور پر اس عورت کا ہو اور اس کا شوہر غریب ہو تو یہ نسبت حقیقی ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ مال تو شوہر کا ہو لیکن بیوی

کے تصرف میں ہو تو یہ عورت اتنی دیانت دار ہے کہ شوہر کے مال کی اپنے مال کی طرح حفاظت کرتی ہے اور شوہر کا مال شوہر کی مرضی کے خلاف بھی خرچ نہیں کرتی اور نہ خود اس میں خیانت کرتی ہے۔

امانت دار بیوی کی فضیلت

﴿۳۴﴾وعن بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِیَھُنَّ فَقَدْ اُعْطِیَ خَیْرَ الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ قَلْبٌ شَاکِرٌ وَلِسَانٌ ذَاکِرٌ وَبَدَنٌ عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَۃٌ لَاتَبْغِیْہِ خَوْنًا فِی نَفْسِھَا وَلَامَالِہٖ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے۔ اول (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا) شکر ادا کرنے والا، دوم! (خوشی اور رنج ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والی زبان، سوم! بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چہارم وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)

۱۴ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب الخلع و الطلاق

خلع اور طلاق کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان ولا یحل لکم ان تأخذوا مما اٰتیتموھن شیئا الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللّٰہ فان خفتم ان لا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ تلک حدود اللّٰہ فلا تعتدوھا﴾ (بقرہ:۲۲۹)

باب فتح یفتح سے خلع جب خاء کے فتحہ کے ساتھ آجائے تو یہ لغت میں کسی چیز کے نکالنے، کھولنے زائل کرنے اور کھینچنے میں استعمال کیا جاتا ہے خاص طور پر بدن سے کپڑے اور جوتا اتارنے کیلئے بولا جاتا ہے اور جب خاء کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہو تو یہ ازالۂ زوجیت کیلئے استعمال ہوتا ہے اور یہی خُلع ہے۔ اس کی شرعی تعریف اس طرح ہے (الخلع فراق الرجل امرأته علیٰ عوض) یعنی (ملکیت نکاح کو مال کے عوض خلع کے لفظ سے زائل کرنے کا نام خلع ہے) علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لغوی اور شرعی معنی میں یہ مناسبت ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے بمنزلۂ لباس ہیں ﴿ھن لباس لکم وانتم لباس لھن﴾ اور جب میاں بیوی نے خلع کا عمل کیا تو گویا دونوں نے اپنے اپنے بدن سے کپڑے اتار لئے (والطلاق) یہ خلع پر عطف ہے اگر خلع فسخ نکاح کا نام ہے اور طلاق کا نام نہیں ہے تو اس پر (طلاق) کا عطف کرنا واضح اور ظاہر ہے کہ دونوں لفظ مفہوم کے اعتبار سے الگ الگ ہیں اور عطف درست ہے اور اگر خلع بھی ایک طلاق ہے جیسا کہ بعد میں اختلاف آرہا ہے تو پھر لفظ (الطلاق) عطف عام علی الخاص ہوگا کہ طلاق عام ہے خلع خاص ہے۔

اسلام سہولت اور رحمت کا دین اور شفقت کا قانون ہے کبھی بیوی اچھی نہیں ہوتی جس کی وجہ سے شوہر کی زندگی تکلیف سہنے کا مجموعہ بن جاتی ہے تو اسلام نے شوہر کو بہتر طریقہ سے طلاق دینے کا اختیار دیا ہے کبھی شوہر اچھا نہیں ہوتا اور عورت اس کے مظالم کی چکی میں پستی رہتی ہے تو اسلام نے اس عورت کو جان چھڑانے کیلئے رضا کارانہ طور پر خلع کرانے یعنی کچھ مقدار مال کے عوض طلاق خریدنے کا حق دیا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ طلاق میں شوہر آزاد ہے بیوی کی مرضی پر طلاق موقوف نہیں ہے لیکن خلع میں شوہر کی مرضی کو باقی رکھا گیا ہے تاکہ گھریلو قیادت اور رجال کی سیادت مفلوج ہوکر نہ رہ جائے ان سہولتوں کے باوجود اسلام نے ایذارسانی اور فساد کی بنیاد پر طلاق دینے یا خلع لینے کی شدید مذمت کی ہے تاکہ مجبوری کی ایک سہولت سے کوئی شخص ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

خلع کا طریقہ

اگر میاں بیوی کے درمیان اختلاف اٹھا ہے اور شوہر بیوی کو طلاق نہیں دیتا اور عورت اپنی جان چھڑانے کیلئے شوہر سے کہتی ہے کہ تم اتنا روپیہ لے لو اور میری جان چھوڑ دو یا مہر کا پیسہ اپنے پاس روک لو اور میری جان چھوڑ دو شوہر جواب میں کہتا ہے کہ ہاں اس رقم کے عوض میں تیری جان چھوڑتا ہوں یہ فدیہ افتدا اور خلع ہے اس میں شرط یہ ہے کہ طلاق کا لفظ استعمال نہ ہو اگر طلاق کا لفظ استعمال ہوگیا تو طلاق بالمال کہلائے گی۔

ناپسند شوہر سے طلاق حاصل کی جاسکتی ہے

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اِمْرَاَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَاأَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَادِيْنٍ وَلٰكِنِّى اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً (رواه البخاری)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ثابت ابن قیسؓ کی بیوی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ثابت ابن قیس پر مجھے غصہ نہیں آتا اور نہ میں ان کی عادات اور ان کے دین میں کوئی عیب لگاتی ہوں لیکن اسلام میں کفر (یعنی کفران نعمت یا گناہ) کو پسند نہیں کرسکتی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ثابت ابن قیسؓ کا باغ (جوانہوں نے تمہیں مہر میں دیا ہے) ان کو واپس کردوگی؟ ثابتؓ کی بیوی نے کہا کہ ہاں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) ثابتؓ سے فرمایا کہ تم اپنا باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری)

فقہاء کا اختلاف

امام احمد بن حنبل اور امام شافعیؒ کے مشہور قول کے مطابق خلع کرنے سے نکاح فسخ ہوجائیگا اور میاں بیوی دونوں کی جدائی ہوجائیگی۔ امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خلع کے عمل سے عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوجائیگی۔ خلاصہ یہ کہ امام احمد وشافعیؒ کے نزدیک خلع فسخ نکاح ہے اور امام مالکؒ وابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن ہے۔

دلائل:

فریق اول کی دلیل ﴿الطلاق مرتان .... الیٰ .... فان طلقها الخ﴾ آیت ہے طرز استدلال اس طرح ہے

کہ آیت میں پہلے دو طلاق کا ذکر ہے اور پھر ﴿فان طلقها﴾ سے تیسری اور آخری طلاق کو بیان کیا گیا ہے اب اگر بیچ میں ﴿فیما افتدت به﴾ کی فدیہ والی خلع کی صورت کو بھی طلاق واحد شمار کیا جائے تو اسلام میں تین کے بجائے طلاق چار ہو جائے گی اور یہ باطل ہے لہٰذا خلع کو طلاق میں شمار کرنا بھی باطل ہے۔ان حضرات کی دوسری دلیل حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا قصہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عدت کو صرف ایک حیض قرار دیا(فجعل عدتها حيضة) ابوداؤد شریف کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خلع کے بعد آنحضرتؐ نے حضرت ثابت کی بیوی کی عدت ایک حیض قرار دیا اور طلاق میں ایک حیض نہیں بلکہ تین حیض عدت کے لئے ضروری ہیں معلوم ہوا خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو بخاری میں بھی مذکور ہے اور مشکوٰۃ شریف کے صفحہ حاضرہ پر ہے کہ حضور اکرمؐ نے ان کے شوہر سے فرمایا کہ یہ باغ جو تیری بیوی نے دیا ہے اسے قبول کرلو اور بیوی کو ایک طلاق دیدو یہ حضرات فرماتے ہیں اگر یہ خلع فسخ نکاح ہوتا تو طلاق دینے کی ضرورت کیا تھی؟ان حضرات نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے(ان النبی صلی الله علیه وسلم جعل الخلع تطليقة واحدة رواه سعيد بن المسيب مرسلا كذا في مصنف ابن ابی شيبه.

جواب:

فریق اول کے آیت سے استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہاں خلع الگ طلاق نہیں ہے بلکہ قرآن نے ﴿الطلاق مرتان﴾ کی دو صورتیں بیان کی ہیں ایک طلاق بلاعوض ہے جس کا ذکر ﴿الطلاق مرتان﴾ میں ہے اور ایک طلاق بالعوض ہے جس کو خلع کہتے ہیں یہ الگ طلاق کا ذکر نہیں بلکہ ﴿الطلاق مرتان﴾ کے ضمن میں ایک قسم طلاق کا ذکر ہے یہ دو طلاقیں ہوئیں اور ﴿فان طلقها﴾ میں تیسری طلاق کو بیان کیا گیا ہے۔

جہاں حدیث میں (حیضۃ) کا لفظ آیا ہے تو یہ جنس کیلئے ہے جو قلیل وکثیر پر بولی جاتی ہے لہٰذا اس سے تین حیض کی نفی نہیں ہوتی۔

حضرت شاہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک حیض کا جو ذکر حدیث میں آیا ہے یہ وہ حیض ہے جس کے گذارنے کیلئے عورت سے کہا گیا ہے کہ وہ شوہر کے گھر میں کم از کم اس کو گذارے اس کے علاوہ دو حیض گذارنے کیلئے اپنے گھر جائے۔

اکره الكفر في الاسلام: یعنی مجھے ان سے قلبی محبت نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ طبعی طور پر مجھے ناپسند نہیں کسی شرعی وجوہ سے برا نہیں نہ ان میں شرعی عیوب ہیں لیکن مجھے پسند نہیں اور چونکہ وہ میرے شوہر ہیں جن سے نفرت وکراہت حرام ہے لہٰذا اسلام میں رہتے ہوئے یہ بے اسلامی کی باتیں اور یہ ناشکری مجھے گوارا نہیں کہیں میرا ایمان خراب نہ ہو جائے تو کفر سے کفران نعمت مراد لیا جاسکتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کا قد پست تھا اور صورت بھی سفید گوری نہ تھی اور ان کی بیوی جن کا نام جمیلہ یا حبیبہ تھا خوبصورت تھی اس لئے دونوں کا جوڑنا موزون اور بے جوڑ تھا۔

طلاق کی تعریف اور اقسام

﴿۲﴾ وعن عَبدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ اَنَّهُ طَلَّقَ امرَاَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَا لَهُ اَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ ،وَفِي رِوَايَةٍ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْحَامِلًا (متفق علیه)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ (اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبداللہ کو چاہئے کہ وہ اس سے رجوع کرلے (یعنی مثلاً یوں کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہوجائے۔اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہوجائے اور طلاق دینا ضروری ہو تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے، پس یہی وہ عدت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے اور پھر اس کو پاکی کی حالت میں (بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو اور حیض آتا ہو) یا حمل کی حالت میں طلاق دے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

طلق امرأة له: طلاق بمعنی تطلیق ہے جیسے سلام تسلیم کے معنی میں ہے۔لغت میں طلاق کا معنی یہ ہے "حَلُّ قَيْدٍ حِسِّيٍّ اَوْمَعْنَوِيٍّ" یعنی ظاہری یا معنوی بندھن کے کھولنے کا نام طلاق ہے،قید ظاہری کی مثال جیسے کسی کے پاؤں میں زنجیریں ڈالدی ہیں اور قید معنوی کی مثال جیسے نکاح کی وجہ سے عورت پر غیر مرئی وغیرہ حسی قید لگ جاتی ہے۔

فقہاء کرام کی اصطلاح میں طلاق کی تعریف اس طرح ہے "الطلاق ازالة النكاح اونقص حِلّهٖ" یعنی نکاح کی قید کو بالکل زائل کرنا یا اس کی حلت کو کم کرنا۔

جب کوئی شخص بیوی کو مغلظ طلاق دیتا ہے تو یہ بالکلیہ نکاح کی قید کو زائل کرتا ہے اب وطی حرام ہے اور اگر طلاق رجعی دیتا ہے تو نکاح کی حلت کی صورت میں نقصان کرتا ہے اب وطی اگرچہ جائز ہے لیکن رجوع کرنے کی صورت میں آئندہ تین طلاق کے بجائے دو طلاق کا مالک ہوگا یہی حلت میں کمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت میں طلاق قید اٹھانے کو کہا جاتا ہے اور اصطلاح میں قید نکاح کو مخصوص الفاظ کے ذریعہ سے زائل کرنے کا نام طلاق ہے۔

طلاق کی اقسام

طلاق کی تین قسمیں ہیں۔اول احسن، دوم حسن، سوم بدعی۔

طلاق احسن:

یہ ہے کہ ایک عدد طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں جماع نہ کیا ہو پھر تین ماہ عدت گذر جانے تک رجوع اور جماع سے اجتناب کرے، عدت گذرنے پر عورت بائنہ ہو جائے گی۔ یہ احسن اس لئے ہے کہ شوہر کو ہر وقت رجوع کا اختیار رہے گا سوچنے کا طویل موقع ملے گا اور طلاق کے مکروہ الفاظ بھی کم سے کم استعمال ہو جاتے ہیں۔

طلاق حسن:

اسکو کہتے ہیں کہ طہر میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دیدی دوسرے طہر میں دوسری طلاق دیدی اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدی، اس طرح عورت پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ صورت حسن نہیں کیونکہ جب ایک طلاق دینے سے بیوی الگ ہوسکتی ہے تو اس ابغض المباحات کو تین بار تک استعمال کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جمہور فرماتے ہیں کہ شرعی نصوص کی موجودگی میں آپ کا قیاس نہیں چل سکتا ہے۔

طلاق بدعی

تیسری طلاق بدعی ہے وہ یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طلاق ایک مجلس میں دیدی یا الگ الگ اوقات میں دی یا حالت حیض میں بیوی کو طلاق دیدی، یہ طلاق بدعی ہے اس طرح بدعی طلاق دینے سے آدمی گناہ گار ہو جائیگا مگر طلاق پڑ جائے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ طلاق بدعی وہ ہے جو حالت حیض میں دیدیا جائے اگر طہر میں دی گئی تو وہ طلاق بدعی نہیں خواہ ایک مجلس میں تین طلاقیں ایک ساتھ دیدی یا الگ الگ دیدی سب جائز ہے، کیونکہ طلاق امر مشروع ہے تو ممنوع نہیں۔

احناف فرماتے ہیں کہ نکاح مصالح دینیہ اور دنیویہ پر مشتمل ہے اور طلاق دینے سے یہ مصالح ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا طلاق شدید مجبوری کے وقت دینا چاہئے اور وہ بھی اس طرح دینا چاہئے کہ بوقت پشیمانی شوہر کے ہاتھ میں کچھ اختیار باقی ہو جس سے اسکی پریشانی دور ہو جائے گی اس لئے طلاق جتنی کم دی جائے اتنا ہی بہتر ہے اور کثرت بدعت ہے۔

طلاق کی اقسام میں بعض شارحین نے مختصر الفاظ کے ساتھ اس طرح تقسیم کی ہے کہ طلاق دو قسم پر ہے سنی اور بدعی

پھر سنی دو قسم پر ہے احسن اور حسن تو کل تین قسمیں بن گئیں۔

حیض کی حالت میں طلاق دینے کی ممانعت

"فتغیظ" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے غصہ ہوئے کہ حالت حیض میں طلاق دینا حرام ہے کیونکہ حالت حیض میں طلاق دینا بالاجماع گناہ اور بدعت ہے۔ ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے البتہ غیر مقلدین کا مسلک ہے کہ اگر کسی نے حالت حیض میں طلاق دیدی تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔

جمہور ائمہ نے زیر نظر حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت عمر فاروق ؓ کی شکایت پر آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو حکم دو کہ وہ اپنی بیوی کی طرف رجوع کرے "مرہ فلیراجعها" اب یہ بات واضح ہے کہ رجوع متفرع ہے طلاق پر جب طلاق پڑ جاتی ہے تب رجوع ہوتا ہے ورنہ رجوع کی ضرورت کیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ باوجودیکہ حیض کی حالت میں طلاق دینا گناہ ہے لیکن اگر کسی نے دیدیا تو طلاق پڑ جائی گی، رہ گیا یہ مسئلہ کہ اس حیض کے متصل جو طہر ہے اس میں طلاق دینے کے بجائے حضور اکرمؐ نے یہ کیوں فرمایا کہ آنے والے حیض کے بعد جو طہر آئیگا اس میں طلاق دیدے اسکی حکمت علماء نے یہ بتائی ہے کہ اس تاخیر سے شاید شوہر کا ارادۂ طلاق بدل جائے یا بطور سزا مؤخر کیا کہ تم نے جلدی کر کے حیض میں طلاق دی اب ایک طہر نہیں بلکہ دو طہر کا انتظار کرو۔ بہر حال یہ ایک تنبیہ ہے جو کہ اولیٰ ہے واجب نہیں۔

بیوی کو طلاق کا اختیار دینا

﴿۳﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا (متفق علیه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اختیار دیدیا تھا (کہ اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت اور آسائش کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں، اور اگر تم خدا، خدا کے رسول اور آخرت کی طلب گار ہو تو پھر جان لو کہ تمہارے لئے خدا کے ہاں بے شمار اجر اور عظیم ثواب ہے) چنانچہ ہم نے (دنیا اور دنیا کی زینت وآسائش کے مقابلے میں) اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کر لیا اور آنحضرتؐ نے اس اختیار کو ہمارے لئے (طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن) کچھ بھی شمار نہیں کیا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

فاخترنا اللّٰہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ہمیں اختیار طلاق دیدیا تھا ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار

کیا اور طلاق کو اختیار نہیں کیا۔

صورت حال اس طرح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے "کہ تم اپنے نفس کو اختیار کرلو یا مجھے اختیار کرلو" اب اگر بیوی نے اپنے آپ کو اختیار نہیں کیا بلکہ شوہر کو اختیار کیا تو اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ بیوی نے اپنا حق اور اختیار استعمال نہیں کیا تو جمہور امت کے نزدیک کچھ نہیں ہاں حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کی طرف منسوب ہے کہ وہ صرف اختیار دینے سے طلاق رجعی یا بائن کے واقع ہونے کے قائل تھے حضرت عائشہؓ نے شاید انہیں حضرات کے میلان کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ صرف اختیار دینے سے کچھ نہیں ہوتا اور اگر بیوی نے اپنے آپ کو اور طلاق کو اختیار کیا تو طلاق واقع ہوجائیگی البتہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق بائن واقع ہوگی اور امام مالکؒ کے نزدیک تین طلاق پڑ جائیں گی۔

کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرنے کا حکم

﴿۴﴾وعن ابنِ عبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (متفق عليه)

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں کہا کہ (کسی چیز کو) حرام کرلینے پر کفارہ دیا کرو اور (اس سلسلہ میں) تمہارے لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

قال فی الحرام یکفر: یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیز تو حلال ہے اور حلال رہیگی البتہ حرام کرنے والا کفارۂ قسم اس وقت ادا کریگا جب اس نے اس چیز کو استعمال کیا خواہ وہ چیز فی نفسہ حلال ہو یا حرام ہو مثلاً کسی نے قسم کی نیت سے یہ کہا کہ شراب مجھ پر حرام ہے اور اس کی نیت خبر دینے کی نہیں تھی بلکہ قسم کی تھی تو اب اگر اس نے وہ شراب پی لی تو کفارۂ قسم لازم ہوجائیگا اگرچہ شراب پینا حرام ہے اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر حرام ہو تو یہ (ایلا) ہوجائیگا جس کی تفصیل ایلا کے ابواب میں ہے اور اگر کسی نے کہا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی تمام چیزیں حرام ہیں تو مظاہر حق میں لکھا ہے کہ فتوی یہی ہے کہ اس طرح کہنے سے اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائیگی اگرچہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو حضرت ابن عباسؓ کا یہی مسلک ہے اور ائمہ احناف کا بھی یہی مسلک ہے آیت سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے اوپر شہد حرام کیا تھا پھر آپ نے قسم توڑ کر کفارۂ قسم ادا فرمایا آنے والی حدیث میں تفصیل کے ساتھ یہی واقعہ آرہا ہے۔

شہد پینے کا واقعہ

﴿۵﴾وعن عائشة ان النبیَّ صلّی اللّٰہُ علیه وسلَّم کان یمکث عند زینب بنت جحش وشرب عندھا عسلا فتواصیت انا وحفصة ان ایتنا دخل علیھا النبیُّ صلّی اللّٰہُ علیه وسلَّم فلتقل انّی اجد منک ریح مغافیر اکلت مغافیر فدخل علی احداھما فقالت له ذلک فقال لا بأس شربت عسلا عند زینب بنت جحش فلن اعود له وقد حلفت لاتخبری بذلک احدًا یبتغی مرضاة ازواجه فنزلت یأیھا النبیُّ لم تحرّم ما احلّ اللّٰہ لک تبتغی مرضاة ازواجک الآیة (متفق علیه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی ایک بیوی) حضرت زینب بنت جحش کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے اور وہاں شہد پیا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) میں نے اور حفصہؓ نے آپس میں یہ طے کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یہ کہیں کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے کیا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ جب ان دونوں میں سے ایک (یعنی حضرت عائشہؓ یا حضرت حفصہؓ) کے پاس تشریف لائے تو اس نے یہی کہا، آپؐ نے فرمایا کہ کوئی بات نہیں میں نے زینب بنت جحشؓ کے ہاں شہد پیا ہے اب میں کبھی شہد نہیں پیوں گا میں نے قسم کھالی ہے لیکن تم کسی کو یہ نہ بتانا (تاکہ اس سے زینبؓ کی دل شکنی نہ ہو کہ اب میں ان کے ہاں شہد نہیں پیوں گا) اور اس سے (یعنی شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے) آنحضرتؐ کا مقصد اپنی بیویوں کو خوش کرنا تھا، چانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿یأیھا النبیُّ لم تحرّم ما احلّ اللّٰہ لک تبتغی مرضاة ازواجک الآیة﴾ یعنی اے نبی آپ محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے اوپر اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

ریح مغافیر: یہ مغفور کی جمع ہے جھاؤ وغیرہ کسی درخت کے پھل کا نام ہے جو گوند کے مشابہ ہوتا ہے اس کی بُو خراب ہوتی ہے حضور اکرمؐ چونکہ فرشتوں سے ہم کلام ہوتے تھے اس لئے منہ کے رائحہ کا بہت ہی خیال فرماتے تھے ازواج مطہرات میں سے حضرت زینب بنت جحشؓ کے ہاں عصر کے وقت حضور اکرمؐ تشریف لے جاتے حضرت زینب حضور اکرم کو شہد پلاتی تھیں حضور اکرم کو شہد بہت پسند تھا حضرت عائشہ پر حضور اکرم کا یہ فراق اور حضرت زینب کے پاس دیر تک بیٹھنا شاق گذرا اور حضرت حفصہ سے مشورہ کیا اور ایک منصوبہ تیار کیا کہ دونوں کہیں گی کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے چنانچہ دونوں نے ایسا کیا، حضور اکرم نے فرمایا کہ میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ شہد پیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہوسکتا ہے کہ شہد کی مکھیوں

نے اس پھل سے رس چوسا ہو اور لا کر شہد میں ڈالا ہو جس کا اثر شہد میں آ گیا ہو گا یہ ایسا ہی طویل مفروضہ تھا جیسا کسی نے اپنے طویل انتقال ذہن کے مفروضے میں کہا ہے

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا : کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

بہر حال حضور اکرم نے شہد کو اپنے اوپر حرام کیا اللہ تعالیٰ نے کفارۂ قسم ادا کرنے کا حکم دیا حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کا یہ منصوبہ چونکہ گھریلو حساس معاملہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے نہایت زوردار الفاظ میں تنبیہ فرمائی کہ اگر تم نے توبہ نہ کی تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے ساتھ ہے بلکہ جبرئیل امین بھی نبی کے ساتھ ہیں اور تمام نیک اور صالح مسلمان بھی نبی کے ساتھ ہیں خیال کرو نبی کیلئے ہر قسم کی بیویاں موجود ہیں بیویوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

الفصل الثانی

﴿۶﴾ عن ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِي غَيْرِ مَابَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةَ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه والدارمی)

حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورت اپنے خاوند سے بلا ضرورت طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہوگی (یعنی جب میدان حشر میں خدا کے نیک اور پیارے بندوں کو جنت کی خوشبو پہنچے گی تو یہ عورت اس خوشبو سے محروم رہے گی) (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

طلاق کوئی اچھی چیز نہیں

﴿۷﴾ وعن ابنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مباح چیزوں میں سے خدا کے نزدیک مبغوض ترین (یعنی سب سے بری) چیز طلاق ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

ابغض الحلال : یہاں یہ سوال ہے کہ جب ایک چیز حلال ہے تو اس کو مبغوض کیسے قرار دیا گیا کیونکہ حلال تو جائز ہوتا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہاں حلال کا لفظ حرام کے مقابلہ میں بولا گیا ہے کہ طلاق حرام نہیں حلال ہے اب حلال کے کئی درجات ہیں خواہ واجب کا درجہ ہو سنت کا درجہ ہو مباح کا درجہ ہو یا خلاف اولیٰ ناپسندیدہ مکروہ کا درجہ ہو یہ سب مراحل حلال کے تحت ہیں لہٰذا یہاں فی نفسہ طلاق کے حلال ہونے کے باوجود یہ فعل مبغوض قرار دیا گیا ہے۔

دوسرا جواب بھی اسی سے ملتا جلتا ہے لیکن الفاظ کی تعبیر میں فرق ہے وہ یہ ہے کہ اگر چہ طلاق دینا حلال اور مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ومکروہ ہے اور بہت سی ایسی چیزیں اور نظائر موجود ہیں کہ ایک چیز مکروہ اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے لیکن وہ مباح اور حلال ہوتی ہے مثلاً فرض نماز شرعی عذر کے بغیر گھر میں پڑھنا یا غصب شدہ زمین پر نماز پڑھنا یہ اگر چہ مباح ہے اور فرض نماز سے ذمہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن اس کے باوجود مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

﴿۸﴾وعن علیٍّ عن النبیِّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال لاطلاق قبل نکاحٍ ولا عتاق الّا بعد ملکٍ ولاوصال فی صیامٍ ولا یتم بعد احتلامٍ ولا رضاع بعد فطامٍ ولا صمت یومٍ الی اللّیل.

(رواہ فی شرح السنۃ)

اور حضرت علیؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی مالک ہونے سے پہلے غلام کو آزاد نہیں کیا جا سکتا اور طے کے روزے (یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل وپیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں ہے (یہ صرف آنحضرتؐ کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپؐ ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا (یعنی جس کے ماں باپ نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کے مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال یا ڈھائی سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور دن بھر چپ رہنا جائز نہیں ہے (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب نہیں ہے) (شرح السنہ)

توضیح

لاطلاق قبل نکاح: طلاق دو قسم پر ہے ایک تنجیزی طلاق ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ طلاق کو فوراً کسی شرط کے بغیر واقع کیا جائے دوسری طلاق بالشرط ہے، جو کسی شرط کے ساتھ مشروط اور معلق ہوتی ہے۔

کسی عورت سے نکاح کرنے سے پہلے تنجیزی طلاق کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے مثلاً ایک شخص کسی اجنبیہ عورت سے کہتا ہے کہ وہ مجھ پر طلاق ہے یہ کلام بالاتفاق لغو ہے، معلق بالشرط طلاق پھر دو قسم پر ہے ایک قسم میں اضافت ونسبت نکاح اپنے ملک کی طرف نہیں ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اگر فلاں عورت نے نکاح کیا تو اس کو طلاق ہے یہ طلاق بھی تنجیزی کی طرح لغو ہے اگر بعد میں نکاح کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی نکاح درست ہے،

دوسری قسم وہ کہ اس میں آدمی اضافت ونسبت نکاح اپنے ملک کی طرف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ (ان نکحتک

فانت طالق او ان نکحتُ فلانة فهي طالق)اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور کے نزدیک یہ بھی لغو ہے کیونکہ یہ قبل النکاح طلاق ہے تو محل طلاق نہیں ہے تو وقوع طلاق بھی نہیں امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر محل صالح نہیں تو ٹھیک ہے کہ طلاق نہیں ہے لیکن جوں ہی محل صالح ہوجائے گی تو طلاق پڑ جائیگی۔

دلائل

جمہور کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں لا طلاق قبل نکاح کے واضح الفاظ موجود ہیں امام مالکؒ اور احمد بن حنبلؒ کی روایات اگرچہ مختلف ہیں لیکن ان کی ایک ایک روایت امام شافعی کے ساتھ ہے لہٰذا یہ جمہور ایک طرف ہیں،

ائمہ احناف کی ایک دلیل موطأ مالک کی روایت ہے امام مالک فرماتے ہیں: مالک بلغه ان عمر بن الخطاب وعبد الله بن عمر وعبد الله بن مسعود وسالم بن عبد الله والقاسم بن محمد وابن شهاب وسليمان بن يسار كانوا يقولون اذا حلف الرجل بطلاق المرأة قبل ان ينكحها ثم اثم (اى حنث) ان ذالک لازم له اذا نكحها (صفحہ ۵۲۸)

اسی موطأ مالک میں ہے کہ ایک شخص نے قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح سے پہلے ظہار کیا تو اس کا حکم کیا ہے تو دونوں نے جواب دیا کہ اگر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کیا تو جب تک کفارۂ ظہار ادا نہیں کریگا اس عورت کے قریب نہیں جائیگا (موطأ مالک صفحہ ۵۲۸)

اسی طرح ترمذی میں بھی صفحہ ۲۲۳ پر ایک قول حضرت ابن مسعودؓ کا احناف کی دلیل ہے ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ ائمہ احناف کا مسلک مبرھن اور مدلل بدلائل ہے۔

جواب

باقی جمہور نے زیرنظر روایت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت تنجیزی صورت پر محمول ہے جو سب کے نزدیک ناجائز ہے یہی اختلاف جمہور اور احناف کا لفظ (کلما) کے ساتھ طلاق دینے میں بھی ہے جمہور طلاق واقع ہونے کے قائل نہیں اور احناف اس کو مانتے ہیں اسی طرح مسئلہ اعتاق کا بھی ہے۔

ولا وصال :. وصال ان مسلسل روزوں کا نام ہے جس میں افطار نہ ہو اس طرح روزے امت کے افراد کیلئے ممنوع ہیں ہاں

نبی اکرم کی خصوصیات میں تھا آپ کیلئے منع نہیں تھا۔

لایتم بعد البلوغ :. یعنی یتیم کے مسائل وفضائل صرف قبل البلوغ مدت تک محدود ہیں جب لڑکا بالغ ہوگیا تو اب اس کو یتیم نہیں کہا جاسکتا ہے ورنہ دنیا کے سارے لوگ یتیم کہلانے کے مستحق بنیں گے۔

ولا صمت یوم :. یعنی چپ کا روزہ نہیں ہے سابقہ امتوں میں خاموش رہنے کا روزہ ہوتا تھا جیسے حضرت مریم نے کہا ﴿انی نذرت للرحمان صوما فلن اکلم الیوم انسیا﴾ ویسے خاموش رہنے میں فائدہ ہے لیکن خاموشی کا روزہ رکھنا یہ اس امت کی عبادات میں سے نہیں ہے۔

﴿۹﴾ **وعن عَمرِو بنِ شُعَیبٍ عَنْ اَبِیهِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ لَانَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِیمَالَایَمْلِکُ وَلَا عِتْقَ فِیمَالَایَمْلِکُ وَلَا طَلَاقَ فِیمَالَایَمْلِکُ** (رواه الترمذی) **وَزَادَ اَبُودَاوُدَ وَلَا بَیْعَ اِلَّا فِیمَایَمْلِکُ.**

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور والد حضرت شعیب اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمروؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کی نذر اس چیز میں صحیح نہیں ہوتی جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (یعنی لونڈی وغلام کو) آزاد کرنا بھی صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (عورت) کو طلاق دینا بھی درست نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ابوداؤد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس چیز کو فروخت کرنا بھی صحیح نہیں جس (کی فروختگی کا معاملہ کرنے) کا وہ (اصالۃ یا وکالۃ یا ولایۃ) مالک نہیں ہے۔

طلاق بتۃ کا مسئلہ

﴿۱۰﴾ **وعن رُکَانَةَ بْنِ عَبْدِ یَزِیدَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ سُهَیمَةَ الْبَتَّةَ فَاُخْبِرَ بِذٰلِکَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَااَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ مَااَرَدْتَ اِلَّاوَاحِدَةً فَقَالَ رُکَانَةُ وَاللّٰهِ مَااَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَیهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِیَةَ فِی زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَةَ فِی زَمَانِ عُثْمَانَ** (رواه ابوداؤد والترمذی وابن ماجه والدارمی) **اِلَّا اَنَّهُمْ لَمْ یَذْکُرُوا الثَّانِیَةَ وَالثَّالِثَةَ.**

اور حضرت رکانہؓ ابن عبد یزید کے بارہ میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہؓ کو طلاق بتۃ دی اور پھر اس کا ذکر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ (کیا واقعی) خدا کی قسم تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ رکانہؓ نے کہا کہ (ہاں) خدا کی قسم میں نے

ایک طلاق کی نیت کی تھی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا پھر رکانہؓ نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنی کے عہد خلافت میں دی اس روایت کو ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، اور دارمی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی روایت میں دوسری اور تیسری کا ذکر نہیں کیا ہے۔

توضیح

البتة : . لفظ بتہ اور البتۃ ایک ہی چیز ہے جو کاٹنے اور قطع کرنے کے معنی میں آتا ہے میاں بیوی کے درمیان علاقۂ نکاح کو کاٹنے اور ختم کرنے کے لئے شوہر اس لفظ کو استعمال کرتا ہے یعنی لفظ طلاق کو (بتہ یا البتۃ) کے ساتھ مقید کرتا ہے جس کا مفہوم یہ ہوا کہ ایسی طلاق جو رشتۂ نکاح کے تعلق کو بالکل ختم کر کے عورت کو نکاح سے قطعی طور پر نکال دیتی ہے اب اگر کسی شخص نے طلاق کو البتۃ کے ساتھ مقید کیا تو آیا آدمی کی نیت کا اعتبار کیا جائیگا یا ایک طلاق پڑیگی یا دو یا تین واقع ہونگی اس میں فقہاء کرام کا کچھ اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ کا قول ہے کہ اس لفظ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں عورت مغلظہ ہو جائیگی نیت کا اعتبار نہیں جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے استعمال کرنے والے شخص کی نیت کا اعتبار ہے پھر شوافع اور احناف کا اس نیت کی تفصیل میں اختلاف ہوا ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک طلاق رجعی کی نیت کرتا ہے تو بھی صحیح ہے دو کی نیت بھی صحیح ہے اور تین طلاق کی نیت بھی کر سکتا ہے جس سے عورت مغلظہ ہو جائے گی ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اس لفظ سے طلاق رجعی نہیں بلکہ ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اگر ایک طلاق کی نیت کی اور اگر تین طلاق کی نیت کی تو وہ بھی صحیح ہے ہاں دو کی نیت نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ (البتۃ) کا لفظ مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق دو پر نہیں ہو سکتا کیونکہ دو عدد محض ہے اور مصدر قلیل و کثیر پر تو بولا جاتا ہے لیکن عدد محض پر نہیں بولا جاتا، بہرحال ایک طلاق سے عورت بائن ہو جائے گی اور اگر تین کی نیت ہو تو مغلظہ ہو جائے گی۔

واللہ ما اردت الا واحدة : . چونکہ یہ کنائی الفاظ ہیں اس لئے طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بار بار آنحضرتؐ نے حضرت رکانہؓ سے استفسار فرمایا ہے کہ ایک کا ارادہ تھا یا تین کا تھا وہ قسم کھا رہے ہیں کہ ایک کا ارادہ تھا چونکہ ان الفاظ سے عرب کی عادت کے موافق ایک طلاق کا ارادہ معروف و مشہور تھا لہٰذا اسی پر عمل ہوتا تھا

فردھا : . امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ حضرت رکانہ نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا اور وہ رجعی تھی لہٰذا صرف (راجعتها الی نکاحی) کے الفاظ سے بیوی کو اپنے نکاح میں واپس کر دیا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس لفظ سے ایک طلاق بائن واقع

ہو جاتی ہے جبکہ ایک یا دو طلاق کا ارادہ کیا گیا یا کچھ بھی ارادہ نہ کیا ہاں اگر تین کا ارادہ کیا تو تین طلاق واقع ہوں گی خلاصہ یہ کہ یہ الفاظ کنائی ہیں اور کنائی الفاظ سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے لہٰذا (ردھا) کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرمؐ نے نکاح جدید کے ساتھ ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

ہنسی مذاق میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

﴿۱۱﴾وعن اَبی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّکَاحُ وَالطَّلاقُ وَالرَّجْعَةُ (رواه الترمذی و ابو داؤد) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور ہنسی مذاق میں منہ سے نکالنا بھی قصد ہے (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) رجعت (ترمذی، ابوداؤد) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حالت اکراہ میں طلاق کا مسئلہ

﴿۱۲﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِی اِغْلَاقٍ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه) قِیْلَ مَعْنَی الْاِغْلَاقِ الْاِکْرَاهُ.

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اکراہ کی حالت میں نہ تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ آزادی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) اور بیان کیا جاتا ہے کہ اغلاق کے معنی اکراہ کے ہیں۔

توضیح

لاطلاق فی اغلاق: اغلاق غلق سے ہے اکراہ اور زبردستی کے معنی میں ہے اس کا دوسرا معنی بعض علماء نے غصہ اور غضب کا بھی کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بدحواسی اور مدہوشی کی حالت میں جب غصہ اتنا بڑھ گیا کہ آدمی کی عقل ٹھکانے پر نہ رہی اور مدہوشی و بدحواسی کے عالم میں ڈوب گیا تو اس حالت کی طلاق و عتاق معتبر نہیں کیونکہ اس کے ہوش وحواس باقی نہیں رہے باقی عام غصہ میں طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق غصہ ہی میں دی جاتی ہے محبت میں نہیں جس طرح شرک و بدعت محبت کے راستے سے آتی ہے بعض نے اغلاق کا معنی جنون بتایا ہے یعنی مجنون اور پاگل کی طلاق وعتاق کا اعتبار نہیں ہے بہرحال صاحب کتاب نے اغلاق کا معنی اکراہ سے کیا ہے مگر انہیں معانی کے اختلاف کے پیش نظر فقہاء کرام کا مکرہ کی طلاق کے واقع ہونے نہ ہونے میں اختلاف آیا ہے۔

فقہاء کا اختلاف

تینوں ائمہ کے نزدیک اس آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے جس پر طلاق دینے میں زبردستی کی گئی ہو جس کو "مُکْرَہْ" کہتے ہیں اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ نے بڑی محنت برداشت کی اور وقت کے حکمرانوں کی جانب سے بڑی مشقت اٹھائی کیونکہ کسی بدخواہ نے شکایت کی تھی کہ امام مالک جب "مُکْرَہْ" کی طلاق کو صحیح نہیں مانتے تو اس طرح وقت کے خلیفہ کی بیعت بھی اکراہ کی صورت میں معتبر نہیں ہوگی مدینہ منورہ کے بازاروں میں آپ کو وقت کے حکمرانوں نے بڑا ستایا مگر پھر ان سے معافی مانگی ائمہ احناف اور بہت سارے صحابہ اور بہت سارے تابعین کے نزدیک "مُکْرَہْ" کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور صحیح بھی ہے۔

دلائل:۔

جمہور کی دلیل حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث ہے جہاں اغلاق اکراہ کے معنی میں ہے لہٰذا اکراہ کی صورت میں طلاق نہیں پڑیگی جمہور کی دوسری دلیل وہ مشہور حدیث ہے کہ (رفع عن امتی الخطآء والنسیان وما استکرھوا علیه) جمہور کی تیسری دلیل حضرت ابن عمر کا وہ فیصلہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو طلاق دینے پر مجبور کیا اس نے طلاق دیدی تو حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا (لیس ھٰذا بطلاق ارجع الیٰ اھلک).

ائمہ احناف نے اس حدیث سے قبل حضرت ابوھریرہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (ثلاث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعة) (ترمذی ابوداؤد) طرز استدلال اس طرح ہے کہ مذاق میں جو آدمی طلاق دیتا ہے اس میں اس کی مرضی شامل نہیں ہوتی تو (فقدان رضا) کے باوجود طلاق واقع ہوگئی اسی طرح اکراہ کی صورت میں بھی فقدان رضا ہے تو یہاں بھی طلاق واقع ہو جانا چاہئے۔

احناف کی دوسری دلیل حضرت صفوان طائی کی روایت ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر سے بغض رکھتی تھی ایک دن جب اس نے شوہر کو سویا ہوا پایا تو اس نے چھری لے لی اور شوہر کے سینہ پر بیٹھ گئی اور پھر شوہر سے کہا کہ مجھے تین طلاق دیدو ورنہ میں تجھے ذبح کروں گی شوہر نے خدا کا واسطہ دیا مگر عورت نے بات نہیں سنی اس نے تین طلاقیں دیدیں اور پھر نبی اکرمؐ کے پاس آیا اور اس حالت کی طلاق کا مسئلہ پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا (لاقیلولة فی الطلاق) یعنی طلاق مغلظہ میں رجوع نہیں ہے (زجاجة المصابیح جلد۲ صفحہ ۴۷۶)

احناف کی تیسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں تین قسم کے لوگوں کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے (عن علی قال قال رسول اللّٰہ صلی علیه وسلم رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی یستیقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوہ

حتی یعقل) (ترمذی ابوداؤد) اس حدیث میں معتوہ مغلوب الحال کو مرفوع القلم قرار دیا گیا اور نابالغ بچے اور سوئے ہوئے شخص کے فعل کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا یہ واضح اشارہ ہے کہ ان کے علاوہ جو عاقل بالغ اور ہوش وحواس کے مالک لوگ ہیں ان کے افعال معتبر ہیں اسی میں طلاق مکرہ بھی ہے جو صحیح اور نافذ کے حکم میں ہے احناف کی دلیل حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ بھی ہے کہ ایک شخص پر اس کی بیوی نے جبر کر کے طلاق حاصل کرلی جب مقدمہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو آپ نے طلاق کو نافذ قرار دیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی مکرہ کی طلاق کو نافذ قرار دیا (عمدۃ القاری)۔

جواب:۔

جمہور کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اغلاق کے کئی معانی ہیں چنانچہ بعض نے تنگی کا معنی لیا ہے بعض نے غصہ کا معنی مراد کیا ہے بعض نے اکراہ کا معنی مراد لیا ہے بعض نے تین طلاق ایک ساتھ دینے کا مطلب لیا ہے بعض نے جنون کا معنی لیا ہے جب اس لفظ میں اتنے احتمالات ہیں تو اس کو صرف اکراہ پر حمل نہیں کیا جا سکتا نہ یہ لفظ اس کے لئے متعین ہے تو استدلال صحیح نہیں ہے علماء احناف فرماتے ہیں کہ اس (مجمل) لفظ سے ہم اکراہ کے بجائے تنگی کا معنی لیتے ہیں کیونکہ ایک ساتھ تین طلاق دینے سے تنگی پیدا ہوتی ہے مطلب یہ ہوا کہ جب تین طلاق کی الگ الگ دینے کی گنجائش ہے تو ایک آدمی ایک ساتھ تین طلاق دیکر اپنے اوپر تنگی کیوں کرتا ہے لہٰذا (لا طلاق فی الاغلاق) کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاق مت دو اپنے اوپر تنگی مت کرو اسی طرح مثلاً ایک غریب آدمی ہے اس کا ایک ہی غلام ہے وہ اس کو آزاد کرتا ہے تو شریعت کہتی ہے کہ اپنے اوپر تنگی نہ کرو اب اگر کسی نے تنگی کردی اور ایک ساتھ طلاق دیدی تو طلاق واقع ہوجائیگی اور عتق کا حکم نافذ ہوجائیگا۔

احناف نے جمہور کی دوسری دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ (رفع عن امتی) میں رفع سے مراد آخرت کا گناہ اور مواخذہ ہے کہ غلطی کی وجہ سے یا بھول سے یا اکراہ سے جو کام کیا جائے وہ آخرت کے اعتبار سے معاف ہے نہ یہ کہ دنیا میں وہ کام معاف ہے کیونکہ دنیا میں قتل خطاء کی وجہ سے دیت آتی ہے حالانکہ وہ بھی خطاء کا ایک عمل ہے معلوم ہوا دنیا کا حکم معاف نہیں ہے جمہور کی تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ مرفوع احادیث کی موجودگی میں ان آثار اور واقعات کا اعتبار نہیں ہے نیز ان حضرات اور ان کے آثار میں بھی اتفاق نہیں ہے بلکہ ان میں بھی اختلاف ہے لہٰذا مرفوع احادیث پر عمل ہوگا علماء احناف کے ملا علی قاری نے بحوالہ فتح القدیر دس ایسے احکام کو جمع کیا ہے جن میں اکراہ کی صورت میں بھی حکم نافذ ہوجاتا ہے ملا علی قاری کے شعر یہ ہیں۔

یصح مع الاکراہ عتق ورجعۃ　　نکاح وایلاء طلاق مفارق

وفی الظہار والیمین ونذرہ　　وعفو لقتل شاب عنہ مفارق .

دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی

﴿۱۳﴾ وعن اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوهِ وَالْمَغْلُوبِ عَلَى عَقْلِهٖ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَعَطَاءُ بْنُ عَجْلَانَ الرَّاوِیْ ضَعِيفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ نے فرمایا ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر بے عقل اور مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی، امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عطاء بن عجلان (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے حافظہ میں حدیث محفوظ نہیں رہتی تھی۔

توضیح

اِلَّا طلاق المعتوه: معتوہ کے معنی کم عقل ہونا مدہوش ہونا ہے معتوہ عموماً ایسا شخص ہوتا ہے جو ایک وقت میں بے عقل رہ جاتا ہے اور دوسرے وقت میں اسکی عقل پھر ٹھکانے پر آجاتی ہے علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ معتوہ وہ شخص ہے جو ناقص العقل ہو کم سمجھنے والا ہو اس کا کلام بے ربط ہو لیکن لوگوں کو مارتا نہیں ہو اور نہ گالیاں دیتا ہو اور اس کے مقابلہ میں مجنون ہے مجنون وہ ہوتا ہے جو گالیاں بکتا ہو اور لوگوں کو پتھر مارتا ہو زین العرب نے فرمایا کہ معتوہ کے مفہوم میں مجنون اور نیند میں سویا ہوا شخص، مدہوش اور ایسا بیمار جس کی عقل چلی گئی ہو سب داخل ہیں اب اگر معتوہ کے مفہوم میں مجنون اور پاگل کو داخل مانا جائے تو (والمغلوب علی عقله) کا جملہ (معتوہ) کیلئے عطف تفسیر بن جائیگا اور مطلب یہ ہوگا کہ معتوہ یعنی مجنون اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی عطف تفسیر کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ جملہ بغیر واو آیا ہے اور اگر یہ جملہ ماقبل کیلئے عطف تفسیر نہ ہو تو پھر اس جملہ سے مراد سکران لیا جائیگا اور اس کی طلاق کا حکم زیر بحث آئیگا اور مجنون کو معتوہ پر قیاس کیا جائیگا کہ جب معتوہ کی طلاق کا اعتبار نہیں تو مجنون کا بطریق اولیٰ نہیں۔

سکران کی طلاق کا حکم

جس شخص کے ہوش وحواس کسی نشہ آور چیز کے استعمال سے زائل ہو گئے ہوں ایسے شخص کی طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور اکثر سلف صالحین کے نزدیک (سکران) کی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ اگرچہ زائل العقل ہے لیکن معصیت اور نشہ کرنے کے جرم کی وجہ سے بطور زجر اس کی طلاق کو نافذ قرار دیا گیا ہے اور یہی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ایک قول بھی ہے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ سکران کی طلاق واقع نہیں

ہوتی ہے اور یہی رائے علامہ کرخی اور امام طحاوی اور اسحاق بن راہویہ کی بھی ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ وقوع طلاق وعتاق کیلئے عقل کی ضرورت ہے اور سکران زائل العقل ہے لہٰذا اس کی طلاق نافذ نہیں ہے شوافع اور حنابلہ کا ایک قول جمہور کے ساتھ ہے اس لئے سکران کا مسئلہ اتفاقی اجماعی ہونا چاہئے۔

تین شخص مرفوع القلم ہیں

﴿۱۴﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوهِ حَتّٰى يَعْقِلَ (رواه الترمذی و ابوداؤد) وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ مَاجه عَنْهُمَا.

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی ان تین اشخاص کے اعمال، نامۂ اعمال میں نہیں لکھے جاتے کیونکہ ان کے کسی قول وفعل کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ مواخذہ سے بری ہیں) ایک تو سویا ہوا شخص جب تک وہ بیدار نہ ہو، دوسرا لڑکا جب تک وہ بالغ نہ ہو، تیسرا بے عقل شخص جب تک کہ اس کی عقل درست نہ ہو جائے، (ترمذی، ابوداؤد) دارمیؒ نے اس روایت کو حضرت عائشہؓ سے اور ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے نقل کیا ہے۔

تعداد طلاق میں مرد کا اعتبار ہے یا عورت کا

﴿۱۵﴾ وعن عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ (رواه الترمذی و ابوداؤد وابن ماجه والدارمی)

اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لونڈی کے لئے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت (کی مدت) دو حیض ہیں۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح

طلاق الامة: اس حدیث میں ایسے دو مسئلوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں فقہاء کا اختلاف ہے ان میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اس بات پر تو سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ آزاد آدمی اور غلام کی طلاق میں فرق ہے (حر) کی طلاقیں تین ہیں اور غلام کو صرف دو طلاقوں کا اختیار ہے اختلاف اس میں ہے کہ دو طلاقوں میں یا تین طلاقوں کے دینے میں بیوی کی حالت کا اعتبار ہے یا شوہر کی حالت کا اعتبار ہے یعنی طلاق بالرجال ہے یا بالنساء ہے

فقہاء کا اختلاف

ائمہ احناف کے نزدیک طلاقوں کی تعداد کا دارومدار عورت کی حالت پر ہے اگر بیوی (حرہ) آزادا اور شریف عورت ہے تو شوہر کو تین طلاق کا حق حاصل ہے خواہ شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور اگر عورت باندی اور لونڈی ہے تو شوہر کو اس پر دو طلاقوں کا اختیار ہے خواہ شوہر حر ہو یا رقیق ہو ائمہ ثلاثہ یعنی جمہور کے نزدیک زوج اور شوہر کی حالت کا اعتبار ہے اگر زوج حر ہے تو اس کو تین طلاقوں کا اختیار ہے خواہ بیوی حرہ ہے یا لونڈی ہے اور اگر شوہر غلام ہے تو اس کو دو طلاقوں کا اختیار حاصل ہے خواہ بیوی آزاد ہے یا باندی ہے یعنی ان کے ہاں طلاق بالرجال ہے طلاق بالنساء نہیں ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ تو واضح ہے کہ آزاد عورت کی عدت کی مدت تین قروء ہیں کیونکہ قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں ﴿**والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثة قروء**﴾ (بقرہ ۲۲۸)

اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ اختلاف اس میں ہے کہ لفظ قروء سے اطہار مراد ہیں یا تین حیض مراد ہیں امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (قروء) کا مصداق طہر ہے اس لئے مطلقہ عورت کی عدت تین طہر ہیں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ قروء کا مصداق حیض ہے لہٰذا عدت تین حیض گذرنے سے مکمل ہوگی۔

دلائل:۔

جمہور نے پہلے والے مسئلہ کیلئے طبرانی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے کہ (**الطلاق بالرجال والعدة بالنساء رواه الطبرانی عن ابن مسعود موقوفا**) ان حضرات کے پاس دوسرے مسئلہ کے اثبات کیلئے کوئی مرفوع حدیث نہیں۔

ائمہ احناف نے اپنے دونوں مسئلوں میں زیر نظر اس صریح اور صحیح حدیث سے استدلال کیا ہے حدیث کے اول حصہ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ لونڈی کی طلاقیں دو ہیں جس سے معلوم ہوگیا کہ تعداد طلاق میں شوہر کا اعتبار نہیں بلکہ عورت کا اعتبار ہے اسی لئے فرمایا کہ لونڈی کا شوہر خواہ کوئی بھی ہو مگر اس کی طلاق دو سے زائد نہیں ہیں احناف نے اپنے دوسرے مسئلہ کے اثبات کیلئے اسی حدیث کے دوسرے حصہ سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی کی عدت کی مدت دو حیض ہیں جس سے معلوم ہوا کہ عدت بالاطہار نہیں ہے بلکہ عدت بالحیض مقرر ہے اس دوسرے مسئلہ پر احناف نے ابوداؤد شریف کی فاطمہ بنت ابی حبیش کی واضح اور صریح حدیث سے استدلال کیا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں (**فقال لها رسول الله صلی الله علیه وسلم انما ذالک عرق فانظری اذا اتی قروءک فلا تصلی فاذا مر قروءک فتطهری ثم صلی مابین القرء الی القرء**) (ابوداؤد صفحہ ۳۷) اس حدیث میں چار مرتبہ (قروء) کا لفظ آیا ہے اور چاروں مرتبہ حیض کیلئے استعمال ہوا ہے اور طہر کیلئے ایک بار بھی استعمال نہیں ہوا، لہٰذا انصاف کا تقاضا ہے اور تمام فقہاء سے انصاف کی اپیل بھی ہے کہ اس صریح حدیث کے پیش نظر سب اس پر اکھٹے ہو جائیں۔

جواب:۔

جمہور نے اپنے ایک مدعا پر جو دلیل پیش کی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ " الطلاق بالرجال "کا مطلب یہ ہے کہ طلاق دینے کا حق زوج کو حاصل ہے اور بیوی کے ذمہ عدت گذارنی ہے لہٰذا یہ حدیث جمہور کی دلیل نہیں بن سکتی۔

سخت مجبوری کے بغیر خلع لینے پر وعید

الفصل الثالث

﴿۱۶﴾عن اَبِی هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ (رواه النسائی)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے خاوند کی نافرمانی کرنے والی اور اپنے خاوند سے خلع چاہنے والی عورتیں ہی منافق ہیں۔ (نسائی)

توضیح

هن المنافقات: یعنی جو عورتیں سخت مجبوری کے بغیر شوقیہ خلع چاہتی ہیں اور شوہر کی اطاعت نہیں کرتیں تو یہی عورتیں منافق ہیں کیونکہ زبان سے اور ظاہری احوال میں وہ احکام اسلام کو مانتی ہیں مگر دل میں وہ نافرمانی اور شوہر کے ساتھ دورنگی کا معاملہ کرتی ہیں آج کل بعض عورتوں کے ہاں یہ کاروبار ہے کہ پیسہ دیکر طلاق لیتی ہیں اور نئے شوہروں سے نکاح کرتی پھرتی رہتی ہیں۔

عورت کے پورے مال کے عوض خلع کرنا مکروہ ہے

﴿۱۷﴾وعن نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ اَبِی عُبَيْدٍ اَنَّهَا اِخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَیْءٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ (رواه مالک)

اور حضرت نافعؒ صفیہ بنت ابوعبید کی ایک آزاد کی ہوئی لونڈی سے روایت کرتے ہیں کہ صفیہؓ نے اپنی ہر اس چیز کے عوض جوان کے پاس موجود تھی، اپنے خاوند (حضرت عبداللہ ابن عمرؓ) سے خلع کیا اور عبداللہ ابن عمرؓ نے اس سے انکار نہیں کیا۔ (مالک)

توضیح

بکل شئی لها: یعنی عورت کے سارے مال کے عوض شوہر نے خلع قبول کر کے طلاق دیدی یہ صورت اگرچہ مکروہ ہے لیکن

طرفین کی رضامندی کے بعد خلع جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ شیخ مزنی کا مسلک ہے کہ خلع کرنا کسی صورت میں جائز نہیں۔ اور اہل ظواہر نے کہا ہے کہ اگر شوہر سے بیوی کی سخت نفرت ہو اور شوہر نے اندازہ کرلیا کہ اب نہ میں بیوی کا حق ادا کرسکتا ہوں اور نہ بیوی میرے حقوق ادا کرسکتی ہے تو اس صورت میں خلع لینا جائز ہے ورنہ نہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک خلع جائز ہے اور قرآن کی آیت سے ثابت ہے اور منسوخ نہیں ہے البتہ اتنی بحث ضرور ہے کہ شوہر نے جتنا مہر ادا کرلیا ہے آیا عورت اتنا ہی مال خلع کے عوض فدیہ میں ادا کریگی یا زیادہ بھی ادا کرسکتی ہے؟

تو ملا علی قاری نے مرقات میں اس حدیث کے تحت بہت ساری روایات نقل کی ہیں کہ شوہر نے جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ مال خلع میں لینا جائز نہیں ہے لیکن آخر میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے دور میں اختلاف رہا ہے اور بعض صحابہ نے کل مال پر خلع کو جائز قرار دیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اگر نافرمانی عورت کیطرف سے نہ ہو بلکہ شوہر سرکشی کررہا ہو تو اس صورت میں خلع کے عوض عورت سے مال لینا منع ہے۔ لیکن اس کو حرام نہیں کہا جاسکتا کیونکہ روایات میں تعارض ہے بہر حال مہر سے زیادہ مال لینا مکروہ ہے اور خلع جائز ہے پوری تفصیل مرقات میں ہے۔

بیک وقت تین طلاق دینا حرام ہے

﴿۱۸﴾ وعن محمود بن لبيد قال اُخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعا فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله عزوجل وانا بين اظهركم حتى قام رجل فقال يارسول الله الا اقتله (رواه النسائی)

اور حضرت محمود ابن لبیدؓ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں بتلایا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں تو آپ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ عزوجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) درآنحالیکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ (یہ سنکر مجلس نبوی میں موجود صحابہ میں سے) ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کروں؟ (نسائی)

توضیح

ثلاث تطلیقات: حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین طلاق ایک ساتھ دینا بدعت اور حرام ہے امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاق دینا خلاف اولیٰ ہے حرام نہیں ہے مذکورہ حدیث سے ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام معلوم ہوتا ہے کیونکہ

حضور اکرم کا اس طرح غضبناک ہونا حرام پر ہوسکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ بہت سارے احکامات ایسے ہوتے ہیں کہ ممانعت کے باوجود حکم نافذ ہوجاتا ہے جیسے حالت حیض میں طلاق کی ممانعت ہے لیکن حضرت ابن عمرؓ نے جب طلاق دی تو وہ واقع ہوگئی جس پر آنحضرتؐ ناراض ہوئے اور رجوع کرنے کا حکم دیدیا (جمعہ کی اذان کے بعد بیع وشراء ممنوع ہے لیکن کرنے سے ہوجاتا ہے مغصوبہ زمین کا غصب منع ہے لیکن اس پر نماز ہوجاتی ہے لہٰذا غیر مقلدین ان روایات سے استدلال نہیں کرسکتے جن میں تین طلاق دینے کی ممانعت ہے کیونکہ ممانعت کے باوجود طلاق واقع ہوجاتی ہے بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسان کو طلاق دینے میں مہلت کا حکم دیا ہے کہ ایک طلاق دیدے اور پھر سوچ لے پھر کچھ عرصے بعد دوسری طلاق دیدے اور سوچ لے، ہوسکتا ہے اس دوران ان کے دماغ اور غیظ وغضب کے احوال میں تبدیلی آجائے تو بیوی کی طرف رجوع کرنے کا موقع ہاتھ میں رہیگا لیکن اگر کوئی شخص ایک ساتھ تین طلاق ایک مجلس میں دیتا ہے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کو نظر انداز کرتا ہے اور اپنے آپ کو مشقت ومصیبت میں ڈالدیتا ہے اس کی طرف قرآن عظیم کی یہ آیت اشارہ کرتی ہے ﴿الطلاق مرتان .... تا .... ولاتتخذوا آیات اللّٰہ ھزوا﴾ استہزاء اور مذاق یہی ہے کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپروائی اور بے اعتنائی برتتا ہے اسی وجہ سے حضور اکرم نے غضب کی حالت میں فرمایا (ایلعب بکتاب اللّٰہ عزوجل) اور اسی جملہ کی وجہ سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: کیا میں اس کو قتل نہ کروں؟ اس صحابی نے سمجھا کہ جو شخص قرآن کا مذاق اڑاتا ہے وہ کافر ہوجاتا ہے لہٰذا اس کو قتل کرنا چاہیئے حالانکہ حضور اکرم کا یہ ارشاد زجر وتوبیخ اور تغلیظ وتشدید پر مبنی تھا علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا (انت طالق ثلاثا) تو تین طلاق واقع ہوجائے گی اہل ظواہر اس میں اختلاف کرتے ہیں یہ مسئلہ ساتھ والی حدیث میں آرہا ہے۔

مسئلة الطلاق الثلاثة

﴿۱۹﴾ وعن مَالِکٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اِنِّی طَلَّقْتُ امْرَاَتِی مِائَةَ تَطْلِیْقَةٍ فَمَاذَاتَرَی عَلَیَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طُلِّقَتْ مِنْکَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٌ وَتِسْعُونَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰیَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا (رواه فی المؤطا)

اور حضرت امام مالکؒ راوی ہیں کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں اس بارہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ (یعنی کیا میری بیوی پر طلاق پڑگئی ہے یا نہیں؟) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاقوں کے ذریعہ سے جدا ہوگئی اور ستانوے طلاقیں باقی بچیں اس کے ذریعہ تم نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا۔ (مؤطا)

توضیح

قال اللہ تعالیٰ ﴿فان طلقها فلا تحل له حتی تنکح زوجا غیرہ ﴾ قال ابن عباس طلقت منک بثلاث :۔یعنی حضرت ابن عباس نے سوال پوچھنے والے کے جواب میں فرمایا کہ تین طلاق دینے سے تیری بیوی تجھ سے جدا ہوگئی۔

تین طلاق کا حکم

دین اسلام کے تمام علماء اور مذاہب اربعہ کے تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق ایک ساتھ دیدی تو تین طلاق واقع ہوجائے گی اور بیوی مطلقہ مغلظہ بن جائے گی وہ جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہیں کرتی پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی ہے اور جب تک دوسرا شوہر جماع کر کے اسے طلاق نہیں دیتا وہ پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی،

اس خطرناک مسئلہ میں اہل ظواہر یعنی غیر مقلدین حضرات پوری امت سے الگ ہوکر یہ فتوی دیتے ہیں کہ تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوجاتی ہے تعجب اس پر ہے کہ ایک بے علم ناواقف عامی آدمی بار بار کہتا ہے کہ مولوی صاحب میں نے تین بار تین طلاقیں دی ہیں اور مولوی صاحب فرماتے ہیں نہیں نہیں تمہاری طلاق ایک ہے جاؤ بیوی سے جماع کرو کوئی حرج نہیں وہ شخص کہتا ہے میں نے اکھٹی تین طلاقیں دی ہیں مولوی صاحب فرماتے ہیں وہ تین تین نہیں بلکہ ایک ہے جاؤ آرام سے گھر میں بیٹھو، اہل علم اور اہل درد اور اہل عرف اور دنیا کی زبانوں اور اسکی اصطلاحات پر نظر رکھنے والے حضرات فرماتے ہیں کہ دنیا کی تمام زبانوں کے اعداد وشمار کیلئے خاص الفاظ مقرر ہوتے ہیں جب وہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان کے متعارف اور رائج معنی مراد لئے جاتے ہیں عربی میں (ثلاث) تین کیلئے ہے فارسی میں اس کو (سہ) کہتے ہیں پشتو میں (درے) انگریزی میں (تھری) اور اردو میں تین کہتے ہیں ان الفاظ کے معانی بالکل متعین ہیں کہ ان کا مصداق تین اکائیاں ہیں اب اگر کوئی شخص تین کے الفاظ کے ساتھ طلاق دیتا ہے تو تمام عقلاء یہی کہیں گے کہ ایک اور پھر ایک اور پھر ایک تین طلاقیں واقع ہوگئیں اور جو شخص یہ کہے گا کہ اس تین سے ایک واقع ہوگئی ہے تو وہ عرف کو توڑتا ہے اور زبانوں کی اصطلاحات کو مسخ کرتا ہے اس کے ذمہ ہے اور اس پر لازم ہے کہ تمام اصولوں سے ہٹ کر اس نے جو دعوی کیا ہے اس دعوی پر دلیل پیش کرے ورنہ عام عقلاء اور عرف عام کی بات پر عمل ہوگا اور اس شخص سے کہا جائیگا کہ تمہاری مثال اور تمہارا معاملہ اہل تثلیث کی طرح ہے کیونکہ وہ لوگ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت جبرئیلؑ اور اللہ تعالیٰ تینوں کو خدا مانتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ تین درحقیقت ایک ہے تین ہیں مگر ایک ہے کسی ظریف شاعر نے ظریفانہ انداز سے ان کو اس طرح سمجھایا ہے۔

تثلیث کے قائل نے بھی اللہ کو کہا ایک لو تین کی سوئی تین پہ کھڑی ہے اور بجا ایک

ان تمہیدی کلمات کے بعد جانبین کے دلائل پیش کیئے جاتے ہیں

دلائل:

(۱) غیر مقلدین کی پہلی دلیل مسلم شریف کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (**وعن ابن عباسؓ قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فى امر كانت لهم فيه اناة فلوا مضينا ه عليهم فامضاه عليهم**) (مسلم جلد اصفحہ ۴۷۸)

ترجمہ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق کے زمانے میں اور حضرت عمر کے عہد خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہوتی تھیں اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ اس کام میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کیلئے سہولت تھی پس اگر ہم ان پر تین طلاقیں نافذ کر دیں تو یہ بہتر ہوگا چنانچہ تین طلاقیں ان پر نافذ کر دیں، طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور اکرمؐ اور صدیق اکبر کے دور میں تین طلاقیں ایک شمار ہوتی تھیں تین طلاقوں کو تین قرار دینا عمر فاروق کا فیصلہ ہے ہمیں یہ قبول نہیں بلکہ حضور اکرمؐ اور صدیق اکبر کا فیصلہ قبول کرنا چاہئے۔

(۲) غیر مقلدین کی دوسری دلیل اس باب کی حدیث نمبر ۱۰ حضرت رکانہ کی روایت ہے کہ انہوں نے حضور اکرمؐ کے زمانہ میں بیوی کو (بتہ) کے ساتھ طلاق دی تھی مگر آنحضرتؐ نے ان کو رجوع کرنے کا اختیار دیا تھا معلوم ہوا کہ ایک نشست میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ رکانہ نے رجوع کرلیا اور حضور اکرم نے انکار نہیں فرمایا اور (بتہ) کے الفاظ سے تین طلاقیں دی جاتی ہیں رکانہ کی روایت میں بعض راویوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے (ثلاثا) کے الفاظ سے تین طلاقیں دی تھیں اور پھر بھی حضور اکرمؐ نے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا معلوم ہوا کہ ایک ساتھ تین طلاقیں درحقیقت ایک ہوتی ہے۔

(۳) اہل ظواہر نے ان تمام روایات سے بھی استدلال کیا ہے جن میں تین یا تین سے زیادہ طلاق دینے کی سخت ممانعت آئی ہے اور حضور اکرمؐ اور صحابہ کرام نے اس پر شدید غصہ کا اظہار کیا ہے۔

جمہور فقہاء، علماء امت اور ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ تین طلاقیں خواہ ایک طہر میں ہوں یا الگ الگ طہروں میں ہوں

ایک مجلس میں ہوں یا الگ الگ مجالس میں ہوں حالت حیض میں یا طہر میں ہوں تین طلاق کے الفاظ ایک ساتھ ہوں یا الگ الگ الفاظ ہوں ہر صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں جمہور فقہاء و تابعین کے حق میں قرآن و حدیث کے قطعی نصوص سے اور صحابہ کرام و تابعین کے فیصلوں سے اتنی کثیر مقدار میں دلائل موجود ہیں کہ ان کے اکٹھا کرنے سے ایک کتاب مرتب ہوسکتی ہے یہاں چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) جمہور امت نے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿فان طلقها فلاتحل له من بعدحتی تنکح زوجا غیره﴾ اس آیت میں یہ بات یقینی اور اجماعی طور پر ثابت ہوگئی کہ اسلام میں تین طلاق کا وجود ہے اور تین طلاق دینے سے عورت مغلظہ بن جاتی ہے اور دوسرے شوہر سے نکاح اور حلالہ کے بغیر پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

(۲) امام بخاریؒ نے بخاری شریف جلد۲ صفحہ ۷۹۱ میں طلاق ثلاثہ کیلئے مستقل باب (باب من اجاز الطلاق الثلاث) باندھا ہے اور قرآن کریم کی آیت ﴿الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان﴾ سے استدلال کیا ہے آپ نے یا تو (مرتان) کے تثنیہ کو تکریر کے معنی میں لیا ہے کہ مرۃ بعد مرۃ طلاق دینا جائز ہے جس میں تین طلاقیں داخل ہیں یا آپ نے (او تسریح باحسان) سے استدلال کیا ہے کیونکہ تسریح چھوڑ دینے کے معنی میں ہے یہ چھوڑنا ایک طلاق سے ہو یا تین طلاق سے ہو سب کو شامل ہے۔

(۳) امام بخاری نے بخاری شریف کے اسی مندرجہ بالا صفحہ میں یہ باب باندھا ہے (باب من اجاز الطلاق الثلاث) اس کے تحت امام بخاری نے عویمر عجلانیؓ کے لعان کا طویل قصہ نقل کیا ہے اس کے آخر میں ہے (فطلقها ثلاثا) بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے عویمر کی تین طلاقوں کو نافذ قرار دیا معلوم ہوا تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

(۴) بخاری شریف کے اسی صفحہ میں حضرت رفاعہ کی بیوی کا واقعہ بھی امام بخاری نے تین طلاق کے ثبوت اور واقع ہونے کے بارے میں نقل کیا ہے اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں (لاحتی یذوق عسیلتک وتذوقی عسیلته) یعنی تم اپنے شوہر کی طرف اس وقت تک رجوع نہیں کرسکتی ہو جب تک کہ تم اس نئے شوہر کا مزہ چکھ نہ لو اور وہ تمہارا مزہ نہ چکھ لے، اس روایت کو صاحب مشکوٰۃ نے بھی صفحہ ۲۸۴ پر نقل کیا ہے لیکن اس میں یہ الفاظ ہیں (لاحتی تذوقی عسیلته ویذوق عسیلتک)۔

(۵) جمہور نے محمود بن لبیدؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو زیر بحث حدیث سے پہلے حدیث نمبر ۱۸ کے تحت گذر چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں (طلق امرأته ثلاث تطلیقات جمیعا) جس پر آنحضرتؐ سخت ناراض ہوئے تھے لیکن اس ایک مجلس میں ایک ساتھ تین طلاق کو آنحضرت نے تین ہی تسلیم کرلیا اور اس کو ایک قرار نہیں دیا۔

(۶) سنن نسائی (باب احلال المطلقة ثلاثا) میں امام نسائی نے کئی احادیث نقل فرمائی ہیں جن سے تین

طلاقوں کا واقع ہو جانا معلوم ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں عن ابن عمرؓ قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الرجل یطلق امرأتہ ثلاثا فیتزوجھا الرجل فیغلق الباب ویرخی الستر ثم یطلقھا قبل ان یدخل بھا لاتحل للاول حتی یجامعھا الآخر (سنن نسائی جلد۲ صفحہ۱۰۱)

یعنی آنحضرتؐ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو مثلاً اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے اور پھر دوسرا آدمی اس سے نکاح کرتا ہے اور دروازہ بند کر کے پردہ لٹکا کر خلوت صحیحہ کر لیتا ہے لیکن جماع سے پہلے اسے طلاق دیتا ہے آیا یہ عورت پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب تک یہ دوسرا شوہر اس سے جماع نہیں کرتا یہ پہلے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوگی۔

(۷) زیر بحث حدیث نمبر ۱۹ سے بھی جمہور فقہاء نے استدلال کیا ہے جس کو مشکوٰۃ میں موطا مالک کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے گویا یہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا اس شخص کے بارے میں فتوی ہے کہ تین طلاق واقع ہوگئیں اور ۹۷ طلاقیں تیرے گناہ میں شامل ہیں۔

(۸) جمہور امت نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے ایک فتوی سے بھی استدلال کیا ہے آپ کے پاس دو آدمیوں کے متعلق استفتاء آیا تھا کہ ایک نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں اور دوسرے نے ستاروں کی تعداد کے برابر دی تھیں آپ نے جواب میں فرمایا کہ وہ عورت ان سے جدا ہوگئی (بیہقی)

اسی طرح ایک شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں تو حضرت ابن مسعود نے ان الفاظ سے فتوی دیا (بانت منک بثلاث وسائرھن معصیۃ (مصنف ابن ابی شیبہ) یعنی تین طلاقوں سے بیوی جدا ہوگئی اور باقی تیرے گناہ میں داخل ہیں۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کا فتوی ہے (من طلق امرأتہ ثلاثا فقد عصی ربہ وبانت امرأتہ) (مصنف ابن ابی شیبہ) جس نے تین طلاقیں اکٹھی دیدیں تو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے جدا ہوگئیں دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں (لم تحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ)۔

(۹) حضرت ابن عباسؓ سے تو طلاق ثلاثہ کے واقع ہونے کے بارے میں بیشمار اقوال منقول ہیں اور ان سے کثیر تعداد میں فتاوی مشہور ہیں زیر بحث حدیث بھی حضرت ابن عباسؓ کا حکم اور فتوی ہے کہ سو طلاقوں میں تین سے بیوی طلاق ہوگئی اور ستانوے سے قرآن کریم کا مذاق اڑایا گیا، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس کے بہت سارے فتاوی منقول ہیں جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت مغلظہ بن جاتی ہے۔

(۱۰) حضرت مجاہد نے اپنے استاذ حضرت ابن عباس کا ایک فتوی اس طرح نقل کیا ہے (قال رجل لابن عباس طلقت امرأتی مأۃ قال تأخذ ثلاثا وتدع سبعا وتسعین (بیہقی) اسی مقام پر حضرت سعید بن جبیر کا فتوی بھی سنن بیہقی

میں نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے تو بیوی اس پر حرام ہو جائے گی بہر حال صحابہ وتابعین کے بیشمار فتاوٰی اور بیشمار فیصلے موجود ہیں کہ ایک ساتھ تین طلاق دینے سے بیوی مغلظہ ہو کر جدا ہو جاتی ہے اور دوسرے شوہر سے نکاح و جماع کے بغیر پہلے شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے سلف وخلف کے فقہاء اس پر متفق ہیں صحابہ وتابعین کا اس پر اتفاق ہے قرون وسطی کے علماء اس پر متفق نظر آتے ہیں عرب وعجم کے علماء نے اس پر اتفاق کرلیا ہے سعودی عرب کے بڑے بڑے مفتیوں کا یہی فتوٰی ہے سعودیہ کے قاضی القضاۃ شیخ بن باز رحمہ اللہ نے طلاق ثلاثہ کے واقع ہو جانے پر فتوؤں کے علاوہ ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے امت کے اس اتفاق کو دیکھ کر اہل ظواہر اور غیر مقلدین حضرات کے بارے میں تعجب بھی آتا ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے اور امت سے الگ ہونے پر بے اختیار شاعر کا حال یاد آتا ہے جس نے کہا۔

نزلوا بمكة في قوافل نوفل : ونزلت بالبيداء ابعد منزل

یعنی سب لوگ نوفل کے قافلے میں شامل ہو کر مکہ چلے گئے اور میں اکیلے دور دراز جنگل میں جا اترا۔

جوابات

غیر مقلدین حضرات کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے اس حدیث کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ شارحین حدیث کا متفقہ فیصلہ ہے سب کو چاہئے کہ حدیث کا وہی مفہوم اپنائیں جو شارحین نے بیان کیا ہے چنانچہ علامہ نووی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے عہد مبارک میں لوگوں کی عادت ایسی تھی کہ ایک طلاق کے ساتھ تاکید کیلئے مزید دو الفاظ کہتے تھے گویا انت طالق طالق طالق میں پہلی بار ایک طلاق دینا مقصود ہوتا تھا اسی کی تاکید کیلئے دوسرا اور تیسرا کلمہ کہدیا کرتے تھے تین طلاق دینا نہ عادت تھی نہ رواج تھا لیکن بعد کے زمانہ میں لوگوں نے اس کلمہ کو تین بار دہرانا تین بار طلاق دینے کیلئے شروع کر دیا اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ اب لوگ اس تاکیدی سہولت کو نظر انداز کر رہے ہیں اور تین بار طلاق دہرانے سے تاکید نہیں بلکہ استیناف کا ارادہ کر کے تین طلاق دیتے ہیں اس لئے اب اس کو تین ہی قرار دینا پڑیگا یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے کسی شرعی حکم کو تبدیل نہیں کیا ہے بلکہ لوگوں کی عادت اور لوگوں کے افعال واعمال اور لوگوں کے دستور اور عرف کی تبدیلی سے حکم بدل گیا ہے گویا یہ حکم حضور اکرمؐ کے عہد مبارک میں ایسا ہی ہوتا اگر لوگوں کی عادت اس وقت دور فاروقی کی عادت کی طرح ہوتی لیکن اس وقت غالب عادت ایک طلاق کی تھی اور بعد کے دور میں غالب عادت تین طلاق کی ہوگئی تو تین طلاق واقع ہو جانے کا عام حکم دیدیا گیا کیونکہ تین طلاق کی نیت سے طلاق دینا تو حضور کے زمانہ میں بھی تین طلاق ہی سمجھا جاتا تھا۔ عمر فاروق نے اسی تین کے حکم کو نافذ کیا ہے۔

علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ عمر فاروق نے صحابہ کرام کے مشورہ کے بعد یہ حکم نافذ کیا اور کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں کی

لہٰذا اس پر اجماع صحابہ ہو گیا ہے غیر مقلدین حضرات اگر چہ زبان سے یہ نہیں کہتے کہ ہم صحابہ کے کسی فیصلہ کو نہیں مانتے لیکن اگر غور کیا جائے تو انہوں نے اپنے عمل سے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ صحابہ کرام کے اجماعی فیصلوں کے پابند نہیں ہیں مثلاً بیس رکعات تراویح میں یہ حضرات اپنے عمل سے صحابہ کرام کے اجماعی فیصلہ کو رد کر رہے ہیں طلاق ثلاثہ میں بھی یہی صورت حال ہے جمعہ کے لئے اذان میں یہ حضرات کہتے ہیں کہ یہ حضرات عثمان نے گھڑ لیا ہے حد خمر کے اسی (۸۰) کوڑوں میں اور اس قسم کے کئی فیصلوں میں یہ حضرات صحابہ کرام کی بات ٹھکراتے ہیں حالانکہ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہے (**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین**)

غیر مقلدین حضرات کی دوسری دلیل حضرت رکانہ کی روایت ہے جس میں (بتہ) کا لفظ آیا ہے جس سے یہ حضرات تین طلاق مراد لیتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے متن میں بہت اضطراب ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت رکانہ نے (ثلاثہ) کے لفظ کے ساتھ طلاق دی تھی بعض میں آیا ہے کہ آپ نے (البتۃ) کے لفظ کو طلاق کیلئے استعمال کیا تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رکانہ نے ایک طلاق دی تھی چنانچہ نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۴۱ میں اس کی تفصیل موجود ہے اسی لئے امام بخاری نے حضرت رکانہ کی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کے تمام طرق کو ضعیف کہا ہے علامہ ابن عبدالبر نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، سنن ابوداؤد شریف کے متعدد طرق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں بھی اضطراب ہے امام ابوداؤد نے اس روایت میں (بتہ) کے لفظ سے طلاق دینے کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے اور (ثلاثا) کے الفاظ کو مرجوح اور غیر اصح قرار دیا ہے (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۹۸)

حضرت رکانہ کی روایت اگر صحیح بھی ہو اور اس میں کچھ بھی اضطراب نہ ہو پھر بھی اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ (البتۃ) کا لفظ کنائی الفاظ میں سے ایک لفظ ہے اور الفاظ کنائیہ میں سب کے نزدیک ان الفاظ کے استعمال کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت رکانہ سے آنحضرت بار بار حلفیہ بیان لے رہے ہیں کہ ان الفاظ سے تم نے کیا ارادہ کیا تھا انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تب آپؐ نے ایک طلاق کا فیصلہ فرما دیا اور بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا اگر حضرت رکانہ کہتے کہ میں نے تین طلاق کا ارادہ کیا تھا تو آنحضرتؐ ضرور فیصلہ فرما دیتے کہ اب رجوع کی گنجائش نہیں کیونکہ تین طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں رہتا اگر تین طلاق بھی حضور اکرمؐ کے نزدیک ایک ہوتی تو حضرت رکانہ سے بار بار قسم کے ساتھ ایک طلاق کے اقرار لینے کی ضرورت کیا تھی آپؐ صاف صاف فرما دیتے کہ ایک کی نیت کی ہو یا تین کی نیت کی ہو طلاق ایک ہی پڑ گئی ہے تین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا انصاف کی نظر سے اگر دیکھا جائے تو حضرت رکانہ کی روایت غیر مقلدین کی دلیل نہیں بنتی بلکہ جمہور فقہاء کی دلیل بنتی ہے کیونکہ غیر مقلدین تو کہتے ہیں کہ تین کی نیت کوئی کرے یا تین کے صریح الفاظ استعمال کرے طلاق صرف ایک واقع ہوتی ہے حالانکہ حضرت رکانہ کی حدیث میں ایک یا تین کی نیت

کے فرق کو ظاہر کرنے کے لئے بار بار ان سے سوال کیا جار ہا ہے، شارحین حدیث نے حدیث رکانہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس میں (ثلاثا) کے الفاظ جن راویوں نے استعمال کئے ہیں وہ درحقیقت روایت بالمعنی ہے اور انہوں نے (بتۃ) کے لفظ سے تین طلاق کا مفہوم اخذ کر کے (ثلاثا) کے الفاظ کو نقل کیا ورنہ اصل روایت میں صرف (البتۃ) کا لفظ ہے جیسا کہ ابوداؤد سے معلوم ہورہا ہے۔

غیر مقلدین حضرات نے ان عمومی روایات سے بھی بڑے زور وشور سے استدلال کیا ہے جن میں اکٹھی تین طلاق دینے کی ممانعت آئی ہے اور اس کو ناپسند قرار دیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ممانعت اور وعید اپنی جگہ پر درست اور صحیح ہے لیکن ایک ممنوع کام کے کرنے کے بعد کیا اس کا اثر مرتب نہیں ہوگا؟ جمہور امت کا نظریہ یہی ہے کہ ایک ممنوع کام کو اگر کسی نے غلطی سے کرلیا تو اس کا اثر مرتب ہوتا ہے تین طلاق ایک ساتھ دینا اگرچہ ناپسندیدہ عمل ہے لیکن اس ناجائز اور قبیح اور مکروہ کام کے کرنے سے اس کا اثر ضرور پڑیگا صحابہ کرام نے تین سے زیادہ طلاق کو ناپسند قرار دیا اور سخت ناراضگی کا اظہار بھی کیا لیکن اس کے باوجود سو طلاقوں میں سے تین کو نافذ قرار دیا حالت حیض میں ابن عمر کی طلاق کو حضور اکرم نے ناراضگی اور کراہت کے باوجود نافذ کردیا اس قسم کی بہت نظائر ہیں لہٰذا تین طلاق ایک ساتھ دینے کی کراہت کے باوجود صحابہ وتابعین اور جمہور امت نے اس کو تین مان کر نافذ قرار دیا ہے احتیاط اور انصاف کا تقاضا ہے کہ جمہور کے مسلک پر فتویٰ دیا جائے۔

﴿۲۰﴾ وعن مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ

(رواہ الدارقطنی)

اور حضرت معاذ ابن جبل کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (مستحب) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز غلام ولونڈی کو آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (حلال) چیزیں پیدا کی ہیں ان میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز طلاق دینا ہے۔ (دارقطنی)

باب المطلقة ثلاثا

مطلقہ مغلظہ کا حکم

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن عائشة قالت جاء ت امرأة رفاعة القرظي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت انی كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقی فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه الا مثل هدبة الثوب فقال اتريدين ان ترجعي الى رفاعة قالت نعم قال لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك (متفق عليه)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ (ایک دن) رفاعہ قرظی کی عورت رسول کریم صلی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہؓ کے بعد عبدالرحمٰن ابن زبیرؓ سے نکاح کر لیا لیکن عبدالرحمٰن کپڑے پھندنے کی مانند رکھتے ہیں (یعنی اس عورت نے از راہ شرم وحیاء عبدالرحمٰن کی نامردی کو کنایۃ ان الفاظ کے ذریعہ سے بیان کیا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں) آنحضرتؐ نے (یہ سنکر) فرمایا کیا تم پھر رفاعہؓ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں آپؐ نے فرمایا تم اس وقت تک رفاعہؓ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں جب تک عبدالرحمٰن تمہارا مزہ نہ چکھ لے اور تم اس کا مزہ نہ چکھ لو۔ (بخاری، ومسلم)

توضیح

عبد الرحمان بن زبير: زبیر زاء کے فتحہ کے ساتھ ہے اس سے مراد حضرت زبیر نہیں بلکہ کوئی اور شخص ہے۔

هدبة الثوب: کپڑے کا وہ کنارہ جو لٹک رہا ہو اور بنا ہوا نہ ہو اس کو (هدبة الثوب) کہتے ہیں ھاء پر ضمہ ہے اور دال پر سکون ہے اس کو جھالر بھی کہہ سکتے ہیں یہ نامردی کی طرف اشارہ ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ عبدالرحمان نے کہا کہ (انما ابثها بثا) یعنی میں تو اس کو جھاڑ کر رکھتا ہوں میں نامرد نہیں ہوں علماء نے تطبیق دی ہے کہ عبدالرحمان نے بھی سچ کہا ہے مگر یہ عورت اس سے زیادہ قوت کی خواہشمند تھی تو ان کا کہنا بھی صحیح ہے مگر اس نے تشبیہ دینے میں خوب زور دیا ہے اور بیوہ عورت کے ساتھ شادی کرنے میں یہ خرابی تو لازم ہے، اس حدیث سے ایک تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ تین طلاق تین ہی واقع ہو جاتی ہیں اور دوسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ حلالہ کے بغیر یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہے اور تیسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ حلالہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہاں اس کی خراب صورتیں بہر حال خراب ہونگی لیکن اس کے وجود کا انکار تو نہیں ہو سکتا البتہ اگر کوئی شخص اس نکاح

اور اس حلالہ کو حلالہ کے بجائے کوئی اور نام تجویز کر کے دیتا ہے تو اصطلاحات کے تغیر میں کوئی بخل نہیں ہے چوتھی بات یہ ثابت ہوگئی کہ زوج ثانی کا جماع کرنا ضروری ہے اور ﴿حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ میں صرف نکاح مراد نہیں بلکہ وطی مراد ہے حضرت سعید بن میسّب نے پہلے صرف نکاح کو کافی قرار دیا تھا مگر بعد میں حدیث عسیلہ کی وجہ سے رجوع کیا۔

حلالہ کا بیان

الفصل الثانی

﴿۲﴾عن عَبدِاللّٰهِ بنِ مَسعُودٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ (رواه الدارمی) وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجه عَنْ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ.

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محلل اور محلل لہ پر لعنت فرمائی ہے (دارمی) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

لعن المحلل: مُحَلِّلٌ یعنی حلال کرنے والا زوج ثانی کو کہتے ہیں اور (مُحَلَّلٌ لَهُ) یعنی جس کے لئے حلال کیا جاتا ہے زوج اول کو کہتے ہیں، حلالہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیں عدت گذرنے کے بعد یہ شخص دوبارہ اس مطلقہ مغلظہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ شخص اب نکاح نہیں کرسکتا ہاں اگر اس عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کرلیا اور اس نے جماع بھی کرلیا اور پھر خود طلاق دیدی تو عدت گذرنے کے بعد یہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال ہوجائیگی یہ حلالہ ہے اور یہ حلالہ کی وہ جائز صورت ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ﴿حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ کے ساتھ کیا گیا ہے البتہ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زوج ثانی پر کوئی لازم نہیں کہ وہ طلاق دیدے اگر وہ طلاق نہیں دیتا تو وہ اس کی بیوی ہے لیکن اگر اس نے رضا اور رغبت کے ساتھ طلاق دیدی تو عورت پر عدت گذارنا لازم ہے پھر جا کر نکاح کرسکتی ہے۔

حلالہ کی مکروہ تحریمی صورت

اگر زوج ثانی نے شرط لگائی کہ جماع کے بعد طلاق دوں گا یا عورت نے یہی شرط لگائی یا زوج اول نے یہی شرط رکھی یا زوج ثانی نے زوج اول سے رقم طے کرلی کہ اتنا پیسہ دوگے تو میں حلالہ کروں گا یہ تمام صورتیں حلالہ کی مکروہ تحریمی صورتیں ہیں کیونکہ یہ مقاصد نکاح کے منافی ہیں نکاح میں دوام ہوتا ہے اور اس میں عدم دوام کی شرط لگائی گئی ہے۔

جمہور ائمہ کے نزدیک یہ حلالہ صحیح نہیں اور جماع کے باوجود یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ

شرائط فاسد ہیں لہٰذا نکاح فاسد ہوگیا تو حلالہ صحیح نہیں ہوا ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ یہ فاسد شرائط خود فاسد ہوجائیں گی اور نکاح صحیح رہ جائیگا کیونکہ شرائط فاسدہ سے عقد نکاح فاسد نہیں ہوتا اور جب عقد نکاح صحیح ہوا تو حلالہ بھی صحیح ہوگیا تو عورت زوج اول کے لئے حلال ہوگئی جمہور نے زیر بحث حدیث میں لفظ لَعَنَ کو دیکھا ہے لیکن لفظ مُحَلِّل کو نہیں دیکھا جس میں حلال کرنے کا مفہوم پڑا ہوا ہے،

اب سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں حلالہ کرنے والے پر لعنت کیوں کی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لعنت کا تعلق حلالہ کی ان صورتوں سے ہے جو مکروہ تحریمی ہیں انہیں صورتوں کے پیش نظر بعض روایات میں (محلل) کو (تَيس مُستَعَار) یعنی عاریت کا بکرا کہا گیا ہے اور زیر نظر حدیث میں اس پر لعنت کی گئی ہے اب دوسرا سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں (محلل له) یعنی زوج اول پر بھی لعنت کی گئی ہے اس کا قصور کیا ہے تو علماء نے فرمایا ہے کہ چونکہ اس نے مغلظہ طلاق دیکر اس زوج ثانی کو حلالہ کی ان مکروہ صورتوں میں ڈالدیا ہے اس لئے وہ بھی مستحق لعنت ہوا خلاصہ یہ کہ اگر حلالہ میں یہ مکروہ صورتیں نہ ہوں اور زبان حال وزبان قال سے واضح طور پر ان ناجائز شرائط کا اظہار نہ ہو تو فی نفسہ حلالہ قابل مواخذہ نہیں ہے بلکہ بعض انتہائی مجبوری میں قابل اجر بھی ہوسکتا ہے جبکہ نیت اصلاح احوال کی ہو کیونکہ قرآن کی آیت میں ﴿حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ کا بھی ایک عام مفہوم ہے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں حلالہ کی ممنوع اور قابل لعنت صورت یہ بتائی ہے کہ مطلقہ مغلظہ عورت نے خود بخود غیر کفو میں سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا تو اس صورت میں اگرچہ زوج ثانی جماع بھی کرلے یہ حلالہ صحیح نہیں ہے اور زوج اول کے لئے یہ حلال نہیں ہوسکتی اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ایلاء کا مسئلہ

﴿۳﴾وعن سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُولُ يُوقَفُ الْمُؤْلِي (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔ (شرح السنہ)

توضیح

یوقف المولی: یعنی ایلا کرنے والے کو ٹھہرایا جائے گا اور اس کو روکا جائے گا اور اس کو اس کا پابند بنایا جائیگا کہ تم نے جب ایلا کیا ہے تو اب چار ماہ کے بعد وطی کرکے بیوی کی طرف رجوع کرلو یا طلاق دیدو اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کو قید کرکے جیل میں ڈالدو یہ اس جملہ کا ظاہر مطلب ہے جو جمہور کے موافق ہے۔

لغت میں ایلاقسم کو کہتے ہیں امرأالقیس نے اپنی محبوبہ کے انکار اور قسم کھانے کے متعلق کہا۔

ویوما علی ظهر الكثيب تعذرت علی والت حلفة لم تحليل

اصطلاح میں ایلاء اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ یا اس سے زائد تک اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہیں کریگا یہ ایلاء ہے، اب اگر اس شخص نے چار ماہ کے اندر اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو ایلاء ختم ہوگیا یہ شخص حانث ہوگیا اب کفارہ قسم ادا کرنا ہوگا اور اگر چار ماہ گذر گئے اور اس نے رجوع نہیں کیا تو ائمہ احناف کے نزدیک اس مدت کے گذر جانے سے خود بخود ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی قاضی کی تفریق کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ اس شخص کو طلاق دینے یا رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ چار ماہ گذر جانے کے بعد خود بخود طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ ایلاء کرنے والے سے کہا جائیگا کہ یا اپنی بیوی کی طرف رجوع کرلو یا اس کو طلاق دیدو اگر وہ نہ طلاق دیتا ہے اور نہ رجوع کرتا ہے تو قاضی اس کو قید میں ڈالدیگا تا کہ وہ یا طلاق دیدے یا رجوع کرے لیکن اگر اس ضدی ظالم نے کچھ بھی نہ کیا بلکہ انکار کردیا تو اب قاضی اس کا قائم مقام ہوجائیگا اور وہ طلاق دیدیگا یعنی دونوں میں تفریق کا حکم کردیگا جو ایک طلاق بائن ہوگی، مذکورہ روایت بظاہر جمہور کی دلیل ہے کیونکہ ایلاء کرنے والے کو چار ماہ سے قبل رجوع یا طلاق پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے معلوم ہوا چار ماہ کی مدت گذرنے کے بعد یہ معاملہ کرنا ہے اگر مدت گذرنے سے طلاق بائن واقع ہوتی تو (یوقف المولی) کی کیا ضرورت تھی؟ ائمہ احناف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿للذين يولون من نسائهم تربص اربعة اشهر فان فاؤا فان الله غفور رحيم . وان عزموا الطلاق فان الله سميع عليم﴾ اب اس آیت سے ایک بات یہ واضح ہوگئی کہ ایلاء کی کم از کم مدت چار ماہ ہے اس سے کم میں ایلاء نہیں ہوگا بلکہ صرف قسم ہوگی غیر مقلدین حضرات کے نزدیک چار ماہ سے کم میں بھی ایلاء ہے ایلاء کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ہے لیکن ان کا مسلک اس آیت کے اشارات کے منافی ہے نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے کہ (لا ايلاء فيما دون اربعة اشهر) یہ روایت بھی اہل ظواہر کے مسلک کو رد کرتی ہے اسلام سے پہلے جاہلیت میں ایلاء دو سال تک طویل ہوتا تھا اسلام نے اس کے لئے چار ماہ مقرر کردیئے ہیں، اس آیت سے احناف کے مسلک کے مطابق دوسری یہ بات ثابت ہوگئی کہ چار ماہ گذرنے کے بعد ایک طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے کیونکہ آیت کہتی ہے کہ اگر ایلاء کرنے والے نے چار ماہ کے اندر رجوع نہ کیا تو اس نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا (وان عزموا الطلاق) سے احناف نے بجا طور پر استدلال کیا ہے یہاں قاضی کے فیصلے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایلاء ایک نجی معاملہ ہے اس کا قاضی اور اس کی عدالت سے کوئی واسطہ نہیں قاضی کی مداخلت لعان میں ہوتی ہے ایلاء میں نہیں ہوتی لہٰذا جمہور نے جو یہاں

تفریق قاضی کو ضروری کہا ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

احناف کے مسلک کے مطابق بڑے بڑے صحابہ جیسے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرات عبادلہ ثلاثہ یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھم سب نے فرمایا کہ ایلاء کی مدت چار ماہ کے گذرنے سے بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے ملاعلی قاری نے اس کی بڑی تفصیل بیان فرمائی ہے یہاں اختصار کے پیش نظر صرف ایک روایت نقل کرنا کافی ہے (عن ابن عباس وابن عمر قالا اذا الیٰ ولم یفئی حتی مضت اربعة اشهر فهی تطليقة بائنة ،رواه ابن ابی شيبه) مرقات جلد ۶ صفحہ ۲۹۹) بہر حال احناف نے اپنے دلائل کو زیر بحث مذکورہ جملے کے مقابلے میں راجح قرار دیا ہے ایلاء میں رجوع کرنے کا ایک طریقہ تو اپنی بیوی سے جماع کرنا ہے یہ رجوع بالفعل ہے دوسرا طریقہ زبان سے رجوع کرنے کا ہے جو رجوع بالقول کہلاتا ہے۔

ظہار کا حکم

﴿۴﴾وعن اَبِی سَلَمَةَ اَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ صَخْرٍ وَيُقَالُ لَهُ سَلَمَةُ ابْنُ صَخْرِ الْبَيَاضِیُّ جَعَلَ اِمْرَاَتَهُ عَلَيْهِ كَظَهْرِ اُمِّهِ حَتّٰى يَمْضِىَ رَمْضَانُ فَلَمَّا مَضٰى نِصْفٌ مِنْ رَمْضَانَ وَقَعَ عَلَيْهَا لَيْلًا فَاَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو اَعْطِهِ ذٰلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ يَاخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا اَوْسِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا لِيُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا (رواه الترمذی) وَرَوَى اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهُ قَالَ كُنْتُ اِمْرَاً اُصِيْبُ مِنَ النِّسَاءِ مَالَا يُصِيْبُ غَيْرِی وَفِی رِوَايَتِهِمَا اَعْنِی اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِیَّ فَاَطْعِمْ وَسَقًامِنْ تَمْرٍ بَيْنَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا .

اور حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سلمان ابن صخر نے کہ جن کو سلمہ ابن صخر بیاضی کہا جاتا تھا اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا تاوقتیکہ رمضان ختم ہو (یعنی انہوں نے بیوی سے یوں کہا کہ ختم رمضان تک کے لئے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) مگر ابھی آدھا ہی رمضان گذرا تھا کہ انہوں نے ایک رات اپنی بیوی سے صحبت کرلی پھر (جب صبح ہوئی تو) وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا، آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کردو، انہوں نے عرض کیا کہ میں اسکی استطاعت نہیں رکھتا، آنحضرتؐ نے فرمایا دو مہینے

یعنی پے در پے روزے رکھو، انہوں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے (کیونکہ حکم خداوندی تو یہ ہے کہ دو مہینے اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیۃً اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی وجہ سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے عرض کیا کہ میں تو اس کی بھی طاقت نہیں رکھتا۔ پھر آنحضرت ؐ نے (ایک اور صحابی) حضرت فروہ ابن عمروؓ سے فرمایا کہ انکو کھجوروں کا وہ عرق دیدو (جو ایک شخص دے گیا تھا) تاکہ یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیں اور عرق کھجوروں کے پتوں سے بنے ہوئے تھیلے (چھابے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریباً ساڑھے باون سیر یا ۵۶ سیر) کھجوریں سماتی ہیں۔ (ترمذی) اور ابوداؤد ابن ماجہ اور دارمی نے اس روایت کو سلیمان ابن یسار سے اور انہوں نے حضرت سلمہ ابن صخر سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہؓ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں اپنی عورتوں سے اس قدر قربت کیا کرتا تھا کہ کوئی شخص میری برابر قربت نہیں کرتا تھا (چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اور ان دونوں یعنی ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت ؐ نے (ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ فرمانے کی جگہ) یہ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ۔

توضیح

کظھر امه : مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں (**باب المطلقة ثلاثا**) کے بعد (**وفیه ذکر الظهار والایلاء**) کے الفاظ عنوان میں مذکور ہیں اسی وجہ سے اس باب میں ایلاء کی حدیث بھی ہے اور ظہار کی احادیث بھی آئی ہیں یا ایلاء اور ظہار بھی طلاق کی ایک قسم ہے اس لئے طلاق کے ابواب کے ضمن میں ذکر کیا گیا، زیر نظر حضرت ابوسلمہؓ کی حدیث میں ظہار کا حکم بیان کیا گیا ہے ظہار اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو یا اس کے جسم کے اہم اور مشہور حصہ کو اپنی محرمات ابدیہ کے جسم کے اس حصہ سے تشبیہ دے جس حصہ کی طرف اس کیلئے دیکھنا حرام ہو جیسے اپنی بیوی سے یوں کہدے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح حرام ہو یا تیرا سر یا پیٹ میری ماں کے پیٹ کی طرح ہے ان الفاظ کے بعد اس عورت سے جماع کرنا اور بوس وکنار ہونا سب حرام ہو جاتا ہے ہاں اگر وہ کفارۂ ظہار ادا کردے پھر جماع جائز ہو جائیگا کفارۂ ظہار ادا کرنے سے پہلے اگر اس نے جماع کیا تو اس پر استغفار لازم ہے صرف وہی کفارۂ ظہار ادا کرنا ہوگا مزید کوئی جرمانہ نہیں آئے گا البتہ کفارہ ادا کرنے سے پہلے دوبارہ جماع نہ کرے۔

حتی یمضی رمضان : اس جملہ سے معلوم ہوا کہ موقت ظہار جائز ہے اور جب مقررہ وقت گذر جائے تو ظہار باطل ہو جائیگا ابن ھمامؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کسی معین مدت کیلئے ظہار کیا (مثلاً یوں کہدیا کہ رمضان تک ظہار ہے) تو یہ

قید لگائی صحیح ہے اور وقت کے گذر جانے سے ظہار باطل ہو جائیگا۔

اطعم ستین : کفارۂ ظہار میں یہ ترتیب ہے کہ اول تو غلام آزاد کرنا متعین ہے اگر غلام میسر نہیں تو ساٹھ دن روزے رکھنے ہونگے لیکن غلام آزاد کرنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے اسی طرح روزے مکمل ہونے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے مگر اس سے کفارہ کا اعادہ لازم نہیں آتا صرف استغفار کرنا لازم ہے اگر روزے نہیں رکھ سکتا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا پڑیگا مگر اس سے پہلے جماع کرنا حرام ہے ہاں اگر جماع کرلیا تو استغفار کرے کفارہ کا اعادہ نہیں ہے۔

سوال:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو ۱۶ صاع کھجور کفارہ میں ادا کر دیا حالانکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کھجوریں دینی ہوں تو ہر مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار کے برابر دی جائیں اس حساب سے تو ساٹھ صاع کھجوریں ہونی چاہیئے؟

جواب:

آنحضرتؐ نے حضرت سلمہ سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو مساکین پر صرف کرو خرچ کرو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ پورا کفارہ یہی ہے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جتنی کھجوریں موجود ہیں ان کو تقسیم کردو اور باقی اپنی طرف سے ملا دو نیز بعض روایات میں یہ تفصیل ہے کہ یہ شخص خود غریب تھا تو فی الحال سب کھجوریں ان کو دیدی گئیں اور کفارہ بعد میں ادا کرلیا گیا تیسرا جواب یہ ہے کہ اسی روایت میں ابوداؤد اور دارمی کے حوالہ سے ایک وسق کا ذکر موجود ہے اور وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا کیونکہ اس شخص کو گویا کہدیا گیا کہ یہ سولہ صاع لے لو اور اپنے پاس سے باقی کھجوریں ملا کر ایک وسق پوری کرلو فقہاء نے لکھا ہے کہ کفارۂ ظہار میں اگر کوئی شخص روزے رکھنا چاہتا ہے تو ان روزوں میں اس طرح تسلسل ہونا چاہئے کہ بیچ میں ایام منہیہ نہ آئیں امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ اگر ظہار کرنے والے نے روزوں کے درمیان جماع کرلیا تو نئے سرے سے روزے رکھے مگر امام ابویوسفؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ استیناف نہیں ہے صرف استغفار کرے، جمہور کے ہاں کفارۂ ظہار میں مسلمان غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے احناف فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں مطلق غلام کا ذکر ہے لہٰذا مسلمان ہونا افضل ہے لیکن واجب نہیں اسی طرح غلام ہو یا لونڈی ہو، بالغ ہو یا نابالغ ہو سب جائز ہے کیونکہ آیت مطلق ہے آئندہ حدیث نمبر ۵ اور حدیث نمبر ۶ کی تشریح بھی اس توضیح میں آگئی۔

﴿۵﴾ وعن سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَاحِدَةٌ (رواه الترمذى وابن ماجه)

اور حضرت سلیمان ابن یسارؒ (تابعی) حضرت سلمہؓ ابن صخر سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

ظہار کرنے والے کے بارے میں جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرلے فرمایا کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

الفصل الثالث

﴿۶﴾ عن عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنْ اِمْرَاَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ فَقَالَ لَهٗ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْتُ بَيَاضَ حَجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِي اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ لَا يَقْرَبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ (رواه ابن ماجه) وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ، وَرَوَى اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ مُسْنَدًا وَمُرْسَلًا وَقَالَ النَّسَائِيُّ اَلْمُرْسَلُ اَوْلٰى بِالصَّوَابِ مِنَ الْمُسْنَدِ.

حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کرلیا، اس کے بعد وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ نے اس سے فرمایا کہ کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا (یعنی کیا وجہ پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے) اس نے عرض کیا کہ چاندنی رات میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑگئی اور میں جماع کرنے سے اپنے آپ کو روک نہیں سکا (یہ سنکر) آنحضرتؐ ہنس دیئے اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اس سے اس وقت تک جماع نہ کرو جب تک کفارہ ادا نہ کردو۔ (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی (یعنی اس کے ہم معنی) روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے، نیز ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح کی روایت مسند و مرسل نقل کی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ مسند کی بہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے۔

باب
ظہار کے دیگر مسائل
الفصل الاول

﴿۱﴾عن مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِى جَارِيَةً كَانَتْ تَرْعٰى غَنَمًا لِىْ فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدْتُ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَالْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِىْ آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَىَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِى السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا (رواه مالک) وَفِى رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَ كَانَتْ لِى جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًالِى قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَومٍ فَاِذَاالذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِى آدَمَ آسَفُ كَمَا يَاْسَفُونَ لٰكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَىَّ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اَفَلَااُعْتِقُهَا قَالَ اِئْتِنِى بِهَا فَقَالَ لَهَااَيْنَ اللّٰهُ قَالَتْ فِى السَّمَاءِ قَالَ مَنْ اَنَا قَالَتْ اَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَامُؤْمِنَةٌ.

حضرت معاویہ ابن حکمؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری ایک لونڈی ہے جو میرا ریوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور ریوڑ میں اپنی ایک بکری کم پائی تو میں نے اس سے بکری کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا ہوئی؟ اس نے کہا کہ بھیڑیا لے گیا مجھ کو اس پر غصہ آگیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں (یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بتقاضائے بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے) اس لئے میں نے اس لونڈی کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت (کفارہ ظہار، یا کفارہ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے) مجھ پر ایک بردہ (یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اسی لونڈی کو آزاد کر دوں (تاکہ میرے ذمہ سے وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی وجہ سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں) آنحضرتؐ نے (یہ سنکر) اس لونڈی کو طلب فرمایا (اور اس سے) پوچھا کہ بتاؤ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں پھر آنحضرتؐ نے پوچھا میں کون ہوں؟ اس نے کہا آپ اللہ کے رسول ہیں، اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر دو۔ (رواہ مالک) مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میرا ریوڑ چرایا کرتی تھی (جوانیہ احد پہاڑ کے قریب

ایک جگہ کا نام ہے) ایک دن جو میں نے اپنا ریوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو ریوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح (کسی نقصان واتلاف کی وجہ سے) اولاد آدم کو غصہ آجاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آگیا (چنانچہ اس غصہ کی وجہ سے میں نے چاہا کہ اس لونڈی کو خوب ماروں) لیکن میں اس کو ایک ہی تھپڑ مار کر رہ گیا، پھر میں رسول کریم صلی اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور آپؐ کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا) آنحضرتؐ نے اس واقعہ کو میرے حق میں ایک امر اہم جانا اور فرمایا کہ تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کردوں؟ آپؐ نے فرمایا اس کو میرے پاس بلاؤ میں اس لونڈی کو آنحضرتؐ کے پاس بلالایا، آنحضرتؐ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے جواب دیا کہ آسمان میں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اس لونڈی کو آزاد کردو کیونکہ یہ مسلمان ہے۔

توضیح

والجوانیة: احد پہاڑ کے پاس ایک جگہ ہے اس کا نام جوانیہ ہے اس لفظ میں واو پر شد ہے اور جیم پر فتحہ ہے۔

فاطلعت: طاء مشدد ہے یہ جھانک کر دیکھنے کے معنی میں ہے۔

آسف: ہمزہ پر مد ہے اور سین مفتوح ہے یہ مادہ دو بابوں سے آتا ہے سمع یسمع سے دردمند اور غمگین ہونے کے معنی میں ہے اور باب افعال سے غصہ میں ڈالنے کے معنی میں آتا ہے (فلما آسفونا) اسی باب افعال سے ہے اس حدیث میں علامہ طیبیؒ اور ملا علی قاریؒ دونوں نے اس لفظ کو غصہ اور غضب کے معنی میں لیا ہے۔

لکن: یہ لفظ استدراک کے طور پر آیا ہے (ای واردت ان اضربها ضربا شدیدا ولکن) یعنی شدید پٹائی کو چھوڑ کر صرف ایک تھپڑ مارا۔

صککتها: نصر ینصر سے صکا وصکة چہرہ پر تھپڑ رسید کرنے کو کہتے ہیں۔

این الله: آنحضرتؐ نے اس لونڈی سے یہ سوال اس لئے نہیں پوچھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جہت اور مکان ومقام بتادے بلکہ حضور اکرمؐ کا مقصد صرف اتنا معلوم کرنا تھا کہ یہ لونڈی موحدہ مؤمنہ ہے یا نہیں اور چونکہ مشرکین عرب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جتنے بھی معبود شریک ہیں وہ سب زمین پر ہیں اور آسمان میں جو رب ہے وہ وہی اللہ ہے اس لئے جب لونڈی نے جواب دیا کہ (فی السماء) تو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ واحد لاشریک بادشاہ آسمان میں ہے ان کا کوئی شریک نہیں ہے اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو یہ مؤمنہ موحدہ ہے افضل اور بہتر یہی ہے کہ کفارۂ ظہار میں آزاد ہونے والا غلام یا

لونڈی مسلمان ہو اور اگر مسلمان نہ ہو تو اس سے بھی کفارہ ادا ہو جاتا ہے احناف کا یہی مسلک ہے البتہ جمہور فرماتے ہیں کہ غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے وہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں احناف فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں کفارۂ ظہار کی ترتیب اس طرح ہے ﴿والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبة من قبل ان یتمآسا الخ ﴾ ﴿فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتمآسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا﴾ (مجادلہ) اس ترتیب میں (رقبۃ) کا لفظ مطلق ہے خواہ مسلمہ ہو خواہ کافرہ ہو البتہ حدیث کی وجہ سے مسلمان ہونا افضل ہے، یہاں ان دو روایتوں میں بظاہر معمولی سا تضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ موطا مالک کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس صحابی نے فرمایا کہ میرے ذمہ ایک غلام آزاد کرنا ہے تو کیا اس کے عوض میں اس لونڈی کو آزاد کر سکتا ہوں تا کہ وہ کفارہ بھی ادا ہو جائے اور اس مارنے کی پشیمانی کا علاج بھی ہو جائے۔

ادھر مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم نے اس لونڈی کو تھپڑ رسید کرنے کی وجہ سے آزاد کیا ہے، اس تضاد کا جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض نہیں ہے صرف اتنی بات ہے کہ موطا مالک کی روایت میں تفصیل ہے اور مسلم کی روایت میں اجمال ہے تو اس اجمال کو اس تفصیل کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہ اس صحابی کے ذمہ کوئی دوسرا کفارہ بھی تھا لیکن انہوں نے چاہا کہ اس میں وہ اس مارنے کے کفارہ کی نیت بھی اگر کرے تو کیا یہ نیت صحیح ہوگی یا نہیں تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے۔

••••••••••••••••••••••••••••

باب اللعان

لعان کا بیان

قال اللّٰہ تعالیٰ ﴿والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھدآء الاانفسھم فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ انہ لمن الصادقین ،والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکاذبین ویدرؤعنھا العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ لمن الکاذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصادقین (نور)﴾

لعان فعال کے وزن پر باب مفاعلہ کا مصدر ہے اس کا مادہ لعنت ہے اور چونکہ میاں بیوی ایک دوسرے کو رحمت خداوندی سے باہر کرتے ہیں یا رشتہ زوجیت سے ایک دوسرے کو دور کرتے ہیں اس لئے لغوی اعتبار سے اس کو لعان کہدیا گیا نیز ان قسموں میں لعنت کا لفظ صراحۃ موجود ہے اس لئے بھی اس معاملہ کا نام لعان رکھا گیا ہے۔

لعان کا اصطلاحی مفہوم

لعان کی اصطلاحی تعریف میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے ائمہ احناف کے نزدیک لعان کی تعریف اس طرح ہے (**شھادات مؤکدات بالایمان**) یعنی قسموں کے ساتھ تاکید شدہ گواہی کا نام لعان ہے لہٰذا لعان حنفیہ کے ہاں شہادت کی قسم سے ہے اسی لئے لعان میں شہادت کی تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے چنانچہ نابالغ اور مجنون میں چونکہ شہادت کی اہلیت نہیں لہٰذا وہ لعان بھی نہیں کرسکتے ہیں اسی طرح کافر اور مسلمان کا آپس میں لعان نہیں اسی طرح محدود فی القذف بھی لعان نہیں کرسکتا کیونکہ یہ سب لوگ شہادت کی اہلیت نہیں رکھتے تو لعان کے اہل بھی نہیں ہیں، جمہور کے نزدیک لعان کی تعریف یہ ہے(**ایمان مؤکدات بلفظ الشھادۃ**) ان کے ہاں لعان باب الیمین سے ہے چنانچہ ان کے ہاں جو کوئی یمین اور قسم کا اہل ہوگا وہ لعان کا بھی اہل ہوگا تو ان کے ہاں محدود فی القذف اور غیر مسلم کافر لعان کرسکتے ہیں۔

لعان کی حقیقت:۔

لعان کی صورت اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور بیوی انکار کرے اور کہدے کہ تم نے مجھ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے اب اس کو ثابت کرو اس طرح یہ عورت اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں جاکر قاضی کے سامنے فریاد کرے قاضی شوہر کو بلائے اور دعوٰی کے ثبوت کے لئے چار گواہ مانگے اگر بہتان ثابت ہوگیا تو عورت پر رجم کا حکم نافذ ہوگا اور اگر شوہر چار گواہ پیش نہ کرسکا تو اب دونوں میں لعان کا حکم نافذ ہوگا، لعان کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے شوہر کہے گا

کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اس عورت پر زنا کی جو تہمت لگائی ہے میں اس میں سچا ہوں چار دفعہ عورت کی طرف اشارہ کر کے شوہر یہ قسم کھائے اور پانچویں بار اس طرح قسم کھائے کہ اگر میں اس الزام میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو پھر اس کے بعد عورت اس طرح قسم کھائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میرے اس شوہر نے مجھ پر زنا کی جو تہمت لگائی ہے اس میں یہ جھوٹا ہے چار دفعہ اس طرح قسم کھانے کے بعد پانچویں مرتبہ عورت کہے کہ اس شوہر نے مجھ پر جو تہمت لگائی ہے اگر اس میں یہ سچا ہے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو۔

لعان کی حکمت

یاد رہے کہ لعان کا حکم حد زنا کے بعد آیا ہے یہ ایک الگ قانون ہے جو صرف میاں بیوی کے ساتھ خاص ہے اور اس میں شوہر کی عزت وعظمت اور اس کی غیرت کا احترام کیا گیا ہے کیونکہ اگر شوہر نے مثلا اپنی آنکھوں سے اپنی بیوی کو زنا کرتے ہوئے دیکھ لیا اب اگر زبان سے زنا کی نسبت بیوی کی طرف کرتا ہے اور چار گواہ نہیں تو اس کی پیٹھ پر حد قذف کے اسی (۸۰) کوڑے لگیں گے یہ الگ مصیبت ہے اور اگر عورت کی اس قبیح حرکت پر خاموش رہتا ہے تو زندگی بھر خون کے گھونٹ پیتا رہ جائیگا اور ہمیشہ کے لئے غیظ وغضب اور غم والم میں پیچ وتاب کھاتا رہیگا، شریعت مطہرہ نے شوہر کو اس مصیبت سے نکالنے کے لئے حد زنا سے الگ ایک راستہ نکالدیا ہے کہ اگر گواہ نہیں تو قسمیں کھاؤ لعان کرو اور اگر دونوں سے شوہر انکار کرتا ہے تو قاضی اس کو دو چیزوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کیلئے مجبور کر کے قید بھی کر سکتا ہے ورنہ حد قذف لگے گی۔

لعان کے نتیجہ میں فقہاء کا اختلاف

میاں بیوی کے درمیان جب لعان کا عمل مکمل ہو جائے تو اس کے بعد کیا نتیجہ برآمد ہوگا اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے امام شافعی اور امام مالک اور ایک قول میں امام احمد فرماتے ہیں کہ لعان کے بعد میاں بیوی کے درمیان خود بخود فرقت اور جدائی آجائے گی قاضی کی تفریق اور اس کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے ائمہ احناف اور ایک قول میں امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف لعان کرنے سے میاں بیوی میں تفریق نہیں آئے گی بلکہ قضاء قاضی کی ضرورت پڑیگی۔

دلائل:۔

جمہور نے حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی ایک روایت اور اثر سے استدلال کیا ہے جس کو عبد الرزاق نے مصنّف میں نقل کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (المتلاعنان لا یجتمعان ابدا) طرز استدلال اس طرح ہے کہ اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ لعان کرنے کے بعد میاں بیوی ہرگز اکٹھے نہیں رہ سکتے ہیں اگر لعان سے فرقت نہیں آئی تو اس سے میاں بیوی کے درمیان اجتماع لازم آجائیگا جو اس روایت کی تصریح کے خلاف ہے، ائمہ احناف نے حضرت عویمر عجلانی کی روایت سے

استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں (کذبت علیها ان امسکتها فطلقها ثلاثا) اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ لعان کے بعد تین طلاقیں دیدی گئیں اگر لعان سے خود بخود فرقت واقع ہو جاتی تو تین طلاق کی کیا ضرورت تھی دوسری بات یہ بھی واضح ہوگئی کہ ایک ساتھ تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں تیسری بات یہ واضح ہوگئی کہ حضرت عویمر خود فرماتے ہیں کہ اگر اب لعان کے بعد میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس عورت پر جھوٹ بولا اس لئے میں اس کو طلاق دیتا ہوں یہ بیان اس کی واضح دلیل ہے کہ صرف لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی ہے اگر اس سے فرقت ہو جاتی تو عویمر خود یہ بیان کبھی نہیں دے سکتے تھے ائمہ احناف نے سنن ابی داؤد کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو عویمر عجلانی ہی کا قصہ ہے اس میں یہ الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لعان کے بعد تفریق کرنا مسنون طریقہ ہے ملاحظہ ہو (فمضت السنة بعد فی المتلاعنین ان یفرق بینهما ثم لایجتمعان ابدا) (ابوداؤد جلد اصفحہ ۳۰۶) احناف نے حضرت ابن عمرؓ کی اس باب کی دوسری حدیث سے بھی استدلال کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں (ففرق بینهما) ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف لعان تفریق کا سبب نہیں ہے بلکہ قاضی کی مداخلت کی ضرورت ہے یہ بات عقلی دلیل سے بھی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ لعان کا سارا معاملہ قاضی کی عدالت سے وابستہ ہے جس میں دعوٰی ہے، گواہی ہے اور قسم ہے جب یہ سارا معاملہ عدالت کے تحت چل رہا ہے تو تفریق زوجین کا معاملہ کیوں عدالت کے اختیار سے باہر کیا جاتا ہے رہ گیا ایلاء کا مسئلہ تو لعان کو ایلاء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ ایلاء ایک نجی گھریلو معاملہ ہے جس میں قاضی کی مداخلت نہیں ہے، باقی (المتلاعنان لایجتمعان ابدا) کا مطلب یہ ہے کہ لعان کی تکمیل کے بعد میاں بیوی کی جدائی ہمیشہ کیلئے ہے اور اس مطلب میں نہ کسی کو اختلاف ہے اور نہ یہ مطلب کسی کے خلاف ہے۔

زنا میں قتل کرنے کا حکم

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو حالت زنا میں خود دیکھا تو کیا وہ اسے قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس میں کافی تفصیل ہے خلاصہ یہ کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو حالت زنا میں دیکھ لیا اور جوش غیرت میں آکر دونوں کو قتل کر دیا تو امید ہے کہ عنداللہ ماخوذ نہیں ہوگا فقہاء نے یہ جملہ لکھا ہے (وله قتلهما) کہ شوہر دونوں کو قتل کر سکتا ہے لیکن چونکہ ظاہری شریعت کے قواعد کی اس اقدام سے خلاف ورزی ہوئی، اس لئے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ شرعی عدالت میں اس شخص کو لاکر قصاص میں مارا جائیگا۔

تشریح لغات

(انظروا) یہ لفظ نظر سے انتظار کے معنی میں ہے یعنی دیکھو اور انتظار کرو (اسحم) یعنی جسم کا لاکلوٹا ہو (ادعج

العینین) آنکھوں کی سیاہی جب سیاہ تر ہو اور سفیدی سفید تر ہو اس کو ادعج العینین کہتے ہیں (الیتین) یہ الیۃ کا تثنیہ ہے مقعد کی ایک جانب کی موٹی ران کو کہتے ہیں جس کو کولہے بھی کہتے ہیں (خدلج الساقین) لام مشدد ہے موٹی پنڈلی کو خدلج کہتے ہیں (فلا احسب) سین کا کسرہ اور ضمہ دونوں پڑھا جا سکتا ہے (اظن) کے معنی میں ہے (احیمر) یہ احمر کی تصغیر ہے سرخ کے معنی میں ہے (وحرۃ) تینوں حروف پر زبر ہے چھپکلی کی مانند ایک چھوٹے سرخ حیوان کو کہتے ہیں منجد میں لکھا ہے کہ چھوٹے قد اور سرخ رنگ کی عورت کو بھی وحرۃ کہتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق نے اس کے متعلق لکھا ہے (کرمکی سرخ درزمین چفسیدہ) یعنی وحرہ اس سرخ کیڑے کا نام ہے جو زمین سے چپک کر چلتا ہے (پشتو میں ''چار مکئ'' اس کا بہترین مصداق ہے)۔ اب وہ حدیث ترجمہ کے ساتھ ملاحظہ ہو جس کی تشریح پہلے ہو چکی۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اِنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَاَتِهٖ رَجُلًا اَيَقْتُلُهٗ فَتَقْتُلُونَهٗ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَفِيْ صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَسْحَمَ اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمَ الْاَلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اُحَيْمِرَ كَاَنَّهٗ وَحَرَةٌ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهٖ عَلَى النَّعْتِ الَّذِي نَعَتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيْقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلٰى اُمِّهٖ (متفق علیہ)

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) عویمر عجلانیؓ نے (دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ! مجھے اس شخص کے بارے میں بتائیے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے (اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) کیا وہ اس مرد کو قتل کر ڈالے؟ اگر وہ اس کو مار ڈالے گا تو مقتول کے وارث اس کو قتل کر دیں گے ایسی صورت میں وہ کیا کرے (آیا اس عار پر صبر کرے یا کوئی اقدام کرے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر اس سے) فرمایا کہ تم میاں بیوی کے قضیہ میں وحی نازل کی گئی ہے، جاؤ اپنی بیوی کو بلا لاؤ۔ حضرت سہلؓ کہتے ہیں کہ عویمرؓ اپنی بیوی کو بلا لائے اور میاں بیوی نے مسجد نبوی میں لعان کیا اور میں بھی اس

وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھا، چانچہ وہ دونوں میاں بیوی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر (یعنی میاں) نے کہا کہ اگر میں اس عورت کو اپنے گھر میں رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس کے بعد انہوں نے اس عورت کو تین طلاق دی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ (اپنے موجودہ حمل سے) ایسا بچہ جنے جس کا رنگ سیاہ آنکھیں بہت کالی ہوں کولہے بڑے ہوں اور دونوں پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہو تو میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت کے بارہ میں جو کہا ہے سچ کہا ہے (کیونکہ عویمر نے جس مرد کی طرف زنا کی نسبت کی ہے وہ اسی رنگ وصورت کا ہے اور جب اسی کی شباہت کا بچہ پیدا ہوگا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ اسی کے نطفے سے ہے) اور اگر اس عورت نے ایسا بچہ جنا جس کا رنگ سرخ ہو اور بامنی کے رنگ کا معلوم ہوتا ہو تو پھر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس کے بارے میں جھوٹ بولا ہے (یعنی عویمر چونکہ سرخ رنگ کے ہیں اس لئے بچہ کی رنگت بھی سرخ ہوئی تو سمجھا جائیگا کہ بچہ عویمر ہی کے نطفے سے ہے اور عویمر نے اپنی بیوی کو جھوٹی تہمت لگائی ہے) چنانچہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسی رنگ وصورت کا تھا جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر کی تصدیق کے لئے ذکر کیا تھا (یعنی وہ بچہ اسی مرد کی شباہت کا تھا جس کی طرف عویمر نے زنا کی نسبت کی تھی گویا عویمر کی بات سچ ثابت ہوئی) اس کے بعد وہ بچہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "الولد للفراش وللعاهر الحجر" کے مطابق) اپنی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ (بخاری ومسلم)

﴿۲﴾ وعن ابن عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَاَتِهٖ فَانْتَفٰى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْاَةِ (متفق عليه) وَفِي حَدِيْثِهٖ لَهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَهٗ وَذَكَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَةِ.

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے مابین لعان کا حکم فرمایا، چنانچہ (اس لعان کی وجہ سے) وہ شخص اس عورت کے بچہ سے دور ہوگیا (یعنی بچہ کا نسب اس شخص سے ہٹا دیا گیا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میاں بیوی کے درمیان تفریق (جدائی) کرادی اور بچہ کو عورت کے حوالہ کردیا، (بخاری ومسلم) اور حضرت ابن عمرؓ کی ایک اور روایت میں جو بخاری ومسلم نے ہی نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا (تا کہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت پر اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے پھر آپؐ نے عورت کو بلایا اس کو بھی نصیحت کی اور آخرت کا عذاب یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے۔

لعان کرنے والوں کا محاسبہ آخرت میں ہوگا

﴿۳﴾وعنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلاعِنَیْنِ حِسَابُکُمَا عَلَی اللّٰہِ اَحَدُ کُمَا کَاذِبٌ لَا سَبِیْلَ لَکَ عَلَیْھَا قَالَ یَارَسُولَ اللّٰہِ مَالِی قَالَ لَا مَالَ لَکَ اِنْ کُنْتَ صَدَقْتَ عَلَیْھَا فَھُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِھَا وَاِنْ کُنْتَ کَذَبْتَ عَلَیْھَا فَذَاکَ اَبْعَدُ وَاَبْعَدُ لَکَ مِنْھَا (متفق علیہ)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان والے مرد وعورت سے فرمایا (ہم صرف ظاہری احوال کی وجوہ کی بنیاد ہی پر کوئی حکم نافذ کر سکتے ہیں اور ہم نے لعان کی صورت میں نافذ کر دیا ہے (البتہ) تمہارا حساب خدا کے ہاں ہوگا کیونکہ (نفس الامر اور حقیقت کے اعتبار سے) تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے (پھر آپؐ نے مرد سے فرمایا کہ) اب عورت کے بارہ میں تمہارے لئے کوئی راہ نہیں ہے (یعنی لعان کے بعد اب اس عورت کے ساتھ رہنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے ہمیشہ حرام ہوگئی ہے) مرد نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور میرا مال (یعنی میں نے اس عورت کو جو مہر دیا ہے کیا وہ مجھ سے جاتا رہیگا؟) آپؐ نے فرمایا اس مال پر تمہارا کوئی حق نہیں (یعنی دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ) اگر تم نے اس عورت کے بارہ میں سچ کہا ہے (یعنی تمہارے کہنے کے مطابق اگر اس عورت نے واقعۃً بدکاری کرائی ہے) تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہوگیا کہ تم نے اس کی شرمگاہ کو حلال کیا ہے اور اگر تم نے اس عورت کے بارے میں جھوٹ بولا ہے تو اس صورت میں مہر کا واپس لے لینا اس سے بھی بعید ہے اور تم سے بھی بہت بعید ہے (یعنی جب سچ کی صورت میں مہر کو واپس لینے کا تمہیں حق نہیں ہے تو جھوٹ کی صورت میں تو بدرجہ اولی تمہیں وہ مہر واپس نہ لینا چاہئے)۔ (بخاری ومسلم)

آیت لعان کا شان نزول

﴿۴﴾وعن ابن عَبَّاسٍ اَنَّ ھِلَالَ بْنَ اُمَیَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَہٗ عِنْدَالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِشَرِیْکِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْبَیِّنَةَ اَوْحَدًّا فِی ظَھْرِکَ فَقَالَ یَارَسُولَ اللّٰہِ اِذَارَاٰی اَحَدُنَا عَلٰی امْرَاَتِہٖ رَجُلًا یَنْطَلِقُ یَلْتَمِسُ الْبَیِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ اَلْبَیِّنَةُ وَالَّاحَدٌّ فِی ظَھْرِکَ فَقَالَ ھِلَالٌ وَالَّذِی بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنِّی لَصَادِقٌ فَلَیُنْزِلَنَّ اللّٰہُ مَایُبَرِّئُ ظَھْرِی مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِیْلُ وَاَنْزَلَ عَلَیْہِ وَالَّذِیْنَ یَرْمُونَ اَزْوَاجَھُمْ فَقَرَأَ حَتّٰی بَلَغَ اِنْ کَانَ مِنَ الصَّادِقِیْنَ فَجَاءَ ھِلَالٌ فَشَھِدَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُولُ اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ اَنَّ اَحَدَکُمَا کَاذِبٌ فَھَلْ مِنْکُمَا

تَـائِبٌ ثُـمَّ قَـامَـتْ فَشَهِـدَتْ فَـلَـمَّا كَانَتْ عِنْدَالْخَامِسَةِ وَقَفُوهَا وَقَالُوا اِنَّهَا مُوجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَـكَّـأَتْ وَنَـكَصَتْ حَتّٰى ظَنَنَّااَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا اَفْضَحُ قَوْمِي سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّـى الـلّٰـهُ عَـلَيْـهِ وَسَـلَّـمَ اَبْصِرُوهَا فَاِنْ جَاءَ تْ بِهٖ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْاِلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُـوَلِشَرِيْكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَ تْ بِهٖ كَذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا مَامَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِي وَلَهَا شَأْنٌ (رواه البخاری)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) ہلال ابن امیہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریکؓ ابن سحماء صحابی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی (یعنی ہلال نے کہا کہ شریک ابن سحماء نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہلال سے) فرمایا کہ (اپنے الزام کے ثبوت میں) گواہ پیش کرو ورنہ (جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں) تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائیگی (یعنی اسی کوڑے مارے جائیں گے) ہلال نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ بدکاری میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے چلا جائے؟ (یعنی اول تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ کرے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے) لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمائے جارہے تھے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی پھر ہلالؓ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا، میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائیں گے جو میری پیٹھ کو حد سے بری رکھے گا آخر کار (کچھ ہی عرصہ بعد) حضرت جبرئیل تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتیں نازل کی گئیں ﴿والـذيـن يـرمـون ازواجهم﴾ یعنی اور جو لوگ کہ اپنی بیویوں کو تہمت لگاتے ہیں۔الخ (پھر اس کے بعد کی آیتوں کی ﴿ان كان من الصادقين﴾ تک تلاوت کی۔اس کے بعد ہلالؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور گواہی دی (یعنی لعان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جاچکی ہے اس کے مطابق انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ لعان کیا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلالؓ کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا (یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی) اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو (صحابہؓ نے) اس کو روکا اور کہا کہ (اچھی طرح سوچ سمجھ لو) یہ پانچویں گواہی (تم دونوں کے درمیان جدائی کو) واجب کردیگی۔(یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت کے عذاب کو واجب کردے گی) ابن عباسؓ کہتے ہیں (یہ سنکر) وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی (یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متامل ہوئی) جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے پھر جائے گی لیکن پھر اس نے کہا کہ میں (لعان سے بچ کر اور اپنے خاوند کے

الزام کی تصدیق کر کے) اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوا نہیں کروں گی (یہ کہہ کر) اس نے پانچویں گواہی کو بھی پورا کر دیا (اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور آنحضرتؐ نے ان دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرادی تو) آپؐ نے فرمایا اس کو دیکھتے رہنا اگر اس نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرمئی، کولہے بھاری اور پنڈلیاں موٹی ہوں تو وہ بچہ شریک بن سحماء کا ہوگا (کیونکہ شریک اسی طرح کے ہیں) چنانچہ جب اس عورت نے ایسے ہی بچہ کو جنم دیا (جو شریک کے مشابہ تھا) تو آنحضرتؐ نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا مذکورہ حکم نہ ہوتا (جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ لعان کرنے والوں پر حد و تعزیر جاری نہیں ہوگی) تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا (شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس عورت کی بدکاری کا ایک واضح قرینہ ہے، اس لئے اس کی اس بدکاری پر میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو بھی عبرت ہوتی) بخاری۔

توضیح

﴿فلینزلن اللّٰہ﴾ لعان کا حکم شعبان ۹ ھ میں آیا تھا سب سے پہلے لعان کا حکم ھلال بن امیہ پر نافذ ہوا تھا اس سے پہلے عویمر عجلانی کی روایت میں (قد انزل فیک) کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ لعان کا حکم ان کے بارہ میں اترا تھا لیکن علماء نے یہ تطبیق دی ہے کہ لعان کا حکم عام ہے تو ہر ایک کے بارہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تیرے متعلق یہ حکم آیا ہے یا اصل حقیقت یہ ہے کہ حکم تو عویمر کے متعلق اترا تھا مگر اس پر عمل ھلال ابن امیہ نے پہلے کیا یا ممکن ہے دونوں کے متعلق آیت نازل ہوئی ہو (البینة) یعنی گواہ پیش کرو یہ لفظ منصوب ہے (وقفوھا) یعنی لوگوں نے اس کو قسم کھانے سے روکا اور منع کیا (انھا موجبة) یعنی پانچویں بار قسم کھانا لعان کے حکم کو ثابت کر دیگا اور آخرت میں عذاب کو واجب کر دیگا (فتلکأت) کاف مشدد ہے (توقفت) کے معنی میں ہے یعنی اس عورت نے توقف کیا اور رک گئی (ونکصت) یعنی پیچھے ہٹ گئی اور تاخیر کی (سائر الیوم) یعنی ہمیشہ کیلئے اپنی قوم کو رسوا نہیں کر سکتی ہوں اس جملہ سے گویا اس عورت نے جرم کا اقرار کیا پھر اس بچاری کو پتہ ہی نہ چلا کہ اس نے قسم کھا کر کیا چھپایا اور کیا ظاہر کیا۔

زنا کی تہمت چار گواہوں کے ذریعے ثابت ہوتی ہے

﴿۵﴾ وعن اَبی ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُّ مَعَ اَھْلِی رَجُلًا لَمْ اَمَسَّهٗ حَتّٰی آتِیَ بِاَرْبَعَةِ شُھَدَاءَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ کَلَّا وَالَّذِی بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنْ کُنْتُ لَاُعَاجِلُهٗ بِالسَّیْفِ قَبْلَ ذٰلِکَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَعُوا اِلٰی مَایَقُولُ سَیِّدُکُمْ اِنَّهٗ لَغَیُورٌ وَاَنَا اَغْیَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْیَرُ مِنِّی (رواہ مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سعدؓ نے کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے پاس پاؤں تو جب تک چار گواہ فراہم نہ کرلوں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں؟ (یعنی اس کو نہ ماروں اور قتل نہ کروں؟) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، سعدؓ نے کہا کہ ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں قبل اس کے کہ چار گواہ فراہم کروں فوری طور پر تلوار سے اس کا خاتمہ کردوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے) فرمایا سنو! تمہارا سردار (یعنی سعدؓ) کیا کہہ رہا ہے بلاشبہ وہ غیرت مند ہے میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ (مسلم)

توضیح

اسمعوا الیٰ ما یقول سید کم: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرمؐ کے ارشاد گرامی کی مخالفت کی حالانکہ وہ بڑی اونچی شان والے صحابی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سعدؓ نے ارشاد نبوی کی مخالفت نہیں کی بلکہ آپ نے اپنی طبیعت اور پوشیدہ جذبات اور باطنی کیفیت کا اظہار فرمایا ہے کہ میری کیفیت اور غیرت کا تو یہ عالم ہے کہ اس حالت میں کسی مرد کو اپنی بیوی کیساتھ دیکھوں تو کسی گواہ کے انتظار سے پہلے اس کو قتل کر کے کباب بنادوں گا حالانکہ شریعت کا حکم دوسرا ہے تو میں کیا کروں؟ اس پر حضور اکرمؐ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ سنو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے گویا آنحضرت نے حضرت سعد کی اس طبعی کیفیت اور غیرت کی تعریف فرمائی کہ یہ تمہارا سردار ہے اور سرداروں کی طبعیت میں یہ جذبات ہوتے ہیں لیکن شریعت کا حکم اس طرح نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے آنحضرتؐ نے حضرت سعدؓ کی بات کی تائید نہیں فرمائی بلکہ آپ نے ان کے عذر کو بیان فرمایا ہے حضرت مظہرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے آنحضرتؐ کے حکم کو رد نہیں کیا بلکہ آپ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ آنحضرتؐ کی طرف سے اجازت مل جائے تاکہ اس حالت میں ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے آنحضرتؐ نے قتل کرنے سے انکار فرمادیا اور بلیغ انداز سے حضرت سعد کو سمجھا دیا جس پر حضرت سعد نے سکوت اختیار کیا۔

ہفتہ ۱۹ ذیقعد ۱۴۱۷ھ

اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں

﴿۶﴾ وعن الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْرَاَيْتُ رَجُلًا مَعَ اِمْرَاَتِی لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرُ مُصْفِحٍ فَبَلَغَ ذٰلِکَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّی وَمِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ وَلَااَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ

اَلْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ بَعَثَ الْمُنْذِرِیْنَ وَالْمُبَشِّرِیْنَ وَلَااَحَدَ اَحَبُّ اِلَیْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ وَعَدَاللّٰهُ الْجَنَّةَ(متفق علیه)

اور حضرت مغیرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ کہا کہ اگر میں کسی غیر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھوں تو میں اس کو تلوار سے ماردوں اور تلوار کی پشت کی جانب سے نہیں بلکہ دھار والی جانب سے ماروں (حاصل یہ کہ میں تلوار سے اس کا خاتمہ کردوں) جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی (کہ سعد اس طرح کہتے ہیں) تو آپؐ نے (صحابہؓ سے فرمایا کیا تمہیں سعد کی اس غیر معمولی) غیرت مندی پر تعجب ہے؟ خدا کی قسم میں یقیناً ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہیں اور اللہ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے (تمام) گناہوں کو حرام کیا ہے خواہ وہ ظاہری گناہ ہوں یا پوشیدہ گناہوں اور عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا اور اسی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں اور بشارت دینے والوں (یعنی پیغمبروں) کو بھیجا ہے نیز تعریف کرنے کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی پسند نہیں کرتا اور اسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

غیر مصفح: اس کا مطلب یہ کہ تلوار کی دھار سے ماروں گا کنارہ یا پشت سے اور چوڑے حصہ سے نہیں ماروں گا مراد قتل کرنا ہے، مُصْفِح میم کے ضمہ صاد ساکن اور فا کے کسرہ کے ساتھ بھی ہے جو ضارب کی صفت ہے اور اگر فا پر فتحہ ہے تو یہ تلواروں کی صفت بنے گی بعض نے فا کو مشدد پڑھا ہے سب حال واقع ہیں۔

واللہ اغیر منی: آدمی کی اندرونی کیفیت کے اس تغیر کا نام غیرت ہے جو اپنے اہل وعیال کے متعلق کسی ناگوار بات دیکھنے سے پیدا ہوجاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس مفہوم کے ساتھ غیرت کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کیسے ہوسکتا ہے یہ تو محال ہے اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کے غیور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندوں کے معاصی اور گناہوں کے ارتکاب پر غضبناک ہوجاتا ہے اور ناراض ہوجاتا ہے تو لفظ غیرت حیاء اور رحمت کے الفاظ کی طرح ان الفاظ میں سے ایک ہے جن کا اطلاق ابتداء کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر نہیں ہوتا ہے البتہ غایہ ونہایہ اور انجام ونتیجہ کے اعتبار سے ہوتا ہے (العذر) اس لفظ سے دو مفہوم مراد ہوسکتے ہیں پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب ہے کہ ہر شخص کے عذر کو ختم کرے اور کسی کا کوئی عذر باقی نہ چھوڑے تاکہ قیامت میں حجت کا موقع باقی نہ رہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بشیر ونذیر بنا کر مبعوث فرمایا، اس لفظ کا دوسرا مفہوم وہی عام اور مشہور مطلب ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے جرم کا عذر پیش کرتا ہے معذرت کرتا ہے عاجزانہ درخواست کرتا ہے معافی مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اسے قبول فرما کر معاف کردیتا ہے

(المدحة) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے کیونکہ وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے اور تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے ارشاد ہے (الکبریاء ردائی والعظمة ازاری) یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تعریف کی ہے اور دوسروں کو اس کی ترغیب دی ہے اور جنت کا وعدہ انہیں لوگوں سے کیا ہے جو اس کی زیادہ سے زیادہ تعریف کرتے ہیں۔

﴿۷﴾ وعن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَا يَاْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ غیرتمند ہے اور مومن (بھی) غیرتمند ہے (یعنی غیرت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مومن میں بھی موجود ہے) اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ مومن وہ کام نہ کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

خیالی شبہات کی بنیاد پر تہمت نہ لگاؤ

﴿۸﴾ وعنه اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَاَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ وَاِنِّي اَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ اَوْرَقَ قَالَ اِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا قَالَ فَاَنّٰى تَرٰى ذٰلِكَ جَاءَهَا قَالَ عِرْقٌ نَزَعَهَا قَالَ فَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الْاِنْتِفَاءِ مِنْهُ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری بیوی نے ایک ایسے بچہ کو جنم دیا ہے جس کا رنگ کالا ہے اور (اس وجہ سے کہ وہ میرا ہم رنگ نہیں ہے) میں نے اس کا انکار کر دیا ہے (یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ اس نے عرض کیا ہاں، آنحضرتؐ نے فرمایا کس رنگ کے ہیں؟ اس نے عرض کیا سرخ رنگ کے ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا کیا ان میں کوئی اونٹ خاکستری رنگ کا بھی ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں ان میں خاکستری رنگ کے بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے یہ خاکستری رنگ کے اونٹ کہاں سے آگئے (یعنی ان میں خاکستری رنگ کہاں سے آیا جبکہ ان کے ماں باپ خاکستری رنگ کے نہیں ہیں؟) اس نے عرض کیا کوئی رگ ہوگی جس نے انہیں کھینچ لیا (یعنی اس کے اصل میں کوئی خاکستری رنگ کا رہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بھی ہوگئے) آپؐ نے فرمایا تو پھر یہ بچہ بھی کسی ایسی رگ کے سبب کالا ہوا ہے جس نے اس کو کھینچ لیا ہے (یعنی اس بچہ کی اصل میں بھی کوئی شخص کالے رنگ کا رہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بچہ ہوگیا ہے) اور اس طرح آنحضرتؐ نے اس دیہاتی کو اس بچہ کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (بخاری، مسلم)

توضیح

غلاما اسود: اس دیہاتی کے ذہن میں یہ بات تھی کہ میرا یہ بچہ کالا کیوں ہے جبکہ میں خود گورا ہوں میری بیوی گوری ہے یہ بچہ آخر کس کا ہے اس پر انہوں نے شبہ کا اظہار کیا حضور اکرمؐ نے نہایت حکیمانہ اور سادہ عام فہم انداز سے دیہاتی کے تجربہ کے مطابق سمجھا دیا کیونکہ اونٹوں کے معاملہ میں دیہاتی ماہر تھا اس نے حقیقت کو پالیا اور خاموش ہو گیا، علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ محض معمولی باتوں اور ضعیف علامتوں کی بنیاد پر اپنے بچہ کا انکار کرنا منع ہے بلکہ اس صورت میں مضبوط دلائل اور مکمل شہادت کا موجود ہونا ضروری ہے مثلاً بیوی سے صحبت نہیں کی اور اس کا بچہ پیدا ہو گیا یا صحبت کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ پیدا ہو گیا ایسی صورتوں میں انکار کرنا جائز ہے محض خیالی شبہات پر تہمت لگانا جائز نہیں ہے۔

ولد زنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں

﴿۹﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِی وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلٰی اَخِيهِ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّی فَاقْبِضْهُ اِلَيْکَ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَهٗ سَعْدٌ فَقَالَ اِنَّهٗ اِبْنُ اَخِی وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِی فَتَسَاوَقَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَخِی كَانَ عَهِدَ اِلَیَّ فِيهِ وَقَالَ عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ اَخِی وَابْنُ وَلِيْدَةِ اَبِی وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَلَکَ يَا عَبْدُ بْنُ زَ مْعَةَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ اِحْتَجِبِی مِنْهُ لَمَّا رَاٰی مِنْ شَبَهِهٖ بِعُتْبَةَ فَمَارَآهَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰهَ وَفِی رِوَايَةٍ قَالَ هُوَ اَخُوکَ يَا عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ مِنْ اَجْلِ اَنَّهٗ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ اَبِيهِ (متفق عليه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرے نطفہ سے ہے تم اس کو لے لینا چنانچہ فتح مکہ کے سال سعدؓ نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے جبکہ عبد ابن زمعہؓ نے کہا یہ میرا بھائی ہے پھر وہ دونوں اپنا معاملہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور سعدؓ نے کہا کہ یہ (لڑکا) میرے بھائی کا ہے اور اس نے مجھے اس کے بارے میں وصیت کی تھی اور عبد ابن زمعہ نے کہا کہ (یہ لڑکا) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (دونوں کی بات سنکر) فرمایا کہ عبد بن زمعہؓ اس بچہ کے تم ہی حقدار ہو کیونکہ بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے (نسب و میراث سے) محرومی ہے (یا یہ کہ زانی سنگساری کا مستوجب ہے) پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہؓ بنت زمعہؓ سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے

پردہ کیا کرو کیونکہ اس میں عتبہ کی شباہت نظر آتی ہے چنانچہ حضرت سودہؓ اس لڑکے کے سامنے کبھی نہیں آئیں یہاں تک کہ وہ واصل بحق ہوگیا۔ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبد بن زمعہ! وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا۔(بخاری ومسلم)

توضیح

''ان ابن ولیدۃ زمعۃ''اس حدیث کے مطلب سمجھنے کے لئے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک سعد بن ابی وقاص ہے دوسرا عتبہ بن ابی وقاص ہے جو اس کا بھائی ہے حضرت سعد ایمان لے آیا تھا اور عتبہ کفر پر مرا بلکہ عتبہ وہی بدبخت ہے جس نے جنگ احد کے موقع پر آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید کئے تھے۔عتبہ نے زمعہ کی لونڈی سے زنا کیا تھا زمعہ حضرت سودہؓ کے باپ کا نام ہے اور ان کے بیٹے کا نام عبد ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے۔

جاہلیت کے اصول کے مطابق اگر کوئی شخص کسی کی لونڈی سے زنا کرتا اور اس کے نتیجے میں بچہ پیدا ہوتا تو وہ بچہ اسی زانی کا ہوتا تھا اور انکی اولاد میں شمار ہوتا تھا، اسی اصول کے تحت عتبہ نے اپنے بھائی حضرت سعدؓ کو وصیت کر رکھی تھی کہ زمعہ کی لونڈی کا بچہ میرا ہے کیونکہ یہ میرے نطفہ سے ہے۔

لہٰذا ان کو اپنے قبضے میں لیلو چنانچہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس موقع پر حضرت سعدؓ نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، عبد ابن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ میرے باپ کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے، یہ تنازع جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آنحضرتؐ نے نیا اسلامی دفعہ نافذ فرمایا اور لڑکے کو عبد کے حوالہ کر کے جاہلیت کے قاعدہ کو اس مبارک فرمان کے ذریعہ سے توڑ دیا کہ ''الولد للفراش وللعاھر الحجر'' یعنی بچہ اسی کا ہوگا جس کے فراش پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے محرومی کے سوا کچھ نہیں یا مطلب یہ کہ زانی کے لئے سنگ باری اور پتھر ہیں''

بہر حال فیصلہ تو اسی طرح ہوا لیکن چونکہ اس لڑکے میں عتبہ کی واضح مشابہت پائی جاتی تھی اس لئے حضور اکرمؐ نے حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ ان سے پردہ کرو چنانچہ انہوں وفات تک ان سے پردہ ہی کیا، اس واقعہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرائن اور علامات و مشابہت کا اعتبار نہیں بلکہ فراش اور زوجیت پر دارومدار ہے۔

اثبات نسب میں قیافہ شناس کا قول معتبر ہے یا نہیں؟

﴿۱۰﴾وعنها قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُسْرُوْرٌ فَقَالَ اَیْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَیْ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلَجِیَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَاٰیٔ اُسَامَةَ وَزَیْدًا وَعَلَیْهِمَا قَطِیْفَةٌ قَدْ غَطَّیَا رُؤُسَهُمَا وَبَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (متفق علیه)

اورحضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش خوش میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ کیا تمہیں معلوم نہیں (آج) مجزز مدلجی (مسجد نبوی میں) آیا اور جب اس نے اسامہؓ اور زیدؓ کو دیکھا جو اس طرح چادر اوڑھے ہوئے (لیٹے) تھے کہ ان کے سر چھپے ہوئے تھے اور پیر کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے پیر ایک دوسرے کے مطابق ہیں (یعنی یہ پیر جن دو آدمیوں کے ہیں وہ آپس میں باپ بیٹے ہیں) ۔(بخاری ومسلم)

توضیح

ان مجززالمدلجی: . مجزز مکبر کے وزن پر عرب کے ایک مشہور قیافہ شناس کا نام ہے ان کا خاندانی تعلق چونکہ قبیلہ مدلج سے تھا اس لئے یہ اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہے عرب میں قیافہ شناسی میں یہ شخص سند کی حیثیت رکھتا تھا اور لوگوں میں یہ اتھارٹی اور معیار تھا ادھر حضرت زید بن ثابت بہت خوبصورت تھے اور ان کے بیٹے اسامہ بن زید چونکہ حضرت ام ایمن کے بطن سے تھے اس لئے وہ اپنی والدہ کی طرح سانولے رنگ کے تھے منافقین پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ اسامہ اپنے باپ کا نہیں ہے کیونکہ اتنے خوبصورت باپ کا بیٹا اس طرح کالا کیسے ہوسکتا ہے حضور اکرمؐ اس پروپیگنڈہ سے بہت زیادہ غمگین اور کبیدہ خاطر ہوجاتے تھے لیکن اس کے توڑ کیلئے کسی ایسی چیز اور سند کی ضرورت تھی جسے معاشرہ کے تمام افراد بلا چون وچرا قبول کرتے اور وہ سند قیافہ شناس کی قیافہ شناسی ہی ہوسکتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انتظام فرمایا اور ایک دن عرب کا مشہور قیافہ شناس مجزز مدلجی مسجد نبوی میں آیا، حضرت اسامہ اور حضرت زید دونوں ایک چادر میں اس طرح لپٹے سوئے تھے کہ چہروں پر چادر تھی اور پاؤں کھلے تھے مجزز نے جب دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ پاؤں باپ بیٹے کے ہیں اس پر حضور اکرمؐ بہت خوش ہوئے کیونکہ اس پروپیگنڈہ کے توڑ کیلئے اسی سند کی ضرورت تھی ورنہ آسمان سے وحی بھی آسکتی تھی مگر عام معاشرہ میں قیافہ کا زیادہ اعتبار تھا۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور کے نزدیک کسی بھی نسب کے ثبوت کیلئے دوسرے دلائل کے علاوہ قیافہ شناسی بھی ایک مؤثر دلیل ہے ان حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ علم قیافہ ثبوت نسب کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ قیافہ اس علم کا نام ہے جس میں کسی چیز کی پہچان اس کے اندر کے نشانات اور علامات سے ہوتی ہے اور یہ تخمین اور اندازہ ہے جس سے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہوسکتا ہے اور ثبوت نسب کے لئے یقینی علم کا ہونا ضروری ہے اس لئے شریعت میں امور یقینیہ کا اعتبار ہے لہٰذا قیافہ بے اعتبار ہے باقی جمہور نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے تو اس میں حضور اکرم کو پہلے سے بذریعہ وحی معلوم تھا کہ اسامہ زید ہی کا بیٹا ہے لیکن چونکہ منافقین کا طعن اور پروپیگنڈہ قیافہ شناس کے فیصلہ سے ختم

ہوسکتا تھا اس لئے آنحضرت نے قیافہ شناس کی بات پر خوشی کا اظہار فرمایا یہ ثبوت نسب پر دلیل نہیں بلکہ دفع طعن کے لئے دلیل ہے اسی اختلاف پر یہ مسئلہ متفرع ہے کہ مثلا دو آدمیوں میں ایک مشترکہ لونڈی ہے اور دونوں کے جماع کے نتیجہ میں اس کا بچہ پیدا ہوگیا تو جمہور فرماتے ہیں کہ قائف نے جو فیصلہ کیا اسی کے مطابق بچہ اس شخص کا ہو جائیگا احناف فرماتے ہیں کہ اس صورت میں وہ بچہ دونوں کا مشترکہ مملوک ہوگا اور لونڈی دونوں کی ام ولدہ ہو جائے گی اگر چہ حقیقت میں وہ بچہ کسی ایک کا ہوگا لیکن قائف کے فیصلے کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس پر شریعت کا مدار نہیں ہے احناف نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے بھی استدلال کیا کہ شریح نے حضرت عمرؓ سے بذریعہ خط یہ مسئلہ پوچھا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ دونوں آقا اس بچے میں شریک ہیں یہ بچے کے وارث ہونگے اور بچہ ان کا وارث ہوگا حضرت علی کا بھی اسی طرح فیصلہ تھا گویا اجماع صحابہ ہوگیا ملا علی قاری نے دیگر روایات بھی نقل کی ہیں۔

اپنے باپ کا انکار کرنے والا دوزخی ہے

﴿۱۱﴾وعن سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ وَاَبِی بَكْرَةَ قَالَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ادَّعٰى اِلٰى غَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهُ غَيْرُ اَبِيْهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ (متفق علیه)

اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو بکرہؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کرے اور وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔(بخاری ومسلم)

توضیح

من ادعی الی غیر ابیه: یعنی اپنے نسب کو چھپا کر اپنے باپ کے بجائے کسی اور کو باپ کہدیا تو اس پر جنت حرام ہے اس کی اول وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے باپ کے بجائے اپنے آپ کو دوسرے شخص کی طرف منسوب کرتا ہے اور اس حرام عمل کو حلال سمجھتا ہے تو وہ حقیقت میں ایک حرام کو حلال کہتا ہے اور یہ کفر ہے تو کفر کی وجہ سے اس پر جنت حرام ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ دخول اولی کے ساتھ اس پر جنت حرام ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ اس گناہ کا اثر تو یہی ہے کہ اس پر جنت حرام ہو لیکن قیامت میں فیصلہ معجون مرکب پر ہوتا ہے چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ کلمہ تشدیدا تغلیظا تھدیدا فرمایا آنے والی روایت نمبر ۱۲ میں (فقد کفر) کے الفاظ آئے ہیں وہاں اگر کفر سے کفر حقیقی مراد ہو تو یہاں کے جوابات میں سے جواب دوم کو چھوڑ کر باقی جوابات اس حدیث کیلئے بھی ہیں ہاں البتہ وہاں اگر کفر سے کفران نعمت مراد لیا جائے تو پھر کوئی اعتراض نہیں آئیگا۔

﴿۱۲﴾وعن اَبی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاتَرْغَبُوا عَنْ آبائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْهِ فَقَدْ کَفَرَ (متفق علیه)وَقَدْ ذُکِرَ حَدِیْثُ عَائِشَةَ مَامِنْ اَحَدٍ اَغیَرُ مِنَ اللّٰهِ (فی باب صلاة الخسوف)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (غیر شخص سے اپنا نسب جوڑ کر) اپنے باپ سے منہ نہ پھیرو کیونکہ جس شخص نے اپنے باپ سے منہ پھیرا (یعنی اس سے اپنے نسب کا انکار کیا) تو اس نے درحقیقت کفران نعمت کیا۔ (بخاری ومسلم)

ایک شقی القلب باپ کی شقاوت

الفصل الثانی

﴿۱۳﴾وعن اَبی هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَمَّا نَزَلَتْ آیَةُ الْمُلاعَنَةِ اَیُّمَا امْرَاَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْهُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِی شَیءٍ وَلَنْ یُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهٗ وَاَیُّما رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَفَضَحَهٗ عَلٰی رُؤُسِ الْخَلائِقِ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ (رواه ابوداؤد والنسائی والدارمی)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں لعان کی آیت نازل ہونے کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت کسی کو اس قوم میں داخل کرے جس سے وہ نہیں ہے (یعنی کسی عورت نے بدکاری کرائی اور پھر اس بدکاری کے نتیجے میں بچہ کو جنم دیا اور اس بچہ کو اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دیا) تو وہ خدا کے نزدیک کسی درجہ میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو (اپنے مقرب اور نیک بندوں کے ساتھ) ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کریگا اور جو شخص اپنے بچے کا انکار کرے (یعنی اس کی بیوی نے جس بچہ کو جنم دیا ہے اس کے بارہ میں کہے کہ میرا نہیں ہے) درآنحالیکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے (یعنی وہ جانتا ہے کہ بچہ میرا ہی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کریگا (یعنی اس کو خدا کا دیدار نصیب نہیں ہوگا) اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام اگلے پچھلے لوگوں میں رسوا کریگا (یعنی جب میدان حشر میں تمام اگلی پچھلی مخلوق جمع ہوگی تو ان کے درمیان اس کو ذلیل ورسوا کریگا۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

توضیح

ادخلت: یعنی زنا کر کے دوسری قوم کے آدمی کا بچہ اپنے شوہر اور اس کی قوم کی طرف منسوب کرتی ہے عورت کیلئے یہ حرام

ہے اور اس پر جنت حرام ہے اسی طرح اگر کوئی مرد اپنے بچہ سے انکار کرتا ہے تو اس پر بھی جنت حرام ہے خلاصہ یہ کہ نہ عورت زنا کر کے حرام زادہ کو شوہر کی طرف منسوب کرے اور نہ شوہر اپنے حقیقی بیٹے کا انکار کرے (وھو ینظر الیہ) یعنی بچہ ٹکٹکی باندھ کر حسرت بھری نگاہ سے باپ کی طرف دیکھ رہا ہے اور یہ شقی القلب اس سے انکار کر رہا ہے بعض شارحین نے وھو ینظر کا مفہوم یہ لیا ہے کہ باپ بچے کو دیکھ رہا ہے اور اس کو پہچان رہا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے اور پھر بھی انکار کر رہا ہے اس صورت میں ھو کی ضمیر باپ کی طرف لوٹ جائے گی۔

بدکار بیوی کو طلاق دیدینا اولیٰ ہے

﴿۱۴﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ قالَ جاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِی اِمْرَاَۃً لَاتَرُدُّ یَدَ لَامِسٍ فَقَالَ النَّبیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا قَالَ اِنِّی اُحِبُّهَا قَالَ فَاَمْسِکْهَا اِذًا (رواہ ابوداؤد والنسائی) وَقَالَ النِّسَائِیُّ رَفَعَهُ اَحَدُ الرُّوَاۃِ اِلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَحَدُهُمْ لَمْ یَرْفَعْهُ قَالَ وَهٰذَاالْحَدِیْثُ لَیْسَ بِثَابِتٍ.

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری بیوی کسی چھونے والے ہاتھ کو جھٹکتی نہیں (یعنی جو بھی شخص اس سے بدکاری کا ارادہ کرتا ہے اس کو وہ انکار نہیں کرتی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو طلاق دیدو۔ اس نے عرض کیا (یہ ممکن نہیں) کیونکہ میں اس سے (بہت) محبت کرتا ہوں آپؐ نے فرمایا تو پھر اس کی نگہبانی کرو (تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا نہ ہو سکے) (ابوداؤد ونسائی) اور نسائی نے کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں میں سے ایک راوی نے تو اس کو حضرت ابن عباسؓ تک پہنچایا ہے اور وصل کیا ہے اور ایک راوی نے اس کو ابن عباسؓ تک نہیں پہنچایا اور وصل نہیں کیا ہے۔ نیز نسائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے (یعنی یہ حدیث متصل نہیں ہے بلکہ منقطع ہے)

توضیح

لاتـرد یـد لامـس: یعنی کسی ہاتھ لگانے والے کے ہاتھ کو روکتی اور دفع نہیں کرتی ہے اس حدیث کے مطلب ومقصد بیان کرنے میں شارحین حدیث کے مختلف خیالات ہیں، ابن الاعرابیؒ فرماتے ہیں کہ (لاترید لامس) سے اس عورت کے فسق وفجور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے علامہ خطابیؒ نے بھی تقریباً ایسا ہی مطلب بیان کیا ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت بیوقوف اور احمق ہے اپنا مال ہر ایک کو دے ڈالتی ہے کسی سے کوئی مال روکتی نہیں ہے علامہ تورپشتیؒ نے بھی اسی طرح توجیہ فرمائی ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ معنی مراد لینا دو وجہوں سے زیادہ اولیٰ ہے وجہ اول یہ کہ

اگر اس سے زنا مراد لیا جائے تو یہ قذف ہے تو آنحضرت اس بہتان پر اس شخص سے ضرور ثبوت مانگتے ورنہ ان کو کوڑے مارتے دوسری وجہ یہ کہ اگر یہ عورت بدکار ہوتی اور بات بدکاری کی ہوتی تو حضور اکرمؐ اس عورت کو نکاح میں رکھنے کی اجازت نہ دیتے بلکہ جدائی کا حکم فرماتے، قاضی عیاضؒ کا خیال یہ ہے کہ یہ عورت اسی طرح فجور میں مبتلا تھی اور فاجرہ کو نکاح میں رکھنا حرام نہیں ہے خاص کر جب کوئی شخص کسی عورت کی محبت میں مبتلا ہو تو اس کو اگر طلاق دینے کا حکم دیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اس سے بھی بڑھ کر گناہ میں مبتلا ہو جائے مذکورہ شخص کو بھی اس خاص مجبوری کی وجہ سے اجازت دیدی گئی اور اس کے لئے یہ واجب کر دیا گیا کہ وہ اس عورت کی تہذیب و تادیب کی بھرپور کوشش کیا کرے (فامسکھا اذا) یعنی ایسی عورت کا چھوڑنا ہی بہتر ہے لیکن اگر اس کو نکاح میں رکھنا ہی ہے تو پھر اس کو اس مکروہ اور قبیح فعل سے روکنا ضروری ہے یاد رہے یہ حدیث ضعیف بھی ہے یا ثابت ہی نہیں اور ایک جزئی واقعہ ہے معلوم نہیں کہ یہ شخص کون تھا اور ان کی ایمانی کیفیت کیا تھی اور اس کی خاندانی غیرت کیا تھی اور اس کی خصوصی حالت کیا تھی اس وقت منافقین کا دور اور ان کا زور بھی تھا نہ معلوم یہ شخص کون تھا اس لئے صحابہ کرام کے بارے میں جو قطعی خوبیاں موجود ہیں کسی مسلمان کو ان کے بارے میں برا عقیدہ نہیں رکھنا چاہئے بذل مجہود میں لکھا ہے کہ مجھے اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا اصابہ میں لکھا ہے کہ اس شخص کا نام ھشام تھا اور حضور اکرم یا قریش کا غلام تھا علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس شخص کو اپنی بیوی کے بارے میں یقین نہیں تھا البتہ قرائن کی بنیاد پر یہ بات کہتا تھا جو صرف وہم و گمان کے درجہ میں تھی دوسری طرف ان کی محبت یقینی تھی اس لئے حضور اکرمؐ نے رکھنے کی اجازت دیدی ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے لیکن علامہ سیوطی نے ان کی بات رد کر دی ہے ابن حجر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اب اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ احادیث میں دیوث کے لئے شدید وعیدیں آئی ہیں اور یہاں دیوث کی تعریف صادق آرہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جو وعیدات دیوث کے متعلق ہیں وہ اس دیوث کیلئے ہیں کہ جو بیوی کو بدکاری پر دیکھتا ہو اور خاموش رہتا ہو یہاں تو یہ شخص خاموش نہیں رہا بلکہ باقاعدہ مقدمہ دائر کر دیا اور وہ بھی صرف شک اور اوہام و قرائن بعیدہ کی بنیاد پر تھا یہاں دیوث کی تعریف صادق نہیں۔

مسئلة الاستلحاق

اثبات نسب کے سلسلہ میں ایک واضح ہدایت وضابطہ

﴿۱۵﴾وعن عَمرِو بنِ شُعَیبٍ عَن اَبِیهِ عَن جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَضٰی اَنَّ کُلَّ مُستَلحَقٍ بَعدَ اَبِیهِ الَّذِی یُدعٰی لَهٗ ادَّعَاهُ وَرَثَتُهٗ فَقَضٰی اَنَّ مَن کَانَ مِن اَمَةٍ یَملِکُهَا یَومَ اَصَابَهَا فَقَد لَحِقَ بِمَنِ استَلحَقَهٗ وَلَیسَ لَهٗ مِمَّا قُسِمَ قَبلَهٗ مِنَ المِیرَاثِ شَیءٌ وَمَا اَدرَکَ مِن مِیرَاثٍ لَم یُقسَم فَلَهٗ نَصِیبُهٗ وَلَا یُلحَقُ

اِذَا كَانَ اَبُوهُ الَّذِي اَنْكَرَهُ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهُ لَا يَلْحَقُ وَلَا يَرِثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِي يُدْعَى لَهُ هُوَ الَّذِي ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (حکم دینے کا) فیصلہ کیا کہ جس لڑکے کا نسب اس کے اس باپ کے مرنے کے بعد کہ جسکی طرف نسبت کی گئی ہے ملایا گیا ہے اور اس کا دعویٰ اس باپ کے وارثوں نے کیا ہے (یعنی مثلاً زید کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے ایک لڑکے بکر کے بارہ میں کہا کہ یہ زید کا بیٹا ہے لہٰذا یہ بھی ہماری طرح زید کا ایک وارث ہے) تو (اس کے بارہ میں) آنحضرتؐ نے حکم صادر فرمایا کہ اگر وہ لڑکا (جس کا نسب ملایا گیا ہے) ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس کے باپ کی ملکیت تھی (یعنی اس لونڈی سے اس کے باپ کا جائز طریقہ پر جماع ہوا ہو) تو وہ اس شخص کے ساتھ نسب میں مل جائے گا، جس نے اس کو ملایا ہے (یعنی جو وارث اس کو ملائیں گے وہ ان وارثوں میں مل جائیگا اور ان کے ساتھ میراث کا حقدار ہوگا بایں طور کہ اگر اس کو سب ہی وارث ملائیں گے تو سب کے حق میں وارث ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے ملایا ہوگا تو انہی بعض کے حق میں وارث ہوگا) اور جو میراث اس کو ملانے سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ہاں جو میراث ابھی تقسیم نہیں ہوئی اس میں سے اس کو حصہ ملے گا۔

اور اگر وہ لڑکا ایسا ہو کہ اس کی نسبت جس باپ کی طرف جاتی ہے اس نے اس کا انکار کر دیا تھا (یعنی اس باپ نے اپنی زندگی میں اس کا اپنا بیٹا ہونے کا انکار کر دیا تھا) تو وہ لڑکا اس کے مرنے کے بعد وارثوں کے ملانے سے نہیں ملے گا اور اس باپ کا وارث نہیں ہوگا اسی طرح اگر وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس باپ کی ملکیت نہ رہی ہو (یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا کے نتیجہ میں یہ لڑکا پیدا ہوا تھا) یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جس سے اس باپ نے زنا کیا تھا تو وہ لڑکا اس باپ کے وارثوں میں شامل نہیں ہوگا اور نہ اسے میراث ملے گی اگرچہ خود اس شخص (یعنی باپ) نے کہ جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے اس کا دعویٰ کیا ہو۔ (یہ جملہ گویا پہلے حکم کی تاکید کے طور پر ہے کہ اگر وہ لڑکا ولد الزنا ہو تو اس کو اس باپ یعنی زانی کے وارثوں میں شامل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ اگر خود وہ زانی اپنی زندگی میں اس کے نسب کا دعویٰ کرتا کہ یہ میرا بیٹا ہے تب بھی اس کے ساتھ اس لڑکے کا نسب نہ ملتا چہ جائیکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کریں) لہٰذا وہ لڑکا حرامی ہے خواہ وہ لونڈی کے بطن سے ہو یا آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح

ان کل مستلحق: استلحاق ملانے کے معنی میں ہے یعنی میت کے ورثاء نے مطالبہ کیا کہ اس بچہ کو ہمارے ساتھ نسب اور

میراث دونوں میں ملایا جائے تو اس قضیہ کی تفصیل اس حدیث میں مذکور ہے۔ مستلحق اسم مفعول کے ساتھ اسی ملائے ہوئے بچے کو کہتے ہیں اور ملانے کے اس عمل کو استلحاق کہتے ہیں علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان احکام کا بیان ہے جو ابتدائے اسلام میں حضور اکرمؐ کے سامنے آتے تھے اور آپؐ ان کے بارے میں فیصلہ فرماتے تھے علامہ خطابی کا کہنا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی بدکار اور بدکردار لونڈیاں بدکرداری کیلئے گھومتی پھرتی رہتی تھیں اس بدکرداری کے نتیجہ میں جب بچہ پیدا ہوجاتا تھا تو زانی دعوٰی کرتا تھا کہ یہ بچہ میرا ہے مجھے دیا جائے اور مالک بھی دعوٰی کرتا تھا کہ یہ بچہ میرا ہے کیونکہ میری لونڈی سے پیدا ہے جیسا کہ زمعہ کی لونڈی کا قصہ اس سے پہلی حدیث میں گذر چکا ہے اس تنازع کو ختم کرنے کیلئے حضور اکرمؐ نے ایک شرعی ضابطہ مقرر فرمایا تھا اس ضابطہ کی وضاحت اس حدیث میں ہے اس کو مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ مثلا زید ایک شخص ہے اس کا انتقال ہوگیا اس کے بعد اس کے وارثوں نے دعوٰی کیا کہ فلاں لونڈی کا فلاں لڑکا زید کا ہے جو ہمارے ساتھ نسب اور میراث میں شریک ہے لہٰذا اس کو ہمارے ساتھ ملحق کیا جائے، اسلام نے چند شرائط کے ساتھ ان وارثوں کے اس دعوٰی کو تسلیم کیا ہے البتہ جن وارثوں نے اس دعوٰی میں حصہ نہیں لیا تو ان کے نسب اور میراث میں یہ لڑکا شریک نہیں ہوگا، استلحاق کی صحت کیلئے اس حدیث میں جن شرائط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ مثبت اور منفی شرائط مندرجہ ذیل ہیں (۱) پہلی شرط یہ ہے کہ مثلا یہ لونڈی زید کی زندگی میں اس کی ملکیت میں آئی ہو اور اگر آزاد حرہ عورت کے متعلق یہ دعوٰی ہو تو وہ آزاد حرہ عورت زید کے نکاح میں رہی ہو، اس شرط کا منفی پہلو یہ ہے کہ اگر یہ لونڈی زید کی ملکیت میں نہیں آئی ہو اور یا یہ حرہ عورت زید کے نکاح میں نہیں آئی ہو تو اس صورت میں یہ لڑکا ولد الزنا ہے نہ اس کا استلحاق صحیح ہے اور نہ وارث اس کو اپنے نسب میں شامل کرسکتے ہیں بلکہ اس صورت میں اگر خود زید بھی مثلا اپنی زندگی میں نسب کا دعوٰی کرے تو وہ بھی درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ بچہ ولد زنا ہے (۲) استلحاق کی صحت کیلئے دوسری شرط یہ ہے کہ مثلاً زید نے اپنی زندگی میں اس لڑکے کا اقرار واعتراف بھی کیا ہو اور اعلان بھی کیا ہو کہ یہ بچہ جائز طریقہ سے میرا بچہ ہے، اس شرط کا منفی پہلو یہ ہے کہ اگر زید نے اپنی زندگی میں اس بچہ سے انکار کیا ہو کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے تو زید کے مرنے کے بعد اس کے وارث کسی صورت میں اس کو نسب ومیراث میں شریک نہیں کرسکتے ہیں (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جو مال ورثاء کے درمیان اس بچہ کے استلحاق سے پہلے تقسیم ہوچکا ہے اس میں اس بچہ کا حصہ نہیں ہوگا ہاں جو مال ابھی تک تقسیم نہیں ہوا ہو اور آئندہ تقسیم ہوگا اس میں یہ بچہ تمام ورثاء کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا، ان وضاحتوں کے بعد انشاء اللہ اس حدیث کے تمام پہلوؤں کا سمجھنا آسان ہوجائیگا اب اس حدیث میں بعض جملوں کی ترکیب کی وضاحت بھی ضروری ہے تاکہ اس کا مفہوم زیادہ واضح ہوجائے اور عبارت میں جوڑ پیدا ہوجائے، اس حدیث میں (**قضی ان کل مستلحق**) میں (ان) کا اسم (**کل مستلحق**) ہے اور اس کے بعد والی عبارت (**مستلحق**) کی صفت ہے اور (**ادعاہ**) کا جملہ (ان کی خبر) ہے اور اس کے بعد (**فقضی ان من کان**) (**اعادہ بعد**

عھد) کیلئے ہے یعنی قصی کو دور ہو جانے کی وجہ سے دوبارہ لوٹا دیا کیونکہ بیچ میں کافی کلام حائل ہو گیا ہے اسی وجہ سے اس میں فا تفصیلیہ داخل کر دی گئی ہے۔

غیرت کی صورتیں

﴿۱۶﴾وعن جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَايُحِبُّ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّتِي يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ وَاَمَّاالَّتِي يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ رِيْبَةٍ وَاِنَّ مِنَ الْخُيَلَاءِ مَايُبْغِضُ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللّٰهُ فَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُ الرَّجُلِ عِنْدَالْقِتَالِ وَاِخْتِيَالُهُ عِنْدَالصَّدَقَةِ وَاَمَّا الَّتِي يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُهُ فِي الْفَخْرِ وَفِي رِوَايَةٍ فِي الْبَغْيِ.

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی)

اور حضرت جابر ابن عتیکؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے بارہ میں) بعض غیرت کو تو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور بعض غیرت کو ناپسند کرتا ہے، چنانچہ جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ شک وشبہ کی جگہ پیدا ہونے والی غیرت ہے (مثلاً بیوی لونڈی غیر مردوں کے سامنے آتی ہے یا غیر مرد اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہنسی مذاق کرتی ہے تو اس موقع پر خاوند جو غیرت محسوس کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے) اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ غیرت ہے جو کسی شک وشبہ کی وجہ کے بغیر پیدا ہوئی ہو (مثلاً کسی قرینہ وسبب کے بغیر خاوند کے دل میں بیوی کے کردار کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو جائے اور پھر اس پر غیرت محسوس کرے) اسی طرح بعض تکبر کو تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند فرماتا ہے چنانچہ جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ لڑائی کے وقت آدمی کا تکبر کرنا ہے (یعنی جہاد میں جب کفار سے مقابلہ ہو تو اپنی قوت وبرتری اور کفار کی حقارت وکمتری کے اظہار کے لئے خوب اکڑے اور اپنی بڑائی شجاعت کو بڑے فخر وغرور کے ساتھ بیان کرے) اور وہ تکبر بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جو خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں ہو (یعنی جب صدقہ وخیرات دے تو خوش دلی اور بے پروائی کے ساتھ دے اور زیادہ سے زیادہ دینے کو بھی تھوڑا جانے) اور جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ (اپنے نسب پر) فخر کا تکبر ہے۔ اور ایک روایت میں (فی الفخر کی بجائے) فی البغی ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ ظلم کا تکبر ہے (یعنی وہ تکبر جو بلا کسی حق استحقاق کیا جائے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں)۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

الفصل الثالث

﴿۱۷﴾عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانًا اِبْنِي

عَاهَرْتُ بِاُمِّهٖ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَادِعْوَةَ فِی الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِیَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ (رواه ابوداؤد)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور حضرت شعیبؒ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمروؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (مجلس نبوی) میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں میرا لڑکا ہے میں نے زمانہ جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ جاہلیت کی گئی گذری بات کا زمانہ اسلام میں دعویٰ نہیں ہوسکتا (یعنی یہ بات زمانۂ جاہلیت ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور جو بچہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا کرتا تھا اس کا نسب زانی اپنے ساتھ جوڑ لیتا تھا اب زمانۂ اسلام میں یہ بات درست نہیں) بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر (یعنی محرومی ہے یا سنگساری)۔ (ابوداؤد)

وہ چار عورتیں جن سے لعان نہیں ہوتا

﴿۱۸﴾ وعنه اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مِنَ النِّسَاءِ لَامُلَاعَنَةَ بَیْنَهُنَّ اَلنَّصْرَانِیَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْیَهُوْدِیَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْکِ وَالْمَمْلُوْکَةُ تَحْتَ الْحُرِّ (رواه ابن ماجه)

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار طرح کی عورتیں ہیں کہ انکے (اور انکے شوہروں کے) درمیان لعان نہیں ہوتا۔ ایک تو وہ نصرانیہ (یعنی عیسائی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری یہودیہ (یعنی یہودی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو۔ (ابن ماجہ)

توضیح

لاملاعنة: یعنی چار قسم کی عورتیں ایسی ہیں جن کے ساتھ اگر لعان کی صورت پیش آجائے تو ان عورتوں اور ان کے شوہروں کے درمیان لعان نہیں ہوگا مثلاً ایک یہودی عورت ہے یا عیسائی عورت ہے جو کسی مسلمان خاوند کے نکاح میں ہے اور مسلمان شوہر نے اس پر زنا کی تہمت لگادی اور اس نے تردید کی تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا، اسی طرح اگر ایک حرہ آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو یا کوئی لونڈی کسی آزاد خاوند کے نکاح میں ہو تو ان کے درمیان بھی لعان نہیں ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ لعان ایک قسم کی گواہی ہے کیونکہ اس کی تعریف اس طرح ہے (**شهادات مؤكدات بالايمان**) اور یہ چار قسم کے لوگ اہل شہادت میں سے نہیں ہیں دو تو یہودی، عیسائی ہیں جو کافر ہیں اور دو غلام ہیں اور کافر اور غلام دونوں کی گواہی معتبر نہیں لہٰذا ان کے درمیان لعان نہیں اس حدیث سے احناف کے اس موقف کی تائید بھی ہوتی ہے کہ لعان شہادت کی قسم میں سے ہے۔

لعان کے بجائے گناہ کا اعتراف زیادہ بہتر ہے

﴿۱۹﴾ وعن ابن عباسٍ انَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَجُلًا حِیْنَ اَمَرَ الْمُتَلَاعِنَیْنِ اَنْ یَتَلَاعَنَا اَنْ یَضَعَ یَدَہٗ عِنْدَ الْخَامِسَۃِ عَلٰی فِیْہِ وَقَالَ اِنَّھَا مُوْجِبَۃٌ (رواہ النسائی)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر دو لعان کرنے والے (یعنی میاں بیوی) لعان کر رہے تھے تو آنحضرتؐ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچویں گواہی کے وقت لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور فرمایا کہ پانچویں گواہی واجب کرنی والی ہے۔ (نسائی)

توضیح

ان یضع: مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متلاعنین کو لعان کا حکم دیدیا مگر وہاں موجود کسی شخص کو یہ بھی فرمایا کہ جب پانچویں گواہی آئے گی تو لعان کرنے والے شخص کے منہ پر ہاتھ رکھو تا کہ وہ لعان مکمل نہ کرے کیونکہ منہ پر ہاتھ رکھنے سے اس لعان کرنے والے کو عملی تنبیہ ہو جائیگی اور وہ پانچویں گواہی سے باز آجائیگا اور لعان مکمل نہیں ہوگا جب لعان نہیں ہوگا تو وہ شخص سچ بات کو ظاہر کر دیگا اس کو دنیا کی سزا ہو جائے گی اور آخرت کی سزا سے بچ جائیگا گویا نبی اکرم کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ حتی الامکان میاں بیوی کو لعان سے بچا کر سچ پر لایا جائے تا کہ دنیا کی سزا پانے سے آخرت کی سزا اور عذاب سے بچ جائیں۔

شیطان میاں بیوی کو آپس میں بدظن کرتا ہے

﴿۲۰﴾ وعن عائشۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِھَا لَیْلًا قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَیْہِ فَجَاءَ فَرَاٰی مَا اَصْنَعُ فَقَالَ. مَالَکِ یَا عَائِشَۃُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ وَمَالِی لَا یَغَارُ مِثْلِی عَلٰی مِثْلِکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَائَکِ شَیْطَانُکِ قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَمَعِیَ شَیْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ نَعَمْ وَلٰکِنْ اَعَانَنِیَ اللّٰہُ عَلَیْہِ حَتّٰی اَسْلَمَ (رواہ مسلم)

اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ شعبان کی پندرہویں) رات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے آپؐ پر بڑی غیرت آئی پھر جب آنحضرتؐ واپس تشریف لائے اور میں جس کیفیت میں مبتلا تھی اس کو دیکھا تو فرمایا کہ عائشہ تم کو کیا ہوا؟ کیا تم مجھ پر غیرت کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ بھلا میری جیسی عورت کو آپ جیسے مرد پر غیرت کیوں نہیں آئیگی؟ آپؐ نے فرمایا دراصل تمہارے

پاس تمہارا شیطان آ گیا ہے (یعنی شیطان نے تمہیں شک وشبہ میں مبتلا کر دیا) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں ۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپکے ساتھ بھی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر حاوی کر دیا ہے، یہاں تک کہ میں (اس کے وسوسہ) سے سالم (محفوظ) رہتا ہوں (یا حتی اسلم کا ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ یعنی میرا تابع ہو گیا ہے)۔ (مسلم)

توضیح

مالک اغرت: . یعنی تجھے کیا ہوا کیا غیرت میں پڑ گئی ہو؟ مدینہ منورہ میں نصف شعبان کو یہ واقعہ پیش آیا آنحضرتؐ حضرت عائشہ کی باری میں ان کے ہاں قیام پذیر تھے کہ آپ رات کے حصے میں جنت البقیع تشریف لے گئے تا کہ آپؐ اپنے ساتھیوں کیلئے دعاء مغفرت کریں جو دنیا سے تشریف لے گئے تھے اور جنت البقیع میں مدفون تھے حضرت عائشہؓ نے خیال کیا کہ حضور اکرمؐ ان کی باری میں کسی اور ام المؤمنین کے گھر چلے گئے یا جا رہے ہیں اس لئے پیچھے پیچھے چلی گئیں پھر جب معلوم پڑا کہ آپؐ قبرستان تشریف لے گئے ہیں تو جلدی جلدی واپس ہو گئی اس جلدی کی وجہ سے پشیمانی اور ندامت میں ہانپنے لگیں اور رنگ بھی فق ہو گیا آنحضرتؐ نے پوچھا (مالک اغرت؟) حضرت عائشہ نے جو جواب دیا ہے وہ آپکی ذہانت فراست اور عقیدت ومحبت کا اعلیٰ شاہکار ہے فرمایا کہ مجھ جیسی بیوی آپ جیسے شوہر کے بارے میں غیرت کیوں نہیں کر یگی؟ حضور اکرم نے فرمایا کہ اس شک اور شبہ میں ڈالنا شیطان کے اکسانے اور اس کے ورغلانے سے ہوا ہے **(امعی شیطان)** یہ سوال حضرت عائشہ کی انتہائی پاکیزگی اور انتہائی تقوٰی اور خوف خدا پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ شیطان بھی کوئی آفت ہے اور وہ ان کے قریب وسوسہ ڈالنے کیلئے آ سکتا ہے **(حتی اسلم)** اسلم باب افعال سے ماضی کا صیغہ بھی پڑھا گیا ہے معنی یہ کہ شیطان نے میری اطاعت کی ہے مجھے وسوسہ نہیں ڈالتا ہے اور یہ صیغہ (اسلم) واحد متکلم کا بھی ہے اس کا معنی یہ کہ میں ان سے محفوظ ہوں تفصیل جلد اول میں گذر چکی ہے۔

۲۰ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب العدة

عدت اور سوگ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿اذاطلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة وتقوا الله ربكم لاتخرجوهن من بيوتهن﴾ (سورۃ طلاق)

وقال تعالیٰ ﴿اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولاتضاروهن لتضيقوا عليهن﴾ (سورۃ طلاق)

وقال تعالیٰ ﴿والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا﴾ (سورہ بقرہ)

وقال تعالیٰ ﴿والّئي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر﴾ وقال تعالیٰ ﴿والّئي لم يحضن واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلثة قروء.﴾

عدة باب نصر ینصر کا مصدر ہے اور یہ لغت میں گنتی اور شمار کو کہتے ہیں، عورت بھی فرقت زوج کے بعد اپنی عدت کے ایام گنتی ہے۔ اور اصطلاح شرع میں ''عورت کا زوج سے فراق کے بعد خاص مدت تک نکاح اور منافی عدت چیزوں سے باز رہنے کا نام عدت ہے''۔

یہ فرقت یا طلاق سے ہوتی ہے یا زوج کی وفات سے ہوگی، عدت گزارنے کے کئی طریقے ہیں۔

اول تین حیض کے ذریعہ سے عدت ہو۔ دوم وضع حمل سے عدت وابستہ ہو بشرطیکہ عورت حاملہ ہو، سوم عدت بالاشہر ہو کہ اگر عورت چھوٹی ہو یا حیض آنے سے یا بڑھاپے کی وجہ سے مایوس آئسہ ہو تو تین ماہ کی گنتی سے عدت گذاریگی اور اگر عورت کا شوہر مر گیا ہو تو پھر چار ماہ دس دن عدت کیلئے مقرر ہیں اوپر قرآنی آیات سے اور آنے والی احادیث کی تفصیلات سے اور امت کے اجماع سے عدت گزارنا عورت پر لازم ہے تمام مسلمان عورتوں پر لازم ہے کہ وہ عدت کا اہتمام کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے لاپرواہی نہ برتیں صوبہ سرحد میں عورتیں اس خداوندی حکم میں بہت سستی کرتی ہیں وہاں کے علماء پر لازم ہے کہ وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو اہتمام کے ساتھ وعظوں میں بیان کریں اور فقہاء احناف نے احادیث کی روشنی میں جو دفعات متعین فرمائی ہیں ان کو مسلمانوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کریں تاکہ یہ مری ہوئی سنت زندہ ہو جائے۔

لونڈی کو اگر اس کے خاوند نے طلاق دیدی تو اس کی عدت دو حیض ہیں اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور اگر اس کا خاوند مر جائے تو اسکی عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔

مسئلة النفقة والسكنى في العدة

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن ابى سلمة عن فاطمة بنت قيس ان ابا عمرو بن حفص طلقها البتة وهو غائب فارسل اليها وكيله الشعير فسخطته فقال والله مالك علينا من شئ فجاءت رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فقال ليس لك نفقة فامرها ان تعتد في بيت ام شريك ثم قال تلك امرأة يغشاها اصحابي اعتدى عند ابن ام مكتوم فانه رجل اعمى تضعين ثيابك فاذا حللت فآذنيني قالت فلما حللت ذكرت له ان معاوية ابن ابى سفيان وابا جهم خطباني فقال اما ابو الجهم فلا يضع عصاه عن عاتقه واما معاوية فصعلوك لامال له انكحى اسامة بن زيد فكرهته ثم قال انكحى اسامة فنكحته فجعل الله فيه خيرا واغتبطت، وفي رواية عنها فاما ابو جهم فرجل ضراب للنساء (رواه مسلم) وفي رواية ان زوجها طلقها ثلاثا فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فقال لانفقة لك الا ان تكوني حاملاً.

ابوسلمہ فاطمہ بنت قیس سے نقل کرتے ہیں کہ ابوعمرو بن حفصؓ نے فاطمہ بنت قیسؓ کو (جوان کی بیوی تھیں) تین طلاق دیں جبکہ وہ خود موجود نہیں تھے (یعنی عمرو کہیں باہر تھے وہیں سے انہوں نے کسی کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ میں نے طلاق دی) پھر ابوعمروؓ کے وکیل (کارندے) نے (بطور نفقہ) فاطمہؓ کے پاس کچھ جو بھیجے۔ فاطمہؓ (کے خیال میں جو کی وہ مقدار بہت کم تھی اس لئے وہ اس پر ناراض ہوئیں) وکیل نے کہا کہ خدا کی قسم! ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے (کیونکہ تمہیں تین طلاقیں ملی ہیں اس کے نفقہ کا کوئی حکم نہیں ہے اس وقت تمہیں جو کی جو بھی مقدار دی گئی ہے وہ محض احسان وسلوک کے طور پر ہے) فاطمہؓ (یہ سنکر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے یہ واقعہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا نفقہ (ابوعمرو پر) واجب نہیں ہے پھر آپؐ نے فاطمہ کو یہ حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت میں بیٹھ جائیں لیکن پھر آپؐ نے فرمایا کہ ام شریک کے گھر میں میرے صحابہؓ (جو ام شریک کے عزیز و اقارب اور آل واولاد ہیں) آتے جاتے ہیں (اس لئے ان کے گھر میں تمہارا بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا البتہ تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت کے دن گذار لو کیونکہ وہ ایک اندھے آدمی ہیں وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو اور جب تم حلال ہو جاؤ (یعنی تمہاری عدت کے دن پورے ہو جائیں) تو مجھے اطلاع کر دینا (تاکہ میں تمہارے دوسرے نکاح کی فکر کروں) فاطمہ کہتی ہیں کہ پھر جب میں حلال ہوگئی تو میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ معاویہ

ابن ابی سفیانؓ اور ابوجہمؓ نے میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجا ہے (آپ کی کیا رائے ہے؟) آپؐ نے فرمایا ابوجہمؓ (کی بات تو یہ ہے کہ وہ) اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے (کبھی) رکھتے ہی نہیں اور معاویہؓ وہ آدمی ہیں جن کے پاس مال واسباب نہیں ہے (لہٰذا میری رائے میں تو مناسب یہ ہے کہ) تم اسامہؓ بن زید سے نکاح کرلو۔ چنانچہ میں نے اسامہ سے نکاح کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح اور اسامہ کی رفاقت) میں خیر وبرکت عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا (یعنی ہم دونوں کی رفاقت اتنی راس آئی اور ہم میں اتنی الفت ومحبت پیدا ہوئی کہ جو بھی دیکھتا مجھ پر رشک کرتا) اور ایک روایت میں فاطمہؓ کے الفاظ یہ ہیں کہ ابوجہم ایک ایسا مرد ہے جو عورتوں کو بہت مارتا ہے۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ فاطمہؓ کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں چنانچہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا نفقہ (تمہارے شوہر کے ذمہ) نہیں ہے ہاں اگر تم حاملہ ہوتیں (تو اس پر تمہارا نفقہ واجب ہوتا)

توضیح

طلقھا البتة: البتة سے تین طلاق کے ساتھ مطلقہ مغلظہ عورت مراد ہے جس کو مطلقہ مبتوتہ بھی کہتے ہیں جو عورت طلاق رجعی کے ساتھ مطلقہ ہو تو اس کا نفقہ اور سکنی بالاتفاق زوج پر لازم ہے اگر عورت تین طلاق کے ساتھ مطلقہ مغلظہ ہے لیکن حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ بھی وضع حمل تک زوج پر بالاتفاق لازم ہے اور اگر عورت مطلقہ مغلظہ غیر حاملہ ہے تو اس کے نفقہ اور سکنی میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

مطلقہ مغلظہ کے نفقہ وسکنی میں فقہاء کا اختلاف

امام احمد بن حنبلؒ اسحاق بن راہویہ اور اہل ظواہر کے نزدیک مطلقہ مغلظہ غیر حاملہ کیلئے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنی ہے یعنی نہ نان ہے نہ مکان ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک سکنی ہے لیکن نفقہ نہیں ہے یعنی مکان ہے نان نہیں ہے ائمہ احناف کے نزدیک اس مطلقہ کیلئے سکنی بھی ہے اور نفقہ بھی ہے یعنی نان ومکان دونوں شوہر پر لازم ہیں

دلائل:۔

امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظواہر غیر مقلدین نے زیر نظر فاطمہ بنت قیس کی روایت سے استدلال کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں (لانفقة لک الا ان تکونی حاملا) اور اسی حدیث میں ان کو حکم دیا گیا ہے کہ تم ابن ام مکتوم کے گھر میں رہو جس سے معلوم ہوا کہ ان کو سکنی کا حق بھی نہیں ہے، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ نے سکنی کے ثبوت کیلئے قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم﴾ اور نفقہ کی نفی کیلئے اس آیت سے استدلال کیا ہے

﴿وان کن اولات الاحمال فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھن﴾ طرز استدلال مفہوم مخالف کے طور پر ہے کہ نفقہ صرف معتدہ حاملہ کو ملے گا لہٰذا جو عورت حاملہ مطلقہ نہیں اس کو کسی بھی صورت میں نفقہ نہیں ملے گا ان حضرات نے نفی نفقہ کیلئے فاطمہ بنت قیس کی زیر نظر حدیث سے بھی استدلال کیا ہے ائمہ احناف اور سفیان ثوریؒ نے وجوب سکنی کیلئے قرآن کریم کی دو آیتوں سے استدلال کیا ہے ایک آیت یہ ہے ﴿اسکنوھن من حیث سکنتم من وجد کم﴾ یہ آیت سکنی پر قطعی دلیل ہے دوسری آیت یہ ہے ﴿ولاتخرجوھن من بیوتھن ولایخرجن﴾ یہ آیت بھی مکان دینے پر صریح دلالت کرتی ہے اور ضمنی طور پر یہ آیت نفقہ کو بھی واجب کرتی ہے کیونکہ جب اس عورت کے نکلنے اور نکالنے پر پابندی ہے تو لازمی طور پر اس کو نفقہ دینا پڑیگا نیز قواعد شریعت کے مطابق بھی اس کو نفقہ دینا پڑیگا کیونکہ یہاں اس عورت کا حبس بوجہ حق زوج آ گیا ہے کیونکہ عدت نکاح کے اثرات میں سے ایک اثر ہے اور نکاح کی وجہ سے جب نفقہ زوج پر لازم تھا تو اب اس نکاح کے اثر کی وجہ سے جو حبس آ گیا ہے اس میں بھی نفقہ زوج پر فرض ہوگا احناف نے حضرت عمرؓ کے عام فیصلہ اور صحابہ کرام کے اجماع سے بھی وجوب نفقہ پر استدلال کیا ہے فاطمہ بنت قیس کی روایت سے جواب کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی روایت آنے والی ہے۔

الجواب

احناف فاطمہ بنت قیس کی روایت کا جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت کئی وجوہ سے معلل ہے حضرت عمر فاروق نے جب یہ حدیث سنی تو فرمانے لگے (لاندع کتاب ربنا وسنة نبینا بقول امرأة نسیت اوشبه لها سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول لها السکنی والنفقته) (مرقاۃ جلد ۶ صفحہ ۳۲۵)

سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ فاطمہ بنت قیس کو نفقہ اس لئے نہیں دیا گیا کہ اس کی زبان میں سختی اور تیزی تھی گویا وہ ناشزہ تھی اور ناشزہ کو نان نفقہ نہیں دیا جاتا۔

حضرت اسامہ بن زید کے عقد نکاح میں جب فاطمہ بنت قیس آئیں تو آپ نے ان پر کنکر برسائے اور اس کے قول کو مسترد کرتے ہوئے ناراضگی کا اظہار فرمایا، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ کیا فاطمہ بنت قیس خدا کا خوف نہیں رکھتی جو کہتی ہے کہ اس کے لئے نہ نفقہ تھا نہ سکنی تھا؟ ان اقوال کے علاوہ زیر بحث حدیث میں خود اس حدیث کا جواب موجود ہے کیونکہ فاطمہ بنت قیس کے شوہر ابوعمرو بن حفص کے وکیل نے ان کے خرچ کے سلسلہ میں ان کو کچھ (جو) بھیجے لیکن انہوں نے اس کو کم سمجھ کر واپس کر دیا اور حضور اکرم کے سامنے شکایت کی تو حضرت نے زیادہ نفقہ کا انکار فرمایا اصل نان ونفقہ کا انکار نہیں تھا، شوافع اور مالکیہ نے آیت کے مفہوم مخالف سے جو استدلال کیا ہے احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ ہم مفہوم مخالف کو

نہیں مانتے ہیں اور نہ یہ ہمارے ہاں کوئی مستند دلیل ہے خاص کر جب حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں یہ الفاظ موجود ہیں (وانفقوا علیهن من وجدکم) اس صراحت کے بعد ہم نفقہ کا انکار نہیں کر سکتے ہیں اور ویسے شوافع کو بطور الزام احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ جب آپ نے سکنی مان لیا تو کیا اس بچاری عورت کو قتل کرانا چاہتے ہو اور اس کو کہتے ہو کہ گھر میں پڑی رہو کیونکہ تم پر عدت گزارنا واجب ہے اور تم کو کھانا کچھ بھی نہیں ملیگا یہ تو عجیب فیصلہ ہے، باقی فاطمہ بنت قیس کو مکان کیوں نہیں ملا تو اس کا جواب خود حضرت عائشہ نے دیا ہے کہ فاطمہ کا مکان ایک سنسان غیر آباد علاقہ میں تھا جو شہر سے کسی کنارہ میں واقع تھا وہاں وہ اکیلی اس مکان میں نہیں رہ سکتی تھی اور حضرت سعید بن المسیب کے قول کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس زبان درازی کرتی تھی اپنے سسرال سے لڑتی تھی اس لئے وہ مکان کی سہولت سے محروم ہوگئی۔

تضعین ثیابک: . اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ وہاں تم عدت کی حالت میں زینت چھوڑ دوگی دوسرا مطلب یہ کہ وہاں سے تم باہر کہیں نہیں نکلوگی تیسرا مطلب یہ کہ وہاں تجھے حجاب کی ضرورت نہیں پڑیگی کیونکہ وہاں کا رہنے والا خود نابینا ہے اور ام شریک کے رشتہ داروں کی طرح یہاں کوئی اور آتا جاتا نہیں لہٰذا تم کو اس طرح پردہ کی ضرورت نہیں پڑیگی جس طرح کسی دیکھنے والے آدمی کے سامنے مکمل پردہ کیا جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ تم بالکل کپڑے ہی استعمال نہ کرو، بہر حال اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اجنبی مرد کو دیکھ سکتی ہے یعنی اگر فتنہ کا خطرہ نہ ہو تو بعض علماء جواز کے قائل ہیں لیکن بعض نے کہا کہ عورتوں کو بھی مردوں کی طرف دیکھنا منع ہے کیونکہ قرآن کا اعلان ہے ﴿قل للمؤمنات یغضضن من ابصارهن﴾ تو اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ابن ام مکتوم نابینا ہے وہ تم کو نہیں دیکھ سکتا اور تم خود ان کی طرف نہیں دیکھوگی لہٰذا رہنا آسان ہوجائیگا اور حجاب کا مکمل اہتمام اور انتظام رہیگا (فلا یضع عصاه) یعنی ابوجہم ہر وقت ادب کی لاٹھی مارنے کیلئے کندھے پر رکھتا ہے (ضراب للنسآء) مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی وہ عورتوں کو بہت مارنے والا ہے یہ اسی ماسبق کنائی الفاظ (فلایضع عصاه) کی تشریح ہے (فصعلوک) صعلوک انتہائی فقیر اور مفلس کو کہتے ہیں اور (لامال له) گویا اس کی صفت کاشفہ ہے یعنی معاویہ مفلس فقیر ہے چونکہ آنحضرتؐ سے مشورہ لیا گیا تھا اس لئے (المستشار مؤتمن) کے قاعدہ کے تحت آپؐ نے حقیقت حال کو واضح طور پر بیان فرمایا۔

فوائد الحدیث:۔

فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث میں کئی فوائد اور امت کیلئے کئی مفید تعلیمات ہیں۔

(۱) پہلا فائدہ یہ ہے کہ شوہر جب غائب ہو اور قابل اعتماد مستند ذریعہ سے طلاق دیدے تو یہ جائز ہے (۲) آدمی کو اپنے حقوق لینے دینے کیلئے وکیل رکھنا جائز ہے (۳) فتوی لینے دینے میں اجنبی مرد و عورت کی گفتگو جائز ہے (۴) عورت

جس گھر میں عدت گذارنے کیلئے بیٹھی ہوئی ہو اس سے ضرورت اور حاجت کے تحت منتقل ہوسکتی ہے (۵) جب فتنہ نہ ہو تو نیک عورت کی زیارت ثواب کی نیت سے رشتہ دار مردوں کیلئے مستحب ہے جیسے ام شریک کے پاس آنا جانا تھا (۶) مطلقہ مغلظہ کو زمانۂ عدت میں پیغام نکاح دینا تعریض کے طور پر جائز ہے (۷) ایک شخص کے پیغام نکاح پر دوسرے کیلئے پیغام نکاح دینا جائز ہے جبکہ پہلے والے کی بات نہ بن سکی ہو (۸) غائب شخص کے عیوب کا تذکرہ کرنا اس وقت جائز ہے جبکہ مشورہ کے تحت جواب دیا جاتا ہو جیسا حضورؐ نے جواب دیا (۹) کلام میں مجاز کا استعمال جائز ہے جیسے حضورؐ نے فرمایا (لا یضع عصاہ) (۱۰) رشتہ نکاح میں مالداری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيفَ عَلَى نَاحِيَتِهَا فَلِذٰلِكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِي فِي النُّقْلَةِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَتْ مَالِفَاطِمَةَ اَلَاتَتَّقِي اللّٰهَ تَعْنِي فِي قَوْلِهَا لَا سُكْنٰى وَلَانفقة (رواه البخاری)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت قیس جس مقام میں رہتی تھی وہ ایک ویران جگہ تھی اور وہاں اس کے بارہ میں اندیشہ رہتا تھا اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (عدت کے دنوں میں اپنے مکان سے ابن ام مکتوم کے مکان میں) منتقل ہونے کی آسانی عطا فرمائی۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرتِ عائشہؓ نے کہا کہ فاطمہؓ کو کیا ہوا ہے کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی؟ اس سے حضرت عائشہؓ کی مراد فاطمہؓ کے قول کہ نہ نفقہ واجب ہے اور نہ سکنیٰ کی تردید کرنا ہے۔ (بخاری)

﴿۳﴾ وعن سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ اِنَّمَا نُقِلَتْ فَاطِمَةُ لِطُولِ لِسَانِهَا عَلَى اَحْمَائِهَا (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت سعید ابن مسیبؒ کہتے ہیں کہ فاطمہؓ کو (عدت کے زمانہ میں ان کے خاوند کے گھر سے) اس لئے منتقل کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے خاوند کے عزیزوں سے زبان درازی کیا کرتی تھی۔ (شرح السنہ)

حالت عدت میں گھر سے نکلنے کا حکم

﴿۴﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِي ثَلَاثًا فَاَرَادَتْ اَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ اَنْ تَخْرُجَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلٰى فَجُدِّي نَخْلَكِ فَاِنَّهُ عَسٰى اَنْ تَصَدَّقِي اَوْتَفْعَلِي مَعْرُوفًا (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں (اور وہ عدت میں بیٹھ گئیں) پھر (ایک دن) انہوں نے ارادہ کیا کہ (گھر سے باہر جا کر) کھجوریں توڑ لائیں تو ایک شخص نے انہیں گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا، وہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور یہ واقعہ بیان کیا) تو آپؐ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں ہے جاؤ اور اپنے درخت سے کھوریں توڑ لاؤ کیونکہ شاید تم وہ کھجوریں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو یا ان کے ذریعہ احسان کرو۔ (مسلم)

توضیح

فقال بلیٰ فجدی:. جدی واحد مؤنث کیلئے امر کا صیغہ ہے جداد کھجور توڑنے کے معنی میں آتا ہے اس حدیث سے اس عورت کے گھر سے نکلنے یا نہ نکلنے کا حکم معلوم ہوتا ہے جو حالت عدت میں گھر میں بیٹھی ہوئی ہو اس میں اس طرح تفصیل ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے اور وہ عدت گذار رہی ہو تو اس میں تقریباً سب علماء کا اتفاق ہے کہ وہ دن کے وقت گھر سے باہر جا سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے نفقہ کی خود ذمہ دار ہے تو اس مجبوری کی وجہ سے خروج فی النہار کی اجازت ہے شرح وقایہ کے متن میں یہ عبارت مذکور ہے (وتخرج معتدة الموت فی الملوین) یعنی متوفی عنہا زوجہا دن اور رات کے اوقات میں اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہے (اذ لانفقة لها فتحتاج الی الخروج) کیونکہ اس کا نفقہ اس کے اپنے ذمہ میں ہے تو نکلنے کی طرف محتاج ہے ہاں اس پر لازم ہے کہ رات گذارنے کیلئے اسی مکان میں آئے جہاں عدت گذارنے کیلئے بیٹھی ہے اب رہ گیا مطلقہ عورت کا مسئلہ تو اس کے نکلنے یا نہ نکلنے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور کے نزدیک مطلقہ بھی دن کے وقت نکل سکتی ہے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ کسی سخت مجبوری کے بغیر یہ مطلقہ عدت والے گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔

دلائل

ائمہ جمہور نے حضرت جابر کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ جابرؓ کی خالہ کو نبی اکرمؐ نے کھجوریں توڑنے اور باغ میں جانے کی اجازت فرمائی تھی ائمہ احناف نے قرآن کریم کی آیت کے عموم سے استدلال کیا ہے آیت یہ ہے ﴿ولاتخرجوهن من بیوتهن ولایخرجن﴾ اس مطلق آیت کو حضرت جابر کی خبر واحد سے مقید نہیں کیا جا سکتا ہے لہٰذا بغیر کسی ضرورت کے مطلقہ عورت عدت کے گھر سے باہر نہیں جا سکتی ہے اور اگر ضرورت پڑ جائے تو پھر جانا اور نکل کر رات کو واپس آنا جائز ہے احناف نے مجبوری میں نکلنے کے جواز کیلئے حضرت جابرؓ کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم نے اس عورت کی اجازت کو (لعلک ان تصدقی وتفعلی معروفا) کے ساتھ مقید فرمایا ہے تو یہ ایک ضرورت اور حاجت کی طرف اشارہ ہے کہ اگر صاحب نصاب ہوگئی تو زکوٰۃ ادا کر دوگی اور اگر زکوٰۃ نہیں تو نفلی صدقات میں سے کسی کے

ساتھ بھلائی کردوگی معلوم ہوا کسی دینی اور دنیوی حاجت وضرورت کیلئے نکلنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے امام طحاوی نے حضرت جابر کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے کہ نکلنا جائز نہیں معلوم ہوا زیر بحث حدیث منسوخ ہے صوبہ سرحد کے علماء پر لازم ہے کہ وہ اس مسئلہ کو عوام پر واضح کر کے بیان کریں کیونکہ وہاں اس میں سستی ہوتی ہے یہاں ایک الگ صورت ہے کہ اگر معتدہ عورت کا مکان گرنے لگا ہو یا چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہو یا اس مکان کا خرچ اس عورت کی طاقت سے باہر ہو تو وہ ان صورتوں میں اس گھر کو چھوڑ کر کسی مناسب جگہ منتقل ہوسکتی ہے۔

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

﴿۵﴾وعن الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ سُبَيْعَةَ الْاَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَائَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَاْذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ (رواه البخاری)

اور حضرت مسور بن مخرمہ کہتے ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ان کے خاوند کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ولادت ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت مانگی آپؐ نے ان کو اجازت عطا فرمائی اور انہوں نے نکاح کرلیا۔ (بخاری)

عدت کے ایام میں سرمہ لگانے کی ممانعت

﴿۶﴾وعن اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ اِبْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا، مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا ،ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَاْسِ الْحَوْلِ (متفق عليه)

اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری لڑکی کا خاوند مرگیا ہے (جس کی وجہ سے وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگادوں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ اس عورت نے دو یا تین بار پوچھا اور آپؐ ہر بار یہی جواب دیتے تھے کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جبکہ ایام جاہلیت میں تم میں کی ایک عورت (یعنی بیوہ) سال بھر کے بعد مینگنیاں پھینکتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

افنکحلها: متوفی عنہا زوجہا جب عدت وفات میں سوگ کے ایام میں چار ماہ دس دن تک سوگ میں بیٹھی ہو تو کیا وہ سرمہ

لگا سکتی ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

عدت وفات میں احداد یعنی ترک زینت کے دوران امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک عذر ہو یا عذر نہ ہو کسی صورت میں عورت آنکھوں میں سرمہ نہیں لگا سکتی ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ مجبوری کی صورت میں بطور علاج سرمہ لگا سکتی ہے لیکن رات کو لگائے اور دن کو صاف کرے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مجبوری کے وقت بطور علاج سرمہ استعمال کرسکتی ہے۔ امام احمد نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ شاید اس عورت نے بہانہ کیا ہو کہ سرمہ تو لگایا زینت کیلئے اور بہانہ آنکھوں کے دکھنے کا کیا حضور اکرمؐ کو اصل حقیقت کا علم ہوگیا ہوگا اس لئے اجازت نہیں دی، یا ہوسکتا ہے کہ یہ خاص قسم کا کوئی سرمہ تھا جس کی ممانعت فرمادی اس حدیث میں تاویل کا ایک واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حضرت ام سلمہ سے ایک موقع پر جب سرمہ لگانے کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے شدید مرض کے وقت اجازت دیدی (کذا فی سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۳۱۵)

کافرانہ نظام نے عورت پر ظلم کیا اسلام نے مقام دیا

ترمی بالبعرة علی رأس الحول: اس جملہ سے حضور اکرمؐ نے زمانۂ جاہلیت میں عورتوں پر بے جا مظالم ڈھائے جانے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مقصد یہ تھا کہ دین اسلام میں ہر قسم آسانی ہے اور تم پھر بھی مزید رخصتوں کی درخواستیں کرتی ہو تمہیں معلوم نہیں کہ جاہلیت میں عورتوں کی عدت کا کیا افسانہ ہوتا تھا آپؐ نے جس قصہ اور افسانہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا تذکرہ جن کتابوں نے کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جاہلیت میں جب آدمی مرجاتا تھا تو بیوی سوگ منانے اور عدت گذارنے کیلئے ایک تنگ وتاریک کمرہ میں داخل ہوجاتی تھی باہر سے اس کمرے کا دروازہ بند کیا جاتا تھا اور لپائی کی جاتی تھی ایک کھڑکی سے معتدہ عورت کو کتے کے برتن میں کھانا دیا جاتا تھا اسی کمرہ میں کھانا پینا اسی میں پیشاب پاخانہ کرنا اسی میں لیٹنا اسی میں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا سال بھر کیلئے ایک ہی جوڑا کپڑا اور سال بھر کیلئے اسی ایک جگہ میں رہنا ہوتا تھا سال پورا ہونے کے بعد جب کمرہ سخت زہریلا ہوجاتا تھا تو وہ لوگ کسی کتے یا جانور یا پرندے کو اندر داخل کراتے تھے اور حیوان کو اس عورت کے فرج سے رگڑ لیا کرتے تھے جب سخت زہریلی گیس سے وہ جانور مرجاتا تھا تو لوگ کہتے تھے زبردست عدت گزاردی ہے پھر اس عورت کو باہر لاکر ایک گدھے پر سوار کراتے تھے عورت کا چہرہ گدھے کی دم اور سرین کی طرف ہوتا تھا اور اس کے ہاتھوں میں اونٹوں یا بکریوں کی مینگنیوں کی بھری ہوئی ٹوکری دیا کرتے تھے وہ ایک ایک مینگنی پھینکا کرتی تھی اور بچے اس کے پیچھے

دوڑتے پھرتے اور ڈم ڈم کی آوازیں لگا کر ہنستے اور قہقہے لگاتے جاتے تھے جب یہ عورت آخری مینگنی پھینکتی تو اس کی عدت ختم ہو جاتی، حضور اکرم نے گویا اشارہ فرمادیا کہ ایک وہ کافرانہ نظام اور اس کا انسانیت سوز سلوک اور ایک اسلام کی یہ رحمت وشفقت اور عزت وعظمت کا نظام؟ دونوں میں بڑا فرق ہے کسی نے سچ کہا ؎

چراغ مردہ کجا نور آفتاب کجا ببیں تفاوت راہ از کجا است تابکجا

جاہلیت میں سوگ ایک سال تک منایا جاتا تھا اور کبھی ایک سال تک کیلئے قبر پر خیمہ لگا کر رویا کرتے تھے یہ عدت بھی اسی قسم کا ایک جاہلانہ رسم تھی اور سال کے بعد واپس گھر آتے تھے اسی کی طرف ایک شاعر نے اشارہ کیا ہے ؎

الی الحول ثم اسم السلام علیکما ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر

ترجمہ: ایک سال تک میں تمہاری قبروں پر رہا اب تم دونوں کو سلام کر کے واپس جاتا ہوں کیونکہ سال بھر تک رونے والا رونے کا حق ادا کر دیتا ہے۔

کتنے عرصے تک سوگ کرنا جائز ہے؟

﴿۷﴾ وعن اُمِّ حَبِیْبَةَ وَزَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَحِلُّ لِامْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَیِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا (متفق علیه)

اور حضرت ام حبیبہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو بھی عورت اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے ہاں اپنے شوہر کا سوگ چار ماہ دس دن تک کیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

ان تحد: یہ لفظ باب افعال سے احداد بوزن اعداد ہے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ لفظ مجرد میں باب نصر اور ضرب سے بھی آتا ہے احداد اور حداد ترک زینت اور عطریات وبناؤ سنگار چھوڑنے کا نام ہے اس میں غم کا مفہوم پڑا ہے اس لئے اس کو سوگ کہتے ہیں اسلام میں شوہر کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے شیعہ حضرات جو ہر سال حضرت حسینؓ کا سوگ مناتے ہیں یہ حرام ہے اسلام نے انسان کی طبیعت اور فطرت کا لحاظ رکھا ہے تو طبعی طور پر آدمی تین دن تک نڈھال رہتا ہے اس سے زیادہ ترک زینت اور ترک عادت جائز نہیں ہاں قلبی غم اور آنکھوں سے آنسوؤں کا گرنا اس کی کوئی تحدید نہیں ہے حضرت ام حبیبہؓ کے متعلق ابوداؤد میں ایک روایت ہے کہ جب ان کے والد ابوسفیان کا انتقال ہوا تو تین

دن کے بعد آپ نے عطر منگوالیا اور اپنے بازؤوں پر مل لیا اور فرمایا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے حضور سے سنا ہے پھر آپ نے یہی حدیث بیان فرمائی (ابوداؤ دجلد اصفحہ ۳۱۴)

بیوی کیلئے شوہر کا غم چونکہ تمام غموں سے زیادہ ہے کیونکہ اس کا پورا گھر اجڑ گیا ہے تو شریعت نے عورت کے اس فطری صدمہ کا لحاظ رکھا ہے اور چار ماہ دس دن تک سوگ کرنے کی اجازت دیدی ہے اور پھر اس پر لازم بھی کیا ہے ملا علی قاری نے مرقات میں لکھا ہے کہ عموماً لڑکے میں تین ماہ کے بعد جان آتی ہے اور لڑکی میں چار ماہ لگتے ہیں تو شریعت نے چار ماہ دس دن مقرر فرمایا تاکہ ہر قسم کے بچے کا ظہور یقینی ہو جائے بعض بچوں میں حرکت کمزور ہوتی ہے اس لئے شریعت نے چار ماہ دس دن کا اضافہ کر دیا تاکہ عورت کے حاملہ ہونے نہ ہونے کا خوب اندازہ ہو جائے۔

عدت والی عورت عطریات سے اجتناب کرے

﴿۸﴾وعن اُمِّ عَطِيَّةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتُحِدُّ اِمْرَاَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّاعَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَلَاتَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا اِلَّاثَوْبَ عَصْبٍ وَلَاتَكْتَحِلُ وَلَاتَمَسُّ طِيْبًا اِلَّااِذَاطَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ اَوْ اَظْفَارٍ (متفق علیه) وَزَادَ اَبُوْدَاوُدَ وَلَاتَخْتَضِبُ.

اور حضرت ام عطیہؓ کہتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے ہاں اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن تک سوگ کرے اور (ان ایام یعنی زمانۂ عدت میں) عصب کے علاوہ نہ تو کوئی رنگین کپڑا پہنے، نہ سرمہ لگائے اور نہ ہی خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قسط یا اظفار استعمال کرے تو قباحت نہیں۔ (بخاری ومسلم) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ (ان ایام میں) مہندی سے (بالوں اور ہاتھوں کو) نہ رنگے۔

توضیح

ولاثوبا مصبوغا: یعنی رنگین کپڑا بطور زینت نہ پہنے خواہ زعفرانی رنگ کا ہو یا کسی اور رنگ کا ہو ہاں اگر کوئی اور کپڑا نہیں ملا تو پھر رنگین استعمال کرے مگر زینت کا خیال قطعاً نہ ہو کیونکہ ستر ڈھانکنا فرض ہے **(الا ثوب عصب)** عصب یمن میں ایک قسم کی چادر بنتی تھی اس کو کہتے ہیں یہاں عصب سے مراد وہ رنگین چادر ہے جو بُننے اور بنانے سے پہلے دھاگوں یا اون کو رنگا گیا ہو اور جب چادر تیار ہو جائے تو اس میں سفید اور سرخ قسم کے رنگ آتے ہیں اس قسم کی چادر کا استعمال کرنا جائز ہے **(طهرت)** یعنی جب حیض سے عورت پاک ہو جائے **(نبذة)** نون پر ضمہ ہے اور یہ لفظ بوجہ استثنا منصوب ہے تھوڑی سی چیز کے معنی میں ہے۔

(ای شیئا یسرا) (من قسط) یہ لفظ باب طب میں بار بار آیا ہے اس کا ترجمہ کُھٹ یا اگربتی ہے یہاں اس سے ایک قسم عطر مراد ہے ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ یہ عود ہندی ہے جس سے خوشبو اور دوائی دونوں کا کام لیا جاتا ہے عورتیں حیض کے بعد غسل میں اس کو استعمال کرتی ہیں تاکہ بدبو زائل ہو جائے (او اظفار) یہ ایک قسم کی خوشبو ہے جس کے ٹکڑے ناخن کی طرح ہوتے ہیں ہمزہ مفتوح ہے اس کا مفرد یا تو نہیں ہے اگر ہے تو ظفر ہے۔

حالت عدت میں مکان تبدیل کرنے کا حکم

الفصل الثانی

﴿۹﴾ وعن زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبٍ اَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ اُخْتُ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْاَلُهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ اَعْبُدٍ لَهُ اَبَقُوْا فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِيْ فَاِنَّ زَوْجِيْ لَمْ يَتْرُكْنِيْ فِيْ مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ فَقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْفِي الْمَسْجِدِ دَعَانِيْ فَقَالَ اُمْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی)

حضرت زینب بنت کعبؓ فرماتی ہیں کہ فریعہ بنت مالک بن سنان نے جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی بہن ہیں، مجھے بتایا کہ وہ (فریعہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ پوچھنے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ (اپنی عدت گذارنے کے لئے) اپنے میکہ بنی خدرہ میں منتقل ہوسکتی ہیں کیونکہ انکے شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے تھے ان غلاموں نے انہیں مار ڈالا، چنانچہ فریعہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے میکے میں آجاؤں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جس مکان میں چھوڑا ہے وہ اس کے مالک نہیں تھے (یعنی میں جس مکان میں رہتی ہوں وہ اس کی ملکیت نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے۔ فریعہ کہتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا کہ بہتر ہے تم اپنے میکہ چلی جاؤ، چنانچہ میں (یہ اجازت حاصل کر کے) واپس ہوئی اور جب حجرہ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبوی میں پہنچی تو آپؐ نے مجھے پھر بلایا اور فرمایا کہ تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو (جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے اگر چہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت نہیں ہے) تا آنکہ کتاب (یعنی عدت) مدت تک پہنچ جائے۔ فریعہ کہتی ہے کہ میں (آنحضرتؐ کے اس حکم کے مطابق) چہار مہینہ

دس دن تک اسی مکان میں عدت میں بیٹھی رہی۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح

امکثی فی بیتک: . جس عورت کا شوہر مرجائے اس کیلئے عدت گذارنا ضروری ہے اگر حاملہ ہے تو وضع حمل مدت عدت ہے اور اگر غیر حاملہ ہے تو چار ماہ دس دن اس کی عدت ہے اب بحث اس میں ہے کہ جس گھر میں شوہر کا انتقال ہوا ہے اسی گھر میں بیٹھ کر چار ماہ دس دن پورے کرنا ضروری ہے یا اس گھر سے کسی اور گھر کی طرف منتقل ہو کر عدت مکمل کرنا جائز ہے اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف ہے امام شافعیؒ کا غیر مشہور قول یہ ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد عدت گذارنے میں یہ عورت آزاد ہے جہاں چاہے عدت گذار سکتی ہے ہاں عدت مکمل کرنا اور ترک زینت اس پر لازم ہے صحابہ کرام میں ایک طبقہ کا مسلک بھی اسی طرح تھا۔

امام مالک امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک شوہر کا جس گھر میں انتقال ہوا ہو اسی گھر میں عدت گذارنا ضروری ہے ہاں اگر گھر ویران ہو جائے یا کوئی اور حادثہ آجائے تو پھر دوسری جگہ منتقل ہو سکتی ہے اور یہی امام شافعی کا مشہور قول بھی ہے، فریق اول نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور اکرم نے فریعہ بنت مالک کو چلے جانے کی اجازت دیدی تھی اور ان کیلئے چلا جانا جائز بھی تھا لیکن بعد میں حضور نے ان کو روکا کہ مستحب یہ ہے کہ اسی گھر میں عدت گذاری جائے تو یہ امر استحباب کیلئے ہے، جمہور نے بھی اسی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ حضور اکرمؐ نے پہلے چلے جانے کی اجازت دیدی لیکن پھر منع کر دیا اس منع کرنے سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا یا یہ کہا جائے کہ عدت وفات میں عذر اور احتیاج کے تحت خاوند کے گھر سے نکلنا سب کے نزدیک جائز ہے حضور اکرمؐ نے پہلے اس عورت کو معذور سمجھ لیا تھا تو چلے جانے کی اجازت فرما دی پھر آپ کو معلوم ہوا کہ یہ معذور نہیں تو آپ نے ان کو منع فرما دیا، باقی فریق اول نے جو یہ کہا کہ امر استحباب کیلئے ہے تو جواب یہ ہے کہ استحباب پر یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے بلکہ وجوب کا قرینہ موجود ہے کہ اجازت کے بعد منع فرما دیا یاد رہے جس عورت کا شوہر مر گیا ہو وہ ضرورت کے پیش نظر دن میں اور کچھ حصہ رات میں گھر سے باہر جا سکتی ہے لیکن بغیر ضرورت تفریح و چکر کیلئے نکلنا جائز نہیں ہے۔

سات قسم کی عورتوں پر سوگ نہیں

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سات قسم کی عورتیں ایسی ہیں کہ ان پر شوہر کی وفات کے بعد سوگ واجب نہیں ہے اس کی تفصیل درمختار میں اس طرح لکھی ہوئی ہے (۱) کافرہ یعنی یہودیہ نصرانیہ پر سوگ واجب نہیں (۲) مجنونہ پگلی پر نہیں (۳) معتدہ عتق یعنی ام ولدہ پر مولی کے مرنے کے بعد سوگ نہیں (۴) صغیرہ پر سوگ نہیں (۵) نکاح فاسد کی عدت

گذارنے والی عورت پر سوگ نہیں (۶) وطی بشبہہ یعنی غلط فہمی میں جس کے ساتھ جماع کیا گیا ہو اور وہ عدت میں بیٹھی ہو اس پر سوگ نہیں (۷) وہ عورت جو طلاق رجعی کی عدت میں بیٹھی ہو اس پر سوگ واجب نہیں، یاد رہے سوگ عدت کے ایام میں بیٹھ کر ترک زینت کا نام ہے تو طلاق رجعی کی عدت میں ترک زینت نہیں بلکہ زینت اختیار کرنا ہے تاکہ شوہر رجوع کرے ہاں جس عورت کا شوہر مر گیا ہو یا اس کو طلاق مغلظہ یا طلاق بائن پڑی ہو تو اس کی مدت عدت میں اس پر ترک زینت لازم ہے جس کو سوگ کہتے ہیں۔

عدت کے ایام میں بناؤ سنگار منع ہے

﴿۱۰﴾ وعن اُمّ سَلمَةَ قَالَتْ دَخلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوسَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبِرًا فقال مَاهٰذَا يَا اُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ اِنَّمَا هُوَصبِرٌ لَيس فِيْهِ طيبٌ فَقَالَ اِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلاتَجعلِيْهِ اِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزِعيه بِالنَّهارِ ولاتَمْتَشِطِي بالطِّيب ولا بِالْحِنَّاءِ فَاِنَّهُ خِضَابٌ قُلْتُ بِاَيِّ شَيٍْ اَمْتَشِطُ يَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِيْنَ بِهٖ رَاْسَكِ (رواه ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت ام سلمہؓ (جو آنحضرت کی زوجہ مطہرہ ہے) روایت کرتی ہیں کہ جب (میرے پہلے شوہر) ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا (اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی) تو (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا، آپؐ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ ام سلمہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر کیا لگا رکھا ہے؟) میں نے عرض کیا کہ یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے آپؐ نے فرمایا مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے (یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے) لہٰذا تم اس کو نہ لگاؤ یا اگر (کسی وجہ سے لگانا ضروری ہی ہو تو) رات میں لگا لو اور دن میں صاف کر ڈالو (کیونکہ رات کو استعمال کرنے سے بناؤ سنگار کا گمان بھی نہ ہوگا) اسی طرح خوشبودار کنگھی بھی نہ کرو اور نہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی (سرخ) رنگ کے لئے ہوتی ہے (اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جبکہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ (یعنی اپنے بالوں کو کس چیز کے ساتھ صاف کروں) آپؐ نے فرمایا بیری کے پتوں کے ساتھ کنگھی کرو اور ان پتوں سے اپنے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لو (یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

(صبر) صاد پر فتحہ ہے اور باء پر کسرہ ہے ایک کڑوی دوا کا نام ہے جس کو (ایلوا) کہتے ہیں ایک شاعر نے کہا۔

لاتحسب المجد تمرا انت اٰکله ☆ لن تبلغ المجد حتی تلعق الصبرا

یعنی بزرگی حاصل کرنا کوئی کھجور کھانا نہیں جب تک کڑوا ایلوا نہیں چاٹو گے بزرگی نہیں پاؤ گے (شب یشب) نصر سے جوانی کے معنی میں ہے مراد یہ کہ ایلوا ایسا (شیرہ) ہے جو چہرہ کو جوان کرتا ہے (امتشاط) **کنگھی** کرنے کے معنی میں ہے خوشبودار کنگھی منع ہے (السدر) بیری کے پتے مراد ہیں (تغلفین) غلاف بنانے اور سر ڈھانکنے کے معنی میں ہے، ان اشیاء کی ممانعت سے معلوم ہوا کہ جدید دور کے تمام لپ اسٹک اور ناخن پالش اور دوسری قسم کے کریم اور زیب وزینت اور بناؤ سنگار کی تمام چیزیں منع ہیں اسی طرح ہر قسم کے عطریات اور خوشبودار پاؤڈر اور خوشبو کیلئے صابن وغیرہ منع ہے کیونکہ ان میں بعض اشیاء میں بناؤ سنگار اور زینت ہے اور بعض میں خوشبو ہے۔

معتدہ عورت زیور استعمال نہ کرے

﴿۱۱﴾ وعنها عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَازَوْجُهَا لَاتَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّیَابِ وَلَاالْمُمَشَّقَةَ وَلَاالْحُلِیَّ وَلَاتَخْتَضِبُ وَلَا تَکْتَحِلُ (رواه ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت ام سلمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس عورت کا خاوند مر جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے نہ گیرو میں رنگا ہوا کپڑا پہنے، نہ زیور پہنے، نہ ہاتھ پاؤں اور بالوں پر مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

(المعصفر) ای المصبوغ بالمعصفر یعنی کسم میں رنگا ہوا کپڑا (الممشقة) میم اول پر ضمہ ہے ثانی پر زبر ہے شین مشدد ہے ای المصبوغة بالمشق بکسر المیم وهو الطین الاحمر اس کو گیرو کہتے ہیں اس سے کپڑا رنگا جاتا ہے (الممشقة) اس لئے تانیث کے ساتھ آیا ہے کہ یہ (الحلة) یا (الثیاب) محذوف موصوف کی صفت ہے (الحلی) حاء پر ضمہ بھی صحیح ہے اور کسرہ بھی صحیح ہے اور ی پر دشد ہے حلیة کی جمع ہے زیورات کو کہتے ہیں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کسی بیماری یا خارش یا جوؤں کی وجہ سے معتدہ کو سوگ میں ریشم کا کپڑا استعمال کرنا جائز ہے یعنی بغیر مجبوری اور بغیر ضرورت ریشم استعمال کرنا منع ہے امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سیاہ رنگ کا ریشم اور زیورات استعمال کرنا جائز ہے لیکن شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ زیورات کی تو صریح ممانعت آئی ہے اور رنگے ہوئے کپڑے میں ہر رنگ منع ہے سوائے معصب کے لہٰذا سیاہ ریشم بھی منع ہونا چاہئے (کذافی المرقات)۔

الفصل الثالث

مطلقہ کی عدت کے بارے میں ایک بحث

﴿۱۲﴾عن سُلَيمَانَ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ الْاَحْوَصَ هَلَکَ بِالشَّامِ حِيْنَ دَخَلَتْ اِمْرَاَتُهُ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ اِلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْاَلُهُ عَنْ ذٰلِکَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ زَيْدٌ اَنَّهَا اِذَا دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِئَ مِنْهَا لَا يَرِثُهَا وَلَا تَرِثُهُ (رواه مالک)

حضرت سلیمان ابن یسار کہتے ہیں کہ احوص نے ملک شام میں اس وقت وفات پائی جبکہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوص نے (اپنے مرنے سے پہلے) ان کو طلاق دیدی تھی چنانچہ حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید ابن ثابتؓ کو خط لکھا، حضرت زیدؓ نے حضرت معاویہؓ کو جواب میں لکھا کہ جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوص سے الگ ہو گئی، اور احوص اس سے الگ ہو گئے نہ تو احوص اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوص کی وارث ہوئی۔ (مالک)

توضیح

من الحیضة الثالثة: صورت مسئلہ یہ تھی کہ حضرت احوص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی تھی اور ان کی بیوی عدت گذارنے کیلئے بیٹھ گئی تھی ابھی وہ تیسرے حیض میں داخل ہوگئی کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا اب یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ یہ عورت چار مہینے دس دن تک وفات کی عدت میں بیٹھ جائے اور پھر یہ اپنے شوہر کی وارث بنے یا اس عورت کی طلاق والی عدت ختم ہوگئی ہے لہٰذا یہ اپنے شوہر کی وارث نہیں بنے گی، یہی مسئلہ حضرت معاویہؓ نے حضرت زید بن ثابت سے بذریعہ خط معلوم کیا حضرت زید نے جواب میں فرمایا کہ جب یہ عورت اپنے تیسرے حیض میں داخل ہوگئی تھی تو اسی وقت اس کی طلاق والی عدت ختم ہوگئی اور وہ آزاد ہوگئی لہٰذا اس کو شوہر کی میراث میں سے کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اب اس کا شوہر سے تعلق بالکل منقطع ہو گیا، اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کا حضرت زید سے مسئلہ معلوم کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ یہ عورت وارث بن سکتی ہے یا نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت معاویہؓ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ آیا اس عورت کی عدت طلاق والی عدت رہے گی یا وفات زوج والی عدت گذارنی پڑیگی حضرت زید نے جواب دیا کہ جب یہ عورت تیسرے حیض میں داخل ہوگئی تو اس کی عدت ختم ہوگئی اب نہ یہ اپنے شوہر کی میراث لے سکتی ہے اور نہ وفات کی عدت کی ضرورت ہے کیونکہ وفات زوج کے وقت

اس عورت کا تعلق اپنے شوہر سے ختم ہو چکا تھا اس روایت سے شوافع حضرات عدت بالاطہار کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں قرآن کریم کی آیت ﴿ثلاثه قروء﴾ سے اطہار مراد ہیں جب تیسرے حیض میں عورت داخل ہو گئی تو تین طہر پورے ہو گئے اس لئے عدت ختم ہو گئی۔

احناف کے ہاں عدت بالحیض ہے زیر نظر روایت کا جواب ائمہ احناف یہ دیتے ہیں کہ یہ حضرت زیدؓ کا مسلک تھا ہم دوسرے صحابہ کے مسلک کو لیتے ہیں جن میں خلفاء راشدین اور اکابر صحابہ داخل ہیں نیز یہ قول صحابی ہے اور احناف مرفوع احادیث سے استدلال کرتے ہیں نیز حضرت زید سے طلاق الامة اثنتان وعدتها حیضتان روایت بھی ثابت ہے جس سے عدت بالحیض ثابت ہوتی ہے معلوم ہوا کہ راوی نے اپنے مروی بہ کے خلاف فتوی دیا تو قابل استدلال نہ رہا بہر حال مضبوط دلائل احناف کے پاس ہیں۔

مطلقہ کی عدت کا ایک نادر مسئلہ

﴿۱۳﴾وعن سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَيُّمَا امْرَأَةٍ طُلِّقَتْ فَحَاضَتْ حَيْضَةً اَوْحَيْضَتَيْنِ ثُمَّ رُفِعَتْهَا حَيْضَتُهَا فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ فَاِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذٰلِکَ وَاِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْاَشْهُرِ ثَلَاثَةَ اَشْهُرٍ ثُمَّ حَلَّتْ (رواه مالک)

اور سعید ابن میسب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور اس کو ایک یا دو بار حیض آ کر پھر موقوف ہو گیا ہو تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے اگر (اس عرصہ میں) حمل ظاہر ہو جائے تو اس کا حکم ظاہر ہے کہ جب ولادت ہو گئی تو عدت پوری ہو گی اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو پھر نو مہینے کے بعد تین مہینہ تک عدت کے دن گذارے اور اس کے بعد حلال ہو (یعنی عدت سے نکل آئے)۔ (مالک)

توضیح

طلقت: یہ مجہول کا صیغہ ہے طلاق کے معنی میں ہے (او حیضتین) یعنی عدت گذارنے کیلئے مطلقہ عورت بیٹھ گئی مگر ایک حیض یا دو حیض جب آئے تو خون بند ہو گیا اسی مفہوم کیلئے آنے والا جملہ ارشاد فرمایا (ثم رفعتها حیضتها) رفعتها یہ مجہول کا صیغہ ہے اور حیضتها اس کا نائب فاعل ہے اور رفعتها میں جو ھاء کی ضمیر ہے یہ منصوب بنزع الخافض ہے اصل عبارت اس طرح ہے (ثم رفعت حیضتها عنها) اور رفع حیض سے مراد حیض کا بند ہو جانا ہے (فانها تنتظر) یہ (ایما امرأة) شرط کیلئے جواب شرط ہے (فذالک) یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر محذوف ہے (ای فذالک ظاهر حکمه) یعنی اس کا حکم تو ظاہر ہے کہ وضع حمل کیساتھ عدت ختم ہو جائیگی (والا) اس میں ان شرطیہ مدغم ہے اصل عبارت اس طرح ہے (وان لم یبن) یعنی

اگر حمل ظاہر نہ ہوا (اعتدت) یہ اصل میں (فاعتدت) ہے اور شرط کا جواب ہے (بعد التسعة الاشهر) یہاں التسعة مضاف پر الف لام داخل کر دیا گیا ہے حالانکہ نحاۃ اس کو پسند نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس میں ثقل ہے اور فائدہ نہیں ہے اس کا جواب علماء یہ دیتے ہیں کہ مضاف پر الف لام داخل کرنا اہل کوفہ کی لغت کے موافق ہے جو ان کے ہاں جائز ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے جیسے (الثلاثة الاثواب) بعض علماء کہتے ہیں کہ "التسعة" سے "الاشهر" بدل واقع ہے اور یہ بھی لغت عرب میں شائع ذائع ہے، اس روایت میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک مطلقہ عورت حیض والی ہے اس نے تین حیض کے ارادہ سے عدت گذارنا شروع کر دیا جب ایک یا دو حیض گذر گئے تو خون بالکل بند ہو گیا اب اس عورت کی عدت حاملہ عورت کی عدت میں بدل گئی لیکن جب حمل کی اکثر مدت (۹) مہینے بھی گذر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ نہیں ہے اب اس پر آئسہ کی عدت گذارنا لازم ہے آئسہ وہ عورت ہے جو حیض کے آنے سے مایوس ہو جائے تو اس کی عدت مہینوں کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا تین مہینے مزید بیٹھ کر عدت گذارے گی اور طول زمانہ کی پرواہ نہیں کرے گی، اس روایت میں حضرت عمر فاروقؓ نے یہی مسئلہ بیان فرمایا ہے، ملا علی قاریؒ نے فتح القدیر کے حوالہ سے یہاں تفریع کے طور پر "طلاق الفار" کا مسئلہ بیان فرمایا ہے (فار) بھاگنے والے شخص کو کہتے ہیں اور طلاق الفار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے صحت کی امید نہیں اس نے اسی مرض میں اپنی بیوی کو اس لئے طلاق دی کہ اس کو میراث سے محروم کر دے اب وہ عورت طلاق کی عدت گذار رہی تھی کہ اتنے میں شوہر کا انتقال ہو گیا فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ اب یہ عورت "ابعد الاجلین" کی عدت گذارے گی یعنی چار مہینے دس دن کا عرصہ اگر لمبا ہے تو اس سے عدت گذارے گی اور اگر عدت بالحیض کا زمانہ لمبا ہو گیا تو اس سے عدت گذارے گی، عدت بالحیض کا زمانہ اس وقت لمبا ہو جاتا ہے کہ ایک حیض کے بعد مثلاً کئی ماہ تک طہر لمبا ہو گیا اور چار ماہ دس دن سے مدت بڑھ گئی اب یہ عورت طلاق والی عدت گذارے گی جو عدت وفات زوج سے لمبی ہے، جس زمانہ تک پہنچ کر عورت آئسہ ہو جاتی ہے اس کے تعین میں کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ ۵۵ سال کی عمر ایاس کا زمانہ ہے ایک قول کے مطابق ۶۰ سال اور تیسرے قول میں سن ایاس ۷۰ سال کا زمانہ ہے۔

۲۱ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب الاستبراء

استبراء لغت میں طلب برأت اور کسی چیز کو کسی عیب وغیرہ سے پاک کرنے کے معنی میں آتا ہے اور فقہی اصطلاح میں لونڈی کے رحم کو حمل سے خالی ہونے کو طلب کرنا استبراٗ ہے اسباب استبراٗ تجدد ملک ہے یعنی لونڈی کا مالک ہوجانا خواہ یہ ملک خرید وفروخت سے حاصل ہو یا میراث سے ہو یا ہبہ سے ہو یا مال غنیمت کی تقسیم سے ہو الغرض جس سبب سے بھی ہو مگر جب تجدد ملک متحقق ہوگیا تو استبراٗ لازم ہے استبراٗ کی حکمت یہ ہے کہ لونڈی سے پیدا شدہ بچہ میں اشتباہ نسب ختم ہوجاتا ہے کیونکہ استبراٗ کے بغیر وطی کے ذریعہ سے جو بچہ پیدا ہوگا اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ غیر کے نطفہ سے ہو اب اگر اس کو اپنی طرف منسوب کرے تو احتمال ہے کہ دوسرے کا بچہ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور اگر دوسرے کی طرف منسوب کرے تو احتمال ہے کہ اپنا بچہ دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ سب صورتیں شرعا حرام ہیں اسی حکمت کی طرف اس باب کی پہلی حدیث میں خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا ہے جس کی تفصیل آرہی ہے۔

استبراٗ کی تفصیل

جمہور ائمہ کے نزدیک اصل مذہب یہ ہے کہ ملکیت میں آنے والی لونڈی اگر ذوات حیض سے ہو تو استبراٗ رحم کیلئے ایک ہی حیض کافی ہے اور اگر بوجہ صغر عمر یا کبر عمر حیض نہ آتا ہو تو استبراٗ کیلئے ایک مہینہ کافی ہے استبراٗ رحم سے پہلے جماع کرنا حرام ہے اور اگر مِلک میں آنے والی لونڈی حاملہ ہو تو استبراٗ رحم کیلئے وضع حمل کافی ہے پھر یہ استبراٗ صغیرہ کبیرہ یا باکرہ ثیبہ سب کیلئے لازم ہے۔

سوال:۔

اب سوال یہ ہے کہ استبراٗ کی ضرورت تو وہاں ہوتی ہے جہاں اشتغال رحم کا امکان ہو، تاکہ نسب میں اشتباہ نہ آئے کیونکہ ممکن ہے کہ غیر کا نطفہ رحم میں موجود ہو لیکن جہاں اشتغال رحم کا بالکل امکان نہ ہو وہاں استبراٗ کی کیا ضرورت ہے؟ مثلا لونڈی صغیرہ ہے یا باکرہ ہے یا کسی بچہ کی لونڈی تھی یا لونڈی کی مالکہ کوئی عورت تھی یا مالک اس لونڈی کا محرم تھا ان تمام صورتوں میں اشتغال رحم کا امکان نہیں تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان صورتوں میں استبراٗ نہ ہو۔

جواب:۔

اس سوال کا جواب جمہور فقہاء اس طرح دیتے ہیں کہ چونکہ استبراٗ سے متعلق نصوص اور احادیث مطلق ہیں لہٰذا ہم نے نصوص کو لے لیا اور قیاس کو چھوڑ دیا اس لئے بطور امر تعبدی ہم نے ہر جگہ استبراٗ کو ضروری مان لیا مطلق نصوص کا مطلب یہ ہے کہ جنگ حنین اور جنگ اوطاس کے موقع پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ خبردار حاملہ لونڈی سے وضع حمل تک جماع نہ کرو اور غیر

حاملہ سے ایک حیض آنے تک جماع نہ کرو یہاں غیر حاملہ کا لفظ عام ہے باکرہ صغیرہ وغیرہ کا ذکر نہیں اسی مطلق کو جمہور نے قبول کر کے قیاس کو ترک کر دیا ہے یہاں باب کی فصل ثالث کی روایت نمبر ۴ جس کی روایت امام مالک نے کی ہے جس میں یہ آتا ہے کہ اگر لونڈی حیض والی نہیں تو پھر تین ماہ عدت ہے یہ روایت متروک العمل ہے ابن شہاب زہری کے سوا کسی نے اس پر عمل نہیں کیا ہے کیونکہ ایک حیض یا ایک مہینہ کے نصوص عام ہیں اسی طرح روایت نمبر ۵ جو حضرت ابن عمر سے منقول ہے وہ بھی جمہور فقہاء کے ہاں متروک العمل ہے جس میں یہ آیا ہے کہ باکرہ کیلئے استبرا نہیں ہے۔

استبراء کے بغیر جماع حرام ہے

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِامْرَاَۃٍ مُجِحٍّ فَسَأَلَ عَنْھَا فَقَالُوا اَمَۃٌ لِفُلَانٍ قَالَ اَیُلِمُّ بِھَا قَالُوا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَہٗ لَعْنًا یَدْخُلُ مَعَہٗ فِی قَبْرِہٖ کَیْفَ یَسْتَخْدِمُہٗ وَھُوَ لَا یَحِلُّ لَہٗ اَمْ کَیْفَ یُوَرِّثُہٗ وَھُوَ لَا یَحِلُّ لَہٗ (رواہ مسلم)

حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گذرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی آپؐ نے اس کے بارہ میں دریافت فرمایا (کہ یہ کوئی آزاد عوت ہے یا لونڈی؟) صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے، آپؐ نے پوچھا کیا وہ شخص اس سے صحبت کرتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں، آپؐ نے فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے (یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے بایں طور کہ اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد بھی رہے) وہ کس طرح اپنے بیٹے سے خدمت کو کہے گا جبکہ بیٹے سے خدمت کے لئے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دیگا جبکہ کسی غیر کے بیٹے کو اپنا وارث بنانا حلال نہیں ہے۔ (مسلم)

توضیح

بِامْرَاَۃٍ مُجِحٍّ: یہ موصوف صفت ہے اور مجح میں میم پر ضمہ ہے اور اس کے بعد جیم پر کسرہ ہے اور اس کے بعد حاء ہے جس پر شد ہے اور کسرہ کے ساتھ تنوین ہے قریب الولادت حاملہ عورت کو کہتے ہیں (ایلم بھا) یہ المام سے جماع کے معنی میں آتا ہے مراد جماع ہے (یستخدمہ) یہ استخدام سے خادم اور غلام بنانے کے معنی میں ہے (وھو) کی ضمیر استخدام کی طرف لوٹتی ہے یعنی اپنے بیٹے کو غلام بنانا حرام ہے حلال نہیں ہے (کیف یورثہ) یہ باب تفعیل سے وارث بنانے کے معنی میں ہے یعنی دوسرے کے بیٹے کو اپنا وارث کیسے قرار دیگا حالانکہ یہ اس کیلئے حلال نہیں ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ استبرا سے پہلے وطی اس لئے باعث لعنت ہے کہ اس سے نسب میں اشتباہ آتا ہے کیونکہ مثلاً استبرا سے پہلے وطی کی اور چھ مہینے کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اب یہ بچہ کس کا ہوگا یہ بھی احتمال ہے کہ اس نئے مالک کا بیٹا ہو اور

وہ اس کو بیٹے کے بجائے غلام قرار دے رہا ہو اور غلام کی طرح اس سے خدمت لے رہا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ بچہ کسی اور کا ہو اور یہ نیا مالک اس کو بیٹا بنا کر وارث قرار دے رہا ہو یہ دونوں صورتیں حرام ہیں اور اس حرام میں یہ شخص استبرأنہ کرنے کی وجہ سے مبتلا ہو گیا معلوم ہوا کہ استبرأنہ کرنا باعث لعنت اور موجب حرمت ہے۔

الفصل الثاني

﴿۲﴾عن ابي سعيد الخدريّ رفعه الى النبيّ صلى الله عليه وسلم قال في سبايا اوطاسٍ لا توطأ حاملٌ حتّٰى تضع ولاغير ذات حملٍ حتّٰى تحيض حيضةً (رواه احمد وابوداؤد والدارمى)

حضرت ابو سعید خدریؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق مرفوع نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارہ میں فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کی ولادت نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک صحبت نہ کی جائے جب تک کہ اس کو ایک حیض نہ آجائے۔ (احمد، ابوداؤد، دارمی)

﴿۳﴾وعن رويفع بن ثابت الانصاريّ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم حنين لا يحل لامرىءٍ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يسقي ماءه زرع غيره يعني اتيان الحبالى ولايحل لامرىءٍ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يقع على امرأةٍ من السبي حتّٰى يستبرئها ولايحل لامرىءٍ يؤمن بالله واليوم الآخر ان يبيع مغنمًا حتّٰى يقسم (رواه ابوداؤد) ورواه الترمذيّ الى قوله زرع غيره.

اور حضرت رویفع ابن ثابت الانصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن فرمایا کہ جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے،، (یعنی اس عورت سے جماع کرنا جو بطور باندی کے ہاتھ لگی ہے اور کسی دوسرے کے نطفہ سے حاملہ ہے، جائز نہیں ہے) اور جو شخص خدا اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کفار سے جنگ میں گرفتار ہوئی لونڈی سے اس وقت تک جماع کرے جب تک کہ اس کا استبراء نہ کرلے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کیلئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو بیچے جب تک کہ وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے)۔ (ابوداؤد)، اور امام ترمذی نے اس روایت کو لفظ زرع غیرہ تک نقل کیا ہے۔

استبراء رحم کا ایک مسئلہ

الفصل الثالث

﴿۴﴾عن مالكٍ قال بلغني انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يأمر باستبراء الاماء بحيضةٍ ان كانت ممّن تحيض وثلاثة اشهرٍ ان كانت ممّن لا تحيض وينهى عن سقي ماء الغير.

حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حیض کے ذریعہ لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطیکہ ان لونڈیوں کو حیض آتا ہو اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی تھی جس کو حیض نہیں آتا تھا تو اس کے لئے تین مہینہ کی مدت کے ذریعہ استبراء کا حکم دیتے تھے (یعنی آپؐ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گذر جائے) نیز آپؐ نے غیر کو اپنا پانی پلانے سے منع کیا۔

توضیح

وثلاثة اشهر: اس سے پہلے یہ مسئلہ گذر چکا ہے کہ جمہور نے عام روایات کے پیش نظر لونڈی کے استبرأ رحم کیلئے ایک حیض کا حکم بتایا ہے اور اگر حیض نہ آتا ہو تو پھر ایک ماہ کا حکم دیا ہے لیکن زیر نظر روایت میں عدم حیض کی صورت میں تین ماہ عدت گذارنے کا مسئلہ بتایا گیا ہے اس روایت پر حضرت ابن شہاب زہری وغیرہ نے عمل کیا ہے جمہور فرماتے ہیں کہ اصل عدت جو مقرر ہے وہ ایک حیض ہے اور ظاہر ہے کہ ایک حیض کا بدل ایک مہینہ ہونا چاہئے نہ کہ تین ماہ (**عن سقی ماء الغیر**) یعنی اپنے پانی اور نطفہ کو دوسرے کے نطفہ میں داخل نہ کرے مطلب یہ کہ غیر کی لونڈی سے استبرأ رحم سے پہلے جماع نہ کرے۔

باکرہ لونڈی کیلئے استبراء کا حکم

﴿۵﴾ **وعن ابن عمر انه قال اذا وهبت الوليدة التي توطأ او بيعت او اعتقت فلتستبرئ رحمها بحيضة ولا تستبرئ العذراء** (رواهما رزين)

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا ہبہ کی جائے یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک (صاف) کرے البتہ باکرہ (کنواری) کو پاک (صاف) کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (یہ دونوں روایتیں رزین نے نقل کی ہیں)

توضیح

ولاتستبرئ العذراء: عذراء دوشیزہ لڑکی کو کہتے ہیں حدیث شریف کے ظاہری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ دوشیزہ لونڈی کیلئے استبرأ کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات متعین ہے کہ اس کا رحم غیر کے نطفہ سے صاف ہے کیونکہ بکارت باقی ہے اس روایت پر قاضی شریح وغیرہ نے عمل کیا ہے لیکن جمہور فقہاء کا مسلک وہی ہے جو اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جنگ اوطاس کی لونڈیوں کے بارے میں آنحضرت کا فرمان عام ہے کہ غیر حاملہ کیلئے استبرأ رحم ایک حیض ہے تو غیر حاملہ کے عموم میں دوشیزہ بھی داخل ہے خلاصہ یہ کہ باب استبرأ میں حضرت ابن عمر کی یہ روایت نمبر ۵ اور حضرت امام مالک کی روایت نمبر ۴ متروک الظاہر اور متروک العمل ہیں۔

باب النفقات وحق المملوک

عام نفقات اور غلاموں کے حقوق کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما اٰتاه الله﴾ (طلاق:۷)

قال اللہ تعالیٰ ﴿وعلی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف﴾ (بقرہ:۲۳۳)

قال اللہ تعالیٰ ﴿واٰت ذا القربی حقه﴾

انفاق ونفقہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں ﴿وما انفقتم من نفقة﴾ آیت میں اسی خرچ کرنے کا ذکر ہے، ملا علی قاریؒ نے اس کی شرعی اصطلاحی تعریف اس طرح فرمائی ہے (وفی الشرع الادرار علی الشیٔ بما به بقائه) یعنی نفقہ ہر اس چیز کا نام ہے جو کسی کی زندگی کے بچانے اور باقی رکھنے میں کام آتی ہو جیسے روٹی کپڑا اور مکان، وجوب نفقہ کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں مثلاً یا زوجیت اور نکاح سبب ہوگا یا ملک رقبہ سبب ہوگا یا قرابت سبب ہوگی یا کسی کی اضطراری حالت سبب بنے گی خلاصہ یہ کہ اسباب نفقہ یا ملک متعہ یا ملک رقبہ اور یا قرابت ہیں، چونکہ انواع مختلف ہیں اس لئے نفقات جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ زوجہ کا نفقہ الگ ہے والدین کا نفقہ الگ ہے اولاد کا نفقہ الگ ہے غلاموں کا نفقہ الگ ہے اور کبھی عزیز واقارب اور مساکین اور مضطرین کا نفقہ الگ واجب ہو جاتا ہے چنانچہ مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ اس وقت واجب ہو جاتا ہے جب بیوی اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کرے خواہ بیوی صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو مسلمان ہو یا کتابیہ ہو ہاں اگر بیوی ناشزہ نافرمان ہو تو اس کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہے، بہتر تو یہ ہے کہ میاں بیوی ہم پیالہ وہم نوالہ بن کر رہیں کہ شوہر کمائے اور بیوی دستور کے مطابق خرچ کرے لیکن اگر یہ خوش کن ماحول نہیں ہے اور بیوی نے بذریعہ قاضی الگ خرچ کا مطالبہ کر دیا تو قاضی اس کیلئے الگ خرچ مقرر کرائیگا اور عورت کے حوالہ کریگا تاہم خرچ شوہر کی استطاعت کے مطابق ہوگا جس میں نہ اسراف کا پہلو ہو اور نہ تنگی ہو اگر بیوی امراض ہائلہ یعنی بڑی بیماریوں میں مبتلا ہو تو اس کا خرچ اس کے والدین کے ذمہ ہے البتہ چھوٹی بیماریوں کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے اگر بیوی حج کے سفر پر جا رہی ہو تو اس سفر کا خرچ اس کے ذمہ ہے شوہر کے ذمہ نہیں۔

بیوی کو مکان بھی دیا جائیگا جو الگ تھلگ ہو ہاں اگر وہ مشترکہ مکان میں رہتی ہے تو پھر الگ دینا واجب نہیں ہے اگر شوہر کے مکان میں بیوی کیلئے ایک الگ کمرہ مقرر کیا جائے جس میں خود مختار ہو تو شرعی طور پر اس کے مکان کا حق ادا ہو گیا یہی کافی ہے بیوی اپنے والدین کے ہاں ایک ماہ میں ایک دفعہ جا سکتی ہے اس میں شوہر اس کو منع نہیں کر سکتا دوسرے ذی رحم محرم رشتہ داروں کے ہاں سال میں ایک دفعہ جانا آنا اس کا حق ہے اس سے زیادہ آنے جانے سے شوہر منع کر سکتا ہے عدت گذارنے کے دوران اگر بیوی مرتد ہو گئی تو شوہر پر نفقہ واجب نہیں ہے، نابالغ اولاد کا خرچ والد کے ذمہ پر ہے والدین اور

اصول یعنی باپ دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک اگر محتاج ہوں تو ان کے اخراجات اولاد کے ذمہ واجب ہیں بشرطیکہ اولاد خوش حال ہوں اگر وہ خود محتاج ہیں تو پھر واجب نہیں محتاج باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی منقولہ اشیاء فروخت کر کے خرچ بنالے لیکن غیر منقولہ جائیداد کو فروخت نہیں کر سکتا البتہ ماں کو یہ حق حاصل نہیں ہے آقا پر غلام اور باندی کا نفقہ واجب اور ضروری ہے اگر مولی نے انکو نفقہ دینے سے انکار کر دیا تو غلام خود کمانے میں خود مختار ہو جائیگا اگر ان کو کمانے کی اجازت نہیں دی گئی تو پھر آقا کو غلام فروخت کرنے پر مجبور کیا جائیگا اگر کسی نے جانور پال رکھے ہیں تو ان کا خرچ پالنے والے کے ذمہ واجب ہے اگر وہ خرچ نہیں کرتا تو اس کو مجبور کیا جائیگا کہ یا خرچ کرو یا ان جانوروں کو فروخت کر دو۔

الفصل الاول

بیوی کو شوہر کے مال میں تصرف کرنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَاسُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَلَيْسَ يُعْطِيْنِيْ مَايَكْفِيْنِيْ وَوَلَدِيْ اِلَّامَااَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَلَايَعْلَمُ فَقَالَ خُذِيْ مَايَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ (متفق عليه)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہند بنت عتبہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (میرا شوہر) ابوسفیان بہت بخیل اور حریص ہے وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد (کی ضرورت) کے لئے کافی ہو جائے البتہ اگر میں اس کے مال میں سے خود کچھ نکالوں اس طرح کہ اسکو خبر نہ ہو تو ہماری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں (تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اولاد کی ضرورتوں کے بقدر کچھ نکالوں؟) آپؐ نے فرمایا: اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کہ جو شریعت کے مطابق ہو (یعنی اوسط درجہ کا خرچ) اس کے مال میں سے لے لیا کرو۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

بالمعروف: یعنی دستور کے مطابق واجبی ضروریات پورا کرنے کیلئے کھانے پینے کی اشیاء لے سکتی ہے معروف یعنی دستور کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے جس طرح اجازت دی ہے اسی کے مطابق لے لیا کرو شوہر کے مال لینے سے مراد وہ مال ہے جس کا تعلق کھانے پینے کی اشیاء سے ہو اور شی قلیل بھی ہو تو شوہر کی صریحی اجازت اگر نہ ہو صرف دلالۃً اجازت ہو تو وہ بھی بیوی کے اس قدر تصرف کرنے کیلئے کافی ہے لیکن تمام احادیث کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ بعض احادیث میں معمولی سی چیز کا استعمال کرنا بھی بغیر اجازت کے ممنوع قرار دیا گیا ہے اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استعمال کرنا جائز ہے تو احادیث کے پیش نظر بہتر یہی ہے کہ صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی اجازت حاصل کرنا چاہئے کیونکہ بعض معمولی چیز بھی کسی

اہمیت کی وجہ سے شوہر کی ضرورت کی ہوتی ہے بعض چیزیں علاقے کے مخصوص حالات کے پیش نظر اہمیت کی حامل ہو جاتی ہیں جیسے سردیوں میں پہاڑ کی بلندی پر ایک ماچس کی تیلی بھی بہت ہی قیمتی بن جاتی ہے بعض چیزیں زمانے اور احوال کے پیش نظر اہمیت اختیار کر جاتی ہیں اسی طرح شوہروں کے مزاج میں فرق ہوتا ہے بعض شوہر معمولی سی چیز پر جل بھن جاتے ہیں اور بعض فیاض اور فراخ دل ہوتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ شوہر سے اجازت لیکر بیوی کسی چیز میں تصرف کیا کرے زیر نظر حدیث کا تعلق واجبی حق لینے سے ہے جو بیوی کا شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے اس مسئلہ کی تفصیل مشکوٰۃ شریف جلد اول کے صفحہ ۱۷۲ (باب صدقۃ المرأۃ من مال الزوج) کے تحت گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ ہو، علامہ نوویؒ نے اس حدیث کے کئی فوائد بیان کئے ہیں (۱) مرد پر بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہے (۲) بقدر ضرورت واجب ہے (۳) فتویٰ کے وقت اجنبی عورت سے گفتگو جائز ہے (۴) مسئلہ پوچھنے کے وقت کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا جائز ہے (۵) شوہر کی طرح بیوی بھی اولاد کے خرچ کی ذمہ دار ہے (۶) کسی ضرورت اور امر شرعی کیلئے عورت دارالافتاء جاسکتی ہے جبکہ صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی اجازت ہو (۷) قاضی اور حاکم اگر کسی معاملہ میں حکم جاری کرنا چاہیں تو گواہ طلب کئے بغیر جاری کرسکتا ہے جبکہ اپنی معلومات درست ہوں۔

﴿۲﴾ وعن جابر بن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اعطى الله احدكم خيرا فليبدأ بنفسه واهل بيته (رواه مسلم)

اور حضرت جابر ابن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال و دولت عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے (پھر اس کے بعد حسب مراتب اپنے دیگر متعلقین واعزہ اور فقراء و مساکین پر خرچ کرے) مسلم

اسلام میں غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم

﴿۳﴾ وعن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للمملوك طعامه وكسوته ولا يكلف من العمل الا ما يطيق (رواه مسلم)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کے بارہ میں فرمایا کہ اسکی روٹی کپڑا اس کے آقا کے ذمہ ہے اور یہ کہ اس سے صرف اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و ہمت کے مطابق ہو۔ (مسلم)

﴿۴﴾ وعن ابی ذرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم فمن جعل الله اخاه تحت يديه فليطعمه مما ياكل وليلبسه مما يلبس ولا يكلفه من العمل ما يغلبه فان كلفه ما يغلبه فليعنه عليه (متفق عليه)

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام تمہارے بھائی ہیں اور (دین وخلقت کے اعتبار سے تمہاری ہی طرح) ان کو اللہ تعالیٰ نے (تمہاری آزمائش کے لئے) تمہارا ماتحت بنایا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے (یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے) تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی مدد کرے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۵﴾وعن عَبدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ وَجاءَهُ قَهرَمانٌ لَهُ فَقالَ لَهُ اَعطَيتَ الرَّقِيقَ قُوتَهُم قالَ لا قالَ فَانطَلِق فَاَعطِهِم فَاِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قالَ كَفىٰ بِالرَّجُلِ اِثمًا اَن يَحبِسَ عَمَّن يَملِكُ قُوتَهُ،وَفِي رِوايَةٍ كَفىٰ بِالمَرءِ اِثمًا اَن يُضَيِّعَ مَن يَقُوتُ (رواہ مسلم)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلام اور لونڈیوں کو ان کا کھانا دیدیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ (فوراً) واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو، کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کو کھانا نہ دے۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا آدمی کے گناہ کے لئے یہ کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اپنے اہل وعیال اور غلام لونڈی) وہ اس کی روزی کو ضائع کردے۔ (مسلم)

توضیح

یہاں ''قھرمان'' سے کارندہ اور وکیل مراد ہے (قوت) روزی کو کہتے ہیں (یضیع) ضائع کرنے کے معنی میں ہے (من یقوت) ای قوت من یقوت۔ یعنی جس کے ذمہ اسکی روزی ہے اس کو ضائع کردے۔

﴿۶﴾وعن اَبِي هُرَيرَةَ قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِذا صَنَعَ لِاَحَدِكُم خادِمُهُ طَعامَهُ ثُمَّ جاءَهُ بِهِ وَقَد وَلِيَ حَرَّهُ وَدُخانَهُ فَليُقعِدهُ مَعَهُ فَليَاكُل فَاِن كانَ الطَّعامُ مَشفُوهًا قَلِيلًا فَليَضَع فِي يَدِهِ مِنهُ اُكلَةً اَو اُكلَتَينِ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو جس کھانے کے لئے اس نے گرمی اور دھوئیں کی تکلیف اٹھائی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ آقا اس خادم کو اپنے ساتھ (دسترخوان پر) بٹھائے (اور اس کے ساتھ کھانا کھائے) اور اگر کھانا تھوڑا ہو اور کھانے والے زیادہ ہوں تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس خادم

کے ہاتھ پر رکھدے۔ (مسلم) "مشفوھا" کی تفسیر قلیلا سے کی گئی ہے۔

﴿۷﴾وعن عَبدِاللّٰهِ بنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم قَالَ اِنَّ العَبدَ اِذَانَصَحَ لِسَيِّدِهِ وَاَحسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهُ اَجرُهُ مَرَّتَينِ (متفق عليه)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیرخواہی کرتا ہے (یعنی اس کی دل وجان سے خدمت کرتا ہے) اور پھر اللہ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوہرا ثواب ملتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۸﴾وعن اَبِي هُرَيرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلمَملُوكِ اَن يَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسنِ عِبَادَةِ رَبِّهِ وَطَاعَةِ سَيِّدِهِ نِعِمَّالَهُ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک غلام کے لئے اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی بہترین خدمت اور اپنے پروردگار کی اچھی عبادت کرتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردے (یعنی غلام کے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ اس کی پوری زندگی اپنے مالک حقیقی کی اطاعت وعبادت اور مالک مجازی کی خدمت وفرمانبرداری میں گذر جائے)۔ (بخاری ومسلم)

غلاموں کو ناشائستہ حرکات نہیں کرنا چاہئے

﴿۹﴾وعن جَرِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِذَااَبَقَ العَبدُ لَم تُقبَل لَهُ صَلاةٌ وَفِي رِوَايَةٍ عَنهُ قَالَ اَيُّمَا عَبدٍ اَبَقَ فَقَد بَرِءَ مِنهُ الذِّمَّةُ ،وَفِي رِوَايَةٍ عَنهُ قَالَ اَيُّمَا عَبدٍ اَبَقَ مِن مَوَالِيهِ فَقَد كَفَرَ حَتّٰى يَرجِعَ اِلَيهِم (رواه مسلم)

اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں حضرت جریرؓ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو غلام بھاگ گیا اس سے ذمہ ختم ہو گیا۔ ایک اور روایت میں حضرت جریرؓ ہی سے یہ منقول ہے کہ (آپؐ نے فرمایا) جو غلام اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگا وہ کافر ہو گیا جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ آجائے۔ (مسلم)

توضیح

فقد برئت منه الذمه: مطلب یہ کہ کوئی غلام اپنے مولی سے بھاگ گیا اور مرتد ہو کر دار حرب چلا گیا تو اسلام نے اس کو جان ومال اور عزت وآبرو کی جو حفاظت فراہم کی تھی اب وہ نہیں رہیگی اور جہاں وہ غلام مل گیا وہ واجب القتل ہوگا ذمہ ختم

ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق ان کے ساتھ حفاظت جان و مال کا جو معاہدہ تھا اب وہ نہیں رہا اور چونکہ یہ غلام مرتد ہو گیا تو ان کی نماز بھی اب مقبول نہیں ہے ہاں اگر وہ غلام مرتد نہیں ہوا صرف اپنے مالک سے بھاگ گیا اور دار حرب بھی نہیں گیا بلکہ کسی اسلامی ملک چلا گیا تو اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے تو اس وقت (فقد برئت منه الذمه) کا مطلب یہ ہوگا کہ مولی کے ذمہ اس غلام کا جو خرچ اخراجات تھے اور اس کی جنایت برداشت کرنے کی جو ذمہ داری تھی وہ اب نہیں رہی دوسرا جواب یہ کہ اگر مسلمان غلام کے مارنے کی بات ہے تو یہ تشدیداً تغلیظاً زجراً وتہدیداً فرمایا گیا ہے (فقد کفر) اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر غلام اس بھاگنے کو جائز اور حلال سمجھتا ہے تو اس سے وہ کافر ہو جاتا ہے یا فقد کفر سے مراد کفران نعمت اور ناشکری ہے کہ اس نے اپنے آقا کی بڑی ناشکری کی۔ تیسری توجیہ یہ کہ یہ جملہ بھی تشدیداً تغلیظاً فرمایا ہے۔

غلام پر زنا کا بہتان لگانا جرم ہے

﴿۱۰﴾وعن اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاالْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ وَهُوَبَرِیْءٌ مِمَّاقَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ كَمَاقَالَ (متفق علیه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے سنا ابوالقاسم (نبی کریم) صلی اللہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے بردہ پر زنا کی تہمت لگائے جبکہ حقیقت میں وہ اس بات سے پاک ہو جو اس کے بارہ میں کہی گئی ہے تو قیامت کے دن اس شخص کو کوڑے مارے جائیں گے ہاں اگر وہ غلام واقعۃ ایسا ہو جیسا کہ کہا گیا ہے (یعنی اگر تہمت درست ہو تو پھر اس مالک کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

اس حدیث میں غلام پر زنا کی جھوٹی تہمت کو جرم قرار دیا گیا ہے اور یہ گناہ کا کام ہے لیکن اس کی سزا قیامت میں کوڑے کھانے قرار دیا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اس بہتان کی وجہ سے آقا پر کوڑوں کی سزا جاری نہیں ہوگی یعنی حد قذف نہیں لگے گی البتہ شرعی عدالت میں اس پر تعزیر کا حکم لگے گا۔

﴿۱۱﴾وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَهُ حَدًّا لَمْ يَاْتِهِ اَوْ لَطَمَهُ فَاِنَّ كَفَّارَتَهُ اَنْ يُعْتِقَهُ (رواه مسلم)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو اپنے غلام کو ایسی سزا دے جس کا کوئی جرم ہی نہیں ہے (یعنی بے گناہ مارے) یا اس کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کر دے۔ (مسلم)

﴿۱۲﴾ وعن ابی مسعود الانصاریؓ قال کنت اضرب غلامًا لی فسمعت من خلفی صوتًا اعلم ابامسعود للّٰہ اقدر علیک منک علیہ فالتفت فاذاھو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللّٰہ ھو حر لوجہ اللّٰہ فقال اما لو لم تفعل للفحتک النار او لمستک النار (رواہ مسلم)

اور حضرت ابومسعودؓ انصاری کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ میں نے اپنی پشت پر یہ آواز سنی ابومسعود! یادرکھو! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب) میں اس کو اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں آپؐ نے فرمایا یادرکھو! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلاتی۔ یا فرمایا کہ تمہیں دوزخ کی آگ لگتی۔ (مسلم)

توضیح

للّٰہ: . لام ابتدائیہ تاکید یہ ہے یہ مبتداء ہے اور (اقدر) اس کی خبر ہے اور (علیک) جار مجرور اقدر سے متعلق ہے اور (منک) اقدر اسم تفضیل کیلئے مفضل علیہ ہے اور (علیہ) جار مجرور (علیک) کے کاف خطاب سے حال واقع ہے عبارت اس طرح ہے (ای اللہ اقدر منک حال کونک قادرا علیہ) لفح فتح یفتح سے ہے آگ سے جھلنے اور جلنے کے معنی میں ہے "او" شک کیلئے ہے (لمستک) چھو لینے کے معنی میں ہے یعنی اگر تم اپنے غلام کو ظلم کے ساتھ مارو گے اور وہ معاف نہیں کریگا تو اس ظلم کی وجہ سے تم آگ میں جل جاؤ گے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں غلاموں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ غلام کے مارنے پر اس کا آزاد کرنا واجب نہیں ہے ہاں مستحب اور بہتر یہی ہے کہ اس کو آزاد کرے چنانچہ اس سے پہلے جو حدیث گذر چکی ہے اس میں کفارہ کا لفظ موجود ہے کہ مارنے کے گناہ اور اس ظلم کے اثرات کو ختم کرنے کا کفارہ غلام کا آزاد کرنا ہے یہ سب استحبابی امور ہیں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب ہے جو اسلام کا طرۂ امتیاز ہے کیونکہ اسلام ہی نے آقا سے غلام کو انصاف دلا دیا ہے جو دنیا کے کسی قانون میں نہیں پایا جاتا ہے اور نہ دنیا کا کوئی قانون اس کا کوئی نمونہ پیش کرسکتا ہے اسلام نے اللہ تعالیٰ کے بعض باغی مخلوق کو اپنے رب اور اپنے مولی اور مالک وخالق سے بغاوت کے جرم میں بیشک طوق غلامی پہنادی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ چونکہ میرے یہ بندے میری بندگی سے رو گردانی کرتے ہیں اس لئے اب یہ میرے غلاموں کے غلام رہیں گے مگر اس سزا کے باوجود اللہ تعالیٰ کے اس آفاقی دین اسلام نے ان غلاموں کو وہ حقوق دیئے ہیں جو کوئی نہیں دے سکتا ایک طرف اللہ تعالیٰ نے غلاموں کو اطاعت کا حکم دیا ہے اور دوسری طرف آقاؤں کو نرمی کا وہ درس دیا ہے جو پوری دنیا کے لئے حقوق دینے کے میدان میں نمونہ ہے۔

اولاد کی کمائی پر باپ کا حق ہے

الفصل الثانی

﴿۱۳﴾عن عَمرِو بنِ شُعَیبٍ عَنْ اَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَجُلًا اَتی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِی مَالًا وَاِنَّ وَالِدِیْ یَحْتَاجُ اِلٰی مَالِی قَالَ اَنْتَ وَمَالُکَ لِوَالِدِکَ اِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ کَسْبِکُمْ کُلُوا مِنْ کَسْبِ اَوْلَادِکُمْ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں مالدار ہوں اور میرا باپ میرے مال کا محتاج ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں کیونکہ تمہاری اولاد سب سے بہتر کمائی ہے لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح

اس حدیث میں والدین کے حقوق کا بیان ہے مطلب یہ کہ جس طرح اولاد پر والد کی اطاعت وخدمت لازم ہے اسی طرح اولاد کے مال میں بھی والد کو تصرف کرنے کا حق حاصل ہے گویا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کا مال چوری کیا یا اس کی لونڈی سے زنا کیا تو اس پر حد شرعی جاری نہیں کی جائیگی کیونکہ یہاں ملکیت کا شبہ پیدا ہو گیا ہے اولاد چونکہ باپ کی محنت کا نتیجہ ہے اس لئے اولاد کو باپ کی کمائی کہا گیا ہے اور اولاد کی کمائی کو باپ کیلئے بہترین حلال کمائی قرار دیا گیا ہے اور اس پر باپ کا حق ثابت کیا گیا ہے۔

مربی کے حق میں یتیم کے مال کا حکم

﴿۱۴﴾وعنہ عَنْ اَبِیہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ رَجُلًا اَتی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّی فَقِیرٌ لَیْسَ لِی شَیْءٌ وَلِی یَتِیمٌ فَقَالَ کُلْ مِنْ مَالِ یَتِیمِکَ غَیرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَاثِّلٍ

(رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور میری نگہداشت میں ایک یتیم ہے (تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ کھالوں؟) آپؐ نے فرمایا تمہاری نگرانی میں جو یتیم

ہے تم اس کے مال میں سے کھا سکتے ہو بشرطیکہ اسراف (فضول خرچی) نہ کرو خرچ کرنے میں عجلت نہ کرو اور نہ اپنے لئے جمع کرو۔ (ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ)

توضیح

انی فقیر: یعنی یتیم بچہ کا مال ہے اور وہ میری تربیت میں ہے اور میں مفلس اور محتاج ہوں تو کیا میں اس یتیم کے مال سے کچھ کھا سکتا ہوں؟ آنحضرتؐ نے یتیم کے سرپرست اور فقیر مولی کو یتیم کے مال سے حاجت کے مطابق کچھ لینے کی اجازت فرمادی لیکن اس کو تین شرائط کے ساتھ مشروط فرمادیا (۱) حق خدمت قوت لایموت ہو کوئی اسراف نہ ہو اس کی طرف غیر مسرف میں اشارہ ہے (۲) شدید ضرورت ہو اور انتہائی احتیاج کے وقت کچھ لیا جائے یتیم کے بلوغ سے پہلے پہلے اس کے مال کو ہڑپ کرنا مقصود نہ ہو اس شرط کی طرف (غیر مبادر) میں اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ بادر یبادر مبادرۃ فھو مبادر جلدی کرنے کے معنی میں ہے (۳) مربی کا حیلوں اور بہانوں سے یتیم کے مال کو نکال نکال کر اپنے لئے ذخیرہ کرنا مقصود نہ ہو اس شرط کی طرف (غیر متأثل) سے اشارہ کیا گیا ہے تأثل ذخیرہ اندوزی کے طور پر اکٹھا کرنے کو کہتے ہیں۔

امت کے نام نبی مکرمؐ کا پیغام

﴿۱۵﴾ وعن اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ فِي مَرَضِهِ اَلصَّلَاةَ وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (رواه البيهقي في شعب الايمان وروى احمد وابوداؤد عن عَلِيٍّ نَحْوَهُ)

اور حضرت ام سلمہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپؐ اپنے مرض الموت میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز پر مضبوطی سے قائم رہو اور جو لوگ تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی لونڈی غلام) ان کے حقوق ادا کرو (بیہقی) اور احمد وابوداؤد نے اسی طرح کی روایت حضرت علیؓ سے نقل کی ہے۔

توضیح

الصلوٰۃ: یہ لفظ منصوب ہے اور اس کا فعل (الزموا) محذوف ہے یعنی نماز کو لازم رکھو اس کے حقوق پورے کرو (وما ملکت ایمانکم) یعنی ماتحتوں پر ظلم نہ کرو اور ان کے حقوق ادا کیا کرو لونڈی اور غلاموں کا حق یہ ہے کہ ان کا مالک ان کو کھانا کھلائے حیثیت کے مطابق ان کو کپڑے پہنائے ناحق مارنے پیٹنے اور گالی گلوچ سے احتراز کرے یہاں لونڈی اور غلام کے ساتھ ساتھ اس جملہ کا اگر وسیع مفہوم لیا جائے کہ اپنے زیردستوں اور ماتحتوں کے حقوق ادا کرو تو اس میں تمام نوکر مزدور اور حاکم کی رعایا اور گھر کے اہل وعیال حتی کہ زیردست جانور اور پرندے سب داخل ہو جائیں گے اور اسلام نے ان تمام اقسام کے حقوق

کا واضح اعلان بھی کیا ہے یہ حدیث آنحضرتؐ کی وفات کے وقت امت کے نام آخری پیغام ہے اس کے بعد آنحضرتؐ نے امت کے بارے میں ایک لفظ بھی ارشاد نہیں فرمایا بلکہ (اللهم الرفيق الاعلىٰ) فرما کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے ان دو جملوں میں حضور اکرمؐ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو جمع فرما دیا ہے پہلے جملے الصلوٰۃ میں حقوق اللہ کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے حضور اکرمؐ کے نام لیوا کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک فرمان کو حرز جان بنائیں اور اس پر عمل کریں دنیا فانی ہے یہاں جو کچھ ہے وہ آنی جانی ہے یہ دھوکہ کی (ٹٹی) ہے صرف ہماری آنکھوں پر غفلت کی پٹی ہے ؎

فسوف ترى اذاانكشف الغبار افرس تحت رجلک ام حمار

غلاموں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید

﴿۱۶﴾ وعن اَبِی بَکْرِ الصِّدِّیْقِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ سَیِّءُ الْمَلَکَۃِ (رواہ الترمذی و ابن ماجه)

اور ابو بکر صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مملوک (لونڈی غلام) کے ساتھ برائی و بدسلوکی کرنے والا جنت میں (ابتدائی مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) داخل نہیں ہوگا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح

سئی الملکة:۔ ملکه طبیعت اور اخلاق و مزاج کو کہتے ہیں یعنی مثلاً ایک آقا اور مالک ہے اس کا ایک غلام ہے اس غلام کے حق میں وہ ظلم و زیادتی اور بد اخلاقی کرتا ہے، اس حدیث کے بعد آنے والی حدیث نمبر ۱۷ میں ملکہ اخلاق و طبیعت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور علامہ طیبی نے بھی ملکہ سے اچھے اخلاق کا معنی مراد لیا ہے لیکن نہایہ ابن اثیر میں ملکہ کو صنیع یعنی معاملہ اور سلوک کے معنی میں لیا ہے دونوں معنی قریب قریب ہیں (لايدخل الجنة) اس سے مراد دخول اوّلی ہے یعنی سزا کاٹنے کے بعد جائیگا یا یہ تغلیظ و تشدید کے اصول کے مطابق ہے۔

﴿۱۷﴾ وعن رَافِعِ بْنِ مَکِیْثٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَکَۃِ یُمْنٌ وَسُوْءُ الْخُلْقِ شُؤْمٌ (رواہ ابو داؤد) وَلَمْ اَرَ فِی غَیْرِ الْمَصَابِیْحِ مَازَادَ عَلَیْہِ فِیْہِ مِنْ قَوْلِہٖ وَالصَّدَقَۃُ تَمْنَعُ مِیْتَۃَ السُّوْءِ وَالْبِرُّ زِیَادَۃٌ فِی الْعُمْرِ.

اور حضرت رافع ابن مکیثؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مملوک کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک، خیر و برکت کا باعث ہے اور اپنے مملوک کے ساتھ بدسلوکی بے برکتی کا باعث ہے (ابوداؤد)

اور (مشکوٰۃ کے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ) میں نے مصابیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں وہ لفظ نہیں دیکھے ہیں جو صاحب مصابیح نے اس حدیث میں نقل کئے ہیں (اور وہ زائد الفاظ یہ ہیں) کہ آپؐ نے یہ بھی فرمایا صدقہ وخیرات بری موت سے بچاتا ہے اور نیکی عمر کو بڑھاتی ہے۔

﴿۱۸﴾ وعن ابی سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ضرب احدکم خادمہ فذکر اللہ فارفعوا ایدیکم (رواہ الترمذی والبیہقی فی شعب الایمان) لکن عندہ فلیمسک بدل فارفعوا ایدیکم.

اور حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مثال کے طور) اگر تم میں سے کوئی اپنے غلام کو مارنے لگے اور وہ خدا کو یاد کرے (یعنی یوں کہے کہ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کردو) تو تم (اس کو مارنے سے) اپنا ہاتھ روک لو۔ اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور شعب الایمان میں بیہقیؒ کی روایت میں "فارفعوا ایدکم" کی بجائے فلیمسک نقل کیا گیا ہے (اور دونوں لفظوں کا مطلب ایک ہی ہے)

کمسن غلاموں کو ان کے سرپرستوں سے جدا نہ کرو

﴿۱۹﴾ وعن ابی ایوب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ (رواہ الترمذی والدارمی)

اور حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی کرائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے عزیزوں کے درمیان جدائی کرادیگا (ترمذی، دارمی)

توضیح

من فرق: یعنی لونڈی اور اس کے بیٹے کے درمیان جدائی کرادی تو اس حدیث میں (والدۃ) سے مراد لونڈی ہے اور (ولد) سے اس کا بچہ مراد ہے جو خود بھی غلام ہے ان دونوں کی جدائی کرانے کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی کو فروخت کیا یا کسی کے ہاتھ ہبہ کیا یا کسی صلح وغیرہ کی صورت میں الگ کردیا اور اس کا بچہ رہ گیا اس میں اس کمسن بچہ کو کتنی تکلیف ہوگی اور بچہ کی ماں کتنی پریشان ہوگی یہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر یہ مصیبت آئی ہو اسلام نے اس تکلیف دہ صورت کو سختی سے منع کردیا ہے اس حدیث میں بچہ کی قید سے بڑوں کو اس حکم سے خارج کردیا گیا لہٰذا یہ وعیدات نابالغ بچہ کے ساتھ خاص ہیں اور ماں بیٹے کا ذکر بطور مثال ہے مراد ہر دو نابالغ کو اس کے ذی رحم محرم سے جدا کردینا ہے خواہ وہ ماں ہو باپ ہو دادا، دادی ہو نانا، نانی ہو یا بہن بھائی ہو سب مراد ہیں ائمہ احناف میں سے امام ابویوسف کے نزدیک یہ بیع بالکل ناجائز ہے مگر طرفینؒ کے نزدیک مکروہ

تحریمی ہے اسلام دین رحمت اور قانون شفقت ہے اس نے غلاموں کا اتنا خیال رکھا ہے تو دیگر شرفاء کا اسلام میں کیا مقام ہوگا آج کل دنیا کے لوگ بین الاقوامی قوانین کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور جنیوا کنونشن کے دفعات کا زور وشور سے پرچار کرتے ہیں جبکہ وہاں صرف خوشنما الفاظ کی لائن لگی ہوئی ہے اور اس پر عمل کرنے والے خود اس کے بنانے والے بھی نہیں اور نہ اس پر عمل ہوسکتا ہے لیکن اسلام نے غلاموں اور دیگر انسانوں کے حقوق کو ایمان وعمل کا جزء بنا دیا ہے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل دنیا والوں نے فطرت اور فطری قوانین کو نظر انداز کیا ہے اور مصنوعی بناوٹی قواعد کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور مسلمان اپنی شریعت کے بجائے ان گمراہوں کی تقلید کر رہے ہیں۔

﴿۲۰﴾ وعن عليٍّ قَالَ وَهَبَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ اَخَوَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَلِيُّ مَافَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ رُدَّهُ رُدَّهُ.

(رواه الترمذی وابن ماجه)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو آپس میں بھائی بھائی تھے پھر (جب) میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ علی! تمہارا (ایک) غلام کہاں گیا؟ میں نے آپؐ کو بتادیا (کہ ایک غلام میں نے بیچ دیا ہے) آپؐ نے فرمایا کہ اس کو واپس کرلو، اس کو واپس کرلو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

﴿۲۱﴾ وعنه اَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ جَارِيَةٍ وَوَلَدِهَا فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِكَ فَرَدَّ الْبَيْعَ

(رواه ابو داؤد منقطعا)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا (یعنی ان دونوں میں ایک کو بیچ دیا اور ایک کو اپنے پاس رہنے دیا) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور انہوں نے (یعنی حضرت علیؓ نے) اس بیع کو فسخ کر دیا۔ ابوداؤد نے اس روایت کو بطریق انقطاع نقل کیا ہے۔

غلام پر احسان کرنے کا اجر

﴿۲۲﴾ وعن جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ يَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهُ وَاَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ رِفْقٌ بِالضَّعِيفِ وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوكِ.

(رواه الترمذی وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ).

اور حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں گی اللہ

تعالیٰ اس پر موت کو آسان کر دیگا اور اس کو جنت میں داخل کریگا۔(۱) کمزوروں اور ضعیفوں کے ساتھ نرمی کرنا (۲) ماںباپ پر شفقت کرنا (۳) اپنے مملوک پر احسان کرنا۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

نمازی کو مارنے کی ممانعت

﴿۲۳﴾وعن ابی اُمامۃ انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم وھب لعلیٍّ غلامًا فقال لاتضربہ فانّی نُھیت عن ضرب اھل الصّلاۃ وقد رأیتہ یصلّی ھذا لفظ المصابیح وفی المجتبٰی للدّار قطنیّ انّ عمر بن الخطّاب قال نھانا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم عن ضرب المصلّین.

اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ایک غلام عطا کیا اور یہ حکم دیا کہ اس کو (بے حکم شرعی) مارنا نہیں کیونکہ (میرے رب کی طرف سے) مجھے نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور میں نے اس غلام کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ الفاظ (جو کہ مشکوٰۃ میں مذکور ہیں) مصابیح کے ہیں اور دار قطنی کی تصنیف مجتبیٰ میں یہ منقول ہے کہ حضرت عمرؓ ابن خطاب نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔

توضیح

لاتضربہ: یعنی شرعی جواز کے بغیر اس غلام کو نہ مارو کیونکہ یہ نمازی ہے اس حدیث سے نمازی کی عزت وعظمت اور اس کا شرف وفضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاں دیگر مخلوق پر واضح ہو جاتی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے رب نے نمازیوں کے مارنے سے منع کیا ہے یعنی کسی اور کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے تو اس کے عظیم احسان وکرم سے امید ہے کہ قیامت کے روز وہ نمازیوں کو عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل ورسوا نہیں فرمائیگا۔

مملوک سے درگذر کرنے کا حکم

﴿۲۴﴾وعن عبداللّٰہ بن عمر قال جاء رجلٌ الی النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال یارسول اللّٰہ کم نعفوا عن الخادم فسکت ثمّ اعاد علیہ الکلام فصمت فلمّا کانت الثّالثۃ قال اعفوعنہ کلّ یومٍ سبعین مرّۃ (رواہ ابوداؤد) وروَاہ التّرمذیّ عن عبداللّٰہ بن عمرٍو)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، اور عرض

کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کتنی مرتبہ (اپنے) غلام لونڈی کی خطائیں معاف کریں آنحضرتؐ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے پھر یہی سوال کیا تو اس مرتبہ بھی خاموش رہے پھر جب اس نے تیسری مرتبہ یہی پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ہر روز ستر مرتبہ۔ (ابوداؤد) ترمذی نے اس روایت کو حضرت عبداللہ ابن عمرو سے نقل کیا ہے۔

توضیح

فسکت: حضور اکرمؐ اس لئے خاموش رہے کہ سائل کا یہ سوال مناسب نہیں تھا کیونکہ معاف کرنا تو ایک پسندیدہ عمل ہے اس کو تعداد کے ساتھ مقید کرنے کی کیا ضرورت ہے یا حضور اکرمؐ اس لئے خاموش ہوئے کہ آپ کو وحی کا انتظار تھا یا اس لئے کہ سائل اور سامعین اس سوال کے جواب کو خوب اہتمام سے سن لیں (سبعین مرۃ) ستر کا یہ عدد عربی میں کثرت کیلئے بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی بالکل واضح ہے کہ یہ عدد تکثیر کیلئے استعمال کیا گیا ہے خاص ستر بار معافی کی تقیید نہیں ہے۔

مملوک کے بارے میں ایک ہدایت

﴿۲۵﴾ وعن اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مَنْ لَائَمَکُمْ مِنْ مَمْلُوکِیکُمْ فَاَطْعِمُوہُ مِمَّا تَأْکُلُونَ وَاکْسُوہُ مِمَّا تَکْسُونَ وَمَنْ لَا یُلَائِمُکُمْ مِنْھُمْ فَبِیعُوہُ وَلَا تُعَذِّبُوا خَلْقَ اللّٰہِ

(رواہ احمد وابوداؤد)

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے مملوک (لونڈی غلام) میں سے جو (لونڈی غلام) تمہاری اطاعت وخدمت (تمہاری خواہش کے مطابق) کرے (اور وہ تمہارے مزاج کے موافق ہو) تو اس کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اس کو وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو (کیونکہ جب وہ تمہارا دل خوش کرتا ہے تو تم بھی اس کا دل خوش کرو) اور جو (لونڈی غلام) تمہارے مزاج کے موافق نہ ہو تو اس کو (تکلیف نہ دو بلکہ) بیچ ڈالو خدا کی مخلوق کو تکلیف دینا درست نہیں ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

لائمکم: یہ باب مفاعلہ (یلائم ملائمۃ) سے آتا ہے موافقت کے معنی میں ہے مزاج اور خواہش کے مطابق اور موافق مملوک مراد ہے یعنی جب غلام تمہارے مزاج کے موافق اور مطیع اور فرمانبردار ہو تو اس کو رکھو اور اس کے حقوق کا خیال کرو مناسب کھانا اور مناسب لباس اس کو دیا کرو اور اگر ایسا نہیں ہے تو خواہ مخواہ اس کو عذاب میں نہ رکھو اور نہ اپنے آپ کو پریشان کرو بلکہ اس کو بیچ ڈالو یہ امور ارشادیہ ہیں آنحضرت نے امت کی رہنمائی فرما کر یہ حکم دیا ہے۔

جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم

﴿۲۶﴾وعن سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوهَا صَالِحَةً (رواه ابوداؤد)

اور حضرت سہل ابن حنظلیہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ کے قریب سے گذرے، دیکھا کہ (بھوک و پیاس کی شدت اور سواری و بار برداری کی زیادتی سے) اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی آپؐ نے فرمایا ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سواری کرو جب کہ وہ قوی اور سواری کے قابل ہو ان کو اس اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ وہ تھکے نہ ہوں۔ (ابوداؤد)

توضیح

(لحق ظهره) یعنی بھوک کی وجہ سے کمزور پڑ گیا تھا (المعجمة) بے زبان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو بولنے پر قدرت نہیں رکھتے عرب نے عجم کو اسی لئے عجم کہا ہے کہ ان کے ہاں عجم گونگے بے زبان ہیں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ بے زبان جانور اپنی بھوک و پیاس کا بیان تو نہیں کر سکتے اس لئے ان کا خیال رکھو اور وقت مقرر پر ان کو کھلاؤ پلاؤ علماء نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے جانور یا پرندے پال رکھے ہوں ان پر اس کا دانہ پانی واجب ہے (صالحة) یعنی خوب کھلا پلا کر ان کو تندرست رکھو اور پھر ان پر سواری اور بار برداری کرو اور کام لینے کے بعد جب یہ جانور اچھی حالت میں ہو تو ان کو چرنے کیلئے چھوڑ دو تا کہ وہ اس قابل ہوں کہ خود چر کر پیٹ بھر سکیں اسلام رحمت و شفقت کا مذہب ہے جس نے انسانوں اور غلاموں کے علاوہ جانوروں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا ہے جو لوگ ان قوانین پر عمل نہیں کرتے تو یہ ان کا اپنا قصور ہے اسلام کے قوانین کا کوئی قصور نہیں ہے۔

یتیم کے مال کے بارے میں حکم

الفصل الثالث

﴿۲۷﴾عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالٰى "وَلَاتَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ" وَقَوْلُهُ تَعَالٰى "اِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا "الآيَةَ انْطَلَقَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ يَتِيمٌ فَعَزَلَ طَعَامَهُ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرَابَهُ مِنْ شَرَابِهِ فَإِذَافَضَلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيمِ وَشَرَابِهِ شَيْءٌ حَبَسَ لَهُ حَتّٰى يَأْكُلَهُ اَوْيَفْسُدَ

فَاشْتَدَّ ذٰلِکَ عَلَیْهِمْ فَذَکَرُوا ذٰلِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی ''وَیَسْأَلُوْنَکَ عَنِ الْیَتَامٰی قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فَخَلَطُوْا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَشَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا ''یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس عادت کے ساتھ جو نیکی پر مبنی ہے'' (یعنی امانت و دیانت کے ساتھ جو نیکی پر مبنی ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال از راہ ظلم (بلا استحقاق) کھاتے ہیں'' تو جن لوگوں کے پاس (یعنی جن کی نگرانی و پرورش میں) یتیم تھے انہوں نے (سخت احتیاط برتنی) شروع کی اور ان کے کھانے کے سامان کو اپنے کھانے کے سامان سے اور ان کی پینے کی چیزوں کو اپنے پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا یہاں تک کہ ان یتیموں کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو کچھ بچ رہتا اس کو اٹھا کر رکھ دیا جاتا جس کو وہ یتیم یا دوسرے وقت کھا پی لیتا یا وہ خراب ہو جاتا تھا یہ بات ان نگرانوں کو بڑی شاق گذری چنانچہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ''اور جو لوگ آپؐ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں فرما دیجئے انکی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ بچے تمہارے (دینی) بھائی ہیں'' چنانچہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) ان نگرانوں نے یتیموں کے کھانے پینے کو اپنے کھانے میں ملا لیا (ابوداؤد و نسائی)

توضیح

لما نزل قوله تعالیٰ: ابتداء اسلام میں یتیموں کے اموال کے بارے میں جب پہلی آیت اتری تو ان کے سرپرست بہت گھبرا گئے وہ آیت مکمل طور پر اس طرح ہے ﴿ان الذین یاکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا﴾ (سورت نساء: ۱۰) اس وعید کی وجہ سے لوگوں نے یتیموں کا کھانا الگ پکانا شروع کر دیا اس سے ایک طرف یتیموں کا یہ نقصان تھا کہ کھانا کم و زیادہ ہو کر خراب ہو جاتا تھا دوسری طرف سرپرستوں کو بہت ہی تکلیف ہو رہی تھی کہ ان کا کھانا الگ تھلگ پکاتے تھے الگ رکھتے تھے الگ کھلاتے تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آسانی فرما دی اور بعد میں یہ آیت اتری ﴿ویسئلونک عن الیتامٰی قل اصلاح لهم خیر وان تخالطوهم فاخوانکم واللہ یعلم المفسد من المصلح ولو شاء اللّٰه لأعنتکم﴾ (سورت بقرہ: ۲۲۰) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یتیموں کے بدخواہ اور خیر خواہ کو خوب جانتا ہے لہٰذا یتیموں کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ مخلوط تو کرو لیکن یتیموں کی ہمدردی اور خیر خواہی ہر صورت میں لازم ہے اپنی نیتوں کو خراب نہ کرو اور اپنے اعمال کا نقصان نہ کرو دھوکہ اور فریب سے ہر حالت میں بچتے رہو آگے اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیگا۔

باپ بیٹوں یا دو بھائیوں میں جدائی نہ ڈالو

﴿۲۸﴾وعن اَبِی مُوسٰی قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِہٖ وَبَیْنَ الْاَخِ وَبَیْنَ اَخِیْہِ (رواہ ابن ماجه والدار قطنی)

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان اور دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالے۔ (ابن ماجہ، دارقطنی)

توضیح

من فرق: اس تفریق اور جدائی سے مراد وہ جدائی بھی ہوسکتی ہے جو نابالغ بچہ اور اس کے سرپرست ذی رحم محرم کے درمیان ایک کے فروخت کرنے اور دوسرے کے رہ جانے سے پیدا ہوتی ہے جس کی تفصیل حضرت ابوایوب انصاری کی حدیث نمبر ۱۹ میں گذر چکی ہے مگر یہاں اس حدیث میں جدائی کا یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ کوئی شخص چغلی غیبت اور فساد و شرارت ونفاق سے دو بھائیوں کے درمیان یا باپ بیٹوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرتا ہے تو وہ ملعون ہے۔

﴿۲۹﴾وعن عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَااُتِیَ بِالسَّبْیِ اَعْطٰی اَھْلَ الْبَیْتِ جَمِیْعًا کَرَاھِیَۃَ اَنْ یُفَرِّقَ بَیْنَھُمْ (رواہ ابن ماجه)

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب (کسی غزوہ وغیرہ میں) قیدی لائے جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے گھر کے گھر کو ہم میں سے کسی ایک شخص کو (بطور لونڈی غلام) عطا فرمادیتے تھے (یعنی قیدیوں میں ایک گھر کے جتنے بھی افراد ہوتے ان سب کو آپؐ کسی ایک ہی شخص کے حوالے کردیتے تھے) کیونکہ ان کے درمیان جدائی ڈالنا آپ کو ناپسند تھا۔ (ابن ماجہ)

کون لوگ برے ہیں

﴿۳۰﴾وعن اَبِی ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِشَرَارِکُمُ الَّذِی یَاْکُلُ وَحْدَہٗ وَیَجْلِدُ عَبْدَہٗ وَیَمْنَعُ رِفْدَہٗ (رواہ رزین)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ (تو سنو) برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھائے اپنے غلام کو (ناحق) مارے اور کسی کو اپنی بخشش وعطاء سے فائدہ نہ پہونچائے۔ (رزین)

توضیح

شرارکم: یعنی سب سے برے لوگ کون ہیں؟ اس کے بعد آنحضرت نے کسی کے جواب کا انتظار نہیں فرمایا بلکہ خود تین قسم کے لوگوں کو بروں میں شمار کیا (۱) (الذی یاکل وحدہ) یعنی ایک وہ قسم کے لوگ ہیں جو انتہائی تکبر اور انتہائی حرص ولالچ کی وجہ سے تنہا بیٹھ کر کھاتے ہیں (۲) (ویجلد عبدہ) جلد کوڑے مارنے کو کہتے ہیں مراد غلام کو مارنا ہے شرعی کوڑے لگانا مراد نہیں ہے اس میں اس شخص کی بداخلاقی کی طرف اشارہ ہے کہ کسی شرعی جواز کے بغیر ناحق غلام کو مارتا رہتا ہے (۳) (ویمنع رفدہ) رفد یرفد ضرب یضرب سے مصدر ہے راء پر کسرہ ہے عطیہ کرنے اور کسی کے عطیہ بڑھانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک مستحق اور صاحب حق سے اپنا عطیہ روکتا ہے اور اپنے عطا اور بخشش سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچاتا ہے کنجوس اور بخیل ہے پوری حدیث کا خلاصہ یہ کہ لوگوں میں بدترین آدمی وہ ہے جس میں بخل نے گھر کرلیا ہو اور بداخلاقی نے بھی اس کو گھیر لیا ہو، جامع صغیر میں ابن عساکر کے حوالہ سے اس طرح روایت حضرت معاذؓ سے منقول ہے جس میں کچھ تفصیل بھی ہے اور ترغیب وترہیب میں حافظ منذری نے اس طرح کی روایت حضرت ابن عباس سے نقل ہے اس میں کچھ مزید اضافہ ہے ان سب کا خلاصہ اور مفہوم اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ سے فرمایا کیا میں تم کو لوگوں میں سے برا آدمی نہ بتاؤں؟ پھر آپؐ نے فرمایا (۱) جو تنہا کھاتا ہے (۲) تنہا سفر کرتا ہے (۳) اپنا عطیہ روکتا ہے (۴) اور اپنے غلام کو مارتا ہے کیا اس سے بدتر آدمی نہ بتاؤں (۵) جو لوگوں سے بغض رکھتا ہے اور لوگ اس سے بغض رکھتے ہیں، کیا اس سے بھی بدتر آدمی نہ بتاؤں (۶) جو اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا کی وجہ سے بیچ ڈالتا ہے، کیا اس سے بدتر آدمی نہ بتاؤں (۷) جو دین کو بیچ کر دنیا کماتا ہے، حضرت ابن عباس کی روایت میں اس طرح آیا ہے کیا میں تم کو تمہارا برا آدمی نہ بتاؤں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بتا دیجئے آپ نے فرمایا تمہارا برا آدمی وہ ہے جو اکیلا سفر کرتا ہے اپنا عطیہ روکتا ہے اور اپنے غلام کو مارتا ہے کیا میں تمہیں اس سے برا آدمی نہ بتاؤں صحابہ نے عرض کیا بتا دیجئے آپ نے فرمایا (۸) جو لوگ دوسروں کی لغزشوں سے درگذر نہیں کرتے ہیں (۹) اور دوسروں کی معذرت ومعافی کو قبول نہیں کرتے ہیں (۱۰) اور دوسروں کے گناہ اور غلطیوں کو معاف نہیں کرتے ہیں، کیا میں تمہیں ان سے بھی زیادہ برا آدمی نہ بتاؤں صحابہ کرام نے کہا یا رسول اللہ بتا دیجئے آپ نے فرمایا (۱۱) جس کی بھلائی کی امید نہیں کی جاتی ہو اور جس کے شر سے لوگ امن میں نہ ہوں۔

جہاد کی وجہ سے اس امت میں یتیموں اور غلاموں کی کثرت ہوگی

﴿۳۱﴾ وعن اَبی بَکرِ الصِّدِّیقِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ لَایَدْخُلَ الْجَنَّۃَ سَیِّءُ الْمَلَکَۃِ قَالُوا یَا رَسُولَ اللّٰہِ اَلَیسَ اَخبَرْتَنَا اَنَّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ اَکثَرُ الْاُمَمِ مَملُوکِینَ وَیَتَامٰی قَالَ نَعَم فَاَکرِمُوھُم کَکَرَامَۃِ اَولَادِکُم وَاَطعِمُوھُم مِمَّاتَاکُلُونَ قَالُوا فَمَاتَنفَعُنَا الدُّنیَا قَالَ فَرَسٌ تَربِطُہٗ تُقَاتِلُ

عَلَيْهِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَمْلُوكٌ يَكْفِيْكَ فَإِذَاصَلّٰى فَهُوَ اَخُوكَ (رواه ابن ماجه)

اورحضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے غلام لونڈی کے ساتھ برائی کرنے والا کبھی جنت میں داخل نہ ہوگا (یہ سنکر) صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا ہے کہ آپ کی امت غلام لونڈی اور یتیموں کے اعتبار سے پچھلی تمام امتوں سے بڑھی ہوئی ہوگی (یعنی آپؐ کی امت میں غلام لونڈی یتیم بہت ہوں گے تو کیا اتنی کثرت کی حالت میں سب کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا ممکن ہوگا؟) آپؐ نے فرمایا ہاں۔ (میری امت میں لونڈی غلام بہت ہوں گے اور اتنی کثرت کی حالت میں سب ہی کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا مشکل بھی بہت ہوگا لیکن اگر تم جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو تم ان کے ساتھ دوسری طرح ایسے احسان کرو جوان کے ساتھ تمہاری بد خلقی کا بدلہ ہو جائے اور وہ احسان یہ ہے کہ) تم انکو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھو (یعنی ان پر بایں طور نرمی ورحم کیا کرو کہ ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جوان کے بس سے باہر ہو اوران پر ظلم زیادتی نہ کیا کرو) اوران کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں دنیا میں نفع پہنچانے کی کونسی چیز ہے آپؐ نے فرمایا ایک گھوڑا جس کو تم اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے باندھ رکھو اور ایک غلام جو تمہیں کفایت کرے (یعنی وہ تمہارے دنیاوی امور کو انجام دیتا رہے تا کہ تم فارغ رہ کر آخرت کے امور انجام دے سکو) اور اگر تمہارا غلام نماز پڑھے تو وہ تمہارا بھائی ہے (لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کرو)۔ (ابن ماجہ)

توضیح

اکثر الامم مملوکین: مطلب یہ کہ اس امت میں جہاد کا عمل بہت زیادہ ہوگا جس کے نتیجہ میں کفار بہت زیادہ قید میں آئیں گے تو غلام بہت ہوں گے اور معرکۂ جہاد میں مسلمان بہت شہید ہونگے تو یتیم بچے بہت زیادہ ہونگے سوال یہ کیا گیا ہے کہ جب اتنے زیادہ غلام اور یتیم ہونگے تو ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کس طرح کیا جائیگا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مشکل تو ہوگا لیکن جنت جانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ ان غلاموں کو اپنی اولاد کی طرح پالا جائے اور ان کا اکرام کیا جائے اس سے غلاموں کے حق میں کوتاہی اور بد خلقی کا کفارہ ادا ہو جائیگا پھر صحابہ کرام نے پوچھا کہ دنیا میں نفع بخش چیز کونسی ہے فرمایا جہاد کا گھوڑا اور خدمت کیلئے ایک غلام نفع بخش چیز ہے اور اگر وہ غلام نماز پڑھے تو پھر وہ تمہارا بھائی ہے یا بھائی کی طرح ہے اس لئے اب اس کے ساتھ بھائیوں کی طرح حسن سلوک کا برتاؤ کرو۔

۲۲ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

باب بلوغ الصغير وحضانته في الصغر

بچوں کی پرورش اور بلوغ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿واذابلغ الاطفال منكم الحلم فليستأذنوا كما استأ ذن الذين من قبلهم﴾ (سورۃ نور ۵۹)

حضن يحضن حضنا وحضانة باب نصر سے حا کے کسرہ کے ساتھ ہے ماں کا اپنے بچے کو پرورش کی غرض سے بغل میں لینے اور مرغی کا اپنے چوزوں اور انڈوں کو پروں کے نیچے رکھنے اور چھپانے کو ''حضانۃ'' کہتے ہیں پھر یہ لفظ تربیت کے لئے بھی استعمال ہونے لگا ہے چنانچہ ''حاضنہ'' اس عورت کو کہا جاتا ہے جو اپنے بچہ کی پرورش اور تربیت کرتی ہے اور یہاں ''حضانۃ'' تربیت کے اسی عمل کا نام ہے اس باب میں یہ بھی بیان کیا جائیگا کہ بچہ کی تربیت و پرورش کا حق کس کو حاصل ہے اور تربیت کی مدت لڑکے اور لڑکی کے لئے کیا مقرر ہے تو لیجئے اس باب کی پہلی حدیث میں تفصیل ملاحظہ کریں۔

الفصل الاول

بلوغ کی عمر پندرہ سال ہے

﴿۱﴾ عن ابنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اُحُدٍ وَاَنَاابْنُ اَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً فَرَدَّنِي ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَاَجَازَنِي فَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ هٰذَافَرْقٌ مَابَيْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّيَةِ (متفق عليه)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر (جہاد میں جانے کے لئے) مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا جبکہ میری عمر چودہ برس تھی مگر آنحضرتؐ نے مجھے واپس کر دیا، پھر غزوۂ خندق کے موقع پر جبکہ میری عمر پندرہ سال تھی مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؐ نے مجھے (جہاد میں جانے کی) اجازت عطا فرمادی (کیونکہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ یہی عمر لڑنی والے جوانوں اور لڑکوں کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

ابن خمس عشرة سنة: یہ بات تو طے ہے کہ لڑکی نو سال سے پہلے بالغ نہیں ہوسکتی اور لڑکا بارہ سال سے پہلے طبعی نظام کے تحت بالغ نہیں ہوسکتا ہاں غیر طبعی نظام کا اعتبار نہیں جیسے یورپ کے گندے انڈے اس مقررہ وقت سے پہلے بوجہ فحاشی بالغ

ہو جاتے ہیں، بچوں کی بلوغت دو قسم پر ہے (۱) بلوغت بالعلامات (۲) بلوغت بالسنین، لڑکے کے بالغ ہونے کی علامتیں تین ہیں اول یہ کہ اس کو احتلام ہو جائے دوم یہ کہ اس کو انزال ہو جائے سوم یہ کہ اس میں احبال کی صلاحیت آجائے یعنی کسی عورت کو حاملہ بنانے کی صلاحیت اس میں ہو، لڑکی کے بالغ ہونے کی علامات بھی تین ہیں اول یہ کہ اس کی ماہواری جاری ہو جائے دوم یہ کہ اس کو احتلام ہو جائے سوم یہ کہ اس میں حمل ٹھہرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے یہاں تک ان مسائل میں فقہاء کرام کا کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اس کے علاوہ ایک علامت ہے جس کو (اِنْبَاتِ شَعْر) یعنی زیر ناف بال اگنا کہتے ہیں اس میں فقہاء کا معمولی سا اختلاف ہے کہ آیا زیر ناف بال اگنا علامات بلوغ میں سے ایک علامت ہے یا نہیں جمہور کے ہاں زیر ناف بالوں کا اگنا بلوغت کی نشانی ہے اور احناف کے نزدیک یہ علامت بلوغت کی نشانی نہیں ہے بالوں سے مراد زیر ناف سخت بالوں کا آنا ہے صرف پشم اور رُواں مراد نہیں ہے جمہور نے بنو قریظہ کے قیدیوں سے متعلق حضور اکرمؐ اور صحابہ کے اس فیصلہ سے استدلال کیا ہے کہ ان قیدیوں کو دیکھا جاتا تھا کہ کون بالغ اور کون نابالغ ہے اگر کسی کے زیر ناف بال ہوتے تو وہ بالغوں میں شمار ہوتا تھا اس کو قتل کیا جاتا تھا اور جن کے زیر ناف بال نہیں ہوتے ان کو نابالغ سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا تھا اور غلام بنایا جاتا تھا احناف فرماتے ہیں کہ زیر ناف بالوں کو بلوغت کی علامت اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے کہ بلوغت کی دیگر علامات مثلاً احبال وانزال واحتلام نہ ہوں اور عمر کا اندازہ بھی نہ ہو تو یہ شاید ایک وقتی ضرورت کے تحت ہے کہ عموماً زیر ناف بال اگنے کے وقت لڑکا بالغ ہو جاتا ہے معاملہ چونکہ قتل کرنے یا قتل نہ کرنے کا تھا اس لئے احتیاط کے طور پر ایسا کیا گیا تھا یہ کوئی عام ضابطہ اور قاعدہ نہیں تھا۔

بلوغ بالسنین میں فقہاء کے اقوال

اگر بلوغت کی کوئی علامت لڑکا اور لڑکی میں ظاہر نہیں ہوئی تو پھر دونوں کی بلوغت سالوں سے معتبر ہوگی جس کو بلوغ بالعمر کہتے ہیں یعنی جب لڑکا اور لڑکی پندرہ سال کی عمر کے ہو جائیں تو اب دونوں بالغ شمار ہونگے یہ حکماً بلوغ ہے خواہ کوئی بھی علامت موجود نہ ہو یہ مسلک صاحبین اور جمہور فقہاء کا ہے داؤد ظاہری کے نزدیک جب تک بلوغت کی علامات میں سے کوئی علامت ظاہر نہ ہو اس وقت تک بلوغ ثابت نہیں ہو سکتا ان کے نزدیک بلوغ کیلئے عمر کی کوئی حد بندی نہیں ہے امام مالک کا قول بھی اسی طرح ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جب لڑکا اٹھارہ سال کا ہو جائے اور لڑکی سترہ سال کی ہو جائے تو یہ دونوں بالغ شمار ہونگے، علماء احناف کے ہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے اور یہی جمہور کا مسلک ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول بھی پندرہ سال کا ہے زیر بحث حدیث جمہور کیلئے واضح دلیل ہے، اگر قریب البلوغ مراھق نے اقرار کیا کہ میں بالغ ہو گیا ہوں تو اس کا قول معتبر ہوگا اور قاضی کی عدالت میں فیصلہ اسی کے مطابق ہوگا (ھٰذا فرق) یعنی پندرہ سال کی عمر لڑنے والوں کی عمر ہے اور اس سے کم مثلاً چودہ سال کی عمر بچپن کی عمر ہے جس میں میدان جنگ میں لڑنے کیلئے بچہ کو نہیں لیجایا جا سکتا ہے حضرت

عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہی بات فرمائی کہ حضرت ابن عمر جب چودہ سال کی عمر میں تھے تو جنگ احد میں ان کو نبی اکرمؐ نے لڑنے کی اجازت نہیں دی اور جنگ خندق میں جب آپ پندرہ سال کے ہوئے تو آپ کو لڑنے کی اجازت مل گئی یہی فرق ہے لڑنے کے قابل نوعمر نوجوان لڑکوں اور نہ لڑنے والے بچوں کے درمیان، ہاں اگر دفاعی جہاد میں چھوٹا بچہ مسلمانوں کی جماعت بڑھانے اور زیادہ دکھانے کی غرض سے جانا چاہتا ہے تو اس کو نہیں روکا جا سکتا۔

تنازعہ کی صورت میں بچے کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

﴿۲﴾وعن الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَّةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهٗ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمَ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ خَرَجَ فَتَبِعَتْهُ ابْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِيْ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَاوَلَهَا عَلِيٌّ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَاخْتَصَمَ فِيْهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ اَنَا اَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّيْ وَقَالَ جَعْفَرٌ بِنْتُ عَمِّيْ وَخَالَتُهَا تَحْتِيْ وَقَالَ زَيْدٌ بِنْتُ اَخِيْ فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ اَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ وَقَالَ لِزَيْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا (متفق عليه)

اور حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن (کفار مکہ سے) تین باتوں پر صلح کی تھی۔ ایک تو یہ کہ مشرکوں میں سے جو شخص آپ کے پاس آ جائے آپؐ اسے واپس فرما دیں گے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے مشرک اس کو واپس نہ کریں گے اور تیسرے یہ کہ آپؐ آئندہ سال (مدینہ سے) مکہ تشریف لائیں اور اپنا عمرہ قضا کریں اور (ارکان عمرہ کی ادائیگی اور استراحت کے لئے) مکہ میں صرف تین دن قیام فرمائیں، چنانچہ (آئندہ سال) جب آپ مکہ تشریف لائے اور متعینہ مدت پوری ہوگئی (یعنی تین دن گذر گئے) اور آپؐ نے (مکہ سے) واپسی کا ارادہ کیا تو حمزہؓ کی بیٹی اے میرے چچا اے میرے چچا کہتی ہوئی آپؐ کے پیچھے لگ گئی حضرت علیؓ نے اس کو پکڑنے (یعنی اپنے ہمراہ لینے) کا ارادہ کیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا (یعنی اپنے ہمراہ لے لیا) اس کے بعد حضرت حمزہؓ کی اس بیٹی کی پرورش کے بارہ میں حضرت علیؓ حضرت زیدؓ اور حضرت جعفرؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا حضرت علیؓ تو یہ کہتے تھے کہ پہلے میں نے اس بچی کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) اور حضرت جعفرؓ یہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) اور حضرت زیدؓ یہ کہتے تھے کہ میری بھتیجی ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ

کو ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح کیا کہ) اس کو اس کے خالہ کے سپرد کر دیا (جو حضرت جعفرؓ کے نکاح میں تھیں) اور فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہے پھر آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو (یعنی ہم دونوں میں کمال اخلاص اتحاد رشتہ و یگانگت ہے) اور حضرت جعفر سے فرمایا کہ تم میرے حلیہ اور میرے خلق میں مشابہ ہو، اور حضرت زید سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور محب ہو۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

الخالة بمنزلة الام :. چھوٹے بچے کی پرورش کا حق سب سے پہلے اس کی ماں کو ہے خواہ اس کو طلاق پڑ گئی ہو یا نہیں اگر ماں طلاق ملنے کے بعد بچے کی پرورش کرنے سے انکار کر دے تو صحیح یہ ہے کہ اس کو مجبور نہیں کیا جائیگا ہاں اگر اپنی ماں کے علاوہ پرورش کیلئے کوئی بھی نہیں تو بچہ کی جان بچانے کیلئے ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائیگا اگر ماں سے پرورش کا حق ساقط ہو گیا یا ماں موجود نہیں بلکہ مر گئی ہے تو پرورش کا حق نانی اور پرنانی کو حاصل ہوگا اگر نانی نہیں تو پھر دادی، پردادی کو یہ حق حاصل ہوگا اگر دادی وغیرہ بھی نہیں ہے تو بچہ کی پرورش کا حق اس کی حقیقی بہن کو حاصل ہوگا اس کے بعد سوتیلی بہن کو حاصل ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو یا پرورش کے اہل نہ ہوں تو پھر سب سے زیادہ مستحق خالہ ہے اس کے بعد پھوپھی ہے اگر ماں باپ میں سے ایک مسلمان ہے دوسرا غیر مسلم ہے تو پرورش کا حق مسلمان کو حاصل ہوگا اگر ماں مرتد ہوگئی تو بچہ کی پرورش کا حق اس سے ساقط ہو جائیگا نیز اگر ماں بدکار و بدکردار ہو تو وہ بھی حق پرورش سے محروم ہو جائیگی، اگر ماں نے بچہ کی پرورش کے زمانہ میں نکاح کیا تو اب دیکھا جائیگا اگر اس نے بچہ کے محارم اور صلہ والوں میں نکاح کیا ہے تو حق پرورش ساقط نہیں ہوگا لیکن اگر اس نے اجانب میں نکاح کیا تو وہ حق پرورش سے محروم ہو جائیگی پرورش کے جن مستحق عزیز و اقارب کا ذکر ہوا ہے ان سب کیلئے آزاد ہونا ضروری ہے لہٰذا لونڈی یا ام ولدہ کو پرورش کا حق حاصل نہیں ہے البتہ ماں اگر ذمیہ ہے تو اس کو پرورش کا حق حاصل ہے بشرطیکہ بچہ سمجھ بوجھ کی عمر کو نہ پہنچا ہو پرورش کی مدت سات سال یا نو سال مقرر ہے صاحب قدوری نے لکھا ہے کہ جب بچہ تنہا خود کھانے پینے کا انتظام کر سکتا ہے خود استنجاء اور کپڑا بدلنے کا اہل ہو جاتا ہے تو اس کا حق پرورش ختم ہو جاتا ہے اب باپ اس بچہ کو زبردستی اپنی تحویل میں لے سکتا ہے ہاں اگر لڑکی ہو تو اس کے حیض آنے یا قابل شہوت ہونے تک پرورش کا حق ماں اور نانی کو حاصل رہے گا زیر بحث حدیث میں آنحضرتؐ نے خالہ کو ماں کا قائم مقام فرما کر حق حضانہ اس کو دیا ہے (**یاعم یاعم**) حضور اکرمؐ چونکہ حضرت حمزہ کے رضاعی بھائی تھے اس لئے حمزہ کی لڑکی نے آپ کو چچا کے نام سے پکارا ہے حدیبیہ مکہ سے ۱۵ میل کے فاصلہ پر جدہ کی طرف واقع ہے صلح حدیبیہ کا واقعہ ۶ھ میں پیش آیا تھا کفار نے حضور کو عمرہ کرنے سے روکا آئندہ سال عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت حمزہ کی لڑکی ملی تھی (**بنت اخی**) حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت حمزہؓ کے درمیان حضور اکرمؐ نے مواخاۃ قائم فرمایا تھا اس لئے حضرت حمزہ حضرت زید کے بھائی قرار پائے تو آپ نے اپنے استحقاق پرورش میں کہا

کہ یہ میری بھتیجی ہے آنحضرتؐ نے تینوں کی تسلی کیلئے اعزاز اور خصوصی امتیاز کے کلمات ارشاد فرمائے مگر حق حضانہ حضرت جعفر کو دیا ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن حارثہؓ نے جب اپنے بارے میں یہ کلمات سنے تو آپ نے خوشی سے جھوم جھوم کر چھلانگیں لگائیں (اخونا) اس سے وہی مواخات اور بھائی چارہ مراد ہے اور (مولانا) سے مراد محبوب ہے۔

الفصل الثانی

﴿۳﴾عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبدالله بن عمرو ان امرأة قالت یارسول الله ان ابنی هذا کان بطنی له وعاءً وثدیی له سقاءً وحجری له حواءً وان اباه طلقنی واراد ان ینزعه منی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم انت احق به مالم تنکحی (رواه احمد وابوداؤد)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد مکرم اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ! میرا یہ بیٹا کہ (مدت تک) میرا پیٹ اس کا برتن رہا (یعنی مدتوں یہ میرے پیٹ میں رہا) میری چھاتی اس کی مشک رہی اور میری گود اس کا گہوارہ رہی (یعنی مدتوں اس کو میں نے اپنی گود میں پالا ہے) اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا جب تک تم کسی سے نکاح نہ کرو اس بچہ کی پرورش کی تم سب سے زیادہ مستحق ہو۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح

وعاء:۔ برتن کو وعاء کہتے ہیں (سقاء) مشکیزہ کو کہتے ہیں اور (حواء) گود اور گہوارہ کو کہتے ہیں یعنی پیدائش سے پہلے میرا پیٹ اس بچہ کیلئے بمنزلۂ برتن اور مکان تھا پیدائش کے بعد میری چھاتی اس کو دودھ پلانے کیلئے بمنزلۂ مشکیزہ تھی اور اس کی پرورش کیلئے میری گود بمنزلۂ پینگولی اور گہوارہ تھی اس حدیث کا بظاہر آنے والی حضرت ابوھریرہ کی روایت کے ساتھ واضح تعارض ہے کیونکہ اس میں غلام کو اختیار دیا گیا ہے اور یہاں ماں کو احق اور مستحق پرورش قرار دیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زیر نظر حدیث میں ضابطہ اور قاعدہ بیان کیا گیا ہے اور آنے والی ابوھریرہ کی دونوں روایتوں میں ایک جزئی عارضی احتمالی صورت کا بیان ہے تو اس میں تاویل کریں گے جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

مدت پرورش کے بعد تخییر غلام کا مسئلہ

﴿۴﴾وعن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم خیر غلاماً بین ابیه وامه (رواه الترمذی)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ چاہے اپنے باپ

کے پاس رہے اور چاہے اپنی ماں کے پاس رہے۔ (ترمذی)

توضیح

خیر غلاما: والدین میں فرقت واقع ہونے کے بعد کمسن اولاد کی پرورش کا حقدار ان کی ماں ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ کم عمری کی اس مدت کے تعین اور اس کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے

فقہاء کا اختلاف

ائمہ احناف اور مالکیہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ سن شعور اور زمانۂ تمیز تک نہیں پہنچا ہے اس وقت تک پرورش کی حقدار اس کی ماں ہے اور بچہ جب شعور اور تمیز کی عمر تک پہنچ گیا تو اس کی پرورش کا حقدار اس کا باپ ہوگا سن شعور کے بارے میں احناف کہتے ہیں کہ جب بچہ خود کھا پی سکتا ہو خود استنجاء کر سکتا ہو اور کپڑے تبدیل کر سکتا ہو تو یہ بچہ باشعور ہے بعض احناف نے سن شعور کیلئے سات سال بتایا ہے بعض نے لڑکی کیلئے ۹ سال اور لڑکے کیلئے سات سال کی عمر بتائی ہے فتوی سات سال کے قول پر ہے احناف فرماتے ہیں کہ اس عمر میں بچے کو باپ کے حوالہ کیا جانا چاہئے کیونکہ تعلیم و تربیت اور ادب وثقافت میں باپ کی سوچ زیادہ قابل اعتماد اور زیادہ مؤثر و پائیدار ہوتی ہے اور اب بچے کو انہیں چیزوں کی ضرورت ہے اور اس سے کم عمر میں لڑکا اور لڑکی دونوں ماں کی پرورش میں رہیں گے کیونکہ اس زمانہ کی مناسب تربیت ماں بہتر انداز سے کر سکتی ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں بچہ سات سال تک ماں کی پرورش میں رہیگا اس کے بعد اس کو اختیار دیا جائیگا کہ وہ ماں باپ میں سے کس کو اختیار کرتا ہے اس نے جس کو اختیار کیا اسی کے ساتھ چلا جائیگا خلاصہ یہ کہ احناف کسی صورت میں بچہ کی تخییر کے حق میں نہیں ہیں اور شوافع سات سال کے بعد بچے کی تخییر کے قائل ہیں۔

دلائل

احناف اور مالکیہ نے حضرت براء بن عازب کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ کی بچی کو اس کی خالہ کے حوالہ فرمادیا اسی طرح اس کے بعد عمرو بن شعیب کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے بچہ ماں کے حوالہ فرمادیا اور کمسن بچہ میں اختیار دینے کی کوئی بات نہیں فرمائی اسی طرح وہ تمام روایات بھی ان حضرات کے دلائل ہیں جہاں تخییر کے بغیر حضور اکرمؐ نے فیصلہ فرمادیا ہے موطا مالک اور بیہقی میں ایک حدیث ہے کہ صدیق اکبر نے عاصم بن عمر کو ان کی ماں کے حوالہ کیا اور اختیار نہیں دیا یہ صحابہ کے سامنے فیصلہ تھا تو اجماع صحابہ ہوگیا اس کا قصہ اس طرح تھا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دیدی تھی اس کا ایک بچہ پیدا ہوا ایک دن حضرت عمر مسجد قبا کے پاس گذرے

تو یہ لڑکا وہاں کھیل رہا تھا حضرت عمرؓ نے اٹھالیا تنازعہ ہوا تو صدیق نے ماں کے حق میں فیصلہ کیا، شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت نے بچے کو ماں باپ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کی اجازت فرمائی تھی نیز اس سے متصل حضرت ابوھریرہ کی روایت میں اس کی تفصیل ہے۔

جواب

احناف و مالکیہ حضرت ابوھریرہ کی روایتوں سے یہ جواب دیتے ہیں کہ جہاں احادیث میں اختیار دینے کی بات آئی ہے وہ باشعور بالغ اور (ممیز) بچے کے بارے میں ہے کیونکہ احادیث میں اس کی تصریح ہے اور ساتھ والی روایت میں بھی یہ جملہ موجود ہے کہ ماں نے کہا (**وقد سقاني ونفعني**) اور اس سے متصل بعد والی روایت میں یہ الفاظ ہیں (**وقد نفعني وسقاني من بئر ابی عنبة**) یعنی اس بچے نے مجھے ابوعنبہ کے کنویں سے پانی لاکر پلایا ہے اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچہ بالغ تھا یا مراہق تھا اور ایسے بچے کے اختیار میں تو کسی کو اختلاف نہیں ہے کیونکہ بالغ خود مختار ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ دراصل یہاں ایک مجبوری کے تحت بچے کو ماں باپ میں سے کسی کو اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس لڑکے کا باپ کافر تھا اور حضور چاہتے تھے کہ یہ لڑکا ماں کی پرورش میں چلا جائے اگر آپ مسلمان ماں کے حق میں ابتدا سے فیصلہ فرمادیتے تو لوگ اعتراض کرتے کہ مسلمان کی طرف داری کی گئی اس لئے آنحضرت نے بچے کو اختیار دیا ابوداؤد شریف میں ہے کہ لڑکا اختیار ملنے کے بعد باپ کی طرف جانے لگا تو آنحضرتؐ نے دعا فرمائی (**اللهم اهده**) اے اللہ اس کی رہنمائی فرما چنانچہ لڑکے نے والدہ کو اختیار کیا تو حضور اکرم کی دعاء خصوصیت پیغمبری تھی اس پر کسی اور کا قیاس نہیں ہوسکتا بہر حال عام ضابطہ وہی ہے جو مالکیہ اور احناف نے اپنایا ہے باقی جزئیات میں تاویل کرنی پڑ یگی۔

﴿۵﴾ وعنه قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاَةٌ اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنَّ زَوْجِي يُرِيْدُ اَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ سَقَانِي وَنَفَعَنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ اَيِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِيَدِ اُمِّهٖ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ (رواه ابوداؤد والنسائي والدارمي)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرا خاوند چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لیجائے حالانکہ وہ مجھے پانی پلاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے (یعنی اب وہ اس عمر کو پہنچ گیا ہے کہ میں اس کی خدمت سے فائدہ اٹھاتی ہوں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی۔ (ابوداؤد، نسائی، دارمی)

الفصل الثالث

﴿۶﴾وعن هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ عَنْ أَبِي مَيْمُونَةَ سُلَيْمَانَ مَوْلًى لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَادَّعَيَاهُ فَرَطَنَتْ لَهُ تَقُولُ يَاأَبَاهُرَيْرَةَ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي فَقَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ اِسْتَهِمَا عَلَيْهِ رَطَنَ لَهَا بِذٰلِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ يُحَاقُّنِي فِي ابْنِي فَقَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ اللّٰهُمَّ إِنِّي لَاأَقُولُ هٰذَاإِلَّاأَنِّي كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ نَفَعَنِي وَسَقَانِي مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ عَذْبِ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ يُحَاقُّنِي فِي وَلَدِي فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَاأَبُوكَ وَهٰذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِأَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَبِيَدِأُمِّهِ (رواه ابوداؤد والنسائی) لٰكِنَّهُ ذَكَرَ الْمُسْنَدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ)

حضرت ہلال ابن اسامہؒ حضرت ابومیمونہؒ سے کہ جن کا نام سلیمان تھا اور اہل مدینہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں کہا (ایک دن) جبکہ میں حضرت ابوہریرہؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس فارس کی ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا اور اس کے خاوند نے اس کو طلاق دیدی تھی اور میاں بیوی کے درمیان اس لڑکے کے بارہ میں تنازعہ تھا اس عورت نے ابوہریرہؓ سے فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہؓ میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ اس لڑکے کو لیلے) حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اس عورت کے سامنے اسی مفہوم کو فارسی زبان میں ادا کیا پھر اس عورت کا خاوند آ گیا کہ میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑتا ہے حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ یااللہ! میں یہ بات (اپنی طرف سے) نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا پس ایک عورت آئی اور اس نے کہا یارسول اللہ! میرا شوہر میرے بیٹے کو لیجانا چاہتا ہے اور بے شک وہ مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور ابوعنبہ کے کنویں سے مجھ کو پانی پلاتا ہے اور نسائی میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ (شہر کے باہر کافی فاصلہ سے) میٹھا پانی (لاکر) مجھ کو پلاتا ہے۔ یہ (سنکر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو، خاوند نے کہا کہ میرے بیٹے کے بارہ میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑلو، چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑلیا (اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی)۔ ابوداؤد، نسائی، دارمی)

توضیح

امرأة فارسية: اس نسبت کا ایک مطلب یہ ہے کہ یہ عورت فارس کی رہنے والی تھی اور یہی واضح ہے دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ فارسیہ سے مراد عجمیہ ہے یعنی کوئی عجمی عورت تھی عرب عام طور پر عجمیوں کو فارس اور فارسی کے نام سے یاد کرتے ہیں (رطنت) یعنی اس عورت نے فارسی زبان میں یا عجمی زبان میں کلام کیا (رطن لها بذلک) یعنی حضرت ابوھریرہؓ نے بھی اس عورت کے ساتھ فارسی یا عجمی زبان میں گفتگو کی جس کا ترجمہ راوی نے عربی زبان میں بیان کردیا (رطانه) راء کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے حقیقت میں یہ اس کلام کو کہا جاتا ہے جو کسی کی سمجھ میں نہ آئے پھر اس کا اطلاق عجمی کلام پر ہونے لگا کیونکہ عرب عربی لغت کے علاوہ کسی لغت کو نہیں سمجھتے تھے تو انہوں نے عربی کلام کے علاوہ ہر کلام کو عجمی کہدیا یعنی سمجھ سے بالاتر گونگوں کا کلام۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فارسی لغت میں اگر جواب دیا ہے اور درمیان میں کوئی ترجمان نہیں تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ عجم کے علاقوں میں جہاد کرتے کرتے صحابہ کرام نے فارسی وغیرہ زبان کچھ نہ کچھ سیکھ لی تھی یہاں ابوھریرہ کے سامنے جس بچے کا تنازعہ پیش کیا گیا تھا اسی طرح قضیہ حضور اکرمؐ کے سامنے بھی آیا تھا تو حضرت ابوہریرہؓ نے اس کا تذکرہ فرمایا البتہ یہ وہم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے غلام کو تخییر بھی دیا تھا اور قرعہ کے ساتھ فیصلہ بھی فرمایا تھا حضرت ابوہریرہ نے صرف قرعہ کو کیوں اختیار کیا اور تخییر کو کیوں نظر انداز کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے بھی حضور اکرم کی طرح تخییر اور قرعہ دونوں کے ساتھ فیصلہ فرمایا تھا جس طرح زیلعی نے ابن حبان سے روایت نقل فرمائی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "(ان اباھریرہ خیر غلاما بین ابیه و امه)" مگر راوی نے اختصار کر کے قرعہ اندازی کا ذکر کیا اور تخییر کا ذکر چھوڑ دیا، اب یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت کیا ہے جبکہ اس حدیث میں قرعہ اندازی کا واضح ثبوت ملتا ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ امام شافعی اور اسحاق بن راہویہ کا خیال ہے کہ قرعہ سے حق ثابت ہوسکتا ہے ان حضرات نے زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ قرعہ اندازی کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت یہ کہ قرعہ اندازی تطییب قلب کیلئے ہو ہر ایک کا حصہ مقرر ہو مگر راجح ومرجوح کیلئے قرعہ اندازی ہو یہ تو جائز ہے اس کا انکار احناف میں سے کسی نے نہیں کیا ہے دوسری حیثیت قرعہ اندازی کی یہ ہے کہ اس سے حق جدید کا اثبات ہوجائے ایک کو حق مل جائے دوسرا محروم ہوجائے اس طرح قرعہ اندازی کے بارے میں احناف فرماتے ہیں کہ یہ ابتدائے اسلام میں تھی جبکہ قمار کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا لیکن جب قمار اور جوئے پر پابندی لگ گئی تو قرعہ اندازی کی یہ قسم بھی منسوخ ہوگئی، خلاصہ یہ کہ قرعہ اندازی اگر احد المتساویین میں ترجیح کیلئے اور تطییب قلوب کیلئے ہو تو یہ جائز ہے اور اگر ابتداء حق جدید کے اثبات کیلئے ہو تو وہ ناجائز ہے اور منسوخ ہے طحاوی نے اس کے منسوخ ہونے کا ذکر کیا ہے باقی زیر نظر حدیث میں اصل صورت صلح کی بن گئی تھی تو حضور اکرمؐ نے قطع منازعہ کے لئے بطور صلح قرعہ اندازی کا حکم فرمایا تھا بطور حجت شرعیہ قرعہ اندازی سے فیصلہ نہیں کیا تھا۔

کتاب العتق

غلام کو آزاد کرنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿فلا اقتحم العقبة وما ادراک ماالعقبة فک رقبة﴾ (سورت بلد)

وقال تعالیٰ ﴿فتحریر رقبة مؤمنة﴾ (نساء:۹۲)

عتق: کے کئی معانی آتے ہیں (۱) بمعنی قوت اسی اعتبار سے بیت اللہ کو عتیق کہا جاتا ہے کیونکہ بیت اللہ ہر زمانہ میں ہر شخص کے دست برد اور قوت اور ملکیت کو اپنے آپ سے دفع کرتا ہے (۲) بمعنی قدیم اسی اعتبار سے بیت اللہ ایک قدیم گھر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ولیطوفوا بالبیت العتیق﴾ ﴿ثم محلها الی البیت العتیق﴾ (۳) بمعنی حسن و جمال اور شرافت و آزادی اسی اعتبار سے صدیق اکبر کو العتیق کہا گیا ہے کہ وہ خوبصورت بھی تھے شریف و سردار بھی تھے اور آگ سے آزاد بھی تھے (۴) مملوکیت سے نکلنے کے معنی میں آتا ہے یہاں کتاب میں یہی معنی مراد ہے یعنی غلامی اور مملوکیت و کمزوری سے نکل کر قوت و آزادی اور حریت کی طرف آنا یہ عتق کے لغوی معانی ہیں اور شرعی اصطلاح میں عتق کی تعریف اس طرح ہے (قوة حکمیة یصیر المرء بها اهلا للشهادة والولایة والقضاء) یعنی عتق اس حکمی اور معنوی قوت وطاقت کا نام ہے جس کے ذریعہ سے آدمی قضاء، گواہی اور تصرف کرنے کے اہل ہو جاتا ہے اسلام نے ایک کافر انسان کے غلام بنانے کی جو اجازت دی ہے تو اس کی ایک معقول وجہ ہے وہ اس طرح کہ ایک کافر جب اپنے خالق و مالک اور اپنے رازق کا باغی بن جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ جب میرا یہ بندہ میری بندگی اور غلامی اختیار نہیں کرتا تو اب یہ میرے غلاموں کا غلام بنیگا اب یہ شخص انسانوں کے زمرے سے خارج ہو کر جانوروں کے زمرے میں داخل ہو گیا ہے ﴿اولئک کالانعام بل هم اضل﴾ اب ان کے ساتھ جانوروں کا سلوک کیا جائیگا لہٰذا ان کا خریدنا فروخت کرنا خدمت میں رکھنا سب جائز ہو گیا اس مضمون کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب یہ کفار اپنے رب کی اطاعت و فرمانبرداری سے منحرف ہو گئے تو ان کی حیثیت مالک و حاکم کیلئے باغی فوج کی طرح ہو گئی اب حکومت کی وفادار فوج یعنی مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان باغیوں کی سرکوبی کریں یہاں تک کہ یہ باغی یا پلٹ کر وفاداری کا اعلان کریں یا قتل ہو جائیں اور یا قید میں آجائیں بین الاقوامی قوانین اس قاعدہ اور ضابطہ پر انگلی نہیں اٹھا سکتے بلکہ اس قاعدہ کی تائید پوری دنیا کے باشعور انسان کرتے ہیں پھر افسوس کا مقام ہوگا اگر کوئی بد باطن ملحد زندیق اسلام پر اس لئے اعتراض کرتا ہے کہ اسلام بعض سرکشوں کی گردن کشی کو قابو میں لانے کیلئے غلامی کی سزا کو تجویز کرتا ہے، پھر جب ان باغی افواج کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور بعض افراد قید ہو کر غلام بن جاتے ہیں تو اسلام ان کی بہت زیادہ نگرانی اور خیر خواہی کرتا ہے اور بڑی تاکید سے اس خیر خواہی کا حکم دیتا ہے ان کی رہائی اور آزادی کو بڑا ثواب قرار دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنے عمر مبارک کے ہر

سال کے برابر ایک غلام آزاد کیا ہے آپ نے خود ۶۳ غلام آزاد کئے حضرت عائشہ نے ۶۷ غلام آزاد کئے حضرت ابن عباسؓ نے ۷۰ غلام آزاد کئے حضرت ابن عمر نے ایک ہزار غلام آزاد کئے حضرت عبدالرحمان بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کئے اور صدیق اکبر اور عثمان غنی نے بے شمار غلام آزاد کئے الغرض غلام بنانے کے اس قانون میں بہت زیادہ حکمتیں اور بہت فوائد ہیں ایک طرف باغی مخلوق کو تازیانۂ ادب وطاعت رسید ہوتا ہے اور دوسری طرف ان کو مسلمان بننے کا موقع فراہم ہوجاتا ہے ہزاروں نہیں لاکھوں غلام مسلمان بن کر دنیا وآخرت میں کامیاب ہوکر جنت چلے گئے آخر حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ جیسے جبال العلم اور دین اسلام کے نامور سپوت بھی تو اسی غلامی کے پل پر گذر کر امت مسلمہ کے امام بن گئے ہیں تیسری طرف ان غلاموں کے آزاد کرنے والوں کو جو عظیم ثواب ملتا ہے وہ ابھی احادیث میں آپ پڑھ لیں گے بہرحال جو ملحد قسم کے لوگ اسلام کے اس حکم پر اعتراض کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اور وہ خود اس سے نہیں شرماتے کہ انہوں نے کتنے شرفاء اور کتنے آزاد اور غریب مسلمانوں اور غیر مسلموں کو ناحق غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔

خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم　　شرم تم کو مگر نہیں آتی

غلام آزاد کرنے کیلئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا آقا بالغ ہو نابالغ بچہ نہ ہو عقلمند ہو مجنون نہ ہو جس غلام کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو اور خود مختار ہو بعض صورتوں میں غلام کو آزاد کرنا واجب ہے جیسے کفارہ میں ہوتا ہے بعض صورتوں میں مستحب ہے بعض صورتوں میں مباح ہے جیسے کسی کے ایصال ثواب کیلئے غلام کو آزاد کیا جاتا ہے بعض صورتوں میں غلام آزاد کرنا محض ثواب اور عبادت کا عمل ہوتا ہے جیسے کسی غلام کو محض رضائے الٰہی کے حصول کیلئے آزاد کیا اور بعض صورتوں میں غلام آزاد کرنا گناہ ہے جبکہ آزادی کے بعد اس کی بدمعاشی اور فساد کا خطرہ ہو یا مرتد ہونے کا خوف ہو۔

الفصل الاول

بردہ کو آزاد کرنے کا اجر

﴿۱﴾ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اعتق رقبۃ مسلمۃ اعتق اللّٰہ بکل عضو منہ عضوا من النار حتّٰی فرجہ بفرجہ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بردہ کو غلامی سے نجات دیگا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس بردہ کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس بردہ کی شرمگاہ کے بدلے (نجات دے گا) بخاری ومسلم۔

توضیح

رقبة مسلمة: . یہاں مسلمان گردن کی قید کوئی احترازی قید نہیں ہے بلکہ صرف افضل اور ثواب میں اضافہ کی طرف اشارہ ہے ورنہ غیر مسلم کے آزاد کرنے میں بھی بہت ثواب ہے (بکل عضو) اعضاء کے ذکر کرنے کے بعد فرج اور شرمگاہ کا ذکر بطور خاص یا تو اس لئے کیا گیا تا کہ کلام میں خوب ترغیب وتشویق پیدا ہو جائے یا اس عضو کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس سے زنا جیسا بڑا گناہ سرزد ہوتا ہے تو اشارہ کر دیا گیا کہ غلام آزاد کرنے سے اتنے بڑے جرائم بھی معاف ہو جاتے ہیں چھوٹے جرائم کا کیا کہنا اعضاء کے اس تذکرہ کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے کہ آزاد کرنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی جنس کی مثل کو آزاد کرے یعنی اگر مرد ہے تو وہ مرد غلام کو آزاد کرے اور اگر عورت ہے تو وہ عورت کو آزاد کرے تا کہ اعضاء کا خوب تقابل ہو جائے نیز مقطوع الذکر اور خصی غلام نہ ہو تو اس کا آزاد کرنا اولیٰ وافضل ہے ملا علی قاریؒ نے مرقاۃ میں صاحب فتح القدیر ابن ہمام کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ غلام آزاد کرنے کے محاسن اور فضائل کسی پر مخفی نہیں اس لئے کہ آزاد کرنے سے غلام کفر کے اثرات سے آزاد ہو جاتا ہے جو درحقیقت موت کے مترادف ہیں کیونکہ غلامی میں آدمی کو نہ اختیار ہوتا ہے نہ اس میں گواہی اور حکمرانی کی اہلیت ہوتی ہے نہ جمعہ وعیدین میں شریک ہو سکتا ہے اور نہ حج وجہاد میں آزادانہ طور پر جا سکتا ہے نہ کسی چیز میں تصرف کر سکتا ہے تو یہ غلامی معنوی طور پر موت ہے جیسا کہ کافر بھی معنوی طور پر مردہ ہے اب اگر کوئی مسلمان کسی غلام کو آزادی دیتا ہے تو گویا اس نے اس غلام کو نئی زندگی عطا کی اسی حکمت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے ہاں آزاد کرنے والا دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے اور اسکا ہر ہر عضو دوزخ سے نجات پا جاتا ہے اور اسی لئے اعتاق کے بے پناہ فضائل احادیث میں وارد ہیں۔

سب سے افضل عمل کونسا ہے

﴿۲﴾ وعن ابی ذرٌ قال سالت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای العمل افضل قال ایمان باللّٰہ وجہاد فی سبیلہ قال قلت فای الرقاب افضل قال اغلاھا ثمنا وانفسھا عند اھلھا قلت فان لم افعل قال تعین صانعا او تصنع لاخرق قلت فان لم افعل قال تدع الناس من الشر فانھا صدقۃ تصدق بھا علی نفسک (متفق علیہ)

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل بہتر ہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ابوذرؓ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا کونسا بردہ آزاد کرنا بہتر ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا جو گراں قیمت ہو اور اپنے مالک کو بہت پیارا ہو۔ میں نے عرض کیا کہ اگر

میں ایسا نہ کرسکوں؟ (یعنی از راہ کسل نہیں بلکہ از راہ عجز وعدم استطاعت ایسا غلام آزاد نہ کرسکوں؟) آنحضرتؐ نے فرمایا کام کرنے والے کی مدد کرو یا جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو اس کی وہ چیز بنا دو۔ میں نے عرض کیا اگر میں یہ (بھی) نہ کرسکوں (تو کیا کروں؟) آنحضرتؐ نے فرمایا لوگوں کو برائی پہونچانے سے اجتناب کرو۔ یاد رکھو! یہ ایک اچھی خصلت ہے جس کے ذریعہ تم اپنے نفس کے ساتھ بھلائی کرتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

العمل افضل:۔ ایمان کے افضل ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں ہے اس لئے کہ ایمان کے بغیر کسی عمل کا کوئی اعتبار نہیں ہے لیکن علماء نے اس میں کلام کیا ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل آیا جہاد ہے یا نماز ہے صاحب فتح القدیر نے اس پر کلام کیا ہے بہر حال علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل جہاد ہے زیر بحث حدیث ان حضرات کی دلیل ہے اسی طرح کتاب الحج کی ابتدائی احادیث میں سے حضرت ابوھریرہ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں (**قال سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى العمل افضل قال ايمان بالله ورسوله قيل ثم ماذا قال الجهاد في سبيل الله**) (مشکوۃ صفحہ ۲۲۱) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد جہاد تمام اعمال میں سے افضل عمل ہے اسی طرح بخاری شریف کی ایک روایت ہے (**جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال دُلَّنِیْ على عمل يعدل الجهاد قال لا اجده**) (بخاری) یعنی یا رسول اللہ مجھے اسلام میں ایسا عمل بتا دیں جو جہاد کے ہم پلہ اور جہاد کا مساوی ہو آنحضرت نے فرمایا میں جہاد کا مساوی عمل نہیں پاتا ہوں، اس روایت سے بھی ان لوگوں نے ایمان کے بعد جہاد کی افضلیت پر استدلال کیا ہے دوسری طرف علماء کا ایک بہت بڑا طبقہ اس طرف گیا ہے کہ ایمان کے بعد افضل عمل نماز ہے کتاب الصلوٰۃ میں حضرت ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ایمان کے بعد افضل عمل "**الصلوٰة لوقتها**" ہے (مشکوۃ صفحہ ۵۸) وہاں اس حدیث پر حاشیہ میں صاحب لمعات نے پوری تفصیل فرمائی ہے اور بندہ نے بھی توضیحات جلد اول میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، یہاں نماز اور جہاد کے متعلق تطبیق کی صورت علماء نے یہ بتائی ہے کہ علی الاطلاق اور عمومی فضیلت نماز کو حاصل ہے اگر چہ جہاد کی فضیلت بھی موجود ہے اس سے بہتر تطبیق یہ ہے کہ جہاد جب فرض کفایہ کے درجہ میں ہو تو نماز اس سے افضل ہے کیونکہ نماز ہر حالت میں فرض عین ہے لیکن اگر جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر جہاد نماز سے افضل ہو جاتا ہے (**تعين صانعا**) صانع صنعت پیشہ تاجر اور کاریگر کو کہتے ہیں یعنی جس کاریگر اور پیشہ ور اور صاحب تجارت آدمی کا کاروبار نہیں چلتا یا اس کا خرچہ اس کے عیال کیلئے کافی نہیں ہے یا وہ شخص کاریگر تو ہے مگر کام بنانے سے عاجز ہے تو ایسے شخص کی مدد کرو خواہ جس صورت میں ہوتا کہ اس کا کاروبار چلنے لگ جائے (**او تصنع لاخرق**) اخرق اناڑی ناتجربہ کار او

کاروبار کرنے سے جاہل آدمی کو کہا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک ماہر صاحب فن آدمی ہے اس کو چاہئے کہ کاروبار اور صنعت وحرفت اور مہارت سے ناواقف آدمی کے ساتھ اپنے فن میں مدد کرے دونوں جملوں کا مطلب ایک مسلمان بھائی کے ساتھ مدد کرنے کی ترغیب ہے۔

الفصل الثانی

﴿۳﴾عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِی عَمَلًا یُدْخِلُنِی الْجَنَّۃَ قَالَ لَئِنْ کُنْتَ اَقْصَرْتَ الْخُطْبَۃَ لَقَدْ اَعْرَضْتَ الْمَسْئَلَۃَ اَعْتِقِ النَّسَمَۃَ وَفُکَّ الرَّقَبَۃَ قَالَ اَوَلَیْسَا وَاحِدًا قَالَ لَا، عِتْقُ النَّسَمَۃِ اَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِھَا وَفَکُّ الرَّقَبَۃِ اَنْ تُعِیْنَ فِیْ ثَمَنِھَا وَالْمِنْحَۃَ الْوَکُوْفَ وَالْفَیْئَ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الظَّالِمِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْآنَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِکَ فَکُفَّ لِسَانَکَ اِلَّا مِنْ خَیْرٍ.

(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے ذریعے میں (ابتدائی مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) جنت میں داخل ہو جاؤں؟ آپؐ نے فرمایا اگرچہ تم نے سوال کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے لیکن بڑی اہم تفصیل طلب دریافت کی ہے (پھر آپؐ نے اس کو یہ عمل بتایا کہ) تم جان کو آزاد کرو اور بردہ کو نجات دو۔ دیہاتی نے عرض کیا کہ کیا یہ دونوں باتیں (یعنی جان کو آزاد کرنا اور غلام کو نجات دینا) ایک ہی نہیں ہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ جان کا آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم اس کو آزاد کرنے میں تنہا اور مستقل ہو اور بردہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس کی مدد کرو (نیز جنت میں داخل کرنے والا یہ عمل بھی ہے کہ تم کسی محتاج کو) شیر دار منحہ دو اور اس ظالم رشتہ دار پر مہربانی اور احسان کرو جو تم پر ظلم کرتا ہے اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو بھوکے کو کچھ کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ۔ نیز (لوگوں کو) بھلائی کی تلقین وتبلیغ کرو اور برائی سے روکو۔ اگر تم یہ (بھی) نہ کر سکو تو پھر (کم سے کم اتنا ہی کرو کہ) بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان بند رکھو۔ (بیہقی)

توضیح

(اعتق النسمۃ وفک الرقبۃ) نسمہ روح کو کہتے ہیں اور نفس پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (اعتق) بردہ آزاد کرنے کے معنی میں ہے (وفک) فاء پر ضمہ ہے اور کاف پر تشدید مفتوح ومکسور دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے یہ بھی غلام آزاد کرنے کے

معنی میں ہے یہ دونوں لفظ معنی کے اعتبار سے قریب قریب بلکہ ایک تھے اس لئے سوال کرنے والے نے پوچھا کہ یہ دونوں تو ایک ہیں حضور اکرمؐ نے فرق بتادیا کہ عتق وہ ہوتا ہے کہ مثلاتم نے تنہا کسی کو آزاد کیا اس آزادی میں تم مستقل ہو اور (فک) وہ ہوتا ہے کہ مثلا کسی غلام کی رہائی میں تم نے کسی کے ساتھ پیسہ میں مدد کی ہو، اس باریک فرق سے یہ بات واضح ہوگئی کہ شارع کے کلام کو بالکل سرسری نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ شارع بھی باریک اشاروں میں کبھی مسئلہ بیان کرتا ہے چنانچہ قرآن وحدیث میں اس کے نظائر موجود ہیں سمجھنے کی ضرورت ہے لہٰذا معتق، مولی، مدبر، مکاتب، ام ولدہ، رقیق وغیرہ الفاظ میں فرق کرنا چاہئے (المنحة) میم کا کسرہ ہے عطیہ کے معنی میں ہوتا ہے یہاں منحہ سے وہ اونٹنی یا گائے بکری مراد ہے جو کوئی صاحب خیر کسی محتاج کو اس لئے دیتا ہے کہ جب تک اس میں دودھ ہوگا وہ دودھ حاصل کریگا جب دودھ ختم ہوجائے تو پھر مالک کو واپس کیا جائیگا عرب میں اس کا بہت زیادہ رواج تھا (الوکوف) واؤ مفتوح اور اس کے بعد کاف پر پیش ہے یہ منحہ کی صفت ہے کثیر اللبن جانور مراد ہے کہ جس کا دودھ اس طرح مسلسل ٹپک ٹپک کر گرتا ہو جس طرح چھت سے پانی ٹپک کر گرتا ہے (وکف) چھت چھوندنے کو کہتے ہیں (الفئی) رجوع اور مہربانی ونرمی کے معنی میں ہے (منحہ اور الفئی) دونوں فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں ای وامنح المنحة واثر الفئی۔

﴿۴﴾وعن عَمرِو بنِ عَبَسَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَن بَنٰی مَسجِدًا لِیُذکَرَ اللّٰهُ فِیهِ بُنِیَ لَهٗ بَیتٌ فِی الجَنَّةِ وَمَن اَعتَقَ نَفسًا مُسلِمَةً کَانَت فِدیَتُهٗ مِن جَهَنَّمَ وَمَن شَابَ شَیبَةً فِی سَبِیلِ اللّٰهِ کَانَت لَهٗ نُورًا یَومَ القِیَامَةِ (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت عمرو ابن راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی (چھوٹی یا بڑی) مسجد (نام نمود کے لئے نہیں بلکہ اس نیت سے) بنائے کہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے جنت میں ایک بڑا مکان بنایا جائے گا اور جو شخص کسی مسلمان بردہ کو آزاد کرے گا تو وہ بردہ اس شخص کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات کا سبب ہوگا اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی جہاد میں یا حج میں یا طالبعلمی میں اور یا اسلام میں جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے) بوڑھا ہو تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا (جس کے سبب وہ اس دن کی تاریکیوں سے نجات پائے گا) اس حدیث کو صاحب مصابیح نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے۔

الفصل الثالث

عالم کیلئے روایت بالمعنی جائز ہے

﴿۵﴾عن الغُرَیفِ ابنِ عَیَّاشٍ الدَّیلَمِیِّ قَالَ اَتَینَا وَاثِلَةَ بنَ الاَسقَعِ فَقُلنَا حَدِّثنَا حَدِیثًا لَیسَ فِیهِ زِیَادَةٌ

وَلَانُقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ اِنَّ اَحَدَکُمْ لَیَقْرَأُ وَمُصْحَفُهٗ مُعَلَّقٌ فِی بَیْتِهٖ فَیَزِیْدُ وَیَنْقُصُ فَقُلْنَا اِنَّمَا اَرَدْنَا حَدِیْثًا سَمِعْتَهٗ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی صَاحِبٍ لَنَا اَوْجَبَ یَعْنِی النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ اَعْتِقُوْا عَنْهُ یُعْتِقُ اللّٰهُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت غریف ابن عیاش دیلمی (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم حضرت واثلہؓ بن اسقع کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سے کوئی حدیث بیان کیجئے جس میں کمی بیشی نہ ہو۔ حضرت واثلہؓ (یہ بات سنکر) غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم (شب وروز) قرآن کریم پڑھتے ہو اور تمہارا قرآن کریم تمہارے گھر میں لٹکا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود (ازراہ سہو وخطا) کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے (یعنی جب کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا قرآن کریم اس کے گھر میں یا اس کے پاس موجود ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے کہیں کوئی شبہ ہو تو وہ قرآن دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود تلاوت میں غلطی سے کوئی لفظ چھوڑ دیتا ہے یا کوئی لفظ بڑھا دیتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ضبط وتکرار اور پوری طرح احتیاط کے باوجود نقل روایت میں الفاظ کی کمی بیشی کا ہو جانا ضروری ہے) ہم نے عرض کیا کہ ہمارا مطلب تو صرف یہ ہے کہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیث سنی ہو ہمیں سنایئے، چنانچہ حضرت واثلہؓ نے یہ حدیث بیان کی (ایک دن) ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک دوست کا معاملہ لے کر آئے جس نے (خودکشی کر کے یا دوسرے کو عمداً) قتل کر کے اپنے لئے دوزخ کی آگ کو واجب کر لیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی طرف سے (غلام) آزاد کرو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے قاتل کے ہر عضو کو (دوزخ) کی آگ سے نجات دے گا۔ (ابوداؤد)

توضیح

فغضب: حضرت واثلہ بن اسقعؓ سمجھے کہ یہ لوگ حضور اکرمؐ کی زبان مبارک کے الفاظ بعینہ اسی طرح نقل کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں جس طرح حضور نے ارشاد فرمائے تھے اس لئے غصہ ہوئے لیکن جب ان حضرات نے صحابی کو سمجھا دیا کہ ہمارا مطلب یہ ہے تو آپ کا غصہ جاتا رہا (**ومصحفهٗ معلق**) اس وقت قرآن کریم مجلد شکل میں نہیں تھا بلکہ الگ الگ اشیاء پر مکتوب ہوتا تھا اور پھر ان تمام منتشر اوراق واشیاء کو ایک کپڑے میں باندھ کر دیوار میں لٹکائے رکھتے تھے اسی پس منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اس کلام سے معلوم ہوا کہ روایت بالمعنی کرنا جائز ہے جبکہ مفہوم ومقصود ایک ہو نخبۃ الفکر وغیرہ اصول حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ روایت بالمعنی سوائے عالم کے اور کوئی نہیں کر سکتا (**اوجب یعنی النار بالقتل**) یعنی اس

نے خودکشی کرلی تھی جس سے واجب النار ہو گیا تھا یا اس نے کسی اور آدمی کو قتل کیا تھا جس کی وجہ سے وہ واجب النار ہو گیا تھا، ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں کہ شائد یہ مقتول معاہدین میں سے ہو اور غلطی سے اس کو قتل کیا گیا ہو اور ان سائلین نے خیال کیا کہ قتل خطاء بھی موجب جہنم ہے اس لئے انہوں نے اس طرح الفاظ ادا کئے کہ وہ واجب النار تھا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ غلام آزاد کرو کفارہ کافی ہے زجاجۃ المصابیح کے حاشیہ میں اس کے مصنف نے لکھا ہے کہ غلام کے آزاد کرنے کا حکم بعد میں دیا ہوگا اور قتل کی وجہ سے جو سزا تھی وہ شائد اس سے پہلے یہ لوگ پورا کر چکے تھے۔

کسی غلام کے حق میں سفارش کرنا بہترین صدقہ ہے

﴿۶﴾ وعن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ الَّتِي بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

اور حضرت سمرہؓ ابن جندب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہترین صدقہ وہ سفارش ہے جس کے نتیجے میں (بردہ کی) گردن کو نجات حاصل ہو جائے۔ (بیہقی)

توضیح

الشفاعة: سفارش کا مطلب یہ ہے کہ سفارش کر کے کسی غلام کو آزاد کرا دیا یا کوئی شخص اپنے غلام کو قتل کر دینا چاہتا ہو یا اس کو مارتا ہو یا دھمکی دیتا ہو اس تنازعہ میں سفارش کر کے اس مظلوم غلام کو بچا لینا یہ بہترین صدقہ ہے۔

باب اعتاق العبد المشترک وشری القریب والعتق فی المرض

عبد مشترک اور حالت مرض میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا﴾ (النور:۳۳)

مندرجہ بالا باب اور عنوان کے تحت جن مسائل اور احکام کے متعلق احادیث آئیں گی وہ مسائل واحکام تین قسم پر ہیں ایک تو عبد مشترک کے احکام ومسائل ہیں باب میں ایک عنوان اس کے لئے قائم ہے اور اس کے متعلق احادیث مذکور ہیں باب کا دوسرا عنوان یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کوئی غلام خرید لیا اور وہ غلام اس خریدنے والے کا قرابت دار ثابت ہوا تو صرف خریدنے سے وہ آزاد ہو جائیگا کچھ احادیث اس عنوان سے متعلق ہیں تیسرا عنوان یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرض الموت میں اپنے غلام کو آزاد کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہ تمام مسائل اور اس میں فقہاء کے اختلافات اور احادیث سے استدلالات اس باب میں بیان ہونگے نیز اس باب میں مدبر، ام ولد اور مکاتب سے متعلق احادیث بھی آئیں گی۔

مسئلة اعتاق العبد المشترک

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيمَةَ عَدْلٍ فَاُعْطِيَ شُرَكَاءُهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ (متفق علیه)

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی (مشترک) غلام کے اپنے حصے کو آزاد کردے (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہو تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی حصوں) کی قیمت لگائی جائے اور اس غلام کے دوسرے شریکوں کو ان کے حصوں کی قیمت دیدے وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے) بخاری ومسلم۔

توضیح

من اعتق شرکاله: "شرکا" کسی غلام میں کئی شرکاء میں سے کسی ایک کے حصہ کو "شِرْکًا" کہا گیا ہے۔

ایک "قِنٌ" مطلق ہے اور دوسرا "حُرٌ" مطلق ہے ان دونوں کے درمیان درجات ہیں مثلاً مکاتب، مدبر، ام ولد اور معتق البعض ان سب کے الگ الگ احکام ہیں حضرت ابن عمر کی مذکورہ حدیث میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دو آدمیوں کے درمیان ایک غلام مشترک ہو اور ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو اب کیا ہوگا اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو اس کو چاہئے کہ شریک کے حصہ کی قیمت بھی ادا کردے اور پورا غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائیگا اور ولاء بھی آزاد کرنے والے کو ملے گی اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہو تو صرف اسی کا حصہ آزاد ہو جائیگا اور اس کے شریک کا حصہ غلام رہے گا ان کے ہاں غلام کے اعتاق میں تجزی جائز ہے لہٰذا آدھا آزاد ہے آدھا غلام ہے ایک دن یہ اپنے مالک کی خدمت میں گذاریگا اور ایک دن آزاد اور فارغ عیش کریگا۔

صاحبین:۔

امام ابو یوسف اور امام محمد یعنی صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو غلام کی بقیہ آدھی قیمت دوسرے شریک کو ادا کردیگا اور غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائیگا اور ولاء کا حق بھی اس کو ملے گا اور اگر آزاد کرنے والا غریب ہو تو غلام خود سعی و محنت کر کے پیسہ کمائیگا اور اپنی نصف قیمت شریک مالک کو دیکر آزادی حاصل کریگا اس کو استسعاء کہا جاتا ہے بہر حال صاحبین کے نزدیک ہر صورت میں غلام آزاد ہو جائیگا کیونکہ ان کے نزدیک (اعتاق تجزی) کو قبول نہیں کرتا ہے اور اس آزاد کرنے والے نے اپنے شریک کے غلام کے حصہ کو برباد کردیا لہٰذا بطور ضمان اپنے شریک کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کریگا اگر اس کے پاس مال ہے ورنہ غلام سے استسعاء لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ:۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر مشترک غلام کو آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اس کے شریک ساتھی کو تین باتوں کا اختیار حاصل رہیگا یا تو وہ بھی اپنا حصہ آزاد کردے ولاء میں دونوں شریک رہیں گے یا وہ آزاد کرنے والے اپنے ساتھی سے بطور تاوان اپنے حصہ کا دام لے لے اور یا غلام سے سعی کرا کر اپنا حصہ وصول کرے، اگر آزاد کرنے والا خود غریب ہے تو اس کے شریک ساتھی کو دو باتوں کا اختیار حاصل رہیگا یا تو وہ بھی للہ فی سبیل اللہ اپنا حصہ آزاد کردے اور یا غلام سے سعی کرائے اور اپنا حق وصول کرے۔

اعتاق میں تجزی کی بحث

یہ ایک الگ پیچیدہ بحث ہے کہ آیا اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟ جمہور کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے امام ابوحنیفہ کے ہاں بھی اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے البتہ فقہی اور اجتہادی اختلاف کی وجہ سے مسئلہ میں فرق آگیا جو اوپر بیان کیا گیا صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ اعتاق قطعاً تجزی کو قبول نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ مشترک غلام کا کوئی بھی حصہ اگر کسی ایک شریک نے آزاد کر دیا تو پورا غلام اسی وقت آزاد ہو جائیگا اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے مسئلہ کے ثمرات اور نتائج پر اثر پڑا ہے اور فقہاء میں اختلاف آگیا ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ امام ابوحنیفہ جس اعتاق کے تجزی اور عدم تجزی کی بات فرماتے ہیں وہ اعتاق بمعنی ازالۃ ملک ہے یعنی ایک شریک کی ملک زائل ہوگئی اور دوسرے کی ملک باقی ہے اور صاحبین جس اعتاق کو غیر متجزی کہتے ہیں وہاں اعتاق بمعنی اثبات الحریۃ ہے لہٰذا جب ایک شریک نے اپنا حصہ آزاد کیا تو پورا غلام آزاد ہو گیا اور دوسرے شریک کو نقصان پہنچا تو اس میں تضمین یا استسعاء لازم ہے ائمہ احناف کے آپس میں جو اختلاف ہے یہ درحقیقت اعتاق کی تفسیر میں ہے صاحبین نے اعتاق کی تفسیر ازالۂ حریت سے کی ہے اور ازالۂ حریت میں تجزی کا کوئی بھی قائل نہیں اور امام ابوحنیفہ نے اعتاق کی تفسیر ازالۂ ملک سے کی ہے اور ازالۂ ملک میں تجزی کے سب فقہاء قائل ہیں لہٰذا یہ اختلاف گویا لفظی اختلاف ہے یا تعبیر وتفسیر کا اختلاف ہے، اس مسئلہ کی پوری بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ جمہور کے نزدیک مشترک غلام کے آزاد کرنے والا اگر حالت یسار میں ہے تو وہ اپنے شریک کو ضمان ادا کریگا اور اگر حالت اعسار وتنگدستی میں ہے تو شریک کیلئے نہ ضمان ہے اور نہ استسعاء ہے بس جتنا غلام آزاد ہو گیا وہ حصہ آزاد رہیگا اور جتنا حصہ باقی رہ گیا وہ غلام ہے ایک دن اپنے آدھے حصہ کے مالک کی خدمت کریگا اور دوسرے دن آزاد پھرے گا ان حضرات کے ہاں اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے امام ابوحنیفہ اس صورت میں فرماتے ہیں کہ معتق کی حالت یسار میں ان کے شریک کو تین باتوں کا اختیار حاصل ہے (۱) تضمین (۲) استسعی (۳) للہ فی اللہ آزاد کرنا۔ اور معتق کی حالت اعسار میں اس کے شریک کو دو باتوں کا اختیار حاصل ہے (۱) یا مجاناً اپنا حصہ آزاد کرنے یا غلام سے استسعٰی کرائے امام صاحب کے ہاں بھی اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے صاحبین کے نزدیک ایک حصہ کی آزادی کی صورت میں پورا غلام ہر صورت میں آزاد ہو جائیگا کیونکہ اعتاق میں صاحبین کے ہاں تجزی نہیں ہے لہٰذا معتق پر حالت یسار میں اپنے شریک کیلئے تضمین لازم ہے اور حالت اعسار میں غلام پر سعی لازم ہے۔

چند اصطلاحی الفاظ کی تشریح

اس بحث میں چند ثقیل الفاظ کی تشریح ضروری ہے تاکہ قارئین کیلئے آسانی ہو۔

(۱) تضمین

اس کا معنی ضمان ادا کرنا اور تاوان بھرنا ہے مطلب یہ کہ جب مالدار ساتھی نے دوسرے ساتھی کے ساتھ شریک غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تو وہ اپنے ساتھی کے حصہ کا تاوان بھریگا۔

(۲) استسعی

یہ طلب محنت وکسب اور کمائی طلب کرنے کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ غلام آزاد کرنے والا جب تنگدست اور فقیر ہو تو اس کا دوسرا شریک ساتھی غلام سے اپنے حصے کی قیمت کے برابر کمائی وصول کریگا۔

(۳) ولاء

جو شخص غلام کو آزاد کرے تو غلام کے مرنے کے بعد اس کی میراث آزاد کرنے والے کو ملتی ہے اسی میراث کا نام ولاء ہے اگر دو آدمیوں نے غلام کو آزاد کیا تو ولاء دونوں کو ملے گی۔

(۴) معتق

یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی آزاد کرنے والا کسی غلام کو آزاد کرنے والے کو معتق کہتے ہیں۔

(۵) تجزی

یہ لفظ یہاں اعتاق کے ساتھ استعمال ہوا ہے یہ جزء جزء اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے معنی میں ہے اعتاق میں تجزی ہے کا مطلب یہ ہے کہ جزوی اعتاق اور جزوی آزادی معتبر ہے۔

(۶) حالت یسار

یسار مالداری کو کہتے ہیں حالت یسار یعنی مالداری کی حالت اور حالت اعسار یعنی تنگ دستی کی حالت۔

(۷) مجانا: یعنی مفت آزاد کرنا۔

فقہاء کے دلائل

جمہور نے فصل اول کی پہلی حدیث یعنی زیر بحث حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جمہور فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بالکل واضح ہے کہ اگر آزاد کرنے والا مالدار ہے تو وہ دوسرے شریک کو صرف ضمان ادا کریگا اور اگر وہ غریب ہے تو پھر غلام ہی رہیگا کوئی اور صورت نہیں ہے، صاحبین نے بخاری ومسلم کی ابوھریرہ والی روایت سے استدلال کیا ہے جو اس باب کی حدیث نمبر۲ ہے نیز صاحبین نے فصل ثانی کی حدیث نمبر۱۰ سے بھی استدلال کیا ہے دونوں حدیثوں میں واضح طور پر

مذکور ہے کہ اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے بلکہ آزاد کرنے والا اگر مالدار ہے تو وہ اپنے شریک ساتھی کو تاوان ادا کریگا اور اگر فقیر ہے تو غلام سے سعی کرایا جائیگا حدیث کے الفاظ یہ ہیں (قال ان کان غنیا ضمن وان کان فقیرا سعی العبد فی حصة الأخر)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور اور صاحبین دونوں کے متدلات سے اپنا مسلک ثابت فرمایا ہے اور امام طحاوی نے بھی حضرت عمر فاروق کا ایک اثر بطور دلیل پیش کیا ہے شاہ انور شاہ صاحب نے مسند احمد کی ایک روایت اور مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت کو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید میں نقل کیا ہے بہرحال صاحبین کا مسلک ظاہری احادیث کے پیش نظر بہت واضح ہے اور پھر جمہور کا مسلک واضح ہے۔

﴿۲﴾وعن اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِی عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهُ مَالٌ فَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ اُسْتُسْعِیَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ (متفق علیه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص (مشترک) غلام کے اپنے حصے کو آزاد کرے گا تو وہ غلام پورا آزاد ہوجائے گا (اور یہ آزادی اس آزاد کرنے والے شخص کی طرف سے متصور ہوگی) اور اگر اس شخص کے پاس (اتنا) مال ہو (کہ وہ اپنے حصہ کے علاوہ باقی حصوں کی قیمت کی ادائیگی کر سکے تو دوسرے شرکاء کو ان کے حصوں کی قیمت دے دے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر وہ غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر (محنت مزدوری) یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے گا لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔) بخاری و مسلم۔

۲۴ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

مسئلة الاعتاق فی مرض الموت

﴿۳﴾وعن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِيْنَ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَدَعَابِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّاَهُمْ اَثْلَاثًا ثُمَّ اَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَاَعْتَقَ اِثْنَيْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيْدًا (رواه مسلم) وَرَوَاهُ النَّسَائِیُّ عَنْهُ وَذَكَرَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَااُصَلِّیَ عَلَيْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيْدًا وَفِی رِوَايَةِ اَبِی دَاوٗدَ قَالَ لَوْشَهِدْتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُدْفَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِی مَقَابِرِ الْمُسْلِمِيْنَ.

اور حضرت عمران ابن حصینؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس شخص کے پاس ان غلاموں کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا (پھر اس شخص کی وفات کے بعد جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کواس کا علم ہوا تو آپ ﷺ) نے ان غلاموں کو بلایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا اس طرح ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا اور آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہار ناراضگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے۔ اور نسائی کی روایت میں جو حضرت عمران ؓ ہی سے منقول ہے ان الفاظ کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں۔ اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (اس شخص کے حق میں بطور تنبیہ وتہدید) یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے اس کے جنازہ پر پہونچتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جاتا۔

توضیح

اعتق ستة مملوکین: مملوکین مملوک کی جمع ہے یعنی چھ غلام اس شخص نے آزاد کر دیئے اور یہی چھ غلام اس کا کل سرمایہ تھا مرض الوفات میں اس کے غلاموں سے اس کے ورثہ کا حق وابستہ ہو گیا تھا اس آزادی سے اس شخص نے ورثہ کا حق ضائع کر دیا اس لئے حضور اکرم نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور پھر غلاموں کے تین حصہ بنا کر قرعہ ڈالا تو ایک تہائی میں عتق نافذ فرمایا اور دو تہائی یعنی چار کو غلام رہنے دیا، اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض موت میں اپنے غلاموں کو آزاد کرے اور اس کے پاس ان غلاموں کے علاوہ کوئی مال نہ ہو تو یہ عتق ایک تہائی حصہ میں نافذ ہو گا اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ یہ مسئلہ کہ کون کون سے غلام آزاد ہونگے اور آزادی کی صورت وکیفیت کیا ہو گی اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور فرماتے ہیں کہ مجموعہ غلاموں کو تین تہائی پر تقسیم کیا جائیگا اور پھر ایک تہائی کی آزادی کے تعین کیلئے قرعہ ڈالا جائیگا مثلاً چھ غلاموں کی تین تہائی بنا کر قرعہ کے ذریعہ سے ایک تہائی یعنی دو آزاد ہو جائیں گے اور دو تہائی یعنی چار بدستور سابق غلام رہیں گے جو ورثاء کو ملیں گے جیسا کہ عمران بن حصین ؓ کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں جتنے غلام ہونگے ہر ہر غلام کی ایک ایک تہائی آزاد ہو جائے گی اور باقی دو ثلث کی آزادی میں غلام خود سعی ومحنت کر کے کمائیگا اور رقم لا کر مالک کو ادا کریگا اور اپنے آپ کو چھڑائیگا گویا مرض الموت کا یہ اعتاق میت کے ثلث مال میں نافذ سمجھا جائیگا اور یہ ثلث کل مال میں شائع ہو گا۔

دلائل

جمہور نے حضرت عمران بن حصین کی روایت سے استدلال کیا ہے جو ظاہری الفاظ کے لحاظ سے اپنے مدعا پر واضح دال ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ قرعہ اندازی اثبات حق کیلئے نہیں ہوتی ہے بلکہ تطییب خاطر کیلئے ہوتی ہے ہاں ابتداء

اسلام میں قرعہ اندازی اثبات حکم کیلئے ہوتی تھی مگر بعد میں جب جوا حرام قرار دیا گیا تو قرعہ اندازی کا یہ حکم بھی موقوف ہو گیا اب قرعہ اندازی صرف مقرر حصص کی تعیین کیلئے تطییب خاطر کی خاطر باقی ہے اثبات حق کے حق میں منسوخ ہے امام طحاوی نے قرعہ اندازی کی اس صورت کے منسوخ ہو جانے پر بہت دلائل پیش کئے ہیں مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت بھی اس نسخ پر دال ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (روی عبدالرزاق باسناد رجاله ثقات ان رجلا من بنی عذرة اعتق مملوکا له عند موته ولیس له مال غیره فاعتق رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلثه وامره ان یسعی فی الثلثین) اسی طرح مسند احمد کی ایک حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ہر غلام کا ایک ثلث آزاد ہو گا۔

جواب

اس حدیث کا تعلق حرمت قمار سے پہلے کے زمانہ سے ہے جب قمار کی حرمت کا حکم آیا تو اثبات حق کیلئے قرعہ اندازی کا حکم بھی حرام ٹھہرا قرآن وحدیث میں قمار کی حرمت کوئی پوشیدہ امر نہیں ہے لہٰذا اثبات حق کیلئے قرعہ اندازی کا حکم منسوخ ہو گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا واقعہ ایک جزئی واقعہ ہے اس کو ضابطہ نہیں بنایا جا سکتا حدیث میں کئی احتمالات بھی ہو سکتے ہیں اور اس کے الفاظ میں اضطراب بھی ہے بعض میں آزاد کرنے کے اور بعض میں مدبر بنانے کے الفاظ ہیں بعض میں چھ غلاموں کا ذکر ہے اور بعض میں ایک غلام کا ذکر ہے۔

باپ کا حق کیسے ادا ہو سکتا ہے

﴿۴﴾وعن ابی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایَجْزِی وَلَدٌ وَالِدَهٗ اِلَّا اَنْ یَجِدَهٗ مَمْلُوْکًا فَیَشْتَرِیَهٗ فَیُعْتِقَهٗ (رواه مسلم)

اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے۔ (مسلم)

توضیح

فیعتقه: اگر کوئی شخص اپنے کسی ذی رحم محرم یا خصوصا باپ کا مالک بن جائے اور وہ کسی طریقہ سے اس کی ملکیت میں آجائے تو وہ آزاد ہو کر رہے گا اس میں تو کسی کا اختلاف نہیں البتہ اس آزادی کی کیفیت اور تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

اہل ظواہر غیر مقلدین حضرات کے نزدیک ذی رحم محرم صرف خریدنے سے آزاد نہیں ہو گا بلکہ خریدنے کے بعد آزاد

کرنا پڑیگا تب جا کر آزاد ہو جائے گا جمہور فقہاء کے نزدیک صرف مالک بننے سے آزاد ہو جائیگا آزاد کرنے کی ضرورت نہیں۔

دلائل

اہل ظواہر حضرت ابوھریرہؓ کی زیر نظر روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں (فیعتقہ) کے الفاظ میں فا تعقیب مع الوصل کیلئے ہے یعنی پہلے خرید لیا اور خریدنے کے بعد بیٹے نے باپ کو آزاد کر دیا معلوم ہوا صرف مالک بننے سے آزاد نہیں ہوتا ہے بلکہ مالک بننے کے بعد آزاد کرنا ضروری ہے۔

جمہور فقہاء نے حضرت سمرۃؓ کی آنے والی روایت نمبر ٦ سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں (من ملک ذارحم محرم فھو حر) اسی طرح حضرت ابن عمر کی روایت ہے جس کو امام نسائی نے نقل کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (عن ابن عمر انه علیه السلام قال من ملک ذا رحم محرم عتق علیه) ان دونوں حدیثوں میں نفس ملک پر اعتاق کا حکم لگایا گیا ہے مستقل آزادی کا کوئی ذکر نہیں ہے معلوم ہوا صرف مالک بننا ہی آزادی کیلئے کافی ہے۔

جواب

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں (فیعتقہ) میں فاسببیت کیلئے ہے اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہوگا کہ وہ اپنے باپ کو غلام پائے اور اس کو اس لئے خرید لے تا کہ اس کو آزاد کرے اس مسئلہ کی کچھ تفصیل حضرت سمرہ کی حدیث نمبر ٦ میں بھی آرہی ہے۔

مدبر غلام کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

﴿۵﴾وعن جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوکًا وَلَمْ یَکُنْ لَهٗ مَالٌ غَیْرُهٗ فَبَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ یَشْتَرِیْهِ مِنِّی فَاشْتَرَاهُ نُعَیْمُ ابْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ(متفق علیه)وَفِی رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ فَاشْتَرَاهُ نُعَیْمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعَدَوِیُّ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا اِلَیْهِ ثُمَّ قَالَ اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ فَتَصَدَّقْ عَلَیْهَا فَاِنْ فَضَلَ شَیْءٌ فَلِاَهْلِکَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ اَهْلِکَ شَیْءٌ فَلِذِیْ قَرَابَتِکَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ ذِیْ قَرَابَتِکَ شَیْءٌ فَهٰکَذَا وَهٰکَذَا یَقُوْلُ فَبَیْنَ یَدَیْکَ وَعَنْ یَمِیْنِکَ وَشِمَالِکَ.

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک انصاری نے اپنے غلام کو مدبر کیا اور اس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہونچی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟

چنانچہ ایک شخص نعیم ابن نحام نے اس غلام کو آٹھ سو درھم کے عوض خرید لیا۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ چنانچہ ایک شخص نعیم ابن عبداللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا انہوں نے آٹھ سو درہم نبی کریم صلی اللہ کی خدمت میں پیش کیئے اور نبی کریم صلی اللہ نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اور اس کے ذریعہ ثواب حاصل کرو اور اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے قرابت داروں پر خرچ کرو اور اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اور اس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ) اس کو اپنے آگے اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ واسطے دے دو)۔

توضیح

دبر مملوکا:۔ غلام کو مدبر بنانا اس طرح ہوتا ہے کہ مالک اپنے غلام سے کہدے کہ تم میری موت کے بعد آزاد ہو (**یعنی اثبات العتق عن دبر**) مدبر دو قسم پر ہے ایک مدبر مطلق ہے دوسرا مدبر مقید ہے مدبر مطلق وہ ہوتا ہے کہ مالک اس کو یہ کہدے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور مدبر مقید وہ ہوتا ہے کہ مالک اس کو یوں کہدے کہ میری اس موجودہ بیماری میں اگر میں مرگیا تو تم آزاد ہو اب مدبر مطلق کے بیچنے یا نہ بیچنے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعی اور امام احمد بن محمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مدبر کا فروخت کرنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ ایسا غلام جو مدبر ہو اس کا آزاد کرنا تو جائز ہے لیکن اس کا فروخت کرنا یا کسی کو ہبہ کرنا یا کسی طور پر اپنے ملک سے نکال کر دوسرے کی ملک میں دینا جائز نہیں ہاں اپنے پاس بطور خادم وغلام رکھ سکتا ہے اگر لونڈی ہے تو اس سے جماع بھی کر سکتا ہے اور دوسرے کے نکاح میں بھی دے سکتا ہے لیکن اپنی ملک سے نکالنا جائز نہیں مدبر مقید کا حکم اس سے مختلف ہے اس کا فروخت کرنا جائز ہے ہبہ کرنا جائز ہے اپنے پاس رکھنا بھی جائز ہے اور اپنی ملک سے نکالنا بھی جائز ہے اور مالک کی موت سے مدبر مقید بھی اسی طرح آزاد ہوگا جس طرح کہ مدبر مطلق آزاد ہوتا ہے۔

دلائل

شوافع وحنابلہ نے زیر بحث حضرت جابر کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ بالکل واضح ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا (**من یشتریہ**) حضرت نعیم کے بارے میں ہے کہ (**فاشتراہ**) تو اس خرید وفروخت میں کوئی شبہ نہیں ہے لہٰذا مدبر کی بیع جائز ہے، ائمہ احناف اور مالکیہ نے حضرت ابن مسعود، حضرت عمر، حضرت عثمان وغیرہ اکثر صحابہ وتابعین کی

روایات وآثار سے استدلال کیا ہے چنانچہ بدائع صنائع میں امام ابوحنیفہ کا یہ مقولہ منقول ہے آپ نے فرمایا (لو لاقول هئولاء الاجلة لقلت بجواز بیع المدبر) اگر علم کے ان پہاڑوں کا قول سامنے نہ ہوتا تو میں مدبر کی بیع کے جواز کا فتویٰ دیتا، احناف و مالکیہ نے دارقطنی کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں (المدبر لایباع ولایوهب وهو حر من ثلث المال) (بحوالہ نصب الرایۃ جلد۳ صفحہ ۲۸۵) یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن غیر مدرک بالقیاس کی صورت میں موقوف حدیث مرفوع کے حکم میں ہو جاتی ہے۔

جواب

مذکورہ حدیث سے ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مُدبر مقید پر محمول ہے اور مدبر مقید کی بیع میں ہمارا اختلاف نہیں ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے اس مدبر کی مدبریت ختم فرمائی اور اس کے بعد اسے فروخت کیا یہ آنحضرتؐ کی خصوصیت تھی تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں بیع کا اطلاق اجارہ پر ہوا ہے اور اجارہ پر بیع کا اطلاق ہوتا رہتا ہے تو یہاں بیع سے بیع الخدمۃ یعنی اجارہ مراد ہے اور بعض روایات سے ثابت ہے کہ اس مدبر کو آٹھ دراہم اجارہ پر دیا تھا (نصب الرایہ جلد۳ صفحہ ۲۸۶)

تنبیه

مشکوٰۃ شریف کے تمام نسخوں میں یہاں نعیم بن نحام لکھا ہوا ہے شارحین کہتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے کیونکہ نعیم اس صحابی کا نام ہے اور نحام ان کا لقب ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میں جنت میں جب داخل ہوا تو میں نے نعیم کا (نحمة) سنا نحمہ دبی ہوئی آواز یا کھانسنے کھنکھارنے کی آواز کو کہتے ہیں اسی سے ان کا لقب نحام پڑ گیا ورنہ ان کے والد کا نام عبداللہ ہے حضرت نعیم مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوئے تھے پھر صلح حدیبیہ کے زمانہ میں مدینہ ہجرت فرمائی آپ کے ساتھ خاندان کے چالیس افراد بھی تھے آپ سرزمین شام میں ایک غزوہ میں شہید ہو گئے تھے (مرقات ملاعلی قاری)۔

ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے

الفصل الثانی

﴿۶﴾عن الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَحُرٌّ (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه)

حضرت حسن بصریؒ حضرت سمرۃؓ سے اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ ہبہ یا وراثت کے ذریعہ) اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

توضیح

من ملک ذارحم محرم: ذی رحم محرم سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا آپس میں کبھی بھی نکاح نہیں ہوسکتا ہو مثلاً چچا، بھتیجی، پھوپھی، خالہ، نانا، نانی، دادا، دادی اصول وفروع اب فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کون سی قرابت موجب حریت ہے اور کون سی نہیں ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعی کے ہاں قرابت ولادت یعنی اصول وفروع موجب حریت ہے لہٰذا یہ حریت آباء واجداد امہات اور جدات او پر تک اور ابناء وبنات نیچے تک میں ثابت ہوگی اور قرابت اخوت وغیرہ میں حریت ثابت نہیں ہوگی، احناف ومالکیہ اور حنابلہ جمہور فرماتے ہیں کہ ہر قسم کی قرابت والا جب اپنے ذی رحم محرم کا مالک بنے گا تو وہ غلام آزاد ہوجائیگا خواہ قرابت ولادت ہو یا قرابت اخوت ہو۔

دلائل:۔

شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ مالک وآقا کی رضامندی کے بغیر صرف خریدنے سے غلام کا آزاد ہوجانا خلاف القیاس ہے لیکن قرابت ولادت یعنی اصول وفروع میں یہ حکم خلاف القیاس ثابت ہوگیا ہے لہٰذا یہ نص اپنے مورد میں بند ومنحصر ہوگی تو اصول وفروع کے سوا اخوت وغیرہ کو شامل نہیں ہوگی، جمہور نے حضرت سمرہؓ کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مفہوم ومضمون میں مطلق ہے جہاں ذی رحم محرم کے الفاظ آئے ہیں لہٰذا اس مطلق کو اپنے اطلاق پر جاری رکھنا ہوگا اس میں قرابت ولادت کی کوئی تخصیص نہیں ہے تو اصول وفروع اور اخوت وغیرہ سب کو شامل رہے گی، شوافع کو جواب یہ ہے کہ جب صریح حدیث موجود ہے تو قیاس کی کیا ضرورت ہے۔

مسئلة بيع ام الولد

﴿۷﴾وعن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَاوَلَدَتْ اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْبَعْدَهُ (رواه الدارمی)

اور حضرت عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب کسی شخص کی لونڈی اس کے (نطفہ) سے بچہ جنے تو وہ لونڈی اس شخص کے مرنے کے پیچھے یا یہ فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہوجائے گی۔ (دارمی)

﴿۸﴾وعن جابرٍ قَالَ بِعْنَا اُمَّهَاتِ الْاَوْلَادِ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِی بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا (رواه ابو داؤد)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں بچوں کی ماؤں (ام ولدہ) کو بیچا لیکن حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ہمیں ان کو بیچنے سے منع کر دیا اور ہم اس سے باز رہے (رواہ ابوداؤد)

توضیح

اذاولدت امة الرجل :. ام ولدہ اس باندی کو کہتے ہیں کہ مولی کے جماع کرنے سے اس کا بچہ پیدا ہو گیا ہو ام ولدہ کے فروخت کرنے نہ کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

اہل ظواہر غیر مقلدین حضرات فرماتے ہیں کہ ام ولدہ کا بیچنا جائز ہے لیکن جمہور فقہاء و تابعین کے نزدیک ام ولدہ کا بیچنا جائز نہیں ہے شیخ ابن قدامہ نے عدم جواز پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔

دلائل

اہل ظواہر حضرت جابرؓ کی حدیث نمبر ۸ سے استدلال کرتے ہیں کہ (**بعنا امهات الاولاد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم**) جمہور حضرت ابن عباس کی حدیث نمبر ۷ سے استدلال کرتے ہیں جس میں (**فهى معتقة**) کے الفاظ آئے ہیں تو جب بچہ جنم لینے سے ام ولدہ آزاد ہو گئی اور اس پر عتق کا حکم لگ گیا تو پھر اس کا فروخت کرنا کیسے جائز ہوگا، جمہور کی دوسری دلیل حضرت ماریہ قبطیہ کا واقعہ ہے یہ حضور اکرم کی باندی تھیں جو مقوقس بادشاہ نے بطور تحفہ مصر سے آپ کی خدمت کیلئے بھیجی تھی ان کے بطن سے جب ابراہیم پیدا ہوئے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا (اعتقها ولدها) (ابن ماجہ و دار قطنی)

جمہور کی تیسری دلیل زیر بحث حضرت جابرؓ کی حدیث نمبر ۸ ہے جس میں امہات اولاد کے بیچنے کی ممانعت حضرت عمر نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد فرمائی تمام صحابہ کرام نے قبول فرمایا تو عدم جواز پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اہل ظواہر اکثر و بیشتر ان مسائل کا انکار کرتے ہیں جو صحابہ کرام کے عہد مبارک میں منضبط ہو گئے ہوں تین طلاقوں کی بحث میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

جواب

اہل ظواہر کو جواب یہ ہے کہ پہلے ام ولدہ کا فروخت کرنا جائز تھا پھر منسوخ ہو گیا صدیق اکبرؓ کا عہد مختصر تھا داخلی اور

بیرونی خطرات تھے اس لئے آپ مسائل کے منضبط کرنے کیلئے فارغ نہیں تھے پھر عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ام ولدہ کے فروخت کرنے پر پابندی لگی اور عدم جواز کا عام اعلان ہوگیا عمر فاروق کے دور کا یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے ہیں یہ صحابہ کرام کے مشورہ اور اتفاق سے ہوتا تھا جو اجماع امت کی حیثیت رکھتا ہے۔

معتق غلام کے مال کا حکم

﴿۹﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهُ اِلَّااَنْ يَشْتَرِطَ السَّيِّدُ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو تو غلام کا وہ مال اس کے مالک ہی کا ہے ہاں اگر مالک اس کی شرط کردے (تو پھر وہ مال اس غلام کا ہو جائیگا) ابوداؤد، ابن ماجہ۔

توضیح

ولہ مال: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ غلام کسی مال کا مالک نہیں ہوتا اس کی ملکیت میں جو کچھ ہوگا وہ مولی کا ہوگا پھر یہاں کیسے فرمایا (ولہ مال) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ غلام مثلا ماذون ہو کہ مولی نے ذاتی کمائی کی اجازت دے رکھی ہو اور اس نے محنت مزدوری کر کے مال اکٹھا کیا ہو تو آزادی کے وقت یہ مال آیا غلام کا ہوگا یا مولی کا ہوگا اس میں اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالک، حسن بصری، اہل ظواہر وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ مال غلام کا ہے اس کو ملے گا جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ غلام کے عتق کے وقت جو مال غلام کے پاس ہے وہ اس کے مولی کا ہے ہاں اگر اس وقت مولی یہ کہدے کہ یہ مال غلام کا ہوگا تو یہ اس مولی کی طرف سے غلام کیلئے صدقہ اور ہبہ ہے۔

دلائل

امام مالک وغیرہ حضرات نے زیر بحث حضرت عمرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ (فمال العبد لہ) کی ضمیر (عبد) کی طرف لوٹتی ہے اور چونکہ عبد قریب بھی ہے لہٰذا ضمیر کا حق بھی یہی ہے کہ (العبد) کی طرف راجع کی جائے مطلب حدیث کا اس طرح ہو جائیگا، پس غلام کا وہ مال غلام ہی کا ہے ہاں اگر مولی یہ شرط لگائے کہ غلام

کا مال میرا رہے گا تو اس کی شرط مانی جائے گی ان حضرات نے مسند احمد کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے حضرت ابن عمرؓ ہی کی روایت ہے (عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اعتق عبدا وله مال فالمال للعبد) (رواہ احمد) اس روایت میں کوئی ضمیر نہیں بلکہ تصریح ہے کہ مال غلام کو ملے گا،

جمہور فقہاء نے بھی زیر بحث حضرت ابن عمرؓ کی حدیث نمبر ۹ سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ (فمال العبد له) میں لہ کی ضمیر مولی کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوا کہ غلام کا مال مولی ہی کو ملے گا ہاں اگر مولی یہ شرط لگائے کہ یہ مال غلام کو ملے گا تو پھر مال غلام کا ہوگا اور مولی کی طرف سے یہ ہبہ اور صدقہ ہو جائیگا جمہور نے بخاری و مسلم کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (من باع عبدا وله مال فماله للبائع) اس روایت سے زیر بحث حدیث کی تشریح و تفسیر بھی ہوگئی کہ (فمال العبد له) میں لہ کی ضمیر مولی کی طرف راجع ہے، جمہور نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ (وعن ابن مسعود قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اعتق عبد افماله للذی اعتق) (بیہقی) ملا علی قاری نے مرقات میں حضرت ابن مسعود سے دیگر روایات بھی جمہور کے حق میں نقل فرمائی ہیں۔

جواب

مالکیہ اور اہل ظواہر نے مسند احمد کی جو روایت حضرت ابن عمر کی نقل کی ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں یہ روایت خطاء ہے (قیل الحدیث خطأ) لہٰذا وہ قابل استدلال نہیں ہے باقی زیر بحث حدیث میں لہ کی ضمیر مولی کی طرف راجع ہے تو یہ جمہور کا مستدل ہے بندہ عرض کرتا ہے کہ زیر بحث حدیث میں (ان یشترط السید) کے الفاظ اس توجیہ سے بظاہر موافقت نہیں کھاتے اسلوب کلام کا تقاضا ہے کہ ضمیر غلام کی طرف لوٹ جائے۔ واللہ اعلم

پورا غلام آزاد کرنے کی ترغیب

﴿۱۰﴾ وعن اَبِی الْمَلِیحِ عَنْ اَبِیهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَیْسَ لِلّٰهِ شَرِیْکٌ فَاَجَازَ عِتْقَهُ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابوملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہؓ ابن عمیر) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں اور پھر یہ حکم دیا کہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دیا جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح

لیس للہ شریک:۔ مطلب یہ ہے کہ کسی عبادت میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہئے اور اعتاق عبادت ہے لہٰذا جب کوئی شخص آدھے غلام کو آزاد کرتا ہے اور آدھے کو غلام رکھتا ہے تو گویا یہ شخص اس غلام میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہو گیا آدھا اللہ کا ہے اور آدھا اس کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے تو یہ عمل مناسب نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتاق تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے اور یہی صاحبین کا مسلک ہے مگر جمہور اور امام ابوحنیفہ سب کے نزدیک اعتاق تجزی کو قبول کرتا ہے ان کے ہاں اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے پورے غلام کو آزاد کرنے کی ترغیب دی ہے کہ جب آزاد کرنا ہے تو پھر پورا ثواب کمالو۔

مشروط آزادی کا ایک واقعہ

﴿۱۱﴾ وعن سَفِيْنَةَ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوكًا لِأُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ أُعْتِقُكَ وَاَشْتَرِطُ عَلَيْكَ اَنْ تَخْدِمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعِشْتَ فَقُلْتُ اِنْ لَمْ تَشْتَرِطِيْ عَلَيَّ مَافَارَقْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاعِشْتُ فَاَعْتَقَتْنِيْ وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

اور حضرت سفینہؓ کہتے ہیں کہ (پہلے) میں حضرت ام سلمہؓ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہوگے۔ میں نے عرض کیا (کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو میرے لئے سعادت وخوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتیں تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرتؐ کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

وعن سفینةؓ:۔ حضرت سفینہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے غلام تھے آپ نے حضور اکرمؐ کو خدمت کیلئے دیا تھا حضرت ام سلمہ نے ان کو آزاد کیا اور حضور اکرم کی خدمت کی شرط لگائی، کہا جاتا ہے کہ سفینہ ان کا لقب تھا اور ان کے اصل نام میں اختلاف ہے بعض نے رباح بتایا ہے بعض نے مہران کہا بعض نے روحان بتایا ہے کہا جاتا ہے کہ یہ فارس کے تھے ان کو سفینہ کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دفعہ یہ حضور اکرمؐ کے ساتھ سفر میں تھے چند آدمی سفر میں تھک گئے تو انہوں نے اپنا اسلحہ اور دیگر سامان ان کے کندھوں پر ڈالا چنانچہ انہوں نے بہت زیادہ سامان اپنے اوپر لاد کر اٹھایا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا (انت سفینة)

یعنی تم کشتی ہو (مرقات) پس یہ نام پڑ گیا سرزمین شام میں جہاد کے دوران یہ دیگر صحابہ کے ساتھ گرفتار ہو گئے تھے پھر یہ قید سے فرار ہو گئے اور جنگل کے نامعلوم راستہ پر پڑ گئے سامنے شیر آ گیا آپ نے فرمایا اے ابوالحارث میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام سفینہ ہوں، شیر دم ہلاتا ہوا ان کی حفاظت کیلئے آگے بڑھا اور ان کو آبادی تک پہنچا دیا، علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ یہ درحقیقت ام سلمہ کی طرف سے وعدہ تھا لیکن شرط کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور اکثر فقہاء غلام کے آزاد ہونے کے بعد کسی شرط کے باقی رہنے کو صحیح نہیں سمجھتے کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو ملکیت کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ غلام تو آزاد ہو گیا ہے اور آزاد آدمی سے اجرت ومزدوری کے علاوہ فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ تفصیل ملا علی قاری کی مرقات میں ہے۔

مکاتب کے احکام

﴿۱۲﴾ وعن عَمرِو بنِ شُعَيبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِيَ عَلَيهِ مِنْ مُكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، مکاتب (اس وقت تک) غلام رہے گا جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی رہے گا۔ (ابوداؤد)

توضیح

المکاتب عبد: مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ مولی نے اس کو کہہ دیا کہ تم اتنا پیسہ ادا کرو تو تم آزاد ہو، اب اگر ایک روپیہ بھی باقی رہے گا تو جمہور فرماتے ہیں کہ وہ غلام رہے گا آزاد نہیں اور اگر آخری روپیہ دینے سے عاجز آ گیا تو مکمل طور پر غلام رہے گا۔

جمہور کے علاوہ بعض علماء اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ مکاتب نے جتنا پیسہ ادا کر دیا اتنا آزاد ہے اور جتنا پیسہ باقی رہے گا اتنا غلام رہے گا ان حضرات نے آنے والی حضرت ابن عباسؓ کی روایت نمبر ۱۵ سے استدلال کیا ہے اب زیر بحث حدیث اور حدیث نمبر ۱۵ کے درمیان بظاہر تعارض بھی ہے۔ جمہور نے واضح احادیث سے استدلال کیا ہے اور تقریباً پوری امت اس نظریہ پر قائم ہے کہ مکاتب آخری روپیہ ادا کرنے کے وقت تک غلام ہی ہے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو امام ترمذی نے ضعیف قرار دیا ہے لہٰذا وہ روایت دیگر صحیح روایتوں کے مقابلہ میں قابل استدلال نہیں ہے نیز اس روایت پر ابراہیم نخعی کے علاوہ کسی نے عمل نہیں کیا ہے۔

عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردے کا حکم

﴿۱۳﴾ وعن اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ عِنْدَ مُكَاتَبِ اِحْدَاكُنَّ

وَفَاءٌ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ (رواه الترمذی وابو داؤد وابن ماجه)

اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (عورتوں سے) فرمایا کہ جب تم میں سے کسی (عورت) کے مکاتب غلام کے پاس اتنا روپیہ ہو جائے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکے تو اس (مالکہ) کو چاہئے کہ وہ اس مکاتب سے پردہ کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

فلتحتجب: . یعنی مکاتب کے پاس بدل کتابت کی رقم آ گئی تو اب اس کے سیدہ کو چاہئے کہ اس سے پردہ کرے جب وہ غلام تھا تو اس سے پردہ نہیں تھا لیکن اب پردہ کرے اب سوال یہ ہے کہ احادیث میں صاف طور پر آیا ہے کہ مکاتب پر اگر ایک درہم بھی باقی ہو تو وہ غلام ہے تو یہاں ان کو آزاد قرار دیکر پردہ کا حکم کیسے دیا گیا ہے؟ اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ پردہ کا یہ حکم بطور تقوٰی اور بطور احتیاط دیا گیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ اب وہ عورت پردہ کی تیاری کرے پردہ کیلئے ذہنی طور پر تیار رہے کیونکہ کسی وقت بھی وہ غلام آزاد ہو سکتا ہے بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یہ حکم امہات المومنین کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ ان کی شان ہی الگ تھی اب رہ گئی یہ بات کہ غلام سے سیدہ کا پردہ ضروری ہے یا ضروری نہیں اس کی تفصیل باب النظر الی المخطوبہ کی حدیث نمبر ۲۳ میں گذر چکی ہے۔

مکاتب کی طرف سے جزوی ادائیگی کا مسئلہ

﴿۱۴﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى مِائَةِ اَوْقِيَّةٍ فَاَدَّاهَا اِلَّا عَشَرَةَ اَوَاقٍ اَوْقَالَ عَشْرَةَ دَنَانِيْرَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ.

(رواه الترمذی وابو داؤد وابن ماجه)

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو سو اوقیہ کے بدلے مکاتب کیا اور اس غلام نے سب اوقیے ادا کر دیئے مگر دس اوقیے ادا نہ کر سکا یا یہ فرمایا کہ دس دینار ادا نہ کر سکا (یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آپؐ نے دس اوقیہ فرمایا تھا یا دس دینار کا ذکر کیا تھا) اور پھر وہ اس باقی کی ادائیگی سے عاجز ہو گیا تو وہ مکاتب (بدستور) غلام رہے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

﴿۱۵﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا اَوْمِيْرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَاعَتَقَ مِنْهُ (رواه ابو داؤد والترمذی) وَفِي رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ يُوْدِى الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا

اَدّٰى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَضَعَّفَهُ.

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اگر کوئی مکاتب دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے تو اس کو (اس دیت یا میراث کا) صرف اس قدر ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے فرمایا مکاتب کی دیت میں اس حصہ کے بقدر مال دیا جائیگا جو وہ اپنی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) میں سے ادا کر چکا تھا اور اس حصہ کے بقدر قیمت دی جائے گی جو ابھی بطور غلام باقی ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

توضیح

اصاب حدا او میراثا: یعنی دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے (اصاب) پالینے اور مستحق بننے کے معنی میں ہے (ورث) حسب کے وزن پر معلوم کا صیغہ ہے بعض نسخوں میں مجہول بھی ہے (**بحسب**) یہ لفظ حساب اور مقدار کے معنی میں ہے (**وفی روایة له**) یہ ضمیر ترمذی کی طرف لوٹتی ہے (**یودی**) یہ مجہول کا صیغہ ہے ودی یدی دیۃ سے ہے یہاں یُعطی دینے کے معنی میں ہے (**ادّی**) یہ دال مشدد کے ساتھ ادا کرنے کے معنی میں ہے (**دیة حر**) یہ منصوب ہے اور یُؤْدٰی کیلئے مفعول بہ ہے اور (**ماادی**) کا مفعول بہ محذوف ہے جو النجوم ہے جس کا معنی حصہ اور قسط ہے اور (**دیة عبد**) بھی منصوب ہے اصل عبارت اس طرح ہے (**ای یعطی المکاتب دیة حر بحساب ماداه من النجوم ویعطی دیة العبد بحساب مابقی علیه**) یعنی مکاتب کو اپنی آزادی کے حساب میں اتنا مال دیا جائیگا جتنا کہ اس نے اپنی آزادی میں مال ادا کیا ہے اور جتنا غلامی کا حصہ رہ گیا ہے اسی حساب سے اس کو دیت سے دیا جائیگا اس حدیث کو ایک مثال کے ذریعہ سے سمجھنا چاہئے کہ مثلاً زید مکاتب تھا اس نے آدھا بدل کتابت ادا کر دیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا اور یہ واحد تنہا وارث تھا تو باپ کی میراث میں سے آدھی میراث زید کو ملے گی یہ میراث کی مثال ہوگئی دیت کی مثال اس طرح ہے کہ مثلاً اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا آدھا مال ادا کر دیا تھا کہ اس کو کسی نے قتل کر دیا اب اس مکاتب کے ورثاء کو اس کی دیت سے آدھا مال ملے گا اور آدھا مال اس مکاتب کے مالک کو ملے گا گویا غلامی کا جو حصہ تھا اس کی دیت مالک کو ملے گی اور آزادی کا جو حصہ تھا اس کی دیت ورثاء کو ملے گی بہر حال اس حدیث پر صرف ابراہیم نخعی نے عمل کیا ہے باقی جمہور فقہاء کے نزدیک یہ حدیث معمول بہ نہیں ہے بلکہ وہ حدیث معمول بہ ہے جس میں آیا ہے کہ (**المکاتب عبد مابقی علیه من مکاتبته درهم**).

مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

الفصل الثالث

﴿۱۶﴾عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی عَمْرَةَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اُمَّهٗ اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ فَاَخَّرَتْ ذٰلِکَ اِلٰی اَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَیَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ اَتٰی سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّی هَلَکَتْ فَهَلْ یَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ (رواه مالک)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوعمرہ انصاری (تابعی) کے بارہ میں منقول ہے کہ ان کی والدہ نے (ایک دن) بردے کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا مگر وہ اگلی صبح ہونے تک رخصت ہوگئیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم ابن محمد سے (اس صورت حال کو ذکر کیا اور ان سے) پوچھا کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف (وہ بردہ) آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ حضرت قاسمؒ نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) حضرت سعد بن عبادہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا (اچانک) انتقال ہوگیا ہے اگر میں ان کی طرف سے بردہ آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو نفع پہنچے گا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں نفع پہنچے گا۔ (مالک)

توضیح

(عبدالرحمان ابن ابی عمرة) یہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں عمرہ عین پر فتحہ اور میم پر سکون ہے (فماتت) صبح آنے سے پہلے مرگئی اور یہ نیک کام رہ گیا اس لئے علماء نے لکھا ہے (فی التاخیر آفات فالعجلة محمودة فی الطاعات) (فقال القاسم) یہ قاسم بن محمد ہیں صدیق اکبر کے پوتے ہیں اور مدینہ منورہ کے مشہور سات فقہاء میں سے ہیں فقہاء سبعہ کا تذکرہ کسی نے ان دو شعروں میں کیا ہے۔

الا کل من لا یقتدی بأئمة فقسمته الضیزیٰ من الحق خارجه

فخذهم عبید الله عروة قاسم سعید ابو بکر سلیمان خارجه

قاسم بن محمد نے حضرت سعد کا واقعہ بیان کیا جس میں سائل کے سوال کا جواب ہے حدیث سے ایصال ثواب کا مسئلہ نکلتا ہے اس کی تفصیل حضرت سعد بن عبادہ کی حدیث میں ملے گی یہاں یہ سمجھ لیں کہ مالی عبادات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے بدنی عبادات میں فرائض اور واجبات کا نہیں پہنچتا ہاں نفلی کا ایصال ثواب جائز ہے۔

﴿۱۷﴾ وعن يَحْيىٰ بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي بَكْرٍ فِي نَوْمٍ نَامَهُ فَاَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ أُخْتُهُ رِقَابًا كَثِيْرَةً (رواه مالک)

اور حضرت یحیٰ ابن سعید (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر سوئے ہوئے تھے کہ اسی سونے کی حالت میں (اچانک) انتقال کر گئے، چنانچہ حضرت عائشہؓ نے جو ان کی بہن تھیں ان کی طرف سے بہت سے بردے آزاد کئے۔ (مالک)

توضیح

نام نومة: یعنی نیند کی حالت میں انتقال کر گئے حضرت عائشہؓ نے اس اچانک موت کو اچھا نہیں سمجھا اس لئے بطور کفارہ کئی غلام آزاد کئے یا اس لئے آزاد کئے کہ حضرت عبدالرحمان کے ذمہ اتنے غلام آزاد کرنے تھے حضرت عبدالرحمان کا انتقال مکہ مکرمہ کے قریب (حُبشٰی) مقام میں ہوا تھا اور وہاں سے لائے گئے تھے اور جنت المعلاۃ میں دفنائے گئے تھے حضرت عائشہؓ نے ان کی قبر پر حاضری کے وقت دو شعر بھی پڑھے تھے جو مشکوٰۃ جلد اول میں باب الجنائز صفحہ ۱۴۹ میں مذکور ہیں۔

وکنا کندمانی جذیمة حقبة من الدهر حتی قیل لن یتصدعا
فلما تفرقنا کأنی و مالکا لطول اجتماع لم نبت لیلة معا

فروخت شدہ غلام کا مال کس کو ملیگا؟

﴿۱۸﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَلَمْ يَشْتَرِطْ مَالَهُ فَلَاشَئَ لَهُ (رواه الدارمی)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی غلام کو خریدے اور اس کے مال کی شرط نہ کرے تو خریدنے والے کو اس مال میں کچھ نہ ملے گا (دارمی)

توضیح

فلم یشترط: یعنی ایک شخص نے غلام کو خرید لیا اس غلام کے ہاتھ میں جو مال تھا خریدنے والے مشتری نے عقد کرتے وقت اس کی شرط نہیں لگائی کہ یہ مال میرا ہوگا جیسا کہ غلام میرا ہوگا تو خریدنے کے بعد وہ مال اس مشتری کو نہیں ملے گا کیونکہ وہ مال درحقیقت غلام کے مولیٰ کا ہے اور اسی مولیٰ کو واپس ہوگا اور اگر مشتری نے شرط لگائی کہ غلام کا یہ مال بھی مجھے دوگے تو مال مشتری کو ملے گا اور مالک کی طرف سے یہ ھبہ اور عطیہ کے حکم میں شمار ہوگا۔

بَابُ الْاَیْمَان وَالنُّذُوْرِ

قسموں اور نذروں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿لایؤ اخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم و لکن یؤاخذ کم بما عقد تم الایمان، فکفارته اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم او کسو تھم او تحریر رقبة، فمن لم یجد فصیام ثلاثة ایام، ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم و احفظوا ایمانکم کذلک یبین اللہ لکم ایاته لعلکم تشکرون﴾سورت مائدہ ۸۹

ایمان: یمین کی جمع ہے اور یمین قسم کو کہتے ہیں، یمین یسار کی ضد ہے قسم کو یمین اس لئے کہتے ہیں کہ عرب لوگ عہد و پیان کے دوران ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے تھے اور یہ معاملہ دائیں ہاتھ سے ہوا کرتا تھا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یمین کا لفظ لغوی طور پر قسم، دائیں ہاتھ اور قوت میں مشترک طور پر استعمال ہوتا ہے۔

علماء نے قسم کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے " **الیمین فی الشرع توکید الشئی بذکر اسم اللہ او صفته**"

یہاں قسم اور نذر سے متعلق چار ابحاث ہیں جن کو ترتیب کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

بحث اول اقسام قسم

قسم کی تین قسمیں ہیں اول یمین غموس ہے دوم یمین لغو ہے سوم یمین منعقدہ ہے

(۱) یمین غموس اس کو کہتے ہیں کہ زمانہ ماضی پر کسی نے جھوٹی قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں نے یہ کام کیا تھا حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا تھا یمین غموس میں کوئی کفارہ نہیں ہے یہ گناہ کبیرہ ہے اس کی وجہ سے جہنم میں اس شخص کو غوطے دیئے جائیں گے "غمس وغموس" غوطہ کے معنی میں ہے۔

(۲) دوسری قسم یمین لغو ہے یہ وہ قسم ہے کہ باتوں باتوں میں قسم کے ارادہ کے بغیر آدمی کہدے واللہ باللہ یا کہدے خدا کی قسم یا قسم سے کہہ رہا ہوں یا آدمی نے اس طرح قسم کھائی کہ اس کا خیال وگمان یہ تھا کہ واقعی یہ کام ایسا تھا مگر اس کو غلطی ہوگئی وہ کام ایسا نہیں تھا یہ سب یمین لغو ہے اس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ کبیرہ ہے اگر چہ مسلمان کو اس سے بھی بچنا چاہئے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کے پیش نظر نہ جھوٹی قسم کھائی ہے اور نہ سچی کھائی ہے۔

(۳) تیسری قسم یمین منعقدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص خوب غور وحوض سے آئندہ زمانہ کے کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھاتا ہے اور پھر قصداً اس کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ شخص حانث ہو جاتا ہے اب اس کو کفارہ یمین ادا کرنا پڑے گا عربی

میں قسم کے الفاظ واللہ باللہ تاللہ ہیں۔

بحث دوم کفارۂ قسم

قسم توڑنے کا کفارہ اس طرح ہے کہ ایک غلام کو آزاد کیا جائے یا دس مسکینوں کو دو وقتہ متوسط کھانا کھلایا جائے یا دس مساکین کو کپڑے پہنائے جائیں اور اگر کوئی شخص ان تین قسم کے کفارات پر قادر نہیں تو وہ لگاتار تین روزے رکھے قسم توڑنے سے پہلے احناف کے ہاں کفارۂ قسم نہیں ہے اسی طرح کافر کی قسم میں کفارہ نہیں ہے۔ بچے یا سوئے شخص یا دیوانے پاگل کی قسم کا اعتبار نہیں اس لئے اس میں بھی کفارہ نہیں۔

بحث سوم قسم کے الفاظ

قسم میں اللہ تعالیٰ کا اسم ذاتی یا اسم صفاتی استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس کا احترام ضروری ہے کہ اس کو توڑا نہ جائے اور اللہ کے اسم مبارک کی بے ادبی نہ ہو جائے اور نہ اس مبارک نام کو چھوڑ کر کسی اور کو یہ عظمت دیکر اس کے نام کی قسم کھائی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ باپ دادا کے ناموں کی قسم کی ممانعت آئی ہے اسی طرح تمہاری جان یا سر کی قسم کھانا جائز نہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ۔

اتنا ہوں تیرے تیغ کا شرمندۂ احسان ☆ سر میرا تیرے سر کی قسم اٹھ نہیں سکتا

قسم کا مدار عرف پر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ان صفات پر قسم نہیں کھائی جا سکتی جو عرف عام میں قسم کے لئے استعمال نہیں کی جاتی ہوں جیسے رحمت، مغفرت وغیرہ صفات ہیں اور جن صفات کی قسم عرف میں کھائی جاتی ہو جیسے عظمت و بزرگی شان وغیرہ تو اس سے قسم واقع ہوتی ہے عام طور پر شریعت نے قسم کے الفاظ واللہ، باللہ، تاللہ بتائے ہیں "لعمر اللّٰہ" کے لفظ سے بھی قسم کھائی جاتی ہے یہ بھی قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تجھے عمر دینے والے کی قسم۔ قسم میں انشاء اللہ استعمال کرنے سے قسم کا اثر ختم ہو جاتا ہے بشرطیکہ یہ لفظ متصلاً استعمال کیا جائے، اس کو قسم میں استثناء کہتے ہیں۔

بحث چہارم نذر کی قسمیں

نذر کو یہاں قسموں کے ساتھ اس لئے جوڑ دیا گیا ہے کہ دونوں ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں چنانچہ جب نذر توڑنے کا کفارہ ادا کیا جاتا ہے تو وہ قسم ہی کا کفارہ ہوتا ہے۔ "نذر منت کو کہتے ہیں، غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کرنے کا نام نذر ہے" نذر جب گناہ کا نہ ہو تو تمام فقہاء کے نزدیک یہ جائز ہے قرآن کا اعلان ہے! ﴿ولیوفوا نذورھم﴾

اللہ کے سوا کسی کے نام کی نذر ماننا جائز نہیں ہے۔

تفسیر کبیر میں نذر کی تعریف اس طرح کی ہے "النذر ما الزمه الانسان علی نفسه" نذر کی دو قسمیں ہیں

ایک نذر مطلق ہے یہ وہ ہوتی ہے جس میں منذور عمل کو کسی دن یا وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہو دوسری نذر مقید ہے یہ وہ ہوتی ہے کہ منذور عمل کو کسی دن مہینہ یا خاص وقت کے ساتھ مقید کیا جائے۔ پہلے کی مثال جیسے کوئی کہدے "للہ علی صوم شھر" دوسری کی مثال ہے "للہ علی صوم شھر رجب ھذہ السنة" نذر کی صحیح ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ نذر ایسی چیز کی ہو جس کی جنس شریعت میں مشروع اور واجب ہو جیسے نماز روزہ حج وغیرہ۔ چنانچہ اگر کسی نے اس طرح نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں مریض کی عیادت کروں گا یہ نذر صحیح نہیں ہے کیونکہ عیادت شریعت میں ایسی جنس سے ہے جو واجب نہیں ہے۔

(۲) صحت نذر کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منذور عمل گناہ کی قسم سے نہ ہو کیونکہ حدیث میں ہے "لانذر فی معصیة" جیسے کوئی نذر مانے کہ میرا کام اگر ہو گیا تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا یا مولود پڑھواؤں گا یا گیارھویں دوں گا یا غوث اعظم کی نماز پڑھوں گا اس طرح نذروں کا پورا کرنا جائز نہیں لہٰذا اس سے نکلنے کے لئے کفارہ یمین ادا کر کے گناہ سے بچ جانا ضروری ہے۔

(۳) تیسری شرط یہ ہے کہ جس چیز کی نذر کوئی شخص مانتا ہے تو وہ فی الحال یا آئندہ اس کے ذمہ فرض یا واجب نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ میرا کام اگر ہو گیا تو میں عشاء کی نماز پڑھوں گا یا رمضان کے روزے رکھوں گا۔ بہر حال ناجائز نذروں سے مسلمان کے لئے بچنا بہت ضروری ہے جیسے جائز نذروں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ نذر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طاعت میں ہو اور طاعت مقصودہ میں ہو وسائل میں نہ ہو اور زبان سے ہو الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہو صرف دل میں نیت کے ساتھ نہ ہو اور نذر کے پورا کرنے کا پکا ارادہ بھی ہو۔

۲۷ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن ابنِ عُمَرَ قَالَ اَکْثَرُ مَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ.

(رواہ البخاری)

اور حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس طرح قسم کھایا کرتے تھے قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی۔ (بخاری)

توضیح

"لا ومقلب القلوب" عربی کلام میں قسم سے پہلے "لا" کا کلمہ زائد لانا معروف ومشہور ہے جیسے ﴿لا اقسم بھذا

لبلد﴾ ﴿لااقسم بیوم القیامة﴾ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آیا ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ لا کا کلمہ سابق کلام کی نفی کے لئے آتا ہے"ولا نفی لکلام السابق" یعنی جو تمہارا خیال ہے وہ صحیح نہیں ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حقیقت اس طرح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ قسم سے پہلے حرف لام زائد ہے جب قسم کسی مخالف کی بات رد کرنے کیلئے کھائی جاتی ہے تو اس کے شروع میں حرف لا اس شخص کے خیال باطل کی نفی کیلئے زائد استعمال ہوتا ہے اور محاورات عرب میں یہ استعمال معروف ومشہور ہے ہماری زبان میں بھی بعض اوقات کسی قابل تاکید مضمون کے بیان سے پہلے کہا جاتا ہے "نہیں" آگے اپنا مقصد بیان کیا جاتا ہے (معارف القرآن ج ۸ ص ۶۲۳)

بعض علماء نے کہا ہے کہ قسم سے پہلے یہ "لا" تحسین کلام کے لئے ذکر کیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ یہ "لا" مضمون قسم کی نفی کی تاکید کے لئے ذکر کیا جاتا ہے مطلب یہ کہ قسم کی حاجت وضرورت نہیں لیکن میں پھر بھی قسم کھاتا ہوں۔

یہاں حضور اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کے اسم صفتی پر قسم کھائی ہے معلوم ہوا یہ جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قسم ضرورت کے بغیر تاکید کلام کے لئے کھائی جاسکتی ہے۔

نیز حضور اکرمؐ نے جو قسمیں کھائی ہیں اس میں امت کے لئے بڑی مفید تعلیم پوشیدہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ کھاؤ اور "والذی نفس محمد بیده" سے حضور نے یہ تعلیم دیدی کہ میں خدا کا بندہ ہوں خود خدا نہیں ہوں میری جان کا مالک وہی اللہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی بیان کرنا مقصود ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

﴿۲﴾ وعنه اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ اَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْلِيَصْمُتْ (متفق علیه)

اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ، جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

﴿ینها کم ان تحلفوا بآبائکم﴾ باپ دادا کا ذکر بطور مثال ہے مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

باپ دادا کا ذکر یہاں اس وجہ سے ہوا ہے کہ عرب معاشرہ میں لوگ آباء واجداد کے ناموں کی قسمیں کھایا کرتے تھے اس لئے اس کو بطور خاص ممنوع قرار دیا گیا اور غیر اللہ کے نام کی قسم کھانے کو اس لئے ناجائز قرار دیا گیا ہے کہ مقسم بہ یعنی جن

کے نام کی قسم کھائی جاتی ہے ان کی عظمت اور جلالت شان مقصود اور متصور ہوتی ہے اس لئے یہ عظمت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے غیر اللہ کے نام کی قسم کھانے سے غیر اللہ کی مشابہت اللہ کے ساتھ پیدا ہوگی جو شرک کا ایک حصہ ہے۔

سوال:

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ سے ایک موقع پر منقول ہے کہ آپ نے فرمایا "افلح و ابیه" اس کا مذکورہ حدیث سے واضح تعارض ہے؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس ممانعت سے پہلے کی بات ہے ممانعت بعد میں آئی ہے ایک اور شبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کئی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے ان کے لئے امور تکلیفیہ کی یہ پابندی نہیں ہے نیز اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت پر بطور گواہ پیش فرمائی ہیں وہاں دیگر تصورات نہیں ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے نام قسم کھانے سے متعلق فرمایا کہ اگر میں اللہ کے نام کی ایک دن میں سو قسمیں کھا کر توڑ دوں وہ اس سے بہتر ہے کہ میں غیر اللہ کی قسم کھا کر نبھاؤں۔

﴿۳﴾وعن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَحْلِفُو بِالطَّوَاغِي وَلَا بِآبَائِكُمْ (رواه مسلم)

اور حضرت عبدالرحمٰن ابن سمرہؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ۔(مسلم) (طواغی طاغیة کی جمع ہے بتوں کو کہتے ہیں)

﴿۴﴾وعن ابی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهِ تَعَالَ أُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ (متفق علیه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کرے کہ میں لات وعزیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ ہم دونوں جوا کھیلیں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ و خیرات کرے۔(بخاری و مسلم)

توضیح

"من حلف" یعنی لات منات اور بتوں کے نام قسم کھانے کے بعد لا الہ الا اللہ پڑھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر نومسلم نے سہواً یہ

قسم کھائی اور غلطی سے یہ کلمہ زبان سے نکلا تو ''لا الہ الا اللہ'' بطور استغفار ہوگا اور اگر دل سے بطور عقیدہ اس طرح بتوں کی قسم کھائی ہے تو یہ شخص مرتد ہو گیا اب تجدید ایمان اور مسلمان ہونے کے لئے ''لا الہ الا اللہ'' پڑھ لے۔

''اقامرک'' مقامرہ قمار سے ہے ''جوا'' کھیلنے کے معنی میں ہے اگر کسی نے کسی مسلمان کو جوا کھیلنے کی دعوت دیدی تو اس نے گناہ کی دعوت دیکر گناہ کا ارتکاب کیا اب اس کا کفارہ یہ ہے کہ یہ شخص صدقہ کرے، حدیث سے معلوم ہوا کہ جوا کھیلنے کی دعوت اور اس کی ترغیب دینا بھی گناہ ہے تو جو شخص خود اس قبیح فعل میں مبتلا ہوگا وہ کتنا گناہ گار بنے گا۔

غیروں کے مذہب پر قسم کھانے کا حکم

﴿۵﴾وعن ثَابتِ بنِ الضَّحَّاکِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰی مِلَّةٍ غَیْرِ الْاِسْلَامِ کَاذِبًا فَھُوَ کَمَاقَالَ وَلَیْسَ عَلَی ابْنِ آدَمَ نَذْرٌ فِیْمَالَایَمْلِکُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَہٗ بِشَیْءٍ فِی الدُّنْیَا عُذِّبَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَھُوَ کَقَتْلِہٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِکُفْرٍ فَھُوَ کَقَتْلِہٖ وَمَنِ ادَّعٰی دَعْوٰی کَاذِبَةً لِیَسْتَکْثِرَ بِھَا لَمْ یَزِدْہُ اللّٰہُ اِلَّاقِلَّةً (متفق علیه)

اور حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نے کہا اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو اور جس شخص نے (دنیا میں) اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً چھری وغیرہ) سے ہلاک کر لیا تو وہ قیامت کے دن اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا (یعنی اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خودکشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہوگا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ (اصل گناہ کے اعتبار سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا اسباب قتل سے ہے لہٰذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کی مانند ہے) اور جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے تا کہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و دولت میں کمی کر دے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

''علی ملة غیر الاسلام'' ملت غیر اسلام پر قسم کھانا اس طرح ہے کہ مثلاً کوئی مسلمان کہدے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو میں یہودی، نصرانی، ہندو، سکھ، قادیانی، آغا خانی ہوں گا، یا دین اسلام سے بیزار ہوں گا یا قرآن سے بیزار ہوں گا یا مکہ سے بیزار ہوں گا یا خدا اور کلمہ سے بیزار ہوں گا اب اگر اس شخص نے اس کے خلاف وہ کام کر دیا تو اب کیا ہوگا تو زیر بحث حدیث

میں ہے کہ وہ شخص ایسا ہی ہوگیا۔

اب فقہاء میں سے بعض شوافع فرماتے ہیں کہ ظاہری حدیث کے اعتبار سے یہ شخص کافر ہوگیا کیونکہ اس نے اسلام کی حرمت کو پامال کیا اور کفر پر رضامندی کا اظہار کیا۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس قسم سے یہ شخص کافر نہیں ہوگا کیونکہ کفر کا تعلق اعتقاد اور قصد وارادہ سے ہے اور اس شخص کا ارادہ کفر کا نہیں ہے بلکہ نفس کو روکنے کے لئے اس نے یہ عمل کیا ہے۔ اور اس شخص کی طرف سے یہ فعل زجر وتوبیخ کا ایک عمل ہے اس صورت میں جمہور کے نزدیک زیر بحث حدیث تشدید و تغلیظ پر محمول ہے جیسے "من ترک الصلوۃ متعمداً فقد کفر" کی حدیث زجر وتوبیخ پر محمول ہے۔

درالمختار میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح قسم کھانے والا اگر اپنی قسم کے برعکس کام کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا بشرطیکہ اس کا مقصد قسم کھانا ہو کافر بننا نہ ہو لیکن اگر وہ جانتا ہو کہ اس قسم کے خلاف کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور پھر بھی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس صورت میں وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں وہ رضا ورغبت کے ساتھ کفر پر راضی ہو گیا ہے۔

اب اس حدیث سے متعلق یہ بحث ہے کہ آیا یہ یمین ہے یا نہیں اور اس میں کفارہ ہے یا نہیں تو مالکیہ اور شوافع حضرات کے نزدیک چونکہ یہ یمین وقسم نہیں ہے لہٰذا اس میں کفارہ بھی نہیں ہے یہ شخص بہت بڑا گنہگار ہو گیا ہے اس کو استغفار کرنے کی ضرورت ہے اور کوئی کفارہ نہیں ہے احناف وحنابلہ بلکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اس میں کفارہ ہے کیونکہ یہ قسم ہے اور قسم میں حنث کی صورت میں کفارہ ہوتا ہے۔

"ومن ادعی دعوی" یعنی کوئی شخص جھوٹا دعوی کرے تاکہ اس کے مال ودولت میں اضافہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو گھٹاتا ہے اس حدیث میں یہ اکثر یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ اکثر لوگ محض مال ودولت بٹورنے اور مال میں اضافہ کرنے کی خاطر لوگوں کو دکھا رہا ہے کہ میں اس طرح صاحب جاہ وجلال ہوں میری اس طرح عظمت وشان ہے یا میں اس طرح صاحب کمال بزرگ ہوں اس طرح علامۃ الدھر ہوں، الغرض شیخی بگھارتا ہے اور کمالات وفضائل بیان کرتا ہے تاکہ اس سے اپنے فوائد میں اضافہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے فوائد کو گھٹا دیتا ہے۔

"لعن مومنا" تہمت اگر ثابت ہو جائے تو وہ موجب قتل ہے لہٰذا جس شخص نے کسی مسلمان پر جھوٹی تہمت لگائی تو یہ مسلمان کے قتل کی مانند ہے اور کفر کی تہمت بھی اگر ثابت ہو جائے تو یہ موجب قتل ہے تو جو کفر کی جھوٹی تہمت کسی پر لگاتا ہے یہ اس کے قتل کی مانند ہے۔

اگر قسم توڑ دینے میں بھلائی ہو تو توڑنا چاہئے

﴿۶﴾ وعن اَبِی مُوسٰی قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّی وَاللّٰہِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ لَا اَحْلِفُ

عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَھَا خَیْرًا مِنْھَا اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِی وَاَتَیْتُ الَّذِی ھُوَ خَیْرٌ (متفق علیه)

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا اور اس کا کفارہ ادا کردوں گا اور اس طرح اس چیز کو اختیار کروں گا جو بہتر ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"الا کفرت عن یمینی"، یعنی قسم کو برقرار نہیں رکھوں گا بلکہ اچھا کام کر کے اس قسم کو توڑ دوں گا اور کفارہ ادا کردوں گا۔

مسئلة اداء الکفارة قبل الحنث

کفارہ یمین ادا کرنے میں بعض احادیث میں کفارہ دینے کے الفاظ پہلے آئے ہیں اور حانث ہونے کے الفاظ بعد میں آئے ہیں اور بعض احادیث میں حانث ہونے کے الفاظ پہلے مذکور ہیں اور کفارہ دینے کے الفاظ بعد میں آئے ہیں اسی وجہ سے فقہاء کا اس میں اختلاف ہوگیا کہ کفارہ قبل الحنث ہے یا بعد الحنث ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جمہور فرماتے ہیں کہ قبل الحنث کفارہ ادا کیا جاسکتا ہے گویا قسم کھانے کی وجہ سے کفارہ لازم ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ قبل الحنث کفارہ ادا نہیں کیا جاسکتا ہے حنث کفارہ پر مقدم ہے۔ جب تک آدمی حانث نہیں ہوتا کفارہ لازم نہیں آتا۔

دلائل

جمہور نے قرآن عظیم کی آیت سے استدلال کیا ہے "ذلک کفارة ایمانکم اذا حلفتم" طرز استدلال اس طرح ہے کہ آیت میں حلف اور یمین کو کفارہ کے لئے سبب اور وجہ اور علت کے طور پر بیان کیا گیا ہے لہٰذا قسم کھاتے ہی کفارہ ادا ہوسکتا ہے حانث ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

جمہور نے زیر بحث حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت اور آنے والی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث نمبر ۲ اور اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نمبر ۸ سے بھی استدلال کیا ہے جس میں کفارہ کا ذکر مقدم ہے اور حنث کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ ایک شاعر کا شعر بھی جمہور کے ذوق پر ہے

حَلَفَ الزَّمَانُ لَیَأْتِیَنَّ بِمِثْلِهٖ حَنَثَتْ یَمِیْنُکَ یَا زَمَانُ فَکَفِّرٖ

یعنی قسم کھاتے ہی تو حانث ہوگیا ہے حانث ہونے کی مزید ضرورت نہیں اب کفارہ ادا کردو۔

امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کی حدیث کے آخری حصہ سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "فأت الذی ھو خیر و کفر عن یمینک" یہاں صراحت کے ساتھ پہلے حنث کا ذکر ہے اور پھر واؤ عاطفہ کے ساتھ کفارہ کا ذکر ہے امام ابوحنیفہؒ کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفارہ ادا کرنا جرم کی وجہ سے ہوتا ہے اور قسم کھانا کوئی جرم نہیں ہے کیونکہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام وعلماء کرام کے کلام میں کثرت کے ساتھ قسم موجود ہے۔ جب قسم کھانا جرم نہیں تو وہ کفارہ کے لئے کیسے سبب بن گیا؟ ہاں حانث ہونا جرم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے اکرامی ہوگئی وہ کفارہ کے لئے سبب بن جاتا ہے تو جب تک حنث نہیں آتا کفارہ نہیں ہے۔

احناف نے جمہور پر ایک اشکال بھی کیا ہے جو درحقیقت ایک الزامی سوال ہے وہ یہ کہ مثلاً ایک شخص نے قسم کھائی اور پھر اپنی قسم کا پورا خیال رکھا اور حانث نہیں ہوا بلکہ اپنی قسم میں "بریٔ الذمہ" ہوگیا تو کسی کے نزدیک اس شخص پر کفارہ لازم نہیں ہے اگر صرف قسم کھانے سے کفارہ لازم آتا تو اس شخص پر حانث ہونے کے بغیر کفارہ دینا لازم تھا حالانکہ اس کے جمہور بھی قائل نہیں۔

جواب:

جمہور نے جس آیت سے استدلال کیا ہے احناف فرماتے ہیں کہ وہاں "اذا حلفتم کے بعد و حنثتم" کا لفظ محذوف ہے یعنی قسم کھانے کے بعد جب حانث ہو جاؤ تو پھر کفارہ ادا کرو یہ محذوف اسی طرح ہے جس طرح "اذا قمتم الی الصلوۃ" میں و انتم محدثون محذوف ہے۔

باقی احادیث میں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں ہے یعنی کفارہ بھی ادا کرو اور حانث بھی ہو جاؤ اور نیک کام بھی کرو، ویسے عربی محاورہ کا ذوق بتاتا ہے کہ ان احادیث میں ترتیب کی کوئی پابندی نہیں لگائی گئی ہے جمہور کا احترام اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان احادیث سے ان کا مسلک ثابت کرنا بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

امارت کا مطالبہ نہ کرو پھنس جاؤ گے

﴿۷﴾ وعن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ (متفق عليه)

اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ اے عبدالرحمٰن! سرداری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی خواہش نہ کرو کہ مجھے فلاں جگہ کا حاکم وسردار بنایا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سرداری دی جائے گی تو تم اس سرداری کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور اگر بغیر طلب کے

کہیں سرداری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی، نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف ہی اس قسم کے پورا کرنے سے بہتر ہے تو تم اس قسم کا کفارہ دے دو اور وہی کام کرو جو بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دیدو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لا تسأل الامارة" یعنی امارت وحکومت کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے ہر شخص اس ذمہ داری اور اس بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا ہے اگر حرص ولالچ اور سیادت وقیادت کی خواہش میں آکر اس کا مطالبہ کر کے حاصل کرو گے تو اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہوگی تو ناکام ہو جاؤ گے اور اگر حرص وخواہش نہیں ہوگی اور لوگوں نے مجبور کر کے ذمہ دار بنایا تو اللہ تعالیٰ کی مدد ساتھ ہوگی تو کامیاب رہو گے۔

"غیرھا خیراً" یعنی اگر گناہ کرنے کی قسم کھائی کہ خدا کی قسم میں والدین سے بات نہیں کروں گا تو اس قسم کا توڑنا واجب ہوگا اور کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اگر کسی مستحب کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی مثلاً ایک ماہ تک اپنی بیوی سے صحبت نہیں کروں گا تو اس طرح کی قسم کا توڑنا مستحب اور اولیٰ ہوگا یاد رہے کہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے کابل فتح کیا اور چوک میں کھڑے ہو کر مال غنیمت کے بارے میں تقریر فرمائی ابوداؤد شریف ج ا ص ۱۷۷ میں ہے کہ آپ نے فتح کابل کے موقع پر صلوٰۃ خوف کی نماز پڑھائی تھی مذکورہ حدیث کی روایت اسی عبدالرحمٰن بن سمرہؓ سے ہے۔

﴿۸﴾ وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من حلف علی یمین فرای خیرا منھا فلیکفر عن یمینہ ولیفعل (رواہ مسلم)

اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ (اس کے خلاف کرنا ہی) قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہئے کہ وہ کفارہ ادا کردے اور اس کام کو کرلے (یعنی قسم توڑ دے) مسلم۔

ناجائز قسم پر ڈٹ جانا مناسب نہیں

﴿۹﴾ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ لان یلج احدکم بیمینہ فی اھلہ آثم لہ عند اللہ من ان یعطی کفارتہ التی افترض اللہ علیہ (متفق علیہ)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم تم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا (یعنی اس قسم کو پوری کرنے ہی کی ضد کرنا) جو اپنے اہل وعیال سے متعلق ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زیادہ گناہگار بناتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کردے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لان یلج" لج یلج سمع اور ضرب سے سخت جھگڑا کرنے اور کسی کام پر اڑ جانے اور ڈٹ جانے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قسم کھا کر اس کے توڑنے میں اللہ تعالیٰ کی ہتک اور بے ادبی ہے اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کے خلاف ورزی تو یقیناً گناہ ہے لیکن اس گناہ سے وہ گناہ زیادہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی بچوں سے قطع تعلق کی قسم کھائے اور پھر ضد کر کے اس پر اڑ جائے اور اڑا ہی رہے بلکہ اس کو چاہئے کہ قطع تعلق کی قسم توڑ دے اور فریضہ کفارہ جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے وہ ادا کر دے۔

بعض شارحین نے آثم کے لفظ کو اسم تفضیل کے معنی میں لیا ہے بعض نے "الصیف احر من الشتآء" کے طرز پر نفس فعل یعنی اثم کے معنی میں لیا ہے (کذا فی الطیبی)

تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا

﴿۱۰﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُکَ عَلٰى مَايُصَدِّقُکَ عَلَيْهِ صَاحِبُکَ (رواه مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری قسم اس وقت صحیح ہوتی ہے جب تمہارا ساتھی (یعنی قسم دینے والا) تمہیں سچا سمجھے۔ (مسلم)

توضیح

"صاحبک" یعنی دو آدمیوں میں کوئی مالی تنازعہ ہے اور مدعی منکر کو قسم دے رہا ہے اس میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا قسم کھانے والے کی نیت کا اعتبار نہیں ہوگا مثلاً قسم کھانے والا زبان سے کچھ الفاظ ادا کر رہا ہے اور دل میں کوئی توریہ یا تاویل کی نیت چھپا رہا ہے تو اس کا اعتبار نہیں مثلاً رستم نے دوستم سے کہا کہ تم نے میرے گدھے کو قتل کر دیا ہے دوستم نے قسم کھائی کہ میں نے گدھا قتل نہیں کیا اور نیت میں رستم کے گدھے کے بجائے فریدون کے گدھے کی قسم کھا رہا ہے تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا آنے والی روایت میں "علی نية المستحلف" کے الفاظ کا مطلب بھی یہی ہے "مستحلف" یعنی قسم دینے والا" ہاں اگر کسی کی حق تلفی کا مسئلہ نہ ہو یا کوئی شخص مظلوم ہو تو پھر قسم میں توریہ اور تاویل کا اعتبار ہوگا (ملخصاً من زجاجۃ المصابیح)

﴿۱۱﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ (رواه مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم کا اعتبار قسم دینے والے کی نیت پر ہوتا ہے۔ (مسلم)

لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا

﴿۱۲﴾ وعن عائشة قالت انزلت هذه الآية "لا يؤاخذكم الله باللغو في ايمانكم" في قول الرجل لا والله وبلى والله (رواه البخاری) وفي شرح السنة لفظ المصابيح وقال رفعه بعضهم عن عائشة.

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ" یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو لا واللہ اور بلی واللہ کہتا ہے۔ (بخاری) شرح السنہ میں یہ روایت بلفظ مصابیح نقل کی گئی ہے اور یہ کہا ہے کہ بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔

توضیح

"لا واللہ" اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے ہیں لا واللہ بلی واللہ۔ ان لوگوں کا ان الفاظ سے قسم کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے یا بطور تکیہ کلام اس طرح قسم کھاتے ہیں یہی یمین لغو ہے جس میں نہ کفارہ ہے نہ گناہ ہے

ائمہ احناف نے قسم کی اس صورت کو بھی لغو قرار دیا ہے کہ ایک شخص کسی بات پر قسم کھائے اور اس کے خیال میں یہ ہو کہ میں صحیح قسم کھا رہا ہوں لیکن حقیقت میں اس کو غلطی ہو رہی ہو بہرحال لغو قسم کی اس شرعی سہولت کا مطلب یہ نہیں کہ ایک مسلمان خواہ مخواہ اپنی زبان کو قسموں میں آلودہ رکھے اور جونہی زبان کھلتی ہے تو کسی قسم سے کھلتی ہے۔

الفصل الثانی

﴿۱۳﴾ عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتحلفوا بآبائكم ولا بامهاتكم ولا بالانداد ولا تحلفوا بالله الا وانتم صادقون (رواه ابو داؤد والنسائی)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ تو اپنے باپوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی، اور خدا کی قسم بھی اسی صورت میں کھاؤ جب تم سچے ہو (یعنی جھوٹی قسم نہ کھاؤ خواہ اس کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے) ابوداؤد، نسائی۔

غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے

﴿۱۴﴾ وعن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من حلف بغير الله فقد اشرك (رواه الترمذی)

ابن عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

توضیح

"فقد اشرک" مطلب یہ ہے کہ اصل میں محلوف بہ معظم ہوتا ہے یعنی جس کے نام کی قسم کھائی جاتی ہے وہ معظم بھی سمجھا جاتا ہے اور اس کو "ضار و نافع" بھی سمجھا جاتا ہے اس کو اپنے امور کا ضامن اور بعض دفعہ اس کو غیب دان بھی سمجھا جاتا ہے تو جس شخص نے اللہ کے سوا کسی کو اس طرح معظم سمجھ کر قسم کھائی تو اس نے شرک جلی یا شرک خفی کا ارتکاب کیا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات میں غیر اللہ کو شریک کیا اور اس طرح تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک قرار دینا شرک فی التعظیم ہے لہٰذا فرمایا "فقد اشرک" اس نے شرک کیا اور اگر اس طرح عقیدہ نہ ہو بلکہ صرف قدیم عادت کے مطابق بیٹے یا باپ دادا کے ناموں کی قسم کھائی تو یہ اگر چہ گناہ ہے لیکن اس میں شرک نہیں ہے۔

"امانۃ" کی قسم کھانے کا حکم

﴿۱۵﴾ وعن بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَۃِ فَلَیْسَ مِنَّا.

(رواہ ابوداؤد)

اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے امانت کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح

"بالامانۃ" چونکہ امانت اسماء اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ فرائض اللہ میں سے ہے اس لئے اس طرح قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوگی اور یہ جو فرمایا کہ یہ شخص ہم میں سے نہیں ہے یہ اس لئے کہ یہ طریقہ عیسائیوں کا ہے وہ عبادات پر قسم کھاتے ہیں گویا یہ غیر اللہ کے نام کی قسم ہوئی جو ناجائز ہے۔

ہاں اگر امانت کی بجائے کسی نے امانۃ اللہ کہدیا اور لفظ اللہ کی طرف اضافت کی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قسم منعقد ہوجائے گی کیونکہ یہ اس وقت اسم صفتی بن جائے گا جو امین سے مشتق ہوگا لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک اضافت کے ساتھ استعمال کرنے سے بھی قسم منعقد نہیں ہوگی نہ حانث ہوگا اور نہ کفارہ آئے گا۔

"لیس منا" اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اس قسم کے مسئلہ میں یہ شخص اہل اسلام کے طریقہ پر نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ شخص کافر ہوگیا یا مطلب یہ ہے کہ یہ کلام اسلوب حکیم کے طور پر ہے کہ اس شخص کا ہم سے تعلق نہیں، ظاہر ہے کہ جو شخص محبوب

کی طرف سے اس طرح اعلان کو سنے گا تو وہ اس فعل کے ارتکاب سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے گا یا یہ تشدید وتغلیظ ہے۔

اسلام سے بیزاری کی قسم کا حکم

﴿۱۶﴾وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اِنِّي بَرِيءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا (رواه ابو داؤد والنسائی و ابن ماجه)

اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یوں کہے کہ (اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا نہ کیا ہوتو) میں اسلام سے بری ہوں، لہٰذا اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے تو وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے کہا اور اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تب بھی اسلام کی طرف پوری طرح واپس نہ آئے گا۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح

"فان کان کاذبا" اس حدیث کو سمجھنے کے لئے قسم کی صورت اس طرح ہوگی کہ کسی شخص نے کہا کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا ہو یعنی مثلاً مسلمانوں کے لئے کنواں نہیں کھودا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں اس قسم میں اگر یہ شخص جھوٹا ہو تو یہ واقعۃً اسلام سے بیزار ہو گیا۔"فھو کماقال" کا یہی مطلب ہے۔

ملا علی قاری اس حدیث کے اس جملہ کے تحت لکھتے ہیں کہ یہ جملہ تغلیظ وتشدید وتحدید اور زجر وتوبیخ کے طور پر ہے اس سے واقعۃً یہ شخص کافر نہیں ہوا کیونکہ یہ یمین غموس ہے جس میں گناہ ہے کفر نہیں ہے "وان کان صدقا" اور اگر اپنے خیال میں اپنی قسم میں سچا ہے یعنی اس نے اس طرح قسم کھائی کہ اگر میں نے فلاں کام نہیں کیا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں، اور فی الواقع وہ سچا ہے اس نے وہ کام کیا ہے تو بھی یہ شخص گناہ سے خالی نہیں رہ سکتا ہے کیونکہ شریعت نے اس طرح قسم کھانے سے منع کیا ہے اور اس نے اس طرح قسم کھالی ہے اور گناہ کا ارتکاب کیا۔

﴿۱۷﴾وعن اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَهَدَ فِي الْيَمِينِ قَالَ لَا وَالَّذِي نَفْسُ اَبِي الْقَاسِمِ بِيَدِهٖ (رواه ابو داؤد)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب (بعض موقع پر) اپنی قسم میں زور پیدا کرنا چاہتے تو اس طرح قسم کھاتے تھے نہیں! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے۔ (ابوداؤد)

حضور اکرمؐ کی ایک قسم کا مطلب

﴿۱۸﴾ وعن اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَتْ يَمِينُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ لَا وَاَسْتَغْفِرُ

اللّٰہَ (رواہ ابو داؤد و ابن ماجه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قسم کھاتے تھے تو آپ کی قسم اس طرح ہوتی تھی ''لا و استغفر اللہ'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

''لا و استغفر اللہ'' قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب اس طرح ہے '' ای استغفر اللہ ان کان الامر علی خلاف ذلک'' یعنی یہ اگر چہ صراحۃً قسم نہ بھی ہو لیکن یہ مشابہ بالقسم ہے کیونکہ اس میں کلام کی انتہائی تاکید مقصود ہے کہ اگر اس میں ذرا خلاف واقعہ بات ہوگئی ہو تو میں استغفار کرتا ہوں لہٰذا اس کو قسم کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

علامہ طیبی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ درحقیقت اس ''لا'' کے ضمن میں قسم پڑی ہوئی ہے اور واستغفر اللہ اس محذوف پر عطف ہے اور عبارت اس طرح ہے ''لا اقسم باللہ و استغفر اللہ'' اب قسم کے ساتھ استغفر اللہ اس لئے لایا ہے کہ لا کے ضمن میں جو قسم ہے وہ یمین لغو ہے اور حضور اکرمؐ اکثر و بیشتر یمین لغو کے بعد استغفر اللہ فرمایا کرتے تھے۔

قسم کے ساتھ ''انشاء اللہ'' ملانے کا حکم

﴿۱۹﴾وعن ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و النسائی و ابن ماجه و الدارمی) وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ جَمَاعَةً وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ.

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی بات پر قسم کھائے اور قسم کے ساتھ ہی انشاء اللہ بھی کہہ دے تو اس پر حنث (کا اطلاق) نہیں ہوگا (ترمذی) ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) نیز امام ترمذی نے کچھ محدثین کے بارہ میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو حضرت ابن عمرؓ پر موقوف کیا ہے (یعنی ان محدثین کے نزدیک یہ روایت حضرت ابن عمرؓ کا ارشاد ہے)

توضیح

''انشاء اللہ'' اگر قسم، طلاق، عتاق وغیرہ عقود فسوخ میں انشاء اللہ کا لفظ متصل استعمال کیا جائے تو کسی کے نزدیک بھی وہ قسم یا کوئی عقد منعقد نہیں ہوگا، صرف حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے کہ وہ انشاء اللہ کو ایک سال بعد بھی مؤثر مانتے تھے۔ حضرت مجاہد کئی سال تک مؤثر مانتے تھے اور سعید بن جبیر چار ماہ تک مؤثر مانتے تھے۔ امام مالکؒ کے نزدیک انشاء اللہ متصل ہو یا منفصل

ہو اس کا کوئی اثر کسی عقد وعہد پر نہیں پڑتا ہے قسم واقع ہوگی کیونکہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت میں ہیں تو اس کا پڑھنا نہ پڑھنا برابر ہے قسم وغیرہ برقرار رہے گی لیکن یہ رائے اس قسم کی تمام احادیث سے مخالف ہے۔ اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اب رہی یہ بات کہ انشاء اللہ کے متصل اور منفصل ہونے کی حد کیا ہے تو بعض نے کہا کہ مجلس میں سلسلہ کلام کے جاری رہنے تک اس کا وقت ہے اور جب کلام بدل گیا یعنی دوسرا کلام شروع ہوگیا تو اب انشاء اللہ کا اثر ختم ہوگیا احناف کو یہی مسلک اپنانا ہوگا بعض نے کہا کہ جب تک مجلس قائم ہے تو انشاء اللہ مجلس کے قیام تک مؤثر رہے گا شوافع کو یہی مسلک اپنانا پڑے گا کیونکہ دونوں کے اصول وقواعد اسی طرح ہیں کہ ایک فریق نے مسائل میں مجلس کے اختتام کا اعتبار کیا ہے اور دوسرے فریق یعنی احناف نے سلسلۂ کلام کے اختتام کا اعتبار کیا ہے۔

الفصل الثالث

﴿۲۰﴾ عن اَبِی الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ ابْنَ عَمٍّ لِی آتِیْهِ اَسْاَلُهٗ فَلَایُعْطِیْنِی وَلَا یَصِلُنِی ثُمَّ یَحْتَاجُ اِلَیَّ فَیَاْتِیْنِی فَیَسْاَلُنِی وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ فَاَمَرَنِی اَنْ آتِیَ الَّذِی هُوَ خَیْرٌ وَاُکَفِّرَ عَنْ یَمِیْنِی (رواه النسائی وابن ماجه) وَفِی رِوَایَةٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ یَاْتِیْنِی ابْنُ عَمِّی فَاَحْلِفُ اَنْ لَا اُعْطِیَهٗ وَلَااَصِلَهٗ قَالَ کَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِکَ.

اور ابواحوص عوف ابن مالک اپنے والد (حضرت مالکؓ) سے روایت نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے موقع پر) اس سے (کچھ مال واسباب) مانگتا ہوں تو وہ مجھ کو (کچھ) نہیں دیتا اور میرے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا ہے لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے مگر میں نے (اس کو اس کے عمل کی سزا دینے کے لئے۔ یہ خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں لیکن مجھ سے مانگنے کے لئے آجاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ میں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے حسن سلوک کروں گا۔ آنحضرتؐ نے (یہ سنکر) مجھے حکم فرمایا کہ میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کروں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ دوں۔ (نسائی، ابن ماجہ)

اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ مالک نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرے چچا کا بیٹا میرے پاس (کچھ مانگنے) آتا ہے تو میں یہ قسم کھالیتا ہوں کہ نہ تو میں اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس کے ساتھ حسن سلوک کروں گا۔ آپؐ نے (یہ سنکر) فرمایا تم اپنی قسم (توڑ دو اور اس) کا کفارہ دو۔

۲۸ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

باب في النذور

نذروں کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿وليوفوا نذورهم و ليطوفوا بالبيت العتيق﴾ (سورت حج ۲۹)

وقال تعالیٰ ﴿يوفون بالنذر و يخافون يوما كان شره مستطيرا﴾ (سورت الدهر)

نذر ینذر باب نصر اور ضرب دونوں سے نذر ماننے کے معنی میں ہے باب افعال سے ڈرانے کے معنی میں آتا ہے یہاں نذر منت ماننے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نذور جمع کا صیغہ لا کر یہ بتا دیا گیا کہ اس کی انواع کثیر ہیں تفسیر کبیر میں نذر کی تعریف اس طرح مذکور ہے "النذر ماالزمه الانسان على نفسه" یعنی غیر واجب چیز کو اپنے اوپر لازم اور واجب کرنے کا نام نذر ہے۔

مثلاً کوئی یہ کہدے کہ میرا فلاں کام اگر ہو جائے تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کے لئے دو روزے لازم ہیں۔

نذر کی دو قسمیں ہیں نذر مطلق اور نذر مقید پہلی قسم میں وسعت ہوتی ہے اور دوسری قسم میں وسعت نہیں بلکہ جس وقت کی نذر مانی اسی وقت پر ادا کرنا ہوگا۔ غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز حرام ہے خواہ نقد پیسہ کی صورت میں ہو یا ذبح حیوان کی صورت میں ہو یا کھانوں کی شکل میں ہو یا چڑھاوا چڑھانے کی صورت میں ہو یا کوئی دیگر صورت ہو سب حرام ہیں نذر کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسی طاعت میں ہو جس کی جنس کا حکم شریعت میں ہوا ہو مثلاً نماز روزہ وغیرہ لہٰذا یہ نذر لازم نہیں کہ کسی نے نذر مانی کہ میں مریض کی عیادت کروں گا کیونکہ عیادت کوئی واجب نہیں صرف مستحب ہے نذر کی تمام تفصیلات قسم کے ابتدائی مباحث میں گذر چکی ہیں۔

ویسے جب صاحب مشکوۃ نے یہاں مستقل طور پر نذروں کا باب رکھا ہے تو اس کو قسم کے باب میں قسم کے عنوان کے تحت ذکر نہیں کرنا چاہئے تھا شاید وہاں کاتبین سے سہو ہو گیا ہوگا شیخ عبدالحق نے اشعة اللمعات میں لکھا ہے کہ وہاں نذر کا بیان ضمنی طور پر تھا اصل بیان قسم کا تھا اور یہاں نذر کو مستقل الگ ذکر کیا ہے۔

نذر ماننے کا پس منظر

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن اَبِی هُرَیْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذُرُوا فَاِنَّ النَّذْرَ

لَایُغْنِی مِنَ الْقَدَرِ شَیْئًا وَاِنَّمَا یُسْتَخْرَجُ بِهٖ مِنَ الْبَخِیْلِ (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر کی کسی چیز کو دور نہیں کرتی البتہ نذر کے ذریعہ بخیل کا (کچھ مال ضرور) خرچ ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"لا تنذروا" مذکورہ حدیث کے الفاظ میں نذر کی ممانعت صراحت کے ساتھ مذکور ہے حالانکہ قرآن عظیم نذر کے جواز اور اس کی ایفاء کا حکم دیتا ہے نیز احادیث کثیرہ سے نذر کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں اس حدیث میں سخی اور بخیل وکنجوس آدمی کا موازنہ کیا گیا ہے اور دونوں کا تقابل بیان کیا گیا ہے کہ سخی آدمی کی شان یہ ہے کہ وہ بغیر غرض اور بغیر لالچ اور بغیر نذر کے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال لٹاتا ہے وہ صرف اپنے رب کو راضی کرنا چاہتا ہے اور مال دینے کی عوض کوئی شرط نہیں لگاتا ہے۔

لیکن بخیل اور کنجوس مکھی چوس کو اس کی توفیق نہیں ہوتی ہے وہ اگر اپنے مال کو خرچ کرنا بھی چاہتا ہے تو اس کے لئے نذر کو واسطہ بنا دیتا ہے اور قلبی اغراض کی برآری کے لئے کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے میرا کام کر دیا یا اس نقصان سے بچا لیا تو میں اس کے نام پر اتنا پیسہ خرچ کر دوں گا تو اس حدیث میں سخی کی صفت ایثار کا بیان ہے اور کنجوس کے اغراض ومقاصد اور لالچ وسوداگری کا بیان ہے اس پورے پس منظر کو سامنے رکھ کر حدیث شریف میں نذر کی ممانعت کر دی گئی ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء نے مطلقاً نذر ماننے کو مکروہ لکھا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اصولی طور پر "نذر" ایک مشروع اور جائز امر ہے البتہ کچھ خارجی وجوہات کی وجہ سے نذر مکروہ ہو جاتی ہے۔

☆ چنانچہ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جب نذر ماننے والے نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ میرا کام کر دے گا تو میں یہ کام کر دوں گا ورنہ نہیں کروں گا اس طرح شرط لگانے سے اخلاص ختم ہو جاتا ہے تو نذر مکروہ ہو جاتی ہے۔

☆ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر نذر ماننے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ نذر سے تقدیر الٰہی بدل جائے گی اور خود یہ "نذر" نافع اور ضار ہے (جلب منفعت اور دفع مضرت کا کام کرتی ہے) تو اس طرح نذر ماننا حرام ہے اور اگر نذر ماننے میں عقیدہ تو خراب نہ ہو مگر صرف خود غرضی اور مطلب برآری مقصود ہو تو یہ نذر مکروہ ہے کیونکہ نیت میں خلوص نہیں اور اگر خالص نیت سے اطاعت کی غرض سے نذر مانتا ہے تو یہ مستحب ہے، بہرحال حدیث مذکور میں غلط عقیدہ کی وجہ سے نذر کی ممانعت آئی ہے اور خلوص نیت کے ساتھ نذر کی ترغیب دے دی گئی ہے مطلق نذر سے منع کرنا مقصود نہیں ہے زیر بحث حدیث میں "فان النذر لایغنی من القدر شیأ" کے الفاظ میں جس علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے علامہ طیبی کی تفصیل وتوضیح کی تائید ہوتی ہے۔

نذر معصیت میں کفارہ کا حکم

﴿۲﴾وعن عَائِشَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيعَ اللّٰهَ فَالْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَهُ فَلَايَعْصِهِ (رواه البخارى)

اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرے) اور جو شخص ایسی نذر مانے جس سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو تو وہ اسکی نافرمانی نہ کرے (یعنی ایسی نذر کو پورا نہ کرے) (بخاری)

توضیح

"فلایعصه" اس پر سب کا اتفاق ہے کہ معصیت کی نذر ماننا جائز نہیں ہے مثلاً یہ نذر کسی نے مانی کہ اگر میرا گمشدہ بیٹا مل گیا تو میں شاہ دولہ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا رقص کروں گا، اس نذر کا پورا کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ معصیت کی نذر میں کفارہ ہے یا نہیں ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نہ معصیت کی نذر جائز ہے نہ اس کا پورا کرنا جائز ہے اور نہ اس میں کفارہ ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ معصیت کی نذر کا توڑنا ضروری ہے اور پھر اس کا کفارہ ادا کرنا بھی واجب ہے جو کفارہ یمین ہے۔

دلائل

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں نیز آنے والی عمران بن حصین کی حدیث نمبر۳ سے بھی استدلال کرتے ہیں طرز استدلال اس طرح ہے کہ یہاں کفارہ کا ذکر نہیں ہے اگر نذر معصیت میں کفارہ ہوتا تو احادیث میں اس کا تذکرہ ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ نے حضرت عقبہ بن عامر کی حدیث نمبر۴ سے استدلال کیا ہے الفاظ یہ ہیں "کفارة النذر کفارة اليمين" پھر فصل ثانی کی حضرت عائشہؓ کی حدیث نمبر۹ سے استدلال کیا ہے جس میں صاف الفاظ ہیں کہ "لانذر فی معصية و كفارته كفارة اليمين" اسی کے ساتھ حضرت ابن عباس کی حدیث نمبر۱۰ سے استدلال کیا ہے۔

ائمہ احناف کے بعض علماء نے اس قسم کی نذر کے کفارہ میں کچھ فرق کیا ہے وہ یہ کہ اس نذر میں اگر معصیت لذاتہ یعنی شرب خمر یا زنا کرنے کی نذر ہے تو نہ اس کا پورا کرنا جائز ہے نہ اس میں کفارہ ہے اور اگر نذر میں معصیت لغیرہ ہے مثلاً عیدین

یا ایام تشریق میں روزوں کی نذر مان لی تو اس کے توڑنے میں کفارہ یمین آئیگا اس طرح دونوں قسم کی روایات پر عمل ہوگیا۔

جواب:

باقی مذکورہ زیر بحث حدیث میں کفارہ دینے نہ دینے کا ذکر اگر نہیں ہے تو عدم ذکر عدم حکم کی دلیل تو نہیں ہوتی اگر زیر بحث حدیث میں کفارہ کا ذکر نہیں ہے تو دیگر احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے لہٰذا کفارہ دینے کا حکم اپنانا پڑے گا ان حضرات نے جو حضرت عمران بن حصین کی روایت سے استدلال کیا ہے اس کا بھی یہی جواب ہے۔

لطیفہ

کہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ شیخ شعبیؒ کے پاس آئے اور نذر معصیت کا مسئلہ پوچھا انہوں نے فرمایا کہ جب گناہ اور معصیت کی نذر مانی جائے تو اس میں کچھ بھی کفارہ وغیرہ نہیں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ پھر ظہار میں کفارہ کیوں ہے حالانکہ وہ بھی گناہ ہے کیونکہ اپنی بیوی کو ماں کہنا کتنا برا ہے؟ شعبی حیران ہوئے اور فرمانے لگے "انت من الآرائیین" آپ اصحاب رائے میں سے ہیں۔ شیخ شعبی امام ابوحنیفہؒ کے استاذ ہیں۔

﴿۳﴾ وعن عمران بن حصين قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاوفاء لنذر في معصية ولافي مالايملك العبد (رواه مسلم) وفي رواية لانذر في معصية الله.

اور حضرت عمران ابن حصین سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نذر گناہ کا باعث ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر پوری کرنا جائز ہے جس کا بندہ مالک نہ ہو۔ (مسلم)

قسم اور نذر کا کفارہ یکساں ہے

﴿۴﴾ وعن عقبة بن عامر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كفارة النذر كفارة اليمين (رواه مسلم)

اور حضرت عقبہ ابن عامرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا نذر کا کفارہ قسم کے کفارے جیسا ہے۔ (مسلم)

ناممکن باتوں کی نذر کو پورا نہ کرو

﴿۵﴾ وعن ابن عباس قال بينا النبي صلى الله عليه وسلم يخطب اذاهو برجل قائم فسأل عنه فقالوا ابواسرائيل نذر ان يقوم ولا يقعد ولا يستظل ولا يتكلم ويصوم فقال النبي صلى الله عليه

وَسَلَّمَ مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ (رواه البخاری)

اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھڑا تھا آپؐ نے اس شخص کے بارہ میں دریافت فرمایا کہ (اس کا نام کیا ہے اور یہ اس وقت کیوں کھڑا ہے؟) تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابواسرائیل ہے اور اس نے یہ نذر مانی ہے کہ کھڑا رہیگا نہ بیٹھے گا نہ سایہ میں آئے گا اور نہ (بالکل) بولے گا اور (ہمیشہ) روزے رکھے گا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سنکر) فرمایا کہ اس سے کہو، بولے، سایہ میں آئے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (بخاری)

توضیح

"ابو اسرائیل نذر ان یقوم" یعنی حضور اکرمؐ نے پوچھا کہ یہ شخص کیوں کھڑا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا۔ اس شخص نے جن باتوں کی نذر مانی تھی ان میں سے بعض پر تو عمل کرنا آسان اور ممکن تھا لیکن بعض پر عمل کرنا ممکن نہیں تھا تو جن باتوں پر عمل کرنا ممکن تھا اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور جن پر عمل ممکن نہیں تھا اس کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ حضور اکرمؐ نے اس کو روزے پورے کرنے کا حکم دیدیا کہ سال بھر کے روزے رکھے گا ہاں ایام منہیہ اس سے خارج ہوں گے یعنی عیدالفطر عیدالاضحیٰ اور تین دن ایام تشریق کے ایام منہیہ ہیں اگر کسی شخص نے ان دنوں کے روزوں کی بھی نذر مانی تو ائمہ احناف کے نزدیک اس کا توڑنا اور پھر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا یاد رہے ہمیشہ روزے رکھنا ان کے لئے جائز ہے جو اس کے رکھنے کی قدرت رکھتا ہو۔ "ان یقوم" یعنی ہمیشہ کھڑا رہنے کی نذر مانی تھی تو اس کا پورا کرنا ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ کسی کے بس کی بات بھی نہیں ہے اور نماز میں قعدہ وسجدہ کے لئے بیٹھنا فرض ہے اس لئے اس نذر کے توڑنے کا حکم دیا گیا۔ "لا یتکلم" یہ بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ نماز میں پڑھنا قرأت کی صورت میں فرض ہے۔ قرآن عظیم کی تلاوت ہے۔ اور کسی مسلمان کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اسی طرح صلہ رحمی کے لئے رشتہ داروں سے بولنا ان کا حق ہے اس لئے اس نذر کو توڑنے کا حکم دیدیا گیا۔ "ولا یستظل" یعنی کبھی سایہ میں نہیں آئے گا یہ بھی ممکن نہیں تھا کیونکہ ہمیشہ دھوپ میں کھڑا ہونا خودکشی ہے اور باجماعت نماز کیلئے مسجد میں آنا ضروری تھا اس لئے اس نذر کو توڑنے کا بھی حکم دیدیا گیا اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہر وہ فعل وعمل جس سے انسان کو مشقت اٹھانی پڑتی ہو اور قرآن وحدیث نے اس کا حکم نہیں دیا ہو جیسے پیدل ننگے پیر چلنا یا دھوپ میں بیٹھنا یہ ثواب کا کام نہیں ہے (زجاجۃ المصابیح ج ۲ ص ۵۹۵)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پیدل جماعتوں کو چلانا اور ان کو مشقت میں ڈالنا جبکہ تمام سہولیات موجود ہوں یہ محل بحث ہے شریعت کا واضح حکم ہونا چاہئے اجتہاد کی ضرورت یہاں نہیں ہے۔

مشی الی بیت اللہ کی نذر کا حکم

﴿۶﴾وعن انس اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَایٰ شَیْخًا یُھَادیٰ بَیْنَ ابْنَیْہِ فَقَالَ مَا بَالُ ھٰذَاقَالُوا نَذَرَ اَنْ یَمْشِیَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی عَنْ تَعْذِیْبِ ھٰذَانَفْسَہُ لَغَنِیٌّ وَاَمَرَہُ اَنْ یَرْکَبَ (متفق علیہ) وَفِی رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَةَ قَالَ ارْکَبْ اَیُّھَا الشَّیْخُ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنْکَ وَعَنْ نَذْرِکَ.

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیت اللہ کے سفر کے دوران) ایک بوڑھے کو دیکھا جو (ضعف وکمزوری کی وجہ سے) اپنے دو بیٹوں کے درمیان (ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے) راستہ چل رہا تھا۔ آپؐ نے پوچھا کہ اسے کیا ہوا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس شخص نے پیادہ پا جانے کی نذر مان رکھی ہے، آپؐ نے فرمایا اس طرح اپنے آپ کو عذاب (تکلیف) میں ڈالنے کی خدا کو پرواہ نہیں ہے۔ پھر آپؐ نے اس شخص کو سواری پر چلنے کا حکم دیا (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپؐ نے اس بوڑھے سے فرمایا کہ بڑے میاں سواری پر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اس منت سے بے نیاز ہے۔

توضیح

"رأی شیخا" شیخ سے مراد بوڑھا اور کمزور شخص ہے "یھادی" یہ مجہول کا صیغہ ہے دو آدمیوں کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر مشکل سے چلنے کو کہتے ہیں "بین ابنیہ" کا لفظ اس پر دلالت کررہا ہے کہ ان کو کتنی تکلیف تھی "بال" بمعنی حال ہے اور "نفسہ" تعذیب مصدر کے لئے مفعول بہ ہے۔

اگر کسی نے زیارت بیت اللہ کے لئے پیدل چلنے کی نذر مانی اور یوں کہا کہ "میں پیادہ پا بیت اللہ جاؤں گا" تو اس بارے میں علماء کرام کے اقوال مختلف ہیں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر پیدل جانے کی قدرت وطاقت ہے تو جائے ورنہ عجز اور مجبوری کی صورت میں سوار ہو جائے اور نذر توڑ کر دم ادا کرے اور یہی اس کا کفارہ ہے امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ عجز کی صورت میں کچھ نہیں اور قدرت کی صورت میں اگر نذر توڑ کر سوار ہوا تو دم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح نذر کے بعد پیدل چلنے کی قدرت ہو یا نہ ہو اس شخص پر پیدل چلنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ وہ سوار ہو کر سفر کرے اور ایک دم بطور کفارہ ادا کرے" ان دونوں مسلکوں کی اتفاقی بات تو اتنی ہے کہ اسطرح نذر ماننے سے نذر منعقد ہو جاتی ہے اور پاپیادہ چلنا لازم ہے لیکن اگر کوئی اس پر عمل نہیں کرتا اور اس نذر کو توڑنا چاہتا ہے تو وہ کیا کرے تو شوافع فرماتے ہیں کہ مجبوری کی صورت میں دم ہے اور مجبوری نہ ہونے کی صورت میں پیدل چلنا متعین ہے مگر احناف فرماتے ہیں کہ پیدل چلنے پر قدرت باوجود اگر یہ شخص اس نذر کو توڑنا چاہتا ہے اور سوار ہو کر جانا چاہتا ہے تو ایسا کرسکتا ہے البتہ ایک دم ادا کرنا ہوگا ادنی دم بکری،

ہے اور جہاں بدنہ کا ذکر ہے تو وہ مستحب ہے۔

سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نذر تو اس چیز کی مانی جاتی ہے جس کی جنس میں سے کوئی فعل شرعاً واجب ہو اور بیت اللہ کی طرف پیدل سفر کرنا کوئی واجب فعل نہیں ہے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس شخص پر اس نذر میں کچھ بھی لازم نہ ہو حالانکہ عام علماء کے نزدیک اس نذر کے توڑنے میں اس شخص پر دم لازم ہے۔

جواب

قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا لیکن استحسان یعنی قیاس خفی کی وجہ سے یہ نذر معتبر قرار دیدی گئی ہے کیونکہ لوگوں کے عرف میں اس طرح کے الفاظ ادا کرنے سے حج یا عمرہ لازم سمجھا جاتا ہے اور قسم اور نذر میں عرف کا بڑا دخل ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے ایک اثر منقول ہے کہ اس طرح نذر ماننے سے حج یا عمرہ لازم آتا ہے تو اس وجہ سے بھی قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

سوال

جب نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے کفارہ کی طرح ہے تو پھر اس نذر کے توڑنے کی وجہ سے دم کیوں لازم آتا ہے کفارہ قسم کیوں نہیں آتا؟

جواب

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نذر کا یہ معاملہ حج وعمرہ سے وابستہ ہے اور حج وعمرہ میں جب نقصان آتا ہے تو اس کو دم سے ہی پورا کیا جاسکتا ہے۔ "**قال و نقائص النسک تجبر بالدم**" گویا یہ حج وعمرہ کی خصوصیت ہے " **کذافی زجاجة المصابیح مختصراً**"

باقی جس نے پیدل حج کی نذر مانی تو اس پر لازم ہے کہ گھر سے طواف زیارت تک پیدل جائے یہی راجح ہے اور اگر یہی نذر عمرہ کی مانی تو سر منڈانے تک پیدل رہے۔ اگر کسی نے کہا کہ مجھ پر بیت اللہ تک پیدل چلنا اللہ کے لئے نذر ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا کہ اس نے حج کی نیت سے کہا تھا یا عمرہ کی نیت سے کہدیا تھا یاد رہے یہ پیدل نذر اس وقت لازم آئے گی جب کسی نے مشی الی بیت اللہ کے الفاظ کہدئے اگر کسی نے ''ذھاب الی بیت اللہ'' کے الفاظ ادا کردیئے تو کچھ بھی لازم نہیں آئے گا ہاں عرف کا اعتبار ہے۔

نذر ماننے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟

﴿۷﴾وعن ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اِسْتَفْتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى اُمِّهٖ فَتُوُفِّيَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِيَهُ فَاَفْتَاهُ اَنْ يَقْضِيَهُ عَنْهَا (متفق عليه)

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نذر کے بارہ میں مسئلہ پوچھا جوان کی ماں نے مانی تھی اوراس کو پورا کرنے سے پہلے وہ مرگئی تھیں چنانچہ آنحضرتؐ نے سعد کو یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اس نذر کو پورا کریں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فافتاه ان يقضيه عنها" حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ نے کیا نذر مانی تھی اس بارہ میں کوئی یقینی وضاحت نہیں ملی بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی بعض علماء کہتے ہیں اعتاق عبد کی نذر تھی بعض نے کہا کہ صدقہ کی نذر مانی تھی۔

مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان کی نذر مبہم تھی نذر معین اور نذر مطلق کا تذکرہ بھی نہیں تھا دار قطنی میں ایک روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ سے فرمایا کہ اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھود کر وقف کردو چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور پھر فرمایا کہ "یہ سعد کی والدہ کے لئے ہے"

اب یہاں سے یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر کسی شخص نے نذر پورا کرنے کی وصیت کی تو دیکھا جائے گا اگر نذر کا تعلق مال سے ہے تو میت کے ایک ثلث مال سے نذر پوری کی جائے گی۔ اور میت کے ورثاء پر تعمیل حکم لازم ہے اور اگر میت کا مال نہیں ہے تو ورثاء پر اس نذر کی ایفاء لازم نہیں ہے، ہاں اگر ورثاء بطور احسان ایفاء کرنا چاہتے ہیں تو یہ تبرع اور احسان ہے اور اگر نذر کا تعلق مال کے بجائے عبادات بدنیہ سے ہو تو اس کی وصیت پورا کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے کیونکہ "لا يصلي احد عن احد ولا يصوم احد عن احد" صریح حدیث وارد ہے۔ اہل ظواہر نے زیر بحث حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے کہ وارث پر مورث کی نذر پورا کرنا ہر حال میں لازم ہے۔

ایصال ثواب کا مسئلہ

اس حدیث کے اشاروں سے علماء نے ایصال ثواب کا مسئلہ نکالا ہے ایصال ثواب کا مطلب یہ ہے کہ زندوں کے اعمال کا ثواب مردوں تک پہنچتا ہے یا نہیں اس مسئلہ میں عرب وعجم کے علماء میں دوقسم کی آراء چلی آرہی ہیں مصر کے ایک عالم محمد احمد عبدالسلام نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "القراءة للاموات هل يصل ثوابها اليهم؟" یہ کتاب آدھی سے کچھ زیادہ ایصال ثواب کی نفی میں ہے۔ اور آدھی سے کچھ کم آخری حصہ ایصال ثواب کے اثبات میں ہے میں اس مسئلہ کی تفصیل بیان نہیں

کرسکتا صرف اتنی بات ہے کہ اہل السنّت والجماعت اور معتزلہ کے درمیان گزشتہ زمانوں میں یہ اختلافات زوروں پر تھے معتزلہ ایصال ثواب کا انکار کرتے تھے اور اہل سنت اثبات کرتے تھے، اب تو علماء ان مسائل کے لئے فارغ بھی نہیں ہے۔

بہر حال عبادات مالیہ پر اجماع ہے کہ اس کا ثواب مردوں تک پہنچتا ہے اور عبادات بدنیہ میں فرائض وسنن اور واجبات کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں بخشا جاسکتا کیونکہ یہ ہر آدمی کا ذاتی عمل ہے اور اس کی اپنی ذمہ داری ہے اب بات نوافل کی رہ گئی مثلاً نفلی نماز روزہ تلاوت قرآن پاک وغیرہ تو جمہور علماء اس کے ایصال ثواب کے قائل وعامل ہیں البتہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ وہ تلاوت قرآن کے ایصال ثواب کے قائل نہیں ہیں لیکن ایصال ثواب سے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جو ان پر حجت ہیں یہی وجہ ہے کہ اکثر شوافع نے اس مسئلہ میں اپنے امام کا ساتھ نہیں دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر تعین تاریخ کو کوئی شخص ضروری نہیں سمجھتا ہو جیسے اہل بدعت کے ہاں تیجہ، ساتواں، چالیسواں اور گیارھواں تعین کے ساتھ وہ ضروری سمجھتے ہیں تو پھر ایصال ثواب درست ہے مردے کو ثواب پہنچ جائے گا ہاں اگر مردے کے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن ہو تو اس پر قاری کے لئے کھانا یا عوض لینا جائز نہیں ہے اگر عوض لے لیا تو ثواب نہ قاری کو ملے گا اور نہ مردے کو ملے گا۔ ہاں اگر تبرک کے طور پر ختم قرآن ہو مثلاً نئے مکان ودکان میں، تو تلاوت سے برکت آجاتی ہے اس کے عوض میں کھانا جائز ہے بشرطیکہ نابالغ یتیموں کا مال نہ ہو ایصال ثواب کے ختم قرآن کے لئے شرط ہے کہ ہر قسم کی نمود ونمائش اور اشتہار وتشہیر اور غرض واغراض سے پاک ہو ورنہ جائز نہیں ہوگا نہ ثواب ہوگا ایصال ثواب اگر کئی اموات کے لئے کیا جائے تو حضرت گنگوہیؒ کے فتوی کے مطابق یہ ثواب سب پر تقسیم ہوگا دیگر مفتیان حضرات کا خیال ہے کہ ہر ایک کو پورا پورا ملے گا مثلاً مردوں کو ایک قرآن کا ثواب بخشا تو ہر ایک کو پورے قرآن کا ثواب ملے گا ان مسائل کے لئے فتاوی رشیدیہ دیکھ لیا جائے خصوصاً ص ۲۳۰ وغیرہ۔

عقود رسم المفتی وغیرہ کتب سے ایک ضابطہ معلوم ہوتا ہے جو استیجار علی الطاعات سے متعلق ہے کہ ہر وہ طاعت و عبادت کہ اگر اس پر اجرت نہ لی جائے تو اس طاعت اور منصب شریعت کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے تو اس پر اجرت لینا بدرجہ مجبوری متاخرین کے نزدیک جائز ہے جیسے امامت، اذان، تعلیم تعلم اور تدریس ہے اور اگر شریعت کا کوئی منصب ختم نہیں ہوتا ہے جیسے تراویح اور ایصال ثواب کے ختمات وغیرہ تو اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہے کیونکہ تراویح تو چھوٹی سورتوں سے بھی پڑھائی جاسکتی ہے لہٰذا منصب شرعی کے ختم ہونے کا خطرہ نہیں۔ باقی عاملوں کا عمل اور تعویذات یہ طاعت نہیں بلکہ ایک علاج ہے اس پر اجرت لینا جائز ہے اگرچہ عوام الناس کے نزدیک باعث طعن ہے۔

صدقہ کرنے میں اپنی ضرورت کو ملحوظ رکھنا چاہئے

﴿۸﴾وعن كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِي اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِي صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلَى رَسُولِهٖ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ فَاِنِّي اُمْسِكُ سَهْمِيَ الَّذِي بِخَيْبَرَ (متفق عليه) وَهٰذَا طَرَفٌ مِنْ حَدِيْثٍ مُطَوَّلٍ.

اور حضرت کعب ابن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری مکمل اور پوری طرح توبہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے دست کش ہو جاؤں اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے خیرات کردوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ تم کچھ مال روک لو میں نے عرض کیا میں اپنا خیبر کا حصہ روک لیتا ہوں۔ (بخاری ومسلم) یہ روایت ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔

توضیح

"کعب بن مالک" تبوک کے لئے آنحضرت کی طرف سے نفیر عام کا اعلان ہو گیا تھا اس لئے ہر عاقل بالغ مرد پر جہاد میں نکلنا فرض عین ہو چکا تھا حضرت کعب بن مالک اور ان کے دو ساتھی حضرت ھلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنھم پیچھے رہ گئے تھے ان تینوں کے نام یاد رکھنے کے لئے لفظ "مکہ" کو یاد رکھا جائے کیونکہ ہر ایک کے نام کا پہلا حرف اس لفظ میں موجود ہے اسی طرح معراج میں کون سے آسمان میں کس نبی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی تھی جس کا احادیث میں ترتیب سے واقعہ بیان کیا گیا ہے تو اس کو یاد کرنے کے لئے "اعیاھما" کا جملہ یاد رکھا جائے اس جملہ کا ہر پہلا حرف آسمانوں کی ترتیب کے ساتھ اس نبی کے نام کے پہلے حرف سے موافق ہے۔ مثلاً الف آدم علیہ السلام کے لئے ہے اور پہلے آسمان میں ملاقات ہوئی تھی۔ اسی طرح قابیل وھابیل میں قاتل معلوم کرنے کے لئے قاف کو ذہن میں رکھا جائے کہ جس کے نام میں پہلا حروف قاف ہے وہ قاتل ہے اسی طرح جلالین کے دو مصنف جلال الدین سیوطی اور جلال الدین محلی میں حروف ھجا کے اعتبار سے پہلا حرف سین ہے دوسرا میم ہے تو پہلے حصہ کا مصنف سیوطی ہے دوسرے کا محلی ہے اسی طرح تعم فعم، اسع، زید، ان حروف میں ہر نبی کے نام اور ان پر نازل شدہ کتاب اور زبان کی طرف اشارہ ہے مثلاً "تعم" کو دیکھئے "ت" تورات ع عبرانی میں میم موسیٰ پر نازل ہوئی، "فعم" میں ف فرقان، ع عربی میں "م" محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ "اسع" الف انجیل، سین سریانی زبان میں ع عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی "زید" میں زبور "ی" یونانی زبان میں دال داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے بہر حال حضور اکرمؐ نے حضرت کعب کو سارا مال صدقہ کرنے سے منع فرمادیا اور صدیق اکبر کی تعریف فرمائی جبکہ آپ نے غزہ تبوک کے موقع پر سارا مال پیش کیا وجہ فرق یہ ہے کہ ہر ایک کی ایمانی کیفیت الگ الگ تھی۔ اس حدیث کا تعلق باب النذور سے اس طرح ہے کہ حضرت کعب کا مال پیش کرنا گویا نذر کی وجہ سے تھا۔

الفصل الثانی

﴿۹﴾وعن عائشة قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لانذر في معصية وكفارته كفارة اليمين (رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ جیسا ہے۔(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

غیر معین نذر کا کفارہ

﴿۱۰﴾وعن ابن عباس ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من نذر نذرا لم يسمه فكفارته كفارة يمين ومن نذر نذرا في معصية فكفارته كفارة يمين ومن نذر نذرا لا يطيقه فكفارته كفارة يمين ومن نذر نذرا اطاقه فليف به (رواه ابوداؤد وابن ماجه) ووقفه بعضهم على ابن عباس.

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غیر معین نذر مانے (یعنی صرف یہ کہے کہ میں نذر مانتا ہوں اور اس کا تعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے، مثلاً روزہ کی نذر مان رہا ہے یا صدقہ کی؟) تو اس نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے (یعنی غیر معین نذر کی صورت میں اس کو وہ کفارہ ادا کرنا ہوگا جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے) اسی طرح جو شخص کسی ایسی چیز کی نذر مانے جو گناہ ہو تو (اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے اور) اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے نیز جو شخص کسی ایسی چیز کی نذر مانے جس کو وہ پورا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (مثلاً پہاڑ اٹھانے یا پیادہ قدم بیت اللہ جانے کی نذر مانے یا اسی طرح کی ناممکن العمل کسی بھی چیز کو اپنے اوپر بطور نذر واجب کرے) تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہو تو اس کو چاہئے کہ اس نذر کو پورا کرے (ابوداؤد، ابن ماجہ) بعض راویوں نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس پر موقوف کیا ہے۔

توضیح

"لم یسمہ" یعنی نذر کو مطلق چھوڑا کسی خاص فعل کا نام نہیں لیا کہ مجھ پر اللہ کے لئے روزہ ہے یا حج ہے یا عمرہ ہے لیکن اگر دل میں کسی چیز کی نیت ہو تو اسی پر عمل کرنا ہوگا ورنہ یہ نذر مطلق ہے اس کا کفارہ یمین کے کفارہ کی طرح ہے اس حدیث کا یہ مطلب امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے ہاں ہے شوافع حضرات کے نزدیک اس حدیث میں نذر لجاج وجدال کا بیان ہے یعنی کسی شخص نے نذر مانی کہ اگر میں نے فلاں شخص سے کلام کیا تو مجھ پر ایک ماہ کے روزے یا حج لازم ہو، اب اگر اس نے کلام کرلیا اور نذر توڑ دیا تو اس پر کفارہ یمین آئے گا ظاہر حدیث میں "لم یسمہ" کے الفاظ سے احناف ومالکیہ کی رائے کی تائید ہوتی ہے۔

۲۹ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ

کفار سے مشابہت نہ رکھو

﴿۱۱﴾وعن ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاکِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنْحَرَ اِبِلًا بِبُوَانَةَ فَاتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوا لَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَافِيمَا لَايَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ (رواه ابو داؤد)

اور حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ بوانہ میں (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا پھر وہ شخص رسول کریم صلی اللہ کے پاس آیا اور آپ کو اپنی (نذر کی) خبر کردی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) دریافت فرمایا کہ کیا زمانہ جاہلیت میں اس مقام پر کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی؟ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں پھر آپ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلا لگتا تھا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں اس کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس شخص کو مخاطب) کر کے فرمایا کہ تم اپنی نذر کو پورا کرو کیونکہ اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے جہاں کوئی گناہ کی بات ہو، نیز ابن آدم پر اس چیز کی نذر کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو۔

توضیح

"بوانہ" مکہ مکرمہ کے قریب ینبع مقام میں ساحل سمندر کے پاس ایک چراگاہ کا نام ہے با پر پیش اور واؤ مفتوح غیر مشدد ہے نجد کے علاقہ میں بھی پانی کے ایک گھاٹ کا نام بوانہ ہے وہ مراد نہیں۔"وثن" بت کے معنی میں ہے جمع اوثان ہے "عید" یہ اعیاد کی جمع ہے جاہلیت میں جہاں مشہور میلے لگتے تھے ان جگہوں کے خاص خاص نام ہوتے تھے اسی کا حضور اکرمؐ نے پوچھا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اس جگہ میں کفار کا کوئی شعار تو نہیں ہے جب پتہ چلا کہ کوئی خصوصی علامت نہیں تو آپ نے وہاں ذبح کرنے کی اجازت دیدی اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کو اپنے افعال واقوال اور اپنی عبادات وعادات میں مشابہت نہیں رکھنی چاہئے کیونکہ "من تشبہ بقوم فھو منھم" مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ نذر کے لئے جس مکان کا تعین کیا گیا ہو اور اس پر عمل ممکن ہو تو وہیں پر نذر کو پورا کرنا لازم ہے۔

فتح کی تمنا میں دف بجانے کی نذر

﴿۱۲﴾وعن عَمرِو بنِ شُعَیبٍ عَنْ اَبِیهِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ امْرَاَۃً قَالَتْ یَارَسُولَ اللّٰہِ اِنِّی نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰی رَاْسِکَ بِالدُّفِّ قَالَ اَوْفِیْ بِنَذْرِکِ(رواہ ابوداؤد)وَزَادَ رَزِیْنٌ قَالَتْ وَنَذَرْتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَکَانِ کَذَاوَکَذَا مَکَانٌ یُذْبَحُ فِیْهِ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ هَلْ کَانَ بِذٰلِکَ الْمَکَانِ وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِیَّةِ یُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ کَانَ فِیْهِ عِیْدٌ مِنْ اَعْیَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ اَوْفِیْ بِنَذْرِکِ.

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی کہ (جب آپ جہاد سے واپس تشریف لائیں تو) میں آپؐ کے سامنے دف بجاؤں؟ آپؐ نے فرمایا تم اپنی نذر پوری کرو۔ (ابوداؤد) اور رزینؒ نے اس رویت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے (یہ بھی) کہا کہ'' اور میں نے یہ نذر مانی ہے کہ میں فلاں فلاں مقام پر جہاں زمانہ جاہلیت میں لوگ جانور ذبح کرتے تھے جانور ذبح کروں، آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟ اس عورت نے کہا کہ نہیں پھر آپؐ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ اس عورت نے کہا کہ نہیں؟ آپؐ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔

توضیح

"ان اضرب علی راسک بالدف" ''دُف'' دال پر ضمہ افصح ہے فتحہ بھی جائز ہے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی عام شارحین نے یہی مطلب لیا ہے لیکن یہ حاصل معنی ہے اگر حقیقی معنی پر عمل کیا جائے کہ آپ کے سر پر دف بجاؤں گی تو بھی ممکن ہے کیونکہ دف بجانے والی لونڈی جب کھڑی ہو کر دف بجائے گی اور حضور اکرمؐ بیٹھے ہوئے تشریف فرما ہوں گے تو یہ سر پر دف بجانا ہوگا اور ترجمہ یہ ہوگا میں آپ کے سر پر دف بجاؤں گی شیخ عبدالحقؒ نے فارسی میں یہی ترجمہ کیا ہے اور پھر یعنی سے حاصل معنی بیان کیا ہے۔

سوال

یہاں ایک مشہور سوال ہے جس کو علامہ خطابی نے اس طرح بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ دف بجانا کوئی طاعت اور نیک عمل نہیں ہے زیادہ سے زیادہ ایک مباح عمل ہے حالانکہ نذر ماننے کے لئے طاعت کا ہونا ضروری ہے تو یہ نذر کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

جواب

علامہ خطابی جواب میں فرماتے ہیں کہ اگرچہ دف بجانا صرف ایک مباح امر ہے لیکن جب یہ دف بجانا نبی اکرمؐ

کے ساتھ والہانہ محبت وعقیدت کے ساتھ متعلق ہوا اور جہادی معرکوں سے صحیح سالم فاتحانہ انداز سے واپس آنے سے متعلق ہوا جس میں کفار کا سرنگوں اور غمگین ہونا تھا اور منافقین کی توہین وتحقیر وتذلیل تھی تو اس وجہ سے اب یہ عمل بعض نیکیوں کی طرح ہوا لہٰذا اس کی نذر صحیح ہوگئی۔

تہائی مال کا صدقہ کافی ہے

﴿۱۳﴾وعن اَبِی لُبَابَۃَ اَنَّہٗ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِی اَنْ اَھْجُرَ دَارَ قَوْمِیَ الَّتِی اَصَبْتُ فِیْھَا الذَّنْبَ وَاَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِی کُلِّہٖ صَدَقَۃً قَالَ یُجْزِئُ عَنْکَ الثُّلُثُ (رواہ رزین)

اور حضرت ابولبابہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنی قوم کا گھر چھوڑ دوں جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ کہ میں اپنے تمام مال کو خیرات کرنے کیلئے اس سے دست کش ہو جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا تہائی مال کا صدقہ تمہارے لئے کافی ہے۔ (رزین)

توضیح

"ان اھجر دار قومی" مدینہ منورہ میں جنگ خندق کے موقع پر چار ھجری کو یہود بنوقریظہ نے جب عہد شکنی کی تو جنگ خندق سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے حضور اکرمؐ کی معیت میں ۲۵ دن تک یہود بنوقریظہ کا محاصرہ کیا کعب بن اسد جوان یہودیوں کا لیڈر تھا اس نے یوں تقریر کی۔ اے یہود! اے انبیاء کی اولاد! اس مشکل سے نکلنے کے لئے تین باتوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو (۱) یا ایمان لاؤ اور تم جانتے ہو کہ یہ نبی وہی نبی آخر زمان ہے جس کا تمہیں انتظار تھا (۲) اگر یہ نہیں تو اپنی بیویوں اور بچوں کو خود قتل کر کے پھر مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دو اور ان کو نیست و نابود کرلو یا خود مر جاؤ (۳) یا ایسا کرلو کہ اچانک ہفتہ کے دن مسلمانوں پر حملہ کر دو یہ بے خبری میں ہوں گے ہم بعد میں ہفتہ کے روز لڑنے کی وجہ سے استغفار وتوبہ کرلیں گے۔ قوم نے اپنے سردار کی ایک بات بھی نہیں مانی

پھر طے یہ ہوا کہ ابولبابہ کو بلایا جائے شاید کوئی حل نکل آئے ابولبابہ چونکہ بنوقریظہ کے ہاں رہتے تھے ان کا وہیں پر مکان تھا اور ان کے ساتھ ان کے پرانے تجارتی اور معاشرتی تعلقات بھی تھے جب حضور اکرمؐ کی اجازت سے یہ ان کے محلوں میں گئے اور عورتوں بچوں کا رونا چیخنا دیکھا تو نرم پڑ گئے یہودیوں نے آپ سے پوچھا کہ اگر ہم حضرت محمدؐ کے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر گئے تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ حضرت ابولبابہ نے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو ذبح کریں گے۔

یہ کہنا تھا کہ آپ کو ہوش آیا ابھی دو قدم آگے پیچھے نہیں ہوئے تھے کہ پشیمان ہوئے کہ میں نے حضور اکرمؐ کا راز فاش کیا چنانچہ آپ سیدھے مسجد نبوی آئے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا یہ ستون اب تک اسطوانہ ابولبابہ کے نام

سے مسجد نبوی میں حضور اکرمؐ کے منبر اور روضہ کے بیچ میں ریاض الجنہ میں کھڑا ہے۔

سات دن تک آپ بندھے رہے نہ کھانا کھاتے تھے نہ پانی پیتے تھے صرف قضائے حاجت کے لئے کھولے جاتے تھے سات دن کے بعد غشی طاری ہوکر گر پڑے آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی اور توبہ کی یہ آیتیں اتریں۔

﴿و آخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحاً و آخر سيئاً عسى الله ان يتوب عليهم ان الله غفور رحيم o خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم (سورة توبه ۱۰۲)﴾

لوگوں نے جلدی جلدی آپ کو کھولنا چاہا مگر آپ نے منع کر دیا اور فرمایا کہ خود حضور اکرمؐ اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے کھولیں گے آنحضرتؐ نے جب آپ کو کھولا تو آپ نے فرمایا کہ میں بنوقریظہ کے پاس اپنے مکان کو چھوڑ دیتا ہوں کیونکہ یہ مکان بھی اس واقعہ کا سبب بنا ہے اور میں اپنے پورے مال کا صدقہ کرتا ہوں کیونکہ یہ مالی تجارت بھی اس واقعہ کا سبب بنا ہے حضور اکرمؐ نے مال کے متعلق فرمایا کہ صرف ایک ثلث صدقہ کرلو ایک تہائی خیرات کافی ہے۔ آنحضرت نے مکان کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا شاید آپ نے مکان چھوڑنے کا اشارہ دیا کیونکہ جہاں شیطانی اثرات پڑتے ہوں وہاں سے منتقل ہونا ضروری ہے۔

کسی خاص جگہ میں نماز پڑھنے کی نذر

﴿۱۴﴾ وعن جابرِ بنِ عبدِاللهِ انَّ رَجُلًا قامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقالَ يا رَسُولَ اللهِ انِّي نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّيَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ قالَ صَلِّ هٰهُنا ثُمَّ اَعادَ عَلَيْهِ فَقالَ صَلِّ هٰهُنا ثُمَّ اَعادَ عَلَيْهِ فَقالَ شَانُكَ اِذًا (رواه ابو داؤد والدارمی)

اور حضرت جابر ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص مجلس نبویؐ میں کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں نے اللہ عزوجل کے لئے یہ نذر مانی تھی کہ اللہ آپ کو مکہ کی فتح عطا کرے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تم اسی جگہ (مسجد حرام میں) نماز پڑھ لو (کیونکہ یہاں نماز پڑھنا افضل ہے اور بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھنے کی بہ نسبت یہاں نماز پڑھ لینا زیادہ آسان وسہل ہے) اس شخص نے پھر یہی عرض کیا آنحضرتؐ نے یہی جواب دیا کہ اس جگہ نماز پڑھ لو جب اس نے تیسری مرتبہ بھی یہی عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اب تمہیں اختیار ہے (یعنی اگر تم یہاں نماز پڑھنا نہیں چاہتے تو تم جانو تمہیں اپنی نذر کے مطابق بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے) (ابوداؤد، دارمی)

توضیح

"ان فتح الله" یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ کی فتح عطا فرمائی تو میں بیت المقدس میں بطور شکر دو رکعت نفل پڑھوں گا اس سے ہر مسلمان اندازہ کر سکتا ہے کہ صحابہ کرام کے جذبات جہاد کے لئے اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کتنے بلند تھے۔

"صل ھٰھُنا" یعنی یہیں مکہ میں پڑھو بیت المقدس جانے کی ضرورت نہیں ہے اب یہاں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی نذر کے لئے کسی مکان و مقام کو متعین کیا کہ میں یہ عبادت وہیں پر ادا کروں گا تو کیا یہ تعین برقرار رہے گا یا کسی بھی جگہ نذر پوری کرسکتا ہے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جب تعین کیا تو اس شخص پر لازم ہے کہ نذر اسی جگہ میں ادا کرے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے وقوف کے لئے عرفات مقرر فرمایا رات گذارنے کیلئے مزدلفہ کا تعین ہے اور رمی جمرات کے لئے منیٰ مقرر ہے اس میں تغیر جائز نہیں ہے۔ لیکن دوسرے ائمہ کے بارے میں شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ وہ ادنی واعلی کا فرق کرتے ہیں یعنی اگر نذر افضل جگہ میں ادا کرنے کی مانی ہے تو مفضول میں ادا نہ کرے اور اگر مفضول میں نذر مانی ہے تو افضل میں ادا کرسکتا ہے۔

مثلاً کسی نے مسجد اقصیٰ میں دو رکعت نفل پڑھنے کی نذر مانی تو وہ مسجد نبوی اور مسجد حرام دونوں میں ادا کرسکتا ہے اور اگر مسجد نبوی میں دو نفل پڑھنے کی نذر مانی تو مسجد حرام میں ادا کرسکتا لیکن اگر مسجد حرام میں دو نفل پڑھنے کی نذر مانی تو مسجد اقصی میں ادا نہیں کرسکتا اور اگر مسجد حرام میں دو نفل کی نذر مانی تو مسجد نبوی میں ادا نہیں کرسکتا۔

ملاعلی قاریؒ نے مرقات میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس تعین کے قائل نہیں ہیں بلکہ مکان و مقام کے ساتھ متعین نذر کو کہیں بھی پورا کیا جاسکتا ہے۔

نذر کا کوئی جزء اگر ممکن العمل نہ ہو تو کیا کرے

﴿۱۵﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ اَنَّ اُختَ عُقبَةَ بنِ عَامِرٍ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً وَاَنَّهَا لاتُطِيقُ ذٰلِکَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ اُختِکَ فَلْتَركَبْ وَلْتَهْدِ بَدَنَةً.

(رواه ابوداؤد والدارمی) وَفِي رِوَايَةٍ لِاَبِي دَاوُدَ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَركَبَ وَتُهْدِيَ هَدْيًا، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ اُختِکَ شَيْئًا فَلْتَحُجَّ رَاكِبَةً وَتُكَفِّرُ يَمِينَهَا.

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ عقبہؓ ابن عامر کی بہن نے یہ نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی لیکن وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عقبہؓ سے) یہ فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بہن کے پیدل جانے کی پرواہ نہیں ہے لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو) سواری پر بیٹھ جائیں (اور اس کے مال کے کفارہ کے طور پر) بدنہ ذبح کرے (حنفیہ کے نزدیک بدنہ سے مراد اونٹ یا گائے ہے لیکن شوافع کے نزدیک بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے) (ابوداؤد، دارمی) ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کو اس کی مشقت کا کوئی ثواب نہیں دے گا (یعنی تمہاری بہن جو اس طرح مشقت برداشت کریں گی اس کا انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل

سکیں تو) سواری پر بیٹھ کر حج کا سفر پورا کریں اور اپنی قسم کا کفارہ دیں۔

توضیح

"والتهدبدنة" ھدی اس جانور کو کہتے ہیں جو کعبہ مشرفہ کے لئے بھیجا جائے تا کہ حرم میں ذبح کیا جائے "**هديا بالغ الكعبة**" قرآن کی آیت ہے، ادنی ھدی بکری ہے اور اعلی ھدی "بدنہ" یعنی اونٹ اور گائے ہے۔

حج کے لئے پیدل چلنا استحسان اور قیاس خفی کی وجہ سے اور حضرت علیؓ کی ایک اثر کی وجہ سے طاعات کے زمرہ میں آتا ہے اس لئے اس کی نذر صحیح اور واجب لتعمیل ہے ترک کی صورت میں کفارہ ادا کرنا ہوگا اب کفارہ کے اس جانور کے بارہ میں حضرت علی کے قول کے مطابق "بدنہ" یعنی اونٹ اور گائے ذبح کرنا ہوگا اور حدیث میں بھی بدنہ کا ذکر آیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بدنہ نہیں بلکہ بکری لازم ہے بدنہ کا ذکر استحباب کے طور پر ہے باقی اس حدیث میں کفارہ سے مراد کفارہ قسم نہیں بلکہ کفارہ جنایت ہے جو حج وعمرہ کے ساتھ خاص ہے "لایصنع، صنع سے ہے لا یفعل کے معنی میں ہے صنع کاریگری کو کہتے ہیں یہاں عمل مراد ہے "شقا" شین کے فتحہ کے ساتھ محنت ومشقت اٹھانے کے معنی میں ہے ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری بہن کے اس مشقت کو اٹھانے سے کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ وہ دفع مضرت اور جلب منفعت سے پاک ہے "**كذايفهم من المرقات و اشعة اللمعات**"

پیادہ حج کرنے کی نذر کا حکم

﴿۱۶﴾ وعن عَبدِاللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ سَالَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُخْتٍ لَهُ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ مُرُوهَا فَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَرْكَبْ وَلْتَصُمْ ثَلاثَةَ اَيَّامٍ .

(رواه ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

اور حضرت عبداللہ ابن مالک کہتے ہیں کہ جب عقبہؓ ابن عامر نے (سفر حج کے دوران) اپنی بہن کے بارہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جنہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ پیادہ پا، ننگے پاؤں اور ننگے سر حج کو جائیں گی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان کو حکم دو کہ وہ اپنا سر ڈھانکیں اور سواری پر بیٹھ جائیں نیز انہیں چاہئے کہ تین روزے رکھیں۔
(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح

"ولتصم ثلاثة ايام" یعنی تین دن روزے رکھے۔ حضرت عقبہ بن عامر کی بہن کے قصہ میں کفارہ ادا کرنے کے بارے میں مختلف الفاظ آئے ہیں کچھ روایات میں تین روزے رکھنے کا ذکر ہے جیسا زیر بحث حدیث میں ہے اور کچھ روایات میں

''ھدی'' کا ذکر آیا ہے جیسے کہ اس سے پہلے حضرت ابن عباس کی روایت نمبر ۱۵ میں ''ھدی'' کا ذکر ہے اسی روایت میں ''بدنہ'' کا ذکر بھی ہے اور اسی میں کفارہ یمین کا ذکر بھی ہے۔ اس سے قبل حدیث نمبر ۶ میں مشی الی بیت اللہ کی نذر کے کفارہ کے بارے میں تفصیل سے مسئلہ بیان کیا جاچکا ہے یہاں ایک نئے انداز کا نیا مسئلہ لکھا جاتا ہے جو بعض شارحین حدیث نے لکھا ہے اور مغنی ابن قدامہ کا حوالہ دیا ہے۔

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مشی الی بیت اللہ کی نذر صحیح ہے اور ناذر کو پیدل حج یا عمرہ کرنا چاہئے اور اگر پیدل چلنے سے عاجز آجائے تو سواری پر سوار ہوکر جائے یہاں تک تو اتفاق ہے اختلاف اس میں ہے کہ مجبوری کی صورت میں جب یہ شخص سوار ہوگیا تو اس پر کیا جزا و سزا آئے گی؟

فقہاء کا اختلاف

جمہور کی بات لکھی جاچکی ہے کہ نذر توڑنے کی وجہ سے اس شخص پر دم واجب ہے ان کے آپس میں بھی اختلاف کی کچھ تفصیل گذر چکی ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ نذر توڑنے کی صورت میں کفارہ یمین ادا کرنا ہوگا خواہ مشی الی بیت اللہ کی نذر ہو یا کوئی اور نذر ہو۔

دلائل:

جمہور کے ہاں وجوب دم پر کئی احادیث دال ہیں اسی باب کی حدیث نمبر ۱۵ جو فصل ثانی میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اس میں بدنہ کا ذکر ہے ھدی کا ذکر ہے یہ سب دم ہیں مستدرک حاکم میں ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں **''فلیھد ھدیا ولیرکب''**

امام احمد بن حنبلؒ نے زیر بحث حضرت عبداللہ بن مالک کی روایت سے استدلال کیا ہے اس میں تین روزوں کا حکم ہے۔

جواب:

مجموعی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر کی بہن نے دو باتوں کی نذر مانی تھی ایک یہ کہ وہ سر پر دوپٹہ نہیں اوڑھیں گی دوسرے یہ کہ وہ پیدل ننگے پاؤں حج کو جائیں گی ترک اختمار یعنی دوپٹہ نہ اوڑھنا چونکہ معصیت اور گناہ ہے اس لئے کہ عورت کے سر کے بال عورت ہے، اس کا ڈھانکنا ضروری ہے اور معصیت کی نذر کا توڑنا ضروری ہوتا ہے اور اس میں بالاتفاق کفارہ یمین آتا ہے اس لئے یہاں اس حدیث میں کفارہ یمین کا ذکر بھی آگیا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص غلام آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا ہو تو اس کے لئے تین روزے ہیں۔

حضرت عقبہ کی بہن جب ترک مشی الی بیت اللہ کی نذر توڑ کر سوار ہوئیں تو اس کی وجہ سے حضور اکرمؐ نے بطور کفارہ ''دم'' دینے کا حکم دیدیا کیونکہ نقائص حج کا کفارہ دم سے ادا کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عقبہ کی بہن کو کفارہ یمین اور ھدی دونوں کا حکم دیا گیا تھا کفارہ یمین ترک اختمار پر اور ھدی ترک مشی پر اس لئے یہ حدیث ضابطہ کی دلیل نہیں بن سکتی بعض شارحین اس حدیث کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جب کوئی شخص پیدل چلنے سے عاجز ہے تو دم دیدے اگر دم دینے پر قادر نہیں تو اس کے بدلے تین روزے رکھے ''اختمار'' خمار سے خمار دوپٹہ کو کہتے ہیں اور اختمار اور مختمرہ یہ دوپٹہ اوڑھنے کے معنی میں ہے ''حافیہ'' جوتا پہنے بغیر پیدل چلنے کو کہتے ہیں۔

﴿۱۷﴾وعن سَعِيدِ بُنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ اَخوَيْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ بَيْنَهُمَا مِيرَاثٌ فَسَالَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ الْقِسْمَةَ فَقَالَ اِنْ عُدْتَ تَسْاَلُنِى الْقِسْمَةَ فَكُلُّ مَالِى فِى رِتَاجِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ اِنَّ الْكَعْبَةَ غَنِيَّةٌ عَنْ مَالِكَ كَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَكَلِّمْ اَخَاكَ فَاِنِّى سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَمِينَ عَلَيْكَ وَلَانَذْرَ فِى مَعْصِيَةِ الرَّبِّ وَلَا فِى قَطِيعَةِ الرَّحِمِ وَلَافِيمَالَا يَمْلِكُ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت سعید ابن مسیبؒ کہتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کو کسی کی میراث ملی تھی (جسے ان دونوں کے درمیان تقسیم ہونا باقی تھا) چنانچہ ان دونوں میں سے ایک بھائی نے اپنے دوسرے بھائی سے میراث تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو اس دوسرے بھائی نے کہا کہ (میں یہ نذر مانتا ہوں کہ) اگر اب تم پھر مجھ سے تقسیم کا مطالبہ کرو گے تو میرا سارا مال کعبہ میں خرچ کیا جائے گا۔ (جب یہ صورت حال) حضرت عمر فاروقؓ (کے علم میں آئی تو انہوں) نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے بے پرواہ ہے (یعنی کعبہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنا مال اس کی نذر کرو اور چونکہ تمہارے اوپر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے) تم اپنی قسم کا (یعنی اس ناجائز نذر کا) کفارہ ادا کردو اور (جب تمہارا بھائی اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرے تو اس معاملہ میں) تم اپنے بھائی سے بات چیت کرو (یعنی اس میراث کو تقسیم کرکے اس کا مطالبہ پورا کرو) کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم پر اس قسم (یعنی اس طرح کی نذر) کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اور پروردگار کی معصیت کی نذر جائز نہیں ہے اور نہ اس نذر کو پورا کرنا چاہئے جو قرابت داری کو منقطع کرنے سے متعلق ہو اور جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر پوری کرنا بھی لازم نہیں ہے۔ (بلکہ جو نذر ناجائز ہونے کی وجہ سے پوری نہ کی جائے اس کا کفارہ دینا واجب ہے)۔ (ابوداؤد)

تنبیہ

رتاج الکعبة: رتاج بڑے دروازہ اور پھاٹک کو کہتے ہیں مراد کعبہ ہے۔

الفصل الثالث

﴿۱۸﴾ عن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِي طَاعَةٍ فَذٰلِكَ لِلّٰهِ، فِيهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِي مَعْصِيَةٍ فَذٰلِكَ لِلشَّيْطَانِ، وَلَا وَفَاءَ فِيهِ وَيُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِينَ (رواه النسائی)

حضرت عمران ابن حصینؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نذر دو قسم کی ہے (ایک تو یہ کہ) کوئی شخص طاعت (یعنی حق تعالیٰ کی بندگی) کی نذر مانے یہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور دوسری یہ کہ کوئی شخص گناہ کی نذر مانے یہ نذر شیطان کے لئے ہے اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں وہ کفارہ ادا کیا جائے جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے۔ (نسائی)

جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ

﴿۱۹﴾ عن مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ اِنَّ رَجُلًا نَذَرَ اَنْ يَنْحَرَ نَفْسَهُ اِنْ نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنْ عَدُوِّهِ فَسَأَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ سَلْ مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَاِنَّكَ اِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَاِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ اِلَى النَّارِ وَاشْتَرِ كَبْشًا فَاذْبَحْهُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَاِنَّ اِسْحَاقَ خَيْرٌ مِنْكَ وَفُدِيَ بِكَبْشٍ فَاَخْبَرَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هٰكَذَا كُنْتُ اَرَدْتُ اَنْ اُفْتِيَكَ (رواه رزين)

اور حضرت محمد ابن منتشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس کو دشمن سے نجات دلا دے تو وہ اپنے آپ کو ذبح کر ڈالے گا چنانچہ جب اس کو دشمن سے نجات مل گئی تو (اس نے اس مسئلہ میں) حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ یہ مسئلہ مسروق (تابعی) سے پوچھو اس شخص نے مسروقؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو ذبح نہ کرو کیونکہ اگر تم مسلمان ہو تو (اس صورت میں) تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب ہوگے اور اگر تم کافر ہو تو (اس صورت میں گویا) تم دوزخ میں جانے میں جلدی کروگے لہٰذا تمہارے بارہ میں یہ حکم ہے کہ تم دنبہ خرید کر مسکینوں کے لئے اس کو ذبح کرو حضرت اسحاق تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا، جب اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ کو (حضرت مسروق کے اس فتویٰ سے) آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حقیقت یہی ہے میں خود تمہیں یہی فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (رزینؒ)

توضیح

"محمد بن المنتشر" یہ جلیل القدر تابعی ہیں حضرت عائشہؓ سے احادیث پڑھی ہیں یہ صاحب حضرت مسروق بن اجدع کے بھتیجے ہیں ھمدان قبیلہ سے ان کا تعلق تھا اور کوفہ میں رہتے تھے۔

"مسروق ابن الاجدع همدانی" حضرت مسروق بن اجدع بہت بڑے تابعی ہیں حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ میں پیدا ہوئے تھے مگر ملاقات نہ کرسکے انہوں نے چاروں خلفاء راشدین اور حضرت عائشہؓ سے بھرپور علم حاصل کیا اس لئے تابعین میں ان کو ایک امتیازی شان حاصل تھی۔

مُرہ بن شرحبیل فرماتے ہیں کہ کسی ہمدانیہ عورت نے مسروق جیسے نامور سپوت کو پیدا نہیں کیا شعبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر جنت کے لئے کوئی پیدا ہوا ہو تو وہ مسروق، علقمہ اور اسود ہوسکتے ہیں آپ کے بھتیجے محمد بن منتشر نے فرمایا کہ بصرہ کے گورنر نے ایک دفعہ تیس ہزار درھم بطور ہدیہ حضرت مسروق کی طرف بھیجے لیکن فاقوں کے باوجود مسروق نے اسے قبول نہیں کیا کہتے ہیں کہ بچپن میں یہ چوری ہوگئے تھے اس وجہ سے ان کا نام ہی مسروق ہوگیا حضرت مسروق کی جلالت شان کا اندازہ تو اس سے ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس جیسے حبر الامۃ فتوی پوچھنے والے کو مسروق کی طرف روانہ فرماتے ہیں اور تاکید فرماتے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے بتادیا آکر مجھے بتادو۔

عجیب مسئلہ

"ان جلاً نــذر" مسئلہ پوچھنے والا یہ شخص ایک عجیب نفسیاتی مرض کا شکار ہوگیا تھا ان کا یہ خیال ان پر سوار ہوگیا تھا کہ اگر ان کے دشمن نے ان کو قتل کردیا تو اس میں ان کی بڑی رسوائی اور فضیحت ہوگی اس لئے انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دشمن کے نرغے میں آنے سے بچایا تو میں اس کے نام پر اپنے آپ کو قربان کرکے ذبح کردوں گا۔ اس شخص کی ایک طبعی خواہش اور توہم پرستی کا ایک جذبہ تھا اسی خودکشی کے بارے میں انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے مسئلہ پوچھا آپؓ نے ان کو حضرت مسروق کے پاس بھیجا تو حضرت مسروق نے فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو اور اپنے آپ کو قتل کردو گے تو تم ایک مسلمان کے قاتل بن جاؤ گے اور اگر تم کافر ہو تو بہت عجلت سے اپنے آپ کو جہنم کی آگ میں دھکیل دو گے تو ایسا نہ کرو بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس نذر کے بدلے میں تم ایک دنبہ لاکر ذبح کردو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق کے بدلے میں ایک دنبہ قبول فرمایا تھا۔

ذبیح اللہ حضرت اسماعیلؑ تھے یا حضرت اسحاقؑ ؟

یاد رہے کہ حضرت مسروق نے بعض علماء کی رائے کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ بہت ہی قلیل طبقہ کی رائے ہے ورنہ قرآن وحدیث کے قطعی دلائل اس پر قائم ہیں

کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ امتحان و آزمائش اس چیز میں ہوتی ہے جس میں یقینی طور پر مرنے گرنے کا خطرہ موجود ہو مشقت ومحنت اور قربانی موجود ہو، اور اگر خطرہ مرنے گرنے کا نہ ہو بلکہ پہلے سے پاس ہونا اور بچنا طے ہو چکا ہو تو وہاں امتحان کیسے ہوسکتا ہے اس ضابطہ کے سمجھنے کے بعد اب آیئے اور دیکھئے کہ قرآن عظیم حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے کبھی صابر کا لفظ استعمال کرتا ہے ﴿و اسماعیل و ادریس و ذالکفل کل من الصابرین﴾ (سورت انبیا ۸۵) اور ﴿ستجدنی ان شآء اللہ من الصابرین﴾ (صافات ۱۰۲) اور کبھی حلیم کے لفظ سے ان کو یاد کرتا ہے۔ کقولہ تعالے ﴿فبشر ناہ بغلام حلیم﴾ (سورۃ صافات ۱۰۱)

کبھی " اسلم " گردن نہاد ہونے کا لفظ ان کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کقولہ تعالے ﴿فلما اسلما وتلہ للجبین﴾ (صفات ۱۰۳) لیکن جب قرآن کریم حضرت اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے تو ان کی پیدائش کے ساتھ ان کو غلام علیم کا لقب دیتا ہے ﴿کقولہ تعالیٰ قالو الا توجل انا نبشرک بغلام علیم﴾ (سورت حجر ۵۳) جو ان کے نبی بننے کی طرف اشارہ تھا تو جن کے نبی بننے کی گارنٹی دی گئی ہو اس کو بچپن میں بطور امتحان ذبح کے لئے پیش کرنے کا فائدہ اور مقصد کیا ہوسکتا ہے نیز حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ویعقوب نافلہ کا لفظ لگا دیا ہے اور حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب کی بشارت دی ہے کقولہ تعالیٰ ﴿ووھبنالہ اسحاق و یعقوب نافلة﴾ (سورت انبیاء ۷۲) وکقولہ فبشرناھاباسحاق و من وراء اسحاق یعقوب﴾ (سورت ھود ۷۱) تو جس کی پیدائش کے وقت یہ ضمانت دی گئی ہو کہ یہ لڑکا بڑا ہوگا اور اس کی اولاد ہوگی اس ضمانت کے بعد ذبح کے لئے پیش کرنا بے معنی ہو جاتا ہے معلوم ہوا ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے حضرت اسحاقؑ نہیں تھے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا " انا ابن الذبیحین " میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں تو ایک ذبیح آپ کے والد محترم تھے جو ذبح کے لئے پیش کئے گئے تھے اور دوسرے اسماعیلؑ ہی ہوسکتے ہیں کیونکہ آپؐ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں نہیں تھے بلکہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں تھے معلوم ہوا ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے۔

تورات میں لکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے اکلوتے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اور اکلوتا حضرت اسماعیلؑ تھے حضرت اسحاقؑ نہیں تھے معلوم ہوا ذبیح حضرت اسماعیلؑ تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب نے تحریف وتکذیب سے کام لے کر حضرت اسحاقؑ کا نام لیا ہے۔ " حسداً من عند انفسھم " تاکہ حضرت اسماعیلؑ کو یہ فضیلت حاصل نہ ہو جو مسلمانوں کے لئے بھی اعزاز ہے شیعہ، شنیعہ اور رافضہ مرفوضہ نے بھی امت محمدیہ سے الگ راستہ اختیار کرنے کے لئے حضرت اسماعیلؑ کے بجائے حضرت اسحاقؑ کو ذبیح قرار دیا ہے۔ " تشابھت قلوبھم "

۲ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

کتاب القصاص

قصاص کا بیان

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ

﴿وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق به فهو کفارة له ومن لم یحکم بما انزل اللّٰه فاولئک هم الظالمون﴾ (مائدة ۴۵)

وقال اللّٰه تعالیٰ ﴿یاایها الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثیٰ﴾ (بقرة ۱۷۸)

وقال اللّٰه تعالیٰ ﴿ولکم فی القصاص حیاة یااولی الاباب لعلکم تتقون﴾ (بقرة ۱۷۹)

قصاص کی تعریف

قص یقص باب نصر ینصر سے قصاً کاٹنے کے معنی میں ہے " قص الشعر " یعنی قینچی سے بال کاٹ دیئے اور اسی باب سے اگر مصدر " قصصا " آجائے تو کسی کے نشانات قدم پر پیچھے پیچھے چلنے کو کہا جاتا ہے اور بیان دینے کے معنی میں بھی آتا ہے البتہ " صلہ " لانے سے فرق ہوجاتا ہے۔ " قص اثرہ " یہ پیچھے چلنے کے ساتھ خاص ہے جیسے " فارتدا علی آثارهما قصصا " اور " قص الخبر قصصا " یہ خبر دینے اور بیان کرنے کے ساتھ خاص ہے جیسے ﴿وقص علیه القصص﴾

☆ نحن نقص علیک احسن القصص " " اقص الا میر فلانا من فلان " یہ بدلہ اور انتقام لینے کے معنی میں ہے اور " والجروح قصاص " مساوات اور برابری کے معنی میں ہے شرعی قصاص میں کاٹنے اور پیچھے چلنے کا مفہوم پڑا ہے کیونکہ مقتول کا وارث بدلہ لینے کی غرض سے قاتل کے پیچھے پیچھے جاتا ہے تاکہ اس پر قابو پا کر اسے اسی طرح کاٹ کر رکھے جیسا کہ اس قاتل نے مقتول کو کاٹ کر رکھدیا تھا یہیں سے اس میں مساوات کا مفہوم بھی آگیا لہٰذا لغوی طور پر بھی قصاص میں بدلہ لینے، مساوات، قاتل کی تلاش اور اسے کاٹنے کا مفہوم موجود ہے اور اصطلاح شرع میں قصاص کی تعریف اس طرح ہے۔

"القصاص هو ان يفعل بالفاعل مثل ما فعل" یعنی قاتل یا جارح کے ساتھ وہی کچھ کرنا جو اس نے کیا ہے۔ اسلامی عادلانہ نظام میں قصاص صرف قتل عمد میں ہوتا ہے اس لئے یہاں قتل کی اقسام بیان کرنا ضروری ہے۔

قتل کی اقسام

شریعت مطہرہ نے جس قتل کو ناجائز قرار دیا ہے اس کی پانچ قسمیں ہیں

(۱) قتل عمد، یہ وہ قتل ہے کہ جان بوجھ کر کسی کو دھار والی چیز یا بندوق سے مارا جائے۔

(۲) قتل شبہ عمد، یہ وہ قتل ہے کہ جان بوجھ کر کسی کو غیر قاتل آلہ سے مارا جائے۔

(۳) قتل خطاء، اس کی دو صورتیں ہیں اول قتل خطاء فی القصد ہے یہ وہ قتل ہے کہ دور سے کسی چیز کو دیکھا خیال کیا کہ یہ شکار ہے اس کی طرف تیر پھینکا یا اس پر گولی چلادی وہ حقیقت میں آدمی تھا گولی لگنے سے مر گیا۔
دوم قتل خطاء فی الفعل ہے کہ گولی نشانہ پر ماردی مگر ہاتھ اچک گیا یا گولی اچک کر آدمی کو جا کر لگی اور وہ مر گیا یہ دونوں صورتیں قتل خطاء کی ہیں۔

(۴) جاری مجرای خطاء، یعنی قائم مقام خطاء، یہ وہ قتل ہے کہ مثلاً کوئی آدمی چارپائی وغیرہ پر سویا ہوا ہو اور سوتے میں پلٹ کر کسی پر آکر گر گیا اور وہ اس سے مر گیا۔

(۵) قتل تسبب، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی آدمی نے دوسرے کی زمین میں کنواں کھودا وہاں کوئی جا کر گرا اور مر گیا یاد رہے قتل کی اقسام کی یہ تعریفات امام ابوحنیفہؒ کے مسلک پر ہیں دیگر ائمہ کی تعریفات میں کچھ فرق ہے۔

موجبات قتل

مندرجہ بالا قتل کی اقسام میں ہر قسم کے لئے الگ الگ احکامات اور موجبات ہیں چنانچہ

(۱) قتل عمد کا موجب ایک تو گناہ کبیرہ ہے دوسرا قصاص ہے اور تیسرا مقتول کی میراث سے قاتل کا محروم ہونا ہے۔

(۲) قتل شبہ عمد کی وجہ سے گناہ ہوتا ہے قاتل میراث سے محروم ہو جاتا ہے قاتل پر کفارہ لازم آتا ہے یعنی غلام آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے رکھنا اور دیت مغلظہ ادا کرنا ہے جو قاتل کے عاقلہ پر آئے گی۔

(۳) قتل خطاء اور جاری مجرای خطاء کی وجہ سے قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہو جاتا ہے، قاتل پر کفارہ آتا ہے اور قاتل کے عاقلہ پر دیت آتی ہے اس میں گناہ نہیں ہے ہاں بے احتیاطی کا جرمانہ کفارہ ہے۔

(۴) قتل بسبب میں عاقلہ پر دیت آتی ہے۔

قصاص کا حق کس کو ملیگا

یہ بات یاد رکھیں کہ قصاص صرف قتل عمد میں ہوتا ہے قتل شبہ عمد یا قتل خطاء یا جاری مجرای خطاء میں قصاص نہیں ہے نیز یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قصاص کا حق اگر چہ مقتول کے ورثاء کا ہے لیکن قصاص کا نافذ کرنا اور اس کی تنفیذ کا حق ورثاء کو حاصل نہیں بلکہ نافذ کرنے کا حق حکومت وقت کو حاصل ہے کیونکہ اگر ہر شخص ذاتی طور پر قصاص لینا شروع کر دے تو امن کے بجائے بدامنی پھیل جائے گی کیونکہ مقتول کے ورثاء غصہ سے مغلوب ہو کر حدود قصاص سے تجاوز کر سکتے ہیں نیز قصاص کرنے کی تفصیلات اور اس کے واجب ہونے کے باریک نکات اتنے زیادہ ہیں کہ ہر شخص اس کے ادراک سے قاصر و عاجز ہے اس لئے اسلامی عدالت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے باقی دنیا کا موجودہ پھانسی کا نظام قصاص نہیں ہے۔

نیز یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ قصاص کرنا لوگوں کی زندگی کی بقاء اور حفاظت کا ذریعہ ہے کیونکہ ایک جان کے قصاص ہو جانے سے کئی کئی جانوں کو تحفظ فراہم ہو جاتا ہے سعودی حکومت میں صرف قصاص کا نظام نافذ ہے جس کی وجہ سے وہاں مکمل امن وامان ہے قصاص کے سوا وہاں شرعی حدود کا نفاذ نہیں ہے افغانستان میں طالبان کی اسلامی خلافت کے دور میں جب حدود و قصاص کا نفاذ تھا تو وہاں کس طرح مثالی امن قائم تھا حدود اور قصاص میں فرق کا بیان انشاء اللہ کتاب الحدود میں آئے گا۔

جان کے بدلے جان ہے

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنِّی رَسُولُ اللّٰهِ اِلَّابِاِحْدٰی ثَلَاثٍ اَلنَّفْسِ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِی وَالْمَارِقُ لِدِيْنِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم انسان کی، جو اس امر کی شہادت دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون بہانا جائز نہیں الا یہ کہ ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے (۱) عمداً قتل کرنا کہ خون کے بدلے خون (یعنی قصاص) لیا جائے (لیکن یہ مقتول کے ولی کا حق ہے کہ وہ اس بارہ میں شریعت کے مقرر کردہ اصول کے مطابق قاتل سے بدلہ لے) (۲) شادی شدہ (مسلمان، مکلّف اور آزاد) کا زنا کرنا (اس کو سنگسار کیا جائے) (۳) اپنے دین سے نکلنے اور اپنی جماعت کو چھوڑنے والا (یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے اس کو قتل کرنا جائز ہے)۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

" النفس بالنفس" اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف ذات انسان کا لحاظ ہوگا یا جنس اور انسانی صفات کا بھی اعتبار کیا جائے گا یعنی حریت وعبدیت ذکورت وانوثت اور اسلامیت وذمیت کا لحاظ بھی ہوگا یا نہیں۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور فرماتے ہیں کہ صفات کا لحاظ رکھا جائے گا لہٰذا اگر کسی حر آزاد آدمی نے کسی غلام کو قتل کر دیا تو حر کو غلام کے قصاص میں نہیں مارا جائے گا ہاں حر کو حر کے بدلہ میں اور عبد کو عبد کے بدلہ میں مارا جائے گا۔

ائمہ احناف کے ہاں قصاص میں ذات انسانی کا اعتبار ہے ان زائد صفات کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا عبد کے بدلے میں حر سے قصاص لیا جائے گا نیز عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔

دلائل

جمہور نے آیت ﴿الحر بالحر و العبد بالعبد و الانثی بالانثی﴾ سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ آیت کا مفہوم مخالف لیا گیا ہے تو حر کے بدلہ حر ہے کوئی اور نہیں اور عبد کے بدلے صرف عبد ہے کوئی اور نہیں اس لئے عبد کے مارے جانے سے حر سے قصاص نہیں لیا جائے گا لہٰذا اگر کسی حر نے کسی غلام کو قتل کر دیا تو اس آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ائمہ احناف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿و کتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس و العین بالعین﴾ مائدہ ۴۵

احناف کی دوسری دلیل یہ آیت ہے ﴿ولکم فی القصاص حیات یا اولی الالباب﴾ بقرہ ۱۷۹

نیز احناف نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے ﴿کتب علیکم القصاص فی القتلی﴾ بقرہ ۱۷۸

ان تمام آیتوں میں مطلق ذات انسانی کا ذکر ہے اس میں یہ فرق نہیں کہ کون کس صفت سے متصف ہے صرف جان کے بدلے جان کا ذکر ہے۔

احناف کی چوتھی دلیل زیر بحث حدیث بھی ہے جس میں مطلق نفس کے مقابلہ میں مطلق نفس کا ذکر آیا ہے کسی زائد وصف کا ذکر نہیں ہے۔

جواب:

احناف نے جمہور کے استدلال کا جواب دیا ہے کہ ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں ہیں ہم آیت سے آپ کے مفہوم

مخالف لینے کو نہیں مانتے لہٰذا آپ کا استدلال ہم پر کوئی حجت نہیں ہے نیز آیت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے ایک نظام کو توڑا ہے ایام جاہلیت میں ایسا ہوتا تھا صاحب شوکت اور شریف قوم کے آدمی کے بدلے میں وہ لوگ وضیع کمزور اور گھٹیا خاندان کے دو آدمیوں کو مارتے تھے شریف قوم کے غلام کے بدلے میں گھٹیا قوم کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے عورت کے بدلے میں مرد کو مارا کرتے تھے اس غلط رواج کو اس آیت میں توڑ دیا گیا ہے نیز مفہوم مخالف یہاں نہیں لیا جاسکتا کیونکہ منطوق کی موجودگی میں مفہوم کا اعتبار نہیں نیز احناف نے جمہور کو یہ الزامی جواب بھی دیا ہے کہ آپ نے جس آیت سے استدلال کیا ہے اس میں عورت کے بدلے عورت کا ذکر ہے حالانکہ آپ مانتے ہیں کہ اگر عورت نے مرد کو قتل کردیا یا مرد نے عورت کو قتل کردیا تو دونوں میں قصاص جاری ہوگا تو اپنے ضابطہ کے مطابق جمہور نے خود آیت ﴿والانثی بالانثی﴾ پر عمل نہیں کیا۔

"والثیب الزانی" یعنی شادی شدہ آدمی جو خلوت صحیحہ کرنے والا ہو مسلمان ہو، مکلّف اور آزاد ہو وہ اگر زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا۔

"المارق لدینہ" "مارق" نکلنے کے معنی میں ہے یہاں اپنے دین کو چھوڑ کر نکلنے والے یعنی دین اسلام کو چھوڑنے والے کو مارق کہا گیا ہے اور اس کے بعد "التارک" کے الفاظ اس کے لئے بصورت صفت موکدہ لائے گئے ہیں یعنی جو شخص فعلاً قولاً یا اعتقاداً دین اسلام سے مرتد ہو جائے تو تین دن تک اس کو سمجھایا جائے گا اگر توبہ کی تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ عورت اگر مرتدہ ہو جائے تو اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

مرتدہ عورت کے بارے فقہاء کا اختلاف

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے عموم کے پیش نظر عورت کو بھی ارتداد کی سزا میں قتل کیا جائے گا ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ ارتداد کی سزا میں عورت کو قید کیا جائے گا قتل نہیں کیا جائے گا۔

دلائل

جمہور نے بخاری کی حدیث سے استدلال کیا ہے "من بدل دینہ فاقتلوہ" اس حدیث میں عموم ہے نیز حضور اکرمؐ نے حضرت معاذؓ کو فرمایا "ایما امرأۃ ارتدت عن الاسلام فادعھا فان عادت والا فاضرب عنقھا" جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جو جنایت مرد نے کی ہے ارتداد کی وہی جنایت عورت نے بھی کی ہے لہٰذا دونوں کی سزا ایک جیسی ہونی چاہیئے۔

ائمہ احناف نے اپنے استدلال میں کتاب الجہاد کی وہ حدیث پیش فرمائی ہے جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ﴿نهى عن قتل النساء و الصبيان﴾ ترمذی ابوداؤد

ائمہ احناف نے معجم طبرانی کی حضرت معاذ بن جبلؓ والی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں

وايما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها فان تابت فاقبل منها و ان ابت فاستتبها (بحوالہ زجاجۃ المصابیح ج۳ ص۴)

یعنی اگر مرتدہ عورت توبہ نہیں کرتی تو پھر بھی اس سے توبہ کرانے کی کوشش کرو۔

احناف نے ایک حکمت وعلت کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور وہ یہ کہ عورت ناقصۃ العقل ہے لہٰذا ایک حد تک معذور ہے سمجھانے کی کوشش کرو نیز عورت لڑنے والوں میں سے نہیں ہے اگر مرتدہ ہوگئی تو دشمن کو مدد نہیں دے سکتی ہے۔ بخلاف مردوں کے کہ وہ مقاتلین میں سے ہیں تو ان کو تین دن تک سمجھا دیا جائے اگر باز آگئے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کر دیا جائے۔

الجواب:

جمہور نے احادیث کے عموم سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس عموم سے عورت کا حکم مستثنیٰ ہے اور احناف کی مذکورہ روایات سے اس عموم میں تخصیص آگئی ہے جمہور کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مردوں پر عورتوں کو یہاں قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ مرد لڑائی کے میدان میں جا کر کافروں کی مدد کر سکتے ہیں اور عورت یہ مدد نہیں کر سکتی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کسی کے قتل کے اسباب یہی تین ہو سکتے ہیں جمہور نے تارک صلوۃ کے قتل کا حکم بھی دیا ہے لیکن احناف اس کے قتل کے قائل نہیں ہیں ہاں اس کو جیل میں بند کرنے کے قائل ہیں۔

﴿۲﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنْ يَزَالَ الْمُؤْمِنُ فِي فُسْحَةٍ مِنْ دِيْنِهِ مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا (رواه البخاری)

اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تاوقتیکہ کہ کوئی مسلمان خون حرام (یعنی ناحق) قتل کا مرتکب نہ ہو، وہ ہمیشہ اپنے دین کی وسعت وکشادگی میں رہتا ہے'' (بخاری)

قیامت میں کونسا قضیہ پہلے اٹھایا جائیگا

﴿۳﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلُ مَايُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي الدِّمَاءِ (متفق علیه)

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا، وہ خون ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"اول مایقضی یوم القیامة" یہاں اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے قتل کا حساب شروع ہوگا اور ترمذی وغیرہ کی دیگر روایات میں نماز کا ذکر ہے کہ اس کا حساب اور فیصلہ سب سے پہلے ہوگا دونوں روایتوں میں واضح تعارض ہے اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے پہلے فیصلہ نماز کا ہوگا قدیم زمانہ کی مسجدوں میں اکثر یہ شعر لکھا ہوتا تھا ۔

روز محشر کہ جان گداز بود اولین پرسش نماز بود

اور حقوق العباد میں سب سے پہلے فیصلہ دماء اور خون میں ہوگا تو کوئی تعارض نہیں ہے اس تعارض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ عبادات میں سب سے پہلے نماز کا قضیہ پیش ہوگا اور معاملات میں سب سے پہلے قتل کا قضیہ اٹھایا جائے گا۔ اس تعارض کا تیسرا جواب یہ ہے کہ "اوامر" اور "مامورات" میں سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اور منہیات اور امور منہیہ میں سب سے پہلے ناحق خون کا حساب ہوگا۔

جس شخص نے کلمہ پڑھ لیا وہ معصوم الدم ہو گیا

﴿۴﴾ وعن مِقْدَادِ ابْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ اِنْ لَقِيْتُ رَجُلًا مِنَ الْكُفَّارِ فَاقْتَتَلْنَا فَضَرَبَ اِحْدٰى يَدَىَّ بِالسَّيْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّى بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ ،وَفِى رِوَايَةٍ فَلَمَّا اَهْوَيْتُ لِاَقْتُلَهُ قَالَ لَااِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ أَأَقْتُلُهُ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ لَاتَقْتُلْهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ قَطَعَ اِحْدٰى يَدَىَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهُ فَاِنَّهُ بِمَنْزِلَتِكَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهُ وَاِنَّكَ بِمَنْزِلَتِهِ قَبْلَ اَنْ يَقُوْلَ كَلِمَتَهُ الَّتِى قَالَ (متفق عليه)

اور حضرت مقداد ابن الاسود سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتا دیجئے کہ اگر (مجھے کوئی کافر مل جائے اور ہمارے درمیان لڑائی ہوئی اور وہ کافر میرے ایک ہاتھ پر تلوار کا وار کر کے اس کو کاٹ دے۔ اور پھر ایک درخت کی آڑ میں مجھ سے پناہ پکڑ کر یہ کہے کہ میں اللہ کیلئے مسلمان ہو گیا۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اور جوں ہی میں اسکے مار ڈالنے کا ارادہ کروں۔ تو وہ یہ کہے کہ لا الہ الا اللہ، تو کیا میں اس کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں اسکو قتل نہ کرو" مقدادؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس نے جو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے؟ آپؐ نے فرمایا (اس کے باوجود) اس کو قتل نہ کرو، کیونکہ اگر تم اس کو قتل کرو گے تو وہ اس جگہ پہنچ جائے گا جہاں تم اس کو قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اس جگہ پہنچ جاؤ گے جہاں وہ کلمہ پڑھنے سے پہلے تھا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"فانه بمنز لتک" یعنی وہ ایمان اور مومن کے جگہ پر ہو جائے گا " و انک بمزلته" یعنی تم کفر کی جگہ پر آ جاؤ گے یہ حکم تشدیداً تغلیظاً اور زجراً ہے "قاله الطیبی" حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اس غیر مسلم کے کلمہ پڑھنے کے بعد اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو جس طرح تم اس کے قتل کرنے سے پہلے محفوظ الدم تھے اب وہ محفوظ الدم ہو گیا اور اس کے قتل کی وجہ سے اب تم غیر محفوظ الدم ہو گئے اور جس طرح وہ اسلام لانے سے پہلے غیر محفوظ تھا اب تم اس کے قتل کی وجہ سے غیر محفوظ ہو گئے، خلاصہ یہ کہ اسلام لانے سے پہلے کفر کی وجہ سے اس کا قتل کرنا جس طرح درست تھا اب اسلام لانے کے بعد اس کے قتل کر دینے سے تمہارا قتل درست ہو گیا" لاذیلوذ" پناہ لینے کے معنی میں ہے " بشجرة" یہ بطور مثال ہے " ارایت" یعنی مجھے خبر دیجئے "اهویت" جھکانے اور مارنے کے لئے ہاتھ بڑھانے کو کہتے ہیں۔ قاضی عیاض نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مکرہ پر اکراہ کی صورت میں بھی اس کا اسلام قبول اور معتبر ہے۔

کلمہ گو کا قتل کرنا منع ہے

﴿۵﴾ وعن اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ بَعَثَنَارَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى أُنَاسٍ مِنْ جُهَيْنَةَ فَأَتَيْتُ عَلٰى رَجُلٍ مِنْهُمْ فَذَهَبْتُ اَطْعَنُهُ فَقَالَ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ فَطَعَنْتُهُ فَقَتَلْتُهُ فَجِئْتُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَقَتَلْتَهُ وَقَدْ شَهِدَ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّمَا فَعَلَ ذٰلِكَ تَعَوُّذًا قَالَ فَهَلَّا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ (متفق عليه) وَفِي رِوَايَةِ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَيْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ اِذَاجَاءَ تْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَهُ مِرَارًا (رواه مسلم)

اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلۂ جهینه کے لوگوں کے مقابلہ پر بھیجا چنانچہ (ان کے مقابلہ کے دوران) میں ایک شخص پر جھپٹا اور اس پر نیزہ کا حملہ کرنا چاہا کہ اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا لیکن میں نے اس میں اپنا نیزہ پیوست کر کے اس کو قتل کر دیا۔ پھر جب میں رسول کریمؐ کی خدمت میں واپس آیا اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا (صد افسوس) کہ تم نے اس کو اس صورت میں قتل کر دیا جب کہ اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا تھا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اس نے محض قتل سے بچنے کے لئے کلمہ نہیں پڑھا تھا! آپؐ نے فرمایا تو تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا؟"۔ اور جندبؓ ابن عبداللہ بجلی نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جب قیامت کے دن کلمہ لا الہ الا اللہ اپنے پڑھنے والے یعنی (مقتول) کی طرف سے جھگڑتا ہوا تمہارے پاس آئے گا تو اس وقت تم اس کو کیا جواب دو گے۔ آنحضرتؐ نے (خوف لانے کے لئے) یہ الفاظ کئی بار ارشاد فرمائے۔ (مسلمؒ)

توضیح

''جھینہ'' حضرت اسامہ کو اس سریہ اور فوجی دستے میں قبیلہ جھینہ کی طرف ان کے ساتھیوں کے ہمراہ حضور اکرمؐ نے روانہ فرمایا تھا۔ ''فھلا شققت عن قلبہ'' حضرت اسامہؓ نے سوچا کہ یہ شخص صرف ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھ رہا ہے زبان کی نوک پر جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور اس کے دل میں ایمان نہیں ہے لہٰذا اس کا قتل کرنا جائز ہے یا حضرت اسامہؓ نے یہ اجتہاد کیا کہ جب میری تلوار اس کی گردن تک پہنچ گئی ہے نیزہ اس کی طرف بڑھ چکا ہے تو اس ''حالت غرغرہ'' میں اس شخص کا ایمان معتبر نہیں ہے لیکن حضور اکرمؐ نے حضرت اسامہؓ کا خیال اور ان کا اجتہاد غیر صحیح قرار دیا اور فرمایا کہ جب وہ شخص کلمہ پڑھ چکا تھا تو تجھے اس کے اس ظاہری اسلام کو قبول کرنا تھا باطن کو اور اس کے دل کی کیفیت کو نہ تم جان سکتے تھے اور نہ اس کی ضرورت تھی تم کو چاہئے تھا کہ اس کی ظاہری حالت پر فیصلہ کر دیتے اور اس کے قتل سے باز آتے تم خود سوچ لو اگر وہ شخص یہی کلمہ قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آجائے تو تم کیا کرو گے حضور اکرمؐ نے صرف ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے قصاص یا دیت نہیں لی کیونکہ اسامہؓ نے جو اس شخص کو مارا تھا تو آپ نے اجتہاد کے تحت ایسا کیا تھا اور اجتہادی غلطی پر حضور اکرمؐ نے خوب سرزنش فرمائی اور مزید کچھ نہیں کیا۔ بعض حضرات اس روایت کو بہانہ بنا کر اہل نفاق و شقاق اور اہل فساد و زندقہ کے مقابلہ میں جہاد کرنے کو جہاد نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی کلمہ پڑھتے ہیں تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ آج کل جو منافق کلمہ پڑھتے ہیں وہ مقابلہ سے دست بردار نہیں ہوتے وہ کہتے ہیں کہ ہم حق کے مقابلہ میں ہمیشہ کے لئے دیوار بنے رہیں گے حق کے راستے میں رکاوٹیں ڈالیں گے اسلحہ بردار ہوں گے تم کو ماریں گے لیکن تم ہم کو نہ مارو کیونکہ ہم کلمہ پڑھتے ہیں حضرت اسامہؓ کا معاملہ جس شخص سے پیش آیا تھا اس پر ان لوگوں کو قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں وہ شخص ہتھیار ڈال چکا تھا تسلیم ہو چکا تھا مقابلہ حق سے کنارہ کش ہو چکا تھا تو اس کا ظاہری کلمہ اس کی معافی کے لئے معتبر مانا گیا اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ کیفیات اللہ تعالیٰ کے سوا کون جانتا ہے لیکن یہاں معاملہ دوسرا ہے ان کی قلبی کیفیت کا پتہ ان کے اعمال و افعال سے ظاہر ہو رہا ہے مگر یاد رہے اعلان جہاد اور میدان جہاد کے قائم ہونے کے علاوہ ذاتی طور پر ایسے منافقین کا قتل کرنا جائز نہیں جہاد میں صدیق اکبر نے ایسے منافقین کو قتل کیا تھا۔

معاہد کو قتل کرنے کی ممانعت

﴿۶﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ اَرْبَعِينَ خَرِيفًا (رواه البخاری)

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عہد والے کو قتل کرے گا وہ جنت کی بو نہیں پائے گا اور جنت کی بو چالیس برس کی راہ سے آتی ہے۔(بخاریؒ)

توضیح

"معاهدا" معاہد اس کافر کو کہا جاتا ہے جس نے امام اور خلیفہ وقت سے جنگ نہ کرنے کا عہد و معاہدہ کیا ہو خواہ ذمی ہو یا حربی ہو یا مستامن ہو۔

"لم يرح رائحة الجنة" یہ بطور تشدید و تغلیظ اور بطور زجر و توبیخ فرمایا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ ابتداء میں یہ شخص اس خوشبو کا ادراک نہیں کرے گا سزا بھگتنے کے بعد احساس کرے گا یا مراد یہ ہے کہ وہ اس حرام عمل کو حلال سمجھتا ہے تو کافر ہو گیا تو جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔

"اربعين خريفا" خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں مراد چالیس سال ہیں سوال یہ ہے کہ اس حدیث میں چالیس سال کا ذکر ہے بعض روایات میں ستر سال کا ذکر ہے بعض میں سو سال ہے بعض میں پانچ سو سال یا ایک ہزار سال کی مسافت کا ذکر ملتا ہے تو اس تفاوت کی وجہ کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اشخاص اور ان کے درجات کے اختلاف اور تفاوت کی وجہ سے ہے یہ کوئی تعارض نہیں ہے۔ یعنی اونچے درجات والوں کو بہ نسبت نچلے درجات والوں کے خوشبو دور سے آئے گی۔

خودکشی کرنے والے کے بارہ میں وعید

﴿۷﴾ وعن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَدّٰى مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَهُوَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَتَرَدّٰى فِيهَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰى سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهُ فَسَمُّهُ فِي يَدِهٖ يَتَحَسَّاهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِحَدِيْدَةٍ فَحَدِيْدَتُهُ فِي يَدِهٖ يَتَوَجَّأُ بِهَا فِي بَطْنِهٖ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِيهَا اَبَدًا (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا جس شخص نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کر لی وہ شخص ہمیشہ دوزخ میں گرایا جائے گا اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔ جو شخص زہر پی کر خودکشی کرے گا اس کا زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا جسے وہ دوزخ کی آگ میں پئے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔ اور جس شخص نے لوہے کے (کسی) ہتھیار (جیسے چھری وغیرہ) سے اپنے آپ کو مار ڈالا اس کا وہ ہتھیار دوزخ کی آگ میں اس کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ اپنے پیٹ میں بھونکے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا اس سے کبھی نہیں نکلے گا۔(بخاریؒ و مسلمؒ)

توضیح

''مـن تـردی'' باب تفعل سے ہے اپنے آپ کو پہاڑ وغیرہ سے گرانے کو کہتے ہیں باب تفعل تکلف کے لئے بھی ہوسکتا ہے ''تـحسـی'' یہ بھی باب تفعل سے ہے ''حسـو'' پینے کے معنی میں ہے یہاں زہر پینا مراد ہے باب تفعل سے تکلف کا معنی ظاہر ہورہا ہے کہ کراہت کے ساتھ اپنے آپ پر زبردستی کر کے زہر پی لیا۔
''سـمـا'' سین پر زبر زیر پیش تینوں حرکات آتی ہیں زہر کو کہا جاتا ہے '' فسـمـه'' کا لفظ مبتداء ہے اور یتحساہ کا جملہ اس کی خبر ہے ''حدیدۃ'' تیز دھار لوہے کے آلہ کو کہتے ہیں '' یتـوجـاء'' یہ بھی باب تفعل سے ہے چھری چاقو سے اپنا پیٹ پھاڑنے کو کہتے ہیں ''بھا'' کی ضمیر حدیدۃ کی طرف لوٹتی ہے۔
''خـالـد امخلدا'' مخلدا کا لفظ خالدا کے لئے تاکید ہے اور ابدا بھی تاکید ہے ہمیشہ رہنے کو کہتے ہیں۔ یہ ہمیشہ رہنا یا تو اس وجہ سے ہوگا کہ اس شخص نے خودکشی کو حلال سمجھ کر کیا تو کافر ہوگیا تو دوزخ میں رہے گا یا یہ حکم تشدیداً تغلیظاً تھدیداً زجراً وتوبیخاً ہے یا خلود سے مراد مدت مدیدہ طویلہ ہے جو محاورہ میں بولا جاتا ہے یہی جوابات آنے والی حدیث نمبر ۸ کے لئے بھی ہیں اور اس کے بعد حضرت جندب کی روایت نمبر ۹ میں '' فـحـرمت علیه الجنة '' کے الفاظ آئے ہیں وہاں بھی کچھ تغیر کے ساتھ یہی جوابات دیئے جاسکتے ہیں۔ ان تمام احادیث میں خودکشی کی مختلف صورتیں بتائی گئی ہیں اسلام نے خودکشی کو اس لئے حرام قرار دیا ہے کہ انسان کی جان اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے تو جس طرح دوسرے انسان کو مارنا جرم ہے اسی طرح اپنے آپ کو مارنا بھی جرم ہے البتہ خودکشی کا یہ جرم بعض اعتبارات سے دوسرے کے قتل کرنے سے زیادہ غلیظ جرم ہے کیونکہ اس میں بسا اوقات اللہ تعالیٰ سے مایوسی کا عنصر پایا جاتا ہے کہ وہ مجھے کھلاتا نہیں ہے یا نہیں کھلا سکتا ہے تو شکایت اور مایوسی میں اپنی زندگی کا خاتمہ کردیتا ہے اگر یہ عنصر نہ ہو تو پھر قاتل نفس کا جرم قاتل غیر کے جرم سے ہلکا ہے کذا فی المرقات۔ خودکشی دنیا کے کسی مہذب قانون میں جائز نہیں ہے اور انسان کے اپنے بنائے ہوئے قانون میں بھی اس کو قابل تعزیر جرم قرار دیا گیا ہے۔ اسلام تو آفاقی اور فطری قانون ہے اس نے پہلے ہی سے اس جرم کو حرام قرار دیا ہے۔

۸ وعـنـه قَـالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَّذِی يَخْنُقُ نَفْسَهٗ يَخْنُقُهَا فِی النَّارِ وَالَّذِی يَطْعَنُهَا يَطْعَنُهَا فِی النَّار (رواه لبخاری)

اور حضرت ابوہریرۃ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے گلا گھونٹ کر اپنے آپ کو مار ڈالا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا اور جس شخص نے اپنے آپ کو نیزہ مار کر خودکشی کر لی وہ دوزخ میں (بھی) اپنے آپ کو نیزے مارے گا۔ (بخاری)

﴿۹﴾ وعن جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ رَجُلٌ بِہٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَأَخَذَ سِکِّیْنًا فَحَزَّبِھَا یَدَہٗ فَمَارَقَأَ الدَّمُ حَتّٰی مَاتَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی بَادَرَنِیْ عَبْدِیْ بِنَفْسِہٖ فَحَرَّمْتُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ (متفق علیہ)

اور حضرت جندبؓ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) فرمایا ''تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص تھا (جو کسی طرح) زخمی ہوگیا تھا چنانچہ (جب زخم کی تکلیف شدید ہونے کی وجہ سے) اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو چھری اٹھائی اور اپنے (اس) ہاتھ کو کاٹ ڈالا (جس میں زخم تھا) اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زخم کا خون نہ رکا اور وہ مرگیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے بندے نے اپنی جان کے بارہ میں میرے فیصلہ کا انتظار نہیں کیا (بلکہ اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا) لہٰذا میں نے اس پر جنت کو حرام کر دیا۔ (بخاریؒ ومسلمؒ)

خودکشی کے بارے میں ایک سبق آموز واقعہ

﴿۱۰﴾ وعن جَابِرٍ اَنَّ طُفَیْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِیَّ لَمَّا ھَاجَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ ھَاجَرَ اِلَیْہِ وَھَاجَرَ مَعَہٗ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِہٖ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَأَخَذَ مَشَاقِصَ لَہٗ فَقَطَعَ بِھَا بَرَاجِمَہٗ فَشَخَبَتْ یَدَاہُ حَتّٰی مَاتَ فَرَآہُ الطُّفَیْلُ بْنُ عَمْرٍو فِیْ مَنَامِہٖ وَھَیْئَتُہٗ حَسَنَۃٌ وَرَآہُ مُغَطِّیًا یَدَیْہِ فَقَالَ لَہٗ مَاصَنَعَ بِکَ رَبُّکَ فَقَالَ غَفَرَلِیْ بِھِجْرَتِیْ اِلٰی نَبِیِّہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالِیْ أَرَاکَ مُغَطِّیًا یَدَیْکَ قَالَ قِیْلَ لِیْ لَنْ نُصْلِحَ مِنْکَ مَاأَفْسَدْتَ فَقَصَّھَا الطُّفَیْلُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ وَلِیَدَیْہِ فَاغْفِرْ (رواہ مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو طفیل ابن عمرو دوسیؓ بھی ہجرت کر کے آنحضرتؐ کے پاس آ گئے ان کے ساتھ ان کے قبیلے کے ایک اور شخص نے بھی ہجرت کی (اتفاق سے) وہ شخص مدینہ میں بیمار ہوگیا اور (جب مرض نے شدت اختیار کی) اس سے صبر نہ ہوسکا، چنانچہ اس نے تیر کی پیکان لے کر اس سے اپنے انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کی وجہ سے اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون جاری ہوا کہ وہ مرگیا (اس کے انتقال کے بعد ایک دن) طفیل بن عمروؓ نے اس شخص کو اپنے خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ اس کی ہیئت تو اچھی تھی مگر اس نے اپنے دونوں ہاتھ چھپا رکھے تھے۔ طفیلؓ نے اس سے پوچھا کہ ''تمہارے رب نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس شخص نے کہا'' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے بخش دیا ہے کہ میں نے اس کے نبیؐ کی طرف ہجرت کی تھی'' پھر طفیلؓ نے کہا کہ ''میں تمہیں اپنے دونوں ہاتھ چھپائے ہوئے دیکھ رہا ہوں؟ اس شخص نے (بڑی حسرت کے ساتھ) کہا کہ (پروردگار کی طرف سے) مجھ سے کہا گیا ہے کہ جس چیز کو تم نے خود خراب کیا ہے ہم

اس کو درست نہیں کریں گے"، جب طفیلؓ نے یہ خواب رسول کریمؐ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا ''اے اللہ! اس کے دونوں ہاتھوں کو بھی بخش دے۔'' (مسلمؒ)

توضیح

" بهجرتي الى نبيه" یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میرا خود کشی کا جرم معاف کیا اس سے معلوم ہوا کہ ہجرت بہت بڑا عمل ہے اور خاص کر مدینہ منورہ میں حضور اکرمؐ کی طرف صحابہ کرام کی ہجرت بہت بڑا عمل تھا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی بڑی بڑی لغزشوں کو معاف فرمایا لہٰذا کسی شخص کو مناسب نہیں کہ صحابہ پر انگلی اٹھائے اور اپنی فاتر عقل کی ترازو میں ان کے عالی شان مقام کو تولنا شروع کردے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ موجب کفر نہیں اور نہ دوزخ کے دائمی عذاب کا ذریعہ ہے چنانچہ اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد مرتکب کبیرہ دوزخ سے نکل آئے گا۔

"اللهم وليديه فاغفر" حضور اکرمؐ نے بڑے پیارے انداز سے اس صحابی کیلئے مغفرت کی دعا مانگی ہے چونکہ معاملہ صرف ہاتھوں کا تھا تو حضور اکرمؐ نے اس کو مقدم کر کے فاغفر کو موخر کر دیا اور فرمایا مولائے کریم اس کے ہاتھوں کو بھی بخش دیجئے

مشاقص، مشقص کی جمع ہے بڑی چھری کو کہتے ہیں براجم، برجمة کی جمع ہے انگلیوں کے جوڑوں کو کہتے ہیں۔

"شخبت" نصر اور فتح سے آتا ہے رگوں یا زخم سے فوارہ کی طرح خون جاری ہونے کو کہتے ہیں۔

مقتول کے ورثاء کو قصاص اور دیت میں اختیار ہے

﴿۱۱﴾ وعن ابي شُرَيحٍ الكعبيِّ عن رسولِ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّم قال ثُمَّ انتُم ياخزاعةُ قد قتلتم هذا القتيلَ من هُذَيلٍ وانا واللهِ عاقِلُهُ من قتل بعدَهُ قتيلًا فاهلُهُ بين خِيرَتَينِ اِنْ احبُّوا قتلوا وان احبُّوا اخذوا العَقلَ (رواه الترمذی والشافعی) وفي شرحِ السُّنَّةِ باسنادِهِ وصرَّحَ بانَّهُ ليس في الصَّحيحَينِ عن ابي شُرَيحٍ وقال واخرجاهُ من روايةِ ابي هُرَيرةَ يعني بمعناهُ.

اور حضرت ابو شریحؓ کعبی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے (فتح مکہ کے دن جو خطبہ ارشاد فرمایا جس کا ابتدائی حصہ حرم مکہ کے باب میں گزر چکا ہے، اس کے آخری الفاظ یہ تھے) فرمایا ''اے خزاعہ! تم نے اس مقتول کو جو قبیلۂ ہذیل کا ایک فرد تھا قتل کیا ہے اور میں خدا کی قسم، اس کا خون بہا دینے کا ذمہ دار ہوں، اب اس کے بعد (اس حکم سے مطلع کیا جاتا ہے کہ) اگر کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو مقتول کے ورثاء کو دو چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ (۱) چاہے وہ قاتل کو مار ڈالیں۔ (۲) چاہے اس سے خون بہا لے

لیں۔ (ترمذیؒ، شافعیؒ) شرح السنۃ میں یہ روایت شافعیؒ کی اسناد کے ساتھ مذکور ہے اور شرح السنۃ کے مصنف علامہ بغویؒ نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم میں ابوشریحؓ سے منقول نہیں ہے، لیکن بغوی نے کہا ہے کہ بخاری و مسلم میں یہ روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے حالانکہ اس میں بھی بالمعنی منقول ہے۔''

توضیح

" فاهله بين خيرتين" یعنی مقتول کے ورثاء کو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے اس واقعہ کا تاریخی پس منظر یوں ہے کہ ایام جاہلیت میں ہذیل قبیلہ کے لوگوں نے قبیلہ خزاعہ کا ایک آدمی مارا تھا۔ فتح مکہ کے دن خزاعہ کو ہذیل پر برتری حاصل ہوگئی تھی تو خزاعہ نے ہذیل کا آدمی مار ڈالا اور اپنا پرانا بدلہ لے لیا حضور اکرمؐ نے فتنہ و فساد دفع کرنے کی غرض سے اس مقتول کی دیت اپنے ذمہ لے لی اور اس کے بعد فتح مکہ کے خطبوں کے دوران ایک خطبہ میں یہ شرعی قاعدہ بیان فرمادیا کہ اب اگر کسی نے ناحق کسی کو قتل کر دیا تو ورثاء مقتول کو دو باتوں میں اختیار ہے یا تو قصاص لیں اور یا دیت لے کر قاتل کو معاف کر دیں اب اس اختیار کے بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ قتل عمد میں مقتول کے ورثاء کو قصاص لینے کا بھی اختیار ہے اور قاتل سے دیت لینے کا بھی اختیار ہے اگر وہ قاتل سے دیت کا مطالبہ کریں تو قاتل کو دیت ادا کرنی پڑے گی۔

ائمہ احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ قتل عمد کا موجب صرف اور صرف قصاص ہے مقتول کے ورثاء قاتل سے صرف قصاص کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور قاتل کی مرضی کے بغیر اس سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ ہم کو دیت دیدو ہم قصاص نہیں لیتے۔

دلائل:

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کا مستدل یہی حدیث ہے اور اس میں مقتول کے ورثاء کو دو باتوں کا اختیار دیا گیا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ قاتل اگر دیت دینے پر راضی نہ ہو اور قصاص دینے کے لئے تیار ہو پھر بھی ورثاء مقتول ان سے دیت کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ کے دلائل قرآن عظیم کی وہ آیات ہیں جن میں قتل عمد کی سزا کو قصاص متعین کر دیا گیا ہے جیسے

﴿كتب عليكم القصاص في القتلى﴾

﴿و كتبنا عليهم فيها ان النفس بالنفس﴾

﴿ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب﴾

اور حضرت انس کی روایت میں حضور اکرمؐ نے فرمایا "یاانس کتاب اللہ القصاص" اے انس کتاب اللہ میں تو قصاص ہی ہے۔ حضرت ابن عباس کی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں " العمد قود و الخطاء دیة" یعنی قتل عمد میں قصاص ہی ہے اور قتل خطاء میں دیت ہے یہ روایت نصب الرایہ ج۴ص ۳۲۷ سند کے ساتھ موجود ہیں۔

جواب:

زیر بحث شوافع وحنابلہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ یہاں دیت لینے میں قاتل کی رضا کا لحاظ رکھنا ہوگا تاکہ تمام نصوص میں تطبیق آجائے اور تعارض نہ رہے۔

۳ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

مسئلة القتل بالمثقل

عورت کے مرد قاتل کو قتل کیا جاسکتا ہے

﴿۱۲﴾ وعن انس انَّ يَهُودِيًّا رَضَّ رَأْسَ جَارِيَةٍ بَيْنَ حَجَرَيْنِ فَقِيلَ لَهَامَنْ فَعَلَ بِكِ هٰذَا أَفُلَانٌ أَفُلَانٌ حَتّٰى سُمِّيَ الْيَهُودِيُّ فَأَوْمَاتْ بِرَأْسِهَا فَجِيءَ بِالْيَهُودِيِّ فَاعْتَرَفَ فَاَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَرُضَّ رَأْسُهُ بِالْحِجَارَةِ (متفق علیه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان کچل ڈالا (یعنی ایک پتھر پر اس کا سر رکھ کر دوسرے پتھر سے اس پر ضرب ماری) چنانچہ (جب لڑکی کا نزاعی بیان لیا گیا تو) اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ کس نے یہ معاملہ کیا ہے، کیا فلاں شخص نے؟ کیا فلاں شخص نے؟ (یعنی جن جن لوگوں پر شبہ تھا ان کا نام لیا گیا) یہاں تک کہ جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے بتایا کہ ہاں اس نے ایسا کیا ہے۔ پھر اس یہودی کو حاضر کیا گیا اور اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا، لہٰذا رسول کریمؐ نے اسی طرح اس یہودی کا سر کچلنے کا حکم فرمایا اور اس کا سر پتھروں سے کچلا گیا۔ (بخاری ومسلمؒ)

توضیح:

" رض" یہ باب نصر ینصر سے کوٹنے کچلنے اور دَل دینے کو کہتے ہیں۔

"فاومأت" یعنی وہ لڑکی زخم کی وجہ سے بات نہیں کرسکتی تھی صرف اشارہ کرنے کی طاقت رکھتی تھی صحابہ نے اس سے پوچھا تجھے

کس نے مارا ہے آیا فلاں نے مارا ہے یا فلاں نے مارا ہے؟ جب اس یہودی کا نام لیا گیا جس نے مارا تھا تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے بتادیا کہ ہاں اس یہودی نے مارا ہے اس پر یہودی کو قصاص میں قتل کر دیا گیا جبکہ اعتراف جرم اس نے کرلیا تھا۔ اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ اگر کسی مرد نے عورت کو قتل کر دیا تو عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔

اس حدیث سے ایک اور مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو بھاری پتھر سے مار کر قتل کر دیا تو قاتل قتل عمد کا مرتکب ہوگا اور اس سے قصاص لیا جائے گا اس مسئلہ کو قتل بالمثقل کہتے ہیں اور اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ آیا اس میں قصاص ہے یا دیت ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور فقہاء کرام اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قتل بالمثقل موجب قصاص ہے اور یہ قتل عمد ہے جس طرح اس حدیث میں بھاری پتھر سے یہودی نے ایک لڑکی کو مار کر شہید کر دیا اور اس سے قصاص لیا گیا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قتل بالمثقل شبہ عمد ہے اور شبہ عمد میں دیت ہے قصاص نہیں ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیر نظر حضرت انس کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا میں واضح ہے امام ابوحنیفہؒ نے مشکوۃ شریف صفحہ ۳۰۲ باب الدیات فصل ثانی میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

"الا ان دیة الخطاء شبه العمد ما کان بالسوط و العصاء ."(ابوداؤد)

امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہاں لاٹھی میں کوئی فرق نہیں کہ وہ موٹی ہو یا چھوٹی ہو تو اس سے قتل بالمثقل کا ضابطہ حاصل ہو گیا، ائمہ احناف نے مشکوۃ ص ۳۰۲ پر حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے الفاظ یہ ہیں" **من قتل فی عمیة فی رمی یکون بالحجارة اوجلد بالسیاط او ضرب بعصاً فهو خطاء و عقله عقل الخطآء**"(ابوداؤد)

کہا جاتا ہے کہ لغت کے امام ابوالعلاء ایک دفعہ امام ابوحنیفہؒ سے ملے اور پوچھا کہ اگر کسی نے کسی شخص کو بہت بڑے پتھر سے مار کر قتل کر دیا تو کیا وہ بھی شبہ عمد ہوگا؟

امام صاحب نے فرمایا ہاں" **ولو ضرب بابا قبیس**"، بعض ناواقف حضرات نے اس ترکیب پر اعتراض کیا کہ قاعدہ کے مطابق 'ولو ضرب بابی قبیس' ہونا چاہئے لیکن یہ اعتراض دو وجہ سے غلط ہے ایک تو اس لئے کہ اسماء ستہ مکبرہ میں کئی لغات آتی ہیں یہ لغت بھی فصیح عربی میں آئی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ امام صاحب نے اہل کوفہ کی لغت پر بات کی ہے اور اہل

کوفہ اسی طرح پڑھتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

ان اباها و ابا ابا ها قد بلغا فی المجد غا یتا ها

عام عربی لغت کے مطابق ''وابا ابیھا'' کا لفظ ہونا چاہئے تھا۔

جواب

جمہور کے مستدل زیر بحث حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ قصاص سیاست پر محمول تھا اگرچہ قاعدہ کے رو سے یہاں قصاص نہیں تھا سیاست کا قاعدہ تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے بعض علماء نے اس موضوع پر مستقل تصنیفات لکھدی ہیں مثلاً علامہ عبدالبر بن شحنہ نے لسان الحکام کے نام سے کتاب لکھی ہے علامہ ابن تیمیہ نے السیاسۃ الشرعیہ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔

دوسرا جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ یہ شخص قطاع الطریق تھا اس نے اس لڑکی کے کنگن چھین لئے تھے اور اس نے نقض عہد بھی کیا تھا بہرحال جمہور کی دلیل واضح تر ہے اور صاحبین بھی جمہور کے ساتھ ہیں۔

مساوات فی القصاص

اس زیر بحث حدیث سے امام شافعی اور امام مالک نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ قتل اور قصاص میں مساوات فی الفعل ضروری ہے یعنی پتھر سے قتل کا بدلہ پتھر سے لیا جائے گا زہر کا بدلہ زہر سے لاٹھی کا لاٹھی سے اور گولی سے مارنے کا بدلہ گولی مارنے سے لیا جائے گا تاکہ مساوات قائم رہے اور امام ابوحنیفہؒ اور ایک قول میں احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ قصاص میں مساوات فی العمل ضروری نہیں ہے بلکہ قصاص تلوار کے ذریعہ سے متعین ہے۔

دلائل

شوافع اور مالکیہ حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے کہ پتھر سے مارنے کا بدلہ پتھر سے مار کر لیا گیا۔

احناف وحنابلہ لاقود الا بالسیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور شوافع حضرات نے جس عمل سے استدلال کیا ہے وہ سیاست پر محمول ہے تاکہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ عبرت حاصل ہو جائے۔

اللہ والوں کی شان

﴿۱۳﴾ وعنه قَالَ كَسَرَتِ الرُّبَيِّعُ وَهِيَ عَمَّةُ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ بِالْقِصَاصِ فَقَالَ اَنَسُ بْنُ النَّضْرِ عَمُّ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ لَا وَاللّٰهِ لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَنَسُ كِتَابُ اللّٰهِ الْقِصَاصُ فَرَضِيَ

اَلْقَوْمُ وَقَبِلُوا الْاَرْشَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ مَنْ لَوْاَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَأَبَرَّهٗ (متفق علیه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ربیع نے جو حضرت انسؓ ابن مالک کی پھوپھی تھیں، ایک انصاری لڑکی کے دانت توڑ دیئے اس لڑکی کے رشتہ دار استغاثہ لے کر، نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے بدلہ لینے کا حکم فرمایا (یعنی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ربیعؓ کے بھی دانت توڑے جائیں) انسؓ ابن نضر نے جو انسؓ ابن مالک کے چچا تھے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہوگا، خدا کی قسم ربیعؓ کے دانت نہیں توڑے جائیں گے آنحضرتؐ نے فرمایا۔ انسؓ! اللہ کا حکم بدلہ لینے کا ہے لیکن (خدا نے ایسا کیا) کہ لڑکی کے خاندان والے (ربیعؓ کے دانت نہ توڑے جانے پر) راضی ہو گئے اور دیت (مالی معاوضہ) قبول کر لیا، چنانچہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ بعض بندگان خدا ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی بات پر خدا کی قسم کھا بیٹھیں تو خداوند تعالیٰ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔ (بخاریؒ و مسلمؒ)

توضیح

"لا واللہ لاتکسر" یہاں سب سے پہلے اس روایت میں چند ناموں کا تعین ضروری ہے تو اس میں ربیع ایک خاتون کا نام ہے جو نضر کی بیٹی ہیں دوسرا مالک کا نام ہے جو نضر کے بیٹے ہیں۔ تیسرا انس ہے یہ بھی نضر کے بیٹے ہیں مالک بن نضر نے بھی اپنے بیٹے کا نام انس رکھا تھا اس طرح چچا اور بھتیجے دونوں کا نام انس تھا اور انس بن مالک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے اس روایت کے روای وہی انس بن مالک ہیں اور حضرت ربیع انس کی پھوپھی تھیں اور انس بن نضر کی بہن تھیں یہ "لا واللہ" کی قسم انہی انس بن نضر نے کھائی اور حضور اکرمؐ نے "یا انس کتاب اللہ القصاص" کا خطاب انہی کو کیا۔ حضرت انس بن نضر کا یہ کلام اور یہ قسم کھانا نبی اکرمؐ کے کلام اور حکم کا انکار نہیں تھا اور نہ اس کی مخالفت مقصود تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت پر آپ کی نظر تھی اور اس کی امید تھی کہ قسم بخدا اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرنے دے گا بلکہ وہ ان مدعیوں کو راضی فرمادے گا اور یہ لوگ قصاص کے بجائے دیت کو قبول کر دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت انس بن نضر کی نیت چونکہ اچھی تھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انکار نہیں تھا بلکہ رحمت کا انتظار تھا اسی لئے حضور اکرمؐ نے آپ کی تعریف فرمائی اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا "ارش" دیت کو کہتے ہیں بہر حال "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید"۔

ذمی کے بدلے مسلمان سے قصاص لینے کا مسئلہ

﴿۱۴﴾ وعن اَبِی جُحَيْفَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا هَلْ عِنْدَكُمْ شَیْءٌ لَيْسَ فِی الْقُرْآنِ فَقَالَ وَالَّذِی فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَاعِنْدَنَا اِلَّا مَا فِی الْقُرْآنِ اِلَّا فَهْمًا يُعْطٰی رَجُلٌ فِی كِتَابِهٖ وَمَا فِی الصَّحِيْفَةِ قُلْتُ

وَمَا فِی الصَّحِیفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِکَاکُ الْاَسِیرِ وَاَنْ لَا یُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ (رواه البخاری) وَذُکِرَ حَدِیثُ ابْنِ مَسْعُودٍ لَا تُقْتَلُ نَفْسٌ ظُلْمًا فِی کِتَابِ الْعِلْمِ.

اور حضرت ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز ہے؟ انہوں نے فرمایا ''قسم ہے اس ذات کی جس نے اناج کو پیدا کیا اور جان کو وجود بخشا، میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو قرآن میں موجود نہ ہو، ہاں قرآن کی وہ سمجھ (مجھ کو ضرور دی گئی) جو کسی انسان کو عطا ہوسکتی ہے، نیز ہمارے پاس کچھ ایسی چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں'' میں نے عرض کیا کہ ''وہ کیا چیزیں ہیں جو کاغذ میں لکھی ہوئی ہیں؟ انہوں نے فرمایا (ناحق قتل) کا خون بہا، اس کی مقدار اور اس کے احکام اور قیدی کو چھوڑنے (کا ثواب لکھا ہے) اور یہ لکھا ہے کہ کافر (جو ذمی نہ ہو) کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کیا جائے۔ (بخاریؒ)

توضیح

''ھل عند کم شئی'' حضرت علیؓ سے حضرت ابوجحیفہؓ کے سوال کرنے اور پوچھنے کا منشاء شیعہ روافض کا وہ عقیدہ تھا جس کے تحت وہ کہا کرتے تھے کہ حضرت علیؓ کو حضور اکرمؐ نے خصوصی طور پر ''علم اسرار'' عطا کیا تھا اور حضور اکرمؐ نے آپ کو خلیفہ اور وصی بنایا تھا یہ عقیدہ آج کل کے روافض میں بھی رائج ہے اسی لئے اذان میں خلیفہ اور وصی کا لفظ داخل کردیا ہے نیز شیعہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ عام لوگوں کو ۳۰ پارے کا قرآن ملا مگر حضرت علیؓ کو ۴۰ پاروں پر مشتمل قران ملا جن میں دس پارے اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھے جو اس وقت موجودہ قرآن سے غائب ہیں ان تمام باتوں کے پیش نظر ابوجحیفہ کا سوال تھا جواب میں حضرت علیؓ کی طرف سے ان تمام باتوں کی تردید آ گئی بلکہ آپؓ نے نہایت تاکید کے ساتھ قسم کھا کر تردید فرمائی تاکہ امت کے ذہنوں میں کوئی خلفشار اور شکوک پیدا نہ ہوں ''فلق الحبة'' حبہ دانہ کو کہتے ہیں اور فلق پھاڑنے کے معنی میں ہے ''برأ'' پیدا کرنے کے معنی میں ہے اور ''النسمة'' نون اور سین اور میم کے فتحات کے ساتھ نفس اور ہر جاندار کو کہتے ہیں ''عقل'' دیت کو کہتے ہیں ''فکاک'' چھڑانے کے معنی میں ہے ''الافھما'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی سمجھ جس کو عطا کرتا ہے وہ اللہ نے مجھے عطا کیا ہے جس کے ذریعہ سے میں قرآن کریم کے احکام اور معانی کا استنباط کرتا ہوں اس کے اجمالی اشارات کو پالیتا ہوں اور اس کے گہرے علوم تک رسائی حاصل کرلیتا ہوں، حضرت ابن عباسؓ نے قرآن عظیم کے انہیں گہرائیوں کے متعلق فرمایا۔

''جمیع العلم فی القرآن لکن .... تقاصر عنه افهام الرجال''

فقہاء کا اختلاف

''ان لا یقتل مسلم بکافر'' اس حدیث کے اس جملہ سے فقہاء کرام کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے فقہاء

کرام کا اس میں تو اتفاق ہے کہ کسی کافر حربی کو قتل کرنے سے مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ہاں اختلاف اس میں ہے کہ اگر کافر ذمی ہو یا معاہد ہو تو اس کے بدلے میں بطور قصاص مسلمان کو قتل کیا جائے گا یا نہیں جمہور ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ ذمی کے بدلے میں مسلمان سے قصاص نہیں لیا جائے گا ائمہ احناف کا مسلک یہ ہے کہ ذمی اور معاہد کے بدلے میں مسلمان کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔

دلائل

جمہور نے زیر بحث حدیث کے اس جملہ سے استدلال کیا ہے کہ " **و ان لایقتل مسلم بکافر** " وہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں کافر کا لفظ ہے جو عام ہے خواہ وہ حربی ہو یا ذمی معاہد ہو مسلمان سے قصاص اور بدلہ نہیں لیا جائے گا جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کافر اور مسلمان میں مساوات نہیں ہے ذمی کا قتل اگرچہ جائز نہیں ہے لیکن بوجہ کفر اس کے قتل میں اباحت کا شبہ آ گیا لہٰذا قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ائمہ احناف کی پہلی دلیل دار قطنی کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

" **ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل مسلما بمعاھد** (بحوالہ نصب الرایہ ج ۴ صف ۳۳۵)

ائمہ احناف کی دوسری دلیل وہ عام ضابطہ ہے جس کا ذکر کئی روایات میں آیا ہے اور جس میں ذمیوں کے حقوق اور جان و مال کے تحفظ کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے ان کے اموال کی چوری جرم ہے ان کی عورتوں سے زنا یا زنا کی تہمت جرم ہے لہٰذا ان کے خون کی حفاظت بھی " **دمائھم کد مائنا و اموالھم کا موالنا** " کی روشنی میں ضروری ہے

(کذا فی زجاجۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۵)

ائمہ احناف کی تیسری دلیل حضرت علیؓ کا ایک اثر اور قصہ ہے آپ نے ذمی کے بدلے میں مسلمان سے قصاص لیا اور فرمایا" **من کان لہ ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا** (نصب الرایہ ج ۴ ص ۳۳۷)

ائمہ احناف کی چوتھی دلیل حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ ہے جس میں آپ نے ایک ذمی کے بدلے ایک مسلمان سے قصاص لیا (حوالہ بالا) صحابہ کرام کے ان فیصلوں اور احناف کے مستدلات کی پوری تفصیل تعلیق الصبیح ج ۴ ص ۱۲۶ میں ملاحظہ کریں۔

جواب

امام طحاوی نے جواب دیا ہے کہ یہاں اس حدیث میں کافر سے مراد حربی کافر ہے ذمی مراد نہیں اور کافر حربی میں کسی کا اختلاف نہیں ہے نیز مندرجہ بالا روایات اور صحابہ کرام کے فیصلوں نے زیر بحث حدیث کے عموم میں خصوص پیدا کیا ہے لہٰذا اس سے ذمی مراد نہیں ہے اگرچہ ظاہری احادیث سے عموم معلوم ہوتا ہے جب ان کی نقلی دلیل کا جواب ہو گیا تو عقلی دلیل کا وجود ختم ہو گیا۔

خون مسلم کی اہمیت

الفصل الثانی

﴿۱۵﴾عن عَبدِاللّٰهِ بنِ عَمرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَزَوالُ الدُّنیا اَهوَنُ عَلَی اللّٰهِ مِن قَتلِ رَجُلٍ مُسلِمٍ (رواه الترمذی والنسائی) وَوَقَفَهُ بَعضُهُم وَهُوَ الاَصَحُّ وَرَوَاهُ ابنُ مَاجه عَنِ البَرَاءِ بنِ عَازِبٍ.

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کا ختم ہو جانا ایک مرد مؤمن کے قتل ہو جانے سے زیادہ سہل ہے۔ (ترمذی، نسائی) اور بعض راویوں نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے (یعنی یہ کہا ہے کہ یہ حدیث نبوی نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن عمروؓ کا قول ہے) اور یہی زیادہ صحیح ہے، نیز ابن ماجہ نے اس روایت کو (حضرت عبداللہ ابن عمرو کی بجائے) حضرت براء ابن عازب سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"لزوال الدنیا" اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی چیزوں کو مسلمانوں کے لئے پیدا فرمایا ہے تاکہ وہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائیں اور عبادت کریں جیسے سعدی بابا فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ☆ تا تو نانے بکف آرے و بغفلت نہ خوری

یعنی آفتاب و ماہتاب باد و باران اور آسمان و زمین تیرے کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تو جب روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لے تو غفلت کے ساتھ نہ کھائے۔

اب جب ایک شخص نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو گویا اس نے پوری کائنات کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی مضمون کی طرف قرآن کی اس آیت میں اشارہ ہے "من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً"

قتل مسلم بہت بڑا جرم ہے

﴿۱۶﴾وعن اَبِی سَعِیدٍ وَاَبِی هُرَیرَةَ عَن رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّم قَالَ لَو اَنَّ اَهلَ السَّمَاءِ وَالاَرضِ اِشتَرَکُوا فِی دَمِ مُؤمِنٍ لَاَکَبَّهُمُ اللّٰهُ فِی النَّارِ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِیثٌ غَرِیبٌ.

اور حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر (یہ ثابت ہو جائے کہ) آسمان والے اور زمین والے سب کے سب کسی ایک مرد مؤمن کے قتل میں شریک ہیں تو اللہ تعالیٰ ان

سب کو دوزخ کی آگ میں الٹا ڈال دے گا امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

"اکبھم" یعنی اللہ تعالیٰ ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں گرا دے گا علامہ طیبی نے لغت کے امام علامہ جوہری سے نقل کیا ہے کہ "کب" فعل متعدی ہے اور "اکب" فعل لازمی ہے اور یہ نوادرات سے ہوگا کہ اکب فعل لازم ہوا اور کب متعدی ہو۔ اس لئے بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہاں اصل لفظ "کبھم اللہ" ہے کسی روای سے نقل کرنے میں غلطی ہوگئی ہے علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کا کلام معیار ہے اہل لغت کو اسی کی پیروی کرنی چاہئے نیز تمام راوی اسی طرح نقل کرتے ہیں یعنی ان سب کی طرف سہو کی نسبت سے یہ بہتر ہے کہ جوہری کو سہو کی نسبت کی جائے جامع صغیر میں یہ حدیث "کبھم اللہ فی النار" کے الفاظ سے منقول ہے

قیامت کے دن مقتول کا استغاثہ

﴿۱۷﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ عنِ النَّبِيِّ صلَّى اللّٰهُ عليهِ وسلَّم قالَ يَجِيُّ الْمَقْتُولُ بِالْقَاتِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَاصِيَتُهُ وَرَأْسُهُ بِيَدِهٖ وَاَوْدَاجُهُ تَشْخَبُ دَمًا يَقُولُ يَارَبِّ قَتَلَنِي حَتّٰى يُدْنِيَهُ مِنَ الْعَرْشِ (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه)

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو اس طرح پکڑ کر لائے گا کہ قاتل کی پیشانی اور اس کا سر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا اور خود اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اس کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے پروردگار! (اس نے) مجھے قتل کیا ہے (میری فریاد رسی کر) یہاں تک کہ مقتول اس قاتل کو (کھینچتا ہوا) عرش الٰہی کے قریب تک لے جائے گا۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح

"ناصیته" پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں "وراسه" یعنی سر کے باقی بال۔ "واوداجه" یہ ودج کی جمع ہے گردن کی ان رگوں کا نام ہے جو ذبح کے وقت کاٹی جاتی ہیں بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہاں جمع سے تثنیہ مراد لیا گیا ہے بعض روایات میں "ودجان" کے الفاظ بھی آئے ہیں "تشخب" نصر ینصر سے ہے رگوں سے خون جاری ہونے کو کہتے ہیں "دماً" یہ تمیز محول عن الفاعل ہے یعنی معنوی طور پر فاعل ہے عبارت اس طرح ہوگی "تشخب دمها" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن مقتول اپنا پورا حق قاتل سے طلب کرے گا اور مظلومیت کی کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس کو راضی فرمائے گا۔

اپنی مظلومیت کے دن حضرت عثمانؓ کی تقریر

۱۸﴿وعن ابی امامة بن سهل بن حنيف ان عثمان بن عفان اشرف يوم الدار فقال انشدكم بالله اتعلمون ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث زنا بعد احصان او كفر بعد اسلام او قتل نفس بغير حق فقتل به فوالله مازنيت في جاهلية ولا اسلام ولا ارتددت منذ بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا قتلت النفس التي حرم الله فبم تقتلونني (رواه الترمذی والنسائی وابن ماجه وللدارمي لفظ الحديث).

اور حضرت ابوامامہؓ ابن سہل ابن حنیف کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ابن عفان، دار کے دن مکان کی چھت پر چڑھے اور (بلوائیوں کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کسی مرد مؤمن کی خون ریزی (کسی صورت میں جائز نہیں ہوتی الا یہ کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک بات پیش آجائے (۱) نکاح کرنے کے بعد زنا کرنا۔ (۲) اسلام لانے کے بعد کافر ہو جانا۔ (۳) اور کسی کا ناحق قتل کر دینا کہ اس کے بدلہ میں قتل کیا جائے گا۔ پس قسم ہے خدا کی، میں نے نہ تو زمانہ جاہلیت میں زنا کیا ہے اور نہ زمانہ اسلام میں، اور جب سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے آج تک اسلام سے نہیں پھرا ہوں اور نہ میں نے کسی ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو، تو (خدارا مجھے بتاؤ تم مجھے کس بناء پر قتل کرنا چاہتے ہو؟۔ اس روایت کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور حدیث کے الفاظ دارمی کے ہیں۔

توضیح

"اشرف یوم الدار" یوم الدار یعنی گھر کا دن اس سے حضرت عثمان بن عفانؓ کے محاصرے کے دن مراد ہیں ابن سبا یہودی نے حضرت عثمان کے خلاف شام، مدینہ، کوفہ میں پروپیگنڈہ کیا مگر کامیاب نہیں ہوا مصر میں جا کر اس کا پروپیگنڈہ کامیاب ہوا یہ شخص بڑا منافق تھا حضرت عثمان کے گورنروں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کر کے حضرت عثمان کو بدنام کرتا تھا مصر میں اس نے ایک لڑاکو گروپ تیار کیا اور پھر اس گروپ نے مدینہ آ کر بلوہ شروع کیا ایک دن حضرت عثمان نے محاصرہ کے دوران اپنے گھر کی چھت سے ان لوگوں سے گفتگو فرمائی۔ اور اپنے قتل کی حرمت کے دلائل دیئے آخر بلوائیوں نے آپ کو اسی محاصرہ کے دوران شہید کر دیا تفصیل آئندہ انشاء اللہ آئے گی۔

ہر قاتل خیر کی توفیق سے محروم رہتا ہے

۱۹﴿وعن ابی الدرداء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لايزال المؤمن معنقا صالحا

مَالَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابودرداء رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا مسلمان اس وقت تک نیکی کی طرف سبقت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے جب تک کہ وہ خون حرام کا ارتکاب نہیں کرتا اور جب وہ خون حرام کا مرتکب ہوتا ہے تو تھک جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح

"معنقا" یعنی نیکی اور بھلائی کرنے میں چست رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھلائی کی طرف سبقت کرنے کی توفیق دیتا ہے "عنق" تیز چلنے کو کہتے ہیں " صالحاً " یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ادا کرنے پر قائم رہتا ہے یہ صفت کاشفہ ہے "بَلَّحَ" یعنی اس کی تیزی اور چستی ختم ہوجاتی ہے اب وہ نیک اور صالح عمل سے کٹ کر رہ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کی توفیق نہیں دیتا۔ تجربہ شاہد ہے کہ قاتل بوجہ قتل روپوش ہوجاتا ہے تو کھلے عام عبادات کے مواقع سے محروم ہوجاتا ہے چھپ چھپ کر مارے مارے پھرتا ہے اور جب یہ حالت ہوتی ہے تو آخرت کی بھلائیوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھلائیوں اور حلال کمائی سے بھی محروم ہوجاتا ہے۔

ناحق قتل نا قابل معافی جرم ہے

﴿۲۰﴾ وعنه عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَغْفِرَهُ اِلَّامَنْ مَاتَ مُشْرِكًا اَوْمَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا (رواه ابوداؤد) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ مُعَاوِيَةَ.

اور حضرت ابودرداءؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہر گناہ کے بارے میں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا مگر اس شخص کو نہیں بخشے گا، جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جس نے کسی مسلمان کا قتل عمد کیا ہو۔ (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت معاویہؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

" اومن قتل مومنا" اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مؤمن کو ناحق قتل کرنے والا مسلمان ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور مشرک کی طرح اس کی بخشش نہیں ہوگی حالانکہ اہل سنت والجماعت اور عام امت کا عقیدہ ہے کہ قتل مؤمن کبیرہ گناہ ہے اور کبیرہ گناہ کی وجہ سے آدمی " مخلد فی النار" نہیں ہوتا ہے البتہ خوراج اور معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہوتا ہے حدیث سے بظاہر ان کی تائید ہوتی ہے اہل سنت کا مستدل " ان اللہ لا یغفر ان یشرک به و یغفر مادون ذلک لمن یشاء" آیت ہے مذکورہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو قتل مسلم کو جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہے " مخلدفی النار" ہے یا یہ حدیث تغلیظ وتشدید اور تہدید وتوبیخ پر محمول ہے۔

باپ سے اولاد کیلئے قصاص نہیں لیا جائے گا

﴿۲۱﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ قالَ قالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لاتُقَامُ الْحُدُوْدُ فِی الْمَسَاجِدِ وَلَایُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ (رواہ الترمذی والدارمی)

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجدوں میں حدود جاری نہ کی جائیں اور نہ اولاد کے (قتل کے) بدلے میں باپ کو قتل کیا جائے (بلکہ باپ سے دیت (یعنی مالی معاوضہ لیا جائے)۔ (ترمذیؒ، دارمیؒ)

توضیح

''فی المساجد'' حدیث کے اس پہلے جزء کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں میں حدود مثلاً چوری کی حد یا زنا اور خمر کی حد، یا حد قذف جاری نہ کی جائیں اسی طرح قصاص بھی مسجد میں نہ لیا جائے اس لئے کہ مسجدیں صرف فرض نمازوں اور سنن ونوافل اور تلاوت کلام اللہ کے لئے بنائی گئیں ہیں۔

''ولا یقادبالولدالوالد'' یعنی اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کردے تو اس کو مقتول بیٹے کے بدلے میں بطور قصاص قتل نہ کیا جائے یہی حکم دادا، پردادا کا بھی ہے اور یہی حکم ماں اور دادی ونانی کا بھی ہے علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر بیٹے نے ماں باپ کو قتل کیا تو اس بدبخت کو قصاص میں قتل کیا جائے گا اختلاف اس مسئلہ میں ہے کہ اگر باپ نے بیٹے کو قتل کردیا تو کیا باپ سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں؟

تو جمہور فرماتے ہیں کہ باپ کو بیٹے کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ باپ اس بیٹے کی زندگی کا ذریعہ بنا ہے اب یہ بیٹا اپنے باپ کی موت کا ذریعہ نہیں بن سکتا قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیٹے کو والدین کے شکر بجالانے کا حکم دیا ہے اور ان کو اذیت نہ دینے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور ان سے نرمی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین فرمائی ہے۔

نیز احادیث میں '' انت و مالک لابیک'' کے الفاظ آئے ہیں جس سے بیٹا باپ کے مملوک مال کی طرح ہوجاتا ہے لہٰذا اب ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا دنیا میں شریعت کا حکم یہی ہے اور آخرت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے البتہ دنیا میں باپ سے دیت لی جائے گی۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر باپ نے بیٹے کو مروجہ طریقہ سے مار ڈالا تو مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ جمہور کہتے ہیں لیکن اگر باپ نے بیٹے کو ذبح کر کے ماردیا تو پھر اس ظالمانہ اور اس وحشیانہ فعل کی وجہ سے باپ سے قصاص لیا جائے گا جمہور نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ باپ سے بیٹے کے قتل کے بدلہ میں قصاص نہیں لیا جائے گا خواہ وہ ذبح سے قتل کرے یا دیگر ذرائع سے قتل کرے حدیث جب موجود ہے تو امام مالک کی رائے کو چھوڑا جائے گا۔

ہر آدمی اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے

﴿۲۲﴾ وعن ابی رمثة قال اتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع ابی فقال من ھذا الذی معک قال ابنی اشھد بہ قال اما انہ لایجنی علیک ولاتجنی علیہ (رواہ ابوداؤد والنسائی) وزاد فی شرح السنة فی اولہ قال دخلت مع ابی علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فرأی أبی الذی بظھر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال دعنی اعالج الذی بظھرک فانی طبیب فقال انت رفیق و اللّٰہ الطبیب.

اور حضرت ابورمثہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ "یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ والد نے کہا کہ" یہ میرا بیٹا ہے، آپ گواہ رہئے آپؐ نے فرمایا تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نہ تو یہ تمہیں اپنے گناہ کی وجہ سے مبتلا کرے گا اور نہ تم اس کو اپنے گناہ کی وجہ سے مبتلا کرو گے۔ (ابوداؤد، نسائی) اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں اس روایت کے شروع میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ابورمثہؓ نے کہا کہ جب میں اپنے والد کے ہمراہ رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے والد نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو وہ اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ آپ کی پشت پر جو چیز ہے میں اس کا علاج کروں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (تو بس) رفیق ہو، طبیب (تو) اللہ ہے۔

توضیح

"ابنی اشھد به" یعنی یہ میرا بیٹا ہے آپ گواہ رہئے، اس کلام سے ابورمثہ کے والد کا مقصد زمانہ جاہلیت کے ایک دستور اور رواج کی طرف اشارہ کرنا تھا جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ باپ کے جرم میں بیٹا پکڑا جاتا تھا اور بیٹے کے جرم میں باپ سے مواخذہ ہوتا تھا گویا ہر ایک دوسرے کے جرم میں قابل مواخذہ سمجھا جاتا تھا ابورمثہ کے والد کا مقصد بھی اس کلام سے یہی تھا کہ یہ میرا صلبی بیٹا ہے آپ اس پر گواہ رہیں اگر اس نے کوئی جرم کیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں گا اور اگر میں نے کوئی جرم کیا تو میرا یہ بیٹا اس کا ذمہ دار ہوگا اس کے جواب میں حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ اب ایسا نہیں ہوگا اب بیٹا اپنے باپ کو اپنے گناہ کے جرم میں مبتلا نہیں کرے گا اور نہ باپ اپنے بیٹے کو اپنے گناہ میں مبتلا کرے گا اب جاہلیت کا یہ غیر منصفانہ دستور ختم ہو گیا ہے اب ہر آدمی اپنے گناہ اور اپنے جرم کا دنیا اور آخرت میں خود ذمہ دار ہوگا" فانی طبیب" ابورمثہؓ کے والد نے حضور اکرمؐ کی پشت پر مہر نبوت دیکھ لی تو خیال کیا کہ یہ کوئی "پھوڑا ہے" اس لئے انہوں نے فرمایا کہ آپ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس کا

علاج کروں یہ بات چونکہ انتہائی نادانی پر مبنی تھی اور اس میں بے ادبی کا پہلو بھی تھا اس لئے حضور اکرمؐ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا بس تم طبیب نہیں بلکہ رفیق ہو یعنی مرض اور بیماری کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس کے مطابق دوائی تجویز کر کے دے سکتے ہو مرض کی حقیقت تک پہنچنا اور شفا دینا تمہارا کام نہیں تم صرف مریض کے ساتھ نرمی کر سکتے ہو بس نرمی کرو اور طبیب درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے جو مرض کی حقیقت کو بھی جانتا ہے اور اس کی دواء اور علاج کو بھی جانتا ہے اور وہ شفاء بھی دیتا ہے دوسروں کے اختیار میں یہ چیزیں نہیں ہیں تو وہ صرف مہربان تو ہو سکتے ہیں شفاء دینے والے نہیں ہو سکتے۔

بیٹے سے باپ کا قصاص لیا جائے گا

﴿۲۳﴾ وعن عَمرو بنِ شُعَیبٍ عَنْ اَبِیهِ عَنْ جَدِّہٖ عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُقِیدُ الْاَبَ مِنِ ابْنِهٖ وَلَایُقِیدُ الْاِبْنَ مِنْ اَبِیهِ (رواه الترمذی) وَضَعَّفَهُ.

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے، اور وہ حضرت سراقہؓ ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ بیٹے سے باپ کا قصاص لیتے تھے لیکن باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیتے تھے۔ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں

﴿۲۴﴾ وعن الحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَ عَبْدَہٗ قَتَلْنَاہُ وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَہٗ جَدَعْنَاہُ (رواه الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه والدارمی) وَزَادَ النَّسَائِیُّ فِی رِوَایَةٍ اُخْرٰی وَمَنْ خَصٰی عَبْدَہٗ خَصَیْنَاہُ.

اور حضرت حسن بصریؒ (تابعی) حضرت سمرہؓ (صحابی) سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اس کو قتل کر دیں گے اور جو شخص (اپنے غلام کے) اعضاء کاٹے گا ہم اس کے اعضاء کاٹ دیں گے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور نسائی نے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ کہ جو شخص اپنے غلام کو خصی کرے گا ہم اس کو خصی کر دیں گے۔

توضیح

"من قتل عبده قتلناه" اگر کسی غلام نے آزاد آدمی کو مار ڈالا تو بالاتفاق اس غلام سے قصاص لیا جائے گا لیکن اگر کسی آزاد آدمی نے کسی غلام کو مار ڈالا تو کیا اس حر سے قصاص لیا جائے گا یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

''فقہاء کا اختلاف

جمہور فرماتے ہیں کہ غلام کے بدلے حر اور آزاد آدمی کو قتل نہیں کیا جائے گا خواہ وہ غلام اس کا اپنا ہو یا دوسرے کا غلام ہو۔ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر آقا اپنے غلام کو قتل کردے تو اسمیں آقا سے قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن اگر اس نے دوسرے کا غلام ماردیا تو قصاص لیا جائے گا۔

دلائل:

جمہور ائمہ نے قرآن کریم کی آیت ﴿الحر بالحر و العبد بالعبد﴾ سے استدلال کیا ہے اور مفہوم مخالف لیا ہے کہ آزاد کے بدلے آزاد ہے لہٰذا غلام کے بدلے آزاد سے قصاص نہیں لیا جائے گا جیسا کہ یہ مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔

ائمہ احناف نے نسائی کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں " **لا یقاد المملوک من مولاہ**" (نسائی) یہ احناف کے ایک مدعا پر دلیل ہے کہ آقا سے غلام کے لئے قصاص نہیں ہے۔

احناف کے دلائل قرآن کریم کی وہ آیات بھی ہیں جس میں نفس کے بدلے نفس کا حکم مذکور ہے جس کی تفصیل حدیث نمبر ا میں گذر چکی ہے۔ ائمہ احناف نے دارقطنی اور بیہقی کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے "**عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان رجلاً قتل عبده متعمداً فجلده النبی صلی الله علیه وسلم مأة جلدة و نفاه سنة و محاسهمه من المسلمین و لم یقده به و امره ان یعتق رقبة**" (زجاجۃ المصابیح ج ۳ ص ۱۸) اس حدیث سے بھی ثابت ہوگیا کہ آقا سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔

ائمہ احناف نے اس دردناک قصہ سے بھی استدلال کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنی لونڈی کو زنا کی تہمت میں آگ پر بٹھا کر اس کی شرمگاہ کو جلا دیا حضرت عمر فاروق کے سامنے مقدمہ پیش ہوا کوئی گواہ نہیں تھا نہ لونڈی نے زنا کا اعتراف کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے اس شخص سے فرمایا" **لو لم اسمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول لایقاد مملوک من مالکه لاقدتها منک**" (زجاجۃ المصابیح جلد ۳ ص ۱۹)

احناف کی عقلی دلیل یہ ہے کہ مولیٰ اور غلام کے قصاص میں شبہ آگیا کیونکہ غلام مولیٰ کی ملکیت میں ہے لہٰذا شبہ سے قصاص ختم ہوگیا

جواب

جمہور اور احناف سب کو مل کر اس حدیث کا جواب دینا ہے کیونکہ یہ روایت باقی تمام روایات اور قواعد سے معارض ہے اس لئے کہ اعضاء کے بدلے اعضا کے کاٹنے کا حکم اور خصی کرنے کے بدلے خصی کرنے کا حکم کسی کے ہاں نہیں ہے۔ لہٰذا

اس روایت کا جواب دینا سب کی ذمہ داری ہے تو اول جواب یہ ہے کہ یہ حکم زجر وتوبیخ اور تشدید وتغلیظ کی بنیاد پر ہے اور اس میں یہ سیاسی حکمت پوشیدہ ہے کہ لوگ اپنے غلاموں کو قتل کرنے کی جرأت نہ کریں اور نہ ان کے اعضاء کے کاٹنے میں جلد بازی سے کام لیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ''عبدہ'' سے زمانہ ماضی کی غلامی مراد ہے نہ کہ فی الحال یہ غلام ہے اب تو یہ آزاد ہے لیکن کسی وقت وہ اس مولی کا غلام تھا اس اعتبار سے اس کو غلام کہد یا گیا لہٰذا آزاد آدمی کے متعلق جو حکم اس حدیث میں ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

دیت کی مقدار اور اونٹوں کے نام

﴿۲۵﴾ وعن عَمرِو بنِ شُعَيبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ مُتَعَمِّدًا دُفِعَ اِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ فَاِنْ شَاءُوا قَتَلُوا وَاِنْ شَاءُوا اَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَاَرْبَعُونَ خَلِفَةً وَمَاصَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ (رواه الترمذی)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص قتل عمد کا ارتکاب کرے اس کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے چاہے وہ اس کو (مقتول کے بدلے میں) قتل کر دیں اور چاہے اس سے دیت یعنی خون بہا لے لیں، اور خون بہا (کی مقدار وتعداد) یہ ہے کہ تیس اونٹنیاں وہ ہوں جو (تین برس کی ہوکر) چوتھے برس میں لگی ہوں اور تیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں (اس کے علاوہ) اور جس چیز پر صلح ہو جائے تو وہ اس کے حق دار ہوں گے (یعنی دیت جو مقتول کے ورثاء کا حق ہے اس کی اصل مقدار وتعداد تو یہ ہے) ہاں اگر ورثاء اس سے کم پر راضی ہو جائیں تو قاتل پر وہی واجب ہوگا۔ (ترمذی)

توضیح

''حقة'' ''بنت مخاض'' وہ مادہ اونٹنی ہے جس کا ایک سال پورا ہو گیا ہو اور دوسرے میں داخل ہو چکی ہو ''بنت لبون'' وہ مادہ اونٹنی ہے جس کے دو سال مکمل ہوئے ہوں اور تیسرے میں قدم رکھا ہو۔ ''حقة'' وہ مادہ اونٹنی ہے جس کے تین سال مکمل ہوئے ہوں اور چوتھے سال میں قدم رکھا ہو۔ ''جذعه'' وہ مادہ اونٹنی ہے جس کے چار سال پورے ہو چکے ہوں اور پانچویں میں قدم رکھا ہو۔ اس کے بعد ''ثنی'' ہے یہ وہ اونٹ یا اونٹنی ہے جو چھٹے سال میں داخل ہو جائے اور جب اونٹ ساتویں سال میں قدم رکھتے تو اس کو ''رباعی'' کہتے ہیں اور مادی کو ''رباعیه'' کہتے ہیں اور جب اونٹ سات سال مکمل کر کے آٹھویں سال میں داخل ہو جائے تو اس کو''

سدیس" کہتے ہیں اور جب اونٹ آٹھ سال مکمل کر کے نویں میں داخل ہو جائے تو اس کو "بازل" کہتے ہیں اس کے بعد اگر وہ دسویں سال میں بھی داخل ہو جاتا ہے اس کو "بازل" اور "مخلف" بھی کہتے ہیں اس کے بعد کسی عمر کے لئے کوئی خاص نام نہیں ہے البتہ "بازل" کے ساتھ عام کا لفظ لگا کر اندازہ کیا جاتا ہے اسی طرح "مخلف" کے ساتھ عام کا لفظ لگا کر کہا جاتا ہے "بازل عام و بازل عامین" اور "مخلف عام و مخلف عامین" امام ابوداؤدؒ نے شیخ ریاشی کا ایک شعر بھی نقل کیا ہے جس میں ایک حد تک عمر کے تناسب سے اونٹوں کے نام بیان کئے گئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اذا سهيل اول الليل طلع ☆ فابن اللبون الحق و الحق جذع

لم يبق من اسنانها غير الهبع

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۴)

یعنی جب سہیل ستارہ نکل آتا ہے تو ابن لبون حقہ اور حقہ جذعہ میں تبدیل ہو جاتا ہے ان سب اونٹوں کی عمریں بدل جاتی ہیں ہاں جو بے موسم اور قبل از وقت پیدا ہوا ہو اس کی عمر نہیں بدلتی۔

فقہاء کا اختلاف

"خلفة" اس کی جمع خلفات ہے گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں، قتل عمد میں قصاص کی بجائے اگر دیت اور خون بہا پر طرفین راضی ہوں تو خون بہا کے بارے میں امام شافعیؒ کے نزدیک یہی ترتیب ہے جو اس حدیث میں ہے تیس حقہ ہوں اور تیس جذعہ ہوں اور چالیس خلفات یعنی حاملہ ہوں لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خون بہا کی ترتیب حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ ۲۵ بنت مخاض ہوں گی ۲۵ بنت لبون ۲۵ حقہ اور ۲۵ جذعہ اونٹیاں ہوں گی شوافع کے ہاں اثلاثاً دیت ادا کرنے کی جو ترتیب ہے یہ دیت مغلظہ ہے احناف کے ہاں ارباعاً والی ترتیب دیت مغلظہ ہے۔

دلائل

امام شافعیؒ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں اثلاثاً کی ترتیب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت سائب بن یزید کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں روی الزهری عن السائب بن يزيد قال كانت الدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ارباعاً خمساً و عشرين جذعة و خمسا و عشرين حقة و خمسا و عشرين بنت لبون و خمسا و عشرين بنت مخاض (کذا فی المغنی تعلیق الصبیح ج ۴ ص ۱۳۲)

ائمہ احناف نے حضرت ابن مسعودؓ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام ابوداؤد نے نقل کر کے سکوت فرمایا ہے جو حدیث کی صحت کی نشانی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں

"عن علقمة والاسود قالا قال عبدالله فی شبه العمد خمس و عشرون حقة و خمس و عشرون جذعة و خمس و عشرون بنات لبون و خمس و عشرون بنات مخاض (رواه ابوداؤد)

اس میں بھی ارباعاً کی ترتیب مذکور ہے جیسا کہ مندرجہ بالا حضرت سائب کی روایت میں ہے احناف کے ہاں مذکورہ روایات زیر بحث حدیث سے راجح ہیں جس سے شوافع نے استدلال کیا ہے۔

"وما صالحوا علیه" یعنی آپس میں کمی بیشی پر اگر طرفین صلح کر کے فیصلہ کرتے ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

کفر کے مقابلہ میں سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہیں

﴿۲۶﴾ وعن علیٍّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُونَ تَتَکَافَأُ دِمَاءُ هُمْ وَیَسْعٰی بِذِمَّتِهِمْ اَدْنَاهُمْ وَیَرُدُّ عَلَیْهِمْ اَقْصَاهُمْ وَهُمْ یَدٌ عَلٰی مَنْ سِوَاهُمْ اَلَا لَا یُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِکَافِرٍ وَلَا ذُوعَهْدٍ فِی عَهْدِهٖ (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا قصاص اور دیت میں سب مسلمان برابر ہیں اور ایک ادنی مسلمان بھی امان دے سکتا ہے اور دور والا مسلمان بھی حق رکھتا ہے اور سب مسلمان ایک ہاتھ کی طرح ہوتے ہیں (یعنی تمام مسلمان غیر مسلموں کے مقابلہ میں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں ایک ہاتھ کی مانند ہوتے ہیں کہ جس طرح کسی چیز کو پکڑنے یا سکون وحرکت کے موقع پر ایک ہاتھ کے تمام اجزاء میں کوئی مخالفت یا جدائی نہیں ہوتی اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ غیروں کے مقابلے پر متحد و متفق رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہیں) اور خبردار! کافر کے بدلے میں مسلمان نہ مارا جائے اور نہ عہد والے (یعنی ذمی) کو مارا جائے جب تک کہ وہ عہد وضمان میں ہے۔ (ابوداؤد، نسائی) اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

"تتکافأ" یہ کفاءت سے ہے جو مساوات اور برابری کے معنی میں ہے۔ یعنی خون بہا لینے دینے میں اور قصاص میں سب مسلمان یکساں طور پر برابر ہیں کسی ادنی اعلی میں یا شریف اور رذیل میں یا چھوٹے بڑے میں یا نیک اور برے میں یا عالم اور جاہل میں یا امیر اور غریب میں یا مرد اور عورت میں دیت اور قصاص کا کوئی فرق نہیں ہے یہ نہیں کہ بڑی ذات والے کی دیت زیادہ ہے اور چھوٹی ذات والے کی دیت کی مقدار کم ہے اب یہ اسلام کا عادلانہ نظام ہے جاہلیت کا ظالمانہ فرق اب مٹ چکا ہے کہ بڑے طبقے اور خاندان کے آدمی کے قصاص میں ایک کے بجائے دو اور تین کو مار ڈالتے تھے۔

" ادناهم" یعنی ایک کمزور مسلمان خواہ کتنا گمنام کیوں نہ ہو یا عورت اور مسلمان غلام کیوں نہ ہو وہ اگر کسی کافر کو امن دیدے تو تمام مسلمانوں کو اس کا احترام کرنا چاہئے اور اس کافر کو امن دینا چاہئے۔

" ویرد علیهم اقصاهم" یعنی لشکر اسلام سے مثلاً ایک چھوٹا دستہ الگ ہوا اور دور جا کر لڑنے لگا اور مال غنیمت حاصل کیا تو ان پر لازم ہے کہ وہ مال غنیمت لاکر مرکز اور بیت المال میں جمع کرادے اس دستہ کا اس مال پر اپنا کوئی حق نہیں ہے۔

" وهم یدعلی من سواهم" یعنی دنیا کے سارے مسلمان کفار کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ایک ہاتھ ہیں جہاں بھی کسی مسلمان پر کفار کی طرف سے ظلم وتعدی ہوتی ہے تو سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کریں اس حدیث میں مسلمانوں کو یہ دستاویزی حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح " الکفر ملة واحدة" ہے اسی طرح مسلمان بھی کفار کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں وہ ایک دوسرے کی مدد کی ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے ہیں۔

احناف کے نزدیک یہاں کافر سے حربی کافر مراد ہے کہ اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا ہاں ذمی کے بدلے قتل کیا جائے گا یہاں ذمی کا الگ ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ کافر سے مراد حربی ہے اور ذمی کا حکم الگ ہے۔

﴿۲۷﴾ وعن اَبِی شُرَیْحِ الْخُزَاعِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ مَنْ اُصِیبَ بِدَمٍ اَوْخَبْلٍ وَالْخَبْلُ الْجُرْحُ فَهُوَ بِالْخِیَارِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلَاثٍ فَاِنْ اَرَادَ الرَّابِعَةَ فَخُذُوا عَلٰی یَدَیْهِ بَیْنَ اَنْ یَقْتَصَّ اَوْیَعْفُوَ اَوْیَاْخُذَ الْعَقْلَ فَاِنْ اَخَذَ مِنْ ذٰلِکَ شَیْئًا ثُمَّ عَدَا بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهُ النَّارُ خَالِدًا فِیْهَا مُخَلَّدًا اَبَدًا (رواه الدارمی)

''اور حضرت ابوشریح خزاعیؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ'' جو شخص قتل ناحق یا زخم کی وجہ سے غم زدہ ہو (یعنی جس شخص کے مورث کو ناحق قتل کر دیا گیا ہو یا اس کے جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا گیا ہو) تو وہ تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کا حقدار ہے اور اگر وہ (ان تینوں چیزوں میں سے زائد) کسی چوتھی چیز کا طلب گار ہو تو اس کا ہاتھ پکڑلو (یعنی اس کو وہ چوتھی چیز طلب کرنے سے منع کردو) اور وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ (۱) یا تو وہ قصاص لے لے۔ (۲) یا معاف کردے۔ (۳) اور یا مالی معاوضہ لے لے۔ پھر اگر اس نے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کیا اور اس کے بعد کسی دوسری چیز کا اضافہ کیا (یعنی مثلاً پہلے تو اس نے معاف کر دیا اور پھر بعد میں قصاص یا مالی معاوضہ طلب کیا) تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس میں اس کو ہمیشہ رکھا جائے گا کبھی اس سے نہیں نکلے گا۔'' (دارمی)

دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا یہ حکم تشدیدا تغلیظا اور زجرا وتوبیخا وتهدیدا ہے۔

قتل خطاء کا حکم اور قتل بالمثقل کی تعریف

﴿۲۸﴾ وعن طَاؤُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيَّةٍ فِي رَمْيٍ يَكُونُ بَيْنَهُمْ بِالْحِجَارَةِ أَوْ جَلْدٍ بِالسِّيَاطِ أَوْ ضَرْبٍ بِعَصًا فَهُوَ خَطَاءٌ وَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَاءِ وَمَنْ قُتِلَ عَمْدًا فَهُوَ قَوَدٌ وَمَنْ حَالَ دُوْنَهُ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَغَضَبُهُ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ.

(رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت طاوسؒ ابن عباسؓ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جو شخص لوگوں کے درمیان پتھراؤ میں یا کوڑوں اور لاٹھیوں کی اندھا دھند مار میں مارا جائے، (یعنی یہ پتہ نہ چلے) کہ اس کا قاتل کون ہے تو یہ قتل (گناہ ہونے کے اعتبار سے) قتل خطاء کے حکم میں ہوگا (کیونکہ وہ بلا قصد قتل مارا گیا ہے) اور اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہے، اور جو شخص جان بوجھ کر مارا گیا تو اس کا قتل، قصاص کو واجب کرے گا اور جو شخص قصاص لینے میں حائل (مزاحم) ہو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے۔ نہ اس کے نفل قبول کئے جائیں گے اور نہ فرض۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

"عـمـية" یہ لفظ عین کے کسرہ اور میم مشدد کے کسرہ اور یا مشددہ کے ساتھ ہے یہ ایسے فتنے اور اندھا دھند فائرنگ یا پتھراؤ کو کہتے ہیں جس کی صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں ہوسکتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً دو طبقوں کی لڑائی ہے اور طرفین سے ایک دوسرے پر اندھا دھند پتھراؤ یا کوڑوں اور لاٹھیوں کا استعمال جاری ہے۔ اور اس اندھا دھند پتھراؤ اور لاٹھی چارج میں کوئی آدمی مرگیا تو یہ قتل خطا ہے جو قصاص کو واجب نہیں کرتا بلکہ یہ قتل بالمثقل ہے جو دیت کو واجب کرتا ہے اور یہ دیت عاقلہ پر آئے گی حدیث میں جن چیزوں کا ذکر ہے وہ بطور مثال ہے مراد یہ ہے کہ کسی بھی مثقل چیز سے مارا جائے اس قسم کے قتل کو فقہاء شبہ عمد کہتے ہیں شوافع اور صاحبین کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے "کہ جان بوجھ کر کسی کو غیر قاتل آلہ سے ایک بار مارا جائے جس سے عموماً کسی کی موت واقع نہیں ہوتی ہو" جیسے چھوٹا پتھر اور چھوٹی لاٹھی سے قتل کرنا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قتل شبہ عمد کی تعریف اس طرح ہے "وہ قتل جو جان بوجھ کر کیا جائے لیکن ایسی چیز سے جو نہ آہنی ہو اور نہ تفریق اعضا میں آہنی کی طرح ہو" جیسے پتھر اور لاٹھی سے قتل کرنا احناف وشوافع کے اس اختلاف کا ثمرہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کو بڑے بھاری پتھر یا بھاری موٹی لاٹھی سے ماردیا تو شوافع کے نزدیک یہ قتل عمد ہے جس میں قصاص ہے اور احناف کے نزدیک شبہ عمد ہوگا زیر بحث حدیث کے ظاہری الفاظ سے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کیونکہ

مطلق پتھر اور مطلق لاٹھی بھاری اور بڑی سے بڑی بھی ہوسکتی ہے شوافع کے ہاں اس سے ہلکی اشیاء مراد ہیں۔

ومن قتل عمدا: اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحقؒ نے اس صیغہ کو مجہول کا صیغہ مان کر ترجمہ کیا ہے ملا علی قاری نے معروف کا مانا ہے۔

"**فھو قود**" یعنی جس نے کسی کو آلہ جارحہ سے قصداً مار ڈالا تو اس قتل سے قصاص لازم آتا ہے۔

"**ومن حال**" یعنی جو شخص قاتل سے قصاص لینے میں حائل ہوا اور اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اس شرعی حکم کے نافذ کرنے میں رکاوٹ بن گیا تو اس پر خدا کی لعنت نازل ہوگی۔

"**صرف**" یعنی اس کی نفلی عبادت غیر مقبول ہو جائے گی "**ولا عدل**" یعنی اس کی فرض عبادت قبول نہیں ہوگی۔ اگرچہ عبادت کرنا اس پر لازم رہے گا شیخ عبدالحقؒ نے اشعہ میں لکھا ہے کہ صرف کا ترجمہ توبہ سے بھی کیا جاسکتا ہے اور نفل سے بھی کیا جاتا ہے اور "عدل" کا ترجمہ فدیہ سے بھی کیا جاسکتا ہے اور فرض سے بھی کیا جاتا ہے ہر جگہ ان الفاظ کا یہ مطلب لیا جاسکتا ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک قتل کی پانچ قسمیں ہیں (۱) قتل عمد (۲) قتل شبہ عمد (۳) قتل خطا (۴) قتل جاری مجرای خطا (۵) قتل بسبب، کتاب القصاص کی ابتداء میں سب کی تعریف و تفصیل گذر چکی ہے۔

﴿۲۹﴾ وعن جابرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُعْفِي مَنْ قَتَلَ بَعْدَ اَخْذِ الدِّيَةِ. (رواه ابوداؤد)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مقتول کے ولی اور وارثوں میں سے) جو شخص (قاتل سے) دیت (خون بہا) لینے کے بعد اس کو قتل کرے گا اس کو معاف نہیں کروں گا (بلکہ اس کو بھی بطور قصاص قتل کرادوں گا)۔ (ابوداؤد)

﴿۳۰﴾ وعن اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَامِنْ رَجُلٍ يُصَابُ بِشَيْءٍ فِي جَسَدِهٖ فَتَصَدَّقَ بِهٖ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ بِهٖ دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيْئَةً (رواه الترمذی وابن ماجه)

اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جس شخص کے بدن کے کسی حصہ کو زخمی کیا گیا اور اس نے زخمی کرنے والے کو معاف کر دیا (یعنی اس سے کوئی بدلہ نہیں لیا بلکہ درگزر کیا اور تقدیر الٰہی پر صابر رہا) تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کرے گا اور اس کا ایک گناہ معاف کردے گا۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اسلام میں انسانی خون کی اہمیت

الفصل الثالث

﴿۳۱﴾ عن سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَتَلَ نَفَرًا خَمْسَةً اَوْسَبْعَةً بِرَجُلٍ وَاحِدٍ قَتَلُوْهُ

قَتَلَ غِيلَةٍ وَقَالَ عُمَرُ لَوْ تَمَالَأَ عَلَيْهِ اَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ جَمِيعًا (رواه مالک) وَرَوَى الْبُخَارِيُّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ نَحْوَهُ.

حضرت سعید ابن میبؒ راوی ہیں کہ حضرت عمر ابن خطابؓ (خلیفۃ المسلمین) نے ایسے پانچ یا سات آدمیوں کی ایک جماعت کو قتل کیا جنہوں نے فریب اور دھوکے سے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔ نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ''اگر صنعاء والے سب اس شخص کو قتل کر دیتے یا قاتلوں کی مدد کرتے تو میں ان سب کو قتل کر دیا۔ (مالکؒ) امام بخاریؒ نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے اسی کی مانند نقل کیا ہے۔

توضیح

''لو تمالأ'' ملأ سے ہے اتفاق واتحاد اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے کے معنی میں ''اھل صنعاء'' ملک یمن کا مرکزی شہر ہے آج کل یہ اس ملک کا دار الخلافہ ہے حضرت عمرؓ نے اس شہر کا نام یا تو اس لئے لیا کہ قاتلوں کا تعلق اسی شہر سے تھا یا آپؓ نے عرب کے دستور کے مطابق کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے صنعا کا نام لیا ہے یعنی اگر ہزاروں لوگ بھی ایک انسان کے قتل میں شریک ہو جائیں تو میں سب کو قصاص میں ماردوں گا اس عدل وانصاف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی جان کی کتنی حفاظت فرمائی ہے لیکن آج کل حقوق انسانی کے نام پر بنی تنظیمیں انسانی حقوق ہی کو پامال کر رہی ہیں۔

قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر اللہ سے فریاد کرے گا

﴿۳۲﴾ وعن جُنْدُبٍ قَالَ حَدَّثَنِي فُلَانٌ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَجِيُّ الْمَقْتُولُ بِقَاتِلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ سَلْ هٰذَا فِيمَ قَتَلَنِي فَيَقُولُ قَتَلْتُهُ عَلَى مُلْكِ فُلَانٍ قَالَ جُنْدُبٌ فَاتَّقِهَا (رواه النسائی)

اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ مجھے فلاں صحابی نے (کہ جن کا نام یا تو حضرت جندب ہی نے نہیں لیا انہوں نے نام لیا لیکن راوی کے ذہن میں وہ نام نہیں رہا) یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مقتول اپنے قاتل کو (پکڑ کر) لائے گا اور (اللہ تعالیٰ سے) فریاد کرے گا کہ ''اس سے پوچھئے کہ اس نے مجھ کو کس وجہ سے قتل کیا تھا؟ چنانچہ قاتل کہے گا کہ میں نے اس کو فلاں شخص کی سلطنت میں قتل کیا تھا'' جندبؓ نے (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہا کہ ''تم اس سے بچو۔ (نسائی)

توضیح

''علی ملک فلان'' یعنی مقتول قیامت کے دن جب قاتل پر قتل کا دعویٰ کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرے گا کہ اس قاتل

سے پوچھے کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا تو قاتل جواب میں کہے گا کہ میں نے فلاں شخص کی سلطنت میں اس کو قتل کیا تھا۔

سوال

یہاں سوال یہ ہے کہ قاتل کا یہ جواب مقتول کے سوال اور دعویٰ وفریاد کے لئے جواب نہیں بن سکتا تو اس سوال و جواب میں مطابقت کیا ہے؟

جواب

اس میں مطابقت واضح ہے کہ قاتل جواب میں کہتا ہے کہ بیشک میں نے اس کو قتل کیا تھا لیکن میں فلاں بادشاہ کی سلطنت میں اس کے اشارہ اور اس کی مدد سے اس کو قتل کیا تھا لہٰذا اس قتل کا اصل محرک اور ذمہ دار وہی بادشاہ ہے جندب وہی مشہور صحابی ہیں جو ابوذر غفاری کے نام سے مشہور ہیں۔

"فاتقها" علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حضرت جندبؓ کسی بادشاہ یا کسی فوجی کو نصیحت کررہے تھے تو آخر میں فرمایا کہ کسی کے قتل میں نصرت اور ناجائز مدد کرنے سے بچتے رہنا۔

قاتل کی مدد کرنے والے کے بارے میں وعید

﴿۳۴﴾ وعن ابي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُؤْمِنٍ شَطْرَ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللهَ مَكْتُوبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ آيِسٌ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ (رواه ابن ماجه)

اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آدھا جملہ کہہ کر بھی کسی مؤمن کے قتل میں مدد کرے گا (یعنی مثلاً اقتل پورا نہیں کہا بلکہ صرف اق کہا) تو وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان یہ لکھا ہوگا "یہ اللہ کی رحمت سے ناامید ہے۔ (ابن ماجہؒ)

توضیح

"شطر کلمة" یعنی پورا اقتل کا کلمہ نہیں کہا بلکہ قاتل کی معاونت اور مدد میں صرف "اق" کا آدھا کلمہ کہہ دیا وہ بھی قاتل کے ساتھ اس قتل میں شریک ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے قتل کرنے میں عملاً شریک ہونے کے علاوہ منصوبہ سازی کرنا یا مشورہ کرنا رضامندی کا اظہار کرنا اور کسی قسم کی رہنمائی اور مدد و نصرت کرنا بھی جرم ہے۔

"آئس" یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہے مسلمان کا قتل کرنا گناہ کی شدت میں کفر کے مشابہ ہے یہ جملہ کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے ناامید ہے اسی ارتکاب کفر سے کنایہ ہے کہ کافروں کی طرح یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگا تو

یہ زجر وتشدید اور تہدید وتوبیخ پر محمول ہے یا مطلب یہ کہ مومن کے قتل میں معاونت ونصرت کو جو شخص حلال سمجھتا ہے وہ رحمت خداوندی سے مایوس اور کافر ہوگا۔

قاتل کے مددگار کی سزا کیا ہے؟

﴿۳۴﴾وعن ابنِ عُمرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَاامْسَکَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ وَقَتَلَہُ الآخَرُ یُقْتَلُ الَّذِی قَتَلَ وَیُحْبَسُ الَّذِی اَمْسَکَ (رواہ الدارقطنی)

اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب ایک شخص کسی آدمی کو پکڑے اور دوسرا اس کو قتل کردے تو (مقتول کے بدلہ میں) اس شخص کو قتل کیا جائے جس نے اس کو قتل کیا ہے اور پکڑنے والے کو سزائے قید دی جائے۔ (دارقطنی)

توضیح

"ویحبس" یعنی ایک شخص نے کسی شخص کو پکڑ لیا اور دوسرے نے قتل کردیا تو اس پر اتفاق ہے کہ قاتل سے قصاص لیا جائے گا لیکن اس پکڑنے والے کی سزا کیا ہوگی اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ موت تک اس شخص کو قید رکھا جائے گا جیسا کہ اس حدیث میں ہے امام مالکؒ اور ایک قول میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس پکڑنے والے کو بھی قتل کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو تعزیر دی جائے گی اب تعزیر میں قاضی اور حاکم کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے اگر وہ چاہے تو قید بھی کرسکتا ہے اور اگر وہ مناسب سمجھتا ہے تو اس کو قتل بھی کرسکتا ہے کیونکہ تعزیر کا دائرہ وسیع ہوتا ہے شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ان تمام احادیث سے معارض ہے جن میں قاتل کی مدد اور معاونت پر قصاص کا حکم لگادیا گیا ہے لہٰذا وہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے حکم کے اعتبار سے منسوخ ہے۔ (کذا فی الاشعۃ)

۴ محرم الحرام ۱۴۱۸

باب الدیات

دیتوں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ومن قتل مومنا خطأ فتحریر رقبة مؤمنة و دیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا﴾ (نساء ۹۲)

قال اللہ تعالیٰ ﴿وان کان من قوم بینکم و بینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله و تحریر رقبة مؤمنة﴾ (نساء ۹۲)

ودی یدی دیة باب ضرب سے قاتل کی طرف سے مقتول کے ورثہ کو مالی معاوضہ دینے کو دیت کہتے ہیں اور اصطلاح شرع میں دیت اس مالی معاوضہ کا نام ہے جو کسی عضو یا کسی جان کے ختم کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے چونکہ دیت کبھی جان کے بدلے میں آتی ہے کبھی کسی عضو کے بدلے میں آتی ہے کبھی دیت مغلظہ ہوتی ہے اور کبھی دیت مخففہ ہوتی ہے اس لئے کتاب میں ''دیات'' کو جمع لایا گیا ہے جس کا مفرد ''دیۃ'' ہے۔

دیت کی اقسام

دیت کی بڑی قسمیں دو ہیں اول دیت مغلظہ ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دیت مغلظہ وہ ہے کہ سو اونٹنیاں ادا کی جائیں لیکن چار قسم کی اونٹنیاں ہوں مثلاً ۲۵ بنت مخاض ۲۵ بنت لبون ۲۵ حقہ اور ۲۵ جذعہ ہوں۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی دیت مغلظہ سو اونٹنیاں ہیں لیکن تین قسم کی اونٹنیاں ہوں گی مثلاً ۳۰ حقہ ۳۰ جذعہ اور چالیس خلفات یعنی حاملہ ہوں گی اس تقسیم کو اثلاثا کہتے ہیں اور پہلے تقسیم کو ''ارباعا'' کہتے ہیں دیت مغلظہ اس شخص پر آتی ہے جو قتل شبہ عمد کا مرتکب ہوا ہو یا قتل عمد میں دیت پر صلح ہوگئی ہو، دیت مغلظہ صرف اونٹوں کی صورت میں ادا کی جاتی ہے دیت کی دوسری قسم ''دیت مخففہ'' ہے اور دیت مخففہ اونٹوں اور دراہم و دنانیر دونوں سے ادا کی جاسکتی ہے۔ اگر اونٹوں سے ادا کرنا ہو تو پانچ قسم کے سو اونٹ ادا کرنے ہوں گے۔ ۲۰ بنت مخاض، ۲۰ بنت لبون، ۲۰ ابن مخاض، ۲۰ حقہ اور ۲۰ جذعہ دینے پڑیں گے۔

دیت مخففہ کی ادائیگی اگر سونے اور چاندی سے ہو تو سونے سے ایک ہزار دینار ہے اور چاندی سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دس ہزار دراہم ہیں اور شوافع حضرات کے نزدیک بارہ ہزار دراہم ہیں۔

شوافع نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوۃ کے صفحہ ۳۰۴ میں مذکور ہے جس میں بارہ ہزار دراھم کی تصریح موجود ہے۔ احناف نے حضرت عمرؓ کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جس کو زجاجۃ المصابیح میں امام محمدؒ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے الفاظ اس طرح ہیں روی البیھقی من طریق الشافعیؒ قال قال محمد بن الحسنؒ بلغنا عن عمر انه فرض علی اھل الذھب فی الدیة الف دینار و من الورق عشرۃ آلاف درھم (زجاجۃ المصابیح ج۳ص۳۳)

احناف دس ہزار دراھم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ متیقن ہے کیونکہ دس ہزار بارہ ہزار کے ضمن میں ہے اور زائد کے لئے مزید ثبوت درکار ہے۔ نیز بارہ ہزار کا جو ذکر روایت میں آیا ہے وہ وزن ستہ کے اعتبار سے ہے اور دس ہزار وزن سبعہ کے اعتبار سے ہے تو مقدار ایک ہی ہے کوئی فرق نہیں صرف الفاظ کا فرق ہے دیت مخففہ اس شخص پر آتی ہے جو قتل خطا یا جاری مجرای خطا یا قتل بتسبب کا مرتکب ہوگیا ہو خلاصہ یہ کہ قتل عمد میں قصاص ہے قتل شبہ عمد میں دیت مغلظہ ہے جو عاقلہ پر ہے اور آدمی پر کفارہ ہے قتل خطا اور جاری مجرای خطا میں آدمی پر کفارہ ہے اور عاقلہ پر دیت ہے قتل تسبب میں عاقلہ پر دیت ہے آدمی پر کفارہ نہیں ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھیں کہ ایک کامل خون بہا ہے اس کو دیت کہتے ہیں اور ایک نصف دیت ہے اور ایک عشر دیت ہے یعنی دیت کا دسواں حصہ تو سو کا دسواں دس ہے اعضاء کے معاوضہ کو ''ارش'' کہتے ہیں پھر دیت کی ادائیگی کی ترتیب اس طرح ہے کہ قتل خطاء کے مجرم کے عاقلہ پر دیت آئے گی لیکن وہ تین سالوں میں قسط وار ادا کریں گے ہر سال ایک ثلث دیت ادا کی جائے گی۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ (رواه البخاری)

حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ اور یہ یعنی (آپؐ نے سب سے چھوٹی انگلی اور انگوٹھے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) چھنگلیا اور انگوٹھا (دیت کے اعتبار سے) دونوں برابر ہیں۔ (بخاری)

توضیح

الخنصر: ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کو خنصر کہتے ہیں جس کو اردو میں چھنگلی کہتے ہیں ''الابھام'' انگوٹھے کو کہتے ہیں۔ پوری

دیت آنے یا نصف کے آنے یا عشر دیت کے واجب ہونے کا دارومدار کسی عضو کی منفعت پر ہے اگر پوری منفعت ضائع ہوگئی تو پوری دیت آتی ہے ورنہ کم دیت آتی ہے لہٰذا اگر کسی آدمی نے کسی شخص کی ساری انگلیاں کاٹ دیں تو ہاتھوں کی پوری منفعت ختم ہوگئی لہٰذا پوری دیت آئے گی اس لحاظ سے ہر انگلی کے بدلے دس اونٹ دیت میں آئیں گے تو ہاتھوں کی دس انگلیوں میں ایک سو اونٹ آئیں گے۔

اس حساب میں چھوٹی انگلی اور انگوٹھا برابر ہے کیونکہ منفعت ایک جیسی ہے اگر چہ چھوٹی انگلی مین تین جوڑ یعنی تین گرہ ہیں اور انگوٹھے میں دو گرہ ہیں مگر منفعت برابر ہے تو دیت برابر ہے اب اگر انگلی کا ایک گرہ اور جوڑ اور گانٹھ کاٹا گیا تو دسویں دیت کا ثلث دینا ہوگا ہاں انگوٹھے میں دو گانٹھ ہیں لہٰذا ایک گانٹھ کے کاٹے جانے پر نصف عشر یعنی پانچ اونٹ دیں گے، اسلام کے عادلانہ نظام پر قربان جائیں جس نے انگلیوں کے جوڑوں کی بھی حفاظت کی ہے اور بین الاقوامی انسانی قوانین پر لعنت ہو جس نے انسانی حقوق کے نام سے انسانی حقوق کو پامال کردیا ہے۔

عورت کے پیٹ میں بچے کی دیت

﴿۲﴾ وعن ابی هُرَیْرَةَ قَالَ قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی جَنِیْنِ امْرَاَةٍ مِنْ بَنِی لِحْیَانَ سَقَطَ مَیِّتًا بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ ثُمَّ اِنَّ الْمَرْاَةَ الَّتِی قَضٰی عَلَیْهَا بِالْغُرَّةِ تُوُفِّیَتْ فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاَنَّ مِیْرَاثَهَا لِبَنِیْهَا وَزَوْجِهَا وَالْعَقْلُ عَلٰی عَصَبَتِهَا (متفق علیه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لحیان کی ایک عورت کے اس بچہ کی دیت میں جو مرکر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا (عاقلہ پر) غرہ واجب کیا تھا، اور غرہ سے مراد غلام یا لونڈی ہے، پھر جب وہ عورت (کہ جس کے عاقلہ پر غرہ واجب کیا تھا) مرگئی تو آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاوند کے لئے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

فی جنین: جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں۔ ''لحیان'' لام پر فتحہ بھی ہے اور کسرہ بھی ہے یہ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے جو بنو لحیان کے نام سے مشہور ہے آنے والی روایت میں لفظ ھذیل آیا ہے تو کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ ھذیل بڑا قبیلہ ہے اور لحیان اس کی ایک شاخ ہے قصہ یہ ہوا کہ ھذیل قبیلہ کی دو عورتیں تھیں ایک کا تعلق لحیان سے تھا یہ دونوں ایک دوسری کی سوکن تھیں ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر یا لاٹھی سے مارا وہ حاملہ تھی اس ضرب سے اس کا بچہ پیٹ میں مرگیا اور حمل ساقط ہوگیا مقدمہ آنحضرتؐ کے پاس آیا آپ نے بچے کی دیت میں ایک غلام یا لونڈی مقرر فرمادی۔

"غرۃ" غرہ گھوڑے کی پیشانی پر سفید داغ کو کہتے ہیں پھر اس کا اطلاق ہر روشن اور واضح چیز پر ہونے لگا یہاں غرہ کا اطلاق غلام اور لونڈی پر ہوا ہے جو روشن مال ہے اور "عبد او امة" کے الفاظ اسی غرہ کی تفسیر اور وضاحت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہیں کسی روای کی وضاحت نہیں ہے آنے والی روایت نمبر ۱۷ میں ان الفاظ کے ساتھ فرس اور بغل کے مزید الفاظ لگے ہوئے ہیں وہ کسی روای کی طرف سے ہیں جو وھم پر مبنی ہیں یہ روایت مشکوۃ شریف کے ص ۳۰۴ پر موجود ہے اگر بچہ پیٹ میں مر کر نکل آیا تو یہی حکم ہے اور اگر زندہ پیدا ہو کر پھر اس ضرب سے مر گیا تو اس میں پوری دیت لازم آتی ہے۔

"غــــرۃ" پوری دیت کا بیسواں ہوتا ہے جو پانچ صد درھم بنتا ہے جبکہ پوری دیت دس ہزار درھم ہے۔ آنے والی حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے غرہ کی یہ دیت عاقلہ پر رکھی اس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ جب دیت عاقلہ پر ہے تو پھر اس شخص کی میراث بھی عاقلہ کو ملنی چاہئے جس کی طرف سے عاقلہ نے دیت بھر کر دی ہے اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے حدیث میں یہ الفاظ آئے "ثم ان المرأۃ" یعنی جس عورت نے جنایت کر کے دوسری عورت کے بچہ کو مارڈالا تھا وہ خود مر گئی اور اس کی میراث کا مسئلہ پیدا ہوا تو آنحضرتؐ نے میراث کا فیصلہ اس کے وارثوں کے لئے کیا کہ میراث اس عورت کے بیٹوں اور شوہر کو ملے گی اور دیت اس عورت کے عصبہ پر آئے گی یہاں میراث کی تصریح بیٹوں اور شوہر کے لئے اس لئے کی گئی ہے کہ اس عورت کے وارث اس وقت وہی تھے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میراث وارثوں کا ہے خواہ کوئی بھی وارث ہو جائے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قاتلہ عورت مر گئی ہے اور بعد کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت مر گئی جس کے پیٹ میں اس کا بچہ مر گیا تھا پہلے بچہ مر گیا اور بعد میں ماں مر گئی تو اس تفاوت وتعارض کے دو جواب ہیں اول جواب یہ کہ شاید یہ دو الگ الگ واقعے تھے دوسرا جواب یہ کہ اس حدیث میں "قضی علیها بالغرۃ" کے الفاظ میں علیها بمعنی لها ہے یعنی جس عورت کے لئے دیت کا فیصلہ ہوا تھا وہ مر گئی اس طرح باقی روایات سے تعارض نہیں رہے گا عام شارحین نے علیها کی ضمیر جانیہ قاتلہ کی طرف لوٹائی ہے اور "قــضـی" کا صیغہ معروف ومجہول دونوں طرح لکھا ہے۔ ملا علی قاری نے پہلے تو ضمائر کو جانیہ قاتلہ کے ساتھ جوڑ دیا اور بعد میں تحقیق کے دوران لکھا کہ یہ فوت شدہ عورت جانیہ نہیں بلکہ مجنیہ تھی۔

عاقلہ کون لوگ ہیں؟

علی عصبتها: . "ای علی عاقلتها" شرح السنۃ میں لکھا ہے کہ عقل دیت کو کہتے ہیں دیت کو عقل اس لئے کہا گیا کہ عقل باندھنے کے معنی میں ہے اور دیت دینے والا بھی دیت کے اونٹوں کو لا کر مقتول کے گھر کے پاس باندھ لیا کرتا تھا۔ بعض نے کہا کہ عقل روکنے کے معنی میں ہے جس طرح عقل انسانی میں بھی روکنے اور منع کرنے کا معنی موجود ہے تو دیت کو عقل اس لئے کہا گیا کہ یہ بھی انسان کو قتل وغیرہ جرم سے روکتی ہے اسی مناسبت سے عصبہ اور خاندان کو عاقلہ کہتے ہیں۔

یہاں زیر بحث حدیث میں عصبہ پر دیت کو لازم کر دیا گیا ہے اور بعد میں مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں بھی دیت کا لزوم عصبہ پر رکھا گیا ہے تو اس سے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے کہ آیا آدمی کا عاقلہ اور دیت بھرنے کا ذمہ دار صرف عصبہ اور آدمی کا خاص خونی رشتہ سے منسلک خاندان ہوتا ہے یا عاقلہ دوسرے لوگ بھی بن سکتے ہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ہر حال میں عصبہ ہی عاقلہ ہیں عصبہ کے علاوہ کوئی شخص عاقلہ میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ائمہ احناف کے ہاں اہل تناصر اور عام مصائب میں ایک دوسرے کے مددگار لوگ بھی عاقلہ میں داخل ہیں حضور اکرمؐ کے زمانہ میں عصبات ہی اہل تناصر تھے لہٰذا وہی عاقلہ تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں اہل دیوان اہل تناصر سمجھے جانے لگے تو حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں اہل دیوان کو عاقلہ قرار دیا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی ''کذافی نصب الرایہ''

خلاصہ یہ کہ جو شخص کسی دفتر میں ملازم ہے تو اس کے ہم پیشہ سارے لوگ اس کے لئے عاقلہ ہیں عدالت کے لوگ آپس میں عاقلہ ہیں۔ محکمہ پولیس کے لوگ ایک دوسرے کے لئے عاقلہ ہیں غرض ہم پیشہ لوگ سب ایک دوسرے کے لئے عاقلہ ہیں اس سے انسانی جانوں کی حفاظت ہوگی کیونکہ ہر شخص دوسرے کے لئے نگران بنے گا کہ اس کے ہاتھ سے قتل خطاء واقع نہ ہو ورنہ میں عاقلہ ہونے کی وجہ سے تاوان تلے دب جاؤں گا۔

حدیث میں عصبہ کو عاقلہ قرار دیا گیا ہے تو اس کی وجہ وہی ہے کہ اس وقت عصبہ کے لوگ ہی اہل تناصر ہوتے تھے تو وہی عاقلہ تھے اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے لوگ عاقلہ نہیں بن سکتے۔

پتھر کے ذریعہ ہونے والے قتل میں دیت واجب ہوگی

﴿۳﴾وعنہ قَالَ اِقْتَتَلَتْ اِمْرَاَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ فَرَمَتْ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ فَقَتَلَتْهَا وَمَافِى بَطْنِهَا فَقَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ دِيَةَ جَنِيْنِهَا غُرَّةٌ عَبْدٌ اَوْ وَلِيْدَةٌ وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْاَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَعَهُمْ (متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں چنانچہ ان میں سے ایک عورت نے دوسری کے پتھر کھینچ مارا جس سے وہ عورت مرگئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مرگیا۔ چنانچہ رسول کریمؐ نے حکم دیا کہ مقتولہ کے اس بچہ کی دیت جو اس کے پیٹ میں مرگیا غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام ہے، اور حکم فرمایا کہ مقتولہ کی دیت، قاتلہ کے خاندان و برادری والوں پر ہے نیز آپ نے اس کی دیت کا وارث اس کے بیٹوں اور ان

لوگوں کو بنایا جو بیٹوں کے ساتھ (وراثت میں شریک) تھے۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح

فقتلتھا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس پہلے واقعہ سے مختلف ہے کیونکہ اُس میں یہ مذکور تھا کہ پہلے بچہ پیٹ میں مر گیا پھر اسقاط ہو گیا اور پھر عورت خود بخود مر گئی لیکن یہاں تو تصریح ہے کہ ایک ہی پتھر مارنے سے عورت بھی مر گئی اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا اور یہ عمل ایک ساتھ فوری طور پر ہوا بہر حال ان روایات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آ گئی کہ قتل بالمثقل سے دیت لازم آتی ہے قصاص نہیں آتا۔

بدیة المرأة: اس سے مقتولہ عورت مراد ہے جو '' ام الجنین'' ہے۔ '' علی عاقلتھا''یعنی قاتلہ عورت کے عاقلہ کے ذمہ مقتول کی دیت مقرر فرمادی ''ھا'' کی ضمیر قاتلہ کی طرف لوٹتی ہے'' وورثھا'' ورث کے فاعل کی ضمیر رسول اللہ کی طرف راجع ہے اور ''ھا'' کی ضمیر ''دیۃ'' کی طرف لوٹتی ہے ''ولدھا'' یہاں ولدھا مفعول بہ واقع ہوا ہے یعنی حضور اکرمؐ نے مقتولہ کی دیت کا وارث اس مقتولہ کے بیٹے کو بنا دیا اور جو اس کے ساتھ تھے ان کو وارث بنا دیا۔

ملا علی قاری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے یہاں '' وُلْدَھَا'' جمع کے ساتھ ہے یعنی اولادھا اس صورت میں '' ومن معھم'' کی ضمیر اولاد کی طرف راجع ہے لیکن اگر ''ولدھا'' میں لفظ ولد مفرد ہو تو پھر اس کے ساتھ جنس کا معاملہ کیا جائے گا تو معھم کی ضمیر کا مسئلہ حل ہو جائے گا کہ جنس ولد کی طرف جمع کی ضمیر لوٹائی گئی اور جنس کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔

﴿۴﴾ وعن الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ امْرَاَتَيْنِ كَانَتَا ضَرَّتَيْنِ فَرَمَتْ اِحْدَاهُمَا الْاُخْرٰى بِحَجَرٍ اَوْعَمُودِ فُسْطَاطٍ فَاَلْقَتْ جَنِيْنَهَافَقَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ غُرَّةً عَبْدًااَوْاَمَةً وَجَعَلَهٗ عَلٰى عَصَبَةِ الْمَرْاَةِ هٰذِهٖ رِوَايَةُ التِّرْمِذِيِّ وَفِي رِوَايَةِمُسْلِمٍ قَالَ ضَرَبَتِ امْرَاَةٌ ضَرَّتَهَا بِعَمُودِ فُسْطَاطٍ وَهِيَ حُبْلٰى فَقَتَلَتْهَا قَالَ وَاِحْدَاهُمَا لِحْيَانِيَّةٌ قَالَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيَةَ الْمَقْتُولَةِ عَلٰى عَصَبَةِ الْقَاتِلَةِ وَغُرَّةً لِمَا فِي بَطْنِهَا .

اور حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ کہتے ہیں دو عورتیں جو آپس میں سوکنیں تھیں (ایک دن باہم لڑ پڑیں) چنانچہ ان میں سے ایک نے دوسری کو (جو حاملہ تھی) پتھر یا خیمہ کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ لہٰذا رسول کریمؐ نے پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم دیا اور دیت کو آپ نے مارنے والی عورت پر واجب کیا۔ یہ ترمذیؒ کی روایت ہے۔ اور مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ حضرت مغیرہ نے کہا ایک عورت نے اپنی سوکن کو جو حاملہ تھی، خیمہ کی چوب سے مارا جس کی وجہ سے وہ مر گئی (اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا) مغیرہؓ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک عورت لحیان کے خاندان سے تھی (جو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے) مغیرہؓ کا بیان ہے کہ

رسول کریمؐ نے مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عاقلہ پر واجب کی اور پیٹ کے بچہ کی دیت میں غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام دینے کا حکم فرمایا۔

توضیح

"ضرتین" یہ ضرۃ کی تثنیہ ہے اور ضرۃ سوکن کو کہتے ہیں عمود ستون اور خیمے کے بڑے بانس کو کہتے ہیں فسطاط بڑے خیمے کو کہتے ہیں یہ حدیث بھی امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ قتل بالمثقل عمد نہیں بلکہ شبہ عمد ہے اس لئے یہاں اس قتل کے بدلے قصاص نہیں بلکہ دیت لی گئی شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں پتھر سے چھوٹا پتھر مراد ہے اور لکڑی سے چھوٹی لکڑی مراد ہے احناف کہتے ہیں کہ حدیث میں کوئی قید نہیں کہ یہ چیزیں چھوٹی تھیں۔

قتل خطاء اور شبہ عمد کی دیت

الفصل الثانی

﴿۵﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَااِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ شِبْهِ الْعَمْدِ مَاكَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَامِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ مِنْهَا اَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا اَوْلَادُهَا (رواه النسائی وابن ماجه والدارمی) وَرَوَاهُ اَبُودَاوُدَ عَنْهُ وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

حضرت عبداللہؓ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاننا چاہئے کہ قتل خطاء جس سے مراد شبہ عمد ہے اور جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں بھی ہونی چاہئیں جن کے پیٹ میں بچے ہوں" (نسائی، ابن ماجہ، دارمی) ابوداؤد نے اس روایت کو ابن عمرو اور ابن عمر دونوں سے نقل کیا ہے، نیز شرح السنۃ میں یہ روایت ابن عمرؓ سے بالفاظ مصابیح نقل کی گئی ہے۔

توضیح

الاان دیة الخطاء: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "شبہ العمد" کے الفاظ "دیة الخطاء" سے بدل واقع ہیں اور "ما کان بالسوط والعصاء" اس بدل سے بدل ہے یہ سب بدل اور مبدل ملکر "ان" کے لئے اسم ہوا اور "مائۃ من الابل" "ان" کی خبر ہے عبارت کا ترجمہ اس طرح ہوگا۔

خبردار قتل خطا یعنی شبہ عمد جو کوڑے اور لاٹھی سے واقع ہوا ہو اس کی دیت سو اونٹ ہیں اس حدیث سے قتل عمد قتل شبہ عمد قتل خطا قتل جاری مجرای خطا اور قتل تسبب کی تقسیم کی طرف اشارہ نکلتا ہے یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کے اس مسلک کی واضح

دلیل ہے کہ قتل بالمثقل شبہ عمد ہے جس سے قصاص نہیں بلکہ دیت آتی ہے اور یہ دیت مغلظہ ہوگی احناف کے ہاں دیت مغلظہ سو اونٹ ہیں لیکن ادا کرنے کی ترتیب ''ارباعاً'' ہے یعنی پچیس، پچیس کے حساب سے ہوگی اور شوافع کے ہاں یہ ترتیب ''اثلاثاً'' ہے یعنی ۳۰، ۳۰ اور ۴۰ کے حساب سے ہوگی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

جسم کے مختلف اعضاء کی دیت

﴿۶﴾ وعن ابی بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ وَكَانَ فِي كِتَابِهِ اَنَّ مَنْ اِعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَاِنَّهُ قَوَدُ يَدِهِ اِلَّا اَنْ يَرْضٰى اَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ وَفِيهِ اَنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْاَةِ وَفِيهِ فِي النَّفْسِ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ وَعَلٰى اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفُ دِينَارٍ وَفِي الْاَنْفِ اِذَا اُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِي الْاَسْنَانِ الدِّيَةُ وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ وَفِي الْمَامُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ وَفِي الْمُنَقَّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْاِبِلِ وَفِي كُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ اَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْاِبِلِ (رواه النسائي والدارمي) وَفِي رِوَايَةِ مَالِكٍ وَفِي الْعَيْنِ خَمْسُونَ وَفِي الْيَدِ خَمْسُونَ وَفِي الرِّجْلِ خَمْسُونَ وَفِي الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ.

اور حضرت ابوبکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم اپنے والد (حضرت محمد ابن عمرو) سے اور وہ ابوبکر کے دادا (حضرت عمروؓ ابن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے پاس ایک ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے ہاتھوں کے فعل کا قصاص ہے (یعنی اس نے اپنے ہاتھوں کے فعل اور تقصیر کے ذریعہ جو قتل عمد کیا ہے اس کی سزا میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے) الا یہ کہ مقتول کے ورثاء راضی ہو جائیں (یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا اس سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو اس کو قتل نہ کیا جائے) اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تھا کہ (مقتول) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے'' اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ''جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں (یعنی جس کے پاس اونٹ ہوں وہ خون بہا میں مذکورہ تفصیل کے مطابق سو اونٹ دے) اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے، اور ناک کی دیت جب کہ وہ پوری کاٹی گئی ہو ایک سو اونٹ ہیں اور دانتوں کی دیت (جب کہ وہ سب توڑے گئے ہوں) پوری دیت (یعنی ایک سو اونٹ کی تعداد) ہے اور ہونٹوں کی دیت (جب کہ وہ پورے کاٹ دیئے گئے ہوں) پوری دیت ہے اور دونوں خصیوں کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت اور پیٹھ کی ہڈی توڑے جانے کی پوری دیت اور عضو خاص

کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کو پھوڑ دینے کی بھی پوری دیت ہے، اور ایک پیر کاٹنے پر آدھی دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیٹ میں زخم پہنچانے پر بھی تہائی دیت ہے اور اس طرح مجروح کرنے پر کہ ہڈی ایک جگہ سے سرک گئی ہو پندرہ اونٹ دینے واجب ہیں اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی (کاٹنے) پر دس اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہر ہر دانت کا بدلہ پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی) اور امام مالکؒ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک آنکھ (پھوڑنے) کی دیت پچاس پچاس اونٹ ہیں اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی دیت پچاس پچاس اونٹ ہیں اور ایسا زخم پہنچانے کی دیت جس میں ہڈی نکل آئی ہو یا ظاہر ہوگئی ہو پانچ اونٹ ہیں۔

توضیح

اعتبط:۔ اونٹنی کے بیماری کے بغیر ذبح کرنے کو اعتباط کہتے ہیں یہاں اعتباط سے مراد یہ ہے کہ کسی جرم وجنایت کے بغیر کسی نے کسی مسلمان کو قصداً ہلاک کر دیا۔

"فانه قود یده" **قود** بمعنی موقود قصاص کے معنی میں ہے یہ انقیاد سے ماخوذ ہے اور قاتل بھی قصاص میں اولیاء مقتول کے سامنے اطاعت گذار ہو جاتا ہے " **قود یده** " یعنی اپنے ہاتھ کے جرم کی وجہ سے قصاص کا مستحق ہو جاتا ہے گویا اس کے ہاتھ نے قصاص کا سامان خود پیدا کیا" **یرضی اولیاء المقتول** " قتل خطا اور قتل شبہ خطا اور قتل شبہ عمد میں بالاتفاق دیت ہے قصاص نہیں ہے اور قتل عمد میں بالاتفاق قصاص ہے لیکن اگر اولیاء مقتول دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ قاتل کو بالکل معاف کر دیں یا اس سے صلح کر کے دیت لے لیں۔

اونٹوں کی موجودگی میں ان کی قیمت ادا کرنے میں اختلاف

اب بحث یہ ہے کہ دیت میں اونٹوں کی جگہ دینار اور دراھم لئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر اونٹ موجود ہوں تو سونا چاندی دیت میں دینا جائز نہیں اونٹ متعین ہیں ہاں اگر جانبین اونٹوں کے بجائے زر نقد پر راضی ہو جائیں تو پھر جائز ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اونٹوں کی موجودگی میں بھی سونا چاندی دیت میں ادا کیا جاسکتا ہے مقتول کے ورثاء کو لینا پڑے گا۔ شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث میں سو اونٹوں کی تصریح ہے احناف و حنابلہ فرماتے ہیں کہ بیشک یہاں اونٹوں کا ذکر ہے لیکن بطور صلح اور طرفین کی رضامندی سے اونٹوں کے علاوہ مقرر شدہ اور طے شدہ اشیاء بھی اونٹوں کی بدل بن سکتی ہیں خواہ وہ سونا ہو یا چاندی ہو یا دیگر اجناس ہو "**الف دینار**" ایک ہزار دینار میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ دراہم میں اختلاف ہے کہ اس کی مقدار دیت کتنی ہے تو شوافع کے ہاں بارہ ہزار درھم ہیں اور احناف کے ہاں

دس ہزار درھم ہیں اس باب کی ابتداء میں یہ مسئلہ لکھا جاچکا ہے'' او عب'' مکمل اور کامل کے معنی میں ہے '' جدعه'' جدع باب فتح سے ناک کاٹنے کے معنی میں ہے یعنی جب مکمل ناک کاٹ دی'' بیضتین'' سے مراد خصیتین ہیں خصیتین کے کاٹنے سے مکمل دیت آتی ہے''ذکر'' کا بھی یہی حکم ہے بشرطیکہ مضروب شخص پہلے سے خصی یا عنین یا شیخ الفانی نہ ہوا گر وہ پہلے سے ان چیزوں سے فارغ ہو تو پھر کچھ نہیں۔ '' الصلب'' اس سے مراد کمر اور ریڑھ کی ہڈی کا توڑنا ہے۔'' مامومة'' ام الراس سے ماخوذ ہے یہ وہ زخم ہے جو کھوپڑی میں لگا ہو اور دماغ تک پہنچ گیا ہو۔

''الجائفة'' یہ جوف سے ہے جوف پیٹ اور بیچ کے معنی میں ہے لہٰذا اس زخم کا مصداق وہ بھی ہوسکتا ہے کہ نیزہ وغیرہ پیٹ کے اندر چلا جائے یا سر کے وسط میں زخم لگ جائے یا پیٹھ میں لگ جائے اور بیچ تک پہنچ جائے یہ سب جائفہ کے مصداق ہیں مگر پہلا مفہوم زیادہ واضح ہے کہ پیٹ کے اندر زخم لگا ہوا ہو۔ وہ ''جائفة'' ہے۔

''المنقلة'' ہڈی ٹوٹ کر جب اپنی جگہ سے سرک جائے اس کو منقلة کہتے ہیں اس میں پندرہ اونٹ دیت ہے۔

''الموضحة'' یہ اس زخم کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے ہڈی سے کھال چھل جائے اور گوشت کٹ کر ہڈی ظاہر ہو جائے۔ یہ بات اس سے پہلے لکھی جاچکی ہے کہ دیت کے زیادہ اور کم ہونے کی وجہ جرم کی نوعیت ہے۔ اگر نقصان ایسے عضو کو پہنچا ہے جس کو جسم انسانی میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اس عضو کی پوری منفعت ختم ہوگئی ہے جس سے جسم کی خوبصورتی اور موزونیت کو مکمل نقصان پہنچا ہے تو ایسی صورت میں پوری دیت واجب ہو جاتی ہے اور اگر اس سے کم درجہ کا نقصان ہے تو پھر نصف یا ثلث دیت کا حکم جاری ہوتا ہے یہ ضابطہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک حکم سے حاصل ہو جاتا ہے جس میں آپؐ نے ایسے مخصوص اعضاء کے ضائع ہونے پر پوری دیت کا حکم فرمایا ہے جن اعضاء کے ضائع ہونے سے انسان کے جمال و کمال میں فرق آتا ہے اور آدمی کی عظمت اور شان وشوکت کو نقصان پہنچتا ہے مثلاً ناک ہے یا زبان ہے یا آنکھیں ہیں اس سے انسان کی پوری منفعت ضائع ہو جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے اپنے عہد میں ایک زخم کی وجہ سے چار دیتیں واجب کردی تھیں کیونکہ وہ زخم اگرچہ ایک تھا مگر اس شخص کی عقل بھی اس زخم سے زائل ہوگئی تھی اس کی سماعت اور بصارت اور مردانہ قوت اور عقل و بول چال چاروں چیزیں زائل ہوگئی تھیں '' عن عمر بن الخطاب انه قضى في رجل ضرب رجلا فذهب سمعه و بصره و نكاحه و عقله باربع ديات (زجاجۃ المصابیح ج۳ ص۲۹)

دیت میں برابر سرابر اعضاء کا بیان

﴿۷﴾ وعن عَمرِو بنِ شُعَيبٍ عَن أَبِيهِ عَن جَدِّهِ قَالَ قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِي

الْمَواضِحِ خَمْسًاخَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ وَفِی الْاِسْنَانِ خَمْسًاخَمْسًا مِنَ الْاِبِلِ (رواه ابوداؤد والنسائی والدارمی)وَرَوٰی التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ الْفَصْلَ الْاَوَّلَ.

اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ایسے زخموں کی دیت جس میں ہڈی ظاہر ہو جائے پانچ پانچ اونٹ ہیں اور دانتوں کی (یعنی ہر ہر دانت) کی دیت بھی پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (ابوداؤد، نسائی، داری) ترمذی اور ابن ماجہ نے (اس حدیث) کا پہلا جزو (یعنی جس میں زخموں کی دیت بیان کی گئی ہے) نقل کیا ہے۔ (الفصل الاول سے مراد جملے کا پہلا حصہ ہے۔

﴿۸﴾وعن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ جعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءً (راه ابوداؤد والترمذی)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کی سب انگلیوں کو مساوی قرار دیا ہے (یہاں تک کہ انگوٹھے اور چھنگلیا کو بھی ایک دوسرے کے برابر قرار دیا ہے، اگر چہ گانٹھوں کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے)۔ (ابوداؤد، ترمذی)

﴿۹﴾وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَصَابِعُ سَوَاءٌ وَالْاَسْنَانُ سَوَاءٌ اَلثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ سَوَاءٌ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیت کے اعتبار سے) تمام انگلیاں برابر ہیں اور تمام دانت برابر ہیں (اگر چہ بعض دانت بڑے ہیں اور بعض دانت چھوٹے ہیں) اور آگے کے دانت اور ڈاڑھیں برابر ہیں (اگر چہ ڈاڑھیں آگے کے دانتوں سے بڑی ہیں مگر دیت دونوں کی برابر ہے) نیز آپ نے انگوٹھے اور چھنگلیا کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ) یہ اور یہ برابر ہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح:

اوپر کی تینوں حدیثوں کو ایک ہی عنوان کے تحت اس لئے رکھ دیا گیا کہ ان سب کا تعلق دانتوں اور انگلیوں سے ہے حدیث نمبر ے میں ''مواضح'' کا لفظ آیا ہے یہ موضحۃ کی جمع ہے موضحہ اس زخم کو کہتے ہیں جس سے کھال چھل جائے اور ہڈی ظاہر ہو جائے اس میں پانچ اونٹ دیت میں دینے ہوں گے دیت کا یہ تعین شارع کا کام ہے اس میں کسی کے قیاس کو کچھ بھی دخل نہیں ہے۔

حدیث نمبر ۹ میں ''ثنیۃ'' کا لفظ آیا ہے اس کی جمع ثنایا ہے منہ میں سامنے کے دانتوں کو رباعی کہتے ہیں۔ اس کے

ساتھ ثنایا ہیں اس کے بعد اضراس ونواجذ ہیں ''ضرس'' ڈاڑھ کو کہتے ہیں یعنی چھوٹے بڑے دانت دیت میں برابر ہیں اسی طرح انگلیاں برابر ہیں اگر چہ انگوٹھے میں دو گانٹھ ہوتے ہیں ''ھذہ وھذہ سواء'' میں اشارہ انگوٹھے اور ہاتھ کی چھنگلیا کی طرف ہے۔

یہ شریعت کا حکم ہے عقل وقیاس کا یہاں دخل نہیں ہے اگر چہ انگوٹھے میں جوڑ کم ہیں چھنگلیا میں زیادہ ہیں۔

نہ ہرجائے مرکب توان تاختن　　　که جا ہا سپر باید انداختن

یعنی ہر جگہ عقلی گھوڑا نہیں دوڑایا جاسکتا ہے بہت مقامات میں ہتھیار ڈالنا پڑتا ہے

ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے

﴿۱۰﴾وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَاحِلْفَ فِي الْاِسْلَامِ وَمَاكَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّ الْاِسْلَامَ لَايَزِيْدُهٗ اِلَّا شِدَّةً اَلْمُؤْمِنُوْنَ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ يُجِيْرُ عَلَيْهِمْ اَدْنَاهُمْ وَيَرُدُّ عَلَيْهِمْ اَقْصَاهُمْ يَرُدُّ سَرَايَاهُمْ عَلٰى قَعِيْدَتِهِمْ لَايُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ دِيَةُ الْكَافِرِ نِصْفُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ لَاجَلَبَ وَلَاجَنَبَ وَلَاتُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ اِلَّافِي دُوْرِهِمْ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال ایک خطبہ دیا اور اس (میں حمد وثناء) کے بعد فرمایا کہ ''لوگو! اسلام میں قسم اور عہد و پیمان کرنا جائز نہیں ہے لیکن وہ عہد وقسم جس کا رواج زمانہ جاہلیت میں تھا، اس کو اسلام مضبوطی سے قائم کرتا ہے (یاد رکھو) تمام مسلمان اپنے غیر (یعنی کفار) کے مقابلے پر (بھلائیوں کو پھیلانے اور آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے میں) ایک ہاتھ کی طرح ہیں ایک ادنی ترین مسلمان بھی تمام مسلمانوں کی طرف سے پناہ دے سکتا ہے، اور وہ مسلمان بھی حق رکھتا ہے جو سب مسلمانوں سے کہیں دور ہو اور مسلمانوں کا لشکر ان مسلمانوں کو بھی (مال غنیمت کا) حقدار بناتا ہے جو (لشکر کے ساتھ نہ گئے ہوں بلکہ) بیٹھے رہے ہوں، (خبردار) کوئی مسلمان کسی (حربی) کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ذمی کافر کے بدلے میں بھی مسلمان کو قتل نہ کیا جائے) اور (ذمی) کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے اور (زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکن بطور خاص سن لیں کہ) زکوٰۃ کے مویشیوں کو نہ کھنچوا منگایا جائے اور (زکوٰۃ دینے والے بھی سن لیں کہ وہ) اپنے مویشیوں کو کہیں دور لے کر نہ چلے جائیں، (زکوٰۃ وصول کرنے والے کو چاہئے کہ) زکوٰۃ ان کے گھروں پر ہی جا کر لی جائے۔ اور ایک روایت میں یہ

بھی ہے کہ "عہد والے کی دیت، آزاد کی دیت کا نصف ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

لاحلف فی الاسلام: . حلف حا کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ عہد و پیمان اور معاہدہ و معاقدہ کو کہتے ہیں۔اس میں قسم کا مفہوم موجود ہے جاہلیت کے زمانہ میں یہ عہد و پیمان اس طرح ہوتا تھا۔ کہ دو آدمی یا دو فریق آپس میں قسم کھا کر یہ معاہدہ کرتے تھے کہ اگر تم پر مصیبت آئی یا ہم میں سے کسی ایک پر مصیبت آئی تو ہم ایک دوسرے کی نصرت و مدد کریں گے اس مصیبت میں دونوں برابر کے شریک ہوں گے جھگڑے میں ایک دوسرے کے ساتھ برابر کے شریک ہوں گے میراث میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور تاوان و نقصان میں شریک ہوں گے خواہ ظالم ہوں یا مظلوم ہوں، اس معاہدہ میں ظالم کی نصرت تھی اور ہر جائز و ناجائز میں بے جا معاونت تھی اس لئے حضور اکرمؐ نے اس کو منع فرمادیا اور چونکہ آیت میراث نے اس معاہدہ کی حیثیت کو باطل کر دیا اس لئے اس کی ممانعت کر دی گئی۔

لایزیدہ الاشدۃ: . جاہلیت میں جہاں ناجائز معاہدے ہوتے تھے وہاں کچھ معاہدے ایسے بھی تھے جو انصاف پر مبنی تھے مثلاً ایک حلف نامہ ایسا ہوتا تھا کہ مظلوم کی مدد کریں گے، صلہ کو جوڑیں گے اور انسانی جائز حقوق کی حفاظت کریں گے، اسلام نے اس معاہدہ کو باقی چھوڑا اور حضور اکرمؐ نے اعلان فرمادیا کہ اسلام اس کو مزید مضبوط کرتا ہے خلاصہ یہ کہ اچھا معاہدہ اچھا ہے اس کی پاسداری ہوگی اور برا معاہدہ برا ہے اس سے بیزاری ہوگی۔

قعید تھم: . قعیدہ اور القاعدہ مرکز کے معنی میں ہے یہ اسلامی افواج کے مرکز اور بڑی چھاؤنی اور کیمپ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مرکز نے جن چھاپہ مار دستوں کو دور دراز علاقوں میں فوجی کارروائی کے لئے بھیجا یا وہ دستے خود گئے اور ان کو مال غنیمت حاصل ہوگیا تو ان پر لازم ہے کہ پورا مال غنیمت لاکر مرکز میں جمع کروادیں، "یرد" کا مفعول بہ دونوں جگہ میں محذوف ہے جو "الغنیمۃ" ہے یہ جملہ ماقبل "یرد" کے لئے بمنزلہ بیان ہے "بکافر" میں کافر سے حربی مراد ہے یہ احناف کا مسلک ہے۔

کافر کی دیت کی مقدار

دیۃ الکافر نصف دیۃ المسلم: . یعنی ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلہ میں آدھی ہے حربی کافر کے قتل میں کوئی دیت نہیں اور ذمی کی دیت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ذمی کافر کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں

کہ غیر مسلم ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے مقابلہ میں ثلث یعنی ایک تہائی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان اور ذمی کی دیت برابر ہے یاد رہے کہ جمہور کے نزدیک پوری دیت بارہ ہزار درھم ہے اس کا نصف چھ ہزار درھم ہے اور اس کا ثلث چار ہزار درھم ہے۔ احناف کے نزدیک پوری دیت دس ہزار درھم ہے اس کا نصف پانچ ہزار درھم ہے۔

دلائل

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل یہی زیر بحث حدیث ہے جس میں نصف دیت کی تصریح موجود ہے امام شافعیؒ کی دلیل مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"انہ علیہ السلام فرض علی کل مسلم قتل رجلا من اھل الکتاب اربعۃ ا لاف درھم (مصنف عبدالرزاق)

ائمہ احناف کی دلیل مراسیل ابوداؤد میں ایک مرفوع حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں " **عن سعید بن المسیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیۃ کل ذی عھد فی عھدہ الف دینار** (زجاجۃ المصابیح ج۳ ص۳۰)

ائمہ احناف کی دوسری دلیل دارقطنی کی ایک روایت ہے "**ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دی ذمیاً دیۃ مسلم**" دارقطنی کی دوسری روایت میں ہے" **ان النبی صلی اللہ لیہ وسلم جعل دیۃ المعاھد کدیۃ المسلم**"

ائمہ احناف کی تیسری دلیل ترمذی باب الدیات میں حضرت ابن عباس سے مروی حدیث ہے الفاظ یہ ہیں "**وعن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و دی العامریین بدیۃ المسلمین و کان لھما عھد من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**" یعنی قبیلہ عامر کے دو معاھد کے قتل پر آنحضرت نے دو مسلمانوں کی دیت کے برابر دیت ادا فرمائی۔

ان احادیث کے علاوہ احناف نے خلفاء راشدین کے قضایا اور فیصلوں سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد مبارک میں اور حضرت عمر و عثمانؓ کے مبارک دور میں اسی طرح فیصلے ہوئے ہیں کہ غیر مسلم کی دیت مسلمان کی دیت کے مساوی اور برابر قرار دی گئی ہے۔

جواب

احناف فرماتے ہیں کہ ہم نے جن احادیث اور خلفاء راشدین کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے وہ دیگر روایات سے راجح ہیں۔

لاجلب ولا جنب: یہ لفظ کتاب الزکوۃ میں بھی آیا ہے اور کتاب الجھاد میں بھی آیا ہے اور یہاں بھی آیا ہے اس کا تعلق کبھی

زکوۃ سے ہوتا ہے اور کبھی گھوڑوں کے مقابلوں سے ہوتا ہے دونوں جگہ الگ الگ مفہوم ہے یہاں یہ جملہ زکوۃ کے متعلق ہے۔ اس میں زکوۃ وصول کرنے والے کارکن سے کہا گیا ہے کہ وہ شہر کے مرکز میں بیٹھ کر زکوۃ دینے والوں کو یہ نہ کہے کہ تم اپنے مال مویشی یہاں شہر میں لاؤ تا کہ میں معاینہ کروں اور پھر زکوۃ وصول کروں اس میں مالکوں کے لئے بہت مشقت ہے۔

ولا جنب : . اس جملہ کا تعلق مالکوں سے ہے کہ وہ اپنے مال مویشی اس مقام سے دور لے گئے جہاں زکوۃ وصول کرنے والا کارکن پہنچا تھا مالکوں نے ان سے کہا کہ ادھر آؤ اور ہمارے مویشی دیکھ کر زکوۃ کا مال وصول کرو اس میں زکوۃ وصول کرنے والے کے لئے بہت مشقت ہے اس لئے حضور اکرمؐ نے دونوں صورتوں کو منع فرمادیا کہ " **لا جلب و لا جنب** " اسی جملہ کی تاکید وتوضیح کے لئے حدیث کا اگلا جملہ ارشاد فرمایا گیا کہ " **ولا توخذ صدقتهم الا فی دور هم** " دور دار کی جمع ہے گھر مراد ہیں۔

۵ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

قتل خطاء کی دیت پر احناف کا مستدل

﴿۱۱﴾وعن خِشْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي دِيَةِ الْخَطَإِ عِشْرِيْنَ بِنْتَ مَخَاضٍ وَعِشْرِيْنَ ابْنَ مَخَاضٍ ذُكُورٍ وَعِشْرِيْنَ بِنْتَ لَبُونٍ وَعِشْرِيْنَ جَذَعَةً وَعِشْرِيْنَ حِقَّةً (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی) وَالصَّحِيْحُ اَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلٰى ابْنِ مَسْعُودٍ وَخِشْفٌ مَجْهُولٌ لَايُعْرَفُ اِلَّابِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَرَوٰى فِي شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدٰى قَتِيْلَ خَيْبَرَ بِمِائَةٍ مِنْ اِبِلِ الصَّدَقَةِ وَلَيْسَ فِي اَسْنَانِ اِبِلِ الصَّدَقَةِ اِبْنُ مَخَاضٍ اِنَّمَافِيْهَا ابْنُ لَبُوْنٍ.

اور حضرت خشف ابن مالکؒ حضرت ابن مسعودؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت یہ مقرر فرمائی کہ بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹ وہ ہوں جو دوسرے سال میں لگے ہوں، اور بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو تیسرے سال میں لگی ہوں اور بیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں سال میں لگی ہوں۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) اس حدیث کے بارہ میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے یعنی ان کا اپنا قول ہے اور (اس کے راوی) خشف ایک غیر معروف راوی ہیں جو صرف اس حدیث کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں (یعنی اس کے علاوہ اور کوئی روایت ان سے منقول ہی نہیں) بغویؒ نے شرح السنۃ میں یوں نقل کیا ہے کہ رسول کریمؐ نے اس شخص کی دیت کو جو خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا (اور جس کا تفصیلی واقعہ باب القسامۃ

میں بیان ہوگا) زکوۃ میں آئے ہوئے اونٹوں میں سو اونٹ دیئے تھے اور زکوۃ کے ان اونٹوں میں کوئی اونٹ ایک سال کا نہیں تھا بلکہ دو دو سال کے تھے۔

توضیح:

عشرین بنت مخاض: دیت مخففہ میں اونٹوں کی دیت اور تقسیم کا بیان اس حدیث میں آیا ہے قتل خطاء کی دیت مخففہ میں اونٹوں کی تقسیم پانچ طرح پر ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں البتہ امام شافعیؒ ابن مخاض کی جگہ ابن لبون کے قائل ہیں۔

یعنی ۲۰ بنت مخاض ۲۰ ابن مخاض اور ۲۰ بنت لبون اور ۲۰ حقہ اور ۲۰ جذعہ کی جو ترتیب زیر بحث حدیث میں آئی ہے اس میں امام شافعیؒ ابن مخاض کی جگہ ابن لبون کے قائل ہیں لیکن احناف اسی کے قائل ہیں جو اس حدیث میں ترتیب مذکور ہے زیر نظر حدیث چونکہ احناف کا واضح مستدل ہے اس لئے شوافع حضرات نے اس کو کمزور کرنے کے لئے تین اعتراضات کئے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ (۱) اس حدیث کا ایک راوی خشف بن مالک مجہول ہے (۲) اور یہ روایت دراصل حضرت ابن مسعودؓ پر موقوف ہے (۳) اور خیبر کے مقتول کی جو دیت آنحضرتؐ نے ادا فرمائی تھی اس میں ابن لبون دیا تھا ابن مخاض کا ذکر اس روایت میں نہیں ہے تو ابن لبون لیا جائے گا ابن مخاض کو چھوڑا جائے گا۔

حدیث پر شوافع کے اعتراض کا جواب

شوافع حضرات کا یہ کہنا کہ خشف مجہول ہے اس کا جواب محدثین نے یہ دیا ہے کہ حشف اپنے باپ مالک طائی سے روایت کرتا ہے حضرت عمر فاروق سے روایت لیتا ہے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کرتا ہے وہ کیسے مجہول ہیں حالانکہ ضابطہ اصول حدیث کا یہ ہے کہ جب کوئی شخص دو آدمیوں سے روایت کرتا ہے تو وہ مجہول نہیں رہتا ہے بلکہ معروف ہوجاتا ہے نیز امام نسائی جیسے سخت گیر محدث نے خشف بن مالک کی توثیق کی ہے ابن حبان نے خشف کو ثقات میں شمار کیا ہے "کذافی المرقات ملخصاً"

امام ترمذی اور امام ابوداؤد، ابن ماجہ اپنی کتابوں میں خشف سے روایت کرتے ہیں لہٰذا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس روایت پر کوئی کلام نہ کیا جائے۔ باقی یہ اعتراض کہ یہ روایت موقوف ہے تو ملا علی قاری نے اس کا جواب دیا ہے کہ اگر یہ روایت موقوف بھی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس روایت میں اعداد شرعیہ کا بیان ہوا ہے اور جس روایت میں مقادیر شرعیہ کا بیان ہو وہ غیر مدرک بالقیاس ہوتی ہے جو مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

باقی مقتول خیبر کی دیت میں جہاں ابن لبون کا لفظ آیا ہے تو اسی روایت میں اس کا جواب بھی ہے کہ اس وقت صدقہ کے اونٹوں میں ابن مخاض موجود نہیں تھا اس لئے ابن لبون دیا گیا علامہ شمنی نے اس کے بجائے یہ جواب دیا ہے کہ

خیبر کی دیت کا معاملہ حضور اکرم ؐ کی طرف سے احسان و تبرع کے طور پر تھا کوئی ضابطہ نہیں تھا آپ ؐ نے اپنی طرف سے اکثر دیت ادا فرمائی تھی تو وہ صلح کی ایک صورت تھی۔

دیت مقرر کرنے کے لئے بنیاد کیا چیز ہے؟

﴿۱۲﴾وعن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال كانت قيمة الدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم ثمانمائة دينار او ثمانية آلاف درهم ودية اهل الكتاب يومئذ النصف من دية المسلمين قال فكان كذلك حتى استخلف عمر فقام خطيبا فقال ان الابل قد غلت قال ففرضها عمر على اهل الذهب الف دينار وعلى اهل الورق اثنى عشر الفا وعلى اهل البقر مائتى بقرة وعلى اهل الشاء الفى شاة وعلى اهل الحلل مائتى حلة قال وترك دية اهل الذمة لم يرفعها فيما رفع من الدية (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین دیت (کے سو اونٹوں) کی قیمت آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم تھی، نیز اس زمانہ میں اہل کتاب (یعنی عیسائی اور یہودی) کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف تھی۔ ان کے دادا کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ؓ کے خلیفہ ہونے تک اسی کے مطابق عمل درآمد ہوتا رہا۔ چنانچہ عمر ؓ (خلیفہ ہونے کے بعد) خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ''اونٹ کی قیمت بڑھ گئی ہے راوی کا بیان ہے کہ (اس کے بعد) حضرت عمر ؓ نے جو دیت مقرر کی تھی اس کی تفصیل یہ ہے، سونا رکھنے والوں پر ایک ہزار دینار، چاندی رکھنے والوں پر بارہ ہزار درہم، گائے کے مالکوں پر دو سو گائیں، بکری کے مالکوں پر دو ہزار بکریاں اور کپڑے کے جوڑوں (کی تجارت کرنے) والوں پر دو سو جوڑے۔ راوی نے کہا کہ حضرت عمر ؓ نے ذمیوں کی دیت جوں کی توں قائم رکھی تھی (یعنی آنحضرت ؐ کے زمانہ میں ذمیوں کی دیت چار ہزار درہم تھی حضرت عمر ؓ نے اسی کو برقرار رکھا) اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا جیسا کہ اور دیتوں میں اضافہ ہوا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

قال ففرضها عمر ؓ: اس روایت کی وجہ سے فقہاء کرام کے درمیان یہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ دیت مقرر کرنے میں اصل اور معیار و بنیاد کیا چیز ہے آیا اونٹ بنیاد ہیں یا نقد دینار اور دراھم دیت کے مقرر کرنے کیلئے اصل ہیں یا ان دونوں کے ساتھ کچھ اور اشیاء بھی دیت کے مقرر کرنے کے لئے اصل ہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اصل معیار اور بنیاد اونٹ ہیں اونٹوں کی قیمت کے حساب سے دینار اور دراھم مقرر کرنے ہوں گے سو اونٹ ایک دیت ہے لہٰذا سو اونٹوں کی قیمت کے حساب سے مثلاً پاکستان میں روپے کا حساب کر کے دیت دینی ہوگی اونٹوں کے سستے اور مہنگے ہو جانے سے روپے کے کم اور زیادہ ہو جانے پر اثر پڑے گا لیکن دیت میں اصل صرف اونٹ ہی ہیں لہٰذا مجبوری کے بغیر اونٹوں کی موجودگی میں ان کی قیمت کی طرف نہیں جانا چاہئے۔

صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے نزدیک دیت مقرر کرنے میں چھ اشیاء اصل ہیں جو یہ ہیں (۱) اونٹ (۲) سونا (۳) چاندی (۴) گائیں (۵) بکریاں (۶) کپڑوں کے جوڑے

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دیت مقرر کرنے میں تین چیزیں اصل ہیں (۱) اونٹ (۲) سونا (۳) چاندی

دلائل:

امام شافعیؒ نے زیر بحث حدیث کے اس حصہ سے استدلال کیا ہے جس میں اونٹوں کا ذکر حضرت عمرؓ نے بطور اصل کیا ہے نیز دیگر احادیث میں سو اونٹوں کی تصریح موجود ہے اس کے ساتھ کسی اور چیز کا ذکر نہیں ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں مائۃ من الابل کے الفاظ آئے ہیں جو اس باب کی حدیث نمبر ۵ میں مذکور ہیں صاحبین نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں چھ اشیاء کی تصریح موجود ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے سو اونٹوں کو بطور اصل قرار دینے کے لئے ابو بکر بن محمد کی روایت نمبر ۶ سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں " **فی النفس الدیة مأة من الابل** " اور سونا اور چاندی کو بطور اصل قرار دینے کے لئے حضرت عمرؓ کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جو کہ امام محمدؒ نے اپنے موطا میں اس طرح ذکر کی ہے " **قال محمد بلغنا عن عمرؓ انه فرض علی اهل الذهب فی الدیة الف دینا رو من الورق عشرة آلاف درهم** " بیہقی اور ابن ابی شیبہ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔

جواب:

احناف کی طرف سے شوافع کو یہ جواب ہے کہ جب احادیث میں اونٹوں کے علاوہ اشیاء کا ذکر ہے تو پھر دیت کو صرف اونٹوں میں منحصر کرنا جائز نہیں ہے صاحبین کو جواب یہ ہے کہ ان چھ اشیاء میں ابل اور فضہ و ذھب کے علاوہ اشیاء میں انضباط نہیں ہے بلکہ زمانہ کے تغیر سے ان اشیاء کی قیمتوں میں بہت تغیر آتا رہتا ہے تو یہ اصل کیسے بنیں گے، لہٰذا صرف اونٹ

اور سونا چاندی اصل کے طور پر قبول کرنا چاہئے۔

﴿۱۳﴾ وعن ابنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ جَعَلَ الدِّیَۃَ اِثْنَیْ عَشَرَ اَلْفًا .

(رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی)

''اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے بارہ ہزار درہم کی دیت مقرر فرمائی۔''

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

نوٹ! اس حدیث سے متعلق تشریح اس باب کی ابتداء میں مکمل طور پر ہو چکی ہے

دیت مقتول کے ورثاء کا حق ہے

﴿۱۴﴾ وعن عَمْرِو عَدْلُھَا بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُقَوِّمُ دِیَۃَ الْخَطَأِ عَلٰی اَھْلِ الْقُرٰی اَرْبَعَ مِائَۃِ دِیْنَارٍ اَوْعِدْلَھَا مِنَ الْوَرِقِ وَیُقَوِّمُھَا عَلٰی اَثْمَانِ الْاِبِلِ فَاِذَا غَلَتْ رَفَعَ فِیْ قِیْمَتِھَا وَاِذَا ھَاجَتْ رُخْصٌ نَقَصَ مِنْ قِیْمَتِھَا وَبَلَغَتْ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَابَیْنَ اَرْبَعِ مِائَۃِ دِیْنَارٍ اِلٰی ثَمَانِ مِائَۃِ دِیْنَارٍ وَعِدْلُھَا مِنَ الْوَرِقِ ثَمَانِیَۃُ آلَافِ دِرْھَمٍ قَالَ وَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَھْلِ الْبَقَرِ مِائَتَیْ بَقَرَۃٍ وَعَلٰی اَھْلِ الشَّاءِ اَلْفَیْ شَاۃٍ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَقْلَ مِیْرَاثٌ بَیْنَ وَرَثَۃِ الْقَتِیْلِ وَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ عَقْلَ الْمَرْاَۃِ بَیْنَ عَصَبَتِھَا وَلَا یَرِثُ الْقَاتِلُ شَیْئًا (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بستیوں والوں پر قتل خطاء کی دیت چار سو دینار یا اس کے مساوی قیمت (یعنی چاندی کے چار ہزار درہم) مقرر فرماتے اور یہ مقدار اونٹوں کی قیمت کے مطابق ہوتی تھی۔ چنانچہ جب اونٹوں کی قیمت میں اضافہ ہوتا تو آپؐ دیت کی مقدار میں بھی اضافہ کرتے تھے اور جب اونٹوں کی قیمت میں کمی واقع ہوتی تو آپؐ دیت کی مقدار میں بھی کمی کر دیتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں دیت کی مقدار چار سو دینار سے آٹھ سو دینار یا اس کے مساوی قیمت (چاندی کے آٹھ ہزار درہم) تک رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ اور رسول کریمؐ نے گائے والوں پر دو سو گائیں اور بکری والوں پر دو ہزار بکریاں (بطور دیت) مقرر فرمائی تھیں۔ نیز رسول کریمؐ نے فرمایا کہ دیت کا مال مقتول کے ورثاء کا حق ہے اور رسول کریمؐ نے فرمایا کہ عورت کی دیت اس کے عصبات پر ہے اور قاتل (نے اگر اپنے مورث ہی کو قتل کیا ہے تو وہ) مورث کی وراثت سے محروم رہے گا (نہ اسے مقتول کی دیت میں سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ وہ اس کے ترکے میں سے کسی چیز کا حقدار ہوگا)۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

عدلها: یہ لفظ عین کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے برابری اور مساوات کے معنی میں ہے۔ "الورق" را کے کسرہ کے ساتھ چاندی کو کہتے ہیں" اثمان الابل" اثمان ثمن کی جمع ہے اور ثمن قیمت کو کہتے ہیں " فاذ اغلت " قیمت چڑھنے اور زیادہ ہونے کو"غلت" کہتے ہیں یعنی اونٹ جب مہنگے ہو جاتے تو" رفع فی قیمتها" یعنی حضور اکرمؐ دیت کی قیمت کو بڑھاتے تھے۔"هاجت" هیجان اور حرکت کرنے کو کہتے ہیں ریٹ اور قیمت گرنا اور کم ہو جانا مراد ہے"رخص" را پر فتحہ ہے اور"خا" پر سکون ہے مراد قیمتوں کا کم ہو جانا ہے یعنی جب اونٹوں کی قیمتوں میں کمی آ جاتی تو آنحضرتؐ دیت کی مقدار میں کمی فرماتے تھے یہی وجہ تھی کہ کبھی دیت کی مقدار چار سو دینار تک کم ہو جاتی تھی اور کبھی آٹھ سو دینار تک بلند ہو جاتی تھی۔

" ان عقل المرأة" اس جملہ کو آنحضرتؐ نے اس لئے ارشاد فرمایا تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ عورت کے عاقلہ پر دیت کا تاوان آتا ہے اور عورت غلام کی طرح نہیں جس کا عاقلہ نہ ہو کیونکہ غلام اپنی دیت دینے میں خود ذمہ دار ہے اس کا کوئی عاقلہ نہیں ہے۔

قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے

﴿۱۵﴾وعنه عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَقْلُ شِبْهِ الْعَمَدِ مُغَلَّظٌ مِثْلُ عَقْلِ الْعَمَدِ وَلَايُقْتَلُ صَاحِبُهٗ (رواه ابو داؤد)

''اور حضرت عمرو ابن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا''قتل شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی دیت کی طرح سخت ہے لیکن شبہ عمد کے مرتکب کو قتل نہ کیا جائے۔'' (ابوداؤد)

توضیح

عقل: اس سے مراد دیت اور خون بہا ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے" مغلظ" دیت مغلظہ اور دیت مخففہ کی بحث اور اس میں فقہاء کے اختلاف کی تفصیل اس باب کی ابتداء میں گذر چکی ہے۔

"ولا یقتل صاحبه" یہ جملہ در حقیقت ایک اشتباہ اور وہم کا جواب ہے شبہ اور وہم اس حدیث کے ابتدائی کلام سے اس طرح پیدا ہوا کہ قتل شبہ عمد کی دیت اور قتل عمد کی دیت کو اس حدیث میں ایک جیسے مغلظ قرار دیا گیا ہے جس سے وہم پیدا ہو گیا کہ جب دیت میں دونوں یکساں ہیں تو قصاص میں بھی یکساں ہوں گے اس وہم کو دور کرنے کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا" ولایقتل صاحبه" یعنی شبہ عمد کے قتل کے مرتکب کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا یہاں تشبیہ صرف تغلیظ دیت میں ہے قصاص میں نہیں ہے۔

زخم خوردہ آنکھ کی دیت

﴿۱۶﴾وعنه عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْعَيْنِ الْقَائِمَةِ

السَّادَّةِ لِمَكَانِهَا بِثُلُثِ الدِّيَةِ (رواه ابو داؤد والنسائی)

''اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ایسی آنکھ کے بارے میں کہ جو (زخمی ہونے کے بعد) اپنی جگہ باقی رہے لیکن روشنی سے محروم ہو جائے یہ حکم فرمایا کہ اس کی دیت (پوری دیت کا) ثلث (تہائی) ہے۔'' (ابوداؤد ونسائی)

توضیح

القائمة السادة: قائمہ کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ موجود اور قائم ہے اور ''السادۃ'' کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ اپنی جگہ پر برقرار ہے یعنی آنکھ کو ایسا زخم لگا کہ اس کی بینائی تو ختم ہوگئی لیکن وہ اپنی جگہ پر برقرار ہے اور چہرہ کی رونق بھی برقرار ہے جمال اور خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں آیا ہے دیکھنے والے کو ایسا لگتا ہے کہ صحیح سالم آنکھ ہے تو حدیث کے ظاہری الفاظ یہی ہیں کہ اس صورت میں ایک تہائی دیت ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا مسلک بھی ہے لیکن عام فقہاء اس صورت میں ''حکومۃ عدل'' کو واجب قرار دیتے ہیں یعنی ماہر عادل تجربہ کار آدمی فیصلہ کرے کہ اس آنکھ کی کتنی دیت ہونی چاہئے۔ یہ فیصلہ اس طرح ہوگا کہ اس مضروب شخص کو غلام فرض کر لیا جائے اور صحیح آنکھ کے ساتھ اس کی قیمت لگائی جائے اور پھر ناقص آنکھ کے ساتھ اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جائے کہ قیمت کتنی کم ہو جاتی ہے جس قدر قیمت کم ہوگئی ہے اسی قدر دیت اور تاوان زخمی کرنے والے پر آئے گا۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ نے اس حدیث کے ظاہری مضمون پر عمل کیا ہے لیکن عام علماء حکومت عدل کو واجب کرتے ہیں اس لئے کہ اس صورت میں مکمل طور پر منفعت ختم نہیں ہوئی ہے جمہور علماء اس حدیث کو حکومۃ عدل پر حمل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے جو ایک تہائی کا فیصلہ فرمایا یہ بھی حکومۃ عدل کے تحت تھا علامہ تورپشتی کے حوالہ سے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو پھر یہ حکومۃ عدل پر محمول ہوگی۔

﴿۱۷﴾ وعن مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو عَنْ اَبِي سَلَمَةَ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنِيْنِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ (رواه ابو داؤد) وَقَالَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ وَخَالِدُ الْوَاسِطِيُّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو وَلَمْ يَذْكُرْ اَوْ فَرَسٍ اَوْ بَغْلٍ.

اور حضرت محمد ابن عمرو، حضرت ابوسلمہ سے اور وہ حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاملہ کے) پیٹ کے بچہ کا خون بہا غرہ مقرر فرمایا۔ اور غرہ سے مراد ایک لونڈی یا ایک غلام یا ایک گھوڑا یا ایک خچر ہے۔ ابوداؤدؒ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس روایت کو حماد ابن سلمہ اور خالد واسطی نے محمد ابن عمرو سے نقل کیا ہے لیکن ان دونوں میں سے کسی نے بھی لفظ فرس اور بغل (یعنی گھوڑا اور خچر) ذکر نہیں کیا ہے (لہٰذا اس روایت میں فرس اور بغل کا اضافہ شاذ ہے اور بایں اعتبار یہ حدیث ضعیف ہے)۔ (ابوداؤد، نسائی)

نوٹ: علماء فرماتے ہیں کہ ''فرس اور بغل'' کے الفاظ کا اضافہ اس حدیث میں کسی راوی کی طرف سے ہے جو شاذ اور نامقبول ہے ابوداؤد نے بھی ان الفاظ کو مسترد کیا ہے۔

عطائی ڈاکٹر مریض کے نقصان کا ذمہ دار ہے

﴿۱۸﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يُعْلَمْ مِنْهُ طِبٌّ فَهُوَ ضَامِنٌ (راواه ابو داؤد والنسائی)

''اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا'' جو شخص اپنے آپ کو طبیب ظاہر کرے درآنحالیکہ اس کا طبیب ہونا معلوم نہ ہو (یعنی وہ فن طب میں کوئی مہارت نہ رکھتا ہو اور پھر کوئی اس کے ہاتھ سے مرگیا) تو وہ ضامن ہوگا۔'' (ابوداؤد، نسائی)

توضیح:

تطبب: باب تفعل سے ہے یعنی طبیب اور ڈاکٹر نہیں ہے بلکہ دھوکہ اور فراڈ سے اپنے آپ کو طبیب ظاہر کیا اور مریض کا علاج کیا۔

مسئلہ

اگر کسی عطائی اور نقلی ڈاکٹر نے کسی مریض کا علاج کیا اور وہ علاج سے کورا جاہل تھا اور مریض کو نقصان پہنچا تو یہ عطائی ڈاکٹر ذمہ دار ہوگا اور اس پر ضمان آئے گا اس مسئلہ کی تفصیل بذل المجہود میں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی عطائی ڈاکٹر نے کسی مریض کے سامنے کسی دوائی کی بڑی تعریف کی اور استعمال کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ اس کو کھاؤ بہت اچھی دوا ہے اس مریض نے وہ دوائی کھالی اور مرگیا تو چونکہ اس مریض کا اپنا عمل دخل دوائی کھانے میں آگیا اس لئے عطائی ڈاکٹر پر اس صورت میں نہ قصاص ہے اور نہ دیت ہے البتہ اس نقلی نا اہل طبیب کو بطور تعزیر سزا دی جائے گی کہ فن طب سے ناواقف اس جاہل نے مریض کو غلط مشورہ کیوں دیا۔

اور اگر اس عطائی ڈاکٹر نے اپنے ہاتھ سے مریض کو دوائی کھلادی اور مریض مرگیا تو اس صورت میں یہ نقلی ڈاکٹر ضامن ہوگا یعنی یہ فعل قتل خطاء کے حکم میں ہے جس میں دیت عاقلہ پر آتی ہے اور قصاص نہیں ہے۔ یہاں چونکہ مریض نے اس نقلی ڈاکٹر کو علاج کی اجازت خود دیدی تھی اس لئے قصاص ساقط ہوگیا اور دیت لازم آئی۔

آج کل پاکستان مین عطائی ڈاکٹروں کے علاوہ اپنے فن کے ماہرین ڈاکٹر بھی اکثر مریضوں کے قتل میں برابر کے شریک ہوتے ہیں ایک تو یہ ڈاکٹر لاپرواہی کرتے ہیں خواہ مخواہ آپریشن کر کے زخمی مریض کو ٹھکانے لگادیتے ہیں اور دوسری وجہ یہ

کہ ان کو جو فن یہود و نصاری کی مہربانی سے ملا ہے وہ خود ایک بیمار ذہن کی ایجاد ہے جس کا مکمل بھروسہ اسباب و آلات پر ہے انسانی طبعیت اور حالات و تجربات کو نہیں دیکھتے یہ وہ بنیادی نقص ہے جو زیادہ مہارت حاصل کرنے سے بڑھتا ہے گھٹتا نہیں۔

ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دیت کی معافی کا ایک واقعہ

﴿۱۹﴾وعن عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ غُلَامًا لِاُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ اُذُنَ غُلَامٍ لِاُنَاسٍ اَغْنِيَاءَ فَاَتٰى اَهْلُهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا اِنَّا اُنَاسٌ فُقَرَاءُ فَلَمْ يَجْعَلْ عَلَيْهِمْ شَيْئًا (رواہ ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت عمرانؓ ابن حصین کہتے ہیں کہ ایک لڑکے نے جو مفلس خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ایک ایسے لڑکے کا کان کاٹ ڈالا جو ایک دولت مند خاندان سے تھا، چنانچہ جس لڑکے نے کان کاٹا تھا، اس کے خاندان والے رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم محتاج و مفلس ہیں (لہٰذا ہم پر دیت مقرر نہ کی جائے) رسول کریمؐ نے (ان کی درخواست منظور کرتے ہوئے) ان پر کوئی چیز مقرر نہیں فرمائی۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح

قطع اذن غلام: یعنی مالدار لوگوں کے لڑکے کا کان غریب لوگوں کے لڑکے نے کاٹ ڈالا غلام سے مراد نابالغ بچہ ہے عبد مراد نہیں ہے کیونکہ اگر عبد ہوتا تو اس جرم کا تاوان خود اس پر آتا کیونکہ غلام کا کوئی عاقلہ نہیں ہوتا وہ جرم کے تاوان کا خود ذمہ دار ہے۔ اور زیر بحث واقعہ میں چونکہ کان کاٹنے والا چھوٹا بچہ تھا اور بچوں سے قصاص نہیں لیا جاتا اس لئے عاقلہ پر دیت آگئی لیکن وہ عاقلہ خود اتنا فقیر تھا کہ دیت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اس سے بھی دیت ساقط ہوئی کیونکہ فقیر عاقلہ پر دیت نہیں آتی۔

قتل شبہ عمد اور قتل خطاء کی دیت

الفصل الثالث

﴿۲۰﴾عن عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمْدِ أَثْلَاثًا ثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَاَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ ثَنِيَّةً اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَاتٌ ،وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَأِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَعِشْرُونَ حِقَّةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ جَذَعَةً وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ بَنَاتُ لَبُونٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُونَ بَنَاتُ مَخَاضٍ (رواہ ابوداؤد)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل شبہ عمد کی دیت میں (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں

بایں تفصیل کہ تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چونتیس اونٹنیاں وہ جو چھٹے برس میں لگی ہوں اور آٹھ نو سال تک جا پہنچی ہوں اور سب حاملہ ہوں۔ ایک اور روایت میں حضرت علیؓ سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل خطاء کی دیت میں چار طرح کی (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں، بایں تفصیل کہ پچاس وہ ہوں جو تین تین برس کی ہوں اور پچاس وہ ہوں جو چار چار برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو دو دو برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو ایک ایک برس کی ہوں۔'' (ابوداؤد) (اس روایت کا آخری حصہ احناف کی دلیل ہے)

﴿۲۱﴾ وعن مُجَاهِدٍ قَالَ قَضٰى عُمَرُ فِى شِبْهِ الْعَمَدِ ثَلاثِيْنَ حِقَّةً وَثَلاثِيْنَ جَذَعَةً وَارْبَعِيْنَ خَلِفَةً مَابَيْنَ ثَنِيَّةٍ اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا (راہ ابو داؤد)

''اور حضرت مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قتل شبہ عمد کی دیت میں تیس اونٹنیاں تین تین برس کی اور تیس اونٹنیاں چار چار برس کی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ جو چھٹے برس سے لیکر نویں برس تک جا پہنچی ہوں دینے کا حکم فرمایا۔ (گویا یہ روایت حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کے موافق ہے)۔'' (ابوداؤد)

نوٹ: کتاب القصاص کی حدیث نمبر ۲۵ کی توضیح میں اونٹوں کی عمروں کا بیان ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

پیٹ میں بچے کی دیت

﴿۲۲﴾ وعن سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى فِى الْجَنِيْنِ يُقْتَلُ فِى بَطْنِ اُمِّهٖ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ وَلِيْدَةٍ فَقَالَ الَّذِى قَضٰى عَلَيْهِ كَيْفَ اَغْرَمُ مَنْ لَاشَرِبَ وَلَا اَكَلَ وَلَانَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ وَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا هٰذَا مِنْ اِخْوَانِ الْكُهَّانِ. (رواہ مالک والنسائی مرسلا) وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ عَنْهُ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ مُتَّصِلًا.

اور حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے اس بچہ کی دیت جو مارا جائے ایک غرہ یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی مقرر فرمائی۔ جس شخص پر یہ دیت واجب کی گئی تھی اس نے عرض کیا کہ میں اس شخص کا تاوان کس طرح بھروں جس نے کوئی چیز پی اور نہ کھائی ہو اور نہ بولا نہ چلایا، اس قسم کا قتل تو ساقط کیا جاتا ہے رسول کریمؐ نے (اس شخص کی یہ بات سن کر حاضرین سے) فرمایا کہ ''اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ یہ شخص کاہنوں کا بھائی ہے۔ (امام مالک اور امام نسائی نے تو اس روایت کو بطریق ارسال (یعنی راوی صحابی کا ذکر کئے بغیر) نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد نے حضرت سعیدؒ سے اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے بطریق اتصال نقل کیا ہے۔

توضیح

جنین:۔ ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہوتا ہے پیدا ہونے سے پہلے اس کو جنین کہتے ہیں۔''اغرم'' غرامہ تاوان بھرنے کو کہتے ہیں دیت مراد ہے'' استھل'' پیدائش کے وقت جب بچہ زندہ ہوتا ہے تو وہ چیخ چیخ کر روتا ہے اس کو استھل کہدیا ہے یہ کلمہ اس سے پہلے نطق کے لئے بمنزلہ تفسیر ہے اگر چہ یہ کلمہ اس سے زیادہ غیر مانوس ہے مگر سجع بنانے کے لئے اس شخص نے اس کو مؤخر کردیا جیسا کہ اس نے ''اکل'' کو سجع کی غرض سے ''شرب'' سے مؤخر کردیا ہے حالانکہ اکل پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور شرب بعد میں ہوتا ہے''یطل'' یہ مشدد ہے مجہول کا صیغہ ہے رائیگاں اور لغو وضائع کرنے کے معنی میں ہے اس شخص نے جاہلیت کے رواج اور دستور کے مطابق یہ کلام کیا ہے کہ اس طرح بچے کا خون رائیگاں ہے حالانکہ یہ نظریہ اسلام کا نہیں ہے اسلام میں تو اس کی باقاعدہ دیت ہے جو''غرۃ'' کے نام سے مشہور ہے۔

''اخوان الکہان'' یہ کاھن کی جمع ہے کاھن اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب دانی کا دعوی کرتا ہے اور مستقبل کی غلط سلط باتوں کو الفاظ کے دبیز پیرایہ میں خوبصورت مسجّع صورت میں پیش کرتا ہے تا کہ لفاظی سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کردے اور شریعت کے خلاف اپنے باطل نظریات کو رائج کردے اسی وجہ سے حضور اکرمؐ اس شخص پر ناراض ہوئے۔

سوال:

اب سوال یہ ہے کہ مسجّع اور مقفّٰی کلام تو احادیث میں بہت آیا ہے نیز قرآن عظیم میں بھی اس طرح کلام فواصل کے ساتھ موجود ہے پھر یہاں اس پر یہ نکیر کیوں فرمائی گئی؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً مسجّع کلام مذموم نہیں ہے بلکہ وہ مذموم ہے جو تکلف اور انتہائی بناوٹ اور تصنع کے ساتھ لایا جائے جیسا کہ اس شخص نے تقدیم وتاخیر کے قواعد کو توڑ کر صرف سجع کی غرض سے ایک باطل کلام کیا ہے بہرحال اگر بچہ پیٹ کے اندر مرجائے تو اس کا حکم یہی ہے جو حضور اکرمؐ نے بیان فرمایا ہے کہ غرہ واجب ہے یا پانچ سو درہم ہیں اور اگر زندہ پیدا ہو کر کسی نے پیدا ہونے کے بعد قتل کردیا تو اس میں قصاص ہے۔

باب مالا یضمن من الجنایات

جن جنایتوں میں تاوان نہیں

جنایات :۔ جنایۃ کی جمع ہے جو ارتکاب جرم اور نقصان کو کہا جاتا ہے ''لایضمن'' مجہول کا صیغہ ہے ضمان اور تاوان کے معنی میں ہے اس باب سے پہلے باب میں ان نقصانات اور جرائم کا بیان تھا جن میں تاوان آتا تھا اب ان جرائم کا ذکر ہے جن کے ارتکاب سے تاوان نہیں آتا اور نہ کوئی معاوضہ آتا ہے۔

وہ افعال واعمال جن میں تاوان نہیں

الفصل الاول

﴿۱﴾عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم العَجماءُ جُرحُها جُبارٌ والمَعدِنُ جُبارٌ والبئرُ جُبارٌ (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپایوں کا زخمی کر دینا معاف ہے، کان میں دب جانا بھی معاف ہے اور کنویں میں گر پڑنا بھی معاف ہے۔ (بخاری ومسلم)

جانوروں کے نقصان پر تاوان کا مسئلہ

توضیح

العجماء جرحها جبار :۔ عجماء جانور اور چوپائے کو کہتے ہیں اس کو عجماء اس لئے کہا گیا کہ یہ باتیں نہیں کر سکتے، عجم اور عجمی اسی سے ہیں کیونکہ عرب کے مقابلہ میں عجم گویا گونگے ہیں عجماء مؤنث ہے عجم مذکر ہے ''جرحها'' جرح زخم اور نقصان کرنے کو کہتے ہیں یہ لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ مصدر ہے یعنی زخم لگانا اور زخمی کرنا۔ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے جو زخم کے معنی میں ہے ''جبار'' ہدر اور باطل کے معنی میں ہے۔ یعنی اس جانور نے جو کچھ مالی یا جانی نقصان کسی کا کیا تو جانور کے مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ اب اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ائمہ احناف کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر جانور مثلاً گھوڑے مویشی کے ساتھ آدمی نہیں ہے اور جانور نے بھاگ کر کسی کی فصل کا نقصان کیا یا کسی آدمی کو کچل دیا یا مار ڈالا تو خواہ دن میں یہ حادثہ پیش آئے یا رات میں پیش آئے اس صورت میں مالک پر کوئی تاوان نہیں ہے اور اگر جانور کے ساتھ آدمی موجود ہے اور جانور نے نقصان کیا خواہ آدمی اس پر سوار ہو یا آگے پیچھے ہو اور جانور نے کسی طرح کا نقصان کیا خواہ سر سے کیا خواہ پاؤں سے کیا

اس صورت میں مالک پر تاوان آئے گا گویا دارومدار آدمی کے موجود ہونے نہ ہونے پر ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جانور کے نقصان کرنے سے تاوان آنے یا نہ آنے کے لئے دارومدار آدمی پر نہیں بلکہ دن اور رات پر دارومدار ہے اگر جانور نے رات کو نقصان کیا تو مالک پر جرم عائد ہوگا کیونکہ رات میں جانوروں کو باندھنا اور سنبھالنا مالک کی ذمہ داری ہے اس نے کوتاہی کی لہٰذا تاوان دے گا اور اگر جانور نے نقصان دن کو کیا تو مالک پر کچھ بھی تاوان نہیں ہوگا کیونکہ دن کو اپنی حفاظت اور کھیت کی حفاظت ہر آدمی کی اپنی ذمہ داری ہے جانوروں کے مالک پر حفاظت کی ذمہ داری نہیں ہے شوافع حضرات نے دن اور رات کے اس فرق کو ابوداؤد شریف کی حضرت براء بن عازب کی ایک روایت سے لیا ہے جس میں یہ فرق بیان کیا گیا ہے ائمہ احناف نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مقصد میں واضح تر ہے اور ابوداؤد کی حدیث مرفوع نہیں بلکہ موقوف ہے حضرت شاہ انور شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں عرف کو دیکھنا چاہئے کہ علاقے اور ملک کا رواج اور دستور کیا ہے۔ جانور کے اس مسئلہ سے ٹریفک کا پورا نظام مستنبط کیا جا سکتا ہے کہ گاڑی کے سائق وقائد کو دیکھا جائے گا اور اس پر حکم لگایا جائے گا۔

"والمعدن" اس لفظ کا ایک مطلب یہ کہ کوئی کان کھودنے والا مزدوری پر کام کر رہا تھا کہ کان کا ملبہ اوپر سے اس پر گرا اور وہ نیچے دب گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں دوسرا مطلب یہ کہ ایک آدمی نے معدنیات اور خزانہ کو نکالا اور زمین میں گڑھا رہ گیا اس میں کوئی آکر گر گیا تو کسی پر تاوان نہیں۔

"والبئر جبار" یعنی ایک شخص نے اپنی زمین میں کنواں کھودا اس میں کوئی شخص آکر گر گیا تو اس کا تاوان کسی پر نہیں ہاں اگر کنواں لوگوں کی گذرگاہ میں کھودا یا دوسرے شخص کی زمین میں کھودا اور اس میں کوئی گر کر مر گیا تو پھر تاوان آئے گا اس لفظ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے کنواں کھودنے کے لئے مزدوروں کو رکھا اور مزدوروں پر کنوئیں کا ملبہ گر گیا تو ان کا تاوان کسی پر نہیں ہے۔

مدافعت میں کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا

﴿۲﴾وعن يَعْلٰى بنِ أُمَيَّةَ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ وَكَانَ لِي أَجِيرٌ فَقَاتَلَ إِنْسَانًا فَعَضَّ أَحَدُهُمَا يَدَ الْآخَرِ فَانْتَزَعَ الْمَعْضُوضُ يَدَهُ مِنْ فِيِّ الْعَاضِّ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَسَقَطَتْ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ وَقَالَ أَيَدَعُ يَدَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا كَالْفَحْلِ (متفق عليه)

اور حضرت یعلی ابن امیہ کہتے ہیں کہ (غزوہ تبوک کے) صبر آزما لشکر کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ (جہاد میں) شریک تھا، میرے ساتھ ایک نوکر بھی تھا، چنانچہ وہ (کسی بات پر) ایک شخص سے لڑ پڑا اور ان دونوں میں

سے ایک نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ کھایا مگر اس نے اپنا ہاتھ کاٹنے والے کے منہ سے (اس طرح) کھینچا کہ اس کے دانت جھڑ کر گر پڑے۔ وہ شخص کہ جس کے دانت گر پڑے تھے (دادرسی کے لئے) نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا (تاکہ آپؐ اس کے حق میں فیصلہ کریں) لیکن آپؐ نے اس کے دانتوں کا کوئی تاوان واجب نہیں کیا اور اس سے فرمایا کہ وہ شخص اپنا ہاتھ تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا تاکہ اس کو اسی طرح چباتے رہتے جس طرح اونٹ چباتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

"جیش العسرة" یعنی تنگی کا لشکر اس سے مراد غزوۂ تبوک ہے روم کے بادشاہ کو کسی نے بتا دیا تھا کہ مسلمان خشک سالی کی وجہ سے جنگ کے قابل نہیں ہیں اس لئے بلاتاخیر حجاز پر حملہ کر دینا چاہئے ہرقل نے تیاری شروع کر دی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے جنگ میں پہل کرنے کو مناسب سمجھا اور مدینہ میں نفیر عام فرما کر تیس ہزار لشکر کے ساتھ سخت تنگی کی حالت میں رجب کے مہینہ میں ۹ ھ کو تبوک کی طرف روانہ ہوئے حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے چندہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہرقل گھبرا گیا اور میدان میں نہیں آیا آنحضرتؐ بیس دن تک تبوک میں قیام فرما کر پھر کامیاب و کامران مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

"اجیر" یعنی نوکر اور مزدور "فقاتل انسانا" قاتل سے مراد قتل کرنا نہیں بلکہ صرف لڑنا ہے "عض" دانتوں سے کاٹنے کو کہتے ہیں نصر ینصر سے ماضی کا صیغہ ہے "من فیّ العاض" فی شد کے ساتھ منہ کو کہتے ہیں اور عاض اسم فاعل ہے کاٹنے والا مراد ہے "فاندر" باب انفعال سے اندرار، دانت گرنے کے معنی میں ہے "ثنیة" سامنے کے دانت مراد ہیں "تقضم" کاٹنے اور دانتوں کے نیچے چبانے کے معنی میں ہے "الفحل" اونٹ کو کہتے ہیں۔

مسئلہ

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جان بوجھ کر ایک حملہ آور جب حملہ کرتا ہے اور اس کے دفاع کے لئے آدمی کوئی متعین طریقہ استعمال کرتا ہے تو اس میں کوئی تاوان نہیں ہے کیونکہ دفاع کرنے والا مجبور ہے اور حملہ آور کو جو نقصان پہنچ گیا ہے یہ اس کے حملے اور زیادتی کا نتیجہ ہے جس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

"شرح السنہ" میں لکھا ہے یہی حکم اس عورت کا ہے جس نے اپنے دفاع میں کسی بدکاری کرنے والے کو قتل کر دیا اس پر کوئی تاوان نہیں ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ پہلے نرمی سے آدمی کام لے اگر لڑے بغیر کام نہیں ہوتا تو پھر مار دے" کذا فی المرقات"

جان ومال کی حفاظت میں مارا جانے والا شہید ہے

﴿۳﴾وعن عبدالله بن عمرو قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من قتل دون ماله فهو شهيد (متفق عليه)

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اپنے مال کے لئے مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۴﴾وعن ابی هريرة قال جاء رجل فقال يارسول الله ارأيت ان جاء رجل يريد اخذ مالي قال فلا تعطه مالك قال أرأيت ان قاتلني قال قاتله قال أرأيت ان قتلني قال فانت شهيد قال أرأيت ان قتلته قال هو في النار (رواه مسلم)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (جناب رسالت مآب میں حاضر ہوکر) عرض کیا کہ "یارسول اللہ! مجھے بتائیے اگر کوئی شخص میرے پاس میرا مال (زبردستی) لینے آئے (تو کیا میں اپنا مال اس کے حوالے کردوں؟) آنحضرتؐ نے فرمایا "نہیں تم اس کو اپنا مال نہ دو اس نے عرض کیا" یہ بتائیے اگر وہ مجھ سے لڑ پڑے (تو کیا کروں) آنحضرتؐ نے فرمایا تم بھی اس سے لڑو" اس نے عرض کیا بتائیے اگر اس نے مجھے مار ڈالا آپ نے فرمایا تم شہید ہوگے دریافت کیا اگر وہ مرجائے (تو اس کا کیا حشر ہوگا؟) آپؐ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا (اور تم پر اس کا کوئی وبال نہیں ہوگا)۔ (مسلمؒ)

توضیح

ارئیت: یعنی اس شخص نے حضور اکرمؐ سے کہا آپ مجھے بتادیجئے۔ "قاتله" یعنی اگر وہ تجھ سے مال چھیننا چاہتا ہے اور اس میں تجھ سے لڑتا ہے تو تم بھی اس سے لڑو۔ "هو في النار" یعنی اس کے قتل کرنے سے تجھ پر کوئی وبال نہیں آئے گا بلکہ وہ خود دوزخ میں جائے گا۔

یہ دونوں حدیثیں مسلمانوں کو تعلیم دیتی ہیں کہ مسلمان اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا حق رکھتے ہیں اور کسی بھی حملہ آور کا ڈٹ کر مقابلہ اور دفاع کرسکتے ہیں۔ مسلمان کا یہ شیوہ نہیں کہ کوئی شخص اس کی عزت وآبرو سے کھیلتا رہے اور اس کا مال ناجائز طور پر چھینتا رہے اور یہ کم ہمتی اور بزدلی کا مظاہرہ کرکے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائے اور عزت نفس کے اس حق سے دست بردار ہوجائے، بلکہ مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس حملہ آور فسادی کا خوب مردانگی اور جرأت وہمت سے مقابلہ کرے اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے اگر اس فتنہ پرور فسادی نے اس کو قتل کردیا تو یہ شہید ہے اور

اگراس نے اس فسادی حملہ آور کو قتل کر دیا تو اس کا خون رائیگاں ہے اور وہ دوزخ میں جائے گا اسلام نے عزت نفس کا یہ حق مسلمان کو اس وقت دیا ہے جبکہ حملہ آور بھی مسلمان ہو اور اگر حملہ آور کافروں کا لشکر ہو جیسے مقبوضہ کشمیر و بوسنیا و فلسطین اور افغانستان و چیچنیا کی صورت حال ہے تو وہاں بطریق اولی مسلمانوں کو ہتھیار اٹھا کر میدان جہاد میں کود کر اپنی جان و مال اور عزت و آبرو اور عقیدہ و ایمان و وطن کی حفاظت کا حق حاصل ہوگا۔

کسی کے گھر میں جھانک کر دیکھنا جائز نہیں

﴿۵﴾وعنه انَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ طَّلَعَ فِي بَيْتِكَ اَحَدٌ وَلَمْ تَأْذَنْ لَهُ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر (تمہارا دروازہ بند ہو اور اس کی دراڑ میں سے) کوئی شخص تمہارے گھر میں جھانکے درانحالیکہ تم نے اس کو (گھر میں آنے کی) اجازت نہیں دے رکھی ہے اور تم اس کو کنکری مار دو اور اس کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ (تاوان) نہیں۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

فخذفته: دو انگلیوں کے درمیان پکڑ کر چھوٹی سی کنکری سے مارنے کو خذف کہتے ہیں جس سے عموماً آنکھ پھوٹ سکتی ہے جمرات کو مارنے کے لئے جو کنکریاں استعمال ہوتی ہیں اس کو بھی خذف کہتے ہیں۔

"**ففقأت عينه**" یعنی اس کنکری کے مارنے سے اس جھانکنے والے کی آنکھ پھوٹ گئی۔ "**من جناح**" یعنی تجھ پر کسی قسم کا گناہ نہیں ہوگا اس کی آنکھ رائیگاں گئی کوئی تاوان نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ نے اس ظاہری حدیث پر اس طرح فتوی دیا ہے کہ مارنے والے پر کوئی تاوان نہیں آئے گا بعض علماء نے یہاں یہ شرط لگائی ہے کہ پہلے اس شخص کا روکنا اور منع کرنا ضروری ہے اگر باز نہ آیا تو پھر مارا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ اس حدیث کو تغلیظ و تشدید اور زجر و توبیخ اور مبالغہ پر حمل کرتے ہیں اور اگر کسی نے واقعی کسی کی آنکھ پھوڑ دی تو ضمان و تاوان آئے گا ظاہری حدیث سے تاوان کی نفی ہوتی ہے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ردعمل

﴿۶﴾وعن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَجُلًا اِطَّلَعَ فِي جُحْرٍ فِي بَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِدْرًى يَحُكُّ بِهِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَوْ اَعْلَمُ اَنَّكَ تَنْظُرُنِي لَطَعَنْتُ بِهِ

فِي عَيْنَيْكَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِسْتِيْذَانُ مِنْ اَجْلِ الْبَصَرِ (متفق عليه)

اور حضرت سہلؓ ابن سعد کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے جھانکا اور اس وقت رسول کریمؐ پشت خار (کنگھے) سے اپنا سر کھجا رہے تھے آپؐ نے (جب اس شخص کو جھانکتے ہوئے دیکھا تو) فرمایا کہ اگر میں جانتا (یعنی مجھ کو یقین ہوتا) کہ تم (قصداً جھانک کر) مجھ کو دیکھ رہے ہو تو میں (یہ کنگھا) تمہاری آنکھ میں جھونک دیتا (کیا تم نہیں جانتے کہ کسی غیر کے گھر میں آنے کے وقت) اجازت لینے کا حکم اسی آنکھ کی وجہ سے دیا گیا ہے (کہ وہ کسی غیر محرم پر نہ پڑ جائے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

مــدری: یہ لفظ میم کے کسرہ اور دال کے سکون اور را کی تنوین کے ساتھ ہے اس لفظ کے مفہوم کے تعین میں علماء کے اقوال مختلف ہیں تاہم تمام اقوال معنی کے اعتبار سے قریب قریب ہیں نہایہ ابن اثیر میں لکھا ہے کہ یہ لکڑی یا لوہے سے بنی ہوئی ایک چیز ہے جو کنگھی کے دانت کی ہمشکل ہوتی ہے مگر اس سے لمبی ہوتی ہے جن لوگوں کے پاس کنگھی نہیں ہوتی وہ اس کے ذریعے سے سر کے جڑے ہوئے بالوں کو کھول کر سیدھا اور درست کرتے ہیں۔

فارسی کی لغت کی مشہور کتاب صراح میں لکھا ہے کہ ''مدرا'' سیخ وشاخ بزرگ کہ زنان بوی فرق سر راست کنند'' یعنی یہ ایک شاخ دار لمبی سیخ اور کنڈا ہے جس سے عورتیں سر کے بالوں میں مانگ درست کرتی ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ بتایا ہے کہ یہ خلال کی طرح لوہے کی ایک سیخ ہے جس کا سر مڑا ہوا ہوتا ہے بڑے لوگ اس سے جسم کا وہ حصہ کھجلاتے ہیں جہاں تک ہاتھ نہیں پہنچتا ہے یہ معنی حدیث کے زیادہ موافق ہے (کذا فی المرقات)

مظاہر حق میں اس کا ترجمہ پشت خار کنگھے سے کیا گیا ہے بہرحال یہ ایک قسم کا آلہ ہے جس سے بال بنانے اور جسم کے ان حصوں کے کھجلانے کا کام لیا جاتا ہے جہاں تک ہاتھ نہیں پہنچتا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی نے واقعی اس حدیث پر عمل کیا اور دیکھنے والے کی آنکھ کو ضائع کیا تو تاوان نہیں آئے گا احناف اس حدیث کو بھی زجر وتوبیخ اور تغلیظ و تشدید پر حمل کرتے ہیں۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر گھر والوں نے خود دروازہ کھلا رکھا ہے اور جھانکنے کے بغیر خود نظر اندر جا پڑتی ہے تو پھر دیکھنے والوں کی غلطی نہیں بلکہ گھر والوں کی غلطی ہے۔

خوامخواہ کنکریاں نہ پھینکا کرو

﴿۷﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ اَنَّهُ رَاٰى رَجُلًا يَخْذِفُ فَقَالَ لَاتَخْذِفْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْخَذْفِ وَقَالَ اِنَّهُ لَايُصَادُ بِهِ صَيْدٌ وَلَايُنْكَأُ بِهِ عَدُوٌّ وَلٰكِنَّهَا قَدْ تَكْسِرُ السِّنَّ

وَتَفْقَأُ الْعَيْنُ (متفق عليه)

اورحضرت عبداللہ ابن مغفلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر کنکریاں پھینکتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کنکریاں نہ پھینکو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کنکریاں پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا کہ اس طرح کنکری پھینک کر نہ تو شکار کیا جاسکتا ہے اور نہ (دین کے) دشمن کو زخمی کیا جاسکتا ہے (بلکہ یہ محض لہو ولعب ہے جس سے نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دین کا اور مستزاد یہ کہ لوگوں کو اس سے ضرر پہنچتا ہے جیسا کہ خود آنحضورؐ نے فرمایا کہ) البتہ اس طرح کنکریاں پھینکنا دانت کو توڑ دیتا ہے اور آنکھ کو پھوڑ دیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لاینکاء ہمزہ کے ساتھ بھی ہے اور بغیر ہمزہ لاینکی بھی ہے زخمی کرنے کے معنی میں ہے۔

مجلسوں میں ہتھیار سنبھال کر رکھنا چاہئے

﴿۸﴾وعن اَبِی مُوسٰی قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَّ اَحَدُكُمْ فِي مَسْجِدِنَا وَفِي سُوقِنَا وَمَعَهُ نَبْلٌ فَلْيُمْسِكْ عَلٰى نِصَالِهَا اَنْ يُصِيبَ اَحَدًا مِّنَ الْمُسْلِمِينَ مِنْهَا بِشَيْءٍ (متفق عليه)

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص ہماری مسجد اور ہمارے بازار میں آئے یا وہاں سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو اس کو چاہئے کہ ان کو بند کرے (یعنی ان کے پیکانوں پر ہاتھ رکھ لے) تا کہ اس سے کسی مسلمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

نصال:۔ تیر کی دھار اور پھل کو کہتے ہیں مراد تمام ایسے ہتھیار ہیں جن سے کسی کے زخمی یا ہلاک ہونے کا خطرہ ہو خواہ تلوار ہو تیر ہو یا بندوق ہو یا خنجر وغیرہ ہو اس کو بازاروں اور مسجدوں اور عام مجمعوں میں احتیاط کے ساتھ اپنے پاس رکھنا چاہئے تا کہ غلطی سے کوئی زخمی نہ ہو جائے چنانچہ اسلحہ کے لینے دینے کے آداب میں سے یہ ہے کہ دیتے وقت دھار اپنی طرف ہو تا کہ لینے والا خطرہ محسوس نہ کرے اور نہ زخمی ہو جائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی معاشرہ میں اسلحہ کے لینے دینے اور اٹھا کر چلنے پھرنے پر پابندی نہیں ہے اسلام نے ناجائز چلانے اور استعمال کرنے کی سزا مقرر فرمائی ہے جس کی وجہ سے اسلحہ کسی مسلمان کی جان کے لئے کسی قسم کا خطرہ پیدا نہیں کرسکتا بلکہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اسلام اور ہتھیار میں لکھا ہے کہ مسلمان کے لئے اسلحہ رکھنا اور سیکھنا اور دشمنان اسلام پر استعمال کرنا فرض ہے اور لائسنس کی پابندی جو کفار نے لگائی ہے احتجاج کر کے اسے منسوخ کرانا چاہئے۔

کسی مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرو

﴿۹﴾وعن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايُشِيْرُ اَحَدُكُمْ عَلَى اَخِيْهِ بِالسِّلاحِ فَإِنَّهُ لَايَدْرِى لَعَلَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ فِي يَدِهِ فَيَقَعُ فِي حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (متفق عليه)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے اس لئے کہ اس کو نہیں معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ لے اور اس کی وجہ سے وہ ہتھیار کا مالک دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

فانه :. ای احد کم یا یہ ضمیر شان ہے تو مرجع کی ضرورت نہیں "ینزع" ضرب یضرب سے گرانے اور کھینچنے کے معنی میں ہے "فی یده" ای حال کون السلاح فی یده، شیطان کی طرف اسناد باعتبار سبب ہے کہ وہ اس کا سبب بنتا ہے یعنی شیطان تو انسان کی تباہی و بربادی کی تاک میں بیٹھا ہوا ہے اب اگر کوئی شخص دوسرے کی طرف مذاق کے ساتھ بھی اسلحہ سے اشارہ کرتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ شیطان درمیان میں وسوسہ اندازی اور دخل اندازی کر کے اس مذاق کو سچ میں بدل ڈالے اور مذاق کی جگہ لڑائی شروع ہو جائے اور مسلمان کا قتل ہو جائے تو قاتل دوزخ کے گڑھے میں جا پڑے گا نیز شیطان بدبخت خود بھی اسلحہ کو حرکت دیکر مسلمان کی جان کے لئے خطرہ بنا سکتا ہے کیونکہ یہ خبیث اولاد آدم کا دشمن ہے۔

﴿۱۰﴾وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَشَارَ اِلٰى اَخِيْهِ بِحَدِيْدَةٍ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَلْعَنُهُ حَتّٰى يَضَعَهَا وَاِنْ كَانَ اَخَاهُ لِاَبِيْهِ وَاُمِّهِ (رواه البخاری)

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی طرف لوہے (ہتھیار وغیرہ) سے اشارہ کرتا ہے۔ اس پر فرشتے اس وقت تک لعنت بھیجتے ہیں، جب تک کہ وہ اس لوہے کو رکھ نہیں دیتا اگر چہ وہ اس کا حقیقی بھائی کیوں نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

اسلام کے طرز کے برخلاف لوگ

﴿۱۱﴾وعن ابْنِ عُمَرَ وَاَبِى هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاحَ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه البخاری) وَزَادَ مُسْلِمٌ وَمَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا.

اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جو شخص (ہنسی

مذاق کے طور پر بھی) ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہمارے طریقہ پر عامل نہیں ہے (بخاری ومسلم)
اور مسلمؒ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ جو شخص (اپنی کوئی چیز فروخت کرتے وقت فروخت کی جانے والی چیز کے کسی عیب ونقصان کو چھپا کر) ہمیں فریب دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

﴿۱۲﴾وعن سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا (رواه مسلم)

اور حضرت سلمہؓ ابن اکوع کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے (بلا ارادہ قتل ہنسی مذاق میں بھی) ہمارے اوپر تلوار کھینچی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' (مسلم)

توضیح:

من سل علینا السیف: اوپر حدیث نمبر گیارہ میں لفظ ''حمل'' ہے یہاں اس حدیث میں لفظ ''سَلَّ'' ہے مراد ہتھیار اٹھانا اور کسی مسلمان کو ڈرانے کے لئے اسلحہ دکھانا ہے تلوار کے سونتنے کے لئے سل کا لفظ آتا ہے اور عام ہتھیاروں کے اٹھانے کے لئے حمل کا لفظ آتا ہے اوپر حدیث نمبر ۱۰ میں ''اشار'' کا لفظ آیا ہے۔ تمام الفاظ کا مطلب ایک ہی ہے کہ مسلمان کے ڈرانے کے لئے اسلحہ دکھانا منع ہے گناہ کا کام ہے اگرچہ اس میں تاوان نہیں ہے ''فلیس منا'' ان روایات میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے کہ ایسا شخص ہم میں سے نہیں ہے جس کا ظاہری مطلب یہ ہوا کہ یہ شخص اسلام میں نہیں ہے حالانکہ گناہ کبیرہ سے آدمی اسلام سے نہیں نکلتا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص اس شعبہ اور اس خاص فعل اور معاملہ میں مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے اگرچہ باقی تمام شعبوں اور اقوال وافعال میں وہ مسلمانوں کے طرز پر ہے اور مسلمان ہے مگر اس خاص عمل میں وہ مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے۔

''فلیس منا'' کا یہی مطلب ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس قسم کے جملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلوب حکیم کے طور پر ارشاد فرمائے ہیں تاکہ مسلمان یہ ناجائز کام نہ کریں یعنی جو مخلص مسلمان جب یہ سنے گا کہ اس کام کے کرنے سے آدمی اپنے پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کٹ کر رہ جاتا ہے تو وہ مسلمان کبھی بھی اس کام کے قریب نہیں جائے گا بلکہ چیخے گا چلائے گا اور اس کام کو چھوڑ کر اسلام کی طرف دوڑ کر آئے گا۔

اوپر حدیث نمبر ۱۱ میں ''من غشنا'' کا جملہ آیا ہے غش دھوکہ کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں ایک کام اچھا لگتا ہے مگر پوشیدہ طور پر اس میں عیب چھپا ہوا ہے جس کو یہ شخص ظاہر نہیں کرتا یہ دھوکہ زیادہ تر خرید وفروخت کے معاملات میں ہوتا ہے اور دیگر اشیاء کو بھی یہ حدیث عام ہے۔

مخلوق خدا کو تنگ کرنے والوں کی سزا

﴿۱۳﴾ وعن هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمٍ مَرَّ بِالشَّامِ عَلٰى اُنَاسٍ مِنَ الْاَنْبَاطِ وَقَدْ اُقِيْمُوْا فِي الشَّمْسِ وَصُبَّ عَلٰى رُؤُسِهِمُ الزَّيْتُ فَقَالَ مَاهٰذَا قِيْلَ يُعَذَّبُوْنَ فِي الْخِرَاجِ فَقَالَ هِشَامٌ اَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يُعَذِّبُ الَّذِيْنَ يُعَذِّبُوْنَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا (رواه مسلم)

اور حضرت ہشام ابن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ہشام ابن حکیم نے ملک شام (کے سفر کے دوران) نبطی قوم کے کچھ افراد کو اس حال میں دیکھا کہ انہیں دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر گرم گرم تیل ڈالا گیا تھا، ہشام ابن حکیم نے (یہ روح فرسا منظر دیکھ کر) کہا کہ یہ کیا ہے؟ (یعنی ان لوگوں کو کس جرم کی پاداش میں یہ غیر انسانی سزا دی جا رہی ہے؟) انہیں بتایا گیا کہ خراج (زرعی ٹیکس نہ دینے) کی وجہ سے ان کو اس عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے؟ حضرت ہشام نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول کریم ؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ (آخرت میں) ان لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو لوگوں کو دنیا میں عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔ (مسلم)

توضیح:

هشام بن حكيم: یہ شان والے صحابی ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں مشہور و معروف تھے اشراف قریش میں سے تھے فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور ۱۲۰ سال کی عمر میں ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا ۶۰ سال جاہلیت میں اور ۶۰ سال اسلام میں گزارے۔

"**الانباط**" نبط اور نبیط مشہور پہاڑ کا نام ہے یہ لوگ اس پہاڑ کے پاس رہتے تھے اس لئے انباط کہلائے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ انباط عجم کے کاشتکاروں کو کہتے ہیں۔ "**الزيت**" زیتون کا گرم تیل مراد ہے "**في الخراج**" یعنی انہوں نے خراج اور ٹیکس ابھی تک ادا نہیں کیا ہے اس لئے یہ روح فرسا سزا دی جا رہی ہے۔

"**ان الله يعذّب**" یعنی جو شخص مخلوق خدا کو دنیا میں جس طرح ناحق عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو اسی قسم کے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ ایک حدیث میں ہے "**لا تعذبوا بعذاب الله**" اور یہاں گرم تیل ڈال کر آگ سے جلانے کی سزا ایک انسان دوسرے کو دے رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔

﴿۱۴﴾ وعن اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اِنْ طَالَتْ بِكَ مُدَّةٌ اَنْ تَرٰى قَوْمًا فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ يَغْدُوْنَ فِيْ غَضَبِ اللّٰهِ وَيَرُوْحُوْنَ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ، وَفِي

رِوَايَةٍ وَيَرُوحُونَ فِي لَعْنَةِ اللّٰهِ (رواه مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم عنقریب ان لوگوں کو دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی مانند ایک ایسی چیز یعنی کوڑے ہوں گے، ان کی صبح اللہ کے غضب میں اور ان کی شام اللہ کی شدید ناراضگی میں گزرے گی (یعنی ان لوگوں پر ہمہ وقت اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہے گا) اور ایک روایت میں یہ ہے کہ ''ان کی شام اللہ کی لعنت میں گزرے گا۔ (مسلم)

ظالم پولیس اور فیشن زدہ عورتوں کے بارے میں وعید

﴿۱۵﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَاَذْنَابِ الْبَقَرِ يَضْرِبُونَ بِهَاالنَّاسَ وَنِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ مُمِيلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُؤُسُهُنَّ كَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَايَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَايَجِدْنَ رِيحَهَا وَاِنَّ رِيحَهَا لَتُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ كَذَاوَكَذَا (رواه مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (اور نہ میں دیکھوں گا) ایک گروہ تو ان لوگوں کا ہے جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم کی مانند کوڑے ہوں گے جس سے وہ (لوگوں کو ناحق) ماریں گے اور دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی مگر حقیقت میں ننگی ہوں گی وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے ایسی عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ جنت کی بو پائیں گی حالانکہ جنت کی بو اتنی (یعنی مثلاً سو برس) دور سے آتی ہے۔ (مسلم)

توضیح:

صِنْفَانِ: یعنی دو قسم کے لوگ ہیں میں نے ابھی تک ان کو دیکھا نہیں یعنی وہ ابھی تک موجود نہیں ہوئے ہیں بعد میں آئیں گے ''من اهل النار'' یعنی وہ دوزخ میں جائیں گے مستوجب نار ہوں گے یہ الگ بات ہے کہ سزا بھگتنے کے بعد دوزخ سے خارج ہوں گے۔ ''سیاط'' یہ سوط کی جمع ہے کوڑے کو کہتے ہیں عربی ممالک میں اس کا نام ''مقرعة'' ہے جس کی جمع مقارع ہے یہ چمڑے کا بنا ہوا ہوتا ہے اس کی چوڑائی معمولی سی ہوتی ہے اور بیل کی دم کی مانند لمبائی ہوتی ہے جلاد لوگ چوروں کو ننگا کر کے اس سے مارتے ہیں۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ظالم لوگ ہیں جو ظالم حکمرانوں کے دروازوں کے پاس چکر لگاتے ہیں اور باؤلے کتے بن کر لوگوں کو ناحق مارتے ہیں اور ان پر لاٹھی چارج کر کے بھگاتے ہیں شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے مصداق وہ لوگ ہیں جو کسی ظالم صاحب اقتدار شخص کے حاشیہ نشین ہوتے ہیں اس کے

آ گے پیچھے اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور اس کے بل بوتے پر عام انسانوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں۔ غریب اور کمزوروں کو گالیاں دے کر مارتے پیٹتے ہیں اور شرفا کی عزتوں کو پامال کرتے ہیں اور پاگل کتے کی طرح ہر ایک کو کاٹتے ہیں ہدایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ظالموں کے جو کارندے ہیں ان کی طرف شفقت کی نگاہ سے دیکھنا جائز نہیں ہے۔ عام شارحین نے موجودہ زمانہ کی پولیس کو اس حدیث کا واضح مصداق قرار دیا ہے کیونکہ بیلوں کی دموں کی طرح لاٹھیاں صرف ان کے ہاتھوں میں ہوتی ہیں اگرچہ دوسرے ظالم بھی اس حدیث کا مصداق بن سکتے ہیں جو ظالم خوانین، وڈیروں، سرداروں اور چودھریوں کے ظالم نوکر ہوتے ہیں اس حدیث سے پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں بھی انہیں ظالموں کا ذکر ہے اور وہاں ان کے ظلم کے اوقات کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

"**نساء کاسیات**" یہ دوسری صنف کی طرف اشارہ ہے یعنی ایسی عورتیں ہوں گی جو بظاہر لباس میں ہوں گی لیکن لباس کی باریکی اتنی ہوگی کے بدن صاف نظر آئے گا یا لباس اتنا چست ہوگا کہ اس سے بدن کی نمائش ہوگی مثلاً ساڑھی پہن لی یا نیم عریاں لباس پہن لیا یا دوپٹہ گلے میں لٹکا کر سینہ کی نمائش شروع کر دی ان تمام صورتوں میں بظاہر تو لباس نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں عورت اس میں ننگی ہوتی ہے بعض علماء نے حدیث کے اس حصہ کا مطلب یہ بھی لیا ہے کہ دنیا میں وہ عورتیں آسائش و آرائش اور زیب و زینت اور ناز و تنعم میں ہر قسم کے لباس سے لطف اندوز ہوں گی مگر تقویٰ سے خالی ہو کر آخرت میں تقویٰ اور نیک اعمال کے لباس سے برہنہ ہوں گی۔

"**ممیلات**" یعنی اس لباس میں بن ٹھن کر بازاروں میں گھومتی پھرتی ہوں گی اور اجنبی مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی پھریں گی" **مائلات**" یعنی گھر سے مٹک مٹک کر اس حالت میں نکلنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قلبی طور پر غیر مردوں کی طرف مائل ہیں اب وہ دوسروں کو شکار کرنے نکل آئی ہیں۔ حدیث کے اس جملہ سے اس شیطانی وسوسہ کا جواب ہو جاتا ہے جو آزاد منش لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکا ہے اور جو کہتے ہیں کہ دل صاف ہونا چاہیے۔ حدیث نے بتا دیا کہ اس پوزیشن میں آنا ہی دل کی خرابی کی نشانی ہے۔

"**کأسنمة**" اسنمہ سنام کی جمع ہے جو کوہان کے معنی میں ہے "**البخت**" یہ بختی کی جمع ہے بختی اونٹ وہ ہوتا ہے جو عجمی اور عربی اونٹوں کے مشترک نسل سے پیدا ہو یہ بادشاہ بخت نصر کی طرف منسوب ہے اس نے اس طرح نسل جاری کی تھی اس کے مقابلے میں ''عراب اور عربی ہیں''

"**المائلة**" یہ کلمہ اسنمہ کی صفت ہے یعنی فربہی اور موٹاپے کی وجہ سے وہ کوہان ایک طرف مائل ہونگے اور ہلتے ہوں گے اس طرح ان عوتوں کے سر کے جوڑے ادھر ادھر ہلتے ہوں گے کیونکہ یہاں وہ عورتیں مراد ہیں جو اپنے سروں پر اپنی چوٹیوں کے جوڑے باندھ لیتی ہیں اور مرغ کی کلغی کی طرح بنا کر ادھر ادھر مائل کرتی ہیں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ مصر کی عورتوں کا نقشہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا نہیں اور بتایا یہ آپ کا معجزہ تھا۔

"لایدخلن الجنة" اگر یہ عورتیں اس ناجائز فیشن اور حرام کام کو حلال سمجھ لیں تو پھر یہ ایمان سے محروم ہو کر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گی اور جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکیں گی اور اگر صرف گناہ گار ہیں تو مراد یہ کہ جب نیک عورتیں جنت جائیں گی اس وقت یہ عورتیں جنت کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکیں گی سزا کاٹنے کے بعد جنت میں جائیں گی۔ تیسرا جواب یہ کہ یہ حدیث زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ پر محمول ہے۔

کسی کو چہرہ پر نہ مارو

﴿۱۶﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاقَاتَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ (متفق علیه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (کسی کو) مارے تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کے چہرے کو بچائے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

الوجہ: یعنی چہرہ پر مارنے سے بچنا چاہئے اس لئے کہ انسان عالم اصغر کی مانند ہے اور اس کا چہرہ اس کے محاسن اور خوبیوں کا مرکز ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کا اعلیٰ شاہکار ہے لہٰذا یہ بالکل مناسب نہیں کہ کوئی شخص اس کی توہین کرے اور اس پر ضربیں مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑے۔

"علی صورته کا مطلب" اس جملہ کی وضاحت میں کئی اقوال ہیں اور اقوال کی کثرت کی وجہ ضمیر کے مرجع کا تعین ہے پہلا قول یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع خود حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو آدم ہی کی صورت پر پیدا کیا ہے یعنی آدم کی صورت اپنی نظیر آپ ہے جیسے کوئی بچہ جب ماں باپ کی شکل پر نہیں ہوتا تو مائیں کہتی ہیں یہ بچہ اپنی شکل پر پیدا ہوا ہے یہ توجیہ واضح تر ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو تخلیق کی ایک ممتاز صورت پر بنایا ہے جس میں دیگر مخلوقات کی تخلیق کا انداز اختیار نہیں کیا گیا تو دیگر مخلوقات کی تخلیق کے مراحل الگ ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کا معاملہ الگ ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ضمیر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف راجع ہے اور صورت سے مراد جسم اور شکل و شباہت نہیں بلکہ صورت سے مراد صفات اور کمال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صفات پر پیدا کیا کہ ان میں علم و وقار اور صبر و برداشت اور بصر سمع و کلام کی صفات رکھدیں اگرچہ ان صفات میں تفاوت اور فرق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے "تخلقوا باخلاق الله" کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ۔

غیر کے گھر میں بلا اجازت جھانکنے والا قابل تعزیر ہے

الفصل الثانی

﴿۱۷﴾عن ابی ذرٍّ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم من کشف سترًا فادخل بصرہٗ فی البیت قبل ان یؤذن لہٗ فرای عورۃ اہلہ فقد اتٰی حدًّا لا یحلّ لہٗ ان یاتیہٗ ولو انّہٗ حین ادخل بصرہٗ فاستقبلہٗ رجلٌ ففقأ عینہٗ ماعیّرتُ علیہ وان مرّ الرّجل علی بابٍ لاستر لہٗ غیر مغلقٍ فنظر فلاخطیئۃ علیہ انّما الخطیئۃ علی اہل البیت (رواہ الترمذی) وقال ھٰذا حدیثٌ غریبٌ.

اور حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص نے کسی کے گھر کا پردہ کھولا اور اس کے گھر میں اپنی نظر ڈالی جب کہ اس کو (اس گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی) اجازت حاصل نہیں تھی، اور اس نے اس کی گھر والی کو دیکھا تو (اس نے ایک ایسی چیز کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے) وہ قابل تعزیر ہوا، اس کے لئے یہ (ہرگز) جائز نہیں ہے کہ وہ (بلا اجازت کسی کے گھر پر) آئے (اور اس کے گھر میں جھانکے) اگر اس نے گھر میں جھانک کر دیکھا اور گھر والوں میں سے کوئی شخص سامنے آ گیا اور اس (جھانکنے والے) کی آنکھ پھوڑ ڈالی تو میں اس (آنکھ پھوڑنے والے) کو سرزنش نہیں کروں گا اور نہ (بطور تاوان) اس پر کوئی چیز واجب کروں گا، ہاں اگر کوئی مرد کسی ایسے دروازے پر سے گزرے جس پر نہ کوئی پردہ پڑا ہوا ہو اور نہ وہ بند ہو اور اس کی نظر گھر کے آدمیوں پر جا پڑے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ تو گھر والوں پر ہوگا۔ کہ انہوں نے دروازے کو بند کیوں نہیں کیا اور اس پر پردہ کیوں نہیں ڈالا۔ (ترمذی) نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح

کشف سترًا: یعنی گھر کا پردہ ہٹایا اور اندر جھانک کر دیکھا "**عورۃ اھلہ**" عورت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے دیکھنے اور ظاہر ہونے سے آدمی شرم و عار محسوس کرتا ہے گھر کے اہل خانہ اس میں داخل ہیں۔

"**حدًّا**" یہاں حد سے تعزیر مراد ہے یعنی قابل تعزیر جرم کا ارتکاب کیا یا حد سے مراد وہ کنارہ اور سرحد و مقام ہے جس تک اس شخص کا آنا جائز نہیں تھا۔ "**فاستقبلہ رجل**" یعنی گھر کے اندر سے کوئی آدمی سامنے آیا "**ففقاء**" ففقأ یفقأ فتح یفتح سے آنکھ پھوڑنے کے معنی میں ہے۔

"**ماعیّرت**" تعییر باب تفعیل سے عار دلانے کے معنی میں ہے یعنی میں اس آنکھ پھوڑنے والے شخص کو ملامت نہیں کروں گا کیونکہ جرم دیکھنے والے کا ہے۔ یہ اس وقت ہے جبکہ گھر کے سامنے پردہ لٹکا ہوا ہو اور دروازہ بند ہو اگر دروازہ کھلا ہو یا پردہ نہ

ہوتو پھر جرم گھر والوں کا ہے دیکھنے والے کو یہ سزا نہیں دی جائے گی یہ حدیث مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہی ہے کہ گھروں کے دروازے بند رکھو یا مکمل پردے لٹکاؤ تاکہ بے پردگی نہ ہو۔

تیز دھار آلہ کسی کے ہاتھ میں دینے کا طریقہ

﴿۱۸﴾وعن جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُوْلًا.

(رواه الترمذی وابوداؤد)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے نیام تلوار کو ہاتھ میں رکھنے سے منع کیا ہے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

توضیح:

مسلولا: یعنی ننگی اور سونتی ہوئی تلوار کسی کے ہاتھ میں نہ دو کیونکہ اس کے گرنے اور سامنے آدمی کے زخمی ہونے کا احتمال ہے نیز ننگی تلوار لیتے وقت لینے والے کو زخم لگنے کا خوف ہوگا جو کسی مسلمان کی ایذارسانی کا باعث ہوسکتا ہے یہ حکم صرف تلوار کا نہیں بلکہ ہر تیز دھار چھری چاقو وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے اور یہ حسن معاشرت اور تہذیب کے خلاف ہے اس لئے یہ نہی تنزیہی ہے جس کو نہی ارشادی کہتے ہیں اور تہذیب اس طرح ہے کہ دھار والی چیز کسی کو دیتے وقت دھار اپنی طرف کر کے دی جائے اور یا نیام میں بند کر کے دی جائے تاکہ لینے والے کو خوف نہ ہو۔

انگلیوں کے درمیان تسمہ چیرنے کی ممانعت

﴿۱۹﴾وعن الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ يُقَدَّ السَّيْرُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت حسنؒ حضرت سمرہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ تسمہ کو دونوں انگلیوں کے درمیان چیرا جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

یقد السیر: قدّ یقدّ نصر ینصر سے کسی چیز کو طولاً یا مطلقاً کاٹنے کو کہتے ہیں "السیر" اس کی جمع "سیور" آتی ہے اس سے مراد وہ تسمہ یا سخت دھاگہ ہے جس کے کاٹنے سے انگلیوں کے کٹنے کا احتمال ہوتا ہے لوگ عام طور پر اس طرح چیزیں دونوں ہاتھوں کی انگلیوں میں پکڑ کر توڑنے کی کوشش کرتے ہیں جس سے انگلیاں زخمی ہوجاتی ہیں اس سے ممانعت بھی نہی تنزیہی اور نہی ارشادی اور شفقت کی بنیاد پر ہے۔

دین کی حفاظت میں مارا جانے والا شہید ہے

﴿۲۰﴾وعن سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قُتِلَ دُونَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ اَهْلِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ (رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی)

اور حضرت سعید ابن زیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے دین کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے اور جو شخص اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا وہ شہید ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

توضیح:

دین کی حفاظت میں مارے جانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان کے سامنے کسی کافر یا مبتدع اور ملحد نے اسلام اور دین وقرآن کی تحقیر وتوہین کی اور یہ مسلمان اس سے لڑ پڑا اور اس ملحد نے اس کو مار ڈالا تو یہ شہید ہے اور شہید کا درجہ پانے والا ہے اگر اس نے اس ملحد کو قتل کر دیا تو یہ غازی ہے اسی طرح معاملہ مال ومتاع اور عزت وناموس اور آبرو کا ہے اگر کوئی شخص اس کی عزت کو پامال کرنے پر اتر آیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا تو اس پر کوئی تاوان نہیں اور اگر اس حملہ آور نے اس کو قتل کر دیا تو یہ شہید ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ پہلے نرمی سے سمجھائے اگر باز نہیں آیا تو پھر ہاتھ اٹھائے پھر یہ شخص یا غازی یا شہید ہے۔

﴿۲۱﴾وعن ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجَهَنَّمَ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ بَابٌ مِنْهَا لِمَنْ سَلَّ السَّيْفَ عَلَى اُمَّتِي اَوْقَالَ عَلَى اُمَّةِ مُحَمَّدٍ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَدِيْثُ اَبِي هُرَيْرَةَ الرِّجْلُ جُبَارٌ ذُكِرَ فِي بَابِ الْغُصْبِ.

اور حضرت ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ''دوزخ کے سات دروازے ہیں، ان میں ایک دروازہ اس شخص کے لئے ہے جو میری امت (کے لوگوں) پر۔ یا یہ فرمایا۔ امت محمدیہ پر (ناحق) تلوار اٹھائے'' اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔

۶ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

باب القسامة

قسامت کا بیان

قسامه ق کے زبر کے ساتھ قسم سے ماخوذ ہے قسم یقسم قسماً و قسامة قسم اٹھانے کے معنی میں ہے اور قسامہ میں بھی پچاس آدمیوں سے قسم لی جاتی ہے یا قسامۃ قسمت اور تقسیم سے ماخوذ ہے اور چونکہ قسامہ میں قسمیں کئی اشخاص پر تقسیم کی جاتی ہیں اس لئے اس کو قسامہ کہدیا گیا۔

قسامہ کا حکم اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی تھا اسلام نے حفظ دماء اور انسان کی جان کی حفاظت کے پیش نظر اس حکم کو باقی رکھا اب قسامہ اسلام کے احکامات میں سے ایک شرعی حکم ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے آج تک محکم غیر منسوخ چلا آرہا ہے قسامہ اسلام کے قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ اور انسانوں کے مفادات اور مصالح کا بڑا ذریعہ ہے اور انسانی معاشرہ کے لئے امن کا ایک اہم سبب ہے قسامہ کی تنفیذ اور نافذ کرنے کے طریقہ کار میں اگرچہ علماء کے درمیان کچھ تفاوت ہے لیکن اس کے باوجود تمام فقہاء اور تمام علماء قسامہ کے ثبوت اور بقاء پر متفق ہیں قسامہ کے متعلق چند ابحاث ہیں۔

بحث اول قسامہ کی حقیقت

یہ بحث اس میں ہے کہ قسامہ کی حقیقت اس کا تعارف اور اس کا پس منظر کیا ہے۔

تو قسامہ ان پچاس قسموں کو کہا جاتا ہے جو ان اہل محلّہ یا اہل دار پر رکھی جاتی ہیں جہاں مقتول پایا گیا ہے۔ مثلاً ایک محلّہ میں ایک شخص مرا ہوا مل گیا اب اگر اس شخص پر گلا گھونٹنے یا کسی چیز سے مارے جانے کا کوئی نشان موجود نہیں ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ یہ شخص اپنی موت خود مرا ہے اب قاتل کی تفتیش کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر اس مرے ہوئے شخص کے جسم پر زخم یا گلا گھونٹنے کے نشانات ہوں تو یہی سمجھا جائے گا کہ اس کو کسی نے قتل کردیا ہے اب قاتل کی تلاش ضروری ہوگئی تو شریعت نے اس اہل محلّہ کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے جس محلّہ میں مقتول پایا گیا ہے کہ وہ قاتل بتائیں یا قسمیں کھائیں کہ ان کو اس قتل کا علم نہیں ہے نہ قاتل کا علم ہے قسم کھانے کا طریقہ اس طرح ہے "والله ما قتلناه و ما علمنا قاتله" قسم کھانے والے محلّہ کے معزز لوگ ہوں گے عاقل بالغ اور آزاد ہوں گے اور پچاس ہوں گے اگر پچاس آدمی اس محلّہ سے پورے نہیں ہوتے تو تکرار یمین کرکے پچاس قسمیں پوری کرنی ہوں گی قسم کھانے کے باوجود دیت ان پر لازم ہوگی تاکہ انسانی جان رائیگاں اور ضائع نہ جائے اور ہر محلّہ کے لوگ انسانی جان کے محافظ بن جائیں قسامہ کا سبب اور اس کی علت کسی محلّہ میں مقتول کا پایا جانا ہے۔

بحث دوم لوث کی صورت

لوث نشان اور علامت کو کہا گیا ہے قسامہ میں علامت اور لوث کو اہم مقام حاصل ہے اور لوث یہ ہے کہ قاتل پر خون کے دھبے لگے ہوں یا اس کی تلوار مقتول کے خون سے آلودہ ہو یا مقتول کے خاندان اور اس محلّہ والوں کے درمیان پہلے سے عداوت چلی آ رہی تھی یہ سب قرائن حالیہ ہیں لوث کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک عادل شخص گواہی دیدے یا کئی غیر عادل یہ گواہی دیدیں کہ اس محلّہ والوں نے مقتول کو مارا ہے یہ قرینہ قولیہ ہے اور گواہی کا نصاب پورا نہیں ہے۔ اس لئے اس ناقص گواہی سے قاتل سے قصاص نہیں لیا جاسکتا۔

ائمہ احناف کے نزدیک لوث کا کوئی اعتبار نہیں دیگر ائمہ اس کا اعتبار کرتے ہیں تفصیل آ رہی ہے۔

بحث سوم مفہوم قسامہ میں فقہاء کا اختلاف

کسی محلّہ میں مقتول کے پائے جانے پر اس محلّہ میں قاتل کی تفتیش کا عمل شروع کیا جائے گا لیکن تفتیش کے اس عمل کی ترتیب کیا ہوگی اس میں فقہاء کرام کے الگ الگ اجتہادی فتوے ہیں جس سے قسامہ کے مفہوم میں بھی فرق آ گیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

قسامہ میں احنافؒ کی ترتیب اور مسلک

اگر محلّہ میں مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چلے تو احناف کا اس میں یہ مسلک ہے کہ مدعیان سے پہلے بیّنہ مانگا جائے اگر ان کے پاس گواہ نہ ہوں تو محلّہ کے نامور اور مشہور پچاس آدمیوں سے قسمیں لی جائیں گی ہر ایک اس طرح قسم کھائے گا کہ اللہ کی قسم نہ میں نے اس شخص کو قتل کیا ہے اور نہ مجھے اس کے قاتل کا کوئی علم ہے ان پچاس آدمیوں کا انتخاب مقتول کا ولی کرے گا۔ اب اگر محلّہ کے ان منتخب پچاس آدمیوں نے قسمیں کھالیں تو اہل محلّہ پر دیت واجب ہو جائے گی یہ لوگ قصاص اور جیل جانے سے قسمیں کھانے کی وجہ سے بچ گئے لیکن اگر یہ منتخب پچاس آدمی قسم کھانے سے انکار کر دیں تو ان کو جیل میں ڈالا جائے گا یہاں تک کہ یہ لوگ یا قتل کا اقرار کریں یا قسمیں کھائیں اس مسلک سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مقتول کے ورثاء یعنی مدعیان پر کسی صورت میں قسم نہیں آئے گی دوسری بات یہ کہ قسم نہ کھانے سے قسامہ میں قصاص نہیں آتا ہر حالت میں دیت ہی ہے کیونکہ قسامہ کی کسی حدیث میں قصاص کا ذکر نہیں آیا ہے۔

شوافع اور مالکیہ کی ترتیب اور مسلک

شوافع اور مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ اولیاء مقتول نے جب اہل محلّہ پر مقتول کے قتل کا دعوی کر دیا تو یہ مدعی ہوئے اور

محلہ والے مدعا علیھم ہوئے اگر یہاں لوث کی صورت ہے یعنی کسی پر قتل کے نشانات موجود ہیں تو مقتول کے اولیاء سے پچاس قسمیں لی جائیں گی کہ تم قسمیں کھا کر بتادو کہ قاتل کون ہے اگر ان پچاس آدمیوں نے قسمیں کھائیں کہ فلاں آدمی قاتل ہے اب اگر دعویٰ قتل خطاء کا ہے تو ان لوگوں پر دیت لازم آجائے گی اور اگر قتل عمد کا دعویٰ ہے تو امام شافعیؒ کا مختار قول یہ ہے کہ دیت ہی واجب ہوگی لیکن امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اور امام شافعیؒ کے ایک قول کے مطابق قاتل پر قصاص آئے گا۔

اور اگر اولیاء مقتول نے قسمیں کھانے سے انکار کیا تو اب قسمیں محلہ کے پچاس آدمیوں سے لی جائیں گی اسی طرح اگر لوث کی صورت نہ ہو تو اس وقت بھی قسمیں اہل محلہ پر آئیں گی۔

اگر اہل محلہ نے قسمیں کھائیں کہ نہ ہم نے قتل کیا ہے اور نہ ہم کو قاتل کا علم ہے تو محلہ والے دیت اور قصاص سے آزاد ہو جائیں گے اور اگر محلہ والے قسمیں کھانے سے انکار کردیں تو اب ان پر دیت واجب ہو جائے گی۔

جمہور کے اس مسلک سے ایک یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل محلہ پر قسم صرف اس صورت میں آئے گی جبکہ لوث کی صورت نہ ہو اور یا صرف اس صورت میں ان پر قسم آئے گی جبکہ اولیاء مقتول قسم کھانے سے انکار کردیں۔ دوسری بات یہ واضح ہوگئی کہ قسمیں کھانے کے لئے اصل ذمہ دار اولیاء مقتول ہیں جبکہ لوث موجود ہو خلاصہ یہ کہ احناف کے نزدیک اولیاء مقتول پر کسی بھی صورت میں قسمیں نہیں آتیں اور جمہور کے نزدیک لوث کی صورت میں اولیاء مقتول پر قسمیں آتی ہیں نیز احناف کے نزدیک اہل محلہ ہر صورت میں دیت کے ذمہ دار ہیں خواہ وہ قسمیں کھائیں یا قتل کا اقرار کریں یہ اس لئے کہ خون مسلم رائیگاں نہ جائے جمہور کہتے ہیں کہ قسمیں کھانے سے محلہ والے دیت سے آزاد ہو جائیں گے۔

دلائل

قسامہ کی احادیث میں مختلف اور متضاد الفاظ آئے ہیں تو فقہاء کرام نے اجتہادی انداز سے ان الفاظ سے اپنے مدعا پر دلیل پیش کی ہے چنانچہ امام مالکؒ وجوب قصاص کے لئے ان الفاظ سے استدلال فرماتے ہیں جو سھل بن ابی حثمہؓ کی روایت میں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء مقتول سے فرمایا" **استحقو اقتیلکم ای قصاص قتیلکم**" امام شافعیؒ اور امام مالک اولیاء مقتول سے قسمیں لینے کے لئے اسی حدیث کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں" **بایمان خمسین منکم و فی روایة تحلفون خمسین یمیناً**"

ائمہ احناف اولیاء مقتول سے قسمیں نہ لینے کے لئے اس مشہور حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو درحقیقت دین کے تمام معاملات کے لئے ایک ضابطہ ہے یعنی " **البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر**" ائمہ احناف نے باب القسامۃ کی رافع بن خدیج کی روایت سے استدلال کیا ہے جو فصل ثالث میں قسامہ کی دوسری حدیث ہے جس میں واضح طور پر مدعیان سے گواہ طلب کئے گئے اور پھر مدعا علیھم سے قسم لینے کی ترتیب مذکور ہے۔

الجواب :

ائمہ احناف وغیرہ امام مالکؒ کو قصاص کے بارے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ قسامہ کی جتنی احادیث ہیں کسی میں قصاص کا تذکرہ نہیں ہے سب میں دیت کا ذکر ہے لہٰذا قصاص کا قول ان روایات کی موجودگی میں مناسب بھی نہیں اور معتبر بھی نہیں۔ائمہ احناف امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور حنابلہ کو اولیاء مقتول پر قسمیں مقرر کرنے کے بارے میں یہ جواب دیتے ہیں کہ ابوداؤد شریف میں رافع بن خدیجؓ کی روایت میں جو تفصیل ہے اس کو اپنانا چاہئے اس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اولیاء مقتول سے، جو مدعی تھے فرمایا کہ تم اس قتل پر گواہ لے آؤ انہوں نے کہا کہ گواہ ہمارے پاس نہیں ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہود سے پچاس آدمیوں کی قسمیں لے لو انہوں نے کہا کہ یہود کی قسموں پر اعتماد نہیں ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور زجر و توبیخ اور بطور انکار فرمایا کہ کیا پھر تم خود قسمیں کھانا چاہتے ہو تو کھالو؟ یعنی ان کی قسمیں منظور نہیں تو پھر تم خود قسمیں کھاؤ گے حالانکہ تم مدعی ہو اور مدعی کے لئے قسم کھانا نہیں کیونکہ مشہور حدیث ہے "البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر" اس واضح حدیث کے مقابلہ میں قسامہ کی حدیثوں کے اشارات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔قسامہ کے بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی صحابہ کے مجمع میں مدعی علیہم سے قسمیں لے کر بطور اجماع واضح فرمادیا کہ اولیاء مقتول پر قسمیں نہیں ہیں۔

دفع تضاد

باب القسامہ میں صاحب مشکوۃ نے صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں اور امام مسلم نے کئی حدیثیں ذکر کی ہیں ان احادیث میں چند الفاظ ایسے ہیں جن میں آپس میں تضاد و تعارض ہے کیونکہ قسامہ کی دیگر تمام روایات کو دیکھنے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) بعض روایات میں بینہ کا ذکر ہے اور بعض میں بینہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔

(۲) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اولیاء مقتول سے قسمیں کھانے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مدعا علیھم سے قسموں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

(۳) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے قسمیں کھائی تھیں اور بعض سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے انکار کیا ہے۔

(۴) بعض روایات میں آیا ہے کہ مقتول کی دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی تھی اور بعض روایات میں ہے کہ یہود نے دیت ادا کی تھی۔اس تضاد کی وضاحت اس طرح ہے کہ جہاں بینہ کا تذکرہ روایات میں نہیں ملتا تو وہ عدم وجدان بینہ کی وجہ سے ہے ورنہ بینہ کا ذکر موجود ہے اور جہاں مدعی سے قسم کا مطالبہ معلوم ہوتا ہے تو وہ درحقیقت استفہام انکاری

ہے۔اور جہاں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے قسمیں کھائی ہیں تو اصل میں یہود نے محکمہ قضاء سے باہر قسمیں کھائیں لیکن عدالت کے اندر انکار کر دیا۔اور جہاں روایات میں مذکور ہے کہ دیت آنحضرت نے ادا فرمائی تو اصل میں دیت کا کچھ حصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمایا اور کچھ یہود نے ادا کر دیا تنازع کو دفع کرنے کے لئے تیس اونٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے اور ستر اونٹ یہود نے دید یئے تھے۔ان تفصیلات کے بعد اب احادیث کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

قسامت میں مدعی سے قسم لی جائے یا مدعا علیہ سے

الفصل الاول

﴿۱﴾عَن رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ وَسَهْلِ بْنِ اَبِي حَثْمَةَ اَنَّهُمَا حَدَّثَا اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ اَتَيَا خَيْبَرَ فَتَفَرَّقَا فِي النَّخْلِ فَقُتِلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَهْلٍ فَجَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ وَحُوَيِّصَةُ وَمُحَيِّصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَكَلَّمُوا فِي اَمْرِ صَاحِبِهِمْ فَبَدَأَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ وَكَانَ اَصْغَرَ الْقَوْمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبِّرِ الْكُبْرَ قَالَ يَحْيَ بْنُ سَعِيدٍ يَعْنِي لِيَلِيَ الْكَلَامَ الْاَكْبَرُ فَتَكَلَّمُوا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَحِقُّوا قَتِيلَكُمْ اَوْقَالَ صَاحِبَكُمْ بِاَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْكُمْ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ اَمْرٌ لَمْ نَرَهُ قَالَ فَتُبْرِئُكُمْ يَهُودُ فِي اَيْمَانِ خَمْسِيْنَ مِنْهُمْ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ قَوْمٌ كُفَّارٌ فَفَدَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِهِ وَفِي رِوَايَةٍ تَحْلِفُونَ خَمْسِيْنَ يَمِيْنًا وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ اَوْصَاحِبَكُمْ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهِ بِمِائَةِ نَاقَةٍ (متفق عليه) وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

حضرت رافعؓ ابن خدیج اور حضرت سہلؓ ابن ابی حثمہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ عبداللہؓ ابن سہل اور محیصہؓ ابن مسعود خیبر آئے تو (ایک دن سیر کرتے ہوئے) دونوں کھجور کے درختوں میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے (یعنی ایک کسی اور سمت کو نکل گیا اور دوسرا کسی اور سمت چلا گیا) چنانچہ عبداللہ ابن سہل کو (اکیلا پا کر) کسی نے قتل کر دیا (اور اس حادثہ کے بعد) عبدالرحمٰنؓ ابن سہل (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے) اور مسعود کے دونوں بیٹے حویصہؓ اور محیصہؓ (جو مقتول کے چچازاد بھائی تھے) نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز مقتول کے بارے میں مقدمہ پیش کیا، جب عبدالرحمٰن نے گفتگو کی ابتداء کی (جو مقتول کے حقیقی بھائی تھے اور) تینوں میں سب سے چھوٹے تھے تو نبی کریمؐ نے ان سے فرمایا کہ اپنے بڑے کی بڑائی کو ملحوظ رکھو، (یعنی تم تینوں میں جو شخص سب سے بڑا ہے اس کو گفتگو کی ابتداء کرنے دو) حضرت یحییٰ ابن سعید (جو اس حدیث کے راوی ہیں) کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی سے آپؐ کی

مراد یہ تھی کہ جو شخص سب سے بڑا ہو وہ گفتگو کا ذمہ دار ہو، چنانچہ (اس کے بعد) انہوں نے (یعنی ان کے بڑے نے) گفتگو کی نبی کریمؐ نے فرمایا کہ "اگر تم میں سے پچاس آدمی قسم کھالیں تو تم اپنے مقتول یا (اپنے مقتول کی بجائے) یہ فرمایا کہ اپنے ساتھی کا خون بہا یا قصاص لینے کے مستحق ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ایسی چیز ہے جس کو ہم نے نہیں دیکھا ہے (یعنی ہم یہ قطعاً نہیں جانتے کہ مقتول کو کس شخص نے قتل کیا ہے) آپؐ نے فرمایا، پچاس یہودی قسم کھا کر (تمہارے اس شبہ سے) تمہیں پاک کر دیں گے (یعنی وہ یہ قسم کھالیں گے کہ مقتول کو ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور اس طرح ان پر جو قتل کا شبہ یا الزام ہے اس کو وہ ختم کر دیں گے) انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ وہ کافر ہیں (ان کی قسموں کا کیا اعتبار) چنانچہ رسول کریمؐ نے (فتنہ دفع کرنے کے لئے) مقتول کے ورثاء کو اپنی طرف سے خون بہا ادا کر دیا اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (آپؐ نے فرمایا) تم پچاس قسمیں کھاؤ اور اپنے مقتول۔ یا یہ۔ فرمایا کہ اپنے ساتھی کے خون بہا کے مستحق ہو جاؤ (اس کے بعد) آپؐ نے اپنی طرف سے سو اونٹ خون بہا میں ادا کر دیئے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح:

فتفرقا في النخل :. یعنی عبداللہ بن سہلؓ اور حویصہ بن مسعودؓ خیبر گئے ہوئے تھے کیونکہ خیبر کے فتح ہونے کے بعد اس کی زمین مسلمانوں میں تقسیم ہوگئی تھی تو مسلمان کبھی کبھی اپنی زمینیں دیکھنے کی غرض سے وہاں جاتے تھے یہود ویسے بھی مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اس پر مزید یہ کہ وہ ان زمینوں کو اپنا حق سمجھتے تھے اس لئے وہ وہاں وقتاً فوقتاً حالات خراب کر کے بدامنی پھیلاتے تھے اسی ماحول میں یہ دو صحابی وہاں گئے ہوئے تھے اور جب ایک دوسرے سے الگ ہوئے تو موقع پا کر یہود خیبر نے عبداللہ بن سہل کو باغات میں شہید کر دیا انہیں یہود نے بعد میں خیبر میں حالات مزید خراب کر دیئے اور بدامنی کے ساتھ وہاں فحاشی عروج پر پہنچ گئی تو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سرزمین شام کی طرف دھکیل دیا۔

"**کبر الکبر**" اس حدیث سے ایک یہ ادب ملا کہ احترام و اکرام اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مجلس میں چھوٹے خاموش رہیں اور گفتگو بڑے حضرات کریں۔

نیز اس حدیث سے ایک تعلیم یہ ملی کہ حدود میں وکالت جائز ہے اور غائب کے ساتھ ساتھ حاضر کی وکالت بھی جائز ہے یہاں مقتول کے ولی اور حقیقی بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن سہل موجود تھے لیکن چھوٹے ہونے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام کرنے کا حکم دوسروں کو دیا جو بڑے تھے اور چچا کے لڑکے تھے اس حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ قسامت

میں مدعی سے پہلے قسم لی جائے یہ جمہور کا مسلک ہے احناف کی دلیل آنے والی روایت میں ہے۔

قسم کی ابتداء مدعا علیہ سے ہونی چاہئے۔

الفصل الثالث

﴿۲﴾ عن رَافِعِ بنِ خَدِيجٍ قَالَ اَصْبَحَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ مَقْتُولًا بِخَيْبَرَ فَانْطَلَقَ اَوْلِيَاءُ هُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ اَلَكُمْ شَاهِدَانِ يَشْهَدَانِ عَلَى قَاتِلِ صَاحِبِكُمْ قَالُوا يَارَسُولَ اللّٰهِ لَمْ يَكُنْ ثَمَّ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّمَا هُمْ يَهُوْدُ وَقَدْ يَجْتَرِؤُنَ عَلَى اَعْظَمَ مِنْ هٰذَا قَالَ فَاخْتَارُوا مِنْهُمْ خَمْسِيْنَ فَاسْتَحْلِفُوْهُمْ فَاَبَوْا فَوَدَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عِنْدِهٖ (رواه ابو داؤد)

حضرت رافع ابن خدیج کہتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص (یعنی عبداللہ ابن سہل) خیبر میں قتل کر دیئے گئے چنانچہ ان کے ورثاء (یعنی ان کے بیٹے اور چچازاد بھائی) رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، آنحضرتؐ نے (ان سے) فرمایا کہ ''کیا تمہارے پاس دو گواہ ہیں جو تمہارے مقتول کے قاتل کے بارے میں گواہی دیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہاں کوئی مسلمان تو موجود نہیں تھا البتہ یہود تھے (جو ظلم کرنے، فتنہ وفساد پھیلانے اور حیلہ گری میں بہت مشہور ہیں) وہ تو اس سے بھی بڑے کام کی جرات رکھتے ہیں (جیسے انبیاء کو قتل کر دینا، کلام اللہ میں تحریف کرنا اور احکام خداوندی سے صریحاً سرکشی کرنا) آپ نے فرمایا ''اچھا تم ان میں سے پچاس آدمیوں کو منتخب کرلو اور ان سے قسمیں لو'' لیکن مقتول کے ورثاء نے یہودیوں سے قسم لینے سے انکار کر دیا (کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ اتنے مکار ہیں کہ جھوٹی قسمیں کھالیں گے) چنانچہ رسول کریمؐ نے اس مقتول کا خون بہا اپنے پاس سے دے دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

الکم شاهدان: یہ حدیث اس پر واضح دلالت کرتی ہے کہ قسامت میں مدعی سے پہلے گواہ طلب کئے جائیں گے اگر گواہ نہ ہوں تو پھر مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور یہی شریعت کا عام ضابطہ بھی ہے اور اسی پر احناف کا عمل ہے ''البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر'' احناف کہتے ہیں کہ اس روایت سے پہلی روایت میں اجمال ہے اور ممکن ہے کہ بیان کرنے میں راویوں سے تقدیم تاخیر ہوئی ہو لہٰذا اس مجمل کے مقابلہ میں یہ مفسر روایت لینا زیادہ مناسب ہے اور صاحب مشکوٰۃ کا طرز بیان بھی اس طرح ہے کہ وہ آنے والی روایت کو بطور تفسیر اور بطور وضاحت لاتا ہے۔

باب قتل اهل الردة و السعاة بالفساد

مرتدوں اور فسادیوں کو قتل کرنے کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله و يسعون فى الارض فسادا ان يقتلوا او يصلبوا﴾

الردة: یہ باب مرتد کے قتل اور فساد برپا کردینے والوں کے قتل سے متعلق ہے۔

ارتدَّ یرتدُّ ارتدادا، پھر جانے اور لوٹنے کے معنی میں ہے، جو آدمی اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھرتا ہے اسے مرتد کہتے ہیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ردۃ وارتداد کی تعریف اس طرح فرمائی ہے، وجود ایمان کے بعد زبان پر کلمہ کفر لانے کا نام ردۃ وارتداد ہے، یعنی زبان پر ایسا کلمہ آجائے جو ضروریات دین کے انکار پر مبنی ہو یا تکذیب پر مبنی ہو یا دین کے کسی حکم کے استہزاء پر مبنی ہو، یا قصداً ایسا فعل سرزد ہو جائے جو استہزاء اور استخفاف دین پر دلالت کرتا ہو، ارتداد کے لئے آدمی کا عاقل ہونا شرط ہے اور بالغ ہونا بھی شرط ہے لہٰذا مجنون یا نابالغ بچے پر ارتداد کا حکم نافذ نہیں ہوتا۔ جو آدمی مرتد ہو جائے تو اس پر دوبارہ اسلام پیش کیا جائے گا اگر اس کا کوئی شک اور شبہ ہو تو اس کو دور کیا جائے گا اسی مقصد کے لئے مرتد کو تین دن کی مہلت دی جائے گی اگر ان دنوں میں وہ پھر اسلام میں داخل ہوا تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کیا جائے گا مرتد کو اسلام کی دوبارہ دعوت دینا مستحب حکم ہے واجب نہیں ہے کیونکہ ایک دفعہ واجب دعوت اس کو پہنچ چکی ہے اگر مرتد مہلت مانگتا ہے تو امام شافعیؒ کے نزدیک تین دن تک کی مہلت دینا واجب ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مہلت دینا واجب اور ضروری نہیں ہے کیونکہ "**من بدل دينه فاقتلوه**" کی جو حدیث ہے اس میں مہلت دینے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بہرحال تین دن تک اس مرتد کی بات سنی جائے گی اور اس کو خوب سمجھنے سمجھانے کا موقع دیا جانا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ اس کو جیل میں رکھا جائے اگر وہ باز نہیں آیا تو اس کو قتل کردیا جائے گا۔

عورت اگر اسلام سے پھر جائے تو احناف کے ہاں اس کی سزا جیل ہے اور سمجھانا ہے قتل کرنا نہیں ہے کیونکہ کئی احادیث میں عورتوں کے قتل کرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا ہے نیز عورت ناقص العقل ہے اور دشمن کی صفوں میں مل کر لڑنے کے قابل بھی نہیں ہے ہاں اگر کوئی کافرہ عورت سرداری کرتی ہو یا مال دیتی ہو تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

ائمہ شوافعؒ وغیرہ عورت کے قتل کے قائل ہیں ان کی دلیل حدیث کا عموم ہے جس میں ہے کہ "**من بدل دينه فاقتلوه**" ان کے ہاں یہ حدیث مرتدہ عورت کے قتل کو بھی شامل ہے بہرحال اسلام ایک ہمہ گیر آفاقی دین ہے جو دین

فطرت ہے اس سے آج تک ایک شخص بھی اس لئے مرتد نہیں ہوا کہ اس کو اسلام ناپسند آیا یا اسلام میں اس کو کوئی نقص نظر آیا جتنے لوگ اسلام سے مرتد ہوئے ہیں وہ دنیوی اغراض و مفادات اور خواہشات کا شکار ہو کر مرتد ہوئے ہیں۔ پھر اگر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی مرتد ہو کر اسلام سے پھر گیا ہے تو تاریخ گواہ ہے کہ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے اس مرتد سے کئی گنا بہتر آدمی کو اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

"سعـــاۃ" یہ ساعی کی جمع ہے جو محنت اور کوشش کرنے کے معنی میں ہے یہاں اس سے ایسا آدمی مراد ہے جو دین اسلام اور مسلمانوں میں فساد برپا کرنے کی کوشش کررہا ہو، ''سعاۃ'' کا مصداق راہزن ڈاکو اور قطاع الطریق قسم کے لوگ ہیں چنانچہ ﴿انما جزا الذین یحاربون اللہ و رسولہ﴾ آیت میں انہیں لوگوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔

ارتداد کی صورتیں

مرتد اور ارتداد کی کئی صورتیں ہوتی ہیں سب کا ذکر کرنا مشکل ہے البتہ چند اصولی صورتوں کا تذکرہ کرنا ضروری ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں سے کسی کا انکار یا توہین کرنا، انبیاء کرام میں سے کسی کا انکار یا توہین کرنا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف کسی نامناسب بات کو منسوب کرنا، کلمات کفر بکنا اور موجب کفر افعال کا ارتکاب کرنا قرآن مجید کا انکار کرنا یا اسے ناقص و محرف سمجھنا یا قولاً و فعلاً اس کی توہین کرنا، نمازوں اور دیگر عبادات کا انکار کرنا اور اس کی توہین کرنا علم دین اور علماء اسلام کے متعلق موجب کفر قول و فعل کا ارتکاب کرنا، حرام کو حلال اور حلال کو حرام کہنا قیامت کا انکار کرنا یا اس کے متعلق شریعت کے منافی عقیدہ رکھنا، عالم بالا اور فرشتوں کا انکار یا اس کی توہین و تحقیر کرنا جنت و دوزخ کا انکار یا ان کا مذاق اڑانا یہ سب باعث ارتداد اقوال وافعال ہیں۔

مرتدین کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہوتا ہے صدیق اکبرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مرتدین کے خلاف ایک سال تک جہاد کیا تھا طرفین کے ساٹھ ہزار آدمی مارے گئے تھے تب جا کر جزیرہ عرب میں اسلام اس نہج پر آ گیا جو عہد نبویؐ میں تھا۔

مرتدوں اور فسادیوں کو قتل کر دینے کا بیان

الفصل الاول

﴿۱﴾وعن عِكْرِمَةَ قَالَ أُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذٰلِكَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ كُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ لِنَهْيِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰهِ وَلَقَتَلْتُهُمْ لِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ (رواه البخاری)

حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ زندیق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لائے گئے تو انہوں نے ان کو جلا ڈالا پھر جب اس بات کی خبر حضرت ابن عباسؓ کو ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول کریمؐ نے یہ ممانعت فرمائی ہے کہ کسی شخص کو ایسے عذاب میں مبتلا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرح ہو (جیسے کسی کو آگ میں جلانا) بلکہ میں ان کو قتل کر دیتا کیونکہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل ڈالے اس کو قتل کر دو۔ (بخاری)

توضیح

اتی بزنادقة: زنادقہ زندیق کی جمع ہے اور زندیق کی تفسیر وتشریح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ زندیق ایسا شخص ہے جو اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتا ہے لیکن دین اسلام کے احکامات اور ضروریات دین کی ایسی تفسیر وتشریح کرتا ہے جو سلف صالحین اور صحابہ وتابعین کی تشریح وتوضیح کے خلاف ہو یا شریعت کے کسی ثابت شدہ قطعی حکم مثلاً جنت ودوزخ کو مانتا ہے لیکن ان دونوں کی اپنی طرف سے من گھڑت خود ساختہ تشریح کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جنت کوئی خاص جگہ ومقام نہیں بلکہ جنت سے مراد قلبی راحت واطمینان ہے اور دوزخ سے مراد قلبی غم اور پریشانی ہے خارج میں ان دونوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔
بعض نے کہا کہ زندیق وہ ہوتا ہے جو اسلام کے منافی عقائد رکھتا ہے اور اس کا پرچار واظہار بھی کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اسلام کا دعوی بھی کرتا ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اصل میں زندیق مجوسیوں کی ایک قوم کا نام ہے جو زرتشت مجوسی کی گھڑی ہوئی کتاب ''زند'' کے پیروکار ہیں لیکن عام اصطلاح میں ہر ملحد فی الدین کو زندیق کہا جاتا ہے۔

بعض علماء نے عبداللہ بن سبا یہودی منافق کی قوم کے افراد کو زندیق کہا ہے۔ جنہوں نے حضرت علی کو خدا کہدیا حضرت علی ان کو منع فرماتے رہے لیکن ان لوگوں نے کہا کہ حضرت علی تواضع کرتے ہیں یہی علی اوپر عرش پر اللہ تھے (العیاذ باللہ) اور نیچے حضرت علی کی شکل میں اتر آئے ہیں حضرت علیؓ نے ان کو سمجھایا مگر یہ لوگ باز نہیں آئے کیونکہ یہ لوگ فتنہ وفساد برپا کرنے کے لئے اسلام میں آئے تھے۔

حضرت علیؓ نے ان کے جلانے کا حکم دیدیا اور گڑھے کھدوا کر اس میں آگ بھڑکا دی۔ اور ان سب کو جلا ڈالا۔ جب حضرت علیؓ نے ان کو جلا ڈالا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر میں علی کی جگہ ہوتا تو میں ان کو آگ میں جلانے کے بجائے قتل کر دیتا یا کسی اور ذریعہ سے مار ڈالتا کیونکہ آگ کے ذریعہ قتل کرنا اللہ کا حق ہے زندیق اور منافق میں یہ فرق ہوتا ہے کہ منافق اپنے غلط عقائد کو چھپاتا ہے لیکن زندیق اپنے عقائد کو ظاہر کرتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ زندیق کی توبہ معتبر نہیں ہے لہٰذا اس کی توبہ و استغفار کی کوئی ضرورت نہیں اس کو قتل کرنا ہے لیکن بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ زندیق کی توبہ جائز اور قبول ہے۔ امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ راجح اور صحیح یہی ہے کہ زندیق کی توبہ قبول ہے کیونکہ توبہ کی احادیث مطلق ہیں اور صحیح ہیں اگر چہ زندیق کی توبہ قبول ہونے یا نہ ہونے میں پانچ اقوال ہیں (کذافی المرقات ج ص ۱۰۶)

حضرت ابن عباسؓ کی رائے کو جب حضرت علی نے سنا تو زنادقہ کو جلانا بند کر دیا اور فرمایا ابن عباس کا قول سچا ہے معلوم ہوا کہ حضرت علی اجتہاد کے طور پر ان کو جلاتے تھے تا کہ دوسروں کے لئے عبرت بن جائے اور حضرت علیؓ کو خدا کہنے کا یہ جرم کوئی دوسرا شخص نہ کرے۔

کسی کو آگ میں جلانے کی سزا نہ دو

﴿۲﴾ وعن عبدالله بن عباسٍ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن النار لا يعذب بها إلا الله (رواه البخاري)

اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا آگ کے عذاب میں تو صرف اللہ تعالیٰ مبتلا کرتا ہے (لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو اس کے کسی جرم کی وجہ سے آگ میں جلانے کی سزا دے)۔ (بخاری)

فرقہ خوارج کی نشاندہی

﴿۳﴾ وعن عليٍّ قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول سيخرج قومٌ في آخر الزمان حُدَّاثُ الأسنان سفهاء الأحلام يقولون من خير قول البرية لا يجاوز إيمانهم حناجرهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية فأينما لقيتموهم فاقتلوهم فإن في قتلهم أجرًا لمن قتلهم يوم القيامة (متفق عليه)

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب اس زمانہ کے آخر میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوجوان ہوں گے ہلکی عقل والے ہوں گے لوگوں کو اچھی باتیں بیان کریں گے لیکن ان کا ایمان ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا (ایمان سے مراد نماز ہے یعنی ان کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی) اور وہ لوگ دین سے اس طرح نکل بھاگیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے لہٰذا تم میں سے جس شخص کی ایسے لوگوں سے مڈبھیڑ ہو جائے وہ انہیں قتل کر دے کیونکہ ان کے قتل کرنے کا اس شخص کو قیامت

کے دن انعام ملے گا جو انہیں قتل کرے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح

حداث الاسنان: حداث میں دال مشدد ہے یہ حدیث کی جمع ہے مگر خلاف القیاس ہے اس سے نوعمر نوجوان مراد ہیں۔ "اسنان" سن کی جمع ہے دانتوں کو کہتے ہیں عمر سے کنایہ ہے کیونکہ دانتوں کے اعتبار سے عمر بدلتی ہے "**سفهاء**" سفیہ کی جمع ہے کمزور عقل والا، مراد بے عقل اور بے وقوف ہے "**الاحلام**" حلم کی جمع ہے ہا پر کسرہ ہے عقل کو کہتے ہیں "**خیر قول البریه**" بریہ کا لفظ زمین کے اوپر موجود مخلوق پر بولا جاتا ہے یعنی اچھے اچھے لوگوں کی اچھی اچھی باتیں نقل کر کے بیان کریں گے، یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مشکوٰۃ شریف کے تمام نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے کہ خیر کا لفظ قول پر مقدم ہے مگر مصابیح میں قول کا لفظ خیر کے لفظ پر مقدم ہے عبارت اس طرح ہے "**من قول خیر البریة**" شیخ اشرفؒ فرماتے ہیں کہ خیر البریۃ سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی باتیں کریں گے بعض نے خیر البریۃ سے مراد قرآن لیا ہے یعنی قرآن کی آیات پڑھیں گے مگر اس پر ایمان نہیں لائیں گے ایمان صرف زبان پر ہوگا دل ایمان سے خالی ہوگا۔

"**حناجر**" **حنجرة** کی جمع ہے حلقوم اور گلا مراد ہے۔

"**یمرقون من الدین**" **مرق یمرق مرقاً** نصر ینصر سے نکلنے کے معنی میں ہے اور "**الدین**" سے ملا علی قاری نے وقت کے برحق بادشاہ کی اطاعت مراد لیا ہے یعنی دین سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسا کہ شکار پر پھینکا ہوا تیر شکار کے بیچ سے تیزی سے نکلتا ہے اور خون سے بالکل آلودہ نہیں ہوتا ہے یہ لوگ بھی اسی طرح اسلام سے صاف صاف نکل جائیں گے اور ان پر اسلام کا کوئی اثر نظر نہیں آئے گا اس پیش گوئی کا مصداق خوارج ہیں۔

خوارج کی شرعی حیثیت کیا ہے

علامہ خطابی خوارج کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ ہے مگر گمراہی نے ان کو گھیر لیا ہے ان کا ذبیحہ حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

حضرت علیؓ سے خوارج کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کفر سے تو یہ لوگ بھاگ کر چلے گئے ہیں پوچھا گیا کہ کیا یہ منافق ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ منافقین ذکر نہیں کرتے ہیں یہ لوگ تو صبح و شام اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ پوچھا گیا کہ پھر یہ لوگ کون ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ ایک فرقہ ہے کہ جس کو گمراہی نے گھیر رکھا ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

ایک ہی بس لفظ سے ہے دونوں فرقوں کا خروج　　خائے خر سے خارجی اور رائے خر سے رافضی

توضیحات جلد اول ۳۱۴ پر منکرین تقدیر کی تکفیر اور عدم تکفیر کی بحث کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان تنازعہ کے دوران واقعہ تحکیم کے موقع پر خوارج پیدا ہو گئے تھے یہ حضرت علیؓ کے ساتھی تھے اور آپ ہی کے خلاف خروج کیا اور کوفہ کے پاس ''حروارا'' مقام میں جمع ہو گئے ان کی تعداد چھ ہزار تھی جنگ نہروان میں حضرت علیؓ نے ان کو شکست دیکر قتل کر دیا آج کل سلطنت عمان کا فرمانروا سلطان قابوس خوارج میں سے ہے اور اس ملک میں خوارج کا زور ہے۔ مزید تفصیل آرہی ہے۔

خوارج کے بارے میں حضورؐ کی پیش گوئی

﴿۴﴾ وعن اَبِی سَعِیدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَکُونُ اُمَّتِی فِرْقَتَیْنِ فَیَخْرُجُ مِنْ بَیْنِهِمَا مَارِقَةٌ یَلِی قَتْلَهُمْ اَوْلَاهُمْ بِالْحَقِّ (رواه مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ دنوں بعد میری امت دو فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان دونوں فرقوں میں سے ایک ایسی جماعت پیدا ہوگی جو حق کی اطاعت سے نکلنے والی ہوگی اس جماعت کو موت کے گھاٹ اتارنے کی ذمہ داری ان دونوں فرقوں میں سے وہ شخص پورا کرے گا جو حق سے زیادہ قریب ہوگا۔ (مسلم)

توضیح

فرقتین: ان دو فرقوں سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے حامی دو فرقے مراد ہیں ان میں سے ایک فرقہ شیعان علی یعنی حامیان علیؓ کے نام سے مشہور تھا اور دوسرا فرقہ شیعان معاویہؓ کے نام سے مشہور تھا۔ ''**مارقة**'' نصر ینصر سے نکلنے کے معنی میں ہے ''**ای جماعة مارقة**'' یعنی امیر کی اطاعت سے نکلنے والا فرقہ اس سے مراد خوارج ہیں جو واقعہ تحکیم کے وقت پیدا ہوئے ''**ان الحکم الا للّٰه**'' کے نعرے لگاتے تھے حضرت علیؓ کو کافر قرار دیا اور ان کے خلاف جنگ شروع کی جنگ نہروان میں حصرت علیؓ نے ان کے چھ ہزار آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

''**یلی قتلهم اولاهم بالحق**'' اس کلام کا مصداق حضرت علی مرتضیٰؓ ہیں آپ نے خوارج سے کئی جنگیں لڑی ہیں جنگ نہروان میں آپ نے کئی ہزار خوارج کو ہلاک کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے آپس کے تنازعات میں حضرت علیؓ حق پر تھے اور ہم حضرت معاویہؓ کو بھی برا نہیں کہتے کیونکہ وہ اجتہادی غلطی پر تھے اس جملہ میں بھی حضرت علیؓ کے مقابلے میں آپ کو حق پر مانا گیا ہے لیکن حضرت علیؓ کو اولی واقدم بالحق کہا گیا ہے۔

مسلمان کے قتل سے آدمی کفر کے قریب ہو جاتا ہے

﴿۵﴾وعن جَرِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ لَاتَرْجِعُنَّ بَعْدِى كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ (متفق عليه)

اور حضرت جریرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خبردار میرے بعد کفر کے ذریعہ پیچھے نہ پھر جانا کہ تم میں سے ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

" کفارا" جو شخص کسی مسلمان کے ناحق قتل کو حلال سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے دوسرا مطلب یہ کہ یہاں حقیقی کفر مراد نہیں بلکہ کافروں والا کام مراد ہے کہ اس شخص نے کفار کی طرح فعل کا ارتکاب کیا تیسرا جواب یہ کہ یہ شخص اس عمل سے کفر کے قریب ہو گیا یہ جوابات اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا۔

﴿۶﴾وعن اَبِى بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ حَمَلَ اَحَدُهُمَا عَلَى اَخِيْهِ السِّلَاحَ فَهُمَا فِي جُرُفِ جَهَنَّمَ فَاِذَا قَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ دَخَلَاهَا جَمِيْعًا ،وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ قُلْتُ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَابَالُ الْمَقْتُوْلِ قَالَ اِنَّهُ كَانَ حَرِيْصًا عَلَى قَتْلِ صَاحِبِهِ (متفق عليه)

اور حضرت ابوبکرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب دو مسلمانوں کی آپس میں اس طرح مڈبھیڑ ہو کہ ان میں کا ایک اپنے دوسرے (مسلمان) بھائی پر ہتھیار اٹھائے تو وہ دونوں دوزخ کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں ایک ساتھ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ایک روایت میں ابوبکرہؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا اگر دو مسلمانوں کی آپس میں تلوار کے ساتھ مڈبھیڑ ہو اور ان میں کا ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل ومقتول دونوں ہی دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے میں نے عرض کیا کہ قاتل کا دوزخ میں جانا تو ظاہر ہے کہ اس نے چونکہ ظلم کیا ہے اس لئے وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا مگر مقتول کے بارہ میں ایسا کیوں ہے؟ کہ وہ تو مظلوم ہے اس کو دوزخ میں کیوں ڈالا جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی (یعنی حریف) کو قتل کرنے پر آمادہ تھا (یہ اور بات ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور دوسرے کا وار بھرپور پڑا)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

"جرف جهنم" دوزخ کے کنارہ کو جرف کہا گیا ہے کیونکہ جرف سیلاب سے زمین کے اس کٹے ہوئے حصے کو کہتے ہیں کہ جس کے کنارے بہت ہی کمزور ہو چکے ہوں۔ "فالقاقل و المقتول" قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں اس وقت ہوں گے جب کہ دونوں میں سے ایک بھی حق پر نہ ہو اور جب ایک حق پر ہو تو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ "حریص" یعنی مقتول کے دل میں قاتل کے قتل کا زبردست جذبہ تھا اور عزم کا درجہ تھا کہ میں اس قاتل کو قتل کردوں لیکن قاتل اس کے قتل پر پہلے کامیاب ہو گیا اگر اس مقتول کے دل میں قاتل کے قتل کا منصوبہ نہ ہو اور جب قاتل حملہ آور ہوا تو یہ مقتول صرف دفاع کرتا تھا اس صورت میں اس سے مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ اسلام نے اس کو اس صورت میں دفاع کا حق دیا ہے۔

مرتد اور قزاقوں کی سزا

﴿۷﴾وعن انسٍ قَالَ قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نفرٌ مِنْ عُكْلٍ فَاَسْلَمُوا فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَأْتُوْا اِبِلَ الصَّدَقَةِ فَيَشْرَبُوْا مِنْ اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَفَعَلُوْا فَصَحُّوْا فَارْتَدُّوْا وَقَتَلُوْا رُعَاتَهَا وَاسْتَاقُوا الْاِبِلَ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَاُتِيَ بِهِمْ فَقَطَعَ اَيْدِيَهُمْ وَاَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ اَعْيُنَهُمْ ثُمَّ لَمْ يَحْسِمْهُمْ حَتّٰى مَاتُوا، وَفِي رِوَايَةٍ فَسَمَّرُوْا اَعْيُنَهُمْ، وَفِي رِوَايَةٍ اَمَرَ بِمَسَامِيْرَ فَاُحْمِيَتْ فَكَحَلَهُمْ بِهَا وَطَرَحَهُمْ بِالْحَرَّةِ يَسْتَسْقُوْنَ فَمَا يُسْقَوْنَ حَتّٰى مَاتُوْا (متفق عليه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی خدمت میں قبیلہ عکل کے کچھ لوگ آئے اور اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی جس کی وجہ سے وہ اس مرض میں مبتلا ہو گئے کہ ان کے پیٹ پھول گئے اور رنگ زرد ہو گیا آنحضرتؐ نے انہیں حکم دیا کہ وہ شہر سے باہر زکوٰۃ کے اونٹوں کے رہنے کی جگہ چلے جائیں اور وہاں ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور اچھے ہو گئے پھر وہ (ایسی گمراہی میں مبتلا ہوئے کہ) مرتد ہو گئے اور (مستزاد یہ کہ) ان اونٹوں کے چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہانک کر لے گئے جب رسول کریمؐ کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کے پیچھے چند سواروں کو بھیجا جو ان سب کو پکڑ لائے۔ (ان کے اس جرم کی سزا کے طور پر آنحضرتؐ کے حکم سے) ان کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں یہاں تک کہ ان کے ہاتھوں اور پیروں کو گرم تیل میں داغا بھی نہیں گیا (یعنی جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ان اعضاء کو کاٹنے کے بعد گرم تیل میں داغ دیا جاتا ہے تا کہ خون بند ہو جائے لیکن ان کے ساتھ ایسا نہیں کیا گیا) آخر کار وہ سب مر گئے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح

"نفر" تین سے لے کر دس آدمیوں تک کی جماعت پر نفر کا لفظ بولا جاتا ہے کہتے ہیں کہ یہ لوگ آٹھ آدمی تھے۔
"من عکل" یہ ایک قبیلہ کا نام ہے بخاری کی بعض روایات میں اس کے ساتھ عرینہ کا لفظ بھی آیا ہے مگر شک کے ساتھ "او عرینة" کے الفاظ ہیں بعض روایات میں صرف عرینہ کا ذکر آیا ہے اور بخاری ہی کی ایک روایت میں "عکل وعرینة" عطف کے ساتھ آیا ہے اور یہی راجح اور کامل روایت ہے معجم طبرانی میں ہے کہ ان میں سے چار آدمی عرینہ قبیلہ سے تھے اور تین عکل سے تھے۔
"فاجتووا" اجتوا اس بیماری کو کہتے ہیں جو کسی علاقے کی آب وہوا کے ناموافق آنے سے لاحق ہوتی ہے جس سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ ان لوگوں کو مدینہ کی آب وہوا موافق نہیں آئی اور بیمار ہو گئے اور چہروں کے رنگ بدل گئے۔ "ابل الصدقة" چونکہ یہ لوگ مسافر بھی تھے اور فقراء بھی تھے اس لئے بیت المال کے اونٹوں سے ان کے لئے فائدہ اٹھانا جائز تھا "فیشربوا من ابوالها" امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کا گوشت پاک ہے ان کا پیشاب بھی پاک ہے اور مذکورہ روایت سے استدلال کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب نجس ہے ہاں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس قسم کے پیشاب کو دوائی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے خواہ حالت اختیار میں ہو یا حالت اضطرار ہو لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حالت اختیار میں کسی حرام کو بطور دوا استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل توضحات جلد اول ۶۵۹ پر مذکور ہے وہاں دیکھ لیا جائے

"رعاتها" رعات راعی کی جمع ہے چرواہوں کو کہتے ہیں۔ "استاقوا" اس میں سین اور تا مبالغہ کے لئے ہے مراد "ساقوا" ہے یعنی کامل اہتمام اور محنت کے ساتھ اونٹوں کو بھگا لے گئے "وسمل اعینهم" بعض روایات میں سمر کا لفظ آیا ہے علامہ ابن التینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کے معنی ایک ہی ہے کہ گرم سلاخوں سے ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں بعض روایات میں کحل کا لفظ بھی آیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے "ثم لم یحسمهم" یہ حسم سمع یسمع سے داغنے کے معنی میں ہے کیونکہ کسی زخم سے جب خون بہتا ہے اور بند نہیں ہوتا تو اس کو داغ دیا جاتا ہے کبھی کپڑے سے اور کبھی گرم تیل سے داغا جاتا ہے تب خون بند ہو جاتا ہے یہاں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ خون کو جاری رہنے دیا گیا۔

سوال:

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ سزا دینے کے معاملے میں نہایت سختی کی گئی ہے تو سوال یہ ہے کہ ان کے

ساتھ ایسا کیوں کیا گیا ہے؟

جواب:

اس سوال کا جواب تو یہ ہے کہ یہ مساوات فی القصاص تھا کیونکہ ان لوگوں نے بھی چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی بے رحمانہ سلوک کر کے قتل کر ڈالا تھا۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں نے بہت بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا ایک تو یہ لوگ مرتد ہو گئے تھے دوسرا قاتل بن گئے تھے تیسرا قزاق اور ڈاکو بن گئے تھے اس لئے بطور عبرت ان کو سخت سے سخت سزا دیدی گئی تا کہ دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سزا اس وقت دی گئی تھی جبکہ قرآن میں قزاقوں کا حکم ابھی تک نہیں آیا تھا یہی وجہ ہے کہ یہاں " مثلہ " کیا گیا ہے جبکہ وہ بالاتفاق منسوخ ہے معلوم ہوا کہ یہ حکم بہت پہلے تھا پھر قرآنی آیات نے قزاقوں کی سزا کا تعین کر دیا کہ ایک ہاتھ ایک پاؤں مختلف سمت سے کاٹا جائے اور یا سولی پر لٹکایا جائے یا جلاوطن کر دیا جائے ائمہ احناف کے نزدیک جلاوطن کرنے سے مراد جیل میں ڈالنا ہے تا کہ یہ لوگ توبہ کریں۔

لاش کی چیر پھاڑ اور مثلہ کی ممانعت

الفصل الثانی

﴿۸﴾ وعن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُثُّنَا عَلَى الصَّدَقَةِ وَيَنْهَانَا عَنِ الْمُثْلَةِ (رواه ابوداؤد) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ اَنَسٍ.

حضرت عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ خیرات دینے پر ہمیں رغبت دلاتے تھے اور مثلہ سے منع فرماتے تھے (ابوداؤد) نسائی نے اس روایت کو حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح

المثلة: مثلہ شکل بگاڑنے، مرنے کے بعد جسم کے اعضا مثلاً ناک، کان، آنکھیں اور ہاتھ پاؤں کاٹنے کو کہتے ہیں انسانی کرامت وشرافت کے پیش نظر اسلام نے ایسا کرنے سے منع کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایم بی بی ایس کے ڈاکٹری کورس کرنے کے لئے انسانی اعضاء کاٹنا اور مُردوں کی لاشوں کو قبروں سے چوری کر کے نکالنا اور پھر ان کو تختہ مشق بنانا جائز نہیں ہے اسلام نے صرف مسلمانوں کے ساتھ مثلہ نہیں بلکہ کافروں کے ساتھ بھی مثلہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی موت کے بعد اپنی آنکھوں یا گردوں اور دیگر اعضاء کے عطیہ کرنے کا زندگی میں اعلان کرنا جائز نہیں

ہے کیونکہ یہ جسم اس شخص کی ملکیت نہیں ہے۔

جانوروں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ رحمت

﴿۹﴾ وعن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَ تِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَفْرُشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَّعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا قَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ فَقُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَايَنْبَغِيْ اَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عبداللہؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے جب ایک موقع پر آنحضرتؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو ہم نے ایک حمرہ کو دیکھا جس کے ساتھ دو بچے تھے ہم نے ان دونوں بچوں کو پکڑ لیا، اس کے بعد حمرہ آئی اور اپنے پروں کو زمین پر بچھانے اور اپنا پیٹ زمین پر لگانے لگی (گویا اس طرح اس بچوں کی گرفتاری پر احتجاج شروع کیا) جبھی نبی کریمؐ تشریف لے آئے، آپؐ نے جب حمرہ کو اس طرح بیتاب دیکھا تو فرمایا کہ کس نے اس کے بچوں کو پکڑ کر اس کو مضطرب کر رکھا ہے؟ اس کے بچے اس کو واپس کر دو پھر آپؐ نے ان چیونٹیوں کے رہنے کی جگہ کو دیکھا جس کو ہم نے جلا دیا تھا اور فرمایا کہ ان چیونٹیوں کو کس نے جلایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے آپؐ نے فرمایا پروردگار کے علاوہ کہ جو آگ کا بھی مالک ہے اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ کسی کو آگ کے عذاب میں مبتلا کرے۔ (ابوداؤد)

توضیح

حمرہ: حا پر پیش ہے اور میم مشدد ہے یہ سرخ رنگ کے ایک پرندے کو کہتے ہیں جو چڑیا کے برابر ہوتا ہے۔ "**فرخان**" فرخ چھوٹے بچے اور چوزے کو کہتے ہیں "**جعلت**" شرعت کے معنی میں ہے "**تفرش**" یہ اصل میں "**تتفرش**" ہے مطلب یہ کہ پرندہ جب پر پھیلا کر اپنے چوزوں پر جھک کر سایہ کر کے چھپاتا ہے اس کو تفرش کہتے ہیں۔ لیکن یہاں پروں کو پھیلا کر زمین کے ساتھ چپک کر غم کا اظہار کرنا مراد ہے۔ "**من فجع**" یہ باب تفعیل سے دکھ اور درد و تکلیف پہنچانے کے معنی میں ہے۔

"**لا ینبغی**" ای **لا یجوز ولا یصح** یعنی اللہ تعالیٰ نے آگ کو دنیا میں انسان کے منافع کے لئے بنایا ہے تو انسان اس سے وہی نفع اٹھائے اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس آگ کو ضرر و نقصان کے لئے استعمال کرے ہاں اللہ تعالیٰ اس آگ کا

خالق و مالک ہے وہ اس کو نفع وضرر دونوں میں استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔

چیونٹیوں کے بارے میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر وہ کسی کو ایذا پہنچائیں تو ان کو ختم کرنا اور مارنا جائز ہے اس کے علاوہ مارنا جائز نہیں ہے اسی طرح چیونٹیوں کا آگ سے جلانا بھی منع ہے ہاں ایذ ارسانی کی صورت میں دوائی چھڑک کر مارنا جائز ہے آگ سے جائز نہیں ہے۔

ایک باطل فرقہ کے بارے میں پیش گوئی

﴿۱۰﴾ وعن اَبِی سَعِیدِ الخُدرِیِّ وَاَنَسِ بنِ مَالِکٍ عَن رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَیَکُونُ فِی اُمَّتِی اِختِلَافٌ وَفُرقَۃٌ قَومٌ یُحسِنُونَ القِیلَ وَیُسِیئُونَ الفِعلَ یَقرَأُونَ القُرآنَ لَایُجَاوِزُ تَرَاقِیَھُم یَمرُقُونَ مِنَ الدِّینِ مُرُوقَ السَّھمِ مِنَ الرَّمِیَّۃِ لَایَرجِعُونَ حَتّٰی یَرتَدَّ السَّھمُ عَلٰی فُوقِہٖ ھُم شَرُّ الخَلقِ وَالخَلِیقَۃِ طُوبٰی لِمَن قَتَلَھُم وَقَتَلُوہُ یَدعُونَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰہِ وَلَیسُوا مِنَّا فِی شَیئٍ مَن قَاتَلَھُم کَانَ اَولٰی بِاللّٰہِ مِنھُم قَالُوا یَارَسُولَ اللّٰہِ مَاسِیمَاھُم قَالَ التَّحلِیقُ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت انسؓ ابن مالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا عنقریب میری امت میں اختلاف وافتراق پیدا ہوگا ایک فرقہ جو باتیں تو اچھی کرے گا مگر اس کا عمل برا ہوگا اس فرقہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کا وہ پڑھنا ان کے حلق سے نیچے نہیں جائے گا (یعنی قبول نہیں ہوگا) اور وہ لوگ دین (یعنی امام وقت اور علماء حق کی اطاعت سے) اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر، شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے اور وہ دین کی طرف اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک کہ تیر اپنے سوفار کی طرف نہ لوٹ آئے اور وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں سب سے بدترین ہوں گے۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو ان لوگوں کو قتل کردے یا وہ لوگ اس کو قتل کردیں۔ (یعنی جو شخص ان لوگوں کے فتنہ اور ان کی گمراہی کا سر کچلنے کے لئے ان کا مقابلہ کرے یہاں تک کہ یا تو وہ ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دے یا وہ ان لوگوں سے حق کے لئے لڑتا ہوا خود قتل ہو جائے تو دونوں صورتوں میں اس کے لئے حق تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی سعادتوں کی خوشخبری ہے کہ پہلی صورت میں تو وہ غازی کا لقب پائے گا اور دوسری صورت میں شہادت کا عظیم مرتبہ حاصل کرے گا) وہ لوگ (بظاہر) تو انسانوں کو کتاب اللہ کی دعوت دیں گے (لیکن رسول کریمؐ کی سنت اور ان کی احادیث کو ترک کرنے پر اکسائیں گے حالانکہ احادیث نبویؐ قرآن کریم کی تفسیر وتشریح ہیں کہ احادیث کے بغیر قرآن کریم کو سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے) وہ لوگ کسی معاملہ میں ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں ہیں یعنی وہ کسی بات میں مسلمان شمار نہیں ہوں گے جو شخص ان لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتارے گا وہ اپنی جماعت میں خدا کے سب سے زیادہ قریب ہوگا صحابہؓ نے یہ سن کر عرض کیا یا رسول اللہ! ان

لوگوں کی پہچان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، سر منڈانا۔ (ابوداؤد)

توضیح

اختلاف و فرقة : یعنی میری امت میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی خواہشات کے بندے ہوں گے جن کی خود غرضی کے اعمال وافعال کی وجہ سے امت میں اختلاف پیدا ہوگا اور اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا لیکن ان کی زبانوں کا حال یہ ہوگا کہ اسلام کے بڑے شیدائی معلوم ہوں گے یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یہ لوگ اسلام سے ایسے خارج ہو جائیں گے جیسے کوئی تیر شکار سے آر پار نکل کر جاتا ہے اسلام کی طرف ان کا واپس آنا ایسا ہی محال ہوگا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس سوفار پر نہیں آسکتا۔ "**تراقیهم**" یہ ترقوت کی جمع ہے گلے اور حلق کو کہتے ہیں "**فوقه**" کمان کا وہ حصہ جس پر تیر چڑھا کر چلایا جاتا ہے اس کو فوق کہتے ہیں اس کا ترجمہ سوفار ہے اور یہ کلام تعلیق بالمحال کے قبیلہ سے ہے۔ "**التحليق**" یعنی سر کے بال منڈاتے ہی ہوں گے کبھی بال رکھتے ہی نہیں ہوں گے یہ خاص علامت صرف خوارج کی تھی اب اگر کوئی شخص بال رکھنا جائز سمجھتا ہے اور منڈاتا بھی ہے تو یہ نشانی ایسے شخص کی نہیں ہے بعض علماء نے تحلیق سے مراد حلقوں میں بیٹھنا مراد لیا ہے یعنی ان لوگوں کی یہ نشانی ہوگی کہ مسجد میں حلقے بنا کر بیٹھیں گے اور دکھاوے کے لئے نمائش کریں گے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ نماز کے اوقات میں آدمی قبلہ رخ ہو کر بیٹھ جائے اس حدیث میں خوارج کی طرف اشارہ ہے "**شر الخلق و الخليقة**" نہایہ میں لکھا ہے کہ خلق سے مراد انسان ہیں اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں بعض نے کہا کہ یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہے اور بطور تاکید دوسرے لفظ کو اس لئے لایا گیا ہے تاکہ تمام مخلوقات کو مفہوم عام ہو جائے، بعض نے کہا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ خلیقۃ سے مراد موجود کائنات ہوں اور جو آئندہ پیدا ہونے والی مخلوق ہے خلق کے لفظ سے اس کا ارادہ کیا گیا ہو یہ لوگ بدترین مخلوق اس لئے ہیں کہ ایمان واسلام کے لبادہ میں کفر کا کام کر رہے ہیں "کذا فی المرقات"

تین صورتوں میں مسلمان کو سزائے موت ہو سکتی ہے

﴿۱۱﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّابِاِحْدٰى ثَلَاثٍ زِنَابَعْدَ اِحْصَانٍ فَاِنَّهُ يُرْجَمُ وَرَجُلٌ خَرَجَ مُحَارِبًا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّهُ يُقْتَلُ اَوْيُصَلَّبُ اَوْيُنْفٰى مِنَ الْاَرْضِ اَوْيَقْتُلُ نَفْسًا فَيُقْتَلُ بِهَا (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نفس مسلمان کو جو اس امر کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اس کا خون حلال نہیں ہے ہاں ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہو جانے کی وجہ سے اس کا خون حلال ہو جاتا ہے ایک تو یہ کہ وہ محصن ہونے

کے بعد زنا کرے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے دوسری صورت یہ کہ کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے نکلے (یعنی جو مسلمان قزاقی کرے یا بغاوت کی راہ پر لگ جائے) تو اس کو قتل کر دیا جائے یا سولی دے دی جائے اور یا اس کو قید میں ڈال دیا جائے اور تیسری صورت قتل نفس کی ہے (کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے) تو اس کے بدلے میں اس کو قتل کر دیا جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح

ورجل خرج محاربالله: اس قسم کی حدیث تشریح وتوضیح کے ساتھ پہلے گذر چکی ہے۔ لیکن یہاں اس حدیث میں ارتداد کے بجائے ڈکیتی کا ذکر ہے جس کو قزاقی بھی کہتے ہیں یہاں قزاقی کے بارے میں تین سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اور قرآن کریم کی آیت میں چار سزاؤں کا ذکر آیا ہے سورت مائدہ کی آیت ۳۳ اس طرح ہے

﴿انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله و يسعون فى الارض فسادا ان يقتلوا اويصلبوا اوتقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوامن الارض﴾

یعنی (۱) ایک سزا یہ کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے (۲) دوسری یہ کہ اس کو سولی دی جائے (۳) تیسری سزا یہ کہ اس شخص کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت میں کاٹ دیئے جائیں چوتھی یہ کہ اس کو جلاوطن کیا جائے یعنی زمین سے نکال کر جیل میں ڈال دیا جائے۔ فقہاء کرام کے ہاں ان سزاؤں میں ترتیب اس طرح ہے کہ اگر ڈاکو اور قزاق نے مال نہ لوٹا ہو صرف جان سے کسی کو مار ڈالا ہو تو اس کو صرف قتل کیا جائے اور اگر قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹ لیا ہو تو اس کو قتل کر کے سولی پر لٹکایا جائے گا امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ زندہ لٹکا کر مارا جائے گا اور اگر اس نے صرف مال لوٹ لیا ہو تو اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں مخالف سمت میں کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر ڈاکو اور قزاق نے صرف لوگوں کو ڈرایا دھمکایا ہو نہ مال لیا ہو نہ جان لی ہو تو اس صورت میں اس کو زمین سے نکال باہر کر کے جلاوطن کیا جائے گا اب شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اس شخص کو مسلسل جلاوطن کیا جائے گا۔ ایک زمین سے دوسری کی طرف اور وہاں سے کسی اور طرف بھگایا جائے گا تاکہ یہ کسی جگہ چین سے نہ بیٹھ سکے مگر احناف فرماتے ہیں کہ زمین سے نکالنے کا یہ مطلب ہے کہ آزاد زمین سے نکال کر اس کو جیل میں بند کر دیا جائے گا یہاں سوال یہ ہے کہ آیت میں چار سزاؤں کا ذکر ہے اور حدیث میں تین کا ذکر ہے جو بظاہر تعارض ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت قوی احتمال ہے کہ حدیث میں کسی راوی سے بیان کے دوران ہاتھ پاؤں کاٹنے کا ذکر کسی وجہ سے رہ گیا ہو یہاں حدیث میں اور اسی طرح قرآن کی آیت میں "او" کا لفظ تفصیل بیان کرنے کے لئے ہے کہ یہ سزائیں اس ترتیب سے ہیں بعض نے کہا "او" اختیار وتخییر کے لئے ہے۔

﴿۱۲﴾ وعن ابن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انھم کانوا یسیرون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنام رجل منھم فانطلق بعضھم الی حبل معہ فاخذہ ففزع فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل لمسلم ان یروع مسلما (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابن ابی لیلی (تابعی) کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ وہ کسی موقع پر رات میں رسول کریمؐ کے ہمراہ سفر میں تھے ان میں سے ایک شخص جب کسی پڑاؤ پر سوگیا تو ان میں کا ایک دوسرا شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا اور سونے والے کے قریب جو رسی پڑی تھی اس کو اٹھا لیا سونے والا اس سے ڈر گیا، آنحضرتؐ نے (بھی اس کی یہ حرکت دیکھ لی یا آپؐ نے اس کے بارے میں سنا) تو فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ مسلمان کو ڈرائے۔ (ابوداؤد)

اسلام کی عزت کا کفر کی ذلت سے سودا مت کرو

﴿۱۳﴾ وعن ابی الدرداء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اخذ ارضا بجزیتھا فقد استقال ھجرتہ ومن نزع صغار کافر من عنقہ فجعلہ فی عنقہ فقد ولی الاسلام ظھرہ۔

(رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابودرداءؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جس شخص نے کسی جزیہ والی زمین کو خریدا اس نے اپنی ہجرت کو توڑ دیا اور جس نے کافر کی ذلت کو اس کی گردن سے نکال کر اپنی گردن میں ڈال لیا تو اس نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح

بجزیتھا: یعنی ایک مسلمان نے جزیہ والی زمین کسی ذمی سے خرید لی تو اب یہ مسلمان جزیہ ادا کرے گا جو اس سے پہلے ذمی ادا کرتا تھا "**فقد استقال ھجرتہ**" یعنی اس شخص نے دار کفر سے دار سلام کی طرف جو ہجرت کی تھی اس کو اس نے خراب و برباد کیا استقال اقالہ سے ہے واپس کرنے کے معنی میں ہے کیونکہ خراج اور جزیہ کی جو ذلت ذمی کے گلے میں پڑی تھی اس شخص نے اس کے گلے سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال دی۔ "ومن نزع" یعنی خراج و جزیہ کی جو ذلت کافر کے گلے میں پڑی تھی اس شخص نے جزیہ والی زمین خرید کر اس کافر کے گلے سے اس ذلت کو نکال کر اپنے گلے میں ڈال دی حدیث کا یہ آخری حصہ اس کے پہلے حصہ کے لئے بیان اور تفصیل ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں جزیہ سے مراد خراج ہے یعنی جس مسلمان نے کسی ذمی سے خراجی زمین

خرید لی تو اب یہ مسلمان خراج ادا کرے گا اور اس خریدنے سے زمین کا وہ خراج ساقط نہیں ہوگا یہ مسلک ائمہ احناف کا ہے اس صورت میں ''اسلام کو پس پشت ڈالا'' سے تغلیظ وتشدید اور تہدید وزجر مقصود ہوگا۔

مسلمان کافروں میں مخلوط نہ رہیں

﴿۱۴﴾وعن جَرِيرِ بنِ عَبدِاللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِنهُمْ بِالسُّجُودِ فَاسْرَعَ فِيهِمُ الْقَتلُ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَامَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ اَنَا بَرِئٌ مِنْ كُلِّ مُسلِمٍ مُقِيمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوْا يَارَسُولَ اللّٰهِ لِمَ قَالَ لَاتَتَرَاآى نَارَاهُمَا (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت جریر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ خثعم کے مقابلہ پر ایک لشکر بھیجا تو اس قبیلہ کے کچھ لوگ (جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن ان کا رہن سہن قبیلہ کے کافروں ہی کے ساتھ تھا نماز کی پناہ پکڑنے لگے (یعنی لشکر والوں کو دیکھتے ہی وہ لوگ اپنے اسلام کو ظاہر کرنے کیلئے سجدہ میں گر گئے تاکہ لشکر والوں کو علم ہو جائے کہ یہ مسلمان ہیں اور اس طرح وہ حملہ سے بچ جائیں (لیکن ان کے قتل میں عجلت سے کام لیا گیا یعنی لشکر والوں نے ان کے سجدوں کا اعتبار نہ کیا اور یہ گمان کر کے کہ یہ بھی کافر ہیں اور محض قتل سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں ان کو بھی قتل کر دیا) جب اس واقعہ کی اطلاع رسول کریمؐ کو پہنچی تو آپؐ نے ان مسلمان مقتولین کے ورثاء کو آدھی دیت دیئے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں اس مسلمان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکوں کے درمیان اقامت اختیار کرے صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی بیزاری کا سبب کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا مسلمانوں کو کافروں سے اتنی دور رہنا چاہئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں (لیکن اگر کوئی مسلمان کافروں میں مخلوط رہا تو گویا اس نے حکم کی پرواہ نہیں کی)۔(ابوداؤد)

توضیح

بالسجود: . اس سے نماز پڑھنا مراد ہے جب ان نومسلموں نے لشکر اسلام کو دیکھا تو اپنے بچاؤ کے لئے نماز پڑھنا شروع کر دیا لشکر اسلام نے سمجھا کہ یہ لوگ جان بچانے کے لئے سجدہ میں گر پڑے ہیں اس لئے جلدی جلدی مارنا شروع کر دیا غلط فہمی میں ایسا ہوا حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی تفصیلی علم نہیں تھا صرف سجدہ کیا تاکہ اسلام کا اظہار کریں۔

''بنصف العقل'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی دیت ادا فرمادی حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ لوگ مسلمان تھے یہ اس طرف اشارہ فرمادیا کہ مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد کافروں کے بیچ میں رہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح مجاہدین

آزادی اور آسانی سے کافروں کے خلاف نہیں لڑسکیں گے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسلمانوں سے بیزاری کا اعلان بھی فرمادیا جو مشرکوں کے ساتھ مخلوط رہتے ہوں" یا رسول اللہ لم؟" یہاں استفہام ہے یعنی " لای شئی تکون بریئاً اولای شئ امرت بنصف العقل" مطلب یہ ہے کہ یارسول اللہ آپ نے آدھی دیت کیوں ادا فرمادی یا آپ ان سے بیزار کیوں ہورہے ہیں اس کا سبب کیا ہے؟

" قال لا تترا ای ناراھما" یہ جملہ استینافیہ ہے اور اس میں ماقبل سوال کی علت کو بیان کیا گیا ہے یعنی یہ بیزاری اس لئے ہے کہ یہ لوگ کفار کے ساتھ اکٹھے کیوں رہ رہے ہیں ان کو ایک دوسرے سے اتنا دور ہونا چاہئے کہ ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آئے کیونکہ اس طرح مخلوط رہنے میں مسلمان کافروں سے جہاد کیسے کریں گے؟

ناجائز قتل کو صرف ایمان روکتا ہے

﴿۱۵﴾وعن ابی ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاِیْمَانُ قَیْدُ الْفَتْکِ لَایَفْتِکُ مُؤْمِنٌ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ایمان اپنے حامل یعنی مؤمن کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ کسی کو ناگہاں قتل کردے، لہٰذا کوئی مؤمن ناگہاں قتل نہ کرے۔(ابوداؤد)

توضیح

قید: یہ لفظ مشدد ہے تقیید باب تفعیل سے باندھنے اور روکنے کے معنی میں ہے "الفتک" ناگاہ اور غفلت کی حالت میں اچانک قتل کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ ایمان نے ناجائز قتل کو بند کردیا ہے لہٰذا جس میں ایمان ہے وہ اس طرح حرکت نہیں کرسکتا جو یہ حرکت کرے گا اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا خلاصہ یہ کہ کسی مسلمان یا ذمی کافر کو بلاتحقیق قتل کرنا جائز نہیں ہاں اگر کوئی مفسد و غدار ہو جو مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندی کررہا ہو اس کا حکم الگ ہے جیسا کہ کعب بن اشرف کو اس کے فساد کی وجہ سے اچانک غفلت کی حالت میں قتل کردیا گیا۔

بھگوڑے مرتد غلام کی سزا موت ہے

﴿۱۶﴾وعن جَرِیْرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَااَبَقَ الْعَبْدُ اِلَی الشِّرْکِ فَقَدْ حَلَّ دَمُہٗ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت جریرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا جب کوئی غلام، شرک یعنی دارالحرب کی

جانب بھاگ جائے تو اس کا خون حلال ہوگا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

اَبَقَ العبد: یعنی ایک غلام اپنے مولی سے بھاگ کردار حرب چلا جائے تو جس مسلمان کو وہ مل جائے اس کو قتل کر دے وہ مباح الدم ہے کیونکہ یہ غلام جا کر کفار کی تقویت کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہ غلام کافر و مرتد ہو کر جائے گا پھر تو بطریق اولی اس کا قتل حلال ہوگا۔

شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سزا

﴿۱۷﴾ وعن عَلِيٍّ اَنَّ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيهِ فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتّٰى مَاتَتْ فَاَبْطَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا (رواه ابوداؤد)

اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمکو برا بھلا کہا کرتی تھی اور آپ میں عیب نکال کر طعن کیا کرتی تھی، چنانچہ (آپؐ کی شان اقدس میں یہ گستاخی) ایک شخص (برداشت نہ کر سکا اور اس) نے اس عورت کا گلا گھونٹ ڈالا جس سے وہ مرگئی، نبی کریمؐ نے اس کا خون معاف کر دیا۔'' (ابوداؤد)

توضیح:

تقع فیه: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتی تھی بدگوئی کرتی تھی یہ کافرہ عورت تھی اور ذمیہ تھی۔'' فخنقها رجل'' یعنی کسی مسلمان نے اس کا گلا دبا دیا اور قتل کر دیا (اللہ تعالیٰ اس مجاہد کے درجات بلند فرمائے)۔

''فابطل'' یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون رائیگاں قرار دیا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا ذمی واجب القتل ہے اور اس سے اس کا عہد ذمہ ٹوٹ کر وہ مباح الدم ہو جاتا ہے یہی مسلک شوافع حضرات کا ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ کافر شخص پہلے سے کافر ہے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرتا ہے ایمان نہیں لاتا اور ہم نے اس کو پناہ دی ہے لہٰذا اب کسی گالی سے اس کا عہد ذمہ نہیں ٹوٹتا اس مسئلہ میں کافی تفصیلات ہیں میں تفصیل میں نہیں جا سکتا جو حضرات اس مسئلہ میں فتوی دیں گے تو وہ تفصیلات کو پڑھیں اکفار الملحدین وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں لکھا ہے کہ احناف کے قواعد فقہ میں یہ ہے کہ جہاں ان کے ہاں قتل کا حکم نہیں ہے مثلاً قتل بالمثقل یا لواطت کا حکم ہے تو اس میں اگر کوئی مجرم بار بار اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو وقت کے

امام اور قاضی کو حق حاصل ہے کہ اس کو قتل کردے۔اسی طرح قاضی وامام حد کی معین مقدار میں اضافہ بھی کرسکتا ہے کہ اس کو زیادہ سخت انداز میں نافذ کردے اگر وہ اس میں مصلحت پاتے ہیں اور اس کو حضرات احناف قتل سیاسۃً کا نام دیتے ہیں خلاصہ یہ کہ بطور تعزیر کسی سزا کو قتل کے درجہ تک لے جایا جاسکتا ہے جبکہ جرم کا ارتکاب بار بار ہوا اور قتل میں مصلحت ہو اسی قسم میں سے اس ذمی کا قتل کرنا ہے جو بار بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہو اکثر احناف نے اس کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔(ردالمحتار کا حوالہ دیکر زجاجۃ المصابیح میں ایسا ہی لکھا ہے (ج۳ص۵۵)

"**وقال العینی و اختیاری فی السب ان یقتل**" یعنی حضور اکرم کو گالی دینے والا مباح الدم ہے میں اسی کو اختیار کرتا ہوں علامہ بدرالدین عینی کے اس فتویٰ کی پیروی کرتے ہوئے صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے بھی یہی فتوی دیا ہے مفتی روم ابوسعودؒ کا یہی فتوی ہے صاحب شفاء کا یہی فتویٰ ہے نیل الاوطار درمختار کا بھی یہی فتوی ہے۔اور خیر الرملیؒ نے بھی بطور تعزیر یہی فتویٰ دیا ہے۔(زجاجۃ المصابیح جلد۳ص۵۵) شکر الحمد للہ احناف کے اکابر علماء کا یہی مسلک ہے اور اس کو ہم دل کی گہرائیوں سے پسند کرتے ہیں پوری تفصیل زجاجۃ المصابیح میں دیکھی جائے۔

سحر اور ساحر کا حکم

﴿۱۸﴾وعن جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدُّ السَّاحِرِ ضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ

(رواہ الترمذی)

اور حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جادوگر کی حد (شرعی سزا) یہ ہے کہ اس کو تلوار سے قتل کردیا جائے۔(ترمذی)

توضیح

حد الساحر: علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جادو کرنا حرام ہے اہل سنت کے نزدیک جادو ایک حقیقت ہے اور اس کا اثر ہوتا ہے معتزلہ کا خیال ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ صرف ایک تخیل اور وہم ہے۔

جادو کرنے والے جادوگر کی سزا کے بارے میں علماء اور فقہاء کے اقوال میں کچھ اختلاف ہے۔امام مالکؒ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبلؒ کے راجح قول کے مطابق ساحر کافر ہے اور سحر سیکھنا سکھانا بھی کفر ہے لہٰذا ساحر کو قتل کیا جائے اور اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے خواہ اس نے کسی مسلمان پر جادو کیا ہو یا کسی ذمی پر کیا ہو۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر جادوگر کا یہ جادو موجب کفر ہو اور وہ توبہ بھی نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔احناف کے نزدیک اس مسئلہ میں کچھ تفصیل ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر ساحر نے اپنے جادو میں شرک اور کلمات شرکیہ کا ارتکاب کیا اور موجب کفر عقیدہ رکھا تو وہ کافر ہے اور اگر

ساحر کا سحر کسی حرام کے ارتکاب کا ذریعہ بنتا ہو یا کسی فریضہ کے سقوط اور ترک کا ذریعہ بنتا ہو تو ایسا سحر حرام ہے اور اگر جادو میں کوئی کفریہ کلمات بھی نہیں اور کسی حرام کا ارتکاب بھی نہیں اور کسی نیک مقصد کے لئے کیا جائے مثلاً میاں بیوی میں جوڑ پیدا کرنے کے لئے کرے یا اہل حرب کے کسی ساحر کے سحر کے توڑنے کے لئے کرے تو یہ مباح اور جائز ہے لیکن یہ بات یاد رکھی جائے کہ ایسے صالح اور مسلمان جادو کا دنیا میں کہیں وجود بھی ہے یا نہیں؟ یہ بات بھی یاد رکھی جائے کہ جادو چونکہ جوارح کا عمل نہیں ہے بلکہ نہایت صفائی سے جوارح کے استعمال کے بغیر اثر ڈالا جاتا ہے لہٰذا سحر سے اگر کسی کو قتل کر دیا تو اس میں قصاص نہیں ہے ہاں اس میں تعزیر ہے کہ بطور تعزیر ایسے جادوگر کو قتل کیا جائے گا یہی اس کی حد ہے علماء نے لکھا ہے کہ جادو کی طرح علم نجوم کا سیکھنا کہانت کا سیکھنا سکھانا اور ہر قسم شعبدہ بازی سیکھنا سکھانا بھی حرام ہے جادو کی حقیقت اور اس کی تعریفات واقسام کا بیان توضیحات جلد اول ص ۲۴۸ پر ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بغاوت کی سزا قتل ہے

الفصل الثالث

﴿۱۹﴾ وعن اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا رَجُلٍ خَرَجَ يُفَرِّقُ بَيْنَ اُمَّتِي فَاضْرِبُوْا عُنُقَهٗ (رواه النسائی)

حضرت اسامہؓ ابن شریک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص امام وقت کے خلاف خروج کرے اور اس طرح وہ میری امت میں تفرقہ ڈالے تو اس کی گردن اڑا دو۔ (نسائی)

توضیح

خرج یفرق: مسلمانوں کی اجتماعیت کے لئے وقت کا خلیفہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس کی اطاعت اسی لئے تمام مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے تاکہ امت میں افتراق وانتشار نہ آئے اور امت کا شیرازہ بکھر نہ جائے۔ امام وخلیفہ امت کی وحدت کا علمبردار ہوتا ہے اور وہ اس کا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص اس اجتماعی اتحاد واتفاق کے دائرہ سے نکل کر بغاوت پر اتر آتا ہے تو وہ ایک جرم کا نہیں بلکہ کئی جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے اس لئے پہلے اس کو سمجھایا جائے اور اس سے سرکشی سے باز آنے کو کہا جائے او. اگر اس کا کوئی معقول اعتراض ہو یا کوئی شبہ اور مطالبہ ہو تو اس کو سنجیدگی سے لیا جائے اگر اصلاح کی ان تمام کوششوں کے باوجود وہ شخص اپنی سرکشی اور بغاوت سے باز نہیں آتا تو اس کو قتل کر دیا جائے تاکہ بڑا فتنہ پیدا نہ ہو جیسا کہ حضرت علیؓ نے خوارج کے ساتھ معاملہ کیا تھا یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ یہ حق اس خلیفہ اور مسلمانوں کے اس بادشاہ کو

حاصل ہے جو امت کو اسلام کی روشنی میں چلا رہا ہو ورنہ خروج جائز ہوگا تفصیل ان شاء اللہ باب الامارۃ میں آنے والی ہے۔

خوارج کے متعلق پیش گوئی

﴿۲۰﴾ وعن شَرِيْكِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ كُنْتُ اَتَمَنّٰى اَنْ اَلْقٰى رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُهُ عَنِ الْخَوَارِجِ فَلَقِيْتُ اَبَابَرْزَةَ الْاَسْلَمِيَّ فِي يَوْمِ عِيْدٍ فِي نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ فَقُلْتُ لَهٗ هَلْ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ الْخَوَارِجَ قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاُذُنَيَّ وَرَأَيْتُهٗ بِعَيْنَيَّ اُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَالٍ فَقَسَمَهٗ فَاَعْطٰى مَنْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَمَنْ عَنْ شِمَالِهٖ وَلَمْ يُعْطِ مَنْ وَرَاءَهٗ شَيْئًا فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ وَرَائِهٖ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ مَاعَدَلْتَ فِي الْقِسْمَةِ رَجُلٌ اَسْوَدُ مَطْمُوْمُ الشَّعْرِ عَلَيْهِ ثَوْبَانِ اَبْيَضَانِ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيْدًا وَقَالَ وَاللّٰهِ لَاتَجِدُوْنَ بَعْدِيْ رَجُلًا هُوَ اَعْدَلُ مِنِّيْ ثُمَّ قَالَ يَخْرُجُ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ كَأَنَّ هٰذَامِنْهُمْ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ لَايُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الْاِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ سِيْمَاهُمُ التَّحْلِيْقُ لَا يَزَالُوْنَ يَخْرُجُوْنَ حَتّٰى يَخْرُجَ آخِرُهُمْ مَعَ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ (رواه النسائی)

اور حضرت شریکؒ ابن شہاب تابعی کہتے ہیں کہ میری ایک یہ بڑی آرزو تھی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابیؓ سے ملاقات کی سعادت حاصل کروں اور ان سے خوارج کے بارے میں پوچھوں (کہ آج کل جو خوارج پیدا ہو رہے ہیں کیا آنحضرتؐ نے ان کے متعلق کوئی پیش گوئی کی تھی) چنانچہ میں ایک صحابی حضرت ابو برزہؓ سے عید کے دن ان کے دوستوں کی موجودگی میں ملا اور ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول کریمؐ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے اپنے کانوں سے رسول کریمؐ کو خوارج کا ذکر کرتے ہوئے بھی سنا ہے اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ بھی دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریمؐ کی خدمت میں کچھ مال لایا گیا، آپؐ نے اس مال کو حاضرین مجلس میں اس طرح تقسیم فرمایا کہ جو لوگ آپ کی دائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے ان کو دیا اور جو لوگ بائیں جانب بیٹھے تھے ان کو دیا لیکن جو لوگ آپ کے پیچھے تھے ان کو کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد آپ نے تقسیم میں انصاف نہیں کیا۔ وہ شخص کالے رنگ کا تھا، اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے اور دو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ (اس کی بات سن کر) رسول کریمؐ سخت غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ ''خدا کی قسم''! تم میرے بعد کسی شخص کو مجھ سے زیادہ انصاف کرنے والا نہیں پاؤ گے اور پھر فرمایا کہ

آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا اور یہ شخص گویا اسی گروہ کا ایک فرد ہے اس گروہ کے لوگ قرآن پڑھیں گے لیکن ان کا پڑھنا ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا اور وہ لوگ امام وقت کے خلاف خروج وسرکشی کے ذریعہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار کے درمیان سے نکل جاتا ہے ان لوگوں کی علامت یہ ہے کہ ان کے سر منڈے ہوئے ہوں گے اس گروہ کے لوگ ہر زمانہ میں پائے جائیں گے اور ہمیشہ خروج کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری شخص مسیح دجال کے ساتھ نکلے گا۔ لہٰذا جب بھی تمہارا ان سے سامنا ہو جائے (ان کو قتل کر ڈالو) وہ لوگ آدمیوں اور جانوروں میں بدترین مخلوق ہیں۔ (نسائی)

توضیح

بأذنی : کسی روایت کو یقینی بنانے کے لئے اس طرح الفاظ صحابہ کرام استعمال فرماتے تھے تا کہ سننے والے کو یقین آجائے کہ اس صحابی نے اپنی دیدہ وشنیدہ کو بیان کیا ہے درمیان میں کوئی واسطہ اور حوالہ نہیں ہے۔ "رجل اسود" علامہ طیبیؒ اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ متبدا محذوف کی خبر ہے یعنی "ھو رجل اسود" راوی نے اس جملہ کا اضافہ کر کے اسی طرف اشارہ کیا کہ جس طرح اس شخص کی ظاہری شکل خبیث تھی اس کا باطن بھی اسی طرح خبیث تھا۔

"مطموم الشعر" طَمَّ يَطُمُّ نصر ینصر سے ہے بال کاٹنے کے معنی میں ہے جس طرح یہ شخص بالوں سے صاف آیا تھا اسی طرح عقل وشعور اور ادب سے بھی خالی آیا تھا۔ "ثوبان ابیضان" یعنی نفاق کا حامل تھا او پر سفید لباس تھا اندر سے سیاہ تر تھا گویا یوں تھا "نظافة ظاهرة و كثافة باطنة" یا یوں کہیں بیاض کسوته و سواد جثتِهٖ۔

"اعدل منی" اعدل اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ نفس فعل عادل کے معنی میں ہے جیسے اهون هین کے معنی میں ہے۔ الصیف احر من الشتاء میں احر نفس فعل کے معنی میں ہے اسی طرح اعم واخص کے الفاظ عام وخاص کے معنی میں آئے ہیں "سیماهم" علامت کو سیما کہتے ہیں یعنی یہ ان کی ایسی علامت ہے جو ان کے ساتھ لازم ہے اور بطور التزام انہوں نے اپنا رکھی ہے اگر کوئی شخص اس عقیدہ والتزام کے بغیر سر کے بال منڈاتا ہے تو وہ منع نہیں ہے۔ "الخليقة" یا انسان اور جنات کے مقابلے میں جانوروں کو خلیقۃ کہا گیا ہے اور یا خلق گزشتہ مخلوق اور خلیقۃ آنے والی مخلوق کو کہا گیا ہے تفصیل گذر چکی ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کا ادب کرے کیونکہ "الدين كله ادب" ثابت شدہ حقیقت ہے بے ادب کبھی کامیاب نہیں ہوتا بلکہ اکثر وبیشتر ایک بڑے فتنے کا سبب بنتا ہے اور دنیا وآخرت میں محروم ہو جاتا ہے

از خدا خواہیم توفیق ادب   بے ادب محروم گشت از فضل رب

آج کل نئی نسل جو ہر خیر سے برگشتہ پھر رہی ہے اس کی وجہ بھی یہی بے ادبی ہے اسکولوں اور کالجوں نے ان کو آزاد

اور بے حیاء و بے ادب بنا دیا۔ حضرت احمد علی لاہوریؒ نے اپنے ملفوظات میں فرمایا ہے کہ ''انگریز نے ہمارا تخت چھینا ہمارا تاج چھینا ہمارا دین چھینا اور ہمیں اپنے دین پر معترض بنا کر چھوڑا''

خوارج کا تاریخی پس منظر اوران کا شرعی حکم

﴿۲۱﴾ وعن اَبِی غَالِبٍ رَاَی اَبُو اُمَامَةَ رُؤُسًا مَنْصُوبَةً عَلٰی دَرَجِ دِمشق فَقَالَ اَبُو اُمَامَةَ کِلَابُ النَّارِ شَرُّ قَتْلٰی تَحْتَ اَدِیمِ السَّمَاءِ خَیرُ قَتْلٰی مَنْ قَتَلُوهُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ الآیَةَ قِیلَ لِاَبِی اُمَامَةَ اَنْتَ سَمِعْتَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَمْ اَسْمَعْهُ اِلَّا مَرَّةً اَوْمَرَّتَیْنِ اَوْثَلَاثًا حَتّٰی عَدَّ سَبْعًا مَا حَدَّثْتُکُمُوهُ (رواه الترمذی و ابن ماجه) وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَاحَدِیثٌ حَسَنٌ.

اور حضرت ابو غالبؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت ابوامامہؓ (صحابی) نے (ایک دن) دمشق کی شاہراہ پر (خوارج کے) سر پڑے ہوئے دیکھے (یا وہ سولی پر لٹکے ہوئے تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دوزخ کے کتے ہیں اور آسمان کے نیچے بدترین مقتول ہیں اور بہترین مقتول وہ ہے جس کو انہوں نے قتل کیا ہو۔ اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اس قیامت کے دن کہ بہت سے منہ سفید منور ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ ہوں گے ابو غالبؒ نے حضرت ابوامامہؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات رسول کریمؐ سے سنی ہے؟ ابوامامہؓ نے فرمایا اگر میں نے یہ بات ایک بار دو بار تین بار یہاں تک کہ انہوں نے سات بار گنا نہ سنی ہوتی تو تمہارے سامنے بیان نہ کرتا یعنی اگر میں اس بات کو آنحضرتؐ سے اتنی کثرت سے بار بار نہ سنتا تو میں تمہارے سامنے بیان نہ کرتا۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

توضیح

رؤ سا منصوبة:۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوارج کو قتل کرنے کے بعد کسی نے ان کے سروں کو عبرت کے لئے سولی پر لٹکا دیا تھا یا ویسے کسی بلند جگہ پر رکھوا دیا تھا۔ '' درج دمشق'' درج جمع ہے اس کا مفرد ''درجة'' ہے کھلے راستے اور شاہراہ کو بھی کہتے ہیں اور پوڑیوں والی بڑی سیڑھی کو بھی '' درجة'' کہتے ہیں '' شر قتلی '' یہ مقتولین کے معنی میں ہے خوارج کے مقتولین مراد ہیں ''خیر قتلی'' یہاں مسلمان مقتولین مراد ہیں۔ '' تحت ادیم السماء'' ادیم ظاہری سطح کے معنی میں ہے خواہ آسمان کی سطح ہو جو ہمیں نظر آ رہی ہے یا زمین کی ظاہری سطح ہو جو نظر آ رہی ہو اصل میں ادیم کھال اور چمڑے کو کہتے ہیں چونکہ وہ بھی ظاہری سطح پر ہوتا ہے اس لئے یہ لفظ ظاہری سطح کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

شاعر ساحر نے کہا۔

فبایما قدم سعیت الی العلی ادم الھلال لا خمصیک حذاء

"کلاب النار" چونکہ حدیث میں خوارج پر "کلاب النار" کا اطلاق ہوا ہے اس لئے حضرت ابوامامہ نے ان کو اسی نام سے یاد کیا اور یہ خوارج کی ان خباثتوں کی طرف خفی اشارہ ہے جو وہ لوگ اہل اسلام اور ان کے خلفاء کے بارے میں کرتے رہتے ہیں گویا یہ لوگ اہل حق کے لئے باولے کتوں کی طرح ہیں جو ان کو کاٹتے رہتے ہیں اور پھر دوزخ میں یہ لوگ کتوں کی شکل میں ظاہر ہو جائیں گے۔ خوارج کے خروج کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور حضرت معاویہؓ کے خلاف لڑتے تھے پھر واقعہ تحکیم پیش آیا واقعہ یوں پیش آیا کہ جنگ صفین میں حضرت علیؓ کی افواج کو حضرت معاویہ کی افواج پر برتری حاصل ہو رہی تھی حضرت معاویہؓ پریشان ہو گئے تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان سے فرمایا کہ آپ اپنی افواج کو حکم دیں کہ وہ نیزوں کے ساتھ قرآن باندھ کر بلند کریں اور اعلان کریں کہ ہمارے درمیان یہ قرآن فیصلہ کرے گا جب انہوں نے ایسا کیا اور قرآن نیزوں پر بلند کیا گیا تو حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے کہا کہ اب جنگ جاری رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ قرآن پر فیصلہ ہوگا حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جنگ نہ روکو یہ ان مخالفین کا ایک حربہ ہے کہ جنگ رک جائے اور یہ شکست سے بچ جائیں حضرت علیؓ کو ان کے انہیں ساتھیوں نے جنگ روکنے پر مجبور کیا جو بعد میں خوارج بن گئے انہوں نے کہا کہ ہم قرآن کے سامنے لڑنے کے لئے نہیں جائیں گے چنانچہ جنگ رک گئی اور صلح کی باتیں اور مذاکرات شروع ہو گئے فیصلہ اس پر ہوا کہ چونکہ حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں متنازع بن چکے ہیں اس لئے یہ دونوں اپنا اپنا اختیار کسی ثالث کو دیدیں اور وہ ثالثین کسی غیر متنازع آدمی کو خلیفہ مقرر کردیں گے اسی ثالثین مقرر کرنے کو تحکیم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے اپنا وکیل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو مقرر فرمایا اور حضرت معاویہؓ نے حضرت عمرو بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا اور طے یہ ہو گیا کہ دونوں وکیل آکر سرعام پہلے اپنے موکل کو خلافت سے معزول کردیں اور پھر نیا خلیفہ چن لیں چنانچہ معاہدہ کے تحت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت علیؓ کی معزولی کا اعلان کر دیا لیکن حضرت عمرو بن العاص نے اعلان کیا کہ حضرت علیؓ کو ان کے وکیل نے معزول کر دیا ہے اب وہ خلیفہ نہیں رہے اور میں اپنے موکل حضرت معاویہؓ کو خلافت پر برقرار رکھتا ہوں، اس اعلان کے بعد پھر شدید لڑائی شروع ہو گئی لیکن حضرت علیؓ کے انہیں ساتھیوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا جو پہلے مذاکرات پر زور دے رہے تھے اب ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ کے سوا انسانوں کو حکم مان لیا لہٰذا یہ اب کافر ہو گئے ہیں کیونکہ قرآن کا اعلان ہے "ان الحکم الا للّٰہ"، حضرت علی نے بہت محنت سے ان لوگوں کو سمجھایا لیکن یہ لوگ بغاوت پر اتر آئے اور حضرت علی کی افواج سے چھ ہزار آدمیوں نے علیحدگی اختیار کر کے کوفہ کے پاس "حروراء" مقام کو اپنا مرکز بنالیا اور حضرت علیؓ سے جنگ کرنے لگے جنگ "نہروان" میں حضرت علی نے ان کے بہت زیادہ لوگوں کو قتل کر دیا تھا پھر انہیں لوگوں میں سے تین آدمی منصوبہ کے تحت اہل اسلام کے تین بڑے قائدین

کے مارنے کے لئے مقرر کردیئے گئے ایک شیطان کو حضرت معاویہؓ کے مارنے کے لئے روانہ کیا گیا دوسرے کو حضرت عمرو بن العاص کے مارنے کے لئے اور تیسرے خبیث کو حضرت علیؓ کے مارنے کے لئے روانہ کیا اس خبیث کا نام عبدالرحمن بن ملجم تھا باقی دو تو اپنے منصوبے میں ناکام ہوگئے لیکن اس بدبخت نے فجر کی نماز کے لئے اترتے ہوئے حضرت علیؓ کے سر پر تلوار ماردی اور حضرت علی شہید ہوگئے۔ پھر اس کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا ابن ملجم بدبخت کی مدح میں ایک خارجی شاعر عمران بن حطان نے یہ اشعار کہے

یا ضربة من تقی ماارادبها الالیبلغ من ذی العرش رضوانا

واہ واہ ایک پرہیزگار کی تلوار کا وار کیا ہی عمدہ تھا جس سے اس نے صرف عرش والے کی خوشنودی کا ارادہ کیا

انی لاذکرہ یوما فاحسبه او فی البریة عندالله میزانا

میں جب کبھی ان کو یاد کرتا ہوں تو خیال کرتا ہوں کہ اللہ کے ہاں ان کا پلڑا سب سے بھاری ہے

اکرم بقوم بطون الارض اقبرھم لم یخلطوا دینھم بغیا وعدوانا

وہ لوگ کتنے ہی معزز ہیں جن کی قبریں زمین کی تہوں میں ہیں جنہوں نے اپنے دین کو بغاوت اور حق سے تجاوز کے ساتھ آلودہ نہیں کیا

اس بدبخت کے اشعار کے جواب میں اہل سنت میں سے قاضی ابوطیب طبری نے بہترین اشعار کہہ دیئے فرمایا۔

انی لابرأ مماانت قائله فی ابن ملجم الملعون بھتانا

ابن ملجم ملعون کے بارے میں تم نے جھوٹ کہہ دیا ہے میں اس سے بالکل بیزار ہوں

انی لاذکرہ یومافالعنه دینا و العن عمران بن حطانا

میں جب کبھی اس کو یاد کرتا ہوں تو اس پر اور اس کے ساتھ عمران بن حطان پر لعنت بھیجتا ہوں

علیکم ثم علیه الدھر متصلا لعائن الله اسرارا و اعلانا

تم پر اور پھر ابن ملجم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ کے لئے مسلسل خفیہ اور اعلانیہ لعنتیں ہوں

فانتم من کلاب النار جآء لنا نص الشریعة برھانا و تبیانا

تم تو دوزخ کے کتے ہو، اس دعوی پر ہمارے پاس بطور دلیل شریعت کی واضح حدیث موجود ہے

(کذا فی حیاۃ الحیوان ج۱ ص۳۴)

ان اشعار کے آخری شعر میں قاضی ابوطیب طبریؒ نے مذکورہ حدیث کے اس جملہ کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ''کلاب النار'' مذکور ہے حضرت ابوامامہ نے قرآن کریم کی اس آیت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

"یوم تبیض وجوه و تسود وجوه" یعنی خوارج کے چہرے سیاہ ہوں گے اور مومنین کے چہرے روشن ہوں گے۔

مشکوۃ شریف میں خوارج سے متعلق کئی احادیث باب المرتدین میں درج کی گئی ہیں جس سے اشارہ ملتا ہے کہ شاید خوارج مرتدین کے حکم میں ہیں تکفیر خوارج کا مسئلہ اس سے پہلے گذر گیا ہے۔

حضرت شاہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اکفار الملحدین میں لکھا ہے کہ **قال الغزالی فی الوسیط تبعالغیره فی حکم الخوارج و جهان احد هما انه کحکم اهل الردة و الثانی انه کحکم اهل البغی ورجح الرافعی الاول الخ** یعنی امام غزالی نے اپنی کتاب ''وسیط'' میں عام علماء کے مطابق خوارج کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے شرعی حکم میں دو قول ہیں اول یہ کہ ان لوگوں کا حکم مرتدین کی طرح ہے دوسرا قول یہ کہ ان کا حکم باغیوں کا ہے علامہ رافعیؒ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے اس کلام پر شاہ صاحب تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ حکم ہر قسم کے خارجیوں کو شامل نہیں ہے کیونکہ خوارج دو قسم پر ہیں ایک تو وہی ہیں جن کا تذکرہ امام غزالیؒ نے کیا ہے دوسری قسم ان خوارج کی ہے جنہوں نے اپنے عقیدہ اور نظریات کی طرف بلانے کے لئے خروج نہیں کیا ہے بلکہ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے خروج کیا ہے یہ خوارج پھر دو قسم پر ہیں ایک وہ ہیں جنہوں نے ظالم حکمرانوں کے ظلم کی وجہ سے اور قرآن وسنت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف اللہ کے دین کی حمایت میں خروج اور بغاوت کی ہے یہ لوگ اہل حق ہیں انہیں میں سے حضرت حسینؓ اور اہل مدینہ کے وہ علماء ہیں جنہوں نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا اور انہیں میں سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تھی دوسرے خوارج وہ ہیں جو صرف حکومت پر قبضہ جمانے کے لئے نکل آتے ہیں وہی باغی ہیں اور (احادیث میں انہیں کی مذمت وارد ہے)

۹ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ ہفتہ

كتاب الحدود

حدود کا بیان

قال الله تبارک و تعالیٰ ﴿الزانية و الزاني فاجلدوا كل واحد منهما مأة جلدة ولا تأخذكم بهما رأفة في دين الله﴾ (سورة نور آیت نمبر ۲)

وقال الله تعالیٰ ﴿والذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة ابداً﴾ (سورة نور ۴)

وقال الله تعالیٰ ﴿فلما جآء امرنا جعلنا عاليها سافلها و امطرنا عليهم حجارة من سجيل منضود مسومة عند ربک و ماهي من الظالمين ببعيد﴾ (سورة هود رکوع ۶)

حدود حد کی جمع ہے اور حد دراصل منع کے معنی میں ہے اس کا ایک معنی حاجز کا بھی ہے یعنی دو چیزوں کے درمیان وہ حائل اور مانع جو دونوں کو ملانے سے روکتا ہے شرعی حدود بھی انسان کو معاصی سے روکتی ہیں فقہاء کرام نے شرعی حد کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے " **الحد عقوبة مقدرة يجب حقالله تعالیٰ**"

یعنی اصطلاح شرع میں حد اس متعین سزا کا نام ہے جو شریعت نے حقوق اللہ کی حفاظت کے لئے مقرر فرمائی ہے۔

" مقدرة" کی قید سے تعزیر نکل گئی کیونکہ تعزیر کا تعین شریعت نہیں کرتی بلکہ شریعت کی روشنی میں اس کا تعین امام اور قاضی کی صوابدید پر ہے۔

اس تعریف میں "حقا للہ " کے الفاظ سے حدود اور قصاص میں بھی فرق ظاہر ہو گیا، کیونکہ قصاص کا تعین حق العبد کیلئے کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ ثبوت کے بعد قصاص کو معاف کیا جا سکتا ہے حد معاف نہیں ہو سکتی۔

قواعد وضوابط کی روشنی میں اسلامی شرعی سزائیں تین قسم پر ہیں (۱) اول وہ سزائیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرما دیا ہے مگر اس کے جاری کرنے کو بندوں پر چھوڑ دیا ہے اس میں کسی خارجی طاقت یعنی حاکم اور حکومت کو دخل اندازی کا حق نہیں ہے گویا یہ متعلقہ شخص کی ذاتی نوعیت کا معاملہ ہے اور اس کو خود اس سے نمٹنا ہے شریعت میں اس طرح کی سزاؤں کا نام کفارات ہے جیسے کفارۂ قسم، کفارۂ صوم وغیرہ۔

(۲) دوم وہ سزائیں ہیں جن کی مقدار شریعت نے مقرر فرما دی ہے اور کتاب وسنت سے ثابت ہونے کے ساتھ

ساتھ اس کی مقدار متعین بھی ہے شریعت میں ایسی سزاؤں کا نام ''حدود'' ہے جیسے زنا، چوری، شراب نوشی وغیرہ جرائم کی سزائیں ہیں ان سزاؤں کے ثبوت کے بعد حاکم اور قاضی نہ ان کو ساقط کرسکتا ہے اور نہ کمی بیشی کرسکتا ہے صرف نافذ کرنے کا حکم اس کے پاس ہے یعنی قانون سازی کا اختیار اس کے پاس نہیں صرف تنفیذ کا اختیار ہے۔

(۳) سوم وہ سزائیں ہیں جنہیں کتاب وسنت نے متعین تو نہیں کیا ہے لیکن جن برے کاموں کے ارتکاب پر یہ سزائیں دی جاتی ہیں شریعت نے ان برے کاموں کو جرائم کی فہرست میں شمار کیا ہے اور سزا کی مقدار اور اس کے تعین کا مسئلہ حاکم اور قاضی کی صوابدید پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ شریعت کے قواعد کی روشنی میں موقع ومحل کے مناسب اس جرم کے لئے سزا تجویز کرے ایسی سزاؤں کا نام اسلام میں ''تعزیر'' ہے۔

حدود اللہ کی حکمت وبرکت

اسلام میں چار سزاؤں پر حدود کا اطلاق ہوتا ہے (۱) حد زنا (۲) حد سرقہ (۳) حد قذف (۴) حد خمر۔

حدود اللہ کے مقرر کرنے میں بڑے فائدے اور بڑی برکتیں ہیں جن کو کماحقہ کوئی بیان نہیں کرسکتا۔ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے حدود اللہ میں بڑے فائدے اس لئے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے قبیح افعال کو روکا جاسکتا ہے اور صرف نفاذ حدود سے آدمی ان گندے افعال سے بچ سکتا ہے۔ مثلاً حد زنا کے نفاذ سے آدمی ضیاع نسب، ضیاع اولاد اور ضیاع جان کی تباہی سے بچ جاتا ہے اور یہ چیزیں بین الاقوامی طور پر ہر عقلمند کے نزدیک واجب الحفاظت ہیں۔ '' حد خمر '' سے زوال عقل کی حفاظت ہوتی ہے اور دل ودماغ کا ٹھکانے پر رہنا بین الاقوامی طور پر مطلوب ومقصود امر ہے۔ '' حد قذف'' سے عزت نفس اور آبرو وناموس کی حفاظت ہوتی ہے جو بین الاقوامی طور پر ایک محمود وممدوح چیز ہے اور ''حد سرقہ'' سے حفاظت مال کا انتظام ہوجاتا ہے اور امن وامان اور حفاظت مال عالمی طور پر ہر ایک کے ہاں نہایت ضروری ہے خلاصہ یہ کہ حفاظت نسل، عزت نفس، حفاظت عقل اور حفاظت مال یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی افادیت پر دنیا کے سارے انسان متفق ہیں لہٰذا کوئی بھی عقلمند انسان اسلامی حدود اور حدود آرڈیننس پر اعتراض نہیں کرسکتا پھر اس کے علاوہ مسلمانوں کے لئے نفاذ حدود اللہ میں بڑی برکتیں ہیں۔ حدیث میں ہے کہ ایک حد کے نفاذ سے ملکی معیشت کو اتنا فائدہ ہوتا ہے جس طرح چالیس دن تک مفید اور نافع بارش سے ہوتا ہے۔

نیز معاشرہ اور سوسائٹی میں حدود اللہ امن وامان کے ضامن ہیں کیونکہ معاشرہ میں سو آدمیوں میں اگر پانچ فیصد لوگ شرابی کبابی یا چور اور زناکار ہیں تو وہ ۹۵ فیصد لوگوں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر پریشان کرتے ہیں اسلام حکم دیتا ہے کہ ان پانچ کو سزا دیکر قابو میں کرلو تاکہ ۹۵ فیصد کی زندگی امن وامان اور عزت وشرافت کے ساتھ گذرے۔

نیز جرائم پیشہ افراد کو جب اپنے جرم کی سزا اس دنیا میں مل گئی تو وہ آخرت کی دوزخ والی سخت سزا سے بچ جائیں گے۔ یہ سارے فائدے حدود اللہ میں ہیں شریعت یہ نہیں چاہتی کہ خواہ مخواہ کسی کو ستائے اس نے حدود اللہ کو انسان کے ستانے کے لئے مقرر نہیں کیا ہے بلکہ انسانوں کو انسان بنانے کیلئے مقرر کیا ہے سعودی عرب میں چند حدود قائم ہیں وہاں کتنا امن ہے اور افغانستان میں طالبان کی اسلامی حکومت کے قیام کے دوران وہاں کتنا امن وامان تھا اور وہاں کتنی شرافت و انسانیت تھی جس کی نظیر دنیا میں نہیں تھی مگر دنیا کو یہ شرافت پسند نہ آئی اور سارے کفار واشرار اور منافقین نے مل کر اس حکومت کو گرادیا اب وہاں نہ امن ہے نہ انسانیت ہے نہ شرافت ہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ شریعت میں جتنے احکام کا تجربہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوسکتا تھا حضور اکرمؐ نے ان احکام کو اپنی عملی زندگی میں لاکر امت کے سامنے ایک نمونہ پیش فردیا جیسے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن جو افعال ایسے تھے جن کا ارتکاب نبی کی شان کے منافی تھا اور عصمت انبیاء کے اصولوں کے منافی تھا تو ایسے احکامات پر تکوینی طور پر صحابہ کرام سے عمل کرایا گیا تاکہ آنے والی امت کے لئے نمونہ بن سکے لہٰذا تکوینی طور پر بعض صحابہ سے زنا کا عمل سرزد ہوا بعض واقعات چوری یا شرب خمر یا قذف کے پیش آئے چنانچہ حد لگنے کے بعد امت کے لئے حد قائم کرنے کا طریقہ کار فراہم ہوگیا، نفاذ حد کا ثبوت بھی مل گیا اور شریعت کے احکامات کی تکمیل بھی ہوگئی لہٰذا حدود میں جب کبھی کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کسی صحابی سے نظر آئے تو اس کو صرف گناہ کی حیثیت سے نہ دیکھو بلکہ اس کو تکمیل شریعت کے آئینہ میں دیکھو کہ یہاں بھی صحابہ کرام نے اپنی مقدس جانوں کو تکمیل شریعت کے لئے پیش فردیا (فرضی اللہ عنھم و عنا)

کتاب الحدود میں باب قطع السرقۃ سے پہلے تین قسم کی احادیث آئیں گی اکثر احادیث کا تعلق ''حد زنا'' سے ہے اور اس کے ضمن میں بعض کا تعلق حد قذف سے ہے باقی روایات کا تعلق حد لواطت سے ہے لہٰذا اس کتاب میں حد قذف کے لئے الگ عنوان نہیں رکھا گیا ہے اسی طرح سزائے لوطی کے لئے کوئی عنوان نہیں ہے حد قذف کی دیگر تمام احادیث باب اللعان میں گذر چکی ہیں۔

الفصل الاول

بارگاہ نبوت سے زنا کے ایک مقدمہ کا فیصلہ

﴿۱﴾عن اَبِی هُرَیْرَةَ وَزَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ اِخْتَصَمَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحَدُھُمَا اقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَقَالَ الْآخَرُ اَجَلْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاْذَنْ لِیْ اَنْ اَتَکَلَّمَ قَالَ تَکَلَّمْ قَالَ اِنَّ ابْنِیْ کَانَ عَسِیْفًا عَلٰی ھٰذَا فَزَنٰی بِاِمْرَاَتِہٖ فَاَخْبَرُوْنِیْ اَنَّ عَلَی ابْنِی الرَّجْمَ فَافْتَدَیْتُ مِنْهُ

بِمِائَةِ شَاةٍ وَبِجَارِيَةٍ لِي ثُمَّ اِنِّي سَأَلْتُ اَهْلَ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُونِي اَنَّ عَلَى اِبْنِي جَلْدَ مِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ وَاَنَّمَا الرَّجْمُ عَلَى اِمْرَاَتِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللّٰهِ اَمَّا غَنَمُكَ وَجَارِيَتُكَ فَرَدٌّ عَلَيْكَ وَاَمَّا اِبْنُكَ فَعَلَيْهِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَاَمَّا اَنْتَ يَا اُنَيْسُ فَاغْدُ عَلَى اِمْرَاَةِ هٰذَا فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارہ میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ محصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لئے اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریمؐ نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ ہو! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری لونڈی تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپؐ نے حضرت انیسؓ کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرلے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کرلیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔'' (بخاریؒ و مسلمؒ)

توضیح

بکتاب اللّٰہ : اس سے اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ رجم کا حکم الفاظِ قرآن میں موجود نہیں ہے '' **ای بحکم الله**'' مگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ مراد قرآن کریم ہی ہے اور یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے جو پہلے اتری تھی پھر الفاظ منسوخ ہو گئے اور حکم باقی رہا الفاظ یہ تھے '' **الشيخ و الشيخة اذا زنيا فار جموهما البتة نكالا من الله و الله عزيز حكيم** ''

''**اجل**'' یعنی نعم۔ '' **فاقض** '' علامہ طیبی لکھتے ہیں کہ یہ فا جزائیہ ہے شرط محذوف ہے یعنی جب اس شخص کا بیان آجائے تو

آپ کتاب اللہ پر ہی فیصلہ فرمادیں دونوں متخاصمین نے اشارہ کردیا کہ آپ ہمارے درمیان خالص کتاب اللہ کا فیصلہ فرمادیں کسی صلح مصالحت کی ضرورت نہیں ہے جو حکم ہے وہ نافذ فرمادیں "عسیفا" مزدور اور اجیر کے معنی میں ہے۔
"جلد مأة" جلد کوڑے کو کہتے ہیں شرعی کوڑا اتنا سخت نہیں ہوتا ہے آج کل حکمرانوں کے ہاں جو کوڑے ہیں یہ تو تباہی ہے جس کے دس کوڑوں سے آدمی کے مرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔

تغریب عام یعنی سال بھر جلاوطن کرنے کا حکم

"تغریب عام" تغریب مسافر بنانے اور جلاوطن کرنے کو کہتے ہیں۔اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ محصن یعنی شادی شدہ خواہ مرد ہو یا عورت ہو جب زنا کا ارتکاب کرے اور گواہوں سے یا اقرار سے زنا ثابت ہو جائے تو اس کو رجم یعنی سنگسار کیا جائے گا اور اگر محصن نہ ہو یعنی غیر شادی شدہ ہو تو ثبوت جرم کے بعد اس کو سو کوڑے مارے جائیں گے،فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا سال بھر تک جلاوطن کرنا حد میں داخل ہے یا یہ تعزیر کا حصہ ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ غیر محصن مرد ہو یا عورت ہو کوڑے لگنے کے بعد ایک سال کے لئے تغریب یعنی جلاوطن کرنا حد زنا کا حصہ ہے۔امام مالکؒ کے ہاں تغریب عام ہے اس پر عمل ہوگا لیکن یہ صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے اور عورتوں کے لئے بوجہ فتنہ یہ حکم نہیں کیونکہ عورت کو اگر جلاوطن کیا گیا تو فتنہ مزید بڑھ جائے گا۔احناف کہتے ہیں کہ سال بھر جلاوطن کرنا حد میں داخل نہیں ہے یہ محض تعزیر ہے اگر امام وقاضی سیاسۃً وحکمۃً کسی کو جلاوطن کرنا مناسب سمجھتے ہیں تو مصلحت کے تحت ان کو علاقہ بدر کردے مگر بہتر تغریب یہ ہے کہ ان کو جیل میں ڈالا جائے اور سال بھر تک قید تنہائی میں پڑا رہے۔شوافع نے تغریب عام کی مسافت تین دن تین رات کا فاصلہ مقرر کیا ہے۔

دلائل:

حنابلہ اور شوافع نے ان تمام احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں ۱۰۰ سو کوڑوں کے ساتھ تغریب عام کا ذکر آیا ہے چنانچہ اس باب کی حدیث نمبر ۱ اور حدیث ۲ اور حدیث ۴ سے ان حضرات نے استدلال کیا جو اپنے مدعا پر واضح احادیث ہیں ائمہ احناف نے قرآن کریم کی آیت "مأة جلدة" سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ آیت مطلق ہے اگر زانی کے کوڑوں کے ساتھ سال بھر کا جلاوطن کرنا حد میں داخل مانا جائے تو یہ اس آیت کے حکم پر اضافہ ہو جائے گا جو مناسب نہیں۔
احناف نے خلفاء راشدین کے فیصلوں سے بھی استدلال کیا ہے چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت علی کے حوالہ

سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا " کفی بالنفی فتنه " کہ جلاوطن کرنا فتنہ کے بڑھانے کے لئے کافی ہے۔اسی طرح مصنف عبدالرزاق میں حضرت عمر فاروق کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے امیہ بن ربیعہ کو جلاوطن کیا تو وہ عیسائی بن گیا اس پر عمر فاروق نے فرمایا " لا اغرب بعده مسلما " میں اب کسی مسلمان کو جلاوطن نہیں کروں گا یہ الفاظ واضح طور پر بتارہے ہیں کہ تغریب حد کا حصہ نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو حضرت عمر اس کو کبھی بھی ختم نہیں کر سکتے تھے (یہ دونوں روایتیں زجاجۃ المصابیح جلد ۳ ص ۵۹ پر ہیں)

جواب

شوافع کے مستدلات کا جواب یہ ہے کہ تغریب کا حکم سیاست و مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے گویا یہ تعزیر کا ایک حصہ ہے اگر قاضی اس کو مناسب سمجھتا ہے تو ایسا کرے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے بھی تغریب کا واقعہ منقول ہے احناف نے ان روایات کا دوسرا جواب یہ بھی دیا ہے کہ یہ حکم ابتدا میں تھا پھر موقوف یا منسوخ ہوگیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے حد زنا کے کئی واقعات میں کوڑوں کے بعد تغریب عام کا حکم نہیں، یا اگر یہ حکم واجب العمل ہوتا تو آنحضرتؐ کبھی بھی اس سے درگذر نہ فرماتے، بہرحال اگر قبائلی نظام کو دیکھا جائے تو یہ حکم اب بھی وہاں موجود ہے اور اس پر عمل کرنے سے بڑے بڑے فتنے رک جاتے ہیں احناف اسی کو سیاست کہتے ہیں۔

اعتراف زنا پر حد جاری کرنے کا حکم

"فان اعترفت" اب یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ آیا ایک بار اعتراف بالزنا پر حد جاری کی جائی گی یا اعتراف کے لئے تعدد شرط ہے نیز اس میں بھی کلام ہے کہ آیا ایک مجلس میں اعتراف کافی ہے یا چار مجالس میں الگ الگ اعتراف ضروری ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اقرار کرنا ثبوت زنا کے لئے کافی ہے اور مجلس کے تعدد یا اعتراف کے تعدد کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ثبوت زنا کے لئے چار بار اقرار کرنا شرط ہے تاکہ چار گواہوں کے قائم مقام ہو جائے نیز ایک مجلس کے بجائے چار مجالس کا تعدد بھی لازم ہے۔

دلائل

شوافع اور مالکیہ مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں ایک مرتبہ اقرار کا ذکر ہے اور مجلس کے تعدد کا بھی

کوئی ذکر نہیں ہے۔ احناف اور مالکیہ حضرت ماعز کی متعدد روایات سے استدلال کرتے ہیں جس میں چار مرتبہ اقرار کا ذکر آیا ہے کہ آنحضرتؐ نے تین بار ان کو واپس کیا اور چوتھی بار رجم کا حکم دیا اگر ایک یا دو بار اقرار سے حد واجب ہو جاتی تو آنحضرتؐ ماعز کو واپس کرنے کے بجائے فوراً حد نافذ فرما دیتے حضرت ماعز کے رجم کی تمام روایات پر اگر نظر ڈالی جائے تو تعدد مجلس اور تعدد اقرار میں کسی کو کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔

جواب

شوافع اور مالکیہ کی دلیل کی توجیہ اور جواب یہ ہے کہ اس میں جنس اعتراف کا ذکر ہے اس میں ایک یا دو کا ذکر نہیں نہ نفی کا ذکر ہے نہ اثبات کا ذکر ہے تو اس میں یا وہی معہود چار اعتراف مراد ہیں یا روایت مجمل ہے اس کی تفسیر و تفصیل ماعز کی روایت میں ہے۔

غیر محصن زانی کی سزا اور احصان کی شرطیں

﴿۲﴾ وعن زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ فِيمَنْ زَنٰى وَلَمْ يُحْصِنْ جَلْدَمِائَةٍ وَتَغْرِيبَ عَامٍ (رواه البخاري)

اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محصن زانی کے بارہ میں یہ حکم دیتے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کیا جائے۔ (بخاریؒ)

توضیح

ولم یحصن: زانی اگر غیر محصن ہے تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں لیکن اگر زانی محصن ہے تو اس کی سزا رجم ہے اب احصان زنا اور محصن بننے کی کیا شرائط ہیں علماء نے پانچ شرائط کا ذکر کیا ہے (۱) بالغ ہونا (۲) عقلمند ہونا (۳) شادی شدہ ہونے کے ساتھ خلوت صحیحہ کرنے والا (۴) آزاد ہونا (۵) مسلمان ہونا۔ یہ احصان زنا کی شرطیں ہیں احصان قذف کی شرطیں بھی یہی ہیں صرف وہاں شادی شدہ کے بجائے پاکدامن ہونا شرط ہے اگر مقذوف پاک دامن نہیں ہے تو قاذف پر حد قذف نہیں لگے گی۔

ان شرائط میں اسلام کی شرط میں حد زنا کے باب میں اختلاف ہے کہ آیا غیر مسلم ذمی پر حد زنا نافذ کی جائے گی یا نہیں تو شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ حد زنا کے نافذ کرنے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ آنحضرت نے دو یہودیوں کے درمیان حد زنا کا حکم نافذ فرمایا تھا حالانکہ وہ غیر مسلم تھے جن کا قصہ آگے آرہا ہے۔

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ احصان الزنا کے لئے اسلام شرط ہے لہٰذا ذمی اور ذمیہ اگر زنا کریں تو حد نافذ نہیں ہوگی ان کی دلیل حضرت ابن عمر کی مرفوع اور موقوف روایت ہے جس کے الفاظ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں اس طرح نقل کئے ہیں" من اشرک بالله فلیس بمحصن "

شوافع اور حنابلہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ حکم تورات کا تھا قرآن عظیم کا نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ یہودیوں سے تورات پڑھوا کر فیصلہ صادر فرمایا تھا یا وہ حکم تنکیل وعبرت کے لئے بطور سیاست تھا کہ یہودیوں میں زنا کا رواج عام ہوگیا تھا۔

اسلام میں رجم کا ثبوت اور محصن زانی کی سزا

﴿۳﴾وعن عُمَرَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا (صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) بِالْحَقِّ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ فَكَانَ مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالیٰ آيَةَ الرَّجْمِ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنٰى اِذَا اَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ اِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ اَوْكَانَ الْحَبَلُ اَوِالْاِعْتِرَافُ (متفق عليه)

اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں جو کچھ نازل کیا ہے اس میں آیت رجم بھی ہے۔ اور کتاب اللہ میں اس شخص کو رجم کرنے کا حکم ثابت ہے جو محصن ہونے کے باوجود زنا کرے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو اور یہ رجم کی سزا اس وقت دی جائے گی جب کہ زنا کا جرم گواہوں کے ذریعہ یا حمل کے ذریعہ اور یا اعتراف واقرار کے ذریعہ ثابت ہو۔ (بخاریؒ ومسلمؒ)

توضیح:

والرجم فی کتاب الله : حضرت عمرؓ نے اس جملہ میں اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو ایک بار قرآن میں اتری تھی لیکن پھر اس کے الفاظ منسوخ ہوگئے اور حکم باقی رہا۔ وہ آیت یہ تھی۔

﴿الشیخ و الشیخة اذا زنیافا رجموهما البتة نكالا من الله و الله عزيز حكيم﴾

اب یہ آیت منسوخ التلاوۃ اور باقی الحکم ہے

اسلام میں غیر شادی شدہ غیر محصن شخص کے لئے سو کوڑوں کی سزا موجود ہے اس میں تو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اب سوال یہ ہے کہ محصن زانی کے لئے رجم اور سنگسار کرنا ہے یہ سزا کہاں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن کریم کا حکم ہے اور قرآن سے ثابت ہے لیکن اس کے لئے جو آیت اتری تھی جس کے الفاظ اوپر درج کئے گئے ہیں وہ منسوخ التلاوۃ ہیں اور حکم اب بھی موجود ہے اور ایسا ہوتا ہے یہ ہمارا فیصلہ نہیں ہے نہ یہ ہمارا معاملہ ہے صحابہ کرام اور شارع اسلام کا معاملہ اور ان

کا فیصلہ ہے صحابہ کرام کی یہی گواہی ہے کہ اس طرح ہوا ہے پھر اس پر ان کا اجماع منعقد ہے کہ رجم کا حکم قرآن کا حکم ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی میں خطبہ کے دوران اعلان فرمایا کہ رجم اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور قرآن میں ہے ایک طویل زمانہ گذرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے اس سے وہ گمراہ ہو جائیں گے قسم بخدا اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ عمر نے قرآن میں اضافہ کر دیا تو میں اس آیت کو قران میں داخل کر کے الفاظ کے ساتھ لکھوا دیتا۔

ان واقعات واشارات سے ثابت ہوا کہ رجم کرنا قرآن کا حکم ہے۔ نیز یہودیوں کے رجم کے حکم سے انکار پر قرآن کریم میں قریباً ایک رکوع رجم کے ثبوت سے متعلق آیا ہے سورت مائدہ رکوع نمبر ۷ کو دیکھ لینا چاہئے۔ نیز احادیث مبارکہ رجم کے سلسلہ میں تواتر کے ساتھ وارد ہیں نیز حضور اکرم کا عمل اور رجم کو کئی صحابہ پر نافذ کرنا اور مدینہ کے یہودیوں پر بھی نافذ کرنا یہ واضح دلائل ہیں کہ رجم کا حکم قرآن واسلام کا حکم ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں ان کے نور ایمانی نے دور سے آنے والے فتنوں کی نشان دہی فرمائی۔ صحابہ کرام نے اس کو جاری رکھا ہے اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے غیر مبہم واقعات ہیں خوارج کے سوا اور آج کل کے ملحدین اور منافقین کے سوا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے۔

''او کان الحبل'' ثبوت حد کے لئے گواہوں کا قیام یا مرتکب جرم کا خود اقرار کرنا تو کافی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اگر غیر شادی شدہ عورت کا ظہور حمل ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

غیر شادی شدہ عورت کے حمل کا حکم

امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ظہور حمل کی بنیاد پر حد زنا نہیں لگائی جائے گی۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حمل کا ظاہر ہونا غیر شادی شدہ عورت میں حد زنا کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور مذکورہ جملہ او کان الحبل سے استدلال کیا ہے، جمہور فرماتے ہیں کہ حمل کا وجود محتمل ہے ہوسکتا ہے کہ اکراہ کی صورت میں ہو یا اشتباہ کی وجہ سے ہو یا حالت نوم میں ہو یا غیر اختیاری طور پر ہو ان احتمالات کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ الحدود تندرئی بالشبہات ایک واضح قاعدہ ہے مذکورہ جملہ " او کان الحبل " کا جواب یہ ہے کہ یہ سبب بعیدہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ جب بغیر شوہر کے بچہ ظاہر ہو جائے تو پھر یا گواہوں سے ثبوت ہوگا اور یا اقرار سے ثبوت ہوگا اور پھر حد لگے گی یہ مطلب نہیں کہ صرف حمل کی بنیاد پر حد لگے گی بہر حال یہ تاویل کمزور ہے۔

شادی شدہ زانیہ اور زانی کو سنگسار کرو

﴿۴﴾ وعن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُذُوا عَنِّی خُذُوا عَنِّی قَدْجَعَلَ اللّٰهُ

لَهُنَّ سَبِيلًا اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ (رواه مسلم)

اور حضرت عبادہؓ ابن صامت راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانیہ کے بارہ میں مجھ سے یہ حکم حاصل کرو، مجھ سے یہ حکم حاصل کرو کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راہ مقرر کردی ہے، جو غیر محصن مرد کسی غیر محصنہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن کردیا جائے۔ اور جو محصن مرد کسی محصنہ عورت سے زنا کرے تو سو کوڑے مارے جائیں اور سنگسار کیا جائے۔ (مسلمؒ)

توضیح:

خذوا عنی: آنحضرتؐ نے یہ ارشاد اس لئے فرمایا کہ اس سے پہلے قرآن کی آیت میں زانی اور زانیہ کی حد مشروع نہیں ہوئی تھی وہ آیت یہ ہے!

﴿والّتی یأتین الفاحشة من نسآء کم فاستشهدوا علیهن اربعة منکم فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت حتی یتوفاهن الموت اویجعل الله لهن سبیلا (سورة نساء ۱۵)﴾

اس آیت کے بعد جب سورت نور کی آیتیں اتریں اور اس میں حد زنا کا حکم آ گیا تو آپؐ نے اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے سبیل نکالنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرمادیا اب اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ مقرر فرمادیا کہ غیر شادی شدہ مرد و عورت کے لئے سو کوڑے اور سال بھر کے لئے جلاوطن کرنا ہے اور شادی شدہ کے لئے سو کوڑے اور رجم ہے۔

جمع بین الرجم و الجلد کا حکم

اس حدیث کے آخری جملہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو پہلے سو کوڑے مارو اور پھر رجم کرد اس سے معلوم ہوا کہ کوڑے مارنا اور سنگسار کرنا ایک انسان پر ایک حد میں جمع ہوسکتا ہے اہل ظواہر اور بعض تابعین نے ان احادیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے اور رجم کے ساتھ پہلے کوڑوں کی سزا کو جائز قرار دیا ہے جمہور فقہاء اور جمہور امت کے نزدیک رجم کے ساتھ کوڑوں کی سزا نہیں دی جاسکتی ان کی طرف سے اس حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے بعد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع نہیں کیا ہے یہ اس حکم کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر کوڑے لگانا رجم کے ساتھ کسی حدیث سے ثابت ہوجائے تو یہ حکم سیاسةً ہوگا حداً نہیں ہوگا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ بعض دفعہ آپؐ نے کسی شخص کو جرم کے ارتکاب پر کوڑے مارے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شخص محصن تھا اس لئے آپؐ نے پھر رجم بھی فرمادیا جس سے رجم اور جلد جمع ہوگیا بہر حال عہد نبوی میں ہمیشہ کے معمول نہ ہونے کی وجہ سے یہ تاویلیں کرنی پڑیں گی۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب زمین پر نہ رکھو

﴿۵﴾وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ الْيَهُودَ جَاؤُا اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوْا لَهٗ اَنَّ رَجُلًا مِّنْهُمْ وَامْرَاَةً زَنَيَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ قَالُوْا نَفْضَحُهُمْ وَيُجْلَدُوْنَ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ كَذَبْتُمْ اِنَّ فِيهَا الرَّجْمَ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَنَشَرُوْهَا فَوَضَعَ اَحَدُهُمْ يَدَهٗ عَلٰى آيَةِ الرَّجْمِ فَقَرَأَ مَاقَبْلَهَا وَمَابَعْدَهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَافِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَقَالُوا صَدَقَ يَامُحَمَّدُ فِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ فَاَمَرَ بِهِمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُجِمَا ،وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ اِرْفَعْ يَدَكَ فَرَفَعَ فَاِذَافِيهَا آيَةُ الرَّجْمِ تَلُوحُ فَقَالَ يَامُحَمَّدُ اِنَّ فِيهَا آيَةَ الرَّجْمِ وَلٰكِنَّهَا نَتَكَاتَمُهُ بَيْنَنَا فَاَمَرَ بِهِمَا فَرُجِمَا (متفق عليه)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہوں نے آپ کے سامنے یہ بیان کیا کہ ان کی قوم میں سے ایک عورت اور ایک مرد نے جو دونوں محصن یعنی شادی شدہ تھے نے زنا کیا ہے، آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے تورات میں رجم کے بارہ میں کیا پڑھا ہے؟ یہودیوں نے کہا کہ ہم زنا کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں ان کی یہ بات سن کر حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ تم لوگ جھوٹ بولتے ہو، تورات میں بھی رجم کا حکم مذکور ہے تورات لاؤ میں تمہیں رجم کا حکم دکھاتا ہوں چنانچہ جب تورات لائی گئی اور اس کو کھولا گیا تو یہودیوں میں سے ایک شخص نے جھٹ سے اس جگہ اپنا ہاتھ رکھ دیا جہاں رجم کے بارہ میں آیت تھی (یعنی اس نے اپنے ہاتھ سے رجم کی آیت کو چھپانے کی کوشش کی) اور اس کے آگے پیچھے کی آیتیں پڑھنے لگا یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن سلام نے اس سے کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی، اس (آیت کو چھپانے والے) نے کہا اے محمد! اس (عبداللہ بن سلام) نے سچ کہا تورات میں رجم کی آیت موجود ہے، اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ دونوں سنگسار کر دیئے گئے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام نے اس شخص سے (کہ جس نے رجم کی آیت کو اپنے ہاتھ کے نیچے چھپانے کی کوشش کی تھی) کہا کہ اپنا ہاتھ ہٹاؤ، اور پھر جب اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو دیکھا گیا کہ وہاں رجم کی آیت موجود تھی، اس آیت کو چھپانے والے نے کہا "اے محمد! تورات میں رجم کی آیت موجود ہے مگر ہم آپس میں اس کو ظاہر نہیں کرتے" اس کے بعد آنحضرتؐ نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیئے گئے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح:

ان الیھود جآء وا:

سوال:

یہاں یہ سوال ہے کہ یہود کافر ہیں اور کافر محصن نہیں ہوتا اگر چہ شادی شدہ ہو۔ احصان کے لئے اسلام شرط ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تو یہاں یہودیوں کے رجم کرنے کا حکم کیسے صادر کیا گیا؟۔

جواب

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے یہ حکم تورات کے مطابق صادر فرمایا تھا اور تورات میں رجم کے لئے احصان شرط نہیں تھا دوسرا جواب یہ ہے کہ اب تک قرآن کا حکم آیا نہیں تھا تو تورات پر عمل کیا گیا جب قرآن کا حکم آیا تو تورات کا حکم منسوخ ہو گیا لہٰذا اب ذمی پر رجم کا حکم نافذ نہیں ہوگا اس مسئلہ میں شوافع اور حنابلہ کا اختلاف پہلے لکھا جا چکا ہے۔

تنبیه:

ابوداؤد شریف میں اس قسم کی حدیث کتاب الحدود باب رجم الیہودین میں آئی ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ یہودیوں کے ساتھ بیت المدارس یعنی ان کے مدرسہ میں بیٹھ گئے تو انہوں نے آپ کے اکرام کے لئے نیچے تکیہ رکھ دیا آنحضرتؐ نے تورات منگوائی جب تورات لائی گئی تو آنحضرت نے تکیہ نیچے سے اٹھا کر سامنے رکھ دیا اور اس پر تورات رکھ دی اور تورات کو زمین پر رکھنے نہ دیا اس سے تمام عرب کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ زمین پر قرآن رکھ کر بے ادبی کر رہے ہیں اور قرآن کا احترام نہیں کر رہے ہیں ابوداؤد کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"ثم قال ائتونی بالتوراة فاتی بها فنزع الوسادة من تحته و وضع التوراة علیها و فی روایة ووضع الوسادة تعظیما لکتاب الله تعالیٰ وقال آمنت بک و بمن انزلک (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۵)

باوجودیکہ توراۃ منسوخ شدہ کتاب تھی مگر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے آنحضرت نے اس کا احترام کیا اور غیر محروف تورات پر ایمان لانے کا اعلان فرمایا اب اگر کوئی مسلمان اپنے عظیم قرآن اور اللہ تعالیٰ کی عظیم کتاب کا احترام نہیں کرے گا تو وہ اس کے فوائد و برکات سے کیسے مالا مال ہو سکے گا؟ فالی اللہ المشتکیٰ

فوضع احدهم یده: یہ تورات کا ایک عالم تھا جس کا نام ابن صوریا تھا مگر یہودیوں کی رگ و ریشہ میں اللہ کی کتابوں میں تحریف کا مادہ پیوست ہو چکا ہے اس لئے اس بھری مجلس میں بھی حق کو چھپانے اور انگلیوں سے دبانے کی کوشش کر رہا تھا آج

کل مسلمان حکمران یہودیوں کا یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں اور قرآن کے احکام چھپا رہے ہیں اس وقت حضرت عبداللہ بن سلام نے یہودیوں کو رسوا کر دیا اور آج کل علماء حق یہ فریضہ ادا کر رہے ہیں یہودیوں نے اعتراف کر لیا کہ ہم میں سے جب بااثر اور اصحاب اقتدار مالدار طبقہ زنا کا ارتکاب کرتا تو ہم ان کے لئے تورات کے حکم رجم کو نرم کر کے کوڑوں اور لعن طعن میں تبدیل کر دیتے تھے اور غریب پر بے دھڑک پورا حکم نافذ کر دیا جاتا تھا اس طرح تورات میں تحریف ہوئی افسوس ہے کہ آج کل کے ملحد حکمران اللہ کی کتاب کا حکم غریبوں پر بھی نافذ نہیں کرنے دیتے۔

رجم کا ایک واقعہ اور اس میں آداب و مسائل

﴿۲﴾ وعن اَبِی ھُرَیْرَۃَ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَنَادَاہُ یَارَسُولَ اللّٰہِ اِنِّی زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَنَحّٰی لِشِقِّ وَجْھِہِ الَّذِی اَعْرَضَ قِبَلَہٗ فَقَالَ اِنِّی زَنَیْتُ فَاَعْرَضَ عَنْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا شَھِدَ اَرْبَعَ شَھَادَاتٍ دَعَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبِکَ جُنُونٌ قَالَ لَافَقَالَ اَحْصَنْتَ قَالَ نَعَمْ یَارَسُولَ اللّٰہِ قَالَ اِذْھَبُوا بِہٖ فَارْجُمُوہُ قَالَ ابْنُ شِھَابٍ فَاَخْبَرَنِی مَنْ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰہِ یَقُولُ فَرَجَمْنَاہُ بِالْمَدِیْنَۃِ فَلَمَّا اَذْلَقَتْہُ الْحِجَارَۃُ ھَرَبَ حَتّٰی اَدْرَکْنَاہُ بِالْحَرَّۃِ فَرَجَمْنَاہُ حَتّٰی مَاتَ (متفق علیہ) وَفِی رِوَایَۃٍ لِلْبُخَارِیِّ عَنْ جَابِرٍ بَعْدَ قَوْلِہٖ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ بِہٖ فَرُجِمَ بِالْمُصَلّٰی فَلَمَّا اَذْلَقَتْہُ الْحِجَارَۃُ فَرَّفَاُدْرِکَ فَرُجِمَ حَتّٰی مَاتَ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرًا وَصَلّٰی عَلَیْہِ .

اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جب کہ آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اس شخص نے آواز دی ''یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جدھر آپؐ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپؐ نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرتؐ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپؐ نے پوچھا کیا تو محصن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ (جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابرؓ ابن عبداللہ سے سنا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ) حضرت جابرؓ نے کہا کہ ہم نے آنحضرتؐ کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا چنانچہ جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے

اور اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو ''حرۃ'' میں جا کر پکڑا (مدینہ کا وہ مضافاتی علاقہ جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا) اور پھر اس کو سنگسار کیا تا آنکہ وہ مر گیا۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں اس (آدمی) کے قول نعم کے بعد یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تو اس کو جنازہ گاہ میں سنگسار کیا گیا جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر اس کو پکڑا گیا اور سنگسار کیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا، نبی کریمؐ نے اس کے بارے میں اچھی بات فرمائی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

توضیح:

اربع شھادات: اس جملہ سے احناف اور حنابلہ کا مسلک واضح طور پر ثابت ہوتا ہے جو چار مرتبہ اقرار کو ثبوت زنا کے لئے ضروری سمجھتے ہیں شوافع اور مالکیہ ایک مرتبہ اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔

ابک جنون ؟: اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی اور حاکم کو پوری تحقیق کرنی چاہئے اور یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اعتراف کرنے والا اپنا بیان بدل دے تا کہ حد ساقط ہو جائے بشرطیکہ اس معاملہ میں شرعی قواعد کا پورا خیال رکھا جائے یہ تحقیق اعتراف کی صورت میں ہے گواہوں کی گواہی کی صورت میں نہیں وہاں گواہوں پر جرح کا مسئلہ ہے۔

"فلما اذلقته الحجارۃ" اذلاق تیز چیز سے کسی کو زخمی کر کے کمزور کرنے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ جب پتھروں کے پڑنے نے ان کو زخمی کر کے کمزور اور عاجز بنا دیا تو **"ھرب"** وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر مجرم اقراری بھاگ رہا ہے تو اس کا پیچھا نہیں کرنا چاہئے ہوسکتا ہے وہ اپنے اقرار سے رجوع کر رہا ہو اور یہ رجوع آخر وقت تک کار آمد ہے یہی وجہ ہے کہ شریعت نے قصاص میں تلوار مقرر فرما دی کیونکہ وہاں سزا شروع ہوتے ہی حکم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے تو کسی مہلت دینے کا فائدہ نہیں ہے لیکن یہاں چونکہ اقرار زنا ہے تو کسی وقت بھی یہ آدمی انکار زنا کر سکتا ہے اور اس انکار سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی حکمت کے تحت اسلام نے یہاں سنگساری کا حکم دیا ہے تا کہ آخر وقت تک بچنے کی مہلت موجود ہو یہاں اگر گواہوں کی وجہ سے جرم ثابت ہوا ہو تو پھر انکار کا کوئی فائدہ نہیں وہاں گواہوں کے رجوع سے حد ساقط ہوسکتی ہے اس حدیث میں مرجوم کے بھاگنے سے معلوم ہوا کہ رجم کے دوران مرجوم کا باندھ کر رجم کرنا ضروری نہیں اور نہ کسی گڑھے میں رکھنا ضروری ہے ہاں عورت کو پردہ کی حفاظت کی وجہ سے گڑھے میں کھڑا کر کے رجم کیا جائے گا۔

" فرجم بالمصلی " مصلی سے مراد جنازہ گاہ ہے اور یہ بقیع غرقد کے پاس تھا تو اب یہ اعتراض نہیں آئے گا کہ بعض روایات میں بقیع غرقد کے پاس سنگسار کرنے کا ذکر ملتا ہے بعض میں مصلی کا ذکر آیا ہے اور بعض میں ''حرۃ'' کا تذکرہ ہے جو تعارض کی نشاندہی کرتا ہے تو جواب واضح ہے کہ بقیع غرقد کے پاس جنازہ گاہ تھی تو دونوں ایک ہی جگہ ہے اور ''حرۃ'' کا ذکر

اس لئے آیا ہے کہ یہ شخص وہاں تک بھاگ کر نکلا تھا تو وہاں بھی رجم کا عمل ہوا تھا۔

اب یہ مسئلہ ہے کہ اگر مصلی سے عیدگاہ مراد ہو تو جب کسی جگہ کو ایک بار مسجد اور عیدگاہ کا حکم دیکر اس میں نمازیں شروع ہو جائیں تو پھر اس کے تقدس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے لہٰذا وہاں رجم کرنا جائز نہیں تا کہ خون سے آلودہ نہ ہو جائے ایک حدیث میں آیا ہے "جنبوا مساجد کم صبیا نکم و مجانینکم و رفع اصواتکم و شراکم و اقامۃ حدود کم"

اس لئے علامہ نووی فرماتے ہیں کہ یہاں مصلی سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازہ کی نماز ہوتی تھی یہ عیدگاہ نہیں تھی اور صرف نماز کی جگہ کو مسجد یا عیدگاہ قرار نہیں دیا جا سکتا نہ اس کی حیثیت مسجد یا عیدگاہ کی ہوتی ہے۔ " وصلی علیہ " اس صیغہ میں بہت اختلاف ہے کہ آیا یہ مجہول کا صیغہ ہے، یا معروف کا صیغہ ہے آئندہ آنے والی حدیث میں بھی یہ صیغہ اسی طرح آیا ہے اگر یہ صیغہ مجہول کا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرتؐ نے سنگسار شدہ آدمی کی جنازہ میں خود شرکت نہیں فرمائی البتہ صحابہ نے جنازہ کی نماز پڑھی تھی اور اگر یہ صیغہ معروف ومعلوم کا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت سنگسار شدہ آدمی کے جنازہ میں شریک ہو گئے تھے۔

راجح یہ ہے کہ یہ صیغہ معلوم کا ہے اور جمہور کی رائے بھی یہی ہے مسلم شریف کی کئی روایات میں یہ صیغہ معروف اور معلوم منقول ہے اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ سنگسار شدہ آدمی کا جنازہ پڑھا جائے یا نہیں تو امام مالکؒ کے ہاں مرجوم کی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ عام مسلمان پڑھ لیں مگر وقت کا بادشاہ یا قاضی یا مشہور اہل فضل وکمال علماء اس میں شرکت نہ کریں۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہر مسلمان کلمہ گو کا جنازہ پڑھا جائے گا خواہ وہ مرجوم ہو یا فاسق ہو یا قاتل نفس وغیرہ ہو امام احمد کا ایک قول اسی طرح ہے۔ احادیث کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بعض روایات میں آنحضرت سے جنازہ پڑھنے کی نفی معلوم ہوتی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جنازہ پڑھا ہے اس میں تطبیق اسی طرح ہے کہ آپ نے جنازہ تو پڑھا ہے لیکن بطور زجر تاخیر بھی فرمائی ہے جس سے نہ پڑھنا معلوم ہو گیا تھا۔

﴿۷﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ قالَ لمّا اتی ماعزُ بنُ مالکٍ النّبیَّ صلّی اللّٰہُ علیہِ وسلّم فقالَ لہٗ لعلّک قبّلتَ اوغمزتَ اونظرتَ قالَ لا یارسولَ اللّٰہِ قالَ انِکتَہا لا یکنی قالَ نعم فعندَ ذٰلک امرَ برجمِہٖ

(رواہ البخاری)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جب ماعز ابن مالک، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مسجد نبوی میں) آئے (اور کہا کہ "مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے") تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ شاید تم نے اجنبیہ کا بوسہ لیا ہوگا، یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہوگا یا دیکھا ہوگا (یعنی یہ چیزیں زنا کا باعث بنتی ہیں تم ان میں کوئی حرکت کر گذرے ہوں گے

اور اب اسی کو زنا سے تعبیر کر رہے ہو) انہوں نے عرض کیا کہ "نہیں" یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم نے جماع کیا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ بات اشارے میں نہیں پوچھی بلکہ صاف لفظوں میں پوچھا کہ کیا واقعی تم نے زنا کیا ہے؟ ماعز نے کہا کہ ہاں میں نے جماع کیا ہے۔" اس (تحقیق وتفتیش) کے بعد آپؐ نے ماعز کو سنگسار کئے جانے کا حکم فرمایا۔ (بخاری)

توضیح

" انکتھا لایکنی " ناک ینیک عربی لغت میں جماع کے لئے سب سے زیادہ واضح اور برہنہ لفظ ہے اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ عدالت میں قاضی کو چاہئے کہ کنائی الفاظ کے بجائے واضح اور بامعنی اور عام فہم الفاظ استعمال کرنے کا ماحول بنائے اور مبہم ذومنی الفاظ استعمال نہ کرے اور نہ اشاروں سے کام چلائے لایکنی کا معنی یہی ہے کہ آپؐ نے کنایہ اور اشارہ سے کام نہیں لیا۔

حد قائم کرنے سے گناہ معاف ہوجاتا ہے

﴿۸﴾وعن بُرَيْدَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزُ ابْنُ مَالِكٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ وَيْحَكَ اِرْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَيْهِ قَالَ فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَ اُطَهِّرُكَ قَالَ مِنَ الزِّنَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِهٖ جُنُونٌ فَاُخْبِرَ اَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ فَقَالَ اَشَرِبَ خَمْرًا فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ فَقَالَ اَزَنَيْتَ قَالَ نَعَمْ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ فَلَبِثُوا يَوْمَيْنِ اَوْ ثَلَاثَةً ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ ثُمَّ جَاءَتْهُ اِمْرَاَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْاَزْدِ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ طَهِّرْنِي فَقَالَ وَيْحَكِ اِرْجِعِي فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي اِلَيْهِ فَقَالَتْ تُرِيدُ اَنْ تُرَدِّدَنِي كَمَا رَدَّدْتَّ مَاعِزَ بْنِ مَالِكٍ اِنَّهَا حُبْلٰى مِنَ الزِّنٰى فَقَالَ اَنْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَهَا حَتّٰى تَضَعِي مَافِي بَطْنِكِ قَالَ فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ حَتّٰى وَضَعَتْ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ فَقَالَ اِذًا لَانَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهٗ مَنْ يُرْضِعُهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِلَيَّ رَضَاعُهُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ فَرَجَمَهَا، وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ لَهَا اِذْهَبِي حَتّٰى تَلِدِيْ

فَلَمَّا وَلَدَتْ قَالَ اِذْهَبِي فَارْضِعِيْهِ حَتّٰى تَفْطِمِيْهِ فَلَمَّا فَطَمَتْهُ اَتَتْهُ بِالصَّبِيِّ وَفِي يَدِهٖ كِسْرَةُ خُبْزٍ فَقَالَتْ هٰذَا يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَدْ فَطَمْتُهُ وَقَدْ اَكَلَ الطَّعَامَ فَدَفَعَ الصَّبِيَّ اِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَحُفِرَ لَهَا اِلٰى صَدْرِهَا وَاَمَرَ النَّاسَ فَرَجَمُوْهَا فَيُقْبِلُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ بِحَجَرٍ فَرَمٰى رَأْسَهَا فَتَنَضَّحَ الدَّمُ عَلٰى وَجْهِ خَالِدٍ فَسَبَّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَهْلًا يَا خَالِدُ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهٗ ثُمَّ اَمَرَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهَا وَدُفِنَتْ (رواہ مسلم)

اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ماعز ابن مالک آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے یعنی (مجھ سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی حد جاری کر کے میرے اس گناہ کی معافی کا سبب بن جائیے) آپؐ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے واپس جا یعنی زبان کے ذریعہ استغفار کر اور دل سے توبہ کر راوی کہتے ہیں کہ وہ چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر پھر واپس آ گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، نبی کریمؐ نے وہی الفاظ فرمائے جو پہلے فرمائے تھے، چار مرتبہ اسی طرح ہوا، اور (جب چوتھی بار ماعز نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے) تو رسول کریمؐ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے کس چیز سے اور کس وجہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا کہ (حد جاری کر کے) زنا کے گناہ سے۔ آنحضرتؐ نے اس کی بات سن کر صحابہؓ سے فرمایا کہ یہ دیوانہ ہے؟ (صحابہؓ کی طرف سے) آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ یہ دیوانہ نہیں ہے۔ پھر آنحضرتؐ نے پوچھا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ (یہ سن کر) ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کا منہ سونگھا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے یا نہیں) لیکن شراب کی بو نہیں پائی گئی، آنحضرتؐ نے پھر ماعز سے پوچھا کہ کیا (واقعی) تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا دو یا تین روز اسی طرح گذر گئے یعنی مجلس نبوی میں ماعز کی سنگساری کے بارے میں دو تین دن تک کوئی ذکر نہیں ہوا پھر (ایک دن) رسول کریمؐ تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ (ماعز کے درجات کی بلندی) کے لئے دعا کرو بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کے ثواب کو پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے۔ پھر اس کے بعد (ایک دن) ایک عورت جو قبیلہ ازد کے ایک خاندان غامد میں سے تھی آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، واپس جا اور اللہ سے استغفار و توبہ کر۔ اس عورت نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپؐ نے ماعز ابن مالک کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اسی طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں؟ اور درانحالیکہ (میں) وہ عورت (ہوں جو) زنا کے ذریعہ حاملہ ہے (لہٰذا اس اقرار کے بعد میرے انکار کی گنجائش تھی) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تو! (یعنی آنحضرتؐ نے ایک طرح سے اپنے تغافل کو ظاہر

کرنے اور اس کو اقرار زنا سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا کہ یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا تو زنا کے ذریعہ حاملہ ہے! اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور) کہا کہ "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے اس عورت کی خبر گیری اور کفالت کا اس وقت تک کے لئے ذمہ لیا جب تک وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ غامدیہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کے کمسن بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔ (یعنی اگر ہم نے اس کو ابھی سنگسار کر دیا تو اس کا بچہ جو شیر خوار اور بہت چھوٹا ہے ہلاک ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی ماں کے بعد اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے ابھی اس کو سنگسار کرنا مناسب نہیں ہے۔) ایک اور انصاری (یہ سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس بچہ کے دودھ پلانے اور اس کی خبر گیری کا میں ذمہ دار ہوں' راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس عورت کو سنگسار کیا (یعنی اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی)۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرتؐ نے اس عورت سے فرمایا کہ جا جب تک کہ تو ولادت سے فارغ نہ ہو جائے (انتظار کر) پھر جب وہ ولادت سے فارغ ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جا اس بچہ کو دودھ پلا تا آنکہ تو اس کا دودھ چھڑائے اور پھر جب اس نے بچہ کا دودھ بھی چھڑا دیا تو اس بچہ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس کے بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے یہ اب روٹی کھانے لگا ہے! آنحضرتؐ نے اس بچہ کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے اور وہ اس کے سینہ تک کھودا جائے جب اس کے سینہ تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپؐ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کیا گیا اس کی سنگساری کے دوران جب حضرت خالد ابن ولیدؓ نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالدؓ کے منہ پر آکر پڑا تو حضرت خالدؓ اس کو برا بھلا کہنے لگے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خالد! اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ (ناروا) ٹیکس لینے والا کرے تو اس کی مغفرت و بخشش ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے لوگوں سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ اس کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔ (مسلم)

توضیح:

طھرنی: یعنی مجھ پر شرعی حد قائم کر کے مجھے گناہ سے پاک کیجئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا مقام کتنا بلند تھا کہ ایک گناہ کے ارتکاب کے بعد اس قدر بے چینی ہے کہ ایک گھڑی چین نہیں آرہا ہے اور از خود حد لگوانے کی درخواست کر رہے ہیں یہی فرق ہے عام امت اور صحابہ کرام کے افراد میں وہاں ہزاروں منتوں سے اپنے اوپر سزا کے جاری کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور یہاں ہزاروں منتوں سے گناہ چھپانے اور سزا دبانے کی کوشش ہوتی ہے وہاں تکمیل شریعت کے لئے بطور نمونہ اپنے آپ کو پیش کیا جارہا ہے اور یہاں تعطیل شریعت کے لئے راہ فرار اختیار کی جارہی ہے۔

طھرنی کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ حدود مطہرات ہیں اور یہی مسلک جمہور فقہاء کا ہے احناف کے نزدیک حدود زاجرات ہیں ہاں جب توبہ ساتھ ہو تو پھر مطہرات ہیں تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

" فاستنکھه: یعنی اس کے منہ کی بدبو سونگھ لی کہ شراب کی بدبو تو نہیں آرہی کہ مستی میں یہ بات کر رہا ہو " امرأة من غامد" غامد یمن میں ایک قبیلہ کا نام ہے اسی وجہ سے اس عورت کو غامدیہ بھی کہتے ہیں اس کا بڑا قبیلہ ازد ہے تو اس عورت کی نسبت اس قبیلہ کی وجہ ازدیہ بھی صحیح ہے اور امرأة من جھینہ کے الفاظ جہاں آئے ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔

" یا رسول الله طھرنی " یہاں بھی اسی بے چینی کا اظہار ہے جو حضرت ماعزؓ کے واقعہ میں ہے بلکہ یہاں تو حد لگوانے اور ایثار و قربانی اور انقیاد و اطاعت اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ کے عجیب واقعات اور عجیب عبرتیں ہیں سب سے پہلے حضور نے اس کو ٹال دیا کہ اب تم حاملہ ہو اور حمل کی حالت میں بے گناہ بچہ مارا جائے گا لہٰذا اب تم جاؤ اور بچہ کی ولادت کے بعد آجاؤ یہ خاتون ولادت کے بعد فوراً آئی اور حد لگوانے کا مطالبہ کیا نہ انکار ہے نہ فرار ہے بلکہ اطاعت اور اقرار ہے حضور اکرمؐ نے پھر ٹال دیا کہ بچہ کو دودھ کون پلائے گا جاؤ اس کو دودھ پلاؤ اور جب روٹی کھائے پھر آؤ آنحضرت کا خیال تھا کہ ہوسکتا ہے اس طویل عرصہ میں یہ عورت اپنے اقرار سے باز آجائے لیکن اس نے سزا ٹالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دودھ پلانے کے ساتھ ساتھ روٹی بھی کھلاتی رہی اور چھ ماہ میں دودھ چھڑا کر آنحضرت کے پاس اس حال میں بچے کو لے آئی کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا جو کھا رہا تھا (سبحان اللہ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے خیمے جنت میں گاڑ دیئے تھے) آنحضرت نے فرمایا کہ اس بچہ کی پرورش کون کرے گا ایک صحابی نے فرمایا میں کروں گا تب آنحضرت نے رجم کرنے کا حکم فرمادیا۔

" فتنضح الدم " یعنی پتھر مارنے سے سر سے فوارہ کی طرح خون چھلک اٹھا اور حضرت خالدؓ کے چہرہ پر لگا آپ نے گالی دی حضرتؐ نے فرمایا کہ خالد گالی نہ دو " صاحب مکس " اس سے مراد ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا آدمی ہے نیز پٹواری بھی اس میں داخل ہے۔ علامہ نووی نے لکھا ہے کہ اس جملہ سے معلوم ہوا کہ ٹیکس وصول کرنے والا سب سے بڑا گناہ گار ہے

اور اس کا گناہ سب سے بڑا گناہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص بہت زیادہ ظلم کرتا ہے ظلماً لوگوں سے زبردستی مال چھینتا ہے اور بار بار یہ کام کرتا ہے اور پھر اس کو بے جا مصرفوں میں صرف کرتا ہے جس کا نہ شریعت اجازت دیتی ہے اور نہ عرف اجازت دیتا ہے بس اس کی آنکھوں سے آخرت غائب ہے اور دنیا پر نظر ہے اور اسی میں خطر ہے۔

بدکار لونڈی کی سزا کا حکم

۹﴿وعن ابی هريرة قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول اذا زنت امة احدكم فتبين زناها فليجلدها الحد ولا يثرب عليها ثم ان زنت فليجلدها الحد ولا يثرب ثم ان زنت الثالثة فتبين زناها فليبعها ولو بحبل من شعر (متفق عليه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کی لونڈی، زنا کی مرتکب ہو اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے (یعنی اس کی زنا کاری ثابت ہو جائے) تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اگر وہ پھر زنا کی مرتکب ہو تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اور اگر وہ تیسری مرتبہ زنا کی مرتکب ہو اور اس کی زنا کاری ظاہر ثابت ہو جائے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ اس لونڈی کو بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی (یعنی حقیر ترین چیز) ہی کے بدلے کیوں نہ بیچنا پڑے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح:

فليجلدها: تجلید کوڑے مارنے کے معنی میں ہے یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ غلام اور باندی کے لئے رجم نہیں ہے کیونکہ یہ محصن نہیں ہیں کیونکہ احصان کی ایک شرط یہ ہے کہ آدمی آزاد ہو اور غلام آزاد نہیں اس لئے غلام اور لونڈی کی حد زنا ہر حال میں کوڑے ہیں سنگسار کرنا نہیں ہے نیز کوڑوں کی حد بھی احرار کی نسبت نصف ہے یعنی سو کوڑوں کی بجائے پچاس کوڑے ہیں جمہور فقہاء اور سلف صالحین کا یہی مسلک ہے خواہ غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادہ شدہ ہو غلام میں بکر اور ثیب کا فرق نہیں ہے۔

غلام کی حد کا حق کس کو حاصل ہے

فقہاء کا اختلاف

مولیٰ اپنے غلام پر خود حد نافذ کرنے کا حق رکھتا ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے جمہور فرماتے ہیں کہ مولیٰ کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے غلام پر حد زنا نافذ کرے یعنی حد زنا میں اس کو پچاس کوڑے مارے ہاں حد سرقہ وقصاص اور

دیگر حدود میں مولی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے غلام پر حد نافذ کرے۔ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ مولی اپنے غلام پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کرسکتا ہے یہ کام قاضی اور حاکم کے حوالہ ہے خواہ حد زنا ہو خواہ دیگر حدود ہوں۔

دلائل:

صحابہ وتابعین کی اکثریت سے یہ اصول منقول ہے کہ حدود اللہ کی اقامت کا حق صرف سلطان کو ہے سلطان کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے اس اصول کے پیش نظر احناف کا فتویٰ ہے کہ مولیٰ کو اپنے غلام پر حد نافذ کرنے کا حق نہیں ہے ہاں اگر حاکم اجازت دیدے تو پھر مولی اس حد کو اپنے غلام پر نافذ کرسکتا ہے۔ائمہ احناف نے سنن کی کتابوں کی ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اربع الی الولاۃ (۱) الحدود (۲) و الصدقات (۳) والجمعات (۴) والفئی

یعنی حدود کا نفاذ اور صدقات وجمعات کا قیام اور تقسیم غنائم کا معاملہ حکام کے سپرد ہے ائمہ ثلاثہ جمہور نے زیر بحث حضرت ابوہریرہ کی روایت اور اس سے متصل حضرت علی کی روایت سے استدلال کیا ہے جس سے مولی کو حد نافذ کرنے کا اشارہ ملتا ہے بلکہ دوسری حدیث تو صریح دلیل ہے۔

جواب:

ائمہ احناف ان حضرات کے مستدل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں مرافعہ الی الحاکم کی قید ملحوظ ہے کہ یا حاکم کے ذریعہ سے حد لگوائے اور یا حاکم سے اجازت لے کر حد لگوائے۔گویا اس میں اسناد مجازی ہے۔

"**ولا یثرب علیہا**" یعنی اس پر لعن طعن اور ملامت نہ کرے بلکہ یہی حد سب کے لئے کافی ہے۔یا یہ مطلب کہ اس جرم کے مرتکب کو ابتداء میں حد کے بجائے صرف ملامت کیا کرتے تھے اب فرمایا کہ صرف ملامت کافی نہیں ہے بلکہ حد لگوائے۔

مریض پر حد جاری کرنے کا مسئلہ

﴿۱۰﴾وعن عَلِیٍّ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَقِیمُوا عَلٰی اَرِقَّائِکُمُ الْحَدَّ مَنْ اَحْصَنَ مِنْهُمْ وَمَنْ لَمْ یُحْصِنْ فَاِنَّ اَمَةً لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ زَنَتْ فَاَمَرَنِی اَنْ اَجْلِدَهَا فَاِذَاهِیَ حَدِیْثُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِیْتُ اِنْ اَنَا جَلَدْتُهَا اَنْ اَقْتُلَهَا فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْسَنْتَ .(رواہ مسلم)

وَفِی رِوَایَةِ اَبِی دَاوٗدَ قَالَ دَعْهَا حَتّٰی یَنْقَطِعَ دَمُهَا ثُمَّ اَقِمْ عَلَیْهَا الْحَدَّ وَاَقِیمُوا الْحُدُوْدَ عَلٰی مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ.

اور حضرت علیؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کرو (یعنی اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں تو پچاس کوڑے مارو) خواہ وہ محصن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر محصن۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آنحضرتؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کے ہاں ولادت ہوئی ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مرجائے گی چنانچہ میں نے نبی کریمؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔ (مسلم)

توضیح:

بنفاس: یعنی نفاس کی حالت میں تھی اور یہ حالت بیماری کی ہے اس لئے اس کو کوڑے نہیں لگائے صاحب فتح القدیر ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر سزا کوڑوں کی ہو تو بیمار پر کوڑے نہ لگائے جائیں کیونکہ اس سے وہ مرجائے گا اس کے تندرست ہونے تک سزا موخر کیا جائے ہاں اگر بیماری ایسی ہو کہ اس سے بچنا مشکل ہو جیسے تپ دق اور سل کی بیماری ہے (یا کینسر ہے) تو ایسے مریض کو ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں سو ٹہنیاں ہوں یہ حیلہ ہوگیا اور اگر سزا سنگسار کرنے کی ہو تو پھر ہر حالت میں سنگسار کیا جائے گا خواہ تندرست ہو یا مریض ہو کیونکہ رجم میں تو زندہ چھوڑنا نہیں ہے یاد رہے کہ کوڑے نہ سخت گرمی میں مارے جائیں اور نہ سخت سردی میں مارے جائیں کیونکہ جان کا خطرہ ہوگا لہٰذا معتدل موسم میں کوڑے مارنے چاہئیں۔

الفصل الثانی

اقرار زنا کے بعد انکار کا حکم

﴿۱۱﴾ وعن ابی هُرَیْرَةَ قَالَ جَاءَ مَاعِزٌ الْاَسْلَمِیُّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ زَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ اِنَّهٗ قَدْ زَنٰی فَاَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنْ شِقِّهِ الْاٰخَرِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ زَنٰی فَاَمَرَ بِهٖ فِی الرَّابِعَةِ فَاُخْرِجَ اِلَی الْحَرَّةِ فَرُجِمَ بِالْحِجَارَةِ فَلَمَّا وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَرَّ یَشْتَدُّ حَتّٰی مَرَّ بِرَجُلٍ مَعَهٗ لَحْیُ جَمَلٍ فَضَرَبَهٗ بِهٖ وَضَرَبَهُ النَّاسُ حَتّٰی مَاتَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ فَرَّ حِیْنَ وَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ وَمَسَّ الْمَوْتِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ (رواه الترمذی وابن ماجه) وَفِیْ رِوَایَةٍ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهٗ اَنْ یَّتُوْبَ فَیَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ دوسری جانب سے (گھوم کر یعنی تبدیل مجلس کر کے) پھر (آپؐ کے سامنے آیا) اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرتؐ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے (گھوم کر آپؐ کے سامنے) آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ اس نے زنا کیا ہے آخر کار چوتھی مرتبہ میں آنحضرتؐ نے اس کی سنگساری کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ اس کو "حرہ" میں لایا گیا (جو مدینہ کا کالے پتھروں والا مضافاتی علاقہ ہے) اور اس کو پتھر مارے جانے لگے جب اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذرا جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جبڑے کی ہڈی تھی اس شخص نے اسے جبڑے کی ہڈی سے اس کو مارا اور دوسرے لوگوں نے بھی (دوسری چیزوں سے) اس کو مارا تا آنکہ وہ مر گیا۔ جب صحابہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا کہ وہ پتھروں کی چوٹ کھا کر اور موت کی سختی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا (لیکن ہم نے اس کا پیچھا کر کے سنگسار کر دیا) تو آپؐ نے فرمایا کہ "تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا (ترمذی، ابن ماجہ) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں آپؐ نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑا کیوں نہیں ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول فرما لیتا۔

توضیح:

من شقه الآخر: چار اطراف سے آنا اس لئے تھا تا کہ مجلس میں تبدل آ جائے اور یہی احناف کا مسلک ہے کہ چار اقرار چار الگ مجالس میں ضروری ہیں۔ "**لحی جمل**" اونٹ کے جبڑے کی ہڈی بڑی بھی ہوتی ہے اور نوکدار بھی ہوتی ہے۔

"**مس الحجارہ**" یعنی جسم پر پتھروں کا پڑنا جب محسوس کیا تو بھاگنے لگا۔

فھلا ترکتموہ: یعنی جب بھاگ رہا تھا تو تم نے کیوں بھاگنے نہ دیا ممکن ہے کہ وہ اقرار سے رجوع کر دینا چاہتا تھا اگر توبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا فقہاء نے لکھا ہے کہ سنگساری کی حد میں اگر اقراری مجرم نے اقرار سے کسی بھی وقت انکار کیا تو حد ساقط ہو جائے گی اور سنگسار کرنے میں یہی فائدہ اور حکمت ہے، ہاں صرف فرار اور بھاگنے سے انکار لازم آتا ہے یا نہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک اس سے پوچھا جائے گا اگر وہ اقرار سے انکار کی بنیاد پر بھاگا ہے تو حد ساقط ہو جائے گی اور اگر تکلیف کی شدت سے بھاگا ہے تو پھر حد ساقط نہیں ہوگی یہ انکار نہیں ہے۔

شوافع کے ہاں جب تک زبان کی صراحت کے ساتھ اقرار سے انکار نہیں کرتا حد ساقط نہیں ہوگی احناف کے نزدیک قولاً یا فعلاً جب حد سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی لیکن صرف بھاگنے سے حد ساقط نہیں ہوتی "**وبالهرب لا يسقط الحد قاله ملا علي القاري**"

سب نے حضرت ماعزؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ "ھلا ترکتموہ" کے الفاظ حضور اکرمؐ نے رحمت و شفقت کی بنیاد پر فرمائے ہیں۔

حضرت ماعزؓ کا اعتراف جرم

﴿۱۲﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِکٍ اَحَقٌّ مَابَلَغَنِی عَنْکَ قَالَ وَمَابَلَغَکَ عَنِّی قَالَ بَلَغَنِی اَنَّکَ قَدْ وَقَعْتَ عَلٰی جَارِیَۃِ آلِ فُلَانٍ قَالَ نَعَمْ فَشَھِدَ اَرْبَعَ شَھَادَاتٍ فَاَمَرَ بِہٖ فَرُجِمَ (رواہ مسلم)

اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعزؓ ابن مالک سے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ سچ ہے؟ انہوں نے عرض کیا میرے بارے میں آپ کو کیا معلوم ہوا ہے آپؐ نے فرمایا مجھے تمہارے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ تم نے فلاں شخص کی لونڈی سے زنا کیا ہے؟ ماعزؓ نے عرض کیا کہ ہاں (یہ سچ ہے) اور اس نے (چار مجلسوں میں) چار مرتبہ اقرار کیا۔ لہٰذا رسول کریمؐ نے اس کی سنگساری کا حکم فرمایا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا!۔ (مسلم)

توضیح:

احق ما بلغنی: یہاں سوال یہ ہے کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعزؓ نے ازخود بیان دیا ہے اور خود آپ ہی نے گفتگو کا آغاز کیا ہے اور زیر نظر حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے پہلے ان سے پوچھا ہے پھر انہوں نے بیان دیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ زنا کے ارتکاب کے بعد حضرت ماعزؓ کی قوم ان کو فیصلہ کی غرض سے آنحضرت کے پاس لے آئی اور پھر کلام کی ابتداء کر کے حضور اکرمؐ کو سب کچھ بتا دیا آنحضرتؐ نے حضرت ماعزؓ سے پوچھا کہ یہ لوگ جو شکایت میرے پاس لائے ہیں کیا تیرے متعلق وہ الزامات درست ہیں؟ یا یوں کہا جائے کہ کسی راوی نے تفصیل سے کام لیا کسی نے اختصار سے بیان کیا یہ تعارض نہیں ہے۔ "اربع شھادت" چار دفعہ اقرار کا التزام بتاتا ہے کہ یہ حکم ثبوت زنا کے لئے ضروری ہے۔ شوافع ایک اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔

دوسروں کے عیوب پر پردہ ڈالا کرو

﴿۱۳﴾ وعن یَزِیْدَ بْنِ نُعَیْمٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ مَاعِزًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ عِنْدَہٗ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَاَمَرَ بِرَجْمِہٖ وَقَالَ لِھَزَّالٍ لَوْسَتَرْتَہٗ بِثَوْبِکَ کَانَ خَیْرًا لَّکَ قَالَ ابْنُ الْمُنْکَدِرِ اِنَّ ھَزَّالًا اَمَرَ مَاعِزًا اَنْ یَّاْتِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُخْبِرَہٗ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت یزید ابن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعزؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے (چار مجلسوں) چار مرتبہ (اپنے زنا) کا اقرار کیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ نیز آنحضرتؐ نے ہزالؓ سے فرمایا کہ اگر تم ماعزؓ کو اپنے کپڑے سے چھپا لیتے (یعنی اس کے زنا کے واقعہ پر پردہ ڈال دیتے اور اس کو ظاہر نہ کرتے) تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا ابن منکدرؒ (جو تابعی اور اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ ہزالؓ ہی نے ماعزؓ سے کہا تھا کہ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کو اپنے واقعہ سے آگاہ کر دو۔ (ابوداؤد)

توضیح:

ان ہزالا: ہزال کی ایک لونڈی تھی جس کا نام فاطمہ تھا ہزال نے اس کو آزاد کر دیا تھا اس سے ماعز نے زنا کیا تھا بعد میں ہزال نے ان سے کہا کہ جا کر حضور اکرمؐ کو اطلاع کر دیں وہ آپ کے لئے استغفار کر دیں گے آپ معاف ہو جائیں گے۔

حضرت ماعزؓ اس کے کہنے پر آ گئے اور پھر حد لگی۔ حضور اکرمؐ نے ہزال سے یہی بات فرما دی کہ تم نے اس راز کو فاش کیوں کیا؟ تم نے اس پر پردہ کیوں نہیں ڈالا اگر تم اس پر پردہ ڈالتے تو تم کو بہت ثواب ملتا۔

یہ پردہ پوشی ایک ایسے شریف آدمی کے بارے میں ہے جو عادی مجرم نہ ہو مگر زندگی میں ایک بار جرم ہو گیا ہو لیکن اگر کوئی عادی مجرم ہو اور اس کا جرم متعدی ہو تو اس کو چھپانا نہیں چاہئے بلکہ اس کا افشاء کرنا ضروری ہے تا کہ عام لوگ ان کے فساد سے محفوظ رہ جائیں۔

کسی حاکم کو حد معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں

﴿۱۴﴾ وعن عمرو ابنِ شُعَيبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَعَافُوا الْحُدُودَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَابَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ (رواه ابوداؤد والنسائی)

اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آپس میں اپنی حدود کو معاف و محو کر دیا کرو (اس سے پہلے کہ ان کی خبر مجھ تک پہنچے ہاں) اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی (اور وہ ثابت ہو جائے گا) تو پھر اس پر حد جاری کرنا واجب یعنی فرض ہو جائے گا۔" (ابوداؤد، نسائی)

توضیح:

تعافوا الحدود: یہ خطاب حقیقت میں عوام کو ہے کہ جب تم آپس میں کسی کو کسی جرم کا مرتکب پاؤ تو آپس میں رفع دفع

کر کے فیصلہ کیا کرو ہم تک بات نہ پہنچاؤ کیونکہ حد جب محکمہ عدالت میں پہنچ جاتی ہے تو اس کے رفع دفع کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے اس حدیث میں معاف کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ بطور وجوب نہیں بلکہ بطور استحباب ہے۔

عزت داروں کی لغزشوں سے درگزر کرنا چاہئے

﴿۱۵﴾وعن عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقِیْلُوا ذَوِی الْھَیْئَاتِ عَثَرَاتِھِمْ اِلَّا الْحُدُوْدَ (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عزت دار کی خطائیں معاف کرو علاوہ حدوں کے (کہ ان کی معافی جائز نہیں ہے)۔(ابوداؤد)

توضیح:

اقیلوا : یہ معاف کرنے اور درگزر کرنے کے معنی میں ہے " ذوی الھیئات " اصحاب منزلت شرفاء اور سفید پوش نیک لوگ مراد ہیں کیونکہ شیطان انسان کا دشمن ہے اگر ایک سفید پوش معزز آدمی سے حدود کے علاوہ غلطی ہو جائے اور دوسرے لوگ پروپیگنڈہ شروع کر دیں تو اس بیچارے کی زندگی تو ختم ہو جائے گی اس لئے ایسے معزز لوگوں کو ایک آدھ بار مہلت دینی چاہئے تاکہ ان کی زندگی بچ جائے علماء نے لکھا ہے کہ یہاں " عثرات " سے مراد حدود اللہ کے علاوہ گناہ ہیں خواہ ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے ہو اس حکم کے مخاطب وہ حکام ہیں جن پر شرعی سزاؤں کا نافذ کرنا لازم ہے ان سے کہا گیا ہے کہ نیک لوگوں اور سفید پوشوں کو تنگ مت کرو حدود اللہ کے علاوہ ان پر کوئی سزا نافذ نہ کرو ہاں اگر ان سے ایسا گناہ صادر ہو جائے جس کی وجہ سے ان پر حد نافذ کرنا واجب ہوتا ہو تو اس کو معاف کرنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔

شبہ کا فائدہ ملزم کو ملنا چاہئے

﴿۱۶﴾وعنھا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِدْرَءُ وا الْحُدُوْدَ عَنِ الْمُسْلِمِیْنَ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنْ کَانَ لَہٗ مَخْرَجٌ فَخَلُّوا سَبِیْلَہٗ فَاِنَّ الْاِمَامَ اَنْ یُخْطِئَ فِی الْعَفْوِ خَیْرٌ مِنْ اَنْ یُخْطِئَ فِی الْعُقُوْبَۃِ (رواہ الترمذی) وَقَالَ قَدْ رُوِیَ عَنْھَا وَلَمْ یُرْفَعْ وَھُوَ اَصَحُّ.

اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ، اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ رواۃ آنحضرتؐ تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول

زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہؓ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

توضیح:

ادرء وا الحدود : اس خطاب کا تعلق بھی قاضیوں اور حکام کے ساتھ ہے اگر اس حدیث کو اس سے قبل حدیث کی تفصیل قرار دیا جائے تو بے جانہ ہوگا یہاں اس حدیث میں حکام کو فیصلہ سنانے میں ایک ہدایت کی گئی ہے اور ان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اپنے جذبات واحساسات کا رخ ایسا رکھو کہ کسی ملزم کے ساتھ تمہارا ذاتی عناد پیدا نہ ہو اور ذاتی عناد کی بنیاد پر تم کوئی فیصلہ نہ سنادو گویا اصلاح کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی اور حاکم کو طبیب اور معالج کی طرح شفیق اور مہربان بنانے کی تعلیم دی گئی ہے۔

لہٰذا جب تک ممکن ہو سکے قاضی کو حد نافذ کرنے سے اس ملزم کو بچانا چاہئے اور کسی بھی شبہ کی اگر گنجائش نکل آتی ہو وہ نکال کر ملزم کو اس سے فائدہ پہنچانا چاہئے۔ کھود کرید کے ساتھ ملزم سے سوالات کئے جائیں۔ تاکہ اس کے بیان میں فرق آجائے اور حد سے بچ جائے کیونکہ حد لگنے سے ایک شریف آدمی کی ایسی رسوائی ہو جائے گی کہ وہ زندگی گذارنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اسی پس منظر کو حدیث کے آخری جملوں میں پیش کیا گیا ہے کہ اگر قاضی کھود کرید کر غلطی کر کے حد کی سزا سنادے اس سے بہتر یہ ہے کہ تحقیق کر کے حد کو ساقط کرنے میں غلطی کرے کیونکہ پہلی صورت میں ایک مسلمان کی عزت بچ جانے کا موقع فراہم ہو جائے گا اور دوسری صورت میں اس کی عزت پامال ہو کر معاشرہ میں ذلیل ورسوا ہو جائے گا۔

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

﴿۱۷﴾ وعن وَائِلِ بنِ حُجرٍ قَالَ اُستُكرِهَتِ امرَاَةٌ عَلَى عَهدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَدَرَاَ عَنهَا الحَدَّ وَاَقَامَهُ عَلَى الَّذِى اَصَابَهَا وَلَم يَذكُر اَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهرًا (رواه الترمذی)

اور حضرت وائلؓ ابن حجر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی (یعنی ایک مرد نے اس سے زبردستی زنا کیا) اس عورت کو تو حد سے برأت دی گئی لیکن اس زنا کرنے والے پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرتؐ نے اس عورت کو زنا کرنے والے سے مہر بھی دلوایا۔ (ترمذی)

توضیح:

ولم یذکر : یعنی راوی نے یہ نہیں بتایا کہ آنحضرتؐ نے اس عورت کے لئے مہر مقرر کیا تھا شارحین لکھتے ہیں کہ راوی کا یہاں

مہر کا ذکر نہ کرنا مہر مقرر نہ کرنے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ دیگر روایات میں موجود ہے کہ حضور اکرمؐ نے مہر مقرر کیا تھا اور حرام جماع میں جو مہر آتا ہے اس کو "عقر" کہتے ہیں اور یہ مہر مثل کی مانند ہوتا ہے زنا بالجبر میں حد صرف مرد پر جاری ہوگی اور عورت بے گناہ ہوگی بشرطیکہ واقعی زنا بالجبر ہو۔ یہاں لفظ مہر سے مراد عقر ہے۔

﴿۱۸﴾وعنه انَّ اِمْرَاَةً خَرَجَتْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرِيْدُ الصَّلَاةَ فَتَلَقَّهَا رَجُلٌ فَتَجَلَّلَهَا فَقَضٰى حَاجَتَهٗ مِنْهَا فَصَاحَتْ وَانْطَلَقَ وَمَرَّتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَتْ اِنَّ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا فَاَخَذُوا الرَّجُلَ فَاَتَوْا بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهَا اِذْهَبِي فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ وَقَالَ لِلرَّجُلِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا ارْجُمُوْهُ وَقَالَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ لَقُبِلَ مِنْهُمْ (رواه الترمذی و ابو داؤد)

اور حضرت وائلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دن ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی تو راستہ میں اس کو ایک شخص ملا جس نے اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لی (یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا) کیا وہ عورت چلائی اور وہ مرد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا، جب کچھ مہاجر صحابہؓ ادھر سے گزرے تو اس عورت نے ان کو بتایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے (یعنی میرے اوپر کپڑا ڈال کر مجھے بے بس کر دیا اور پھر مجھ سے بدکاری کی) لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور رسول کریمؐ کی خدمت میں لائے اور سارا واقعہ بیان کیا آنحضرتؐ نے اس عورت سے تو یہ فرمایا کہ جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے۔ (کیونکہ اس بدکاری میں نہ صرف یہ کہ تمہاری خواہش و رضا کا دخل نہیں تھا بلکہ تمہیں مجبور و بے بس بھی کر دیا گیا تھا) اور جس شخص نے اس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کو سنگسار کر دیا جائے (یعنی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چونکہ محصن تھا اس لئے آنحضرتؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو) چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس سنگساری کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے اوپر حد جاری کرا کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس طرح کی توبہ مدینہ والے کرتے تو ان کی توبہ قبول کی جاتی۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ایک زنا کی دو سزائیں

﴿۱۹﴾وعن جابرٍ اَنَّ رَجُلًا زَنٰى بِامْرَاَةٍ فَاَمَرَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجُلِدَ الْحَدَّ ثُمَّ اُخْبِرَ اَنَّهٗ مُحْصَنٌ فَاَمَرَ بِهٖ فَرُجِمَ (رواه ابو داؤد)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے مارے

جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بطور حد کوڑے مارے گئے، اس کے بعد جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص محصن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

فامر به فرجم: حاکم اور قاضی کو اگر غلطی ہو جائے تو دو حدود اکٹھی ہو سکتی ہیں مطلب یہ ہوا کہ ایک حد دوسری حد کا قائم مقام نہیں ہو سکتی اس شخص کے بارے میں پہلے آنحضرت کو بتایا گیا یا آپ نے خود اندازہ کر لیا ہوگا کہ یہ غیر شادی شدہ ہے تو کوڑوں کی سزا ہوئی بعد میں جب معلوم ہوا کہ یہ محصن شادی شدہ ہے تو اس کو سنگسار کیا گیا۔

بیمار مجرم پر حد جاری کرنے کا طریقہ

﴿۲۰﴾ وعن سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ كَانَ فِي الْحَيِّ مُخْدَجٍ سَقِيمٍ فَوُجِدَ عَلَى اَمَةٍ مِنْ اِمَائِهِمْ يَخْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوا لَهُ عِثْكَالًا فِيْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً (رواه في شرح السنة) وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ مَاجَه نَحْوَهُ.

اور حضرت سعید بن سعد ابن عبادہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سعد ابن عبادہ ایک ایسے شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے جو اپنے محلّہ کا ایک ناقص الخلقت کمزور اور بیمار شخص تھا (اور ایسا بیمار تھا کہ اس کے اچھا ہونے کی کوئی امید نہ تھی) اس شخص کو اہل محلّہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا) نبی کریمؐ نے اس کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی (بڑی) ٹہنی لو جس میں سو چھوٹی چھوٹی ٹہنیاں ہوں اور پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو (شرح السنۃ) ابن ماجہ نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے۔

توضیح:

مخدج: ناقص الخلقت کو مخدج کہتے ہیں یعنی چھوٹے چھوٹے اعضاء اور چھوٹے بدن والا شخص تھا مزید یہ کہ بیمار بھی تھا اور کمزور بھی تھا "یخبث" خباثت سے ہے زنا کرنا مراد ہے۔ "عثکالا" عین کا کسرہ ہے کھجور کی اس بڑی شاخ کو کہتے ہیں جس میں کئی چھوٹی ٹہنیاں ہوں "شمراخ" شین کا کسرہ ہے چھوٹی ٹہنیاں مراد ہیں۔ "ضربة واحدة" یعنی اس بڑی شاخ سے اس کو مارو جس میں چھوٹی ٹہنیاں تھیں اس طرح اس شخص کو سو کوڑوں کی سزا ہو جائے گی اور زیادہ چوٹ نہیں آئے گی تو موت نہیں آئے گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر حد زنا رجم ہو تو ہر حالت میں حد لگانا چاہئے اور اگر حد زنا کوڑے ہوں تو پھر بیمار کے تندرست ہونے کا انتظار کرنا چاہئے اور اگر صحت کی امید نہیں تو پھر اس طرح حیلہ کرنا چاہئے جو اس حدیث میں مذکور ہے

یہ اس لئے کہ کوڑوں کی حد میں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

لواطت کی ابتداء اور سزا

﴿۲۱﴾ وعن عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهٖ (رواه الترمذى و ابن ماجه)

اور حضرت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کسی شخص کو قوم لوط کا سا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح:

عمل قوم لوط : حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اس غلیظ قباحت میں مبتلا تھی اور اس قباحت کی ابتداء اور اس کا ابتدائی تجربہ بین الاقوامی بے غیرت ابلیس نے اپنے ہی جسم پر کرایا تھا تاکہ اولاد آدم دوزخ میں جائیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ ابلیس ایک شخص کے باغ میں ایک خوبصورت نوعمر لڑکے کی شکل میں آیا اور درخت پر چڑھ کر پھل توڑنا اور زمین پر گرانا شروع کر دیا باغ کے مالک نے کہا کہ جتنا پھل کھا سکتے ہو کھالو یا گھر لے جاؤ تجھے اجازت ہے لیکن پھینک کر ضائع نہ کرو اس لڑکے نے ایک بات نہ سنی پھر باغ کے مالک نے کہا کہ آخر تیرا مقصد کیا ہے اس نے کہا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ میرے ساتھ لواطت کرو اگر نہیں کرتے ہو تو میں پھل اسی طرح توڑتا رہوں گا اس شخص نے اعوذ باللہ پڑھا اور کہا یہ عمل بھی کوئی کر سکتا ہے لیکن ابلیس نے جب پھل ضائع کرنے کی حد کر دی تو اس شخص نے اس کو نیچے بلایا اور اس کے ساتھ لواطت کی، جب لواطت سے فارغ ہوا تو اس کو اس میں مزہ آیا اور جا کر دوسرے لڑکوں کے ساتھ یہ عمل شروع کیا اور آہستہ آہستہ یہ عمل قوم لوط میں پھیلتا گیا یہاں تک کہ عورتوں کو معطل کر کے رکھ دیا جب ان لڑکوں کی داڑھیاں آئیں تو اس کا مونڈنا شروع کر دیا اور یہ عمل اتنا عام ہوا کہ گلی کوچوں بازاروں اور کھلی مجلسوں میں شروع ہو گیا حضرت لوط علیہ السلام نے بہت منع کیا مگر وہ نہ مانے آخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے سب کو ہلاک کر دیا۔

یاد رہے لوط عجمی لفظ ہے اس کے معنی عجمی لغت میں تلاش کرنا چاہئے اس کو عربی لغت کی نظر سے نہ دیکھو بعض لوگوں کو اس غلط فہمی سے بڑا نقصان ہوا۔

سزائے لوطی میں فقہاء کی آراء

مشکوٰۃ شریف میں سزائے لوطی کے بارے میں ایک زیر بحث حدیث ہے جس میں اس عمل کرنے والے کو قتل کرنے

کا حکم ہے آگے روایت ۲۹ آ رہی ہے وہاں مذکور ہے کہ حضرت علی نے لوطیوں کو آگ میں جلا دیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان پر دیوار گرائی تھی بعض روایات میں پہاڑ سے گرانے کا ذکر ہے سمندر میں ڈبونے کا بھی ذکر ہے۔ تو روایات کے اختلاف سے فقہاء کی آراء مختلف ہوئیں۔

امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک لوطی کی سزا حد زنا کی طرح ہے کہ اگر شادی شدہ ہے تو رجم ہے اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس پر کوڑے ہیں فاعل اور مفعول دونوں کا یہی حکم ہے امام مالکؒ کا مشہور مسلک اور امام احمد بن حنبل کا مسلک اور امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ عمل لواطت میں فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس قبیح فعل کی سزا تعزیر ہے اور تعزیر میں یہ ساری سزائیں دی جاسکتی ہیں البتہ اس کے لئے کوئی حد متعین نہیں ہے۔ ہر صاحب مسلک نے کسی روایت یا قیاس سے استدلال کیا ہے۔

صاحبین اور امام شافعیؒ نے اس حد کو حد زنا پر قیاس کیا ہے امام مالک اور آپ کے موافقین نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے امام ابوحنیفہؒ نے تمام سزاؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ فرمادیا کہ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ ان تمام سزاؤں میں جس کو مناسب سمجھے نافذ کردے۔ امام ابوحنیفہؒ نے لوطی کی سزا کو زیادہ عام کیا ہے اور زیادہ سخت فتویٰ دیا ہے لہٰذا ان پر یہ اعتراض بہتان ہے کہ امام صاحب حد لوطی کو نہیں مانتے وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ صحابہ کرام میں اس بارے میں مختلف رائیں تھیں مختلف سزائیں دی گئی ہیں لہٰذا اس کو کسی حد میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حد متعین ہوتی ہے ہاں تعزیر کا میدان وسیع ہے جو کچھ سزا دینا چاہو دیدو افغانستان میں طالبان نے دیوار گرانے کی سزا جاری کی تھی۔ زیر نظر حدیث کے الفاظ بھی بتا رہے ہیں کہ اس عمل کی سزا تعزیر ہے مقرر حد نہیں کیونکہ قتل کرڈالو کے الفاظ حد کو شامل نہیں ہیں اس لئے کہ حد میں یا کوڑے ہیں اور یا سنگسار کرنا ہے اس کے لئے یا رجم اور یا مأۃ جلدۃ کے الفاظ آئے ہیں۔

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا

﴿۲۲﴾ وعن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من اتى بهيمة فاقتلوه واقتلوها معه قيل لابن عباس ما شأن البهيمة قال ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك شيئا ولكن أراه كره أن يؤكل لحمها أو ينتفع بها وقد فعل بها ذلك (رواه الترمذى وابوداؤد وابن ماجه)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی جانور کے ساتھ بدفعلی کرے اس کو قتل کردو اور اس کے ساتھ اس جانور کو بھی قتل کردو۔ حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ جانور کے بارہ میں یہ حکم کیوں ہے (یعنی جانور نہ تو عقل رکھتا ہے اور نہ وہ مکلّف ہے تو اس کو قتل کرنے کا کیوں حکم ہے؟) حضرت ابن عباسؓ نے

فرمایا کہ میں نے اس کی حکمت و مصلحت کے بارہ میں رسول کریمؐ سے تو کچھ نہیں سنا البتہ میرا گمان ہے کہ آنحضرتؐ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ جس جانور کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے اس کا گوشت کھایا جائے یا اس (کے دودھ بالوں اور اس کی افزائش نسل) سے فائدہ اٹھایا جائے اور جب اس جانور سے کسی قسم کا کوئی فائدہ اٹھانا مکروہ ہوا تو پھر اس کو قتل کر دینا ہی ضروری ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

توضیح:

فاقتلوہ: یعنی جس نے جانور کے ساتھ بدفعلی کی تو اس جانور کو بھی قتل کر دو اور آدمی کو بھی قتل کر دو تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے کی سزا تعزیر ہے صرف اسحاق بن راہویہ کے ہاں آدمی کو قتل کرنا ہے فقہاء کرام نے اس حدیث کو لیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

" من اتی بهیمة فلاحد علیه (ترمذی) " اسحاق بن راہویہ نے زیر بحث حدیث کے فاقتلوہ کے الفاظ سے استدلال کیا ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ پر محمول ہے۔

" واقتلوھا " اب یہ مسئلہ ہے کہ جانور کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو اس حدیث میں ہے کہ جانور کو بھی قتل کر دو اب سوال یہ ہے کہ جانور کا قصور کیا ہے تو اس کا جواب حضرت ابن عباس نے یہ دیا ہے کہ میں نے حضور اکرمؐ سے تو اس بارے میں کچھ نہیں سنا مگر میرا خیال ہے کہ جانور کو اسلئے مارا جائے گا تا کہ کوئی شخص اس کے دودھ یا اس کے گوشت سے فائدہ نہ اٹھائے حالانکہ اس کے ساتھ یہ برا فعل کیا گیا ہے جس کا اثر اس کے گوشت اور دودھ تک پہنچ سکتا ہے جانور کے قتل کے بارے میں ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جانور کو اس لئے قتل کیا جائے تا کہ بدفعلی کرنے والے شخص کو لوگ عار نہ دلائیں کہ دیکھو تمہاری دلھن وہ پھر رہی ہے اس لئے اس مکروہ ریکارڈ کو ختم کرنا ہی بہتر ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی عورت نے کسی جانور مثلاً لنگور یا کتے سے جماع کیا تو اس کا حکم بھی جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے کی طرح ہے۔

اغلام بازی بدترین گناہ ہے

﴿۲۳﴾ وعن جابرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَخْوَفَ مَااَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی عَمَلُ قَوْمِ لُوطٍ (رواہ الترمذی وابن ماجه)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی امت کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (یعنی اغلام) ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

حد زنا اور حد قذف کے جمع ہونے کی ایک صورت

﴿۲۴﴾وعن ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي بَكْرِ بْنِ لَيْثٍ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقَرَّ اَنَّهُ زَنٰى بِامْرَاَةٍ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَجَلَدَهُ مِائَةً وَكَانَ بِكْرًا ثُمَّ سَاَلَهُ الْبَيِّنَةَ عَلَي اِمْرَاَةٍ فَقَالَتْ كَذَبَ وَاللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَجُلِدَ حَدَّالْفِرْيَةِ (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن بکر بن لیث کے خاندان کا ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اقرار کیا کہ اس نے (یعنی میں نے) ایک عورت کے ساتھ چار بار یعنی چار مجلسوں میں زنا کیا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سو کوڑے لگوائے اور وہ شخص غیر محصن یعنی کنوارہ تھا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس عورت کی زنا کاری پر گواہ طلب کیے، عورت نے عرض کیا کہ ''خدا کی قسم یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹ بولتا ہے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر تہمت لگانے کی حد جاری کی۔ (ابوداؤد)

توضیح:

فجلد حد الفرية: یعنی جھوٹی تہمت کی حد لگائی گئی اس شخص نے پہلے خود اقرار کیا کہ میں نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اب یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سے اس کا مقصد کیا تھا شاید وہ اس عورت کو بدنام کرنا چاہتا تھا بہرحال اس کے قرار کی بنیاد پر اس پر کوڑے برسائے گئے لیکن جب عورت سے تفتیش کی گئی تو اس نے کہا قسم بخدا یہ جھوٹ بولتا ہے اب بہتان کی وجہ سے اس شخص پر حد قذف کے کوڑے بھی برسائے گئے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی شخص کو دو مختلف جرائم کے ارتکاب پر مختلف سزائیں دی جا سکتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں کی سزا

﴿۲۵﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا نَزَلَ مِنَ الْمِنْبَرِ اَمَرَ بِالرَّجُلَيْنِ وَالْمَرْاَةِ فَضُرِبُوا حَدَّهُمْ (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جب میری برات نازل ہوئی (یعنی عفت و پاکدامنی کے ثبوت میں آیتیں نازل ہوئیں) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کا ذکر کیا اور پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے تو دو مردوں اور ایک عورت کو سزا دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ تہمت لگانے کی ان پر حد جاری کی گئی۔ (ابوداؤد)

توضیح:

امر بالرجلین: حضرت عائشہ پر ۵ھ میں ایک غزوہ کے دوران پیچھے رہ جانے کی وجہ سے منافقین نے بہتان باندھا تھا ایک ماہ تک صحابہ کرام سخت اضطراب میں رہے منافقین کے ساتھ چند مسلمانوں نے بھی اس تہمت میں اپنی زبان کو آلودہ کیا تھا ان میں ایک عورت دو مرد تھے جن میں ایک کا نام مسطح تھا اور دوسرے کا نام حضرت حسان بتایا جاتا ہے عورت کا نام حمنہ بنت جحش تھا۔

حضرت حسان کے بارے میں تو عائشہ صدیقہؓ نے بھی فرمایا کہ وہ اس بہتان میں ملوث نہیں ہو سکتے کیونکہ انہوں نے تو یہ شعر کہا ہے

فان ابی و والده و عرضی　　　لعرض محمد منکم وقاء

خود حضرت حسان نے بھی سخت انکار کیا اور کہا کہ یہ دشمنوں کا مجھ پر الزام ہے۔ آپ نے حضرت عائشہ کی برأت و منقبت اور اپنی صفائی کے بارے میں یہ شعر پڑھے ہیں۔

حصان رزان ما تزن بریبة
و تصبح غرثی من لحوم الغوافل
حلیلةُ خیر الناس دیناً و منصباً
نبی الهدیٰ ذی المکرمات الفواضل
مهذبة قدطیَّب الله خیمها　　وطَهّرها من کل سُوء وباطل
فان کنتُ قدقلتُ ماقدزعمتموا　　فلارفعت سوطی اِلَیَّ انا مل
فان الذی قد قیل لیس بلائط　ولکنه قول امرء بِیَّ ماحل
وکیف وودی ماحَیِیْتُ ونصرتی لآل رسول الله زین المحافل

حضرت عائشہؓ کے ایک جملہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حسان نے زبانی حصہ اس بہتان میں لیا تھا مگر ان پر حد نہیں لگی البتہ وہ آخر عمر میں بطور سزا نابینا ہو گئے تھے۔ بہر حال حضور اکرمؐ نے جب برأت عائشہ کی آیتیں پڑھ کر سنائیں اور منبر سے اتر گئے تو مخلص تین مسلمانوں کو حد قذف کی سزا اسی اسی (۸۰) کوڑے مارے اور منافقین سے تعرض نہیں کیا کیونکہ نفاق اور کفر سے آلودہ شخص کو حد قذف سے کیا پاک کیا جا سکتا ہے۔

الفصل الثالث

زنا بالجبر میں مجبور پر حد نہیں

﴿۲۶﴾عن نَافِعٍ اَنَّ صَفِيَّةَ بِنْتَ اَبِي عُبَيْدٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ عَبْدًا مِنْ رَقِيْقِ الْاِمَارَةِ وَقَعَ عَلٰى وَلِيْدَةٍ مِنَ الْخُمُسِ فَاسْتَكْرَهَهَا حَتّٰى اِفْتَضَّهَا فَجَلَدَهُ عُمَرُ وَلَمْ يَجْلِدْهَا مِنْ اَجْلِ اَنَّهُ اِسْتَكْرَهَهَا (رواه البخاری)

حضرت نافعؓ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہؓ بنت ابوعبید نے ان سے بیان کیا کہ امارت وخلافت یعنی حضرت عمرؓ کی حکومت کے ایک غلام نے ایک ایسی لونڈی سے زنا کرنا چاہا جو مال غنیمت کے خمس میں سے تھی (اور جب وہ لونڈی اس بدکاری کے لئے تیار نہیں ہوئی تو اس نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا) یہاں تک کہ اس کی بکارت یعنی اس کے کنوار پنے کو زائل کر دیا چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس کو (پچاس) درے لگوائے اور اس لونڈی کے درے نہیں لگوائے یعنی اس کو اس بدکاری کی سزا نہیں دی کیونکہ اس غلام نے اس کے ساتھ زبردستی جماع کیا تھا۔'' (بخاری)

ماعزؓ کے واقعہ زنا کی ایک اور تفصیل

﴿۲۷﴾وعن يَزِيْدَ بْنِ نُعَيْمِ بْنِ هَزَّالٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كَانَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ يَتِيْمًا فِي حَجْرِ اَبِي فَاَصَابَ جَارِيَةً مِنَ الْحَيِّ فَقَالَ لَهُ اَبِي اِئْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبِرْهُ بِمَا صَنَعْتَ لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ لَكَ وَاِنَّمَا يُرِيْدُ بِذٰلِكَ رَجَاءَ اَنْ يَكُوْنَ لَهُ مَخْرَجًا فَاَتَاهُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ فَعَادَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي زَنَيْتُ فَاَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللّٰهِ حَتّٰى قَالَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ قَدْ قُلْتَهَا اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَبِمَنْ؟ قَالَ بِفُلَانَةٍ قَالَ هَلْ ضَاجَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ بَاشَرْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ جَامَعْتَهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَمَرَ بِهٖ اَنْ يُرْجَمَ فَاُخْرِجَ بِهٖ اِلَى الْحَرَّةِ فَلَمَّا رُجِمَ فَوَجَدَ مَسَّ الْحِجَارَةِ فَجَزِعَ فَخَرَجَ يَشْتَدُّ فَلَقِيَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اُنَيْسٍ وَقَدْ عَجَزَ اَصْحَابُهُ فَنَزَعَ لَهُ بِوَظِيْفِ بَعِيْرٍ فَرَمَاهُ بِهٖ فَقَتَلَهُ ثُمَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ لَعَلَّهُ اَنْ يَتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت یزید ابن نعیم ابن ہزال اپنے والد حضرت نعیم ابن ہزال سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے یعنی حضرت نعیم نے کہا کہ ماعز ابن مالک یتیم تھا اور میرے والد حضرت ہزال کی پرورش میں تھا اس نے جوان ہو کر محلہ کی ایک لونڈی سے زنا کر لیا جب میرے والد کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا جا اور جو کچھ تو نے

کیا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتادے شاید آنحضرتؐ تیری مغفرت کی دعا کردیں اور میرے والد کے اس کہنے کا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں تھا کہ استغفار، گناہ سے اس کی نجات کا سبب بن جائے یعنی میرے والد کا یہ مقصد نہیں تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے پاس جائے اور آنحضرتؐ اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیں جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے ماعزؓ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے۔ آنحضرتؐ نے اس کی یہ بات سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ وہاں سے ہٹ گیا اور پھر آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے آپ مجھ پر کتاب اللہ کا حکم جاری کیجئے یہاں تک کہ اس نے یہ بات چار بار یعنی چار مجلسوں میں کہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے یہ بات چار بار کہی ہے یعنی چار بار اقرار کرنے سے تیرا جرم زنا ثابت ہوگیا ہے اب یہ بتا کہ تو نے کس کے ساتھ زنا کیا ہے اس نے نام لے کر کہا کہ فلاں عورت کے ساتھ آپؐ نے فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہم خواب یعنی ہم آغوش ہوا تھا اس نے کہا ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس کے بدن کو اپنے بدن سے لپٹایا تھا؟ اس نے کہا ہاں آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ جماع کیا تھا؟ اس نے کہا ہاں اس کے بعد آنحضرتؐ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اس کو حرہ لے جایا گیا اور جب وہاں سنگسار کیا جانے لگا اور اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو وہ بدحواس ہوگیا یعنی وہ پتھروں کی چوٹ برداشت نہ کرسکا اور جہاں سنگسار کیا جارہا تھا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا راستہ میں اس کو عبداللہؓ ابن انیس ملے جن کے ساتھی یعنی ماعزؓ کو سنگسار کرنے والے تھک گئے تھے عبداللہؓ نے اونٹ کے پاؤں کی ہڈی اٹھائی اور اس سے ماعزؓ کو مارا یہاں تک کہ انہوں نے اس کو ختم کرڈالا اس کے بعد عبداللہ نبی کریمؐ کی خدمت میں آئے اور آپؐ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا آنحضرتؐ نے فرمایا تم نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا شاید وہ اپنے اقرار سے رجوع کرلیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرکے سنگساری کئے بغیر ہی اس کا گناہ معاف کردیتا۔ (ابوداؤد)

زنا اور رشوت کی کثرت کا قوموں پر وبال

﴿۲۸﴾ وعن عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الزِّنَا اِلَّااُخِذُوا بِالسَّنَةِ وَمَامِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا اِلَّااُخِذُوا بِالرُّعْبِ (رواه احمد)

اور حضرت عمرؓو ابن العاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے اس کو قحط اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور جس قوم میں رشوت کی وبا عام ہو جاتی ہے ان پر رعب (وخوف) مسلط کردیا جاتا ہے۔ (احمد)

توضیح:

بالسنة: سین اور نون دونوں پر زبر ہے خشک سالی اور قحط کو کہتے ہیں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ زنا کی وجہ سے قحط مسلط ہو جانے

کی حکمت شاید یہ ہے کہ زنا نسل کی تباہی کا ذریعہ ہے اور قحط فصل کی تباہی کا ذریعہ ہے تو دونوں میں فساد و تباہی کی مماثلت ہے تو زنا قحط کے لانے کا ذریعہ بن گیا یہ گناہ نسل کی تباہی کا ذریعہ بنا ہے اور اس کے اثر سے قحط آتا ہے جس سے فصل کی تباہی ہوتی ہے۔ "الرشا" را پر پیش بھی ہے اور کسرہ بھی جائز ہے رشاء اصل میں اس رسی کو کہتے ہیں جس کی مدد سے کنوئیں سے پانی کھینچا جاتا ہے کیونکہ رشوت بھی ناجائز مال کے کھینچنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو رشاء کہد یا یہ رشوۃ کی جمع ہے۔

بالرعب: یعنی رشوت کی کثرت سے قوم اور ملک اپنوں سے بھی مرعوب ہو جاتا ہے اور دشمنوں سے بھی مرعوب رہتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب رشوت کے لینے دینے کی وجہ سے قوم کی جرأت و ہمت چوروں کی طرح پست ہو جاتی ہے اور قوم کا ضمیر مر جاتا ہے اور ایمانداری اور سچائی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے تو دشمن کے مقابلے میں اب ان رشوت خوروں سے تمام انسانی صفات اور عظمتوں اور عزتوں کے سارے تصورات ختم ہو جاتے ہیں اور حاکم و محکوم دونوں دشمن سے مرعوب رہتے ہیں اب ان کا ضمیر برتری کا احساس نہیں دلاتا بلکہ کمتری کا احساس دلاتا ہے اور یہی رعب ہے اور اپنوں کا خوف اس لئے چھا جاتا ہے کہ یہ رشوت خور جب اپنا فرض منصبی پورا نہیں کرتا تو یہ ہر ایک سے ڈرتا ہے لہٰذا یہ کسی جج کے حکم نافذ اور جاری کرنے سے ہر وقت خوف کھاتا ہے کہ مبادا جن سے رشوت لی ہے وہ گلے نہ پڑ جائیں اس طرح مجموعی حیثیت سے قوم بزدل بن جاتی ہے۔

سزائے لوطی کی مختلف صورتیں

﴿۲۹﴾وعن ابنِ عبَّاسٍ وَابِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَلْعُونٌ مَنْ عَمِلَ عَمَلَ قَوْمِ لُوْطٍ (رواہ رزین)وَفِی رِوَایَةٍ لَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عَلِیًّا اَحْرَقَهُمَا وَاَبَابَکْرٍ هَدَمَ عَلَیْهِمَاحَائِطًا.

اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قوم لوط کا سا عمل یعنی اغلام کرے وہ ملعون ہے۔ (رزین) اور رزینؒ ہی کی ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ "حضرت علیؓ نے بطور سزا اغلام کرنے والے اور کرانے والے دونوں کو جلوا دیا تھا اور حضرت ابو بکرؓ نے ان پر دیوار گرا دی تھی۔

توضیح:

احرقهما: یعنی حضرت علی نے فاعل اور مفعول دونوں کو آگ میں ڈال کر جلا دیا تھا اور حضرت ابو بکرؓ نے دونوں پر دیوار گرا دی تھی چونکہ یہ سزا احناف کے ہاں تعزیر کے زمرہ میں آتی ہے اس لئے صحابہ کرام کے دور میں اور اس کے بعد کے ادوار میں اس سزا کی نوعیت میں فرق آتا رہا ہے لیکن یہ اس کے عدم جرم ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ حد کے عدم تعین کی وجہ سے ہے اور تعزیر کا باب تو حد سے زیادہ وسیع ہے چنانچہ بعض علماء نے کہا ہے کہ لوطی کو بلند پہاڑ سے گرا کر پیچھے سے پتھراؤ کیا جائے تا کہ قوم لوط کی سزا کی

مشابہت آجائے بعض نے کہا ہے کہ اس پر مکان گرا کر نیچے دبادیا جائے بعض نے کہا کہ اس کو سمندر میں غرق کیا جائے بعض نے کہا کہ اس کو تنگ و تاریک بدبودار مقام میں بند رکھا جائے بعض نے کہا کہ اس وقت تک جیل میں رکھا جائے جب تک وہ توبہ نہیں کرتا بعض نے کہا کہ اگر لوطی کی عادت ہوگئی ہے اور یہ قبیح فعل وہ بار بار کرتا ہے تو مصلحت کے تحت اس کو قتل کیا جائے اسی طرح عادی مفعول بہ کو بھی قتل کیا جائے یہ تمام باتیں مختلف حوالجات کے ساتھ زجاجۃ المصابیح ج ۳ ص ۸۷ پر مذکور ہیں۔

ان تمام اقوال کے پیش نظر آج کل کے غیر مقلد حضرات کا یہ پروپیگنڈہ دیانت و صداقت پر مبنی نہیں ہے جو کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک لواطت پر کوئی سزا نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اگر یہ کہتے ہیں کہ اس کے لئے دور صحابہ میں کوئی متعین سزا بطور حد نہیں تھی لہٰذا یہ تعزیر کے زمرہ میں آتی ہے تو اس پر اعتراض کی گنجائش کہاں سے ہے کیا اتنے اقوال کے بعد کوئی کہہ سکتا ہے کہ بطور حد اس عمل کے لئے فلاں خاص حد ہی متعین ہے؟ اگر نہیں کہہ سکتا تو یہی بات تو امام ابوحنیفہؒ نے کہی ہے باقی فقہاء کا اختلاف اس سے پہلے گذر گیا ہے۔

کون کون لوگ ملعون ہیں

جامع صغیر میں امام محمدؒ نے حسن بصری کی سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کی ہے۔(۱) جو شخص اپنی ماں کو برا کہے وہ ملعون ہے (۲) جو شخص غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرے وہ ملعون ہے (۳) جو شخص اسلام کی زمین کی سرحدوں میں ردوبدل کرے وہ ملعون ہے (۴) جو شخص کسی اندھے کو غلط راستہ بتائے وہ ملعون ہے (۵) جو شخص جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے (۶) اور جو شخص قوم لوط کی طرح اغلام بازی کا عمل کرے وہ ملعون ہے۔

اپنی بیوی سے لواطت حرام ہے

﴿۳۰﴾ وعنہ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰی رَجُلٍ اَتٰی رَجُلًا اَوِامْرَأَۃً فِی دُبُرِھَا (رواہ الترمذی) وَقَالَ ھٰذَاحَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل اس شخص پر رحمت نہیں کرتا جو کسی مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی کرے، اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح:

اتی امرأۃ فی دبرھا: کئی احادیث میں سخت ممانعت اور لعنت آئی ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ بدفعلی کرے چونکہ اس میں اشتباہ کا خطرہ تھا کہ شوہر کا یہ خیال ہو کہ چونکہ یہ میری بیوی ہے تو اس سے ہر قسم کا استفادہ جائز ہوگا اس لئے احادیث میں اس پر سخت نکیر اور شدید وعید آئی ہے اور چونکہ بعض بدبخت سیاہ کار دانستہ طور پر بیوی کے ساتھ بدفعلی کا عمل کرتے ہیں اور

ممکن ہے کہ ایک بڑی مخلوق اس جرم میں مبتلا ہو اس لئے اسلام نے کھلے الفاظ میں اس کی ممانعت فرمائی اور اس پر وعید سنادی اور لواطت کی ممانعت کی عام آیات اور عام احادیث میں اس کو شامل کر دیا نیز سزائے لوطی میں اس کو شمار کر دیا۔

جانور سے بدفعلی پر حد مقرر نہیں تعزیر ہے

﴿۳۱﴾وعنہ اَنَّہٗ قَالَ مَنْ اَتٰی بَھِیْمَۃً فَلَاحَدَّ عَلَیْہِ (رواہ الترمذی وابوداؤد)وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ عَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ اَنَّہٗ قَالَ وَھٰذَااَصَحُّ مِنَ الْحَدِیْثِ الْاَوَّلِ وَھُوَمَنْ اَتٰی بَھِیْمَۃً فَاقْتُلُوْہُ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَاعِنْدَاَھْلِ الْعِلْمِ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے (بطریق مرفوع) کہا کہ جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے وہ حد کا سزاوار نہیں لیکن قابل تعزیر ہے اس روایت کو ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے نیز ترمذیؒ سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی سفیان نے) کہا کہ یہ حدیث ابن عباسؓ کی اس پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے جو دوسری فصل میں ان سے نقل کی گئی ہے اور وہ پہلی حدیث یہ ہے کہ جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اس کو مار ڈالو چنانچہ علماء نے اسی پر عمل کیا ہے کہ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والا حد کا سزاوار نہیں ہوتا البتہ بطور تعزیر اس کو کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔

توضیح:

اس سے پہلے حدیث ۲۲ میں اس مسئلہ کی تفصیل گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے وہاں یہ مذکور ہے کہ جانور سے بدفعلی کرنے والے کو قتل کردو اور جانور کو بھی قتل کردو۔ وہ روایت بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے بظاہر ایسا معلوم ہو رہا تھا ہے کہ زیر بحث حدیث مرفوع حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عباسؓ کا اپنا قول ہے لیکن حضرت سفیان ثوریؒ کے تبصرہ سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ یہ دونوں حدیثیں مرفوع ہیں کیونکہ آپ نے فرمایا اس حدیث سے وہ پہلی والی حدیث زیادہ صحیح ہے اگر دونوں حدیثیں مرفوع نہ ہوں تو سفیان ثوری کے کلام کا کوئی مقام نہیں رہے گا۔

حد جاری کرنے میں کوئی فرق وامتیاز نہ کرو

﴿۳۲﴾وعن عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقِیْمُوا حُدُوْدَاللّٰہِ فِی الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ وَلَاتَاْخُذُکُمْ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃُ لَائِمٍ (رواہ البخاری)

اور حضرت عبادہؓ ابن صامت براوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب وبعید سب پر حدود اللہ جاری کرو اور خبردار اللہ کا حکم یعنی حد جاری کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہارے آڑے نہ آئے۔ (ابن ماجہ)

توضیح:

القریب و البعید : اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ کہ حدود اللہ کو قریب اور دور کے رشتہ داروں پر یکساں طور پر نافذ کرو ایسا نہ ہو کہ دور کے رشتہ داروں پر تو نافذ کرو اور قریب کے رشتہ داروں کی رعایت کر کے ان سے حد ساقط کرو یہ امتیازی سلوک حدود اللہ میں جائز نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ کہ قریب سے مراد کمزور اور ناتواں ہے جس پر حد نافذ کرنا آسان ہے اور بعید سے مراد طاقتور با اثر آدمی ہے اس تک رسائی ممکن نہیں تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کمزوروں اور طاقتوروں پر اور غریبوں اور مالداروں پر یکساں طور پر حد نافذ کرو امتیازی سلوک نہ رکھو۔

حد جاری کرنے کے دور رس فوائد

﴿۳۳﴾ وعن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اقامۃ حدٍ من حدود اللہ خیرٌ من مطرِ اربعین لیلۃً فی بلاد اللہ (رواہ ابن ماجہ) وَرَوَاہُ النسائیُّ عن ابی ھریرۃ.

اور حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کا جاری کرنا خدا کے تمام شہروں پر چالیس رات تک بارش برسنے سے بہتر ہے (ابن ماجہ) نسائی نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح:

اقامۃ حد من حدود اللہ : حدود اللہ کے قائم کرنے سے بلاد اللہ میں برکات اس لئے آتی ہیں کہ حدود اللہ کے نافذ کرنے سے معاصی اور جرائم کو روکا جاتا ہے اور جب گناہ رک جاتے ہیں تو آسمان سے برکات کے نزول کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے برعکس حدود کو نافذ نہ کرنا یا اس میں سستی کرنا گویا مخلوق خدا کو گناہ اور معاصی میں مبتلا ہونے کا موقع دینا ہے اور یہ معاصی قحط سالی خشک سالی اور فساد عالم کے اسباب ہیں جس کی وجہ سے صرف انسان ہی اس کا شکار نہیں بنتے بلکہ غیر انسان درندے پرندے، چرندے اور چھوٹے چھوٹے جانور بھی اس کا شکار بنتے ہیں اور سب تباہ و برباد ہو جاتے ہیں چنانچہ منقول ہے کہ " حباری " بھی اس نا کردہ گناہ کی زد میں آ کر دبلا پن میں مبتلا ہو کر مر جاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں مذکور ہے۔

حباری ایک پرندے کا نام ہے اس کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ رزق اور پانی کی تلاش کرنے میں اپنی نظیر آپ ہے دور دور تک جا کر دانہ پانی تلاش کر کے لاتا ہے جب وہ مر جاتا ہے تو دیگر پرندوں کا کیا حال ہوگا۔

باب قطع السرقة

چور کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

﴿قال الله تبارک و تعالیٰ و السارق و السارقة فاقطعوا ایدیهما جزاءً بما کسبا نکالا من الله و الله عزیز حکیم (سورة مائده آیت ۳۸)﴾

سرقہ کی تعریف

"سرقة" سین کا فتحہ ہے اور راء پر کسرہ ہے اور اس راپر فتحہ بھی پڑھنا جائز ہے سرقہ لغت میں دوسرے کی چیز کو چپکے سے اٹھا کر لے جانے کو کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحی تعریف اس طرح ہے عاقل بالغ شخص کا کسی کے مملوک و محفوظ مال کو چپکے سے اٹھا کر لیجانا سرقہ کہلاتا ہے۔ باب قطع السرقۃ میں علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں اہل کا لفظ محذوف ماننا پڑے گا۔ ای **باب قطع اهل السرقة.**

سرقہ کی تفصیلات میں فقہاء کرام کا اختلاف

چور کے ہاتھ کاٹنے اور حد سرقہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ نص قرآن سے **﴿و السارقه و السارقة فاقطعوا ایدیهما﴾** ثابت ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ مطلقاً مال چوری کرنے پر یہ قطع ہے یا کوئی معین مقدار مال کا ہونا ضروری ہے۔

اس میں جمہور فقہاء اور اہل ظواہر و خوارج اور حسن بصری کے درمیان اختلاف ہے۔ حسن بصریؒ اور خوارج اور اہل ظواہر کے ہاں مطلقاً مال کے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا جائز اور مشروع ہے لیکن جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ فرماتے ہیں کہ قطع ید کے لئے ضروری ہے کہ کوئی خاص مقدار مال کو چپکے سے کوئی شخص اٹھا کر لے جائے۔

دلائل:

حسن بصریؒ اور اہل ظواہر نے قرآن کریم کی ظاہری آیت سے استدلال کیا ہے والسارق والسارقۃ آیت میں چور کی چوری کا ذکر ہے مال کی مقدار کا ذکر نہیں ہے لہٰذا جس نے جو کچھ چوری کیا اس کا ہاتھ کٹے گا ان حضرات نے آنے والی ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں. "**لعن الله السارق یسرق البیضة فقطع یده**" بیضہ سر کے خود کو کہتے ہیں یہ ایک فوجی ٹوپی ہوتی ہے یا ظاہری معنی انڈا مراد ہے۔ "**ویسرق الحبل فتقطع یده**" حبل رسی

کو کہتے ہیں آیت اور احادیث کے پیش نظر ان حضرات کے ہاں قطع ید کے لئے مال کا کوئی نصاب نہیں ہے جمہور فقہاء نے ان تمام احادیث سے استدلال کیا ہے جس میں خاص مقدار مال کا ذکر ہے۔ بعض میں ربع دینار کا ذکر ہے بعض میں ثلاثہ دراہم کا ذکر ہے بعض میں ثمن المجن کا ذکر ہے بعض میں عشرۃ دراہم کا ذکر ہے اور کم مقدار کی نفی ہے نیز تمام صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے کہ خاص مقدار مال کے علاوہ قطع ید نہیں ہے امام ابو حنیفہؒ سے کسی نے پوچھا کہ ہاتھ میں نصف دیت ہے پھر دس درہم کے عوض کیوں کٹ جاتا ہے آپ نے فرمایا!

"لما كانت اليد امينة كانت ثمينة فلما خانت هانت"

جب ہاتھ امین تھا تو اس کی عظمت و قیمت تھی لیکن اس نے خیانت کی تو ذلیل ہوا۔

جواب:

ان حضرات نے آیت سے جو استدلال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت خود مجمل ہے اس کی تفصیل احادیث میں ۔ ہے لہٰذا مطلق آیت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

باقی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا جواب جمہور نے اس طرح دیا ہے کہ اس حدیث میں چوری کے نصاب کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اس میں چور کی عادت پر متنبہ کیا گیا ہے کہ یہی چھوٹی چھوٹی چیزیں جو اس وقت قطع ید کے لئے سبب نہیں ہیں لیکن اس سے چوری کی عادت پڑ جاتی ہے اور پھر نصاب سرقہ تک چوری کی نوبت پہنچتی ہے اور ہاتھ کٹ جاتا ہے تو اس میں شروعات کا ذکر ہے نصاب کو بیان نہیں کیا گیا ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ بیضہ سے مراد انڈا نہیں بلکہ لوہے کی فوجی ٹوپی ہے اور اس کی قیمت نصاب سرقہ تک پہنچتی ہے اسی طرح رسی سے مراد لوہے یا دیگر قیمتی اشیاء کی رسی ہے جس کی قیمت نصاب سرقہ تک جاتی ہے یا وہی عادت والی بات ہے۔

نصاب سرقہ میں جمہور کا آپس میں اختلاف

جمہور کا آپس میں اختلاف ہے کہ قطع ید کے نصاب کی مقدار کتنی ہے امام شافعیؒ کے ہاں ربع دینار نصاب ہے اور نصاب مقرر کرنے میں سونے کو بنیادی حیثیت حاصل ہے ائمہ احناف کے نزدیک نصاب قطع ید دس دراہم ہیں امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نصاب سرقہ ربع دینار ہے یا اس کی قیمت تین دراہم ہیں ان حضرات کے ہاں نصاب میں اصل اور بنیادی چیز چاندی ہے شوافع اور مالکیہ و حنابلہ کے درمیان اختلاف لفظی ہے کیونکہ ایک دینار بارہ درہم کا ہوتا ہے تو اس کا ربع سب کے نزدیک تین دراہم ہیں اصل اختلاف جمہور اور احناف کے درمیان ہے اور دونوں کے پاس قابل اعتماد دلائل ہیں۔

دلائل:

جمہوران تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں ربع دینار یا ثلاثۃ دراہم کا ذکر ہے جیسے حضرت عائشہؓ کی روایت نمبر ا میں ربع دینار کا ذکر ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت نمبر ۲ میں ثلاثۃ دراہم اور ڈھال کا ذکر ہے۔ائمہ احناف کے پاس اس بارے میں بہت روایات ہیں۔

(ا) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ترمذی میں ہے **قال لا قطع الا فی دینار اوعشرة دراهم** (ترمذی ج اص ۲۶۸) یہ روایت کئی طرق سے الفاظ کے کچھ تغیر کے ساتھ منقول ہے بعض میں ارسال ہے بعض میں اتصال ہے لیکن شرعی مقادیر جن روایتوں میں مذکور ہیں وہ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں طبرانی میں یہی روایت اس طرح ہے:

عن بن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال لا قطع الا فی عشرة دراهم
رواه الطبرانی فی الاوسط .

(۲) وعن ابن عباسؓ قال قطع النبی صلی الله علیه وسلم یدرجل فی مجن قیمته دینار اوعشرة دراهم (ابوداؤد)

(۳) وعن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا قطع دون عشرة دراهم (طحاوی)

(۴) عن ابن مسعود قال یقطع الیدعلی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فی عشرة دراهم و عنه قال لا یقطع یدالسارق فی اقل من عشرة دراهم

(۵) مصنف ابن ابی شبیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک آدمی لایا گیا جس نے کپڑا چوری کیا تھا حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ اس کی قیمت لگادو آپ نے جب قیمت لگائی تو آٹھ دراہم قیمت نکلی "**فلم یقطعه**" حضرت عمرؓ نے ان کا ہاتھ نہیں کاٹا کیونکہ دس دراہم سے چوری کم تھی (کذافی زجاجۃ المصابیح ج ۳ص ۸۲)

صحابہ کرام کے سامنے حضرت عمرؓ کا یہ فیصلہ اوراس پر سب کا خاموش ہو جانا اجماع سکوتی ہے لہٰذا دس دراہم نصاب پر صحابہ کا اجماع بھی ہے (دس دراہم ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے)

جواب:

ائمہ احناف نے جمہور کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ قطع ید کے نصاب کا مدار ثمن مجن یعنی ڈھال کی قیمت پر

ہے اور ڈھال کی قیمت زمانہ کے اعتبار سے بدلتی رہتی تھی حضرت عائشہؓ نے اس کو ربع دینار کی قیمت کے زمانہ میں دیکھا تو اس طرح بیان فرمایا ابن عمرؓ نے تین دراہم قیمت کے زمانہ میں دیکھا تو اس کا تذکرہ کیا۔ پھر ایسا وقت آیا کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس دراہم ہوگئی اور اسی کو احناف نے لیا جیسا کہ ابوداوٗد نے ذکر کیا ہے۔

نسائی، بیہقی اور طحاوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول نقل کیا ہے "**قال کان ثمن المجن علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یقوم عشرة دراهم**" یہ واضح روایت ہے کہ ڈھال کی قیمت کا استقرار دس دراہم پر ہوگیا تھا۔ نیز احناف کہتے ہیں کہ یہاں حد لگانے اور ہاتھ کاٹنے کا معاملہ ہے اور حد کا حکم معمولی شبہ سے ساقط ہوجاتا ہے اب دس دراہم سے کم مقدار جہاں بھی مذکور ہے اس میں شبہ آگیا لہٰذا اس کی بنیاد پر حد نافذ نہیں ہوگی کیونکہ "**ادراء و الحدود بالشبهات**" واضح ضابطہ ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾عن عائشة عن النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال لاتُقطعُ یدُالسّارقِ اِلّابربُعِ دینارٍ فصاعِدًا (متفق علیه)

حضرت عائشہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹا جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔ (بخاری ومسلم)

نوٹ: یہ روایت شوافع حنابلہ اور مالکیہ کا مستدل ہے اس کا جواب ہوگیا ہے۔

﴿۲﴾وعن ابنِ عُمرَ قال قطعَ النبیُّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یدسارقٍ فی مِجنٍّ ثمنُهٗ ثلاثةُ دراهِم (متفق علیه)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علی وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی چور کا داہنا ہاتھ کٹوادیا تھا۔ (بخاری ومسلم)

نوٹ: اس روایت سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے اس کا جواب بھی تفصیل کے ساتھ ہوگیا ہے۔

﴿۳﴾وعن ابی هُریرة عن النبیِّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال لعنَ اللّٰه السّارقَ یسرِقُ البیضةَ فتُقطعُ یدُهٗ ویسرِقُ الحبلَ فتُقطعُ یدُهٗ (متفق علیه)

اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا چور پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور رسی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

نوٹ : اس روایت پر جمہور فقہاء نے فتویٰ نہیں دیا ہے صرف اہل ظواہر اور حسن بصریؒ کا مسلک اس پر مبنی ہے اس کا جواب بھی تفصیل کے ساتھ پہلے گذر گیا ہے ایک جواب یہ بھی ہے کہ اس حدیث کا تعلق حکام سے ہے کہ وہ اس طرح چھوٹی چوریوں کے لئے بطور تعزیر سزا مقرر کریں تا کہ بڑی چوریوں سے لوگ باز آ جائیں یا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

الفصل الثانی

پھل وغیرہ کی چوری میں قطع ید کی سزا ہے یا نہیں؟

﴿۴﴾وعن رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاقَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثَرٍ.

(رواه مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجه)

حضرت رافعؓ ابن خدیج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور کھجور کے سفید گابھے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ (مالک، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

توضیح:

لا قطع فی ثمر ولا کثر: کثر کاف اور ثاء دونوں پر زبر ہے کھجور کا گابھا مراد ہے جب بالکل ابتداء میں نمودار ہو جائے لوگ اس کو کھاتے ہیں یا گابھے کے اندر چربی نما سفید گودا ہوتا ہے اس کو بھی لوگ کھاتے ہیں اس کو جمار بضم الجیم بھی کہتے ہیں ثمر ہر اس تازہ پھل کو کہتے ہیں جو درختوں پر لگا ہوا ہو مگر عام اطلاق کھجور کے پھل پر ہوتا ہے جب کھجور کو درختوں سے کاٹا جائے تو اب ثمر کے بجائے اس کو رطب کہتے ہیں اور جب ذخیرہ ہو کر خشک ہو جائے تو اس کو تمر کہتے ہیں (کذافی النہایہ) بعض نے پھولوں کی کلیوں کو کثر قرار دیا ہے بہر حال ان اشیاء میں قطع ید اس لئے نہیں ہے کہ سرقہ کے لئے مال محرز اور محفوظ ہونا ضروری ہے یہاں محفوظ نہیں۔

فقہاء کا اختلاف

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں میں قطع ید نہیں ہے اختلاف اس میں ہے کہ جب یہ پھل کھلیانوں اور گھروں میں آ جائے محرز و محفوظ ہو جائے تو آیا اس میں قطع ید ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

جمہور فرماتے ہیں کہ اس قسم کے پھلوں کی چوری میں قطع ید ہے خواہ اب تک پھل تر ہو یا خشک ہو امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو جلد خراب ہونے والی ہو خواہ پھل ہو یا دودھ ہو یا مچھلی ہو یا گوشت ہو اور یا کسی قسم کی سبزی ہو یا تیار شدہ کھانا ہو ان تمام اشیاء میں قطع ید نہیں ہے ہاں جب کھلیان یا گھر میں آ کر خشک ہو جائے تو پھر قطع ید ہے۔

دلائل:

جمہور نے آنے والی عمرو بن شعیب کی روایت سے استدلال کیا ہے اور وہ یہ قیاس بھی کرتے ہیں کہ ان اشیاء کی چوری پر سرقہ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے لہٰذا یہ چوری ہے اور چوری کی سزا قطع ید ہے تو جمہور کے پاس ایک نقلی اور ایک عقلی دلیل ہے۔امام ابوحنیفہؒ نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "فی ثمر" یہ نکرہ تحت النفی ہے اور اس میں عموم ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ کسی تازہ پھل یا سریع الفساد اشیاء میں قطع ید نہیں ہے لہٰذا کسی تازہ پھل میں قطع ید نہیں ہے خواہ محرز فی البیت ہو یا کھلیان میں محفوظ ہو نفی عام ہے۔

جواب:

باقی عمرو بن شعیب کی روایت کا تعلق خشک پھل سے ہے یا وہ روایت اس رافع والی روایت کا مقابلہ نہیں کرسکتی اور جب حدیث سے ان کا استدلال ثابت نہیں ہوا تو حدیث رافع کے مقابلہ میں قیاس پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔

﴿۵﴾ وعن عمرو بن شُعَيْب عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الثَّمَرِ الْمُعَلَّقِ قَالَ مَنْ سَرَقَ مِنْهُ شَيْئًا بَعْدَ اَنْ يُؤْوِيَهِ الْجَرِيْنُ فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ (رواه ابو داؤد والنسائی)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کرلیا گیا ہو اور ان (چرائے ہوئے پھلوں) کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطع ید کا سزاوار ہوگا۔ (ابوداؤد، نسائی)

غیر مملوکہ پہاڑی جانوروں پر چوری کا اطلاق نہیں ہوتا

﴿۶﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِى الْحُسَيْنِ الْمَكِّيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاقَطْعَ فِى ثَمَرٍ مُعَلَّقٍ وَلَافِى حَرِيْسَةِ جَبَلٍ فَاِذَا آوَاهُ الْمُرَاحُ وَالْجَرِيْنُ فَالْقَطْعُ فِيْمَا بَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ (رواه مالک)

اور حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن ابوحسین مکی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "درخت پر لگے ہوئے میوے اور پہاڑی پر چرنے والے جانوروں کے مقدمہ میں قطع ید کی سزا نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص کسی

پہاڑی جانور کو جانوروں کے بندھنے کی جگہ لاکر باندھ دے یا میوے کو (خشک ہونے کے بعد) کھلیان میں جمع کر دے تو اس کی چوری میں قطع ید کی سزا دی جائے گی بشرطیکہ شئے مسروقہ کی مالیت ایک ڈھال کی قیمت کے بقدر یا اس سے زائد ہو۔ (مالک)

توضیح:

"حریسة جبل" حریسہ محروسہ کے معنی میں اور محروسہ محفوظہ کے معنی میں ہے اور جبل پہاڑ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مثلاً کوئی جانور پہاڑ میں چرتا پھرتا رہتا ہوا اور وہیں رات گذارتا ہو اب کسی نے اس کو چرالیا تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ یہ مال محرز اور مال محفوظ نہیں ہے ہاں اگر کوئی شخص ان جیسے جانوروں کو پہاڑ سے پکڑ کر گھر لائے اور چور اس کو چرائے تو اب اس میں قطع ید ہے تو محروسۃ جبل کا مطلب یہ ہوا کہ صرف پہاڑ اس کو حفاظت دیتا ہے اور کوئی محافظ نہیں ہے تو اس میں قطع نہیں ہے اور ثمر معلق درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کو کہا گیا ہے "الجرین" یہ کھلیان کو بھی کہتے ہیں اور کھجور کے خشک کرنے کی جگہ کو بھی کہتے ہیں تو جب پھل خشک ہو جائے اور اس طرح محفوظ مقام سے کوئی چوری کرے تو اس میں بالاتفاق قطع ید ہے بشرطیکہ نصاب قطع تک پہنچ جائے "المراح" جانوروں کے باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں جس کو باڑہ کہتے ہیں۔

لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں

﴿۷﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَمَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَيْسَ مِنَّا (رواه ابوداؤد)

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لٹیرے کی سزا قطع ید نہیں ہے اور جو شخص لوگوں کو لوٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والا نہیں ہے)۔ (ابوداؤد)

توضیح:

المنتهب: یہ ڈاکو اور لوٹنے والے لٹیرے کو کہتے ہیں یہ شخص اور اس کا کردار اگر چہ چور سے بدرجہا بڑھ کر ہے لیکن شریعت نے چوری اور سرقہ کا جو مفہوم پیش کیا ہے اس میں کسی کا مال محفوظ چھپ چھپا کر لینے کا مفہوم ہے لہٰذا قطع ید سرقہ میں ہے اور نھبہ میں نہیں اس فرق سے معلوم ہوا کہ شریعت میں باریک اور دقیق فروق کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے انتہاب کی سزا الگ ہے جو باب مرتدین میں بیان کر دی گئی ہے۔

خائن قطع ید کا سزاوار نہیں

﴿۸﴾وعنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَامُنْتَهِبٍ وَلَامُخْتَلِسٍ قَطْعٌ (رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه والدارمي)وَرَوَى فِي شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ اُمَيَّةَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَنَامَ فِي الْمَسْجِدِ وَتَوَسَّدَ رِدَاءَهُ فَجَاءَ سَارِقٌ وَاَخَذَ رِدَاءَهُ فَاَخَذَهُ صَفْوَانُ فَجَاءَ بِهِ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَ اَنْ تُقْطَعَ يَدُهُ فَقَالَ صَفْوَانُ اِنِّي لَمْ اُرِدْ هٰذَا هُوَ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلَّا قَبْلَ اَنْ تَاْتِيَنِي بِهِ وَرَوَى نَحْوَهُ اِبْنُ مَاجَه عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ صَفْوَانَ عَنْ اَبِيْهِ وَالدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خیانت کرنے والے، لوٹنے والے اور اُچکّے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں ہے۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دوران) ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے کھینچ لی (اور بھاگنا چاہا) مگر صفوانؓ نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے (اور واقعہ بیان کیا، آنحضرتؐ نے (خود مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ چوری ثابت ہو جانے پر) اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ (یہ فیصلہ سن کر) حضرت صفوانؓ (کو رحم آ گیا اور انہوں نے کہا کہ اس کو آپ کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا (کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ اس کو معاف فرما دیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کردی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کردی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیا تھا" اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبد اللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوانؓ سے) اور دارمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی۔

توضیح:

علی خائن: خائن اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کی امانت میں خیانت کرتا ہے یا بالکل اس کا انکار کرتا ہے یہ اگر چہ بہت بڑا گناہ ہے لیکن "سرقہ" کے اپنے قواعد ہیں وہ ضابطے یہاں پورے نہیں ہو رہے ہیں کیونکہ یہ مال ایک لحاظ سے محرز نہیں ہے کیونکہ یہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے۔

"ولا مختلس" اختلاس اچکنے کے معنی میں ہے یہ اگر چہ بڑا گناہ ہے لیکن سرقہ کی تعریف اس پر صادق نہیں ہے لہٰذا قطع ید

نہیں ہے۔ " فقال صفوان انی لم اردهذا" مسجد میں جو شخص سویا تھا اور چادر اس کے نیچے تھی یہ مال محرز محفوظ تھا اس کی چوری سے ہاتھ کاٹنا ضروری تھا مگر صفوان کو جب اندازہ ہوگیا کہ یہ تو اس بیچارے کا بڑا نقصان ہوگیا تو صفوان نے کہا کہ چادر صدقہ ہے ہاتھ نہ کاٹا جائے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ بات تم اس وقت کر سکتے تھے جب میرے پاس چور کو نہ لاتے۔ لانے اور جرم ثابت ہونے کے بعد اب یہ حکم حقوق العباد سے نکل کر حقوق اللہ میں داخل ہوگیا لہٰذا اب تم اس کو معاف نہیں کر سکتے ہو چنانچہ پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ کسی حد کے ثابت ہوجانے اور حکم سنانے کے بعد کوئی اس کو معاف نہیں کر سکتا ہے۔

سفر جہاد میں چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے

﴿۹﴾ وعن بُسْرِبْنِ اَرْطَاةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَاتُقْطَعُ الْاَيْدِى فِى الْغَزْوِ (رواه الترمذی والدارمی وابوداؤد والنسائی) اِلَّا اَنَّهُمَا قَالَافِى السَّفَرِ بَدَلَ الْغَزْوِ.

اور حضرت بسرؓ بن ارطاۃ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔ (اس روایت کو ترمذی، دارمی، ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں ''غزوہ'' کی بجائے ''سفر'' کا لفظ ہے۔

توضیح:

لا تقطع الایدی فی الغزو: اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت سے چوری میں قطع ید نہیں ہے کیونکہ اس میں شبہ آ گیا اس لئے کہ مال غنیمت میں تمام مجاہدین شریک ہیں تو جو حصہ اس نے چوری کیا ہے اس میں یہ خود بھی شریک ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ میدان جہاد میں اگر کسی مجاہد نے چوری کی اور وہ مال غنیمت سے بھی نہیں ہے تو اس کا ہاتھ پھر بھی نہ کاٹا جائے اس لئے کہ بہت ممکن ہے کہ وہ دل برداشتہ ہوکر کفار کی طرف بھاگ جائے اور مرتد ہوجائے اس لئے اب صبر کرو جب واپس دار اسلام پہنچ جاؤ پھر اس پر حد نافذ کردو میدان جہاد میں حد نافذ نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہاں محکمہ عدالت کہاں ہے قاضی کہاں ہے اور امیر کہاں ہے؟ امیر حرب کو تنفیذ احکام کا اختیار نہیں ہے۔

جمہور علماء کا خیال ہے کہ چوری کے بعد حد ہر جگہ نافذ کی جائے گی خواہ دار الحرب ہو یا دار الاسلام ہو وہ قطع ید کو دیگر عبادات پر قیاس کرتے ہیں کہ نماز روزہ وغیرہ عبادات اور اس کے قواعد وضوابط دار الحرب میں موجود ہیں لہٰذا قطع ید اور تنفیذ حدود بھی وہاں ہونا چاہئے۔ احناف کے پاس صریح اور صحیح حدیث ہے کہ قطع ید جہاد میں نہیں ایک روایت میں غزوہ کی جگہ فی السفر کی عبارت ہے طیبی نے کہا ہے کہ سفر سے مراد جہاد ہے۔

دوبارہ سہ بارہ چوری کرنے کی سزا

﴿۱۰﴾ وعن ابی سلمة عن ابی هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي السَّارِقِ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوا يَدَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوا رِجْلَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوا يَدَهُ ثُمَّ اِنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوا رِجْلَهُ (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت ابوسلمہؒ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا کہ "جب وہ چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو اس کا (بایاں) پیر کاٹا جائے پھر اگر چوری کرے تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اگر چوری کرے تو اس کا (دایاں) پیر کاٹا جائے۔

(شرح السنة)

توضیح:

ثم ان سرق: اس پر سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ اولاً چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور ثانیاً چوری کرنے پر بایاں پیر کاٹا جائے گا لیکن اس کے بعد تیسری بار کیا کرنا پڑے گا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور فرماتے ہیں کہ اگر چور نے تیسری بار چوری کا ارتکاب کیا تو اس کا بایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور چوتھی بار دایاں پیر کاٹ دیا جائے تا کہ وہ سُنڈر مُنڈر رہ جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے ہاں تیسری اور چوتھی بار چوری پر قطع ید نہیں ہے اس لئے کہ اس سے وہ شخص بالکل معطل ہو کر ناکارہ ہو جائے گا بلکہ ایسے شخص کو دائمی جیل میں ڈال دیا جائے گا ہاں اگر تعزیر اور مصلحت و سیاست کی بنیاد پر سارے اعضاء کاٹنے پڑ جائیں تو ایسا ہو سکتا ہے۔

دلائل:

جمہور نے مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں تمام اعضا کے کاٹنے کا ذکر ہے۔

احناف نے حضرت عمرؓ کے فیصلے اور حضرت علی کے فتویٰ سے استدلال کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا!

" انی لأ ستحيي من الله ان لا ادع له " يد ايبطش بهاور جلايمشي بها"

یعنی مجھے اللہ تعالیٰ سے حیاء آتی ہے کہ میں اسے ایسی حالت میں چھوڑ دوں کہ وہ نہ کھا سکتا ہو نہ پی سکتا ہو اور نہ استنجا کر سکتا ہو

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ وہ سابق حدیث منسوخ الحکم ہے کیونکہ تمام اعضاء کا ختم

کرنا دراصل انسان کو ختم کرنا ہے حالانکہ اس کے لئے قصاص کا نظام قائم ہے۔

۱۱﴿وعن جابرٍ قَالَ جِئَ بِسَارِقٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئَ بِهٖ الثَّانِيَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئَ بِهِ الثَّالِثَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ ثُمَّ جِئَ بِهِ الرَّابِعَةَ فَقَالَ اقْطَعُوْهُ فَقُطِعَ فَاُتِيَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ اُقْتُلُوْهُ فَانْطَلَقْنَا بِهٖ فَقَتَلْنَاهُ ثُمَّ اجْتَرَرْنَاهُ فَاَلْقَيْنَاهُ فِي بِئْرٍ وَرَمَيْنَاهُ عَلَيْهِ الْحِجَارَةَ (رواہ ابو داؤد والنسائی)وَرُوِيَ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ فِي قَطْعِ السَّارِقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْطَعُوْهُ ثُمَّ احْسِمُوْهُ.

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ اس کو پھر لایا گیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ (اس کا بایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا بایاں پاؤں) کاٹ دیا گیا، پھر تیسری مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپؐ نے حکم دیا (اس کا بایاں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا کہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دیا گیا، اور پھر جب پانچویں مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپؐ نے حکم دیا کہ اس کو مار ڈالو، چنانچہ ہم اس کو (پکڑ کر) لے گئے اور مار ڈالا، اس کے بعد ہم اس کی لاش کھینچتے ہوئے لائے اور کنویں میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینک دیئے (ابوداؤد، نسائی) اور بغویؒ نے شرح السنۃ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ "اس کا ہاتھ کاٹو اور پھر اس (ہاتھ) کو داغ دو۔

توضیح:

فقطع: یہ چوتھی بار ہے اور پھر بھی چوری کی وجہ سے پیر کاٹا گیا ہے جمہور کے نزدیک تو یہی ترتیب ہے کہ تمام اعضاء کاٹ ڈالو لیکن احناف فرماتے ہیں کہ یہ ایک جزئی واقعہ ہے ورنہ ضابطہ مزید ہاتھ کاٹنے کا نہیں بلکہ تیسری بار چوری پر اس چور کو ہمیشہ کے لئے جیل میں بند کر دینے کا حکم ہے اس حدیث میں پانچویں بار چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کی بجائے قتل کرنے کا کہا گیا ہے اور اس پر عمل بھی ہو گیا ہے احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ مسلسل قطع اور پھر قتل کرنا یا تو منسوخ ہے یا یہ تعزیر کا حصہ ہے یا قتل سیاسۃً وحکمۃً ہے یا یہ شخص مرتد ہو گیا تھا اور اس کی لاش کھینچ کر لیجانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت ارتداد کی تھی یا بغاوت کی تھی ورنہ لاش کی یہ بے حرمتی نہ ہوتی ادھر صحیح اور صریح حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کا قتل کرنا تین باتوں کے علاوہ نہیں ہے اول یہ کہ کوئی شخص شادی شدہ ہو اور زنا کرے یا اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو اور یا مرتد ہو جائے ان تین باتوں کے علاوہ کسی مسلمان کو قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

سزا کو باعث عبرت بنانا جائز ہے

﴿۱۲﴾ وعن فضالة بن عبيد قال أتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بسارق فقطعت يده ثم أمر بها فعلقت في عنقه (رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه)

اور حضرت فضالہ ابن عبیدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا چنانچہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) اس کا ہاتھ کاٹا گیا پھر آپؐ نے حکم دیا کہ اس کا کٹا ہوا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے (تاکہ اس سے دوسرے عبرت پکڑیں) چنانچہ وہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا گیا۔'' (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح:

فعلقت في عنقه: یعنی چور کا کٹا ہوا ہاتھ اس کے گردن میں ڈالنے اور لٹکانے کا حکم دیدیا۔ آنحضرتؐ نے یہ اس لئے کیا تاکہ یہ سزا لوگوں کے لئے باعث عبرت بن جائے اور دوسرے لوگ اس جرم کے ارتکاب سے باز رہیں چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ ایک آدھ مرتبہ ایسا کرنے سے اسلامی معاشرہ چوری کے گناہوں سے پاک ہوگیا ہاتھ کاٹنا تو چوری کے ساتھ لازم ہے لیکن ہاتھ چور کے گلے میں باندھنا باعث عبرت ہے اور قرآن کریم میں '' **نكالا من الله**'' میں اس کی طرف اشارہ بھی موجود ہے لہٰذا سزا کو باعث عبرت بنانا جائز ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ گلے میں ہاتھ لٹکانا قطع ید میں مسنون ہے ایسا کرنا چاہئے اور اسی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہ عمل قطع ید کے ساتھ سیاسۃً اور مصلحۃً اور عبرۃً ہے یہ کوئی مستقل سنت نہیں ہے کیونکہ آنحضرت نے دوام کے ساتھ اس کا التزام نہیں کیا ہے قاضی کی رائے کا اعتبار ہوگا بہرحال جن لوگوں نے طالبان کے شرعی حدود کے نفاذ کو وحشیانہ کہا یا کہیں بھی شرعی حدود کے نفاذ کو وحشیانہ کہتے ہیں یہ لوگ یا پرلے درجہ کے جاہل ہیں یا یہ منافق ہیں اور یا کافر ہیں ذرا دیکھو شریعت میں تو اس قدر سختی بھی جائز ہے اس میں ان لوگوں پر بھی رد ہے جو کہتے ہیں نرمی سے سمجھاؤ سزا نہ دو۔

جب شبہ آ گیا تو ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا ہے

﴿۱۳﴾ وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سرق المملوك فبعه ولو بنش (رواه ابوداؤد والنسائي وابن ماجه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ نش کے بدلے میں اس کو بیچنا پڑے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح:

نَشٌّ: نون پر زبر اور شین مشدد ہے یہ نصف اوقیہ یعنی بیس دراہم کو کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ جب غلام چوری کرے اور چوری کا عادی ہو جائے تو اس کو قلیل وحقیر رقم پر بھی فروخت کر ڈالو، اب یہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر غلام اپنے آقا سے چوری کرے تو کیا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر غلام اپنے مولی سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا خواہ وہ غلام بھگوڑا ہو یا بھگوڑا نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر غلام اپنے آقا سے یا بیوی اپنے شوہر سے یا شوہر اپنی بیوی سے یا غلام اپنے آقا کی بیوی سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور یہی مسلک امام احمد بن حنبلؒ کا ہے۔

دلائل:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل وہ روایت ہے جس میں آیا ہے کہ ابن عمرؓ نے اپنے چور غلام کو سعید کے حوالہ کیا کہ ہاتھ کاٹے۔ حنابلہ اور احناف فرماتے ہیں کہ غلام اپنے مولی کے ساتھ شریک طعام ہے لہٰذا مولی کا مال غلام کے لئے مال محرز نہیں ہے اس میں شبہ آ گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے ایسے تاوان اور قطع ید وغیرہ کو مسترد کر دیا ہے آپ نے فرمایا!

"هو خادمكم اخذ متاعكم" حدیث نمبر ۱۵ میں یہ حدیث آ رہی ہے۔

الفصل الثالث

مجرم کو معاف کر دینے کا حق حاکم کو حاصل نہیں

﴿۱۴﴾ وعَن عَائِشَةَ قَالَتْ أُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَارِقٍ فَقَطَعَهُ فَقَالُوا مَا كُنَّا نُرَاكَ تَبْلُغُ بِهِ هٰذَا قَالَ لَوْ كَانَتْ فَاطِمَةُ لَقَطَعْتُهَا (رواه النسائی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور لایا گیا اور جب آنحضرتؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ آپ اس کے ہاتھ کاٹنے کا

حکم صادر فرمائیں گے (بلکہ ہمارا گمان تو یہ تھا کہ آپ اس کو معاف کردیں گے) آنحضرتؐ نے (یہ سن کر) فرمایا" اگر فاطمہ (بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔

توضیح:

ما کنا نراک: یہ صیغہ مجہول پڑھا جاتا ہے اور ترجمہ معروف کا ہوتا ہے یعنی آپ پر ہمارا یہ گمان و خیال نہیں تھا، صحابہ نے ہاتھ نہ کاٹنے کا خیال شاید اس وجہ سے کیا کہ غالباً یہ شخص حضور اکرمؐ کے قرابت داروں میں سے تھا یا خاص متعلقین میں سے تھا لیکن آنحضرتؐ نے دین اسلام اور اس کے اصولوں کو دیکھا اور ان لوگوں کے تعجب کے جواب میں فرمایا کہ حد سرقۃ وغیرہ کا ارتکاب اگر میری صاحبزادی فاطمہ بھی کرے تو اللہ کے اس حکم کے سامنے میں رکاوٹ نہیں بنوں گا۔

اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

﴿۱۵﴾ وعن ابنِ عمرَ قال جاءَ رجلٌ الی عمرَ بغلامٍ لهٗ فقال اقطعْ یدهٗ فانّهٗ سرقَ مرآةً لامرأتی فقالَ عمرُ لاقطعَ علیهِ هوَ خادمُکُم اخذَ متاعکُم (رواه مالک)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر فاروقؓ کے پاس اپنے غلام کو لے کر آیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ کٹوا دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرا لیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ" یہ قطع ید کا مستوجب نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارا خدمت گار ہے اور تمہاری ہی چیز اس نے لی ہے۔ (مالک)

توضیح:

یہ حدیث ائمہ احناف کا بہترین مستدل ہے کہ غلام کو اپنے مولی کے مال میں ایک قسم کی شراکت حاصل ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی علت کی طرف اشارہ فرمایا اور اس طرف بھی اشارہ فرمایا کہ غلام کے سامنے تمہارا مال محرز نہیں لہٰذا قطع ید نہیں کیونکہ شبہ آ گیا اور" الحدود تندرئ بالشبہات" ایک عام ضابطہ ہے اس سے پہلے حدیث نمبر ۱۳ میں اختلاف ائمہ کی تفصیل گذر چکی ہے یہ حدیث احناف کی دلیل ہے اور اس میں علت اور وجہ کی طرف بھی اشارہ ہے۔

کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں؟

﴿۱۶﴾ وعن ابی ذرٍّ قالَ قالَ لی رسولُ اللّٰهِ صلَّی اللّٰهُ علیهِ وسلَّمَ یااباذرٍّ قلتُ لبَّیکَ یارسولَ اللّٰهِ وسعدیکَ قالَ کیفَ انتَ اذااصابَ النّاسَ موتٌ یکونُ البیتُ فیهِ بالوصیفِ یعنی القبرَ قلتُ اللّٰهُ ورسولُهٗ اعلمُ قالَ علیکَ بالصّبرِ قالَ حمّادُ بنُ ابی سلیمانَ تُقطعُ یدُالنّبّاشِ لانّهٗ دخلَ علی

اَلْمَيِّتِ بَيْتَهُ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ''اے ابوذرؓ!'' میں نے عرض کیا ''میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! اور فرمانبردار ہوں، فرمائیے کیا ارشاد ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت کیا کرو گے جب لوگوں کو موت (یعنی کوئی وبا اپنی لپیٹ میں لے لے گی کیا اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہوگے یا صبرو استقامت کی راہ اختیار کرو گے؟) اور گھر یعنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہو جائے گی (یعنی اس وقت وبا کی وجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں (یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہوگا، آیا میں صبرو استقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا مسکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم پر صبر لازم ہے، حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

الوصیف: اسکی جمع وصائف ہے جولڑکا یا غلام خدمت کے قابل ہو جائے اس نوعمر خوبصورت غلام کو وصیف کہتے ہیں اسی سے **المستوصف** ہے جو ڈسپنسری کو کہتے ہیں۔

نباش: کفن چور کو کہتے ہیں یہ شخص قبر میں جا کر اترتا ہے اور میت سے نیا کفن کھینچ کر چوری کرتا ہے اب اس چوری کی سزا کیا ہے آیا اس نے مال محرز کی چوری کی ہے یا اس کا کیا حکم ہے اس میں فقہاء کا معمولی سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور فقہاء کے نزدیک کفن کی چوری کے عمل پر کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا البتہ بطور تعزیر سزا دی جائے گی۔

دلائل:

جمہور نے زیر نظر حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال عجیب ہے وہ اس طرح کہ حضور اکرمؐ نے حضرت ابوذر سے ایک زمانہ کی تنگی اور وبائی امراض کی وجہ سے کثرت اموات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس وقت ایک جسم کے برابر قبر کی جگہ یعنی میت کے لئے گھر ایک غلام کے عوض ملے گا۔

حماد بن ابی سلیمان نے اس لفظ میں ایک دقیق نکتہ پیدا کیا کہ میت کی قبر اس کا گھر ہے اور گھر میں جو مال ہوتا ہے وہ

محفوظ ومحرز ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی نے قبر یعنی میت کے گھر میں گھس کر کفن کو چوری کیا تو اس میں قطع ید ہونا چاہئے کیونکہ اس نے مال محرز کو چھپا کر چرا لیا ہے۔ جمہور نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں ہے "**من نبش قطعنا**" (رواہ البیہقی)

جمہور کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفن چور چور ہے اور چوری سرقہ ہے جس میں قطع ید ہے امام ابوحنیفہؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "**لیس علی النباش قطع**" (مصنف ابن ابی شیبہ) نیز حضرت معاویہؓ کے دور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی تو عام صحابہ نے قطع ید کو منع کر دیا اور تعزیر کو جاری کر دیا ان کی عقلی دلیل یہ ہے کہ کفن مال محرز نہیں کیونکہ قبر مکان محرز نہیں ہے۔

جواب:

احناف نے جمہور کے مستدلات کے متعلق کہا ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ روایات منکرات ہیں اور اگر صحیح بھی ہیں تو یہ حکم **سیاسةً او مصلحةً و زجراً** وارد ہے۔

نوٹ: جمہور کے ہاں اگر چور ایک بار چوری کا اقرار کرتا ہے تو قطع ید کے لئے یہ اقرار کافی ہوجائے گا جمہور کے مقابلے میں امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ چور جب بار بار اقرار کرے گا تب چوری ثابت ہوگی اور قطع ید ہوگا۔

باب الشفاعة في الحدود

حدود میں سفارش کا بیان

اس باب میں ان احادیث کا بیان ہے جن سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ آیا کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ حاکم کے سامنے یہ سفارش کرے کہ فلاں مجرم کو معاف کردے اوران پر حد جاری نہ کرے اور یہ بات بھی معلوم ہوجائے گی کہ حاکم اس سفارش کو قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے یانہیں، یادرہے دنیا کا کوئی بھی قانون اس وقت معطل ہوکررہ جاتا ہے جس میں تین رعایتیں پیدا ہوجائیں۔اول سفارش کی رعایت۔دوم رشوت کی رعایت اور سوم رشتہ داری کی رعایت۔

اسلام چونکہ ایک زندہ مذہب اور زندہ قانون ہے اس لئے اس میں ان سفارشوں اوران رعایتوں کی گنجائش نہیں جس سے اس کا یہ قانون معطل ہوجاتا ہے چنانچہ ملاعلی قاری نے اس مقام میں لکھا ہے۔کہ حدود کا مقدمہ جب حاکم کی عدالت میں پہنچ جائے تواس میں سفارش کرنا حرام ہے اوراس پرامت کا اجماع ہے۔اوراگر مقدمہ ابھی تک حاکم کے سامنے نہیں پہنچا ہے تو پہنچنے سے پہلے سفارش کرنا اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ اس شخص میں شراور فساد نہ ہوجس کے لئے سفارش کی جاتی ہے۔حدود کے علاوہ تعزیرات میں سفارش مطلقاً جائز ہے کیونکہ تعزیر کا تعلق نسبتاً ہلکے جرائم سے ہے بے جااور بجاسفارش کامفہوم ہرجگہ ملحوظ رہنا چاہئے۔

الفصل الاول

حد ٹالنے کے لئے سفارش منع ہے

﴿۱﴾عن عَائِشَةَ اَنَّ قُرَيْشًا اَهَمَّهُمْ شَأنُ الْمَرْاَةِ الْمَخْزُومِيَّةِ الَّتِي سَرَقَتْ فَقَالُوا مَنْ يُكَلِّمُ فِيهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا وَمَنْ يَجْتَرِئُ عَلَيْهِ اِلَّا اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ حِبُّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَهُ اُسَامَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اَنَّهُمْ كَانُوا اِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْاَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا (متفق عليه) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَتِ امْرَاَةٌ مَخْزُومِيَّةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ وَتَجْحَدُهُ فَاَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَطْعِ يَدِهَا فَاَتَى اَهْلُهَا اُسَامَةَ فَكَلَّمُوهُ فَكَلَّمَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ بِنَحْوِ مَاتَقَدَّمَ هٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ (ایک مرتبہ) قریشی صحابہؓ ایک مخزومی عورت کے بارے میں بہت فکر مند تھے جس نے چوری کی تھی (اور لوگوں سے عاریۃً سامان لے کر مکر بھی جاتی تھی اور آنحضرتؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تھا) ان قریشی صحابہؓ نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ اس عورت کے مقدمہ میں کون شخص آنحضرتؐ سے گفتگو (یعنی سفارش) کرسکتا ہے، اور پھر انہوں نے یہ کہا کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے رسول کریمؐ کو بہت محبت وتعلق ہے اس لئے اس بارہ میں آپ سے کچھ کہنے کی جرأت اسامہ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوسکتی (چنانچہ ان سب نے حضرت اسامہؓ کو اس پر تیار کیا کہ وہ اس عورت کے بارہ میں آنحضرتؐ سے گفتگو کریں) حضرت اسامہؓ نے (ان لوگوں کے کہنے پر) آنحضرتؐ سے گفتگو کی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ان کی بات سن کر) فرمایا کہ ''تم اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو!؟ اور پھر آپؐ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور (حمد وثنا کے بعد اس خطبہ میں) فرمایا کہ ''تم سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ ان میں سے اگر کوئی شریف آدمی (یعنی دنیاوی عزت وطاقت رکھنے والا) چوری کرتا تو وہ اس کو (سزا دیئے بغیر) چھوڑ دیتے تھے اور اگر ان میں سے کوئی کمزور وغریب آدمی چوری کرتا تو سزا دیتے تھے، قسم ہے خدا کی! اگر محمد (ﷺ) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔'' (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا'' ایک مخزومی عورت (کی یہ عادت) تھی کہ وہ لوگوں سے عاریۃً کوئی چیز لیتی اور پھر اس سے انکار کر دیتی تھی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا (جب) اس عورت کے اعزہ (کو اس کا علم ہوا تو وہ) حضرت اسامہؓ کے پاس آئے اور ان سے اس بارے میں گفتگو کی (کہ وہ آنحضرتؐ سے سفارش کریں) اور پھر حضرت اسامہؓ نے آنحضرتؐ سے اس کے متعلق عرض کیا۔'' اس کے بعد حدیث کے وہی الفاظ مذکور ہیں جو اوپر کی حدیث میں نقل کئے گئے ہیں۔

توضیح:

اھمھم: یعنی قریش کو پریشان کررکھا تھا۔ '' المرأة '' یہ عورت فاطمہ بنت اسود بن عبدالاسد تھی جو ابوسلمہ کی بھتیجی تھی۔

''المخزومية'' یعنی قریش کے بڑے قبیلے بنو مخزوم سے اس کا تعلق تھا۔ ابوجہل کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا۔

''ومن يجترئ'' یعنی اس سفارش کی جرأت کون کرسکتا ہے یعنی کوئی نہیں کرسکتا ہے یہ استفہام انکاری ہے۔

'' حب رسول الله'' یعنی محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لفظ ''حا'' کے کسرہ کے ساتھ ہے اور ''با'' پر شد ہے۔

''فاختطب'' اختطاب خطبہ دینے کے معنی میں ہے، یعنی آنحضرت نے صحابہ کے سامنے بیان کیا تا کہ اس بے جا سفارش کی نوعیت سب پر واضح ہوجائے۔ '' ایم الله '' یہ قسم کے الفاظ ہیں ای اقسم باللہ یعنی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔

"تستعیر" عاریت پر سامان مانگ کر لینا" و تجحده" یعنی پھر انکار کرتی تھی شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ اس کلام سے مقصود صرف اس عورت کا تعارف کرانا ہے کیونکہ عاریت پر لی ہوئی چیز کے انکار سے قطع ید واجب نہیں ہوتا اور حقیقت میں واقعہ بھی ایسا نہیں تھا بلکہ دراصل وہ عورت چوری کی عادی تھی۔

الفصل الثالث

حدود میں رکاوٹ ڈالنے والا اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے

﴿۲﴾ عن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ حَالَتْ شَفَاعَتُهُ دُونَ حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ فَقَدْ ضَادَّاللّٰهَ وَمَنْ خَاصَمَ فِي بَاطِلٍ وَهُوَ يَعْلَمُهُ لَمْ يَزَلْ فِي سَخَطِ اللّٰهِ تَعَالٰى حَتّٰى يَنْزِعَ وَمَنْ قَالَ فِي مُؤْمِنٍ مَالَيْسَ فِيهِ اَسْكَنَهُ اللّٰهُ رَدْغَةَ الْخَبَالِ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّاقَالَ (رواه احمد وابوداؤد) وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ مَنْ اَعَانَ عَلٰى خُصُومَةٍ لَايَدْرِي اَحَقٌّ اَمْ بَاطِلٌ فَهُوَ فِي سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ.

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کی سفارش اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے درمیان حائل ہو (یعنی جو شخص اپنی سفارش کے ذریعہ حاکم کو نفاذ حد سے روکے) اس نے اللہ تعالیٰ سے ضد کی (اور گویا اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ حد جاری کی جائے) اور جو شخص جانتے ہوئے بھی کسی ناحق اور جھوٹی بات میں کسی سے جھگڑتا ہے تو وہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہتا ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آجائے۔ اور جس نے کسی مؤمن کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی جو اس میں نہیں پائی جاتی (یعنی کسی مومن کو کوئی عیب لگائے یا اس کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کر کے اس کو نقصان پہنچائے) تو اس کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک دوزخیوں کے کیچڑ، پیپ اور خون میں رکھے گا جب تک کہ وہ اپنی کہی ہوئی بات سے نہ نکل آئے (یعنی جب تک کہ وہ توبہ کر کے اس گناہ سے نہ نکل آئے وہ دوزخیوں کی سی حالت میں رہے گا، یا یہ کہ جب تک وہ اس گناہ کے عذاب کو بھگت کر پاک نہ ہو جائے دوزخیوں کے درمیان رہے گا) اس روایت کو احمدؒ اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "جو شخص کسی ایسے جھگڑے میں مدد کرے جس کے حق و ناحق ہونے کا اس کو علم نہیں تو جب تک کہ وہ اپنی مدد سے باز نہ آجائے اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا۔

توضیح:

حالت: حیلولت سے حائل اور رکاوٹ کے معنی میں ہے" دون حد " دون ورے ورے کے معنی میں ہے یہ لفظ کبھی

"سوا" کے معنی میں آتا ہے اور کبھی ادون کم تر کے معنی میں آتا ہے یہاں ورے ورے کے معنی میں ہے یعنی حد ادھر رہ گئی اور اس شخص کی سفارش پہلے پہلے آکر حائل ہوگئی "ینزع" نکلنے اور پیچھے ہٹنے کے معنی میں ہے۔
"ردغة" راپر زبر ہے اور دال پر سکون بھی جائز ہے اور زبر بھی صحیح ہے کیچڑ اور مٹی کو کہتے ہیں۔ "الخبال" خاپر زبر ہے فساد کے معنی میں ہے یہاں دوزخیوں کے جسم کا خون اور پیپ مراد ہے۔ جس کو دوسری حدیثوں میں عصارة اهل النار کہا گیا ہے بعض شارحین نے کہا کہ خبال دوزخ میں ایک گڑھے کا نام ہے جہاں یہ آلائشیں جمع ہو جاتی ہیں بہرحال اس مجموعہ کلمہ کا ترجمہ تلچھٹ سے کیا جا سکتا ہے کہ دوزخیوں کی پیپ اور خون اور دیگر آلائشوں کی تلچھٹ پیئے گا۔ (اعاذ ناالله منه)

اقرار جرم پر چوری کی سزا

﴿۳﴾ وعن ابی اُمَیَّةَ الْمَخْزُومِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِلِصٍّ قَد اعْتَرَفَ اِعْتِرَافًا وَلَمْ یُوجَدْ مَعَهُ مَتَاعٌ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَااِخَالُکَ سَرَقْتَ قَالَ بَلٰی فَاَعَادَعَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ اَوْثَلَاثًا کُلَّ ذٰلِکَ یَعْتَرِفُ فَاَمَرَ بِهٖ فَقُطِعَ وَجِیْئَ بِهٖ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ اِلَیْهِ فَقَالَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوبُ اِلَیْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَیْهِ ثَلَاثًا (رواه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه والدارمی) هٰکَذَاوَجَدْتُ فِی الْاُصُولِ الْاَرْبَعَةِ وَجَامِعِ الْاُصُولِ وَشُعَبِ الْاِیْمَانِ وَمَعَالِمِ السُّنَنِ عَنْ اَبِی اُمَیَّةَ وَفِی نُسَخِ الْمَصَابِیحِ عَنْ اَبِی رِمْثَةَ بِالرَّاءِ وَالثَّاءِ الْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ الْهَمْزَةِ وَالْیَاءِ.

اور حضرت ابوامیہ مخزومیؓ بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے اپنے جرم کا صریح اعتراف واقرار کیا لیکن (چوری کے مال میں سے) کوئی چیز اس کے پاس نہیں نکلی چنانچہ رسول کریمؐ نے اس سے فرمایا کہ "میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے" اس نے کہا کہ "ہاں! میں نے چوری کی ہے" آنحضرت نے دو بار یا تین بار یہ کہا (کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے) مگر وہ ہر بار یہ اعتراف واقرار کرتا تھا (کہ میں نے چوری کی ہے) آخر کار آنحضرتؐ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا پھر ہاتھ کٹنے کے بعد اس کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لایا گیا تو رسول کریمؐ نے اس سے فرمایا کہ (اپنی زبان کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو (اور اپنے دل کے ذریعہ) اس کی طرف متوجہ ہو" اس نے کہا میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (یعنی توبہ کرتا ہوں) رسول کریمؐ نے تین بار فرمایا اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور (صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس روایت کو ان

چاروں اصل کتابوں (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)، میں جامع الاصول میں، اور بیہقی کی شعب الایمان میں، اور خطابی کی معالم السنن میں اسی طرح یعنی ابوامیہؓ سے منقول پایا ہے لیکن مصابیح کے بعض نسخوں میں اس روایت میں ابورمثہ ہمزہ اور یا کی بجائے راء مکسورہ اور ثاء مثلثہ کے ساتھ منقول ہے (مگر حضرت شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کا ابورمثہ سے منقول ہونا غلط ہے، اور ابورمثہ اگر چہ صحابی ہیں لیکن یہ روایت ان سے منقول نہیں ہے۔

توضیح:

مـا اخالک : ہمزہ پر زیر پڑھا جاتا ہے یہ زیادہ راجح ہے یہ خال یخال سے اظن کے معنی میں ہے اس جملہ سے آنحضرت کا مقصود یہ تھا کہ یہ شخص اپنے اعترافی بیان سے باز آجائے یا بیان بدل دے تا کہ اس سے حد ساقط ہو جائے اور حدود اللہ میں اس طرح تلقین حاکم کے لئے یا قاضی کے لئے مناسب ہے۔اس عمل کا نام "تلقین عذر" ہے امام شافعیؒ کے نزدیک یہ عمل تمام حدود میں جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ "تلقین عذر" کو صرف حد زنا کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

"**اللھم تب علیه**" اس سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ حدود اللہ زاجرات ہیں طاہرات نہیں جیسا کہ احناف کا مسلک ہے یہاں حد لگنے کے بعد بھی استغفار کی دعا کرنا اس کی تائید ہے اگر چہ واضح تر احادیث حدود کے مکفرات اور طاہرات ہونے پر دال ہیں اور یہ مسئلہ تفصیل سے گذر گیا ہے۔

۱۲محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

باب حدالخمر

شراب کی حد اور حرمت کا بیان

﴿قال اللّٰہ تعالیٰ و یسئلونک عن الخمرو المیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس و اثمھما اکبر من نفعھما (سورۃ بقرۃ آیت ۲۱۹)﴾

﴿و قال تعالیٰ یا ایھاالذین آمنو الا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری حتی تعلموا ما تقولون (سورۃ النساء ۴۳)﴾

﴿وقال تعالیٰ یا ایھاالذین آمنو انما الخمرو و المیسرو الا نصاب و الأ زلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون . (مائدہ ۹۰)﴾

﴿ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ و البغضاء فی الخمر و المیسرویصد کم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ فھل انتم منتھون (مائدہ ۹۱)﴾

" الخمر " خمر کے معنی چھپانے کے ہیں اور نصر وضرب سے اس مادہ میں ستر اور چھپانے کا معنی پڑا ہوا ہے چونکہ شراب سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور خمر عقل کو چھپاتی ہے اس لئے اس کو خمر کہا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کے متعلق فرمایا "انھاتذھب العقل و تذھب المال" یہ بات آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ تمام انسانی اقدار کا مدار عقل پر ہے کیونکہ عقل ہی اچھے برے کی تمیز کرتی ہے شراب پینے سے انسانیت اور انسان کی تمیز انسان سے رخصت ہو جاتی ہے اور انسان حیوانات کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے وہ ماں بیٹی اور بیوی بہن میں تمیز نہیں کر پاتا، اسلام انسانی صفات واقدار کی حفاظت کرنے والا زندہ وتابندہ آسمانی مذہب ہے اس لئے اس نے انسانی صفات کو بگاڑنے والی ام الخبائث پر پابندی لگادی قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا احادیث نے اس کی حرمت کا فیصلہ کیا اجماع امت نے اس کی حرمت پر اتفاق کیا لہٰذا اب شراب اسلام کے ماننے والوں کے لئے قطعی طور پر حرام ہے اور اس کی حرمت کا منکر کافر ہے۔ لیکن چونکہ عرب میں شراب کا استعمال ان کے معاشرہ کا لازمی حصہ بن چکا تھا اور اس کا تعلق انسان کی ایسی عادات سے ہو گیا تھا جس کو فوری طور پر ایک حکم سے ان کی عادات سے نکالنا اور مختصر عرصہ میں یہ عادت ان سے چھڑانا آسان نہیں تھا اس لئے اسلام نے تدریجاً اور مرحلہ وار اس کی حرمت کا حکم صادر فرمایا چنانچہ قرآن کریم میں چار مرحلوں میں چار قسم کی آیتوں میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

سب سے پہلی آیت مکہ مکرمہ میں اتری جس میں شراب کشید کرنے کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے

﴿ومن ثمرات النخيل و الاعناب تتخذون منه سكراً و رزقنا حسنا﴾

یہ مکی دور تھا پھر مدنی دور میں حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ نے حضور سے کہا کہ " افتنا في الخمر و الميسر يا رسول الله " اس پر یہ آیت اتری۔

﴿ويسئلونك عن الخمر و الميسر قل فيهما اثم كبير و منافع للناس و اثمهما اكبر من نفعهما﴾

اس آیت سے سنجیدہ افراد نے شراب چھوڑ دی پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مدینہ میں ایک دعوت کا اہتمام کیا اس میں حضرت علیؓ بھی شریک ہوئے اور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ اس کے بعد نماز کا وقت ہو گیا اور لوگوں نے مجھے نماز کے لئے آگے کیا تو میں نے پڑھا۔

﴿قل يأيها الكافرون لا اعبدماتعبدون و نحن نعبد ما تعبدون﴾

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿يا ايهاالذين آمنو لاتقربوا الصلوة و انتم سكارى حتى تعلموا ما تقولون﴾ (كذافي المرقات)

اس آیت اور اس حکم سے زیادہ تر اوقات میں شراب پر پابندی نافذ ہو گئی کیونکہ پانچ نمازوں میں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں ان کے درمیان شراب کا استعمال بند ہو گیا اب صرف فجر اور ظہر کے درمیان اور عشا و فجر کے درمیان کھلا وقت رہ گیا اس سے شراب کے عادی افراد کی عادت کافی حد تک قابو میں آ گئی۔

اس کے بعد اور بڑا حادثہ رونما ہوا وہ اس طرح کہ حضرت علیؓ نے دو اونٹنیاں ایک انصاری کے گھر کے پاس باندھ رکھی تھیں اتفاق سے وہیں پر قریب میں کھانے کی محفل قائم ہوئی اور شراب کا دور چلا حضرت حمزہؓ نشے کی حالت میں تھے کہ ایک لونڈی نے چند اشعار گائے اس میں ایک ٹکڑا یہ تھا " الا يا حمز للشرف النواء " اے حمزہ یہ قریب میں موٹی موٹی اونٹنیاں ہیں ان کے گوشت کا انتظام کون کرے گا۔ حضرت حمزہ کھڑے ہوئے اور حضرت علیؓ کی دونوں اونٹنیوں کے کوہاں کاٹ کر گوشت محفل والوں کو کھلا دیا۔ حضرت علیؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو دوڑے ہوئے حضور اکرمؐ کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے اپنے ولیمہ کے لئے اونٹنیاں پال رکھی تھیں حمزہ نے اس کے کوہان اور کوکھ کاٹ ڈالے حضور اکرمؐ غصہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور حمزہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ یہ کیا ہے حضرت حمزہؓ نشہ میں تھے اوپر نیچے دیکھا اور پھر کہا کہ تم سب میرے باپ کے غلام ہو آنحضرتؐ الٹے پاؤں واپس چلے آئے اور فرمایا ان کو اسی حالت میں چھوڑ دو یہ نشہ میں ہے۔

علامہ نووی نے حاشیہ مسلم میں ان تمام اشعار کو نقل کیا ہے فائدہ کے لئے پیش خدمت ہے (مسلم ج ۲ باب الاشربۃ)

الا یا حمز للشرف النواء وھن معقلات بالفناء

ترجمہ: اے حمزہ گھر کے صحن میں یہ موٹی فربہ اونٹنیاں بندھی کھڑی ہیں اس کی طرف متوجہ ہو

ضع السکین فی اللبات منها وضرجهن حمزة بالدماء

ترجمہ: ان کے گلوں میں چھری رکھ کر ان کو خون میں لت پت کردو

وعجل من اطایبها لشرب قدیداً من طبیخ اوشواء

ترجمہ: شراب کے بعد ان کے عمدہ گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پکالو یا بھون کر کھالو

آنحضرتؐ نے اس موقع پر اللہ سے اس طرح دعا مانگی " اللهم بین لنا بیانا شافیا "

اس پر سورۃ مائدہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں سے دو کو میں نے اس باب کی ابتداء میں لکھ دیا ہے اس آیت میں حکم ہے کہ " فهل انتم منتهون " یعنی اس گندی اور نجس چیز سے اب باز آجاؤ۔

نسائی میں ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے پہلی دو آیتوں پر فرمایا " اللهم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا " جب یہ آیت نازل ہوئی تو فرمانے لگے " انتهینا انتهینا " اس کے بعد مدینہ کی گلیوں میں شراب کی نہریں بہہ گئیں اور اس ام الخبائث سے مسلمانوں کے دل و دماغ محفوظ ہو گئے اور حرمت کا قطعی حکم آ گیا اب جو مسلمان شراب کو حلال سمجھتا ہے اور حرام نہیں کہتا وہ کافر ہے اور جو حرام سمجھ کر پیتا ہے وہ حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو رہا ہے۔ خمر کی تعریف آئندہ باب بیان الخمر میں آرہی ہے۔

الفصل الاول

آنحضرتؐ کے زمانے میں شراب نوشی کی سزا

﴿۱﴾ عَن اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ بِالْجَرِیْدِ وَالنِّعَالِ وَجَلَدَ اَبُوبَکْرٍ اَرْبَعِیْنَ (متفق علیه) وَفِی رِوَایَةٍ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَضْرِبُ فِی الْخَمْرِ بِالنِّعَالِ وَالْجَرِیْدِ اَرْبَعِیْنَ.

"حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی حد (سزا) میں کھجور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابوبکرؓ نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چالیس کوڑے مارے۔" (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں حضرت انسؓ ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریمؐ شراب نوشی

کی حد (سزا) میں چالیس کھجور کی ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے (یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے)۔

توضیح:

ضرب فی الخمر بالجرید: اگر کوئی شخص شراب پی لے اگر چہ تھوڑی مقدار میں ہو پھر اس کو حاکم کے پاس لے جایا جائے اور اس وقت اس شخص کے منہ میں شراب کی بدبو موجود ہو یا اس کو نشے کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اور دو شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیدیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کا اقرار کرے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص نے اپنے اختیار سے شراب پی لی ہے کسی نے زبردستی نہیں کی تو اس شخص پر حد خمر جاری کیا جائے گا اگر وہ شخص آزاد ہو تو اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور اگر غلام ہے تو چالیس (۴۰) کوڑے مارے جائیں گے یاد رہے کہ حد خمر اور حد زنا دونوں میں کوڑے جسم کے ان حصوں پر مارے جائیں گے جو حصے نرم ہوں اسی طرح جسم کے مختلف حصوں پر مارے جائیں گے ایک حصہ پر نہیں اگر شرابی کے منہ سے بدبو ختم ہو گئی ہو تو قاضی اس پر حد کا حکم نہیں کر سکتا ہے اسی طرح اگر اقرار بھی کیا ہو یا دو گواہوں نے گواہی دی ہو مگر منہ کی بدبو ختم ہو چکی ہو پھر بھی حد ساقط ہو جائے گی۔

نشے کی کیفیت اس طرح ہونی چاہئے کہ وہ شخص زمین و آسمان کا فرق نہیں کر سکتا ہو یا نشہ میں بڑبڑا رہا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چونکہ لوگوں کے ذہنوں سے شراب نوشی کا تصور ختم ہو چکا تھا اور شراب نوشی کے واقعات نادر ہو چکے تھے اس لئے آنحضرت شراب پینے والے کی تحقیر و توہین کرتے تھے چادروں کے کوڑوں اور جوتوں سے شرابی کا استقبال ہوتا تھا۔ اگر کسی نے بھی شراب پینے کی جرأت کی تو اسے جوتوں چادروں کے کوڑوں شاخوں اور ٹہنیوں سے پیٹا گیا اور ان کی تحقیر و توہین کے لئے سخت سست جملے کہے جاتے تھے۔ الغرض اس کے لئے باضابطہ کوئی معین حد موجود نہیں تھی عہد نبوی کے بعد عہد صدیقی میں بھی ایسا ہی رہا پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسی (۸۰) کوڑوں کا اعلان ہوا۔

حد خمر کی سزا کیلئے ۸۰ کوڑے متعین ہو گئے

﴿۲﴾ وعن السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ يُؤْتَى بِالشَّارِبِ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِمْرَةِ اَبِى بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ فَنَقُوْمُ عَلَيْهِ بَاَيْدِيْنَا وَنِعَالِنَا وَاَرْدِيَتِنَا حَتّٰى كَانَ آخِرُ اِمْرَةِ عُمَرَ فَجَلَدَ اَرْبَعِيْنَ حَتّٰى اِذَا عَتَوْا وَفَسَقُوا جَلَدَ ثَمَانِيْنَ (رواه البخاری)

اور حضرت سائب ابن یزید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ سلم کے عہد مبارک میں حضرت ابو بکرؓ کے ایام خلافت میں اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت کے ابتدائی دور میں یہ معمول تھا کہ جب کوئی شراب پینے والا لایا جاتا تو ہم اٹھ کر اس کو اپنے ہاتھوں اپنے جوتوں اور اپنی چادروں سے (یعنی چادروں سے کوڑے بنا کر اس کی) پٹائی کرتے پھر

حضرت عمر فاروقؓ اپنی خلافت کے آخری دور میں چالیس کوڑے مارنے کی سزا دینے لگے یہاں تک کہ جب شراب پینے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اور سرکشی بڑھ گئی تو حضرت عمرؓ نے اسّی ۸۰ کوڑے کی سزا متعین کی۔ (بخاری)

توضیح:

جیسا پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عہد نبوی سے لے کر عہد صدیقی تک حد خمر کا تعین نہیں تھا پھر عہد فاروقی میں جب ملک شام وفارس فتح ہوئے اور ملک مصر وغیرہ بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے تو نئے نئے لوگ اسلام میں داخل ہوئے کچھ بااثر تھے کچھ بہت مالدار عیش پسند تھے اور ایک حد تک دور بھی تابعین کا تھا اس لئے خمر پینے کے واقعات زیادہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی شوریٰ کے ارکان کو بلایا اور حد خمر کے تعین کے لئے مشورہ مانگا اس وقت شوریٰ کے ایک ممبر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ شرابی جب شراب پی لیتا ہے تو وہ نشے اور مدہوشی کے عالم میں بہتان بھی باندھتا ہے اور گالی بھی بکتا ہے اور گالی کے لئے حد قذف اسی (۸۰) کوڑے قرآن میں مقرر ہے تو شرابی کے لئے بھی اسی کوڑے متعین کرنا چاہئے۔ اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اب تک فقہاء کے ہاں اس پر اتفاق ہے۔ ہاں امام شافعی اور احمد بن حنبل اور اہل ظواہر کے ہاں اصل حد چالیس کوڑے ہیں اور مزید چالیس کوڑے بطور تعزیر ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور دیگر فقہاء کے نزدیک حد خمر اسی کوڑے ہے شوافع وحنابلہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے امام مالک واحناف نے حضرت سائب بن یزید کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں اسی کوڑوں کا ذکر ہے اور اجمال کی تفصیل ہے نیز یہ حضرات اجماع صحابہ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں ان دلائل کے سامنے یہ حضرات حضرت انسؓ کی مجمل روایت کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ ان حضرات کی جانب سے بعض حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں جو چالیس کوڑے مارے گئے تھے وہاں دو چھڑیوں کو ملا کر مارنے کا ذکر ملتا ہے لہٰذا عہد نبوی میں بھی اسی کوڑوں کا ثبوت مل جاتا ہے۔
نصب الرایہ میں تمام روایات نقل کی گئی ہیں۔

الفصل الثانی

شرابی کو قتل کر دینے کا حکم منسوخ ہے

﴿۳﴾ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ فَإِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فِي الرَّابِعَةِ

فَضَرَبَهُ وَلَمْ يَقْتُلْهُ (رواه الترمذى) وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ عَنْ قَبِيْصَةَ ابْنِ ذُؤَيْبٍ ،وَفِي أُخْرىٰ لَهُمَا وَلِلنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَه وَالدَّارِمِيِّ عَنْ نَفَرٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُمْ ابْنُ عُمَرَ وَمَعَاوِيَةُ وَاَبُوْهُرَيْرَةَ وَالشَّرِيْدُ اِلٰى قَوْلِهِ فَاقْتُلُوْهُ .

حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص شراب پیئے اس کو کوڑے مارو اور جو شخص بار بار پیئے یہاں تک کہ چوتھی مرتبہ پیتا ہوا پایا جائے تو اس کو قتل کر ڈالو حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے بعد ایک دن آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے چوتھی مرتبہ شراب پی لی تھی تو آپؐ نے اس کی پٹائی کی اور اس کو قتل نہیں کیا۔ (ترمذی) ابوداؤد کی ایک اور روایت میں اور نسائی، ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں جو انہوں نے رسول کریمؐ کے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کی ہے۔ جس میں حضرت ابن عمر، حضرت معاویہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت شریدؓ بھی شامل ہیں یہ حدیث لفظ فاقتلوه تک منقول ہے یعنی ان روایتوں میں ثم اتى الخ عبارت نہیں ہے۔

توضیح:

فاقتلوه: تمام امت اس پر متفق ہے کہ شارب خمر کو حد میں قتل نہیں کیا جائے گا اگر چہ وہ بار بار شراب پی لے۔ ہاں اگر وقت کا حاکم بطور تعزیر و سیاست و مصلحت اس کا قتل کرنا مناسب سمجھے تو ایسا کر سکتا ہے مگر حداً اس طرح ناجائز ہے کیونکہ اجماع صحابہ عدم قتل پر منعقد ہے نیز خود اس روایت میں ترمذی کے حوالہ سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص چوتھی مرتبہ حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو آنحضرتؐ نے "فضربه ولم يقتله" کوڑے لگائے اور قتل نہیں کیا معلوم ہوا قتل پر عمل نہیں ہوا۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میری کتاب میں دو حدیثیں ایسی ہیں جن پر امت عمل نہیں کر سکتی ہے ایک وہ حدیث جس میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے کسی خوف و دہشت کے بغیر اور کسی مطر و سفر کے بغیر مدینہ میں جمع بین الصلوتین فرمایا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ دوسری حدیث یہی زیر بحث حدیث ہے جس پر امت کا عمل نہیں ہے کہ کسی عذر کے بغیر جمع بین الصلوتین کیسے کیا گیا اور شارب خمر کو کب قتل کیا گیا باقی احناف نے "فاقتلوه" روایت کے کئی جوابات دیئے ہیں اول یہ کہ قتل سے مراد ضرب شدید ہے واقعی مار کر قتل کرنا مراد نہیں یا قتل سیاسۃً ہے حداً نہیں یا کوئی آدمی شراب پینے کو حلال سمجھتا ہے۔

دربار نبوت میں شرابی کی تحقیر و تذلیل

﴿۴﴾ وعن عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَزْهَرِ قَالَ كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ لِلنَّاسِ اضْرِبُوْهُ فَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالنِّعَالِ وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْعَصَا وَمِنْهُمْ مَنْ ضَرَبَهُ بِالْمِيْتَخَةِ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ يَعْنِي الْجَرِيْدَةَ الرَّطْبَةَ ثُمَّ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرَابًا مِنَ الْاَرْضِ فَرَمٰى بِهٖ فِي وَجْهِهٖ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن ازہر کہتے ہیں کہ گویا وہ منظر اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب پی تھی تو آپؐ نے فرمایا: اس کی پٹائی کرو چنانچہ ان لوگوں میں سے بعض نے اس کو جوتوں سے مارا اور بعض نے کھجور کی ٹہنی (چھڑی) سے مارا۔ حضرت ابن وہبؒ (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں) کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن نے میتخہ سے کھجور کی ہری ٹہنی (جس پر پتے نہ ہوں یعنی چھڑی مراد لی تھی) پھر (حضرت عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ جب سب لوگ اس شرابی کی پٹائی کر چکے) تو آنحضرتؐ نے زمین سے مٹی اٹھائی اور اس کے منہ پر پھینک دی (اس کے منہ پر مٹی پھینک کر گویا آپؐ نے اس کے تئیں حقارت کا اظہار کیا کیونکہ اس نے شراب پی کر ایک بہت ہی شنیع فعل کا ارتکاب کیا تھا) (ابوداؤد)

توضیح:

نعال: جوتوں کو نعال کہتے ہیں، عصا لاٹھی کو کہتے ہیں "المیتخة" میم پر زیر ہے اور یا پر سکون ہے تا پر زبر ہے پھر خاء معجمہ ہے۔ ملعقة کے وزن پر ہے چھوٹی لاٹھی کو کہتے ہیں جو تر ہو خشک نہ ہو جیسا کہ راوی نے خود وضاحت فرمائی ہے۔

"**اخذ ترابا**" مٹی کو اس کے منہ پر مارنا مزید تحقیر و تذلیل کے لئے تھا حد کا حصہ نہیں تھا (لیکن محبوب کے ہاتھ کی یہ مٹی اگر چہرہ کے بجائے دل پر جا کر لگتی تب بھی اس میں کیا ہی مزہ آتا ہوگا)

شرابی کو سزا دو عار دلاؤ لیکن بددعا نہ کرو

﴿۵﴾ وعن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْشَرِبَ الْخَمْرَ فَقَالَ اِضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ ثُمَّ قَالَ بَكِّتُوْهُ فَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِ يَقُوْلُوْنَ مَا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ مَا خَشِيْتَ اللّٰهَ وَمَا اسْتَحْيَيْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آنحضرتؐ نے (ہم سے) فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو۔ چنانچہ ہم میں سے بعض نے اپنے ہاتھوں سے، بعض نے اپنے کپڑے (کا کوڑا بنا کر اس) سے اور بعض نے اپنی جوتیوں سے اس کی پٹائی کی پھر آپؐ نے فرمایا کہ اب زبان سے اس کو تنبیہ کر دو اور عار دلاؤ۔ چنانچہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے کہنا شروع کیا تو نے اللہ کی مخالفت

سے اجتناب نہیں کیا تو خدا سے نہیں ڈرا اور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (متابعت ترک کرنے یا اس حالت میں آپ کے سامنے آنے) سے بھی نہیں شرمایا۔ اور پھر (جب) بعض لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو (دنیا و آخرت دونوں جگہ یا آخرت میں) ذلیل و رسوا کرے تو آپ ؐ نے فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر شیطان کے غالب ہو جانے میں مدد نہ کرو بلکہ یوں کہو کہ اے اللہ! (اس کا گناہ مٹا کر) اس کو بخش دے اور (اس کو اطاعت و نیکی کی توفیق عطا فرما کر) اس پر رحم کر (یا اس کو دنیا میں بخش دے اور عاقبت میں اس پر اپنا رحم فرما)۔ (ابوداؤد)

توضیح:

الضارب بثوبه: اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً چادر کو رسی کی طرح بٹ لیا جائے اور اس کا کوڑا بنا کر اس سے مارا جائے جو دیہات میں معروف طریقہ ہے "بکتوه" یہ باب تفعیل تبکیت سے زجر و توبیخ اور عار دلانے کے معنی میں ہے چنانچہ اس کی تشریح و توضیح "ما اتقیت" آخر تک کلمات سے ہوگئی "اخزاک الله" اس بددعاء کا تعلق چونکہ عالم آخرت سے تھا اور آخرت کی رسوائی تو دوزخ میں جانے سے ہوتی ہے اس لئے آپ ؐ نے منع فرمادیا کہ یہ تو شیطان کی تمنا ہے کہ مسلمان دوزخ میں جائے تو اس طرح بددعاء سے شیطان کے منصوبہ میں اس کی مدد نہ کرو۔

ثبوت جرم کے بغیر سزا نہیں

﴿۶﴾ وعن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ شَرِبَ رَجُلٌ فَسَكِرَ فَلُقِيَ يَمِيلُ فِي الْفَجِّ فَانْطَلَقَ بِهِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا حَاذٰى دَارَ الْعَبَّاسِ اِنْفَلَتَ فَدَخَلَ عَلَى الْعَبَّاسِ فَالْتَزَمَهُ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ وَقَالَ اَفَعَلَهَا وَلَمْ يَأْمُرْ فِيْهِ بِشَيْئٍ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے شراب پی اور بدمست ہو گیا یہاں تک کہ لوگوں نے اس کو راستہ میں اس حال میں پایا کہ وہ جھومتا چلا جاتا تھا (جیسا کہ شرابیوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نشہ کی حالت میں لڑکھڑاتے جھومتے راستہ چلتے ہیں) چنانچہ لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور رسول کریم ؐ کی خدمت میں لے چلے لیکن جب وہ حضرت عباس ؓ کے مکان کے قریب پہنچا تو (لوگوں کے ہاتھ سے) چھوٹ گیا اور حضرت عباس ؓ کے پاس پہنچ کر ان سے چمٹ گیا (یعنی اس نے اس طرح حضرت عباس ؓ سے سفارش اور پناہ چاہی) جب نبی کریم ؐ سے یہ بیان کیا گیا تو آپ ؐ ہنس دیئے اور فرمایا کہ اس نے ایسا ہی کیا؟ اور پھر آپ ؐ نے اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

فلقی: یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی گلی میں نشہ کی حالت میں پائے گئے۔ "الفج" دو پہاڑوں کے درمیان کھلے راستے کو فج

کہتے ہیں یہاں کھلی اور فراخ گلی مراد ہے" فانطلق" یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی لیجائے گئے" حاذی" یہ محاذات سے برابری اور آمنے سامنے ہوجانے کے معنی میں ہے" العباس "حضور اکرمؐ کے تایا کا نام ہے "فالتزمه" یعنی وہ آدمی حضرت عباس سے لپٹ گئے اور سفارش اور بچاؤ کے لئے ان سے چپک گئے" فذکر" یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی آنحضرت کے سامنے اس واقعہ عجیبہ کا تذکرہ کیا گیا" فضحک" آنحضرت تعجب کی وجہ سے ہنسنے لگے معلوم ہوا تعجب خیز بات پر ہنسنا مباح ہے۔" افعلها" یہاں ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور استفہام تعجبی ہے یعنی اچھا! اس نے واقعی ایسا کیا؟

" ولم یامر فیه بشی" یعنی حد لگانے کا حکم نہیں دیا اس لئے کہ اس شخص کی طرف سے اقرار بھی نہیں تھا اور شراب پیتے ہوئے کوئی گواہ بھی نہیں تھا صرف گلی میں جھومتے ہوئے کسی نے دیکھا تھا تو یہ شرعی حد کے ثبوت کے لئے کافی بھی نہیں تھا نیز اب نہ سکر تھا نہ شراب پی لینے کی بدبوتھی اس لئے حد نہیں لگی اس سے بھی معلوم ہوا اور آئندہ حضرت علی کی ایک روایت بھی آرہی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی حدود میں شراب کی حد سب سے آسان اور ہلکی حد ہے۔

الفصل الثالث

تمام حدود میں ہلکی سزا حد خمر کی ہے

﴿۷﴾عن عُمَيْرِ بْنِ سَعِيْدِ النَّخَعِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَلِيَّ ابْنَ اَبِى طَالِبٍ يَقُوْلُ مَاكُنْتُ لِاُقِيْمَ عَلٰى اَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوْتُ فَاَجِدُفِى نَفْسِى مِنْهُ شَيْئًا اِلَّاصَاحِبَ الْخَمْرِ فَاِنَّهُ لَوْمَاتَ وَدَيْتُهُ وَذٰلِكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسُنَّهُ (متفق عليه)

حضرت عمیر ابن سعید نخعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر میں کسی شخص پر حد جاری کروں اور وہ شخص (حد مارے جانے کی وجہ سے) مرجائے تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا (یعنی مجھے کوئی غم نہیں ہوگا کیونکہ اس پر حد جاری کرنا شریعت کے حکم کے مطابق ہوگا اور شریعت کے حکم کے نفاذ میں رحم وشفقت کا کوئی محل نہیں ہے) ہاں شراب پینے والے کی بات دوسری ہے کہ اگر وہ (چالیس سے زیادہ کوڑے مارے جانے کی وجہ سے) مرجائے تو میں اس کی دیت بھروں گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے شراب پینے کیلئے حد متعین نہیں فرمائی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

" فاجد فی نفسه" یعنی حد لگاتے لگاتے اگر کوئی مرجائے تو میں دل میں یہ محسوس نہیں کروں گا کہ یہ میری طرف سے زیادتی ہوئی ہے کیونکہ وہ اسلامی حد کی زد میں آیا ہے" و دیته" ودی یدی دیۃ خون بہا کو کہتے ہیں۔

یہ جملہ حضرت علیؓ کی طرف سے احتیاط کے طور پر بھی ہے اور اس طرف اشارہ بھی ہے کہ حد خمر تمام حدود میں نرم حد ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حد نہیں۔ خود حضرت علیؓ کے فیصلے کے مطابق حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کی موجودگی میں اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی تھی جس پر اجماع صحابہ ہو گیا ہے "لم یسنہ" اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت نے تعین نہیں فرمایا حد تو لگائی تھی مگر طریقے مختلف تھے اس میں دوشاخہ لاٹھی سے چالیس کوڑے بھی مارے ہیں جو اسی کوڑوں کے لئے ثبوت فراہم کرتا ہے نیز خلفاء راشدین کا فیصلہ ہے اور صحابہ کا اجماع ہے تو اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔

حد خمر کا تعین تمام صحابہ کے مشورہ سے ہوا

﴿۸﴾ وعن ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اِنَّ عُمَرَ اِسْتَشَارَ فِي حَدِّ الْخَمْرِ فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ اَرٰى اَنْ تَجْلِدَهُ ثَمَانِيْنَ جَلْدَةً فَاِنَّهُ اِذَا شَرِبَ سَكِرَ وَاِذَا سَكِرَ هَذٰى وَاِذَا هَذٰى اِفْتَرٰى فَجَلَدَ عُمَرُ فِي حَدِّ الْخَمْرِ ثَمَانِيْنَ (رواه مالك)

اور حضرت ثور ابن زید دیلمی کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے شراب کی حد کے تعین کے بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ شرابی کو اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو بدمست ہو جاتا ہے اور ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں۔" (مالک)

توضیح:

استشار: تعین حد کے لئے صحابہ سے مشورہ کیا "هذی" اول فول اور بکواس بکنے کو ہذیان کہتے ہیں "افتری" بہتان باندھنے کو افتراء کہا ہے۔ حضرت علیؓ نے بڑی جاندار بات فرمائی اور کئی قواعد کو سامنے رکھنے کے بعد بہترین قیاس کیا ہے چونکہ اسلام میں حد قذف کا ذکر واضح طور پر قرآن میں موجود ہے اور اس کی وجہ پاکدامن پر بہتان باندھنا ہے تو جہاں بھی ایسی صورت پیش آئے گی اس کا حکم بھی قذف کا ہوگا اور چونکہ شرابی بے عقل ہو جاتا ہے اور ہڑ بڑا کر گالیاں بکتا ہے اور اکثر وبیشتر پاکدامن پر بہتان باندھتا ہے اور بہتان کی سزا اسی (۸۰) کوڑے ہیں لہٰذا شراب کے بھی اسی (۸۰) کوڑے ہونے چاہئیں۔
حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ اغلبی واکثری حالات پر مبنی ہے کہ اکثر وبیشتر شرابی ایسے ہی ہوتے ہیں لہٰذا سب کا یہی حکم ہے صحابہ نے پسند فرما کر اتفاق کیا تو اجماع ہو گیا۔

باب مالایُدْعیٰ علی المحدود

ایک نسخہ میں باب کے لفظ پر تنوین ہے اور ما کا لفظ نہیں ہے مطلب یہ کہ یہ ایک ایسا باب ہے جس میں یہ بیان ہے کہ حد میں مضروب شخص کو بد دعا نہ دیا کرو مثلاً اگر کسی پر حد جاری ہو جائے اور ایک مسلمان اس مضروب شخص کے بارے میں کہے کہ اخزاک اللہ یا یہ کہے کہ ان پر کتے کی طرح پتھر برسائے گئے تو ان چیزوں کی ممانعت آئی ہے۔

الفصل الاول

کسی گناہگار پر لعنت بھیجنا ناجائز ہے

﴿۱﴾ عن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَجُلًا اِسْمُهٗ عَبْدُاللّٰهِ يُلَقَّبُ حِمَارًا كَانَ يُضْحِكُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهٗ فِي الشَّرَابِ فَاُتِيَ بِهٖ يَوْمًا فَاَمَرَ بِهٖ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَلْعَنُوْهُ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (رواه البخاری)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص تھا جس کا نام تو عبداللہ تھا اس کو "حمار" یعنی بطور لقب گدھا کہا جاتا تھا وہ نبی کریمؐ کو ہنسایا کرتا تھا نبی کریمؐ (ایک مرتبہ) شراب پینے کے جرم میں اس پر حد جاری فرما چکے تھے پھر وہ ایک اور دن (آپ کی خدمت میں) پیش کیا گیا تو آپؐ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور اس کو کوڑے مارے گئے حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر تیری لعنت ہو، اس کو کتنی کثرت کے ساتھ (بار بار شراب پینے کے جرم میں پکڑ کر) لایا جاتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو خدا کی قسم میں یہ جانتا ہوں کہ یہ شخص اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ (بخاری)

﴿۲﴾ وعن اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ فَقَالَ اضْرِبُوْهُ فَمِنَّا الضَّارِبُ بِيَدِهٖ وَالضَّارِبُ بِنَعْلِهٖ وَالضَّارِبُ بِثَوْبِهٖ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ اَخْزَاكَ اللّٰهُ قَالَ لَاتَقُوْلُوْا هٰكَذَا لَاتُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس نے شراب نوشی کا ارتکاب کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اس کی پٹائی کرو چنانچہ ہم میں سے بعض نے اس کو اپنے ہاتھ سے مارا بعض نے اپنے جوتوں سے مارا اور بعض نے اپنے کپڑے کا کوڑا بنا کر اس سے مارا جب وہ شخص واپس جانے لگا تو

بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل و رسوا کرے آنحضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس طرح نہ کہو اور اس پر غالب ہونے میں شیطان کی مدد نہ کرو۔ (بخاری)

الفصل الثانی

سزا یافتہ مسلمان کو طعنہ دینا جرم ہے

﴿۳﴾عن ابی ھریرۃ قال جاء الاسلمیُّ الی نبیِّ اللّٰہ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم فشھد علی نفسہ انَّہ اصاب امرأۃً حرامًا اربع مرَّاتٍ کلَّ ذٰلک یعرض عنہ فاقبل فی الخامسۃ فقال انکتھا قال نعم قال حتّٰی غاب ذٰلک منک فی ذٰلک منھا قال نعم قال کما یغیب المروَدُ فی المکحلۃ والرِّشاءُ فی البئر قال نعم قال ھل تدری ماالزِّنا قال نعم اتیتُ منھا حرامًا مایأتی الرَّجلُ من اھلہ حلالًا قال فماترید بھٰذا القول قال اریدُ ان تطھِّرنی فامر بہ فرجم فسمع نبیُّ اللّٰہ صلَّی اللّٰہ علیہ وسلَّم رجلین من اصحابہ یقولُ احدھما لصاحبہ انظر الی ھٰذا الَّذی ستر اللّٰہ علیہ فلم تدعہ نفسہ حتّٰی رجم رجم الکلب فسکت عنھما ثمَّ سارساعۃً حتّٰی مرَّ بجیفۃ حمارٍ شائلٍ برجلہ فقال این فلانٌ وفلانٌ فقال نحنُ ذان یارسول اللّٰہ فقال انزلا فکلامن جیفۃ ھٰذا الحمار فقالا یانبیَّ اللّٰہ من یأکل من ھٰذا قال فمانلتما من عرض اخیکما آنفًا اشدُّ من اکلٍ منہ والَّذی نفسی بیدہ انَّہ الاٰن لفی انھار الجنَّۃ ینغمس فیھا (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بارہ میں چار بار (یعنی چار مجلسوں میں) یہ گواہی دی (یعنی یہ اقرار کیا) کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ بطریق زنا، جماع کیا ہے، اور آنحضرتؐ ہر بار (اس کے اقرار کرنے پر) منہ پھیر لیتے تھے (تاکہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کرے اور حد سے بچ جائے) اور پھر پانچویں بار اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ''کیا تو نے اس عورت کے ساتھ صحبت کی ہے؟'' اس نے کہا ''ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کیا تو نے اس طرح صحبت کی کہ وہ (یعنی تیرا عضو مخصوص) اس (عورت کے حصہ مخصوص) میں غائب ہو گیا؟'' اس نے کہا کہ ''ہاں!'' آپؐ نے فرمایا ''(کیا اس طرح) جس طرح سلائی، سرمہ دانی میں رسی کنویں میں غائب ہو جاتی ہے؟'' اس نے کہا کہ ''ہاں! آپ نے پوچھا جانتے ہو زنا کیا ہے کہا'' ہاں! میں نے اس عوت کے ساتھ حرام طور پر وہ کام کیا ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ حلال طور پر کرتا ہے آپؐ نے فرمایا'' (اچھا یہ بتا) یہ جو کچھ تو نے کہا ہے اس سے تیرا مقصد کیا ہے؟'' اس نے کہا کہ ''میں یہ چاہتا ہوں کہ

آپ (مجھ پر حد جاری فرما کر) مجھ کو (اس گناہ) سے پاک کر دیجئے۔ چنانچہ (اتنی جرح کرنے کے بعد جب اس کا جرم زنا بالکل ثابت ہو گیا تو) آنحضرتؐ نے (اس کی سنگساری کا) حکم جاری فرمایا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں دو آدمیوں کو یہ گفتگو کرتے ہوئے سنا کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی سے یہ کہہ رہا تھا "اس شخص کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس کے نفس نے اس کو (اپنے اقرار گناہ سے) باز نہ رکھا یہاں تک کہ وہ ایک کتے کی مانند سنگسار کیا گیا۔" آپؐ نے (یہ سن کر اس وقت) تو ان دونوں سے کچھ نہیں کہا البتہ کچھ دیر تک چلنے کے بعد ایک مرے ہوئے گدھے کے قریب سے گذرے جس کے پاؤں (اس کا جسم بہت زیادہ پھول جانے کے سبب) اوپر اٹھے ہوئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ فلاں فلاں (یعنی وہ دونوں) شخص کہاں ہیں (جنہوں نے ماعزؓ کی اس وجہ سے تحقیر کی تھی کہ اس کو سنگسار کیا گیا تھا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم دونوں (حاضر) ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم دونوں اترو اور اس گدھے کا مردار گوشت کھاؤ۔ انہوں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کا گوشت کون کھاتا ہے؟ (یعنی اس کا گوشت کھائے جانے کے قابل نہیں ہے آپ ہم سے اس کے کھانے کو کیوں فرماتے ہیں؟) آپؐ نے فرمایا تم نے ابھی اپنے بھائی کی جو آبروریزی کی ہے وہ اس گدھے کا گوشت کھانے سے بھی زیادہ سخت (بری بات) ہے، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بلاشبہ وہ (ماعزؓ) جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ (ابوداؤد)

نوٹ: جانور جب مر کر مردار پڑا رہتا ہے تو پھول جاتا ہے اور اس کی ٹانگیں اوپر کی طرف اٹھ جاتی ہیں اسی کو شائل کہتے ہیں۔

﴿۴﴾ وعن خُزَيمَةَ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَصَابَ ذَنْبًا اُقِيمَ عَلَيْهِ حَدُّ ذٰلِكَ الذَّنْبِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت خزیمہؓ ابن ثابت کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (کسی ایسے) گناہ کا مرتکب ہو (جو حد کو واجب کرنے والا ہو اور پھر) اس پر اس گناہ کی حد جاری کی جائے (مثلاً کسی شخص نے زنا کیا اور اس کو کوڑے مارے گئے، یا کسی شخص نے چوری کی اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا) تو وہ حد اس کے اس گناہ کا کفارہ ہے (یعنی حد جاری ہونے کے بعد وہ شخص اس گناہ سے پاک وصاف ہو جائے گا) (شرح السنۃ)

جس گناہ پر حد جاری ہو چکی ہے اس پر آخرت میں مواخذہ نہیں ہوگا

﴿۵﴾ وعن عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَصَابَ حَدًّا فَعُجِّلَ عُقُوبَتُهُ فِي الدُّنْيَا فَاللّٰهُ اَعْدَلُ مِنْ اَنْ يُثَنِّيَ عَلَى عَبْدِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَنْ اَصَابَ حَدًّا فَسَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَفَا عَنْهُ فَاللّٰهُ اَكْرَمُ مِنْ اَنْ يَعُوْدَ فِي شَيْءٍ قَدْ عَفَا عَنْهُ (رواه الترمذی وابن ماجه) **وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ**

غَرِیبٌ.

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص حد کا سزاوار ہو (یعنی کوئی ایسا گناہ کرے جس پر حد متعین ہے) اور پھر اسی دنیا میں اس کو اس کی سزا دے دی گئی (یعنی اس پر حد جاری کی گئی یا تعزیر یعنی کوئی اور سزا دی گئی تو) (آخرت میں اس کو اس گناہ کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ) اللہ تعالیٰ کی شان عدل سے یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں اپنے بندے کو دوبارہ سزا دے، اور جو شخص کسی حد (یعنی گناہ) کا مرتکب ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے اس گناہ کو چھپالیا اور اس کو معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی شان کریمی سے یہ بعید ہے کہ وہ اس چیز پر دوبارہ مواخذہ کرے جس کو وہ معاف کر چکا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح:

ان یثنی: مکرر کرنے اور دوبارہ سزا دینے کے معنی میں ہے۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے ایک بات واضح طور پر یہ معلوم ہوگئی کہ دنیا میں حد کے ذریعہ سے سزا بھگتنے کے بعد آخرت میں یہ آدمی سزا سے بچ جائے گا اس مضمون کی احادیث بہت زیادہ ہیں اور حدود کے کفارات ہونے یا زاجرات ہونے میں فقہاء کا اختلاف بھی ہے میں نے اس کی تفصیل جلد اول میں بھی کی ہے اور اس جلد میں بھی کہیں تفصیل ہو چکی ہے لیکن اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو فقہاء کا یہ اختلاف اتنا گہرا نہیں ہے احناف فرماتے ہیں کہ اگر گناہ کا مرتکب حد کی سزا کے ساتھ زبان سے توبہ اور استغفار کرتا ہے تو پھر حدود مطہرات ومکفرات ہیں اور ظاہر ہے کہ کون ایسا آدمی ہوگا جو اتنی بڑی سزا پانے کے وقت زبان سے توبہ نہ کرتا ہو تو ان تمام احادیث کا مطلب احناف کے ہاں یہ ہوا کہ حدود بشرط توبہ مکفرات و مطہرات ہیں اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ پر اپنی طرف سے پردہ ڈالتا ہے تو بندے کو بھی چاہئے کہ اپنے گناہ کی خود تشہیر نہ کرے ایک تو اس میں فاحشہ کی تشہیر ہے جو منع ہے اور دوسرا توہین نفسی بھی ہے تو خاموشی سے استغفار کر لیا کرے۔

باب التعزیر

تعزیر کا بیان

تعزیر عزر سے ہے جس کا معنی روکنا، ملامت کرنا اور دھمکی دینا ہے۔ تعزیر کے ذریعہ سے بھی آدمی کو گناہ سے روکا اور ٹوکا جا سکتا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں ''تعزیر اس سزا کا نام ہے جو برائے تادیب وتہذیب دی جاتی ہے اور جس کی مقدار ادنی حد سے کم ہوتی ہے۔''

تعزیر کا ثبوت

قرآن کریم میں تعزیر کا ثبوت اس آیت سے ہے۔

﴿و اضربوهن فان أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا (سورة النساء ۳۴)

اور حدیث میں ہے " ولا ترفع عصاك عنهم أدبا"

آیت اور حدیث دونوں سے بیوی کو مارنے کا اشارہ ملتا ہے اور یہی تعزیر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے ''رحم الله امراءً علق سوطه حيث يراه اهله" (مرقات ملا علی قاری) ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اپنی لاٹھی کو ایسی جگہ پر لٹکائے رکھے جہاں اس کی بیوی کو نظر آئے۔

حد اور تعزیر میں فرق

حد اس خاص سزا کا نام ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت بھی ہو اور متعین بھی ہو وقت کے حاکم کو اس میں نہ ترمیم واضافہ کا اختیار ہے اور نہ دیگر تصرفات کا اختیار ہے حاکم کو صرف اس کی تنفیذ کا حق حاصل ہے۔ اس کے برعکس تعزیر وہ سزا ہے جس کو کتاب وسنت نے متعین نہیں کیا ہے بلکہ اس کا تعین مفوض الی رائی الامام ہے۔ امام شافعیؒ کے ہاں حاکم وقاضی پر تعزیر کا جاری کرنا لازم نہیں ہے بلکہ اس کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ تعزیر کی سزا کرے یا نہ کرے لیکن امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ امام پر لازم اور ضروری ہے بلکہ واجب ہے کہ وہ تعزیر نافذ کرے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تعزیر کا ذکر نص میں موجود ہو تو پھر اس کی تنفیذ واجب ہے اور اگر تعزیر کا ذکر نص قرآن میں موجود نہیں تو پھر وقت کے حاکم کی رائے پر موقوف ہے کہ وہ جس طرح چاہے کرے نافذ کرے یا نہ کرے۔

الفصل الاول

تعزیر میں کتنے کوڑے مارے جائیں؟

﴿۱﴾عن ابی بُرْدَةَ بْنِ نِيَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ اِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ (متفق عليه)

اور حضرت ابو بردہؓ ابن نیار، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان میں سے کسی حد کے علاوہ کسی گناہ کی تعزیر میں دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

لا یجلد فوق عشر جلدات: شریعت نے تعزیر میں کوئی حد متعین نہیں کی ہے تاہم فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ کم سے کم تین کوڑے ہوں تین سے کم کوڑے تعزیر نہیں اب یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ تعزیر میں زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارے جائیں تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ اور امام احمد بن محمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ دس سے زیادہ کوڑے تعزیر میں نہیں مارنے چاہئیں۔

امام مالکؒ کے ہاں زیادہ کوڑے مارنے کی کوئی حد متعین نہیں ہے۔ قاضی و امام جتنا مناسب جانے کوڑے لگائے یہی صاحبین کا بھی مسلک ہے (کمافی المرقاة) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ادنی حد تک تعزیر نہیں پہنچنا چاہئے بلکہ اس سے کم ہونا چاہئے لہٰذا ایک غلام کی حد قذف چالیس کوڑے ہیں تو اس ادنی حد سے ایک کوڑا کم کر کے انتالیس کوڑے لگانا چاہئے تاہم یہ تعزیر امام کی صوابدید پر موقوف ہے لہٰذا تعزیر کے ضمن میں زیادہ سے زیادہ سزا دی جاسکتی ہے حتی کہ قتل تک نوبت پہنچ سکتی ہے۔

دلائل:

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے "**لا یجلد فوق عشر جلدات**" مشکوۃ کی زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے امام مالکؒ اور صاحبین نے حضرت عمر فاروقؓ کے ایک واقعہ تعزیر سے استدلال کیا ہے جس میں متعلقہ شخص کو سو کوڑے بھی مارے گئے اور وہ شخص قید بھی ہو گیا واقعہ اس طرح تھا کہ معن بن زائدہ نے بیت المال سے جعلی مہر کے ذریعہ سے مال لیا حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو ان کو سو کوڑے مارے اور قید کر لیا۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے تعزیر کو حد تک پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔

جواب:

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی دس جلدات (کوڑوں) والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ان احادیث کی وجہ سے منسوخ ہو چکی ہے جن احادیث میں دس کوڑوں سے زیادہ کا ذکر آیا ہے اور صحابہ نے اس پر عمل کیا ہے امام مالکؒ اور صاحبین کو یہ جواب ہے کہ حضرت عمرؓ نے کئی جرائم کو ملا کر سو کوڑے مارے تھے کسی ایک جرم میں سو کوڑوں سے تعزیر نہیں ہوئی تھی۔

میں یہاں قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ فقہاء کے مذاہب کے انضباط میں یہاں تعزیر کے مسئلہ میں بہت دشواریاں ہیں کئی کئی اقوال ہیں میں نے ملا علی قاری کی مرقات سے اختلاف مذاہب کے اقوال کو یہاں جمع کیا ہے اگر چہ دیگر شارحین نے اور انداز سے اقوال کو جمع کیا ہے بہر حال تعزیر کی بنیاد امام کی رائے اور صوابدید کی بنیاد پر ہے اگر وہ مصلحت دیکھتا ہے کہ یہاں زیادہ سزا کی ضرورت ہے تو زیادہ دے سکتا ہے اور کم بھی کر سکتا ہے لہٰذا اس میں ایک خاص تعین اس کی آزاد حیثیت کو متاثر کر دیتا ہے۔

عمدۃ الرعایہ میں لکھا ہے کہ کبھی تعزیر گردن پر پتھر مارنے سے حاصل ہوتی ہے کبھی کان مروڑنے سے بھی تعزیر ہو جاتی ہے کبھی قید کرنے سے، کبھی گالی دینے سے کبھی جلاوطن کرنے سے اور کبھی شدید ضرب سے اور کبھی قتل کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے۔

مشائخ عظام نے کئی ایسی جگہوں کا ذکر کیا ہے جہاں تعزیر بالقتل بھی جائز ہے مثلاً ایک شخص مسلسل چوری کرتا ہے یا مسلسل جادو کرتا ہے یا مسلسل لواطت کر رہا ہے یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے تو ایسے لوگوں کو قتل کرنا بطور تعزیر جائز ہے فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے دیکھا کہ کوئی شخص اس کی بیوی سے زنا کر رہا ہے تو وہ ان کو قتل کر سکتا ہے (اگر چہ اسلامی عدالت اس سے جواب طلبی کریگی لیکن عند اللہ یہ شخص ماخوذ نہیں) (زجاجۃ المصابیح ج۳ ص۱۰۲)

خلاصہ الفتاوی اور فتاوی ظہیر نے کسی پر مالی جرمانہ لگا کر مال لینے کی تعزیر کو بھی جائز لکھا ہے اور گھروں کے جلانے کو بھی تعزیر میں شمار کیا ہے (زجاجہ المصابیح حوالہ بالا)

الفصل الثانی

مجرم کو منہ پر کوڑے نہ مارو

﴿۲﴾عن ابی ہُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَاضَرَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَتَّقِ الْوَجْہَ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم میں سے

کوئی شخص کسی مجرم کو سزا دے تو اس کو چاہئے کہ وہ (اس مجرم کے) منہ کو بچائے۔(ابوداؤد)

توضیح:

فلیتق الوجه: مطلب یہ ہے کہ جب کسی مجرم شخص کو تعزیر میں کوڑے مارے جائیں یا حد میں مارے جائیں تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ کوڑے مارنے کا مقام چہرہ نہ ہو چہرہ کو بچایا جائے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سر اور چہرہ وہ نازک اعضا میں سے ہیں کہ کوڑے مارنے سے ہلاکت کا خطرہ ہوسکتا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ کوڑے بدن کے نرم حصوں پر متفرق کر کے مارے جائیں۔ دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ چہرہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک اعزاز بخشا ہے جسم میں سب سے زیادہ مکرم ہے اس لئے اس پر کوڑے نہ مارے جائیں ایک حدیث میں ہے کہ " ان الله خلق آدم علی صورته" اس وجہ سے بھی چہرہ کو اعزاز حاصل ہے۔

بدزبانی کی سزا وتعزیر

﴿۳﴾عن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَاقَالَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ یَایَهُودِیُّ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَاِذَاقَالَ یَامُخَنَّثُ فَاضْرِبُوْهُ عِشْرِیْنَ وَمَنْ وَقَعَ عَلٰی ذَاتِ مَحْرَمٍ فَاقْتُلُوْهُ

(رواه الترمذی)وَقَالَ هٰذَاحَدِیْثٌ غَرِیْبٌ.

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی (مسلمان) کو کہے "اے یہودی" تو اس کو بیس کوڑے مارو، اور اگر اے مخنث کہے تب بھی اس کو بیس کوڑے مارو اور جو شخص محرم عورت سے زنا کا مرتکب ہوا اس کو مار ڈالو" ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح:

یا مخنث: مخنث اس شخص کو کہتے ہیں جس کے اعضا اور بات چیت چال چلن رنگ وڈھنگ میں زنانہ پن ہو اگر یہ کمزوری خلقی ہو تو گناہ نہیں اور اگر مصنوعی اور بناوٹی ہو تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔

" **فاضربوه عشرین** " یہ بیس کوڑے اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے دس کوڑوں کا جوذکر آیا ہے اس میں تحدید وتعین نہیں بلکہ وہ حدیث منسوخ ہے اگر کوئی شخص اپنے غلام یا کسی کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف نہیں بلکہ تعزیر ہے اور اگر کسی مسلمان کو کسی نے زنا کے علاوہ تکلیف دہ الفاظ سے یاد کیا تو اس میں تعزیر آئے گی مثلاً کہا اے فاسق اے کافر اے چور اے خبیث اے منافق اے لوطی اے یہودی اے دیوث اے مخنث اے بدکار عورت کے بچے اے لونڈی کی اولاد اے زندیق اے حرام زادے وغیرہ۔

اور اگر کسی مسلمان کو آنے والے الفاظ سے یاد کیا تو تعزیر نہیں آئے گی مثلاً کہا۔ اے گدھے، اے کتے، اے بندر، اے الّو، اے سانپ، اے بیل، اے حجام کی اولاد، اے عیار، اے بے وقوف، اے مسخرے وغیرہ وغیرہ

علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی عیب واقعی اس آدمی میں ہو تو تعزیر نہیں ہوگی ہاں اگر علماء اور شرفاء کو ان الفاظ سے یاد کیا تو تعزیر ہوگی۔ "علی ذات محرم" یعنی اپنے محارم سے زنا کیا تو اسے قتل کر دو۔ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے امام احمدؒ نے استدلال کیا ہے کہ ذات محرم سے زنا کرنے والا واجب القتل ہے خواہ محصن ہو یا غیر محصن ہو۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ زنا کے معاملہ میں ضابطہ ایک طرح کا ہے اگر محصن ہے تو سنگسار کرنا ہے اگر غیر محصن ہے تو کوڑے ہیں اس حدیث کا ایک جواب اور محمل یہ ہے کہ یہ زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ پر محمول ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو محارم سے زنا کو جائز کہتا ہے تو پھر اس کا قتل ارتداد کی وجہ سے ہوگا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حکم سیاست اور مصلحت کے تحت ہے اگر امام و قاضی مناسب سمجھتا ہے تو قتل کر دے اور یہ تعزیر کا حصہ ہے یہ جواب تعزیر کے باب سے زیادہ موافق ہے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی تعزیر

﴿۴﴾ وعن عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَاوَجَدْتُّمُ الرَّجُلَ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاحْرِقُوا مَتَاعَهُ وَاضْرِبُوْهُ (رواه الترمذی وابو داؤد) وَقَالَ التِّرمِذِيُّ هٰذَاحَدِيْثٌ غَرِيْبٌ.

اور حضرت عمر فاروقؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کسی ایسے شخص کو پکڑو جس نے خدا کی راہ میں خیانت کی ہو (یعنی اس نے مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرا لیا ہو) تو اس کا مال و اسباب جلا ڈالو اور اس کی پٹائی کرو۔" (ابو داؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح:

غلّ فی سبیل اللّٰہ: یعنی مال غنیمت میں خیانت کی تو آدمی کو تعزیر کے طور پر کوڑے مارو اور اس کے مال و متاع کو جلا ڈالو۔

سامان جلانے کے بارے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں امام احمد بن حنبل اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح ظاہری حدیث کا حکم ہے اسی طرح اس شخص کا سامان اکٹھا کر کے جلایا جائے ہاں اگر اس سامان میں جانور ہو یا مصحف شریف ہو یا جہاد کا اسلحہ ہو تو اس کو نہ جلایا جائے۔ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ سامان نہ جلایا جائے کیونکہ اس میں غانمین کا حق ہے کیونکہ یہ سامان اس شخص کا اپنا تو نہیں تھا حدیث کا یہ حکم یا تو ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا یا یہ حکم تغلیظ و تشدید اور زجر و توبیخ پر محمول ہے یعنی اس کو ڈراؤ مگر عمل نہ کرو۔

۱۴محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

باب بیان الخمر ووعید شاربها

خمر کی تعریف اور پینے والے کے لئے وعید

خمر یعنی شراب اس چیز کا نام ہے جس کے استعمال سے نشہ اور مستی پیدا ہو خواہ وہ انگور کے شیرے کی شکل میں ہو یا کسی بھی چیز کا شیرہ ہو۔

''خمر انگور یا دیگر کسی چیز کے اس شیرے کا نام ہے جس کے استعمال سے نشہ اور مستی پیدا ہوتی ہو'' (کذفی القاموس)

یہ تعریف زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ تمام انواع خمر کو شامل ہے صرف انگور کے شیرے کے ساتھ خمر کو خاص کرنا مناسب نہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ جس پھل سے شراب بنائی جائے اس شیرے میں سکر اور نشہ موجود ہو خواہ کھجور سے بنایا جائے یا شہد سے بنایا جائے یا مکئی سے لیا جائے یا کسی اور مادہ سے لیا جائے۔ "و الخمر ماخامر العقل" اس عموم کا فائدہ یہ ہوگا کہ عرب میں اور خاص کر مدینہ منورہ میں انگور کی شراب شاذ و نادر ہی ملتی تھی اس لئے شراب کا حکم تمام پھلوں کو عام کرنا چاہئے، احناف کی کتابوں میں شراب کی تعریف اس طرح لکھی ہوئی ہے۔

" الخمر و هي النّیُّ من ماء العنب اذاغلا و اشتد و قذف بالزبد"

یعنی شراب انگور کے اس کچے شیرے کا نام ہے جو سخت اور گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ اٹھے۔

احناف خمر کی تعریف کو انگور کے ساتھ اس لئے خاص کرتے ہیں کہ اس قطعی حرام مادہ کی ایک متعین حقیقت ہونی چاہئے اہل لغت نے بھی اس کو خاص شراب اور خاص رس کا نام دیا ہے اس عارض کی وجہ سے شراب کو انگور کے ساتھ خاص کیا ورنہ تخصیص نہیں ہے۔

خمر اور حرام مشروبات کی اقسام

جو چیزیں نشہ آور ہیں اس کی بڑی چار قسمیں ہیں۔

(۱) پہلی قسم تو شراب کی ہے یہ انگور وغیرہ سے اس طرح بنتی ہے کہ انگور کا کچا شیرہ نکال کر کسی برتن میں رکھ دیتے ہیں کچھ دنوں کے بعد وہ گاڑھا ہو جاتا ہے پھر اس میں ابال آتا ہے اور وہ نشہ آور بن جاتا ہے اس کو خمر ہی کہتے ہیں۔

راجح قول یہ ہے کہ اس میں جھاگ اٹھنا شرط نہیں ہے یہ شراب ہے اور نص قطعی کے ساتھ حرام ہے۔ اس کا قلیل بھی حرام ہے اور کثیر بھی حرام ہے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے یہ منشیات کی جڑ اور اصل ہے دیگر منشیات اس کے تابع ہیں اس

میں نشہ چڑھنے نہ چڑھنے کی قید نہیں بلکہ مطلقاً حرام اور موجب حد ہے اور یہ نجس العین ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے کہ انگور کا شیرہ آگ پر رکھ کر معمولی سا پکایا جائے اور پھر محفوظ کر لیا جائے اس کو عربی میں " باذق " اور فارسی میں '' بادہ '' کہتے ہیں اور اگر اسی مادہ کو زیادہ پکایا جائے کہ ایک چوتھائی جل جائے اور تین چوتھائی رہ جائے تو اس کو '' طلا '' کہتے ہیں یہ بھی حرام ہے اس کا پینا بھی ناجائز ہے ہاں اس میں حد نافذ کرنے کے لئے نشہ چڑھنا شرط ہے۔

(۳) تیسری قسم نقیع التمر ہے جس کو عصیر الرطب بھی کہتے ہیں اور '' سکر '' بھی اس کا نام ہے۔ یہ تر کھجور کا وہ شیرہ ہے جو گاڑھا ہو جائے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اس کا پینا حرام ہے مگر حد لگنے کے لئے نشہ چڑھنا شرط ہے نشہ چڑھے بغیر حد نہیں لگے گی۔

(۴) چوتھی قسم نقیع الزبیب ہے اس کو عصیر الزبیب بھی کہتے ہیں یہ کشمش کا وہ شیرہ ہے جس میں زیادہ دیر تک رکھنے سے ابال بھی آجائے اور جھاگ بھی اٹھے اس کا پینا حرام ہے مگر حد لگنے کے لئے نشہ چڑھنا شرط ہے نشہ چڑھے بغیر حد نہیں لگے گی۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان چار قسموں میں " اذا غلاو اشتدو قذف بالزبد '' شرط ہے یعنی جھاگ اٹھنے کی شرط ہر قسم میں ضروری ہے لیکن صاحبین جھاگ اٹھنے کی شرط کو صرف خمر میں ضروری سمجھتے ہیں باقی تینوں قسموں میں جھاگ چڑھ آنا ضروری نہیں ہے صرف غلیان اور جوش کافی ہے۔

دیگر اَنبِذَہ اور مشروبات کا حکم

یہاں چار قسم کے دوسرے مشروبات بھی ہیں۔ (۱) اول نبیذ التمر ہے یہ خرما سے بنائے گئے اس مشروب کا نام ہے جس کو معمولی جوش دیا گیا ہو اور اس میں نشہ نہ آیا ہو (۲) دوم خلیط ہے یعنی کشمش اور خرما کو ملا کر ذرا جوش دیا اور شربت کشید کیا۔ (۳) سوم بتع ہے با اور تا پر زبر ہے یہ اس نبیذ کا نام ہے جو گندم، جو، شہد اور جوار وغیرہ کو پانی میں ڈال کر معمولی سا جوش دیکر عرق کشید کیا جاتا ہے۔ (۴) چہارم مثلث ہے یعنی عرق انگور کو اتنا پکایا جائے کہ اس کے دو حصے ختم ہو جائے اور ایک حصہ مشروب کی صورت میں باقی رہ جائے۔

ان چار قسم مشروبات کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی کثیر مقدار استعمال کرنے سے نشہ آتا ہو تو اس کی قلیل مقدار کا استعمال بھی حرام ہے اور اگر کثیر مقدار میں نشہ نہیں تو قلیل و کثیر دونوں حلال ہیں ۔ یہ جمہور کا مسلک ہے اور چونکہ امام محمدؒ بھی جمہور کے ساتھ ہیں لہٰذا محققین احناف کی تحقیق کے مطابق فتوی اسی قول پر ہے اگر چہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان اشیاء کی قلیل مقدار کو عبادت پر قوی ہونے کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ جائز ہے اگر چہ اس کی کثیر مقدار میں نشہ ہو مگر فتوی اس قول پر نہیں ہے (مظاہر حق) الغرض اصل چیز نشہ اور سکر ہے اگر نشہ کسی مشروب میں ہو یا کسی گھاس میں ہو یا کسی درخت کے

شیرے میں ہو یا تمبا کو میں ہو یا شراب اور بھنگ میں ہو سب حرام ہیں۔

نشہ آور چیزوں میں بھنگ، افیون اور بعض جڑی بوٹیاں ہیں اسی طرح تمبا کو بھی ناجائز ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے لکھا ہے اور شاہ عبدالعزیزؒ نے حقہ نوشی کو مکروہ تحریمی لکھا ہے کیونکہ ان چیزوں سے بدن میں فتور اور سستی پیدا ہوتی ہے اور حدیث میں ابھی اس کا حکم آنے والا ہے کہ وکل مفتر یعنی ہر سستی لانے والی چیز حرام ہے یہ تفصیل صاحب مظاہر حق نے لکھی ہے میں نے تو ڈر کی وجہ سے کچھ لکھ دیا باقی چھوڑ دیا وہاں دیکھ لیا جائے (مظاہر حق ج ۳ ص ۶۴۶) میں بذات خود نسوار سگریٹ اور تمبا کو والے پان کو قطعاً پسند نہیں کرتا ہوں اور نہ کسی عالم دین کے لئے اس کو پسند کرتا ہوں لیکن میری کیا حیثیت ہے علماء میرا مذاق اڑائیں گے اگر چہ سعودی عرب کے علماء ان اشیاء کو حرام کہتے ہیں اور جب درمختار نے بھی حرام لکھا ہے اگر تفصیل مین جایا جائے تو نفی میں بہت کچھ مل جائے گا۔ مدینہ منورہ میں ایک علمی شخصیت حضرت مولانا عبدالوحید عبدالملک دامت برکاتھم نے حرمت سگریٹ پر ایک عمدہ رسالہ لکھا ہے جس میں تمبا کو سے بنی اشیاء کی حرمت پر خوب تفصیل سے کلام فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اگر چہ بعض علماء تمبا کو نوشی کو حرام نہیں کہتے ہیں مگر اس کی کراہت پر تو سب کو اتفاق ہے اگر کراہت تنزیہی بھی مان لی جائے تو اس پر اصرار سے پھر بھی یہ مسئلہ خطرناک حد تک جا پہنچتا ہے آئندہ حدیث نمبر ۱۶ کے تحت خوب تفصیل آرہی ہے اللہ تعالیٰ نے بچہ کے منہ کو ماں کے پیٹ میں تمام آلائشوں سے اس لئے محفوظ رکھا کہ اس منہ سے یہ بچہ میرا نام پکارے گا اب جب یہ بچہ بڑا ہو کر اپنے اختیار میں آ گیا تو اس نے خود اپنے منہ کو بدبودار بنا دیا یہ کتنی نامناسب بات ہے کسی نے خوب کہا۔

ہزار بار بشو ئم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن اَبِی هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْخَمْرُ مِنْ هَاتَیْنِ الشَّجَرَتَیْنِ النَّخْلَةِ وَالْعِنَبَةِ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "شراب ان دو درختوں یعنی انگور اور کھجور سے بنتی ہے۔ (مسلم)

مطلب حدیث:

الخمر من هاتین: چونکہ اکثر و بیشتر شراب انگور اور کھجور سے کشید ہوتی تھی اس لئے آنحضرتؐ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا

اس میں حصر کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مسکر یہی ہے۔

خمر کس چیز سے بنتی ہے

﴿۲﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ خَطَبَ عُمَرُ عَلَى مِنبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهُ قَدْ نَزَلَ تَحْرِيْمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةِ اَشْيَاءَ اَلْعِنَبِ وَالتَّمْرِ وَالْحِنطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ ،وَالْخَمْرُ مَاخَامَرَ الْعَقْلَ (رواه البخاری)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر (کھڑے ہوکر) خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ ”شراب کی حرمت نازل ہوگئی ہے اور شراب پانچ چیزوں سے بنتی ہے یعنی انگور سے، کھجور سے، گیہوں سے، جو سے اور شہد سے، اور شراب وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (بخاری)

توضیح:

وھی من خمسة اشیاء: ان پانچ چیزوں کو بطور شہرت ذکر فرمایا ورنہ شراب دیگر چیزوں اور طریقوں سے بھی حاصل کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے آخری الفاظ میں حضرت عمرؓ نے نہایت عموم کی طرف اشارہ فرمادیا کہ ”و الخمر ماخامر العقل“ یعنی شراب تو ہر اس نشہ آور چیز کا نام ہے جو عقل کو خمیرہ بنا کر ڈھانپ لے۔ یہ شراب کی بہترین تعریف ہے اگر چہ فقہاء عظام کے اجتہادی مباحث یہاں موجود ہیں۔

﴿۳﴾ وعن اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ حُرِّمَتِ الْخَمْرُ حِيْنَ حُرِّمَتْ وَمَانَجِدُ خَمْرَ الْاَعْنَابِ اِلَّاقَلِيْلًا وَعَامَّةُ خَمْرِنَا اَلْبُسْرُ وَالتَّمْرُ (رواه البخاری)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی اسی وقت اس کی حرمت (نافذ) ہوگئی تھی اور (اس وقت) ہمیں انگور کی شراب کم ملتی تھی ہماری شراب زیادہ تر کچی کھجور اور خشک کھجور سے بنتی تھی۔ (بخاری)

﴿۴﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبِتْعِ وَهُوَ نَبِيْذُالْعَسَلِ فَقَالَ كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ (متفق علیه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بتع یعنی شہد کی نبیذ کے بارے میں پوچھا گیا (کہ آیا اس کا پینا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ نے فرمایا کہ وہ مشروب جو نشہ لائے، حرام ہے۔ (بخاری ومسلم)

نوٹ: بتع یہاں با کے زیر اور تا کے سکون کے ساتھ ہے لیکن یہ لفظ با اور تا کے زبر کی ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ پانی میں شہد ملا کر آگ پر رکھ لیا جائے اور کچھ جوش دیا جائے یہ بتع ہے۔

جوشخص دنیا میں شراب پئے گا وہ جنت کی شراب سے محروم رہے گا

﴿۵﴾وعن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كل مسكر خمر وكل مسكر حرام ومن شرب الخمر في الدنيا فمات وهو يدمنها لم يتب لم يشربها في الآخرة (رواه مسلم)

اور حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے (خواہ مقدار میں تھوڑی ہو یا زیادہ ہو) اور جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اور ہمیشہ پیتا رہے گا یہاں تک کہ بغیر توبہ کئے مر جائے گا تو اس کو آخرت میں شراب پینا نصیب نہ ہوگا۔ (مسلم)

توضیح:

یدمنها: ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جو شخص شراب پیتا رہتا ہے اس کو ''مدمن خمر'' کہتے ہیں یہ ایسے شخص کے لئے گویا خاص صفت اور خصوصی تعارف ہے احادیث میں بار بار یہ لفظ باب افعال سے آیا ہے۔

''لم یشربها'' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص دنیا میں شراب پینے کو حلال سمجھتا تھا اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے اس لئے یہ شخص مرتد ہو کر دائمی دوزخی بن گیا تو دوزخ میں شراب کہاں؟ یا یہ کہ اول وہلہ میں اس کو شراب نہیں ملے گی لیکن سزا بھگتنے کے بعد جب جنت میں جائے گا تو پھر ان کو ملے گی یا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کو جنت میں اس نعمت کی خواہش نہیں ہوگی تو نہیں پئے گا۔

شرابی کے بارے میں وعید

﴿۶﴾وعن جابر ان رجلا قدم من اليمن فسال النبي صلى الله عليه وسلم عن شراب يشربونه بارضهم من الذرة يقال له المزر فقال النبي صلى الله عليه وسلم اومسكر هو؟ قال نعم قال كل مسكر حرام ان على الله عهدا لمن يشرب المسكر ان يسقيه من طينة الخبال قالوا يارسول الله وما طينة الخبال قال عرق اهل النار اوعصارة اهل النار (رواه مسلم)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ یمن کا ایک شخص (دربار نبویؐ میں) آیا اور نبی کریمؐ سے جوار کی شراب کے بارے میں پوچھا جو یمن میں پی جاتی تھی اور جس کو ''مزر'' کہا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ''کیا وہ نشہ لاتی ہے؟'' اس نے کہا کہ ''ہاں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نشہ لانے والی ہر چیز حرام ہے' اور (یاد رکھو) کہ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہے کہ جو شخص نشہ لانے والی کوئی بھی چیز پئے گا وہ اس کو طینۃ الخبال ' پلائے گا۔'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! طینۃ الخبال کیا ہے؟'' آنحضرتؐ نے فرمایا ''خبال'' دوزخیوں کا پسینہ ہے۔ یا فرمایا کہ۔ خبال وہ

پیپ اور لہو ہے جو دوزخیوں کے زخموں سے بہتا ہے۔ (مسلم)

توضیح:

طینة الخبال : خبال دوزخیوں کا خون اور پیپ ہے یا ان کے جسموں کا پسینہ ہے۔ طینة کا مطلب اگر تلچھٹ لیا جائے تو مفہوم کا سمجھنا اور زیادہ آسان ہو جائے گا۔ ''الذرة'' مکئی کو کہتے ہیں اس سے بھی شراب کشید کی جاتی تھی '' المزر'' میم پر زیر ہے اور ''زا'' پر سکون ہے۔

مخلوط پھلوں سے نبیذ بنانے کا حکم

﴿۷﴾وعن اَبِی قَتَادَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنْ خَلِیْطِ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّبِیْبِ وَالتَّمْرِ وَعَنْ خَلِیْطِ الزَّهْوِ وَالرُّطَبِ وَقَالَ اِنْتَبِذُوا کُلَّ وَاحِدٍ عَلٰی حِدَةٍ(رواہ مسلم)

اور حضرت ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خشک کھجور اور کچی کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے، خشک کھجور اور خشک انگور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے اور کچی کھجور اور تر کھجور کو ملا کر نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے کہ (اگر نبیذ بنانا ہی ہے تو) ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ نبیذ بناؤ'' (مسلم)

توضیح:

نهی عن خلیط التمر : خلیط اختلاط اور مخلوط کرنے کے معنی میں ہے تمر خشک کھجور کو کہتے ہیں اور ''بسر'' کچی کھجور کے معنی میں ہے ''زہو'' یہ اس کھجور کو کہتے ہیں جو پکنے کے قریب ہونے کی وجہ سے مختلف رنگوں میں بدل جاتی ہے کچی اور پکی کھجور کو ملانے کی ممانعت اس لئے ہے کہ نبیذ بنانے والے کو اندازہ نہیں ہو سکے گا اور پکی کھجور شراب میں بدل چکی ہوگی اور وہ ابھی تک کچی کے انتظار میں ہوگا کیونکہ پکی کھجور اپنے مزاج کے اعتبار سے جلدی متاثر ہو جاتی ہے اب پکی کھجور کی شراب کی آمیزش اس مخلوط کی نبیذ میں آجائے گی جس کا استعمال ناجائز ہے اس لئے اس اختلاط سے منع کر دیا گیا۔

امام مالکؒ کے نزدیک اس حدیث کی وجہ سے محض یہ اختلاط منع ہے اور اس کا استعمال منع ہے اگرچہ اس میں سکر نہ ہو لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ اختلاط اور اس سے کشید شدہ نبیذ اس وقت ناجائز ہوگا کہ اس میں نشہ آجائے ورنہ نہیں۔

کیا شراب سے سرکہ بنانا جائز ہے؟

﴿۸﴾وعن اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْخَمْرِ یُتَّخَذُ خَلًّا فَقَالَ لَا (راہ مسلم)

اور حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر شراب (میں نمک و پیاز وغیرہ ڈال کر)

اس کا سرکہ بنالیا جائے تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ (مسلم)

توضیح:

یتخذ خلاً: یعنی شراب میں نمک اور پیاز وغیرہ ملا کر سرکہ بنایا جائے تو کیا اس سرکہ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی چیز کے ملانے سے سرکہ بنایا گیا تو اس کا استعمال ناجائز ہے یہ اب بھی سرکہ نہیں بلکہ نجس شراب کے حکم میں ہے ہاں اگر خود بخود دھوپ وغیرہ میں رکھنے سے سرکہ بن گیا تو اب یہ شراب نہیں رہا اب اس کا استعمال جائز ہے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ کسی چیز کے ملانے سے شراب کو سرکہ بنانا ایک مکروہ فعل ہے لیکن سرکہ بن جانے کے بعد وہ شراب نہیں رہا اب تو یہ سرکہ ہے اور سرکہ حلال ہے اس کا استعمال جائز ہے۔

دلائل:

شوافع مذکورہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں احناف نے "نعم الادام الخل" والی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اب یہ شراب نہیں بلکہ سرکہ ہے اسی طرح بیہقی میں حدیث ہے کہ "خير خلكم خل خمر كم"

جواب:

شوافع نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شراب سے تبدیل شدہ سرکہ کی ممانعت اس وقت کی بات ہے جبکہ ابتداء میں شراب سے نفرت دلانے کے لئے برتنوں کو بھی منع کر دیا گیا تھا کہ مبادا شیطان شراب کی لذت اور اس کے وسوسے دوبارہ دلوں میں نہ ڈال دے اس لئے شراب سے تبدیل شدہ سرکہ کی بھی ممانعت کر دی گئی ورنہ جب شراب کی ماہیت تبدیل ہوگئی اور سکر ونشہ ختم ہوگیا تو پھر ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے بہر حال اگر اس ظاہری حدیث پر کوئی شخص عمل کرنا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ اس کے معارضہ کی ضرورت ہے۔

شراب دوا نہیں بلکہ بیماری ہے

﴿۹﴾ وعن وَائِلِ الْحَضْرَمِيِّ اَنَّ طَارِق بْنَ سُوَيْدٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَمرِ فَنَهَاهُ فَقَالَ اِنَّمَا اَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ فَقَالَ اِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَلٰكِنَّهُ دَاءٌ (رواه مسلم)

اور حضرت وائل حضرمیؓ روایت کرتے ہیں کہ طارق ابن سوید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب نوشی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے ان کو منع فرمایا، پھر طارقؓ نے کہا کہ ہم شراب کو دوا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وہ دوا نہیں ہے بلکہ (خود ایک) بیماری ہے۔ (مسلم)

توضیح:

انہ لیس بدواء: اکثر علماء نے دوا کے طور پر شراب کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر طبیب حاذق و ماہر ہو اور نیک وصالح ہو اور وہ مشورہ دیدے کہ اس مرض کا علاج شراب کے علاوہ کسی چیز میں نہیں ہے تو اس صورت میں بدرجہ مجبوری و اضطرار اس کا استعمال مباح ہوگا۔ باقی آنحضرت نے جو فرمایا کہ شراب بیماری ہے تو یہ حقیقت ہے کہ شراب بیماری ہی ہے مگر ظاہری طور پر اس میں عارضی ہیجان اور چستی آتی ہے جو علاج نہیں صرف عارضی ہیجان ہے اور اسی عارضی فائدہ کو قرآن میں ومنافع للناس سے ذکر کیا ہے۔

الفصل الثانی

شراب نوشی کا وبال

﴿۱۰﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهُ صَلَاةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا فَاِنْ تَابَ لَمْ يَتُبِ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَقَاهُ مِنْ نَهْرِ الْخَبَالِ (رواہ الترمذی) وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو.

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص (پہلی مرتبہ) شراب پیتا ہے (اور توبہ نہیں کرتا) تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا، پھر اگر وہ (خلوص دل سے) توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، پھر اگر وہ (دوسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے پھر اگر وہ (تیسری مرتبہ) شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا اور پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ چوتھی مرتبہ شراب پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ (نہ صرف یہ کہ) چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرتا (بلکہ) اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ (بھی) قبول نہیں کرتا اور (آخرت میں) اس کو دوزخیوں کی پیپ اور لہو کی نہر

سے پلائے گا۔'' (ترمذی) نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اس روایت کو عبداللہ ابن عمرو سے نقل کیا ہے۔''

توضیح:

اربعین صباحاً: شراب کا اثر ہے کہ چالیس دن تک نمازیں قبول نہیں البتہ نماز پڑھنا ضروری ہوگا۔ نماز چونکہ ام العبادات ہے اور شراب ام الخبائث ہے اس وجہ سے شراب کا اثر نماز پر پڑتا ہے اور جب نماز افضل عبادات قبول نہیں تو دیگر عبادات بطریق اولی قبول نہیں ہوگی۔ "لم یتب اللّٰه" یعنی چوتھی بار پھر اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت کا یہ فرمان کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی یہ زجر و توبیخ اور تغلیظ و تشدید پر محمول ہے ورنہ توبہ کرنا **دابة الارض** کے خروج اور **شروق الشمس من المغرب** تک جاری و مقبول ہے تاہم اصل حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بار بار شراب پیتا ہے تو شراب کی نحوست سے اس کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی ہے یہی مطلب ہوا کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

نشہ آور چیز کی قلیل مقدار بھی حرام ہے

﴿۱۱﴾وعن جَابِرٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاأَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ

(رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

اور حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو چیز نشہ لاتی ہو اس کی قلیل ترین مقدار بھی حرام ہے۔'' (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

مسکر چیز کا ایک چُلّو بھی حرام ہے

﴿۱۲﴾عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاأَسْكَرَ مِنْهُ الْفَرَقُ فَمِلْأُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد)

اور حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس چیز (مثلاً شراب) کا ایک ''فرق'' (یعنی آٹھ سیر کی مقدار) نشہ لائے اس کا ایک بھرا ہوا چلو بھی حرام ہے۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد)

توضیح:

الفرق: مثلاً شراب کی کوئی ایسی قسم ہے جس کی زیادہ مقدار نشہ لاتی ہے لیکن قلیل مقدار نشہ نہیں لاتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کی کم مقدار جائز ہو جائے گی بلکہ اس کی کم مقدار بھی حرام ہوگی البتہ نشہ نہ چڑھنے کی وجہ سے حد نافذ نہ ہوگی گناہ

ہوگا انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ پہلے جس چیز کو بہت کم استعمال کرتا ہو وہی قلیل چیز اس انسان کو کثیر کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے لہٰذا اس کم مقدار سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے۔ "فرق" سولہ پونڈ کے ایک پیمانہ پر فرق کا اطلاق ہوتا ہے۔ "فرق" کے "ر" پر فتحہ اور سکون دونوں جائز ہے اہل مدینہ کے ایک پیمانے کا نام ہے جس میں تین صاع یا سولہ رطل غلہ سماتا ہے یہاں قلیل وکثیر مقدار مراد ہے۔

شراب کن چیزوں سے بنتی ہے

﴿۱۳﴾ وعن النُّعمانِ بنِ بشيرٍ قال قالَ رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ إنَّ من الحِنطةِ خمرًا ومن الشَّعيرِ خمرًا ومن التَّمرِ خمرًا ومن الزَّبيبِ خمرًا ومن العسلِ خمرًا (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه) وقال الترمذيُّ هذا حديثٌ غريبٌ.

اور حضرت نعمان ابن بشیر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گیہوں کی بھی شراب ہوتی ہے، جو کی بھی شراب ہوتی ہے، کھجور کی بھی شراب ہوتی ہے، انگور کی بھی شراب ہوتی ہے اور شہد کی بھی شراب ہوتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

شراب کسی صورت میں قابل احترام نہیں

﴿۱۴﴾ وعن ابي سعيدٍ الخُدريِّ قال كانَ عندنا خمرٌ ليتيمٍ فلمَّا نزلتِ المائدةُ سألتُ رسولَ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ عنهُ وقلتُ إنَّهُ ليتيمٍ فقالَ أهرِيقوهُ (رواه الترمذی)

اور حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک یتیم کی شراب رکھی ہوئی تھی (یعنی ہمارے گھر میں ایک یتیم رہا کرتا تھا جو ہماری پرورش میں تھا اس کی ملکیت میں جہاں اور بہت سا مال واسباب تھا وہیں شراب بھی تھی کیونکہ اس زمانہ میں شراب مباح تھی) چنانچہ سورہ مائدہ کی وہ آیت انما الخمر الآیہ نازل ہوئی، تو میں نے اس یتیم کی شراب کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ وہ ایک یتیم کا مال ہے (اور چونکہ یتیم کا مال ضائع نہیں کرنا چاہئے اس لئے اب کیا حکم ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کو پھینک دو۔ (ترمذی)

توضیح:

انه ليتيم: صحابی کا مطلب یہ تھا کہ یہ چھوٹے بچے اور یتیم کا مال ہے اس کو کیسے ضائع کیا جاسکتا ہے آنحضرتؐ نے فرمایا " اهر يقوه" ضرور بضرور اس کو بہا کر گرادو کیونکہ یہ محفوظ مال نہیں واجب الحفاظت نہیں بلکہ واجب الاہانت ہے۔

شراب کے برتن بھی توڑ ڈالو

﴿۱۵﴾وعن انس عن ابی طلحۃ انہ قال یانبی اللہ انی اشتریت خمرا لایتام فی حجری فقال اھرق الخمر واکسر الدنان (رواہ الترمذی) وضعفہ وفی روایۃ ابی داود انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ایتام ورثوا خمرا قال اھرقھا قال افلا اجعلھا خلا قال لا.

اور حضرت انسؓ حضرت ابوطلحہؓ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابوطلحہؓ نے) عرض کیا کہ یا نبی اللہ! میں نے ان یتیموں کے لئے شراب خریدی تھی جو میری پرورش میں ہیں؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شراب کو پھینک دو اور اس کے برتن کو توڑ ڈالو۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں یوں ہیکہ حضرت ابوطلحہ نے ان یتیموں کے بارے میں پوچھا (جو ان کی پرورش میں تھے اور جن کو میراث میں شراب ملی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اسکو پھینک دو، انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کا سرکہ نہ بناؤں، فرمایا نہیں۔

الفصل الثالث

تمباکو اور اس سے تیار ہونے والی اشیاء کا حکم

﴿۱۶﴾وعن ام سلمۃ قالت نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر.

(رواہ ابوداؤد)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس چیز (کو کھانے پینے) سے منع فرمایا ہے جو نشہ آور اور مفتر ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح:

ومفتر: نہایہ ابن اثیر میں لکھا ہے کہ مفتر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے پینے سے دماغ وقلب پر گرمی چھا جائے اور اعضائے رئیسہ میں ضعف وفتور اور کمزوری پیدا ہو جائے۔

قاموس میں ہے'' فتر جسمہ فتوراً لانت مفاصلہ و ضعف '' یعنی جسم اور جسم کے جوڑ جس چیز سے ضعیف کمزور اور سست پڑ جاتے ہیں وہ مفتر ہے اس تعریف کے پیش نظر مفتر میں نسوار، سگریٹ، تمباکو والا پان اور دیگر اشیاء داخل ہیں جس میں تمباکو اور بھنگ یا افیون شامل ہو حدیث میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار اور صاحب تنویر الابصار کی

تحقیق یہی ہے کہ یہ اشیاء مکروہ تحریمی ہی نہیں بلکہ حرام ہیں چنانچہ تنویر الابصار اور درمختار کی عبارت اس طرح ہے " و یحرم اکل البنج و الحشیشة و ھی ورق القنب و الافیون لا نه مفسد للعقل" " ویصد عن ذکر الله و نقل من الجامع وغیرہ ان من قال بحل البنج و الحشیشة فھو زندیق متبدع بل قال نجم الدین الزاھدی انه یکفر ویباح قتله (درمختار ج ۱۰ ص ۴۶)

ترجمہ: بھنگ، تمبا کو اور افیون کھانا حرام ہے کیونکہ یہ چیزیں عقل کو بگاڑتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہیں اور جس نے بھنگ اور حشیش کو جائز کہا ہے وہ مبتدع اور زندیق ہے بلکہ نجم الدین زاہدی نے کہا کہ وہ کافر ہو گیا اس کا قتل جائز ہے۔

ثم قال شیخنا النجم و التتن (التمباک) الذی حدث و کان حدوثه بدمشق فی سنة خمس عشرة بعد الالف ۱۰۱۵ھ یدعی شاربه انه لایسکر و ان سلم له، فانه مفتر و ھو حرام (۱) لحدیث احمد عن ام سلمة قالت نھی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن کل مسکر و مفتر وقال ولیس من الکبائر تناوله المرة و المرتین (۲) و مع نھی ولی الامر عنه حرم قطعاً (۳) علی ان استعماله ربما اضر بالبدن (۴) نعم الاصرار علیه کبیرة کسائر الکبائر (در مختار ج ۱۰ ص ۴۶)

ترجمہ: پھر ہمارے شیخ نجم الدین زاہدی نے کہا کہ تمبا کو نام کی چیز جو دمشق میں ۱۰۱۵ھ میں ایجاد ہوئی اس کا استعمال کرنے والا اگرچہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں سکر نہیں یہ دعویٰ اگر مان لیا جائے مگر یہ تمبا کو اس وجہ سے بھی حرام ہے کہ یہ بدن میں سستی لاتا ہے مفتر ہے اور حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہر مسکر اور ہر مفتر کو ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جب کسی ملک کا سربراہ یا ولی الامر اس کو منع کر دے پھر تو یہ قطعی حرام ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ اس لئے بھی حرام ہے کہ یہ بدن اور صحت کے لئے مضر ہے اور اگر یہ صغیرہ گناہ بھی ہو پھر بھی اس پر اصرار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے۔

صاحب درمختار کی عبارت سے ان اشیاء کی حرمت یا مکروہ تحریمی ہونا واضح ہو جاتا ہے سعودی عرب کے علماء کا فتویٰ بھی اسی طرح ہے علماء احناف کے سرخیل علامہ ابن عابدین شامیؒ نے درمختار کی بعض عبارات کی خوب تائید کی ہے اور بعض کو رد فرمایا ہے اور خود ان کا رجحان اس طرف ہے کہ تمبا کو کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے لیکن آپ نے خارجی مفاسد کی وجہ سے ان اشیاء کو حرام بھی لکھا ہے چنانچہ آپ نے تفصیل سے لکھا ہے کہ بعض علماء ان اشیاء کی حرمت کے قائل ہیں اور بعض مباح یا مکروہ تنزیہی کہتے ہیں آپ نے چلم اور سگریٹ کے بارے میں شرح وہبانیہ سے یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

و یمنع من بیع الدخان و شربه

و شاربه فی الصوم لاشک یفطر

علامہ شامی ان اشیاء کو خارجی مفاسد کے شامل ہونے سے حرام قرار دیتے ہیں فرماتے ہیں

و اما ما ینضم الیها من المحرمات فلا شبهة فی تحریمه (شامی ج ۱۰ صف ۵۰)

درمختار میں بھنگ سے متعلق دو شعر اس طرح ہیں

و افتوا بتحریم الحشیش و حرقه

و تطلیق محتش لزجر و قَرَّرُوا

لبائعه التادیب و الفسق اثبتوا

و زندقة للمستحل و حرروا

یعنی علماء نے حشیش و بھنگ کے استعمال اور جلا کر پینے کی حرمت کا فتوی دیا ہے اور بطور زجر حشیش سے مدہوش آدمی کی طلاق واقع ہونے کا حکم دیا ہے اور انہوں نے حشیش بیچنے والے کی سزا اور فسق و تادیب کا حکم دیا ہے اور اس کو حلال سمجھنے والے کو زندیق لکھا ہے۔

بہرحال حل و حرمت کا مسئلہ ہے جس میں حرمت کو ترجیح دی جاتی ہے میں نے صرف چند باتیں نقل کی ہیں تاکہ علماء اور عوام کے سامنے یہ بات آجائے کہ تمباکو کا معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔

علامی طیبی فرماتے ہیں " **ولا یبعد ان یستدل علی تحریم النبج و الشعشاء و نحو هما مما یفترو یزیل العقل لان العلة وهی ازالة العقل مطردة فیها** " (ج ۷ ص ۱۷۴)

ترجمہ: اور سگریٹ نوشی اور اسکی خرید و فروخت سے منع کیا جائے گا اور اگر کسی نے روزہ کی حالت میں سگریٹ پی لی تو یقیناً روزہ ٹوٹ جائے گا۔

شراب نوشی کی کسی حال میں اجازت نہیں ہے۔

﴿۱۷﴾ وعن دَیْلَمِ الْحِمْیَرِیِّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّابِأَرْضٍ بَارِدَةٍ وَنُعَالِجُ فِیْهَا عَمَلًا شَدِیْدًا وَاِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا مِنْ هٰذَاالْقَمْحِ نَتَقَوّٰی بِهٖ عَلٰی اَعْمَالِنَا وَعَلٰی بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ یُسْکِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَیْرُ تَارِکِیْهِ قَالَ اِنْ لَمْ یَتْرُکُوْهُ قَاتِلُوْهُمْ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت دیلم حمیریؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! ہم لوگ ایک سرد علاقے کے باشندے ہیں جہاں ہمیں سخت محنت کے کام کرنے پڑتے ہیں (اور وہ سخت محنت بہت زیادہ جسمانی مشقت کے متقاضی ہوتی ہے۔ اس لئے) ہم لوگ گیہوں سے شراب تیار کرتے ہیں جس کے ذریعہ ہم اپنی محنت کے لئے طاقت حاصل کرتے ہیں اور اس کی قوت سے اپنے علاقے کی سردی پر قابو پاتے ہیں۔'' آنحضرتؐ نے فرمایا'' کیا وہ شراب نشہ لاتی ہے؟'' میں نے عرض کیا ''ہاں'' آنحضرتؐ نے فرمایا ''تو پھر اس سے اجتناب کرو۔'' میں نے عرض کیا ''لوگ اس کو چھوڑنے والے نہیں ہیں'' آنحضرتؐ نے فرمایا ''اگر لوگ اس کو پینا بند نہ کریں (اور اس کو حلال جانیں) تو ان سے قتال کرو۔ (ابوداؤد)

شراب اور جوئے کی ممانعت

﴿۱۸﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَالْکُوبَةِ وَالْغُبَیْرَاءِ وَقَالَ کُلُّ مُسْکِرٍ حَرَامٌ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے شراب پینے اور جوا کھیلنے سے منع فرمایا اور کوبہ اور غبیرا سے بھی منع کیا ہے، نیز فرمایا کہ ''جو چیز بھی نشہ لائے وہ حرام ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

کوبه: نرد اور شطرنج کو کہتے ہیں اسی طرح نقارہ اور باجے گاجے کے آلات کو بھی کوبہ کہتے ہیں۔ '' الغبیرا'' یہ حبش کے ہاں بننے والی ایک شراب کا نام ہے افریقی ممالک میں مکئی کی پیداوار بہت زیادہ ہے وہ لوگ مکئی سے جو شراب کشید کرتے ہیں اسے غبیرا کہتے ہیں۔

شرابی جنت میں داخل نہیں ہوگا

﴿۱۹﴾ وعنه عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَاقٌّ وَلَاقَمَّارٌ وَلَامَنَّانٌ وَلَامُدْمِنُ خَمْرٍ (رواه الدارمی) وَفِی رِوَایَةٍ لَهُ وَلَاوَلَدُ زِنْیَةٍ بَدَلَ قَمَّارٍ.

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (جو بندگان خاص نجات پا کر شروع میں جنت میں داخل ہوں گے ان کے ساتھ) جنت میں نہ تو وہ شخص داخل ہوگا جو اپنے ماں باپ کی (بلاوجہ) نافرمانی کرتا ہے نہ جوار گر داخل ہوگا، نہ وہ شخص داخل ہوگا جو فقراء کو صدقہ دے کر احسان جتاتا ہے، اور نہ وہ شخص داخل ہوگا جو ہمیشہ شراب پیتا ہے (دارمی) اور دارمی ہی کی ایک روایت میں ''نہ جواری داخل ہوگا'' کے بجائے یہ ہے کہ ''نہ ولدالزنا (جنت میں) داخل ہوگا۔

توضیح:

ولا قمار: جوا کھیلنے والے کو قمار کہتے ہیں موجودہ زمانہ کے اعتبار سے ہر وہ کھیل جس میں طرفین سے جیتنے اور ہارنے پر شرط رکھی گئی ہو وہ تمام کھیل جوئے میں داخل ہیں۔ "**ولا ولد زنیة**" ولد زنا چونکہ باپ کی تربیت سے محروم رہتا ہے منحوس نطفہ کا برا اثر اس میں ہوتا ہے عام طور پر آوارہ ہوتا ہے بدکردار ماں کی آغوش میں پلتا ہے لہٰذا وہ ظاہری اور باطنی تربیت نہ ملنے کی وجہ سے ہر قسم کی آوارہ گردی اور برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اس لئے جنت سے محروم ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے کیونکہ یہ قواعد شریعت سے بظاہر متعارض ہے کیونکہ چھوٹے بچے کا کیا قصور ہے بعض نے کہا ہے کہ اس سے اس بچے کے زانی باپ پر تعریض مقصود ہے جو ایسے بچے کی پیدائش کا سبب بن گیا۔

نبی اکرم آلات غنا کے مٹانے کے لئے آئے تھے

﴿۲۰﴾وعن ابی اُمامة قَالَ قَالَ النَّبیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِی رَحمَةً لِلعَالَمِینَ وَهُدًی لِلعَالَمِینَ وَاَمَرَنِی رَبِّی عَزَّوَجَلَّ بِمَحقِ المَعَازِفِ وَالمَزَامِیرِ وَالاَوثَانِ وَالصُّلُبِ وَاَمرِ الجَاهِلِیَّةِ وَحَلَفَ رَبِّی عَزَّوَجَلَّ بِعِزَّتِی لَایَشرَبُ عَبدٌ مِن عَبِیدِی جُرعَةً مِن خَمرٍ اِلَّاسَقَیتُهُ مِنَ الصَّدِیدِ مِثلَهَا وَلَایَترُکُهَا مِن مَخَافَتِی اِلَّاسَقَیتُهُ مِن حِیَاضِ القُدُسِ (رواه احمد)

اور حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے مجھ کو پوری دنیا کے لئے رحمت اور تمام عالم کے لئے ہادی بنا کر بھیجا ہے، اور میرے بزرگ و برتر خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں باجوں، مزامیر، بتوں، سولیوں اور زمانہ جاہلیت (یعنی حالت کفر) کے تمام رسوم و عادات کو مٹا دوں، اور میرے بزرگ و برتر خدا نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ میرے بندوں میں سے جو بھی بندہ شراب کا ایک گھونٹ بھی پئے گا میں اس کو (آخرت) میں اسی کی بقدر دوزخیوں کی پیپ پلاؤں گا اور جو بندہ میرے خوف سے شراب پینا چھوڑ دیگا میں اس کو (آخرت میں) پاک حوضوں (یعنی جنت کی نہروں) سے (شراب طہور) پلاؤں گا۔ (احمد)

توضیح:

المعازف: اس سے مراد باجے، ڈھول، ڈھولکی، نقارہ، تاشہ، طبلہ، طنبورہ، ستار، سارنگی اور اسی طرح دیگر آلات غنا مراد ہیں "**مزامیر**" اس سے چنگ رباب شہنائی بانسری اور اسی قسم کی اشیاء مراد ہیں راگ کے ساتھ نغمہ سننا حرام ہے اور بغیر راگ سننا جائز ہے بشرطیکہ امارد اور نساء سے نہ ہو۔ "**الصلب**" صلیب سے عیسائیوں کا قومی نشان اور مقدس مذہبی اور ملی علامت مراد

ہے جو آج کل ریڈ کراس کے نشان سے ہر جگہ عیاں ہے۔

تین قسم کے لوگوں پر جنت حرام ہے

﴿۲۱﴾وعن ابنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُّ وَالدَّيُّوثُ الَّذِى يُقِرُّ فِى اَهْلِهِ الْخُبْثَ (رواه احمد والنسائى)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تین طرح کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام کر دیا ہے (یعنی نجات یافتہ بندوں کے ساتھ ابتداء جنت میں داخل ہونا ان تینوں پر حرام قرار دیا ہے) ایک تو وہ شخص جو ہمیشہ شراب پئے، دوسرا وہ شخص جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے، اور تیسرا وہ دیوث کہ جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی پیدا کرے۔ (احمد، نسائی)

توضیح:

العاق: اس سے نافرمان اولاد مراد ہے نافرمانی سے اولاد خود عاق ہو جاتی ہیں زبان سے اعلان کی ضرورت نہیں نہ اشتہار دینے کی ضرورت ہے (والدیوث) یہ وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے بارے میں خوب جانتا ہے کہ وہ بدچلن ہے اور اس کو روکتا نہیں بلکہ چشم پوشی کرتا ہے اور خاموش تماشائی بنا رہتا ہے حدیث میں اس کی یہی تعریف آئی ہے گویا یہ اس برائی کو برائی نہیں مانتا ہے تو دوزخ میں رہے گا۔

﴿۲۲﴾وعن اَبِى مُوسٰى الْاَشْعَرِىِّ اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَقَاطِعُ الرَّحِمِ وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ (رواه احمد)

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تین طرح کے لوگ جنت میں ابتداءً) داخل ہونے سے محروم رہیں گے۔ ا۔ ہمیشہ شراب پینے والا۔ ۲۔ ناتے توڑنے والا۔ ۳۔ سحر پر یقین کرنے والا۔ (احمد)

شراب نوشی بت پرستی کے مترادف ہے

﴿۲۳﴾وعن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ اِنْ مَاتَ لَقِىَ اللّٰهَ تَعَالٰى كَعَابِدِ وَثَنٍ (رواه احمد) وَرَوَى ابْنُ مَاجَه عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ وَالْبَيْهَقِىُّ فِى شُعَبِ الْاِيْمَانِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ وَقَالَ ذَكَرَ الْبُخَارِىُّ فِى التَّارِيْخِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ.

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ہمیشہ شراب نوشی میں مبتلا رہے اور پھر مرجائے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں بت پرستی کرنے والے کی طرح حاضر ہوگا۔'' (احمد) ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابو ہریرۃؓ اور بیہقی نے شعب الایمان میں محمد ابن عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے نیز بیہقی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں محمد ابن عبید اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے۔

﴿۲۴﴾ وعن ابی موسیٰ انہ کان یقول ما ابالی شربت الخمر او عبدت ھذہ الساریۃ دون اللہ **(رواہ النسائی)**

اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے میں اس میں کوئی (فرق) نہیں کرتا کہ میں شراب پیوں یا اللہ کے سوا اس ستون (یعنی پتھر کے بت) کو پوجوں۔ (نسائی)

۲ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ
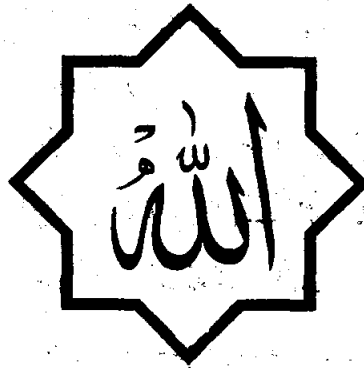
كتاب الامارة و القضاء

امارت وقضاء کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر﴾ (سورۃ حج)

إمارة ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے باب سمع یسمع سے امر أو امارۃ مضبوط ہونے اور امیر بننے کے معنی میں ہے اور امارۃ ہمزہ کے زبر کے ساتھ علامت کے معنی میں ہے یہاں یہ مراد نہیں ہے بلکہ امارۃ بکسرۃ الھمزہ مراد ہے۔

اسلام میں اسلامی ریاست کا تصور

اسلام ایک کامل و مکمل دین ہے، حکومت وامارت اور نصب امام اور اسلامی خلافت کا قیام اسلام کا حکم ہے کیونکہ اسلام کے زیادہ تر احکامات کا براہ راست تعلق حکومت وامارت سے وابستہ ہے۔

نیز اسلام کے تمام قواعد وقوانین اور نظم وضبط اسلام کے خاص مزاج کے مطابق ہونا ضروری ہے لہٰذا کوئی مسلمان اسلامی امارت کے قیام کی جدوجہد سے لاتعلق نہیں رہ سکتا ہے۔

کیونکہ دفع خصومات وحفاظتِ سرحدات، قیام عیدین وجمعات، قیام بیت المال وحصول صدقات، تیاری مجاہدین اور جہاد کی مہمات، امن طرق حجاج کرام اور امر بالمعروف والنھی عن المنکرات، مخلوق خدا کی ضروری خدمات اور تعلیم وتعلم کے شعبہ جات اور قانون الٰہی کو خدا کی زمین پر عملی طور پر نافذ کرنا سب کے سب حکومت سے وابستہ ہیں اسی لئے کہا گیا ہے "الدین والامارۃ توأمان" یعنی دین اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔

نصب امام اور قیام خلافت اسلامیہ مسلمانوں اور اسلام کے اہم قواعد میں سے وہ اہم قاعدہ ہے جس کا تذکرہ بطور خاص ہمارے عقائد کی کتابوں میں کیا گیا ہے چنانچہ شرح عقائد میں اس کے متعلق ایسا لکھا گیا ہے۔

"ثم الاجماع على ان نصب الامام واجب لقوله عليه السلام من مات ولم يعرف امام زمانه فقدمات ميتة جاهلية، ولان الامة قد جعلوا هم المهمات نصب الامام حتى قدموا على الدفن، ولان كثيرا من الواجبات الشرعية يتوقف عليه"

ان تمام تصریحات کے باوجود نہیں کہا جاسکتا کہ دین اسلام کو خلیفہ کی ضرورت نہیں اور مسلمان کو اقامت احکام اور اشاعت اسلام کے لئے حاکم اور حکمرانی کی ضرورت نہیں ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ قیام خلافت ایک ضروری اور اہم مسئلہ

ہے تو اب ہمیں تشکیل خلافت کے لئے اسلام کے قواعد کی روشنی میں اسلامی خاص طریقہ درکار ہے، ہم جب سلف صالحین کی تشکیلات کو سامنے رکھتے ہیں تو ہمیں تشکیل خلافت کے لئے واضح تین طریقے فراہم ہو جاتے ہیں۔

تشکیل خلافت کے تین طریقے

(۱) تشکیل خلافت کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ دین اسلام کا سب سے زیادہ وفادار سب سے زیادہ اس کے قواعد وضوابط کا ماہر اور سب سے زیادہ قربانی دینے والا اور سب سے زیادہ ہمدردی رکھنے والے کو عام مسلمان آگے لائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے منصب امامت پر فائز کریں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا طریقہ انتخاب ایسا ہی تھا سب کے اتفاق سے ان کے کمالات اور قربانی وخدمات کی بنیاد پر ان کا انتخاب ہوا اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا بعض علماء کے نزدیک اس اجماع کا منکر کافر ہے۔

(۲) تشکیل خلافت کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ موجودہ خلیفہ اپنی وفات کے وقت کسی کو خود مقرر کر دے یا اپنا ولی عہد بنا دے چنانچہ حضرت عمر کی خلافت کی تشکیل اسی طرح ہوئی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی صوابدید پر اس طرح تقرر فرمایا کہ ایک سر بند کاغذ میں حضرت عمرؓ کا نام لکھا اور پھر سب مسلمانوں سے مطالبہ کیا کہ اس بند کاغذ میں جن کا نام ہے وہ تمہارا خلیفہ ہے کیا تم اس کو مانو گے سب نے اقرار کیا کہ مانیں گے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مانتا ہوں اگر چہ اس میں عمرؓ کا نام لکھا ہوا ہو جب نام ظاہر کیا گیا تو وہ حضرت عمرؓ کا نام تھا اس طرح وہ خلیفہ بنے۔

(۳) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اصحاب رائے اکابر کی ایک شوریٰ بنائی جائے اور وہ شوریٰ کسی کو خلافت کے لئے نامزد کر دیں اور پھر عوام الناس سے اس پر بیعت لی جائے حضرت عثمانؓ اسی طرز پر منتخب ہوئے اور آپ کی خلافت اسی طرز پر منعقد ہوئی کیونکہ حضرت عمرؓ نے زخمی ہو جانے کے بعد چھ آدمیوں کو تشکیل خلافت کے لئے بطور شوریٰ مقرر فرمایا تھا ان میں حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمان ابن عوفؓ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل تھے آپ نے باہر سیکورٹی گارڈ کا پہرہ لگوایا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تک ان میں سے کوئی منتخب نہیں ہو جاتا تم لوگ ان کو باہر آنے نہ دو، یہ تشکیل خلافت کے تین پاکیزہ نمونے ہیں جن کے ذریعے سے خلفاء راشدین کی خلافتوں کا قیام عمل میں آیا۔

اسلام میں تشکیل حکومت کا چوتھا طریقہ بھی ہے جو بادشاہت ہے اگر چہ یہ طریقہ منصوص نہیں ہے لیکن بہت سارے خلفاء بادشاہت کے طریقے پر منتخب ہو کر آئے ہیں اس لئے اس کو بالکل ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ بنوامیہ کے دور میں اسی طرز کی بادشاہتیں تھیں بادشاہت وراثت کی بنیاد پر قائم شدہ حکومت ہوتی ہے۔

ان طریقوں کے علاوہ جمہوریت بھی تشکیل حکومت کا ایک طریقہ ہے جس میں ووٹنگ کے ذریعہ سے ایک شخص منتخب ہو جاتا ہے۔ یہ یہودیت اور نصرانیت کا طریقہ ہے جو باعث لعنت ہے اقبال مرحوم نے کہا ہے ؎

جمہوریت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

پھر فرمایا

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

پھر فرمایا ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

حکیم الامت حضرت شاہ اشرف علی تھانویؒ نے "**فاذا عزمت فتوکل علی اللّٰہ**" کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت سے جمہوریت کی جڑ کٹ گئی پھر فرمایا کہ جمہوری سلطنت بھی کوئی سلطنت ہوتی ہے؟؟ یہ محض بچوں کا کھیل اور انگریزوں کی بدعت ہے حضرت مفتی اعظم مفتی محمودؒ نے اس کو لعنت قرار دیا تھا۔

حضرت یوسف لدھیانوی نے جمہوریت کو صنم اکبر سے یاد کیا، جب اسلام کے پاس تشکیل خلافت کے مستند طریقے موجود ہیں تو پھر بڑی ہی شرم کی بات ہے کہ ہم تشکیل حکومت میں یہود و نصاریٰ کے دست نگر بن چکے ہیں۔

اسلام میں مذہب وسیاست اور حکومت ایک ہی چیز ہے حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد مبارک سے یہ چیزیں اکٹھی ہوگئیں اس سے پہلے نبوت اور حکومت اکٹھی نہیں ہوسکتی تھیں اس پچھلے دور میں عیسائی پادری اپنی اسٹیٹ کے سامنے پسپا ہو گئے ایک طویل عرصہ تک اسٹیٹ اور کلیسا کا جھگڑا رہا لیکن پادری ہار گئے اس لئے وہ گوشۂ گمنامی میں چلے گئے ایسا اس لئے ہوا کہ عیسائیوں کے پاس کوئی زندہ دین نہیں تھا شریعت نہیں تھی اوہام اور خرافات پر قائم لوگ تھے اس لئے کلیسا پر اسٹیٹ غالب آ گیا اور دونوں الگ الگ ہو گئے اسلام میں ایسا ممکن نہیں اس لئے کہ یہ ایک زندہ وتابندہ دین ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے اور اصلی حالت میں موجود ہے اور انسانوں کے تمام شعبوں کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے یہاں عیسائیت اور اسلام کا موازنہ کرنا ہی غلط ہے۔ لہٰذا امارت وقضاء، حکومت وسیاست، امیر وخلیفہ، مالک ورعایا، فوج اور نظم و ترتیب سب اسلامی خلافت کے شعبے ہیں۔

ترتیب سب اسلامی خلافت کے شعبے ہیں۔

اسلام امن وآشتی اور باہمی محبت اور جوڑ پیدا کرنے والا مذہب ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق اور آپ کی معتدل تعلیمات کا بنیادی مزاج یہ ہے کہ آپؐ نے حاکم ومحکوم اور آمر و مامور اور دائن ومدیون کے درمیان توڑ کی جگہ جوڑ پیدا فرمایا ہے آپ نے حاکم کو عدل وانصاف کی تعلیم دی ہے اور رعایا کی ہر تکلیف برداشت کرنے کی ترغیب دی ہے اپنے حقوق دبانے اور دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دی ہے اسی طرح آپ نے محکوم اور رعایا کو صبر وتحمل اور محبت و اطاعت کی تعلیم وترغیب دی ہے غرض فریقین کو ان کی ذمہ داریوں کا الگ الگ احساس دلایا ہے کتاب الزکوۃ اور کتاب الامارۃ کے ابواب میں شریعت کی ان تعلیمات کو ہر شخص نمایاں طور پر محسوس کرسکتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح کا یہی بنیادی پتھر ہے کہ ہر شخص اور ہر طبقہ کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے چنانچہ اسلام میں چند حدود اور چند سزائیں ہیں باقی پورا نظام، تقوی، خوف خدا، دیانت وامانت اور ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ رکھنے پر مبنی ہے چنانچہ جہاں بھی اور جب بھی مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ایثار ومحبت اور حقوق کی ادائیگی کا معاملہ کیا ہے معاشرہ امن ومحبت کا گہوارہ بن گیا اور جہاں ان اصولوں کو توڑا گیا وہاں فساد وبدامنی اور عداوت ودشمنی کا راج ہوگیا منصب امامت پر شاہ اسماعیل شہید نے کتاب لکھی ہے میں نے اسلامی خلافت نامی کتاب میں تفصیل سے لکھا ہے اور تشکیل خلافت اور جمہوریت پر ''فتنۂ ارتداد'' نامی کتاب میں تفصیل سے لکھا ہے۔

قضاء اور قاضی

قاضی وہی شخص ہوتا ہے ''جس کو وقت کا حاکم عوام الناس کے قضایا اور معاملات نمٹانے کے لئے مقرر کرتا ہے'' اسلام کی نظر میں ''اقتدار اعلیٰ'' اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور مسلمانوں کی جو حکومتیں یا خلافتیں ہیں یہ صرف اسی اقتدار اعلیٰ کے احکامات کی تنفیذ کے لئے مقرر کی جاتی ہیں اسلام کی نظر میں پوری دنیا میں مسلمانوں کا ایک ہی خلیفہ ہونا چاہئے امام و حاکم کے لئے ضروری ہے کہ ان میں احکامات کی تنفیذ کی قوت اور حوصلہ ہو اگر احکام کی تنفیذ کی قدرت نہ ہو تو وہ خلیفہ خود بخود معزول ہوجاتا ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر حاکم فسق وفجور میں مبتلا ہوجائے تو اس کو معزول کیا جاسکتا ہے اور یہی مسئلہ قاضی کا بھی ہے مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ فسق وفجور کی وجہ سے حاکم اور قاضی کو معزول نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر واضح کفر سامنے آجائے یا امام وقاضی نماز ترک کرے تو پھر معزول کیا جائے گا۔ ہاں ابتداء سے اگر قاضی وامام فاسق ہیں تو احناف اس صورت میں شوافع کے ساتھ ہیں کہ ایسے فاسق وفاجر کو امام وقاضی مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔

الفصل الاول

امیر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہے

﴿۱﴾عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من اطاعنی فقد اطاع اللّٰہ ومن عصانی فقد عصا اللّٰہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی وانما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ ویتقی بہ فان امر بتقوی اللّٰہ وعدل فان لہ بذلک اجرا وان قال بغیرہ فان علیہ منہ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری فرمانبرداری کرتا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جس شخص نے میری نافرمانی کی اس شخص نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس شخص نے اپنے امیر (سردار) کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس شخص نے اپنے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی! اور یاد رکھو، امام یعنی سربراہ مملکت (مسلمانوں کے لئے) ڈھال کی مانند ہے جس کے پیچھے سے (یعنی اس کی طاقت کے بل بوتہ پر) جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعہ (دشمنوں کی آفات وبلیات سے) حفاظت حاصل کی جاتی ہے! پس (اگر وہ (امام) اللہ سے ڈر کر (اس کے قانون کے مطابق) فیصلہ کرے اور عدل وانصاف سے کام لے تو اس کی وجہ سے وہ امام بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوگا اور اگر وہ ایسا نہ کرے۔ (یعنی اس کے احکام وفیصلے، اللہ کے خوف، قانون الٰہی کی روح اور عدل وانصاف سے خالی ہوں) تو اس کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

ومن یطع الامیر: امیر سے یہاں آنحضرتؐ کا مقرر کردہ امیر بھی مراد لیا جا سکتا ہے "ای امیری" اور مطلق امیر یعنی کوئی حاکم یا حاکم کی طرف سے مقرر کردہ امیر بھی مراد لیا جا سکتا ہے جیسے کوئی شخص کسی علاقے کا گورنر یا وزیر ہے یا کسی اور کام پر مامور ہے یہاں غیر سرکاری تنظیموں اور جماعتوں کے امیر مراد نہیں ہیں۔ جیسے تبلیغی جماعت یا دیگر جماعتوں کے امراء ہوتے ہیں جو از خود بنائے جاتے ہیں اور ان کو سرکاری حیثیت حاصل نہیں ہوتی اس لئے ان کی شرعی حیثیت بھی نہیں ہوتی ہے لہٰذا ان کی اطاعت یا عدم اطاعت پر باب الامارۃ کی حدیثیں چسپاں کرنا مناسب نہیں ہے ہاں یہ الگ بات ہے کہ آپس کے نظم وضبط کے لئے اور ترتیب کے ساتھ ادائے کار کے لئے اطاعت ضروری ہے۔

اس حدیث میں عرب قبائل کو امیر اور اطاعت امیر کے نظام سے متعارف کرایا گیا ہے عرب میں چونکہ قبائلی سسٹم رائج تھا تو وہ لوگ امیر وحاکم سے ذہنی طور پر غیر مانوس اور متوحش تھے اس توحش کو توڑنے کے لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ

سرکاری امیر کی اطاعت درحقیقت میری اطاعت ہے کیونکہ میں نے ان کو مقرر کیا ہے۔

"و انما الا مام جُنَّۃٌ" مسلمانوں کے خلیفہ کی تشبیہ آنحضرتؐ نے ڈھال سے اس لئے دی ہے کہ جس طرح ڈھال سے تلوار کے وار کو روکا جاتا ہے اور اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے اسی طرح حاکم کے ذریعہ سے رعایا کا دشمن سے بچاؤ ہوتا ہے۔ یُقَاتَلُ اور یُتَّقٰی دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

مقرر کردہ امیر کی اطاعت ضروری ہے

﴿۲﴾وعن اُمِّ الْحُصَیْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ یَقُودُکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاسْمَعُوا لَہٗ وَاَطِیْعُوا (رواہ مسلم)

اور حضرت ام حصینؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نکٹے اور کن کٹے غلام کو بھی تمہارا حاکم بنایا جائے اور وہ اللہ کے قانون کے مطابق تم پر حکمرانی کرے، تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔" (مسلم)

توضیح:

عبد حبشی: یعنی اگر چہ وہ شخص ایک سیاہ فام غلام ہی کیوں نہ ہو تم اطاعت کرو۔

سوال:

سوال یہ ہے کہ غلام کی حکومت اسلام میں جائز نہیں ہے کیونکہ وہ اپنی پست سوچ سے پوری قوم کو پستی میں دھکیل دیتا ہے تو پھر یہاں غلام کی حکومت کو کیسے تسلیم کیا گیا اور اطاعت کی ترغیب کیسے دی گئی؟؟

جواب:

اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حبشی غلام زبردستی مسلط ہو گیا حکومت پر قابض ہو گیا جیسے مصر میں کافور متغلب ہو گیا تھا تو اس صورت میں اگر وہ کتاب اللہ کی روشنی میں لوگوں کو چلا رہا ہو تو اس کی اطاعت کا حضورؐ نے حکم دیا ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطور فرض وتقدیر ہے کہ فرض کر لو اگر غلام بھی تم پر بادشاہ بن گیا پھر بھی اطاعت کرو تو یہاں اطاعت کی ترغیب ہے غلام کی حکومت کی تسلیم نہیں ہے تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں امیر سے بادشاہ مراد نہیں ہے بلکہ بادشاہ کا مقرر کردہ امیر اور نائب مراد ہے جو کسی خاص علاقہ پر امیر بنایا گیا ہو۔

"مجدع" باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے ناک اور کان کٹا ہوا غلام نکٹو، یہ لفظ زیادہ تر ناک کٹے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

﴿۳﴾وعن انسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمَعُوا وَاَطِیْعُوا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ

عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَّ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ (رواه البخاری)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اپنے امیر وحاکم کا فرمان سنو) اور (اس کے اوامر ونواہی کی) اطاعت کرو (تاوقتیکہ اس کا کوئی حکم وفرمان اللہ کے اور اس کے رسول کے خلاف نہ ہو) اگر چہ تم پر کسی ایسے غلام ہی کو حکمران کیوں نہ بنایا گیا ہو جس کا سر (چھوٹے پن اور سیاہی میں) انگور (کی مانند) ہو۔ (بخاری)

" زبیبہ "ماجف من العنب: کشمش اور انگور کے چھوٹے دانہ کو کہتے ہیں مراد ذلیل وحقیر اور کمتر غلام ہے یہ اطاعتِ امیر کی تاکید ہے جواز وعدم جواز کی بات نہیں ہے اور یہ شرط ملحوظ ہے کہ وہ کتاب اللہ کی روشنی میں حکومت چلا رہا ہو۔

غیر شرعی حاکم کا حکم ماننا واجب نہیں

﴿۴﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَاِذَااُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَاسَمْعَ وَلَاطَاعَةَ (متفق علیه)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اپنے امیر وحاکم کی بات کو) سننا اور (اس کے احکام کی) فرمانبرداری کرنا ہر حالت میں مرد مسلم پر واجب ہے خواہ (اس کا کوئی حکم اس کو پسند ہو یا ناپسند ہو، تاوقتیکہ کسی گناہ کی بات کا حکم نہ کیا جائے۔ لہذا جب حاکم کوئی ایسا حکم دے جس پر عمل کرنے میں گناہ ہو تو اس کی اطاعت کرنا واجب نہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

احب و کرہ: امیر وحاکم کی اطاعت ہر حالت میں واجب ہے خواہ یہ حکم طبعیت کے موافق ہو یا موافق نہ ہو بشرطیکہ وہ حکم شریعت کے موافق ہو اور اگر حاکم شریعت کے خلاف حکم دے رہا ہو تو اس میں اطاعت نہیں ہے ہاں اس صورت میں بھی بغاوت جائز نہیں ہے یہاں تک کہ ان سے کفر واضح نہ دیکھے نماز ترک کرنا بھی بغاوت کے لئے کافی ہے **" لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق "**.

﴿۵﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاطَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ (متفق علیه)

اور حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بھی ایسے حکم کی اطاعت وفرمانبرداری جائز نہیں جس کا تعلق گناہ سے ہو (خواہ وہ حکم امیر وحاکم کی طرف سے ہو یا ماں باپ اور استاد وپیر وغیرہ کی جانب سے ہو)

اطاعت وفرمانبرداری تو صرف اچھے حکم میں واجب ہے۔ (بخاری)

مرتکب کفر اور تارک صلوۃ بادشاہ کے خلاف بغاوت جائز ہے

﴿٦﴾ وعن عُبادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى اَنْ لَانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ وَعَلَى اَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ، وَفِي رِوَايَةٍ وَعَلَى اَنْ لَانُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (متفق علیه)

اور حضرت عبادہؓ ابن صامت کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی یعنی آپ کے روبرو ان امور کا عہد کیا کہ ہم آپ کی ہدایات کو توجہ سے سنیں گے اور ہر قسم کے حالات میں آپؐ کے احکام کی اطاعت کریں گے تنگی اور سخت حالات میں بھی اور آسان وخوش آئند زمانہ میں بھی، خوشی کے موقع پر بھی اور ناخوشی کی حالت میں بھی اور، اگر ہم پر ترجیح دی جائے گی (تو ہم صبر کریں گے) ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے، ہم جب زبان سے کوئی بات کہیں گے تو حق کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ ہوں (اور کسی حال میں ہوں) اور ہم اللہ کے معاملے میں یعنی دین پہنچانے اور حق بات کہنے میں) کسی ملامت کرنے والے شخص کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ (ہم نے اس بات کا عہد کیا کہ ہم امر کو اس کی جگہ سے نہیں نکالیں گے۔'' چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس امر کو اس کی جگہ سے نہ نکالو ہاں اگر تم صریح کفر دیکھو جس پر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے (یعنی قرآن کی کسی آیت یا کسی حدیث کی صورت میں) دلیل ہو (اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہ ہو تو اس صورت میں اس امر کو اس کی جگہ سے نکالنے کی اجازت ہے)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

بایعنا: یہاں یہ لفظ بیعت کے بجائے معاہدہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے ''ای عاھدنا''۔

''السمع'' حاکم اور امیر کے کلام کے سننے کے معنی میں ہے ''والطاعۃ'' حاکم اور امیر کے ارشاد کردہ کلام پر عمل کرنے اور اس کو ماننے کے لئے ''الطاعۃ'' کا لفظ آیا ہے۔ ''العسر و الیسر'' یعنی سختی اور تنگی دونوں حالتوں میں اطاعت کا حکم دیا ہے۔ ''المنشط'' یہ لفظ نشاط سے ہے خوشی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہ صیغہ یا مصدر میمی بمعنی نشاط ہے اور یا ظرف زمان ہے یعنی خوشی اور نشاط کے وقت بھی اطاعت کرے۔ یا یہ صیغہ ظرف مکان کے لئے ہے یعنی خوشی اور نشاط کے مقام میں بھی اطاعت ہے۔

''و المکرہ'' یہ صیغہ بھی یا مصدر میمی ہے یعنی ناخوشی میں، یا یہ ظرف زمان یعنی ناخوشی کے وقت اور زمانہ میں، یا یہ ظرف مکان

ہے یعنی ناخوشی کے مقام ومکان میں بھی اطاعت کرے۔ "و علی اثرة علینا" اثرۃ ہمزہ اور ثاپر زبر ہے یہ ایثار سے ترجیح کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے آنحضرتؐ سے یہ عہد بھی کیا کہ اگر ہم انصار پر کسی اور کو امور خلافت و امارت اور اعطاء اموال و مناصب میں ترجیح دیدی گئی تو ہم صبر کریں گے اور صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا کہ میرے بعد تمہارے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے گا تم صبر کرو چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی اور امور خلافت میں انصار سامنے نہیں آئے اور انہوں نے بھی اپنے پیارے رسول کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا بحسن خوبی سرانجام دیا۔ فرضی اللہ عنہم وعن جمیع الصحابۃ۔ (وعلی ان لاننازع) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم امور خلافت و امارت کی خواہش میں کسی کے خلاف علم بغاوت بلند نہیں کریں گے جو کوئی حاکم ہم پر مقرر کردیا گیا ہم ان کی اطاعت کریں گے چنانچہ انصار نے ان جھگڑوں میں قطعاً حصہ نہیں لیا جو اس وقت کھڑے ہوگئے تھے۔

"الا ان تروا کفرا بواحا" کفر بواح کا مطلب یہ ہے کہ تم جب ظاہر کفر دیکھ لو تو پھر اس کافر کو منصب امامت سے معزول کرادو ورنہ نہیں، احادیث میں ترک صلوۃ کو بھی کفر بواح کے درجہ میں شمار کیا گیا ہے لہٰذا جو حاکم نمازوں کی اقامت اور اہتمام نہیں کرتا اور ملک میں نظام الصلوۃ رائج نہیں کرتا اس کو معزول کرنا ضروری ہے۔ ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں

ولوطرأ علیه الکفر انعزل و کذا لو ترک اقامة الصلوة و الدعاء الیها و کذا البدعة (مرقات جلد ۷ ص ۲۰۱)

بدعت سے مراد بدعت مکفرہ ہے کفر بواح میں یہ بھی آتا ہے کہ ایک حاکم اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کے قرآن کو معطل کردے اور اس کی جگہ انسان کے وضع کردہ قوانین نافذ کردے جیسا کہ اس وقت دنیا میں مسلمان حکومتوں کے بادشاہوں کا حال ہے. قال اللہ تعالیٰ ﴿ومن لم یحکم بما انزل فاولئک هم الکافرون﴾۔

فرمانبرداری بقدر طاقت واستطاعت

﴿۷﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا اِذَا بَایَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَ الطَّاعَةِ یَقُولُ لَنَا فِیمَا اسْتَطَعْتُمْ (متفق علیه)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرتے (یعنی اس بات کا عہد کرتے) کہ ہم آپ کی ہدایات کو توجہ سے سنیں گے اور (آپ کے احکام کی) اطاعت کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے فرماتے کہ "ان امور میں جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔ (بخاری ومسلم)

ملت کی اجتماعیت میں رخنہ ڈالنے والے کے بارے میں وعید

﴿۸﴾ وعن ابنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَأٰی مِنْ اَمِیْرِهٖ شَیْئًا یَکْرَهُهٗ

فَلْيَصْبِرْ فَاِنَّهٗ لَيْسَ اَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوْتَ اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (متفق عليه)

اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر کوئی شخص اپنے امیر وسردار کی طرف سے کوئی ایسی بات دیکھے جو اس کو (شرعاً یا طبعاً) پسند نہ ہو تو اس کو اس پر صبر کرنا چاہئے اور اس کی وجہ سے امام کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند نہ کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی جدا ہوا اور (توبہ کئے بغیر اسی حالت میں) مر گیا تو اس کی موت، اہل جاہلیت کی موت کی مانند ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

یفارق الجماعة: مطلب یہ ہے کہ جو شخص امام وامیر کی اطاعت سے روگردانی کرتا ہے اور مسلمانوں کی منظم جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور تمام مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف کمربستہ ہو جاتا ہے اور پھر توبہ کے بغیر اسی حالت میں مر جاتا ہے تو گویا یہ شخص جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں کی طرح مر گیا چونکہ جاہلیت کے لوگ کسی سماوی دین کے ماتحت نہیں تھے اس لئے وہ ہر امیر سے آزاد اور خودسر تھے اور ہر اتحادی صورت سے کھل کر بیزاری کا اعلان کرتے تھے اب اگر اسلامی امیر اور اسلامی احکامات کی موجودگی میں ایک آدمی اس طرح خودسر اور مجموعہ شر بنتا ہے اور پھر مرتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا اس حدیث سے مسلمانوں کو اتفاق واتحاد کا درس دیا جا رہا ہے۔ ''میتة'' میم پر زیر ہے یہ صیغہ حالت اور کیفیت بیان کرنے کے لئے آتا ہے ''ای هيئة و حالة جاهلية'' آئندہ قتلة کا لفظ بھی اسی طرح ہے۔

تعصب کے خلاف تنبیہ

﴿۹﴾ وعن اَبِى هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً وَمَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُمِّيَّةٍ يَغْضَبُ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْ يَدْعُوْ لِعَصَبِيَّةٍ اَوْ يَنْصُرُ عَصَبِيَّةً فَقُتِلَ فَقِتْلَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وَمَنْ خَرَجَ عَلٰى اُمَّتِىْ بِسَيْفِهٖ يَضْرِبُ بَرَّهَا وَفَاجِرَهَا وَلَا يَتَحَاشٰى مِنْ مُؤْمِنِهَا وَلَا يَفِىْ لِذِىْ عَهْدٍ عَهْدَهٗ فَلَيْسَ مِنِّىْ وَلَسْتُ مِنْهُ (رواه مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص، امام (سربراہ مملکت) کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جائے اور اسلام کی جماعت (ملت کی اجتماعی ہیئت) سے علیحدگی اختیار کرے اور پھر اسی حالت میں مر جائے تو اس کا مرنا جاہلیت پر مرنے کے مترادف ہوگا، جو شخص کسی ایسے جھنڈے کے نیچے (یعنی کسی ایسے مقصد کے لئے) لڑا جس کا حق وباطل ہونا ظاہر نہ ہو درانحالیکہ وہ تعصب سے غضبناک ہوا اور متعصب ہوا اور تعصب کی وجہ سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا تعصب کی وجہ سے کسی کی مدد کی (یعنی اس کا لڑنا غضبناک

ہونا لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلانا یا کسی کی مدد کرنا اعلاء کلمۃ الحق اور دین کے اظہار کے لئے نہیں تھا بلکہ محض تعصب یعنی اپنی قوم کے ظلم کی حمایت اور اس کی ناروا جانب داری کی بنیاد پر تھا اور اسی حالت میں) وہ مارا گیا تو اس کا مرنا جاہلیت پر مرنے کے مترادف ہوگا اور جس شخص نے میری امت کے خلاف تلوار اٹھائی اور اس کے ذریعہ میری امت کے اچھے اور برے آدمیوں کو مارا اور میری امت کے مسلمان کی پرواہ نہیں کی (یعنی اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ ایک مسلمان کو مارنا کتنا بڑا جرم ہے اور اس کا وبال وعذاب کتنا سخت ہے) اور نہ اس نے عہد والے کے عہد کو پورا کیا تو نہ وہ میری امت میں سے ہے (یعنی میرے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے) اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔ (مسلم)

توضیح:

رأية عمية: رایہ جھنڈے کو کہتے ہیں اور عمیہ میں عین پر زیر ہے اور پیش بھی جائز ہے اور میم پر شد ہے اور یا پر بھی شد ہے۔ یہ اس فتنہ وتعصب کا نام ہے جو اندھا ہو اور اس کا سبب کسی پر واضح نہ ہو یعنی تعصب کے لئے ایسے جھنڈے کے نیچے جنگ لڑی جس کا حق اور باطل ہونا معلوم نہ ہو۔ " فليس منا" یعنی اس شعبہ میں وہ مسلمانوں کے طرز پر نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ شخص کافر ہوگیا۔ " لا يتحاشى" تحاشی سے ہے یعنی کسی مومن کے قتل کی کوئی پرواہ نہ کی " لا يفي " وفي يفي سے ہے وعدہ پورا کرنا۔

تارک صلوۃ حاکم کا حکم

﴿۱۰﴾وعن عوف بن مالك الأشجعي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال خيار أئمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم قال قلنا يا رسول الله افلا ننابذهم عند ذلك قال لا ما أقاموا فيكم الصلاة لا ما اقاموا فيكم الصلاة ألا من ولي عليه وال فرآه يأتي شيئا من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزعن يدا من طاعة (رواه مسلم)

اور حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا " تمہارے حاکموں میں سے بہترین حاکم وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لئے اور وہ تمہارے لئے دعا کریں (اور اس کی وجہ سے آپس میں ربط وتعلق اور محبت پیدا ہو) اور تمہارے حاکموں میں سے بدترین حاکم وہ ہیں جن سے تم بغض وعداوت رکھو اور وہ تم سے بغض وعداوت رکھیں اور تم ان پر اور وہ تم پر لعنت

بھیجیں۔'' حضرت عوف کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! کیا اس صورت میں ہم ان سے کئے ہوئے عہد وفاداری کو توڑ نہ ڈالیں (یعنی کیا ان بدترین حاکموں کو معزول نہ کر دیں اور ان کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کر دیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں، نہیں! جب تک وہ تمہارے درمیان نماز قائم کریں! خبردار! جس شخص کو تم پر حاکم مقرر کیا جائے اور تم اس کا کوئی ایسا فعل دیکھو۔ جو خدا کی نافرمانی (گناہ) پر مبنی ہو تو اس کے اس گناہ کے فعل کو برا سمجھنا چاہئے۔ لیکن اس کی اطاعت وفرمانبرداری سے دست بردار نہ ہونا چاہئے۔ (مسلم)

توضیح:

لاما اقاموا فیکم الصلوۃ: یعنی جب تک ایک حاکم خود نماز پڑھتا اور دوسروں کو اقامت صلوۃ پر آمادہ کرتا ہے تو دوسرے گناہوں کی وجہ سے اس کے خلاف اعلان بغاوت اور ترک وفا جائز نہیں لیکن اگر اس نے نماز خود پڑھنا بھی چھوڑ دی اور نظام صلوۃ بھی قائم نہیں کیا تو ایسے حاکم کی نافرمانی اور ان کی اطاعت سے نکل کر ان کو معزول کرنا ضروری ہے اس لئے کہ نماز دین کا ستون ہے اور کفر وایمان کے درمیان مسلمان کا امتیازی نشان ہے اگر کوئی حاکم نماز سے بے وفائی کرتا ہے اور اس سے بے اعتنائی برتتا ہے تو ایسے حاکم کی وفاداری بھی جائز نہیں آج کل کے مسلمان حکمران سب اس حدیث کی زد میں ہیں عوام کی بغاوت ضروری ہے لیکن عوام کے دل ودماغ سے بھی نماز کی اہمیت نکل چکی ہے الا ماشاء اللہ۔

لہٰذا'' **فاستخف قومه فاطاعوه**'' کے درجہ میں سب غافل پڑے ہوئے ہیں۔

حاکم کی بے راہ روی پر اس کو ٹوکنا ہر مسلمان کی ایک ذمہ داری ہے

﴿۱۱﴾ وعن امِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُونُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ تَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا اَفَلَانُقَاتِلُهُمْ قَالَ لَامَاصَلُّوا لَامَاصَلُّوا (اَيْ مَنْ كَرِهَ بِقَلْبِهٖ وَاَنْكَرَ بِقَلْبِهٖ) (رواه مسلم)

اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے لوگ بھی تم پر حاکم مقرر کئے جائیں گے جو اچھے برے دونوں قسم کے کام کریں گے لہٰذا جس شخص نے انکار کیا (یعنی جو شخص اپنے حاکم کے سامنے زبان سے یہ کہنے پر قادر ہو کہ تمہارا یہ فعل برا ہے اور اس نے اس طرح کہہ بھی دیا) تو وہ نفاق اور مداہنت سے پاک اور (اپنی ذمہ داری سے) بری ہو گیا، اور جس شخص نے مکروہ جانا (یعنی جو شخص حاکم کے منہ پر اس کے کسی برے فعل کو بیان کر دینے پر قادر نہ ہو لیکن اپنے دل سے اس کے فعل کو برا سمجھے) تو وہ سالم رہا (یعنی اس فعل کی برائی و

گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہونے سے محفوظ رہا) لیکن جو شخص (حاکم کے برے افعال پر دل سے) خوش ہوا اور (خود بھی ان برے افعال میں مبتلا ہو کر گویا حاکم کی اتباع کی تو وہ گناہ اور اس کے وبال میں شریک ہوا صحابہؓ نے عرض کیا کہ (ایسی صورت میں جبکہ حکام برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور ان کی بے راہ روی کا اثر عوام پر بھی پڑنے لگے تو) کیا ہم ان کے خلاف جنگ نہ کریں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نہیں!'' جب تک وہ نماز پڑھیں، نہیں! جب تک وہ نماز پڑھیں۔'' یعنی جس شخص نے اپنے دل سے برا سمجھا اور اپنے دل سے انکار کیا۔ (مسلم)

توضیح:

تعرفون و تنکرون : یعنی ان حکام کے بعض افعال تو اچھے ہوں گے لیکن بعض اچھے نہیں ہوں گے تو تم اچھے کو پہچان کر تحسین کرو گے اور برے کو ناپسند کر کے انکار کرو گے۔ ''فمن انکر'' یعنی جو کوئی ان کی نکیر اور ان کے قبائح کے روک ٹوک پر قادر ہوا اور اس نے روک ٹوک کی اور زبان سے خوب منع کیا '' فقد برئی '' یعنی مداہنت اور نفاق سے بچ گیا۔
'' ومن کرہ'' یعنی جس نے زبان سے یا ہاتھ سے تو نہیں روکا کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں ہوا لیکن اس نے دل میں اس کو برا جانا۔ ''فقد سلم '' یعنی ان کے ساتھ شرکت کے وبال سے بچ گیا۔ '' من رضی '' یعنی دل سے ان کے برے افعال کو پسند کیا ''وتابع'' یعنی اس گناہ میں اس کے ساتھ ہو گیا۔ '' افلا نقاتلھم '' یعنی ان سے بغیر اسلحہ کے لڑائی نہ کریں کہ خوب ان کی تردید کریں اور جھگڑا کریں یہ ایک توجیہ ہے دوسری توجیہ یہ ہے کہ کیا ان کو قتل نہ کریں۔ ''ماصلوا'' یہاں تو صرف نماز پڑھنے کا ذکر بھی آ گیا باقی روایات میں نماز قائم کریں گے کے الفاظ ہیں یعنی خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھوائیں۔
'' ای من کرہ'' یہ بعض راویوں کی طرف سے مجمل کلام کی تفسیر ہے اب وہ مجمل کلمات کون سے ہیں تو شیخ عبدالحق محدث دھلوی فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر '' ومن انکر فقد سلم'' کے لئے ہیں اور ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ تفسیر سابقہ دو جملوں کی ہے یعنی فمن انکر اور ومن کرہ الخ۔

اپنا حق چھوڑ دیں گے اور دوسروں کا ادا کریں گے

﴿۱۲﴾ وعن عَبدِاللهِ بنِ مَسعُودٍ قَالَ قَالَ لَنا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُم سَتَرَونَ بَعدِى اَثَرَةً وَّاُمُورًا تُنكِرُونَهَا قَالُوا فَمَا تَأمُرُنَا يَارَسُولَ اللهِ قَالَ اَدُّوا اِلَيهِم حَقَّهُم وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُم.

(متفق علیه)

اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ '' تم میرے بعد اپنے ساتھ

ترجیحی سلوک اور بہت سی ایسی چیزوں کو دیکھو گے جس کو تم برا سمجھو گے۔" صحابہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! پھر آپ ہمیں کیا ہدایت دیتے ہیں (کہ اس وقت ہمارا رویہ کیا ہو؟) آپؐ نے فرمایا "تم ان (حاکموں) کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

اثرۃ: امور حکومت میں اپنے ساتھ ترجیحی سلوک پاؤ گے "**و امور تنکرونها**" یعنی بہت سارے افعال دیکھو گے جن کو تم قطعاً پسند نہیں کرو گے "**حقهم**" یعنی ان کی اطاعت جو تم پر لازم ہے یہ ان کا حق ہے اس کو پورا کرو "**حقکم**" یعنی اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ وہ مال غنیمت مہیا فرمائے تمہارا حق اس صورت میں تم کو مل جائے۔

﴿۱۳﴾ وعن وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيْدَ الْجُعْفِيُّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا اُمَرَاءُ يَسْأَلُوْنَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُوْنَا حَقَّنَا فَمَاتَأْمُرُنَا قَالَ اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَاحُمِّلُوْا وَعَلَيْكُمْ مَاحُمِّلْتُمْ (رواه مسلم)

اور حضرت وائلؓ ابن حجر کہتے ہیں کہ حضرت سلمہ ابن یزید جعفی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس بارہ میں ہمارے لئے آپ کی کیا ہدایت ہے کہ اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے تو اپنے حق (یعنی اطاعت وفرمانبرداری) کا مطالبہ کریں لیکن ہمیں ہمارا حق (یعنی عدل وانصاف اور مال غنیمت کا حصہ نہ دیں؟ آپ نے فرمایا "تم ظاہر میں ان کی بات سنو (اور باطن میں) ان کی فرمانبرداری کرو (یعنی ان کی بات اور ان کے احکام کو سننا ظاہری اطاعت ہے اور ان احکام پر عمل کرنا باطنی فرمانبرداری ہے) یاد رکھو! ان پر وہ چیز فرض ہے جو ان کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے (یعنی رعایا کو عدل وانصاف دینا اور ان کے حقوق ادا کرنا اور تم پر وہ چیز فرض ہے جو تمہارے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے (یعنی اپنے حاکم وسردار کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا اور اگر ان حاکموں کی طرف سے تمہاری حق تلفی ہو یا اور کوئی مصیبت پیش آئے تو اس پر صبر کرنا)۔ (مسلم)

امام کی اطاعت سے دست بردار ہونے والے کے بارے میں وعید

﴿۱۴﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَاحُجَّةَ لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (رواه مسلم)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص امام یعنی اسلامی مملکت کے سربراہ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں اس طرح حاضر

ہوگا کہ اس کے پاس (ایمان کی) دلیل نہیں ہوگی اور جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن امام کی بیعت (یعنی امام برحق کی اطاعت) سے آزاد ہو (یعنی وہ امام برحق کا باغی ہو کر مر جائے) تو اس کی موت جاہلیت پر مرنے کے مترادف ہوگی۔ (مسلم)

بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرام کے ہاتھ میں تھی

﴿۱۵﴾ وعن ابی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو اِسْرَائِيْلَ تَسُوسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَاِنَّهُ لَانَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَاتَأْمُرُنَا قَالَ فُوْابِبَيْعَةِ الْاَوَّلِ فَالْاَوَّلِ اَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (متفق علیه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا بنی اسرائیل کو انبیاء ادب وتہذیب سکھایا کرتے تھے چنانچہ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو اس کا جانشین کوئی دوسرا نبی ہو جاتا (اس طرح یکے بعد دیگرے انبیاء اپنی قوم کی تربیت کیا کرتے تھے۔) لیکن میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے البتہ میرے بعد امراء و خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے (جن کے ذمے) امت کی راہنمائی ونگہبانی ہوگی صحابہؓ نے عرض کیا کہ جب بیک وقت متعدد امراء ملک وامت کی سیادت کے دعویدار ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کریں گے تو) اس وقت کے لئے آپ ہمیں کیا ہدایت فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے امیر کی بیعت پوری کرو (پھر دوسرے زمانہ میں) پہلے امیر کی (یعنی جب بھی بیک وقت مثلاً دو امیر اپنی سیادت کا دعویٰ کریں تو اس امیر کی بیعت و اطاعت کرو جو پہلے مقرر ہوا ہو اور دوسرے کی مطلق پیروی نہ کرو) اور ان کے حقوق ادا کرو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی مخلوق کی نگہداشت وحکومت کی ذمہ داری سونپی ہے اس کے بارہ میں وہ خود ان سے پوچھ لے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

تسوسهم الانبياء: باب نصر سے تسوس سیاست سے ہے مراد حکومت اور ولایت ہے جس میں امور مملکت کا سنبھالنا ہے ملا علی قاری نے سیاست کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"**والسياسة القيام على الشئى بمايصلحه**" یعنی اصلاح کے لئے کسی چیز کو سنبھالنا اور اس کی نگرانی کرنا اس جملہ سے معلوم ہوا کہ دینی سیاست کے سب سے زیادہ مستحق اس زمانہ میں انبیاء کرام تھے اور آج کل ہمارے زمانے میں علماء کرام ہیں کیونکہ کسی چیز کی دینی اور دنیوی اصلاح علماء کے سواء کوئی نہیں کرسکتا ہے ہاں جو سیاست جھوٹ اور نفاق پر قائم ہو اس کے ماہرین دنیادار ہی ہیں۔

" وانہ لا نبی بعدی" یہ جملہ واضح طور پر دلالت کررہا ہے کہ آنحضرت کے بعد کوئی نبی نہیں ہے باقی حضرت عیسیٰؑ جب آئیں گے تو وہ ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اگر چہ وہ نبی ہوں گے لیکن حیثیت ایک امتی کی ہوگی دوسرا جواب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے بعد کی نفی فرمائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو آنحضرتؐ سے پہلے نبی بن چکے تھے۔

"فیکثرون" ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں فا پر زبر ہے اور ثا پر پیش ہے کثرت کی وجہ سے جب غلبہ ہوجاتا ہے تو اس غلبہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے مراد کثرت ہے فرمایا کہ ثا پر زیر پڑھنا غلط ہے " فماتا مرنا" یہ شرط محذوف کا جواب ہے ای اذا کثر الخلفاء بعد و وقع التنازع فیما بینھم فما تامرنا.

" فوا" یہ امر کا صیغہ ہے وفی یفی ضرب یضرب سے وفاداری کے معنی میں ہے یعنی پورا کرو۔

" الاول فالاول" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو پہلے خلیفہ بنا ہے اور تم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو اب ان کی موجودگی میں انہیں کی اطاعت کرو دوسرے کی نہ کرو۔" اعطوھم حقھم " یہ فوا ببیعۃ الاول فالاول سے بدل ہے یعنی وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ ان کے حقوق جو اطاعت وخدمت کے متعلق ہیں وہ ان کو پورا دو۔

" عما استرعاھم "یعنی جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے ان کو راعی، نگران اور والی بنایا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ان سے پوچھے گا۔

امارت اسلامیہ کے خلاف بغاوت کرنے والا واجب القتل ہے

﴿۱۶﴾ وعن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منھما (رواہ مسلم)

اور حضرت ابوسعیدؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے جو بعد کا ہے اس کو قتل کر ڈالو۔ (مسلم)

توضیح:

مطلب یہ ہے کہ جب ایک خلیفہ موجود ہے اور مسلمانوں کے امور صحیح طریقہ پر اسلام کی روشنی میں چلا رہا ہے اور دوسرا شخص اٹھ کر کرسی کی خواہش میں مسلمانوں کی اس اجتماعی صورت کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے اور خلافت کا اعلان کر کے بیعت لینا شروع کردیتا ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس کو قتل کردو کیونکہ وہ خدا کے حکم اور مملکت اسلامی کا باغی ہے ان کی سزا یہی ہے کہ اگر وہ بغاوت سے باز نہیں آتا ہے تو اس کو قتل کردو خواہ کسے باشد۔ اس سے پہلی حدیث کا مفہوم بھی اسی طرح ہے۔ اور اس کے بعد آنے والی حدیث کا مطلب بھی اسی طرح ہے۔ اس حدیث سے جمہوریت جو درحقیقت یہودیت وعیسائیت کی لعنت ہے، کی جڑ کٹ گئی نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا پوری دنیا میں ایک خلیفہ ہونا چاہئے۔ ہاں اگر انتظام کرنا

مشکل ہو اور علاقہ ایک دوسرے سے بہت ہی بعید ہو تو پھر گنجائش ہے میں نے ''اسلامی خلافت'' نام کی کتاب میں اس کی تفصیل لکھدی ہے۔

جو شخص امت میں تفرقہ پیدا کرے اس کو موت کے گھاٹ اتار دو

﴿۱۷﴾ وعن عرفجة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انه سيكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان (رواه مسلم)

اور حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب تخریب وفساد رونما ہوں گے، لہذا جو شخص اس امت میں تفریق پیدا کرنا چاہے درانحالیکہ امت آپس میں متحد ومتفق ہو تو اس شخص کو تلوار سے اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ (مسلم)

توضیح:

انه: ضمیر شان کے لئے ہے ''هنات و هنات'' ''ہا'' پر زبر ہے اور نون پر بھی زبر ہے پے در پے اور مسلسل شر وفساد کو کہتے ہیں یعنی عن قریب حصول حکومت کے لئے متواتر فتنے ظاہر ہوں گے ''وهي جميع'' یعنی حال یہ کہ امت متحد ومتفق ہے اور یہ شخص امر اتفاقی میں انتشار پیدا کرتا ہے۔ ''كائناً من كان'' یعنی خواہ اشراف میں سے ہو یا صاحب تعلیم ہو یا کسی کا قریبی رشتہ دار ہو ان کو تلوار سے ایسے مار دو کہ اس کے پرخچے اڑ جائیں جیسا کہ وہ امت کو پارہ پارہ کرنا چاہتا تھا اس لئے کہ اتحاد امت فرد کی حیثیت اور شخصیت پر مقدم ہے کسی نے کہا ؎

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملت　　وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت وبازو　　آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد

کسی نے یہ کہا

؎ فرد قائم ربط ملت سے تنہا کچھ نہیں　　موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

﴿۱۸﴾ وعنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من اتاكم وأمركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم اويفرق جماعتكم فاقتلوه (رواه مسلم)

اور حضرت عرفجہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص (امام وقت کے خلاف بغاوت کر کے اور اپنی خلافت وامارت کا اعلان کر کے) تمہارے پاس آئے درآنحالیکہ تم سب (پہلے سے)

ایک شخص پر متفق اور ایک خلیفہ پر متحد ہو اور وہ شخص تمہاری لاٹھی کو چیرے یا تمہاری اجتماعی تنظیم میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہو تو تم اس کو قتل کر دو۔ (مسلم)

توضیح

"یشق عصاکم" عصا لاٹھی کو کہتے ہیں اور یشق چیرنے پھاڑنے کو کہتے ہیں مراد مسلمانوں کی جماعت چھوڑ کر جانا ہے تو لاٹھی سے مسلمانوں کی اجتماعی حیثیت کی طرف اشارہ ہے اور چیرنے سے اس کے انتشار اور تفریق واختلاف کی طرف اشارہ ہے

"اویفرق جماعتکم"

ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی کو شک ہوگیا کہ آنحضرتؐ نے کون سا جملہ ارشاد فرمایا تھا مگر راجح یہ ہے کہ یہ دونوں جملے آنحضرتؐ کے ہیں پہلے جملے "یشق عصاکم" کا تعلق مسلمانوں کے دنیاوی امور سے ہے یعنی جو شخص مسلمانوں کی سیاسی طاقت خارجہ اور داخلہ پالیسی میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ اور دوسرے جملے کا تعلق مسلمانوں کے دینی احکام اور مذہبی معاملات سے ہے کہ یہ شخص اس میں فتنہ پردازی کرتا ہے۔

﴿۱۹﴾ وعن عَبدِاللّٰہِ بنِ عَمرٍو قالَ قالَ رَسولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مَنْ بَایَعَ اِمَامًافَاَعْطَاہُ صَفْقَۃَ یَدِہٖ وَثَمرَۃَ قَلْبِہٖ فَلْیُطِعْہُ اِنِ اسْتَطَاعَ فَاِنْ جَاءَ آخَرُ یُنَازِعُہُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ (رواہ مسلم)

اور حضرت عبداللہ ابن عمروؓ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے امام سے بیعت کی بایں طور کہ اس کو اپنا ہاتھ دے کر اطاعت وفرمانبرداری کا عہد کیا اور خلوص دل سے بھی اس کی حاکمیت وقیادت کو قبول کیا) تو اس کو چاہئے کہ وہ (حتی المقدور) اس امام کی اطاعت وفرمانبرداری کرے اور پھر اگر کوئی دوسرا شخص اپنی امامت کا اعلان کردے اور اپنے امام کے خلاف بغاوت کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔ (مسلم)

توضیح

"صفقۃ یدہ" صفقہ ہاتھ کو ہاتھ پر مارنے اور رکھنے کو کہتے ہیں اور قسم اور بیعت کے وقت ہاتھ کو ہاتھ میں دے کر معاہدہ ومعاقدہ کیا جاتا ہے مراد ہاتھ میں ہاتھ رکھنا ہے۔

"و ثمرۃ قلبہ" دل کے ثمرہ سے مراد اخلاص ہے بعض نے لکھا ہے کہ صفقہ ید سے مراد مال اور ثمرہ قلب سے مراد اپنے اہل وعیال سے مل کر بیعت کرنا ہے۔

حکومت و امارت کے طالب نہ بنو

﴿۲۰﴾وعن عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ سَمُرَةَقَالَ قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتَسْأَلِ الْإِمَارَةَ فَإِنَّكَ اِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ أُعْطِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ أُعِنْتَ عَلَيْهَا (متفق عليه)

اور حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم حکومت و سیادت کو طلب نہ کرو کیونکہ اگر تمہاری خواہش اور طلب پر تم کو حکومت و سیادت دی گئی تو تمہیں اسی کے سپرد کر دیا جائے گا (کہ تم اس منصب کی ذمہ داریوں کو انجام دو درآنحالیکہ منصب و امارت کی ذمہ داریاں اتنی دشوار اور مشقت طلب ہیں کہ بغیر مدد الٰہی کے کوئی شخص ان کو انجام نہیں دے سکتا) اور اگر تمہاری خواہش و طلب کے بغیر تمہیں حکومت و سیادت ملے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے تمہیں یہ توفیق بخشی جائے گی کہ تم عدل و انصاف اور نظم و ضبط کے ساتھ اس کی ذمہ داریوں کو انجام دے سکو)۔ (مسلم)

توضیح:

لا تسأل الامارة: اسلامی خلافت اور جمہوریت کی مصیبت میں یہی بنیادی فرق ہے کہ اسلامی خلافت کے عہدوں کا حصول خدمت کا ذریعہ ہوتا ہے اور جمہوریت میں ان عہدوں کا حصول دنیا کی کمائی کے اسباب و ذرائع ہوتے ہیں اب جو کام دین کی ترویج و اشاعت کے لئے ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ مدد کرے گا اور جب اپنے بل بوتے پر اپنے آپ پر اعتماد کر کے یہ عہدے دنیا کمانے کے ذرائع بن جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہیں ہوگی تو کامیابی کے بجائے ناکامی کا سامنا ہوگا۔

حکومت کے ملنے اور چلے جانے کی مثال

﴿۲۱﴾وعن اَبِی هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ عَلَی الْإِمَارَةِ وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ (رواه البخاری)

اور حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میں دیکھ رہا ہوں کہ) تم آنے والے زمانہ میں حکومت و سیادت کی حرص میں مبتلا ہو گے حالانکہ وہ حکومت و سیادت (جو حرص و طلب کے ساتھ ملے) قیامت کے دن پشیمانی کا موجب ہے (یاد رکھو! حکومت و سیادت دودھ پلانے والی بھی ہے اور دودھ چھڑانے والی بھی ہے) وہ دودھ پلانے والی کیا ہی مہربان ماں ہے اور دودھ چھڑانے والی کیا ہی ناترس ظالم ماں ہے (بخاری)

توضیح:

فنعم المرضعة: علامہ مظہر فرماتے ہیں کہ نعم اور بئس کا فاعل جب مؤنث ہو تو یہ دونوں صیغے مؤنث بھی لائے جاسکتے ہیں اور مذکر بھی لائے جاسکتے ہیں یہاں نعم کے ساتھ تاء تانیث نہیں اور بئست کے ساتھ لگی ہے یہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ دو لغت ہیں اور دونوں جائز ہیں تو ایک صیغہ میں ایک لغت لایا گیا اور دوسرے صیغے میں دوسری لغت کا ذکر کیا گیا۔

"وبسئت الفاطمة" یعنی حکومت وقیادت جب ملتی ہے اور آدمی صاحب اقتدار ہو جاتا ہے تو یہ قیادت شفیق ماں کی طرح گود میں لے کر جسم کا دودھ پلاتی ہے اور اس کو پالتی ہے لیکن جب یہی حکومت وقیادت روٹھ جاتی ہے تو یہ نامہربان ماں کی طرح بچے کے منہ میں مرچیں پھانک کر دودھ چھڑاتی ہے تو عقلمند آدمی کو چاہئے کہ اس طرح ناپائیدار چیز کی طلب میں اپنا وقت ضائع نہ کرے حکومت کے آنے جانے کے تین مراحل کا ذکر آئندہ آرہا ہے۔

حکمرانوں کا انجام

﴿۲۲﴾ وعن ابی ذرٍّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ اَلاتَسْتَعْمِلُنِي قَالَ فَضَرَبَ بِيَدِهٖ عَلٰى مَنْكِبِي ثُمَّ قَالَ يَااَبَاذَرٍّ اِنَّكَ ضَعِيْفٌ وَاِنَّهَااَمَانَةٌ وَاِنَّهَايَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَنَدَامَةٌ اِلَّامَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدّٰى الَّذِي عَلَيْهِ فِيْهَا، وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ لَهٗ يَااَبَاذَرٍّ اِنِّي اَرَاكَ ضَعِيْفًا وَاِنِّي اُحِبُّ لَكَ مَااُحِبُّ لِنَفْسِي لَاتَأَمَّرَنَّ عَلٰى اثْنَيْنِ وَلَاتَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيْمٍ (رواه مسلم)

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ مجھے (کسی جگہ کا) عامل (حاکم) کیوں نہیں بنا دیتے؟ فرمایا کہ ابوذرؓ تم ناتواں ہو اور یہ سرداری (خدا کی طرف سے) ایک امانت ہے) جس کے ساتھ بندوں کے حقوق معلق ہیں اور اس میں خیانت نہیں کرنی چاہئے) اور تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) سرداری قیامت کے دن رسوائی و پشیمانی کا باعث ہوگی الا یہ کہ جس شخص نے اس (سرداری کو حق کے ساتھ حاصل کیا اور اس حق کو ادا کیا جو اس سرداری کے تئیں اس پر ہے (یعنی جو شخص مستحق ہونے کی وجہ سے سردار بنایا گیا اور پھر اس نے اپنے زمانہ میں حکومت میں عدل وانصاف کا نام روشن کیا اور رعایا کے ساتھ احسان وخیر خواہی کا برتاؤ کیا تو وہ سرداری اس کے لئے رسوائی اور وبال کا باعث نہیں ہوگی) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا''ابوذر! میں تمہیں ناتواں دیکھتا ہوں (کہ سرداری کا بار برداشت نہیں کرسکو گے) اور میں تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں جو میں اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں کا بھی سردار عامل نہ بننا اور کسی یتیم کے بھی مال کی کارپردازی ونگرانی نہ کرنا۔ (مسلم)

توضیح:

انها امانة: یعنی کرسی اقتدار قومی امانت ہے اگر اس میں نقصان کیا تو قومی خیانت ہوگی

"**خـزی و نـدامة**" یعنی قیامت کے دن حکومت رسوائی اور پشیمانی کا باعث بنے گی اس پشیمانی کی ترتیب اس طرح ہے کہ جب آدمی برسر اقتدار آتا ہے تو لوگ طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں کہ دھونس دھاندلی سے آیا ہے رشوت اور چور دروازہ سے آیا ہے پھر جب کچھ دن یہ شخص حکومت کرتا ہے اور طرح طرح کی ذمہ داریوں کے بجالانے سے عاجز آجاتا ہے تو پھر پشیمان ہوتا ہے یہ درمیانی دور حکومت ہے کہ کاش میں اس میں نہ آتا اور جب حکومت چھن جاتی ہے تو پھر یا دنیا میں رسوا ہوجاتا ہے یا آخرت میں رسوا ہوتا ہے یہ آخری رسوائی ہے تو اول میں ملامت ہے وسط میں ندامت ہے اور آخر میں رسوائی ہے آئندہ حدیث نمبر ۵۳ میں یہ ترتیب آرہی ہے۔

طالب منصب کو منصب نہ دیا کرو

﴿۲۳﴾وعن اَبِی مُوسٰی قَالَ دَخلتُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَاوَرَجُلَانِ مِنْ بَنِی عَمِّی فَقَالَ اَحَدُهُمَا یَارَسُولَ اللّٰهِ اَمِّرْنَا عَلٰی بَعْضِ مَاوَلَّاکَ اللّٰهُ وَقَالَ الْآخرُ مِثْلَ ذٰلِکَ فَقَالَ اِنَّاوَاللّٰهِ لَانُوَلِّی عَلٰی هٰذَاالْعَمَلِ اَحَدًا سَأَلَهُ وَلَااَحَدًا حَرَصَ عَلَیْهِ وَفِی رِوَایَةٍ قَالَ لَانَسْتَعْمِلُ عَلٰی عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهُ (متفق علیه)

اور حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اور میرے چچا کی اولاد میں سے دو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو (تمام مسلمانوں اور روئے زمین کا) حاکم بنایا ہے، مجھ کو کسی جگہ یا کسی کام کا حاکم و والی مقرر فرما دیجئے۔'' دوسرے نے بھی اسی طرح کی خواہش کا اظہار کیا، آنحضرتؐ نے فرمایا خدا کی قسم! ہم (دین و شریعت کے) ان امور میں کسی بھی ایسے شخص کو والی اور ذمہ دار نہیں بناتے جو ہم سے ولایت و ذمہ داری کا طلب گار ہو یا اس کی حرص رکھتا ہو۔'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہم اپنے کام پر اس شخص کو (عامل کارپرداز) مقرر نہیں کرتے جو اس کا ارادہ (یعنی عامل ہونے کی خواہش) رکھے۔ (مسلم)

توضیح:

جو شخص خود کسی منصب کا طلب گار ہو تو وہ درحقیقت حب جاہ میں مبتلا ہے جو حب دنیا کا ایک اہم شعبہ ہے اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایسے شخص کو کسی منصب کا اہل نہیں سمجھا اور نہ اس کو منصب عطا کیا اور جو شخص منصب کا طالب نہ ہو اور پھر اس پر فائز ہو جائے تو اس کے دل میں خدمت کا جذبہ موجزن ہوگا جس کا انجام اچھا ہوگا افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل تو مناصب کے حصول پر جھگڑے ہوتے ہیں اور رشوتیں دیتے ہیں بلکہ دین کے سارے مناصب حصول دنیا کے ذرائع بن گئے۔ الا ماشاء اللہ

حکومت وامارت سے انکار کرنے والا بہترین شخص ہے

﴿۲۴﴾ وعن ابی ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَجِدُونَ مِنْ خَیْرِ النَّاسِ اَشَدَّھُمْ کَرَاھِیَۃً لِھٰذَا الْاَمْرِ حَتّٰی یَقَعَ فِیْہِ (متفق علیہ)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''لوگوں میں بہتر تم اس شخص کو پاؤ گے جو اس چیز (یعنی حکومت و سیادت) کو ناپسند کرنے کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت ہو یہاں تک کہ وہ اس میں مبتلا ہو جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

حتی یقع فیہ: اس حدیث کے دو مفہوم ہیں ایک یہ ہے کہ جو شخص کسی منصب اور سیادت و قیادت اور حکومت سے سخت متنفر ہو تم اس کو بہترین آدمی پاؤ گے یہاں تک کہ اگر وہ مناصب کی اس نفرت پر قائم نہ رہ سکا اور قیادت و سیادت میں مبتلا ہو گیا تو اس شخص کا انجام بھی وہی ہوگا کہ آخر میں پشیمان ہوگا اور حسرت کے ہاتھ ملتا رہے گا۔

دوسرا مفہوم علامہ طیبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جو شخص سیادت و قیادت اور مناصب سے متنفر ہو تم اس کو بہترین آدمی پاؤ گے لیکن اگر وہی شخص طلب مناصب اور حب جاہ میں مبتلا ہو گیا تو تم اس کو بدترین آدمی پاؤ گے۔

ہر شخص اپنے ماتحتوں کی اصلاح کا ذمہ دار ہے

﴿۲۵﴾ وعن عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ فَالْاِمَامُ الَّذِی عَلَی النَّاسِ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰی اَھْلِ بَیْتِہٖ وَھُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْاَۃُ رَاعِیَۃٌ عَلٰی بَیْتِ زَوْجِھَا وَوَلَدِہٖ وَھِیَ مَسْئُولَۃٌ عَنْھُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰی مَالِ سَیِّدِہٖ وَھُوَ مَسْئُولٌ عَنْہُ اَلَا فَکُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ (متفق علیہ)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علی وسلم نے فرمایا خبردار تم میں سے ہر شخص اپنی رعیت

کا نگہبان ہے اور (قیامت کے دن) تم میں سے ہر شخص کو اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہ ہونا پڑیگا لہٰذا امام یعنی سربراہ مملکت وحکومت جو لوگوں کا نگہبان ہے اس کو اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہی کرنا ہوگی، مرد جو اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اس کو اپنے گھر والوں کے بارہ میں جواب دہی کرنی ہوگی عورت جو اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کی نگہبان ہے، اس کو ان کے حقوق کے بارہ میں جوابدہی کرنی ہوگی اور غلام مرد جو اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اس کو اس کے مال کے بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی لہٰذا آگاہ رہو! تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنی رعیت کے بارہ میں جوابدہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

الا کلکم راع: راعی نگران اور نگہبان کو کہتے ہیں اور رعیت اس کو کہتے ہیں جو نگہبان کی نگرانی اور حفاظت میں ہو چنانچہ کسی ملک کی رعیت کو اس لئے رعایا کہتے ہیں کہ وہ اس ملک کے سربراہ کی نگرانی وحفاظت میں ہوتی ہے اس حدیث میں جس نگرانی کا ذکر ہے اس نگرانی کا تعلق ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کسی کے حکم اور قدرت کے ماتحت ہوں اور جو لوگ کسی کے حکم کے ماتحت نہیں ان کے بارے میں یہ حدیث نہیں ہے چنانچہ " رعیتـــــه" میں جو ضمیر لوٹتی ہے وہ اسی مقصد کے لئے ہے کہ یہ ذمہ داری ان نگرانوں کی ہے جن کے حکم کے ماتحت لوگ ہوتے ہیں مثلاً ملک کے حاکم کے ہاتھ میں اس ملک کی رعیت کی باگ ڈور ہوتی ہے وہ اس رعایا کا مسئول ہوگا اسی طرح گھر کا بڑا ذمہ دار ہوگا کیونکہ ان پر ان کا حکم چلتا ہے مدرسہ کا مہتمم طلبہ کا ذمہ دار ہوگا کیونکہ ان کے حکم کے ماتحت ہوتے ہیں اسی طرح مرحلہ وار گھر کے بچوں پر گھر کی عورت کی سربراہی ہے اور خادم کی نگرانی آقا کے مال پر ہے ان لوگوں سے قیامت میں ان کی ذمہ داریوں کا پوچھا جائے گا بعض علماء نے کہا ہے کہ انسان کے جسم کے جو اعضاء ہیں وہ تمام اعضاء ان کی رعیت ہے اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا کہ مثلاً آنکھ کی نگرانی کیوں نہیں کی زبان اور شرم گاہ اور ہاتھ پاؤں کی نگرانی وحفاظت کیوں نہیں کی؟ بعض لوگ اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ پوری دنیا کے انسانوں کی ذمہ داری ہم پر ہے اور ان کو دعوت دینا اور راہ راست پر لانا ہماری ذمہ داری ہے اگر ہم نے یہ ذمہ داری پوری نہیں کی اور وہ لوگ بغیر کلمہ کے مرگئے تو قیامت میں ہم سے سوال ہوگا مثلاً ہوانگ ہوا، چنگ زیاؤ پنگ اور لی شاؤ چنگ بغیر کلمہ کیوں مرگئے تھے یہ نظریہ صحیح نہیں ہے اور نہ اسلام نے ہم پر تکلیف مالا یطاق کا بوجھ ڈالا ہے اسلام کی آواز جس طرح کسی کے کانوں تک پہنچ گئی دعوت کا حق ادا ہوگیا۔ اس کے بعد پھر جہاد کا مرحلہ ہے بہرحال اس حدیث کی ایسی تشریح نہیں کرنی چاہئے جس کے سننے سے عوام الناس علماء سے بدظن ہوجائیں کہ یہ علماء کی ذمہ داری تھی اور انہوں نے پوری نہیں کی اور فلاں فلاں لوگ بغیر کلمہ کے مرگئے یہ اعتراض تو پھر خلفاء راشدین اور فقہاء کرام ومجتہدین پر آئے گا کہ وہ حضرات دعوت کے

لئے پاکستان کیوں نہیں آئے چین کیوں نہیں گئے عراق اور مصر کے مسلسل اسفار کیوں نہ کئے۔

خائن وظالم حاکم کے بارے میں وعید

﴿٢٦﴾ وعن مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَامِنْ وَالٍ يَلِى رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَغَاشٌ لَهُمْ اِلَّاحَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ (متفق عليه)

اور حضرت معقلؓ ابن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بھی شخص حکومت و سیادت حاصل کر کے اپنی رعیت پر حکمرانی کرے اور پھر اس حالت میں مرجائے کہ وہ اپنی رعیت پر ظلم اور ان کے حقوق میں خیانت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کردے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

وھو غاش: شین پر شد ہے غاش خائن کے معنی میں ہے اور خیانت کی بہت زیادہ صورتیں ہیں جس صورت کی خیانت حاکم نے کی اس پر یہ وعید چسپاں ہوگی ملا علی قاری نے غاش کا ایک معنی ظالم کا بھی کیا ہے کہ وہ عوام الناس کے حقوق ادا نہیں کرتا ہے اور دوسروں کا مال دباتا ہے۔

"الاحرم اللّٰه عليه الجنة" یعنی اگر وہ حاکم ان خیانتوں کو جائز سمجھتا ہے تو وہ کافر ہوگیا لہٰذا اس پر جنت حرام ہے اور اگر وہ مسلمان ہوتے ہوئے خیانتوں کا مرتکب ہوا تو وہ جنت میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں جائے گا جو بغیر سزا کے جنت میں جائیں گے بلکہ یہ اپنی سزا بھگت کر پھر جنت میں جائے گا آنے والی حدیث کی بھی یہی توضیح وتشریح ہے۔

رعایا کی بھلائی حاکم پر لازم ہے

﴿٢٧﴾ وعنه قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَامِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَةٍ اِلَّالَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ (متفق عليه)

اور حضرت معقلؓ ابن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ تعالیٰ جس شخص سے رعیت کی نگہبانی کرائے (یعنی جس شخص کو رعیت کا حکم ونگھبان بنائے) اور وہ بھلائی اور خیر خواہی کے ساتھ نگہبانی نہ کرے تو بہشت کی بو نہ پائے گا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح:

فلم یحطھا: حاء پر پیش ہے یہ احاطہ کے معنی میں ہے مراد نگرانی ونگہبانی ہے آئندہ حدیث میں الحطمۃ ظالم کے معنی میں ہے

"بنصیحة" یہ لفظ دینی اور دنیوی تمام بھلائیوں کو شامل ہے۔
"رائحة الجنة" جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت تک جاتی ہے اس حدیث کا مطلب بھی وہی ہے کہ یا یہ شخص کفر پر مرا ہوگا یا دخول اوّلی کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا اور یا یہ حدیث تغلیظ وتشدید اور زجر وتوبیخ پر محمول ہے۔

بدترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے

﴿۲۸﴾ وعن عَـائِـذِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ (رواه مسلم)

اور حضرت عائذ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سرداروں اور حاکموں میں سب سے بدتر سردار وہ حاکم ہے جو اپنی رعایا پر ظلم کرے۔ (مسلم)

توضیح:

الحطمة: حا پر پیش ہے اور طا پر زبر ہے حاطم کے مبالغہ کا صیغہ ہے جو الحطم سے توڑنے کے معنی میں آتا ہے یہ اس ظالم حاکم کے متعلق ہے جو ظلم کر کے اپنی رعیت کو توڑ ڈالتا ہے اور کسی بھی مصیبت میں ان پر رحم نہیں کھاتا ہے بعض نے کہا ہے کہ الحطمة سے مراد ایسا کھانے والا حریص ہے جو ہر اس چیز کو کھاتا ہے جو سامنے آتی ہے۔
"الرعا" را پر زیر ہے عین پر مد ہے جمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد راع ہے جو نگران اور حکمران کے معنی میں ہے۔

حکایت:

ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی طرح ایک اور حدیث اسی جگہ نقل فرمائی ہے اس میں ایک افسوس ناک قصہ ہے فرماتے ہیں کہ عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ایک دفعہ یہ کوفہ کے ظالم گورنر اشدق لطیم الشیطان عبید اللہ بن زیاد کے پاس گئے اور فرمایا کہ اے بیٹے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرمار ہے تھے کہ " ان شر الرعاء الحطمة فایاک ان تکون منهم "یعنی بدترین نگران ظالم حکمران ہیں بیٹے تم بچتے رہنا کہیں ان میں سے نہ بنو۔

" فقال له اجلس انما انت من نخالة "اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال هل کانت لهم نخالة؟ انما کانت النخالة بعدهم و فی غیرهم (رواه مسلم)

یعنی عبید اللہ بن زیاد نے کہا کہ بیٹھ جاؤ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا چھلکا اور بھوسی ہو صحابی نے جواب میں فرمایا

کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں چھلکا اور بھوسی بھی تھا؟ (نہیں بھائی) بھوسہ اور چھلکا تو ان کے بعد کے لوگوں میں تھا۔ (وہ تو سب کے سب لُب اور خالص مغز تھے)

نرم خو حاکم کے حق میں آنحضرتؐ کی دعا

﴿۲۹﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ اَمْرِ اُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ (رواه مسلم)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بارگاہ قاضی الحاجات میں یہ عرض کی) "اے میرے پروردگار! جس شخص کو میری امت کے (دینی ودنیاوی) امور میں کسی کا ولی ومتصرف بنایا گیا اور پھر اس نے (اپنے اختیارات ولایت وتصرف کے ذریعہ) میری امت کے لوگوں پر مشقت وسختی مسلط کردی تو اس شخص پر تو بھی ،مشقت وسختی مسلط کردے اور جس شخص کو میری امت کے امور میں کسی چیز کا ولی ومتصرف بنایا گیا اور اس نے میری امت کے ساتھ نرمی وبھلائی کا برتاؤ کیا تو اس کے ساتھ تو بھی نرمی وعنایت کا معاملہ فرما۔ (مسلم)

عادل حکمران کا عظیم مرتبہ

﴿۳۰﴾وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَاللّٰهِ عَلَى مَنَابِرَمِنْ نُورٍعَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمٰنِ وَكِلْتَايَدَيْهِ يَمِيْنٌ اَلَّذِيْنَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَاَهْلِيْهِمْ وَمَاوَلُوْا (رواه مسلم)

اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشک عادل حکمران، اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر جگہ پائیں گے جو رحمٰن (اللہ) کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں (اور عادل حکمران وہ ہیں) جو اپنے احکام اپنے اہل اور اپنے زیر تصرف معاملات میں عدل وانصاف کرتے ہیں (مسلم)

توضیح:

المقسطین: عدل وانصاف کے معنی میں ہے المقسط باب افعال سے عدل وانصاف کے معنی میں ہے قرآن میں آیا ہے کہ

﴿ان اللہ یحب المقسطین﴾

اور اگر یہی مادہ باب افعال کے بجائے مجرد میں ضرب یضرب سے قاسط آجائے تو وہ ظلم وجور اور حق سے تجاوز کے معنی میں آتا ہے قرآن کریم میں ہے ﴿واما القاسطون فکانو الجہنم حطبا﴾

علامہ تورپشتی نے لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ

قسط الرجل اذا جار وھوان یاخذ قسط غیرہ والمصدر القسوط و اقسط اذا عدل و ھو ان یعطی قسط غیرہ و یحتمل ان الالف ادخل فیه لسلب المعنی فیکون الاقساط ازالة القسط

(مرقات ج ۷ ص ۲۱۳)

"یمین الرحمان" اللہ تعالیٰ کے نزدیک عادل حکمران کا مرتبہ بہت بڑا ہوتا ہے اسی بلند رتبہ کی تعبیر اور اس کی طرف اشارہ کرنے کیلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دائیں جانب منبروں پر بیٹھے ہوں گے، الغرض جو لوگ بڑے مراتب والے ہوتے ہیں وہ دائیں طرف نشست پر بٹھائے جاتے ہیں اور اللہ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں بایاں ہاتھ چونکہ نسبتہً کمزور ہوتا ہے اس لئے کمزوری کے اس توہم کو دور کرنے کیلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔

"یعدلون" اس عدل سے اگر احکام میں عدل وانصاف مراد ہو تو پھر اس سے امور مملکت مثلاً انصاف اور امانت و دیانت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا مراد ہے کہ ان شعبوں میں عدل کرتے ہیں اہل وعیال میں عدل کا مطلب یہ ہے کہ ان کے زیر تسلط جو لوگ ہیں ان کا پورا خیال رکھتے ہیں زیر تصرف اشیاء میں عدل وانصاف کا مطلب یہ ہے کہ ان اشیاء میں اصحاب حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا پورا خیال رکھتے ہیں یہ لوگ نور کے منبروں پر ہوں گے۔

ہر حاکم وامیر کے ہمراہ ہمیشہ دو متضاد طاقتیں رہتی ہیں

۳۱۰۱۔ وعن ابی سَعِیْدٍقَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَابَعَثَ اللّٰہُ مِنْ نَبِیٍّ وَلَااسْتُخْلِفَ مِنْ خَلِیْفَةٍ اِلَّا کَانَتْ لَهُ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَحُضُّهُ عَلَیْهِ وَبِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهُ عَلَیْهِ وَالْمَعْصُومُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰہُ (رواہ البخاری)

اور ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی نہیں بھیجا اور ایسا کوئی خلیفہ مقرر نہیں کیا جس کے لئے دو چھپے ہوئے رفیق نہ ہوں، ایک چھپا ہوا رفیق تو نیک کام کرنے کا حکم دیتا ہے اور نیکی کی طرف راغب کرتا ہے اور دوسرا چھپا ہوا رفیق برائی کا حکم دیتا ہے اور برائی کی طرف راغب کرتا ہے اور معصوم (بے گناہ) وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے محفوظ رکھا۔ (بخاری)

توضیح:

بطانتان: یعنی دو وزیر دو مشیر جو دو چھپے ہوئے رفیقوں کی طرح ہوتے ہیں جو کسی وقت جدا نہیں ہوتے ایک نیکی کا حکم دیتا ہے جس کو الہام کہتے ہیں جو فرشتہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

"تحضه" نصر ینصر سے برانگیختہ کرنے والے کو کہا جاتا ہے مراد ابھارنا اور بیدار رکھنا ہے۔اسی مضمون کے مطابق چند احادیث باب الوسوسہ میں گذری ہیں جن میں انسان کے ساتھ شیطان اور فرشتہ کا لزوم بتایا گیا ہے " و المعصوم " یعنی بطانة الشر اور وساوس شیطانی سے بچانے والا صرف ایک اللہ ہے۔

آنحضرتؐ کے ہاں حضرت قیس بن سعدؓ کا منصب

﴿۳۲﴾وعن انسٍ قَالَ كَانَ قَيْسُ بْنُ سَعْدٍ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْزِلَةِ صَاحِبِ الشُّرَطِ مِنَ الْاَمِيْرِ (رواه البخاری)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حضرت قیسؓ ابن سعد کے سپرد وہ خدمت تھی جو امراء اور سلاطین کے ہاں کوتوال انجام دیتے ہیں۔(بخاری)

توضیح

" الشرط" علامہ تورپشتی نے لکھا ہے کہ یہ شرطی کی جمع ہے یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو امیر و حاکم کے سامنے پیش پیش رہتا ہو اور سیاسی امور کو چلا رہا ہو چونکہ یہ لوگ اپنے جسم پر تعارف کے لئے نشانی باندھتے ہیں اس لئے ان کو شرط کہا گیا یہاں کوتوال اور تنفیذ حکم پر مقرر پولیس مراد ہے۔

عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی

﴿۳۳﴾وعن اَبِی بَكْرَةَ قَالَ لَمَّا بَلَغَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ فَارِسَ قَدْ مَلَّكُوا عَلَيْهِمْ بِنْتَ كِسْرٰى قَالَ لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَأَةً (رواه البخاری)

اور حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کے جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر پہونچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا ہے تو فرمایا کہ "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (ملک کے) امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔(بخاری)

توضیح:

بنت کسری : جب شیرویہ نے اپنے باپ پرویز کو قتل کیا اور پھر باپ کا رکھا ہوا زہر دوائی سمجھ کر پی لیا اور وہ بھی مر گیا تو اب شاہی خاندان میں حکومت چلانے کے لئے کوئی مرد نہیں رہا تب ان لوگوں نے کسریٰ کی بیٹی "ارمید خت" کو بادشاہ بنالیا حضور اکرمؐ کو جب اس کی اطلاع آئی تو آپ نے یہ حدیث ارشاد فرمائی۔

"**کسریٰ**" یہ فارس کے کسی بھی بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جس طرح قیصر بادشاہ روم کا لقب ہوتا تھا اور مصر کے بادشاہ کو فرعون، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی، یمن کے بادشاہ کو تبع، ہندوستان کے بادشاہ کو راجہ، ترکی کے بادشاہ کو خاقان کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

"**لن یفلح**" فلاح اس کو کہتے ہیں کہ امن وامان کے ساتھ دنیا کی معیشت اور اقتصادیات بھی کامیابی سے ترقی کرے اور اچھے انجام کے ساتھ آخرت کے تمام امور بھی ترقی کرے گویا دین ودنیا کی بھلائی کو فلاح کہتے ہیں عورت کی سربراہی سے یہ دونوں چیزیں ختم ہو جاتی ہیں جیسے پاکستان اور بنگلہ دیش میں ایسا ہو گیا اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورت کی سربراہی نقصان دہ اور تباہ کن چیز ہے جو ناجائز ہے، ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ عورت بادشاہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے اور نہ قاضی اور جج بن سکتی ہے کیونکہ ان دونوں کاموں کے سنبھالنے کے لئے کھلے عام باہر نکلنا پڑتا ہے تاکہ مسلمانوں اور عوام کے معاملات نمٹائے اور عورت تو ایک چھپی ہوئی چیز ہے جو اس طرح نکلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ عورت ناقص العقل ہے اور قضاء کامل قیادت ہے لہٰذا اس کامل قیادت کے لئے کامل مردوں کی ضرورت ہے۔ (مرقات ج ۷ ص ۲۱۵)

الفصل الثانی

ملت کی اجتماعی ہیئت میں تفرقہ ڈالنے والے کیلئے وعید

﴿۳۴﴾ عَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ اِلَّا اَنْ يُرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَهُوَ مِنْ جُثٰى جَهَنَّمَ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ (رواه احمد والترمذی)

حضرت حارث اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں (۱) مسلمانوں کی جماعت کا (قول وعمل اور اعتقاد میں) اطاعت کرو یعنی ملت کی اجتماعی ہیئت کو بہر صورت برقرار کرو اور سربراہان ملت کی طرف سے جو احکام جاری ہوں ان کو ہر حالت میں تسلیم کرو اور ان کی اطاعت کرو (۲) امراء علماء (شریعت کے مطابق) جو ہدایت دیں ان کو سنو اور تسلیم کرو (۳) علماء کے احکام کی اطاعت وفرمانبرداری کرو (۴) ہجرت کرو (۵) اللہ کی راہ میں جہاد کرو! (اور یاد رکھو) جو شخص ملت کی اجتماعی ہیئت سے بالش بھر بھی الگ ہوا اس نے (گویا) اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے نکال دیا الا یہ کہ وہ واپس آجائے اور جس شخص نے

پکارا جاہلیت کا سا پکارنا، وہ (گویا) دوزخیوں کی جماعت کا فرد ہے اگرچہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (احمد، ترمذی)

توضیح:

بـالـجـمـاعة: اہل حق کی جماعت حقہ مراد ہے جو حضرت آدمؑ سے آنحضرت تک اہل حق کی جماعت چلی آرہی ہے
"الهجرة" جان وایمان بچانے کی غرض سے دار کفر سے دار اسلام کی طرف جانے کو ہجرت کہتے ہیں۔
"الجهاد" دین اسلام کی شوکت اور سربلندی کی خاطر کفریہ طاقتوں سے مسلح جنگ کرنے کا نام جہاد ہے۔ "قید" قاف پر زیر ہے یہ مثل برابری اور مقدار کے معنی میں ہے یعنی بالشت برابر۔ "خلع" اکھاڑ پھینکنے کے معنی میں ہے "ربقة" پھندا ڈالنے کی رسی کو کہتے ہیں مراد رسی ہے یعنی اسلام کا پٹہ گلے سے اتار دیا۔
"بدعوی الجاهلية" نعرہ جاہلیت سے اس کے طریقے اپنانے مراد ہیں غلط امور کی طرف دعوت دینا مراد ہے یا بوقت جنگ قومیت کا نعرہ بلند کرنا مراد ہے کہ ظالم کی مدد کے لئے یا للقوم کا جاہلانہ نعرہ لگاتا ہے یہ کبیرہ گناہ ہے اس طرح نعروں سے گویا یہ شخص امت کی اجتماعی حیثیت کو پارہ پارہ کرنا چاہتا ہے۔
"جثی" جیم پر پیش ہے اور پھر الف مقصورہ ہے۔ جثوۃ کی جمع ہے دراصل ریت اور مٹی کے ڈھیر کو کہتے ہیں یہاں مراد جماعت اور گروہ ہے کہ دوزخ کے گروہوں میں سے یہ ایک گروہ ہے۔

امیر اور والی کی اہانت نہ کرو

﴿۳۵﴾ وعن زِيَادِبْنِ كُسَيْبِ الْعَدَوِيِّ قَالَ كُنْتُ مَعَ اَبِي بَكْرَةَ تَحْتَ مِنْبَرِ ابْنِ عَامِرٍ وَهُوَ يَخْطُبُ وَعَلَيْهِ ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَقَالَ اَبُوبَلَالٍ اُنْظُرُوا اِلَى اَمِيْرِنَا يَلْبَسُ ثِيَابَ الْفُسَّاقِ فَقَالَ اَبُوبَكْرَةَ اُسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ اَهَانَهُ اللّٰهُ.
(رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَاحَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ.

اور حضرت زیاد ابن کسیب عدوی (تابعی) کہتے ہیں (ایک دن) میں حضرت ابوبکرہؓ (صحابی) کے ہمراہ حضرت عامر کے منبر کے نیچے بیٹھا تھا جب کہ (ابن عامر) خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے باریک کپڑے پہن رکھے تھے (اسی موقع پر ایک تابعی) ابوبلال نے کہا کہ "ذرا تم ہمارے اس امیر کو تو دیکھو، اس نے فاسقوں کے سے کپڑے پہن رکھے ہیں، حضرت ابوبکرہؓ نے کہا "خاموش! میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص بادشاہ کی اہانت کرے گا جس کو اللہ نے (اپنے مخلوق کے کاموں کے انجام دہی کے لئے) زمین پر مقرر کیا ہے تو اللہ

تعالیٰ اس شخص کو ذلیل وخوار کرے گا اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح:

ثیاب الفساق: ممکن ہے اس والی کا لباس ریشم کا ہو جو ممنوع ہے اور عموماً ریشمی لباس نرم ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ریشم کا نہ ہو لیکن زیادہ قیمتی ہو جو اصحاب تعیش کا لباس ہوتا ہے اہل اللہ نے کہا ہے "من رق ثوبه رق دينه"

حضرت ابوبکرہؓ نے حضرت ابو بلال کو اس لعن طعن سے منع کر دیا کہ ممکن ہے کہ اس سے فتنہ وفساد بھڑک اٹھے نیز ہر آنے والا حاکم پہلے والے سے بدتر ہی ہوسکتا ہے۔

"**سلطان الله**" اس میں اضافت تشریفیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم معلوم ہوا جو حاکم اللہ تعالیٰ کا نہ ہو نہ اللہ کے دین کو نافذ کرتا ہو نہ اس پر خود عمل کرتا ہو تو وہ اللہ کا بادشاہ نہیں بلکہ شاید شیطان کا بادشاہ ہوگا۔

خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

﴿۳۶﴾وعن النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (رواه فی شرح السنة)

اور حضرت نواسؓ ابن سمعان کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق کی کسی ایسے حکم کی تابعداری جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی ہو۔ (شرح السنۃ)

قیامت میں ہر بادشاہ باندھ کر لایا جائے گا

﴿۳۷﴾وعن اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ اَمِيرِ عَشَرَةٍ اِلَّا يُؤْتٰى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَغْلُولًا حَتّٰى يَفُكَّ عَنْهُ الْعَدْلُ اَوْيُوبِقَهُ الْجَوْرُ (رواه الدارمی)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امیر وحاکم، خواہ دس ہی آدمیوں کا امیر وحاکم کیوں نہ ہو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی گردن میں طوق ہوگا یہاں تک کہ اس کو اس طوق سے یا تو اس کا عدل نجات دلائے گا یا اس کا ظلم ہلاک کرے گا۔ (دارمی)

توضیح:

امیر عشرہ: یعنی معمولی سا حکمران ہو خواہ دس آدمیوں پر ان کی حکومت ہو۔ "**مغلولا**" غل سے ہے گلے کے طوق کو کہتے ہیں یہاں دونوں ہاتھوں سے باندھا ہوا مراد ہے کہ دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے "**یفک**"، نصر ینصر

سے چھڑانے کے معنی میں ہے "یوبقہ" باب افعال سے ایباق ہلاک کرنے کے معنی میں ہے۔

قیامت کے دن امراء وحکام کی افسوسناک حالت

﴿۳۸﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِلْاُمَرَاءِ وَيْلٌ لِلْعُرَفَاءِ وَيْلٌ لِلْاُمَنَاءِ لَيَتَمَنَّيَنَّ اَقْوَامٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَّ نَوَاصِيَهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِالثُّرَيَّا يَتَجَلْجَلُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَاَنَّهُمْ لَمْ يَلُوْا عَمَلًا (رواه فى شرح السنة ورواه احمد) وَفِي رِوَايَةٍ اَنَّ ذَوَائِبَهُمْ كَانَتْ مُعَلَّقَةً بِالثُّرَيَّا يَتَذَبْذَبُونَ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَكُونُوا عُمِّلُوا عَلَى شَيْءٍ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امراء وحکام پر، افسوس ہے چودھریوں پر، افسوس ہے امینوں پر افسوس ہے! بہت سے لوگ قیامت کے دن آرزو کریںگے کہ (کاش دنیا میں) ان کے پیشانیوں کے بال ثریا میں باندھ کر ان کو لٹکا دیا جاتا اور زمین اور آسمان کے درمیان جھولتے رہتے لیکن ان کو کسی کام کی ولایت اور سرداری نہ ملتی۔ (شرح السنۃ) اور اس روایت کو احمد نے بھی نقل کیا ہے اور انکی روایت یوں ہے وہ آرزو کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کی چوٹیاں ثریا میں باندھ کر انکو زمین وآسمان کے درمیان لٹکا دیا جاتا لیکن ان کو کسی چیز پر عامل مقرر نہ کیا جاتا۔

توضیح:

ویل: یہ لفظ غم وہلاکت اور عذاب کی مشقت کے لئے بولا جاتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ دوزخ میں ایک گڑھے کا نام ہے جس میں چالیس سال تک آدمی گرتا جائے گا اور تہہ تک نہیں پہنچے گا۔

"**اُمَنَاء**" یہ امین کی جمع ہے اور امین اس شخص کو کہتے ہیں جس کو بادشاہ نے صدقات اور محصولات پر مقرر کیا ہو۔ یا عام لوگوں کی امانتوں کا امین مراد ہے اس عہدہ میں خیانت کا بڑا خطرہ ہے آج کل اس کو وزیر مال یا خزانچی کہہ سکتے ہیں۔

"**العرفاء**" یہ عریف کی جمع ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عریف قبیلہ کے اس بڑے کو کہتے ہیں جو اپنے قبیلہ کے معاملات کو سنبھالتا ہے ان کے معاملات کی سرپرستی کرتا ہے اور وقت کے حکمران ان کے توسط سے عوام کے احوال معلوم کرتے رہتے ہیں، دیہاتوں اور قبائل کے سردار اور صوبوں کے گورنر بھی اس میں شامل ہیں (مرقات ج ۷ ص ۲۱۸)

عرفاء میں چودھری، نواب، خان، ملک، لیڈر اور وڈیرے سب داخل ہیں شاعر کہتا ہے۔

؎ أو كلما وردت عكاظ قبيلة بعثوا الى عريفهم يتوسم

"ثریا" کہکشاں ستاروں کو کہتے ہیں جو ایک ساتھ ہوتے ہیں اور ان کی روشنی مدھم ہوتی ہے۔ "یتجلجلون" جو آدمی کسی چیز کے ساتھ لٹک کر حرکت کرتا ہے اس کو تجلجل کہتے ہیں دوسری روایات میں یتذبذبون کا لفظ آیا ہے وہ بھی یہی ہے "یلو" یہ والی اور حاکم بننے کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ لوگ قیامت میں حسرت وندامت کے ساتھ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں تمام مشقتیں اور ذلتیں برداشت کرتے مظلوم رعایا میں رہتے لیکن حکمرانی کے اس فانی عیش وعشرت میں نہ رہتے تاکہ آج عذاب کا یہ بھیانک منہ دیکھنا نہ پڑتا۔ "الآن قد ندمت ولم ینفع الندم"

اکثر چودھری دوزخ میں جائیں گے

﴿۳۹﴾ وعن غَالِبِ الْقَطَّانِ عَنْ رَجُلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعِرَافَةَ حَقٌّ وَلَابُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ عُرَفَاءَ وَلٰكِنَّ الْعُرَفَاءَ فِي النَّارِ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت غالب قطان ایک شخص سے اور وہ شخص اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چودہراہٹ ایک حقیقت ہے اور لوگوں کے لئے چودھری کا ہونا ضروری ہے لیکن چودھری دوزخ میں جائیں گے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

العرافة حق: یہاں حق بمعنی ثابت ہے کہ عرافہ ایک حقیقت ہے یا مطلب یہ کہ عرافہ ثابت رہنا چاہئے "ولابد" یعنی لوگوں کے مختلف کام اور ضروریات ہوتی ہیں اس کو کسی حاکم تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے اور یہ کام عرفاء، اور انہیں چودھریوں کا ہے لیکن اس میں یہ لوگ خیانت بھی کرتے ہیں اور ظلم بھی کرتے ہیں اس لئے عرافہ یعنی چودھراہٹ دوزخ میں ہے اگر ان منکرات سے بچ جائیں تو پھر یہ وعید نہیں ہے۔

ظالم حاکم سے تعاون حرام ہے

﴿۴۰﴾ وعن كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ مِنْ اِمَارَةِ السُّفَهَاءِ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اُمَرَاءُ سَيَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ مَنْ دَخَلَ عَلَيْهِمْ فَصَدَّقَهُمْ بِكِذْبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرِدُوْا عَلَيَّ الْحَوْضَ وَمَنْ لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُصَدِّقْهُمْ بِكِذْبِهِمْ وَلَمْ يُعِنْهُمْ عَلٰى ظُلْمِهِمْ فَاُولٰئِكَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْهُمْ وَاُولٰئِكَ يَرِدُوْنَ عَلَيَّ الْحَوْضَ (رواه الترمذی والنسائی)

اور حضرت کعبؓ ابن عجرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، میں تم کو بیوقوف لوگوں کی سرداری کے طور طریقوں) سے یا ان کی مصاحبت وحمایت) سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔" کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی اس طرح کی سرداری کب ہوگی اور کیونکر ہوگی اور وہ کون لوگ ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد (بعض زمانوں میں) جو لوگ امیر وحاکم ہوں گے وہ احمق ونادان آئین جہانبانی سے نابلد اور جھوٹے اور ظالم ہوں گے، لہٰذا جو لوگ ان (احمق ونادان اور کذاب وظالم امیروں وحاکموں) کے پاس گئے (یعنی ان کی مصاحبت اختیار کی اور ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور اپنے قول وفعل کے ذریعہ) ان کے ظلم کی امداد وحمایت کی تو نہ ان کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میں ان سے کوئی تعلق رکھتا ہوں (بلکہ ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں) اور نہ وہ لوگ حوض پر میرے پاس آئیں گے اور جو لوگ نہ تو ان امیروں وحاکموں کے پاس گئے اور نہ ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور نہ ان کے ظلم کی امداد وحمایت کی تو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ حوض پر میرے پاس آئیں گے۔ (ترمذی، ونسائی)

ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

لا يصلح الناس فوضىٰ لا سراة لهم ولا سراة اذا جهالهم سادوا

کسی حاکم کے بغیر افراتفری میں لوگ درست نہیں ہوسکتے اور اگر جاہل حکمران ہو تو لوگوں کا حکمران ہی نہیں

سربراہان حکومت کی حاشیہ نشینی دین ودنیا کی تباہی کا باعث ہے

﴿۱۴﴾ وعن ابن عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ وَمَنْ اَتَى السُّلْطَانَ اُفْتُتِنَ (رواه احمد والترمذی والنسائی) وَ فِي رِوَايَةِ اَبِي دَاوُدَ مَنْ لَزِمَ السُّلْطَانَ اُفْتُتِنَ وَمَا ازْدَادَ عَبْدٌ مِنَ السُّلْطَانِ دُنُوًّا اِلَّا ازْدَادَ مِنَ اللّٰهِ بُعْدًا.

اور حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص جنگل (دیہات) میں رہتا ہے وہ جاہل ہوتا ہے، جو شخص شکار کے پیچھے پڑا رہتا ہے وہ غافل ہوتا ہے اور جو شخص بادشاہ کے پاس آتا جاتا ہے وہ فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔" (احمد، ترمذی، نسائی) اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ جو شخص بادشاہ کی ملازمت میں رہتا ہے (یعنی اس کے ہاں ہر وقت حاضر باش وحاشیہ نشین اور مددگار رہتا ہے) وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور جو شخص بادشاہ کا جتنا زیادہ قرب چاہتا ہے اتنا ہی اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔

توضیح

من سکن البادیة جفا: جنگل اور دیہات میں سکونت اختیار کرنے والا چونکہ علم اور علماء اور صلحاء کی مجالس سے دور رہتا ہے

شہری ماحول کی تہذیب سے بھی واقف نہیں ہوتا اس لئے ان میں گنوار پن ہوتا ہے آنحضرت نے امر واقعی کا بیان کیا ہے دیہات کے رہنے والوں کی تنقیص مقصود نہیں ہے۔ "ومن التبع الصید" یعنی ایک شخص شکار کے پیچھے ایسا پڑتا ہے کہ نہ کھانے کا خیال ہے نہ نماز کی فکر ہے نہ جان کی پرواہ ہے اور یہ سب کچھ کسی روزی اور حلال رزق کمانے کی نیت سے نہیں ہے بلکہ از راہ عیش اور لہو لعب کے طور پر ہے تو ظاہر ہے یہ خود غفلت اور گناہ ہے اس سے اس شکار کرنے کی ممانعت نہیں ہوتی ہے جس میں یہ مفاسد نہ ہوں کیونکہ آنحضرتؐ نے اگر چہ خود شکار نہیں کیا ہے مگر شکار کا گوشت کھایا ہے اور صحابہ کو اس کے مسائل بتائے ہیں اور اس کو منع نہیں کیا ہے۔

"افتتن" یعنی جو شخص بغیر کسی سخت ضرورت کے بادشاہ کے دربار میں گیا تو وہ فتنہ میں پڑ گیا کیونکہ اگر وہاں بادشاہ کے ناجائز امور میں موافقت کرے گا تو اس کا دین تباہ ہو جائے گا اور اگر مخالفت کرے گا تو اس کی دنیا اور جان خطرہ میں پڑ جائے گی۔ ہاں اگر کسی شخص نے بادشاہ کے دربار میں کلمۂ حق بلند کیا تو وہ تو بڑے اجر کا کام ہے۔

گمنامی راحت کا باعث ہے اور شہرت آفت کا باعث

﴿۴۲﴾ وعن الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَفْلَحْتَ يَاقُدَيْمُ اِنْ مُتَّ وَلَمْ تَكُنْ اَمِيْرًا وَلَاكَاتِبًا وَلَاعَرِيْفًا (رواه ابو داؤد)

اور حضرت مقدامؓ ابن معدیکرب روایت کرتے ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یعنی مقدامؓ کے مونڈھے پر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا اے قدیم! اگر اس حالت میں تمہاری موت ہو کہ نہ تو تم امیر و حاکم ہو، نہ منشی ہو اور نہ چودھری تو تم نے فلاح پائی۔ (ابوداؤد) (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ محبت مقدام کو تصغیر کیساتھ یا قدیم فرمایا)

پٹواریوں اور ٹول ٹیکس لینے والوں کے لئے وعید

﴿۴۳﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ صَاحِبُ مَكْسٍ يَعْنِي الَّذِي يُعَشِّرُ النَّاسَ (رواه احمد و ابو داؤد والدارمی)

اور حضرت عقبہؓ ابن عامر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صاحب مکس جنت میں داخل نہ ہوگا صاحب مکس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد (حاکم کا کار پرداز) ہے جو لوگوں سے خلاف شرع محصولات ٹیکس وصول کرتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد، دارمی)

توضیح:

"صاحب مکس" مکس محصول ٹیکس کو کہتے ہیں جو ناجائز طور پر جگہ جگہ بنے ہوئے ہیں اور ظالمانہ طور پر لوگوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے خواہ وہ ایئرپورٹوں پر ہوں یا دوسرے مقامات پر ہوں یا کسی قسم کے بلوں کی شکل میں ہو جس میں ظلم کیا گیا ہو اور خلاف شرع ٹیکس نافذ کیا گیا ہو وہ سب اس وعید میں داخل ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ کسی حکومت کی تباہی اور ناکامی کے لئے صرف یہ کافی ہے کہ وہ عوام پر بھاری ٹیکس مقرر کرے۔

امام عادل کی فضیلت

﴿۴۴﴾ **وعن اَبِی سَعِیدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَقْرَبَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَشَدَّھُمْ عَذَابًا، وَفِی رِوَایَۃٍ وَاَبْعَدَھُمْ مِنْہُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ (رواہ الترمذی) وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ.**

اور حضرت ابوسعید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور مجلس کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب جو شخص ہوگا وہ عادل امام وحاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ نفرت کا مستحق اور سب سے زیادہ عذاب کا سزاوار! اور ایک روایت میں یہ ہے کہ۔ اللہ سے سب سے زیادہ دور جو شخص ہوگا وہ ظالم امام وحاکم ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں دو شعر ملاحظہ ہوں ۔

کم یرفع اللہ بالسلطان مظلمۃ فی دیننا رحمۃ منہ و دنیانا

لولا الخلیفۃ لم تامن لنا سبل وکان اضعفنا نھبًا لاَ قْوَانا

اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے عادل بادشاہ کے ذریعہ سے ہمارے دین کی کتنی مشکلات دور فرماتا ہے اگر عادل بادشاہ نہ ہوتا تو ہمارا امن تباہ ہوتا اور طاقتور لوگ کمزور لوگوں کو ہڑپ کر جاتے۔

ظالم حاکم کے سامنے حق گوئی سب سے بہتر جہاد ہے

﴿۴۵﴾ **وعنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْجِھَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَۃَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ) وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالنِّسَائِیُّ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِھَابٍ.**

اور حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے بہتر جہاد اس شخص کا ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہے۔" (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) اور احمد و نسائی نے اس حدیث کو طارق ابن شہابؓ سے نقل کیا ہے۔

توضیح:

افضل الجهاد: یہاں "من" کے کلمہ سے پہلے لفظ جہاد مقدر ماننا ضروری ہے "**ای جهاد من قال**" یا **افضل اهل الجهاد** محذوف ماننا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ظالم حاکم کے سامنے صرف زبانی جہاد میدان کارزار کے رزم و بزم سے افضل کیوں ہوا؟ اس کا ایک جواب ملا علی قاریؒ نے مرقات میں دیا ہے جسے حضرت گنگوہی نے "کوکب الدری" میں نقل فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میدان جنگ کا مجاہد امید و بیم کے درمیان میں ہوتا ہے، ہوسکتا ہے وہ دشمن کے ہاتھوں میدان میں شہید ہوجائے اور ممکن ہے کہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوجائے لیکن ظالم حاکم کے سامنے حق کا کلمہ کہنا یقینی موت کو دعوت دینا ہے کیونکہ اگر صحیح معنوں میں اس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا ہے تو چونکہ یہ ظالم کے ہاتھ اور قابو میں ہے لہٰذا ان کا بچ نکلنا مشکل ہے اور جو شخص جانتا ہے کہ اس کلام کی پاداش میں مجھے موت ملے گی اور پھر بھی اس کی جرأت کرتا ہے تو یہ بہت بڑا اقدام ہے اس لئے یہ افضل جہاد قرار دیا گیا۔

دوسرا جواب بھی شیخ مظہر کے حوالہ سے ملا علی قاریؒ ہی نے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ظالم حاکم کے ظلم کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے اور اس کو راہ راست پر لانے میں لاکھوں مسلمانوں کی بھلائی اور فائدہ ہے اس لئے عموم نفع کے پیش نظر یہ اس جہاد سے افضل ہے جس جہاد کا نفع اس نفع سے محدود ہے بہر حال کچھ لوگ صرف زبانی جمع خرچ کو افضل جہاد قرار دینے لگتے ہیں یہ اس حدیث کے مفہوم میں کوتاہ نظری ہے اور جہاد مقدس سے طبعی نفرت کا نتیجہ ہے۔ مجاہدین ہی تو حکمرانوں سے برسر پیکار رہتے ہیں یہ کلمۂ حق اور دعوت حق کی مہم نہیں تو کیا کسی سرمایہ اور تجارت کی جنگ ہے؟

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

حکمرانوں کے صالح مشیر اس کی فلاح کا باعث ہوتے ہیں

﴿۴۶﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِالْاَمِيْرِ خَيْرًا جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ صِدْقٍ اِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ وَاِذَا اَرَادَ بِهٖ غَيْرَ ذٰلِكَ جَعَلَ لَهٗ وَزِيْرَ سُوْءٍ اِنْ نَسِيَ لَمْ يُذَكِّرْهُ وَاِنْ ذَكَرَ لَمْ يُعِنْهُ (رواه ابو داؤد والنسائی)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ امیر (حکمران) کی (دینی و دنیاوی) بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے سچا (یعنی راست گفتار و راست کردار) وزیر و مشیر مقرر فرما دیتا ہے کہ جب وہ امیر (خدا کے احکام کو) بھول جاتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد دلاتا ہے اور اگر وہ یاد رکھتا ہے تو وہ وزیر اس کو (یاد رکھنے میں) مدد دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی امیر کی بھلائی کا ارادہ نہیں کرتا تو اس پر بد وزیر و مشیر مسلط کر دیتا ہے۔ اگر امیر خدا کے احکام کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ وزیر اس کو یاد نہیں دلاتا اور اگر وہ فراموش نہیں کرتا تو وہ وزیر اس کی مدد نہیں کرتا۔ (ابوداؤد، نسائی)

توضیح:

اس حدیث کی تشریح کی ضرورت نہیں صرف دو شعر پر اکتفاء کافی ہے

اضاع الخلافة غشُّ الوزير   وفسق الامير و جهلُ المشير

ترجمہ: خلافت اسلامیہ کو وزیر کی دھوکہ بازی وزیر اعظم کے فسق و فجور اور مشیر کی جہالت نے برباد کر دیا

پس فخر امام وزیر قانون ہے مشاہد حسین مشیر ہے دونوں وزیر اعظم نواز شریف کی تباہی چاہتے ہیں

ففخر وزير مشاهد مشير   يريدان مافيه حتف الامير

پاکستانی حکومت کے ایک دور حکومت کے وزیر اعظم اور ایک وزیر اور ایک مشیر کی طرف اشارہ ہے۔

حاکم کی بدگمانی رعیت کو برباد کر دیتی ہے

﴿۴۷﴾وعن ابى اُمامَةَ عَنِ النَّبىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْاَمِيْرَ اِذَا ابْتَغٰى الرِّيْبَةَ فِى النَّاسِ اَفْسَدَهُمْ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابوامامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا حکمران جب لوگوں میں شک و شبہ کی بات ڈھونڈتا ہے تو لوگوں کو خراب کر دیتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

الريبة: اس ارشاد گرامی سے ایک بین الاقوامی قانون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ملک و ملت کی سالمیت اور قوموں کی فلاح و بہبود اور حاکم و محکوم کے درمیان خوشگوار تعلقات کے لئے یہ ضروری ہے کہ حاکم اور رعایا کے درمیان مکمل اعتماد کی فضاء قائم ہو ہر حاکم کو چاہئے کہ وہ غور سے اس بات کو سوچ لے کہ ان کو اپنی رعایا کی بھرپور تائید کی ضرورت ہے اگر ایک تنگ نظر اور کم

ظرف حکمران اپنی رعایا کے بارے میں مسلسل شک اور شبہ میں مبتلا رہتا ہے اور رعایا کی وفاداری اور ان کی نقل وحرکت پر بدگمانی کرتا ہے اور جھوٹے الزامات پر بے دھڑک ان کو تنگ کرتا رہتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارتا ہے اور اپنی جڑیں کھودتا ہے اب جس طرح حاکم رعایا کے کسی طبقے کو بلاوجہ بدگمانی کا نشانہ بنا کر عقوبت خانوں میں ڈالدیتا ہے تو عوام کے مخالفانہ جذبات اور شک وشبہ کے رجحانات بڑھیں گے اور یہی حکومت کی تباہی ہے۔

﴿۴۸﴾وعن مُعاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اِنَّکَ اِذَا اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَّهُمْ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

اور حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جب تم لوگوں کے (پوشیدہ) عیوب کو تلاش کرو گے تو ان کو خرابی میں مبتلا کرو گے۔(بیہقی)

حق تلفی کرنے والے حاکم کے خلاف تلوار اٹھانے سے صبر کرنا بہتر ہے

﴿۴۹﴾وعن اَبِی ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتُمْ وَائِمَّةً مِنْ بَعْدِی يَسْتَأْثِرُونَ بِهٰذَا الْفَيْئِ قُلْتُ اَمَا وَالَّذِی بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اَضَعُ سَيْفِی عَلٰى عَاتِقِی ثُمَّ اَضْرِبُ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاکَ قَالَ اَوَلَا اَدُلُّکَ عَلٰى خَيْرٍ مِنْ ذٰلِکَ تَصْبِرُ حَتّٰى تَلْقَانِی (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں مخاطب کرکے) فرمایا' میرے بعد تم حاکموں اور سرداروں کے ساتھ اس وقت کیا برتاؤ کرو گے جب کہ وہ اس فئی کو خود رکھ لیں گے (آیا صبر کی راہ اختیار کرو گے یا ان کے خلاف تلوار اٹھاؤ گے؟) میں نے عرض کیا'' سن لیجئے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے میں! اپنی تلوار کاندھے پر رکھوں گا اور (پھر اس کے سبب) آپ سے جاملوں گا آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں اس تلوار اٹھانے سے بہتر بات نہ بتادوں؟ (تو سنو) تم اسوقت صبر کی راہ اختیار کرنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آملو! (کیونکہ کسی دنیاوی حق کے تلف ہونے کی صورت میں تلوار اٹھانے سے صبر کرنا اور خاموش رہنا بہتر ہے اور دنیا کی چیزوں سے بے رغبتی اور زہد کے شایان شان بھی ہے۔ابوداؤد)

توضیح:

اضع سیفی: یعنی گلے میں تلوار لٹکا کر ان کے مارنے کے لئے نکل آؤں گا اور جو کوئی ملے گا اس کی گردن اڑاؤں گا۔

مسلمانوں کی آپس کی جنگوں میں شریعت کا حکم

جب مسلمان آپس میں لڑ رہے ہوں اور یہ معلوم نہیں ہوتا ہو کہ وہ کیوں لڑ رہے ہیں تو ایسے مواقع کے لئے الگ الگ احادیث وارد ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خوب لڑو اور جماعت حقہ کو غالب کراؤ تا کہ اہل حق کا بول بالا رہے صحابہ کے ایک بڑے طبقے کا یہی نظریہ تھا، دوسری قسم وہ روایات ہیں جس میں آیا ہے کہ تم گھر میں چھپ جاؤ اور اندر گھس جاؤ تلواریں توڑ دو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہی رائے ہے اور صحابہ کا ایک طبقہ اسی طرف گیا ہے۔ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں کہ اگر فتنہ گھروں میں آجائے تو دفاع کرو صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے یہی تھی۔ تو تین قسم کی روایات تین طبقوں نے اپنے اپنے مزاج کے مطابق قبول کرلیں لیکن حق کی سربلندی کے لئے میدان میں نکل آنا جمہور صحابہ کا معمول رہا ہے۔

۷ امحرم الحرام ۱۴۱۸ھ

الفصل الثالث

امام عادل کی فضیلت

﴿۵۰﴾ عن عائشة عن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال اتدرون من السّابقون الى ظلّ الله عزّوجلّ يوم القيامة قالوا الله ورسوله اعلم قال الّذين اذا اعطوا الحقّ قبلوه واذا سئلوه بذلوه وحكموا للنّاس كحكمهم لانفسهم.

اور حضرت عائشہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا جانتے ہو قیامت کے دن اللہ عزوجل (کے عرش یا اس کے لطف وکرم کے) سایہ کی طرف سبقت لے جانے والے کون لوگ ہیں؟ (یعنی قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ اللہ تعالیٰ کے عرش یا اس کے فضل وکرم کے سایہ میں جائینگے؟) صحابہ نے عرض کیا ''اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جاننے والے ہیں'' آپؐ نے فرمایا ''سبقت لے جانے والے وہ لوگ ہیں جن کے سامنے حق بات رکھی جاتی ہے تو قبول کرتے ہیں، جب ان سے حق کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ خرچ کرتے ہیں اور لوگوں کے حق میں وہی فیصلہ کرتے ہیں جو اپنی ذات کے بارے میں کرتے ہیں۔''

توضیح:

السابقون: چونکہ اس حدیث میں آگے جو تین باتیں مذکور ہیں ان میں سے بعض کا تعلق بلا واسطہ حکمرانوں سے ہے اور بعض کا تعلق بالواسطہ ان سے ہے اس لئے اس حدیث کو باب الامارہ میں لایا اور عنوان میں عادل امام کی فضیلت کا عنوان باندھا

ورنہ " السابقون " کے جملہ میں عادل حکمران کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

عادل حکمرانوں کی پہلی صفت تو یہ ہے کہ جب ان کے سامنے رعایا کی بھلائی اور بہتری کے لئے کوئی حق بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے قبول کر کے اس پر عمل کرتے ہیں۔

دوسرا وصف عادل حکمرانوں کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب رعایا ان سے اپنا حق مانگتی ہے تو وہ اسے دیتے ہیں اور ان کی بھلائی اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے میں خرچ کرتے ہیں اور اس میں بخل نہیں کرتے ہیں۔

تیسری صفت عادل حکمرانوں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عدل وانصاف اور مساوات کے کانٹے پر پورے اترتے ہیں، وہ جو فیصلہ لوگوں کے متعلق کرتے ہیں وہی فیصلہ اپنے بارے میں کرتے ہیں، جو چین وراحت اور جو سہولت اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہی اصول دوسروں کے لئے بھی پسند کرتے ہیں، یہ نہیں کہ اپنے امتیازات اور قواعد الگ ہوں اور لوگوں کے لئے الگ ہوں بلکہ انصاف کے ترازو میں دونوں برابر اور پورے پورے اترتے ہیں یہ بہترین حکمران ہیں۔

حکمرانوں کے ظلم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف

﴿۱۵﴾وعن جابر بن سمرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ثلاثة اخاف على أمتي الاستسقاء بالانواء وحيف السلطان وتكذيب بالقدر.

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں اپنی امت کے بارے میں تین باتوں سے ڈرتا ہوں کہ (کہیں وہ ان کو اختیار کر کے گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے) ایک تو چاند کی منازل کے حساب سے بارش مانگنا، دوسرے بادشاہ کا ظلم کرنا اور تیسرے تقدیر کا جھٹلانا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ تقدیر الٰہی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ انسان جو بھی فعل کرتا ہے وہ خود اس کا خالق ہوتا ہے جیسا کہ ایک جماعت قدریہ کا مسلک ہے۔

توضیح:

الاستسقاء بالانواء : یہ نوء کی جمع ہے پچھتر ستارے کو کہا جاتا ہے جو موسم ربیع میں ظاہر ہو کر آتا ہے، جس کی وجہ سے عرب کے جاہلیت کے عقیدہ کے مطابق بارش بڑھ جاتی ہے۔

ابو طیب متنبی نے کہا ہے

جمد القطار ولورته کماتری بجست کما تتبجس الانواء

نہایہ ابن اثیر میں لکھا ہے کہ انواء چاند کے ۲۸ منازل اور برجوں کے نام ہیں ہر رات چاند اس میں سے ایک منزل

میں اترتا ہے اور اٹھائیس راتوں میں اپنی منازل پوری کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ چاند دو راتوں میں غائب رہتا ہے بہر حال جب مغرب میں ایک منزل اور برج غروب ہوتا ہے تو اسی وقت مشرق میں اس کا ایک منزل اور برج طلوع ہوتا ہے عرب کا جاہلیت میں خیال تھا کہ اس سقوط اور طلوع کے زمانے میں سخت بارشیں ہوتی ہیں، اسلام نے اس کو منع کر دیا کیونکہ بارش کا ہونا نہ ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کسی ستارے یا برج مثلاً سہیل ستارہ یا سہیلی ستارہ کی طرف نسبت کرنا باعث شرک ہے۔

"**وحیف السلطان**" حیف ظلم و جور کو کہتے ہیں چنانچہ سلاطین کے مظالم نے دنیا کو پریشان کر رکھا ہے۔ رحمان بابا نے اپنے کلام میں پشاور کے ظالم حکمرانوں کے متعلق کہا ہے

پہ سبب دہ ظالمانو حاکمانو اور او گور او پیبنور دریوازہ یودی

"**وتکذیب بالقدر**" یعنی تقدیر کا انکار اس کی تفصیل باب الایمان بالقدر میں دیکھنا چاہئے۔

بلا وجہ نہ تو امین بنو اور نہ حاکم بنو

۵۲ وعن ابی ذرٍّ قَالَ قَالَ لِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سِتَّۃَ اَیَّامٍ اِعْقِلْ یَااَبَاذَرٍّ مَایُقَالُ لَکَ بَعْدُ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ السَّابِعُ قَالَ اُوْصِیْکَ بِتَقْوَی اللّٰہِ فِی سِرِّاَمْرِکَ وَعَلَانِیَتِہٖ وَاِذَااَسَأْتَ فَاَحْسِنْ وَلَاتَسْأَلَنَّ اَحَدًاشَیْئًا وَاِنْ سَقَطَ سَوْطُکَ وَلَاتَقْبِضْ اَمَانَۃً وَلَاتَقْضِ بَیْنَ اثْنَیْنِ.

اور حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھ دن تک مجھ سے یہ فرماتے رہے کہ ابوذر! بعد میں جو بات تم سے کہی جانے والی ہے اس کے لئے تیار رہو (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھ دن تک مجھے آگاہ کرتے رہیکہ میں تمہیں ایک ہدایت دوں گا تم اس پر خوب غور کرنا اس کو یاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا) چنانچہ جب ساتواں دن ہوا تو آپ نے فرمایا ''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں اللہ سے ڈرتے رہنا، جب تم سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ہی نیکی بھی کرنا کیونکہ وہ برائی کو مٹا دیتی ہے یا یہ مقصد ہے کہ اگر تم کسی کے ساتھ کوئی برا سلوک کر بیٹھو تو اس کے ساتھ (نیکی کا سلوک بھی کرو) کسی (مخلوق) کے آگے دست سوال دراز نہ کرنا اگرچہ تمہارا کوڑا ہی کیوں نہ گر پڑا ہو (یعنی اگر کوڑا گرے تو اس کے اٹھانے کے لئے بھی کسی سے نہ کہو) کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھنا اور دو آدمیوں کے درمیان حَکَم نہ بننا۔

توضیح:

ستة ایام: یہ ظرف واقع ہے قال کے لئے یعنی چھ دن سے مسلسل حضور اکرمؐ مجھے فرماتے رہے کہ اے ابوذرؓ بعد میں جو بات کہی

جارہی ہے اس کو غور سے سنو اور خوب سمجھ لو اور اس پر عمل کرو۔ "اعقل یا اباذر" یہ اسی قال کا مقولہ ہے بیچ میں ظرف واقع تھا۔
" ولا تقبض امانة" یعنی کسی کی امانت اپنے پاس مت رکھو کیونکہ نفس پر بھروسہ نہیں اور حالات کا اندازہ نہیں۔
" ولا تقض بين اثنين " یعنی دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرو، دو کی قضا سے جب منع کر دیا گیا تو زیادہ سے بطریق اولی منع کیا یعنی دو پر بھی قاضی نہ بنو ممکن ہے آنحضرت کا یہ حکم ابوذرؓ کی خصوصی معروضی حالت کی وجہ سے تھا کہ تم یہ کام نہ کرو دوسروں کو چھوڑ دو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو یہ پانچ باتیں بتائی گئیں (۱) تقویٰ اختیار کرو (۲) برائی کے بعد فوراً نیکی کرو (۳) کسی سے کچھ نہ مانگو (۴) کسی کی امانت اپنے پاس نہ رکھو (۵) دو آدمیوں کے درمیان بھی قضاء نہ کرو یعنی ان کا قاضی اور حکم نہ بنو۔

حکومت کے تین مرحلے

﴿۵۳﴾ وعن ابی اُمامة عن النبیؐ صلی الله علیه وسلم انه قال مامن رجلٍ یلی امر عشرة فمافوق ذلک الّا اتی الله عزوجل مغلولا یوم القیامة یده الی عنقه فکّه برّه او اوبقه اثمه اوّلها ملامة واوسطها ندامة وآخرها خزیٌ یوم القیامة.

اور حضرت ابو امامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے دس آدمیوں کی (بھی) یا اس سے زائد لوگوں کی حکمرانی قبول کی اس کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس طرح طوق میں جکڑا ہوا حاضر کرے گا (یعنی میدان حشر میں اٹھائے گا) کہ اس کے ہاتھ نے اس کی گردن کو جکڑ رکھا ہوگا یہاں تک کے یا تو اس کی نیکی اس کو چھڑائے گی (یعنی اگر اس نے دنیا میں اپنے زیردستوں کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ اور حسن سلوک کیا ہوگا تو یہ اس کی نجات کا باعث بنے گا) یا اس کا گناہ اس کو ہلاکت میں مبتلاء کر دے گا۔ (یاد رکھو) سرداری وحکمرانی کی ابتداء ملامت ہے اس کا درمیان پشیمانی وندامت ہے اور اس کا آخر قیامت کے دن ذلت ورسوائی ہے۔

توضیح:

مغلولا: یعنی ہر قسم کا بادشاہ اللہ تعالیٰ کے سامنے زنجیروں میں جکڑا ہوا ہاتھوں سے بندھا ہوا آئے گا پھر اگر عدل وانصاف کیا تو عدالت اس کو چھڑا دیگی ورنہ بندھے ہاتھوں دوزخ میں ڈالا جائے گا۔
"اولها ملامة" یعنی حکومت کا پہلا مرحلہ تو لوگوں کے الزامات سننے کا ہے ادھر سے اعتراض ادھر سے اعتراض، کہ ناجائز طریقہ سے برسر اقتدار آگیا ہے چور دروازہ سے آیا ہے دھونس دھاندلی سے آگیا ہے رشوت دیکر آگیا ہے نااہل ہے جب الزامات کا مرحلہ گذر جاتا ہے تو اب حکومت کی ذمہ داریوں کا زمانہ آجاتا ہے کیونکہ !

خدائی اہتمام خشک وتر ہے خداوندا خدائی درد سر ہے

مگر یہ بندگی استغفر اللہ یہ درد سر نہیں درد جگر ہے

حاکم بیچارہ محنتیں اٹھاتا ہے لیکن رعایا کے مسائل حل نہیں کر پاتا تو دل برداشتہ ہو کر سوچنے لگ جاتا ہے کہ میں کیوں حکمران بنا۔ آخر میں اپنے ہاتھوں خود اس مصیبت میں کیوں ڈوب گیا یہ درمیانہ درجہ ندامت کا ہے جس کی طرف حدیث میں واوسطها ندامه سے اشارہ کیا گیا ہے۔

"و آخرها خزی" یعنی تیسرا مرحلہ رسوائی کا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی رسوائی ہے آخرت کی رسوائی کا منظر تو اسی حدیث میں مغلولاً کے لفظ سے واضح ہو گیا ہے اور دنیا میں بھی کبھی معزول کیا جاتا ہے کبھی مارا جاتا ہے کبھی پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ کبھی گرفتار کیا جاتا ہے کبھی ملک سے بھگا دیا جاتا ہے اور سمندر پار جزیروں میں مارے مارے پھرتا ہے۔

حضرت معاویہؓ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

﴿۵۴﴾وعن مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَامُعَاوِيَةُ اِنْ وُلِّيتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ قَالَ فَمَازِلْتُ اَظُنُّ اَنِّي مُبْتَلًى بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اُبْتُلِيتُ.

امیر معاویہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم نے مجھ سے فرمایا "معاویہ! تمہیں اگر کسی کام (یا کسی جگہ) امیر و حاکم بنایا جائے تو امور حکومت کی انجام دہی میں) اللہ سے ڈرتے رہنا اور عدل اور انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں برابر خیال کرتا رہا کہ میں آنحضرتؐ کے فرمانے کے بموجب کسی کام (یعنی امارت وسرداری) میں مبتلا کیا جاؤں گا۔ یہاں تک کہ میں مبتلا کیا گیا (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان صحیح ہوا اور امارت وسرداری مجھے نصیب ہوئی)۔

﴿۵۵﴾وعن اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنْ رَأْسِ السَّبْعِيْنَ وَاِمَارَةِ الصِّبْيَانِ (روى الاحاديث الستة احمد)وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ حَدِيْثَ مُعَاوِيَةَ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ.

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر سال کی ابتداء سے اور بچوں کی حکومت سے اللہ کی پناہ مانگو۔ مذکورہ بالا چھ حدیثوں کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح:

رأس السبعین: ستر سال کی ابتداء ۶۱ھ سے ہوتی ہے ۶۰ھ کے آخر میں حضرت معاویہؓ کا دور حکومت ان کی وفات پر ختم

ہو گیا اور یزید کی حکومت کی ابتدا ہوگئی جس کے ساتھ صحابہ کی حکومت کا مبارک سایہ دنیا سے اٹھ گیا اور افراتفری اور انتشار وفساد کا دور شروع ہو گیا یزید تین سال آٹھ ماہ حکومت کر کے دنیا سے چلا گیا ان کے بڑے بڑے مکروہ کاموں میں سے ایک بدنما واقعہ کربلا میں پیش آیا جس میں سیدنا حضرت حسینؓ شہید کر دیئے گئے یزید کے بعد اقتدار کی کمان بنوسفیان خاندان سے نکل کر مروان کے ہاتھ میں آ گئی حدیث میں انہی بنو مروان کی حکومت کو بچوں کی حکومت سے تعبیر کیا گیا ہے ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے منبر پر بنو مروان کے بچے کھیل رہے ہیں حجاج بن یوسف کے تمام مظالم اور ولید فاسق کی حکومت نے آخر کونسا ظلم چھوڑا اور نہ کرنے کا کونسا کام نہیں کیا۔ بنو مروان کے دور حکومت میں بے شک دین سلام کی ترقی بھی ہوئی اور جہاد کو فروغ بھی ملا لیکن جو چند ظالم ان میں آئے ہیں انہوں نے دنیا کا نقشہ بدنما کر دیا۔ افسوس اس پر ہے کہ حسینؓ کی موجودگی میں یزید اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی موجودگی میں حجاج بن یوسف کرسی کے لئے ان سے لڑ رہے ہیں۔

جیسے عمل کرو گے ویسے ہی حکمران مقرر ہوں گے

﴿۵۶﴾ وعن يَحْيٰى بْنِ هَاشِمٍ عَنْ يُونُسَ بْنِ اَبِي اِسْحَاقَ عَنْ اَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَاتَكُونُ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ.

اور حضرت یحیٰ بن ہاشم، حضرت یونس ابن اسحاق سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جیسے تم ہوں گے ویسے ہی تم پر حکمران مقرر کیے جائیں گے۔

توضیح:

مطلب یہ ہے کہ حکمران آخر اسی معاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں، اگر معاشرہ برا ہے تو حکمران برے آئیں گے اگر معاشرہ اچھا ہے تو اچھے حکمران پیدا ہوں گے اردو محاورہ ہے جیسے روح ویسے فرشتے جیسے دوسری حدیث میں آیا ہے ''اعمالکم عمالکم'' جیسے فارسی میں کسی نے کہا۔

ے آدمیان گم شدند ملک خدا خر گرفت — شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

ے گندم از گندم بروید جو زجو — از مکافات عمل غافل مشو

ے گل گئے گلشن گئے پھولوں کے پتے رہ گئے — جو لوگ تھے وہ مر گئے الو کے پٹھے رہ گئے

عادل بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہوتا ہے۔

﴿۵۷﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ يَأْوِيْ

اِلَیْہِ کُلُّ مَظْلُومٍ مِنْ عِبَادِہٖ فَاِذَا عَدَلَ کَانَ لَہُ الْاَجْرُ وَعَلَی الرَّعِیَّۃِ الشُّکْرُ وَاِذَا جَارَ کَانَ عَلَیْہِ الْاِصْرُ وَعَلَی الرَّعِیَّۃِ الصَّبْرُ.

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بادشاہ روئے زمین پر خدا کا سایہ ہے جس کے نیچے خدا کے بندوں میں سے مظلوم بندہ پناہ حاصل کرتا ہے لہٰذا جب بادشاہ عدل وانصاف کرتا ہے تو اس کو ثواب ملتا ہے اور رعایا پر اس کا شکر واجب ہوتا ہے اور جب وہ ظلم وطغیانی کرتا ہے تو وہ گناہگار ہوتا ہے اور رعایا پر صبر لازم ہوتا ہے۔

توضیح:

ظل اللّٰہ : جس طرح کسی چیز کا سایہ سورج کی تپش کو روک لیتا ہے اور مخلوق خدا کو ایذارسانی سے روک دیتا ہے اسی طرح بادشاہ اپنی رعیت کے لوگوں کو مختلف قسم کی سختیوں اور ایذارسانیوں سے روکتا ہے **انما الامام جنۃ** کا جو مفہوم ہے وہی مفہوم اس حدیث کا بھی ہے ''ظل اللہ'' میں اضافت تشریفیہ ہے۔

قیامت کے دن سب سے بلند مرتبہ نرم خو اور عادل حکمران ہوگا

﴿۵۸﴾ وعن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَفْضَلَ عِبَادِاللّٰہِ عِنْدَاللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِمَامٌ عَادِلٌ رَفِیْقٌ وَاِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰہِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِمَامٌ جَائِرٌ خَرِقٌ.

اور حضرت عمرؓ بن خطاب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں بلند مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بہتر جو شخص ہوگا وہ عادل اور نرمی کرنے والا حاکم ہے اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بندوں میں مرتبہ کے اعتبار سے سب سے بدتر جو شخص ہوگا وہ ظالم اور سختی کرنے والا حاکم ہے۔

کسی مسلمان کو صرف ڈرانا دھمکانا بھی ممنوع ہے

﴿۵۹﴾ وعن عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَظَرَ اِلٰی اَخِیْہِ نَظْرَۃً یُخِیْفُہُ اَخَافَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (روی الاحادیث الاربعۃ البیہقی فی شعب الایمان) وَقَالَ فِی حَدِیْثِ یَحْیٰ ھٰذَا مُنْقَطِعٌ وَرِوَایَتُہُ ضَعِیْفٌ.

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے کسی بھائی کی طرف ڈراوے والی نظر سے دیکھے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ڈرائے گا'' مذکورہ چاروں روایتوں کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا

ہے اور یحییٰ ابن ہاشم کی روایت کے بارے میں کہا ہے کہ یہ منقطع ہے اور یحییٰ کی روایت ضعیف (سمجھی جاتی) ہے۔

توضیح:

یخیفه اخافه الله: اس حدیث کو اس باب میں لانے کا مقصد یہ ہے کہ جب قتل کے بغیر کسی مسلمان کو صرف ڈرانا دھمکانا اتنا بڑا گناہ ہے تو اس سے آگے تجاوز کر کے اس کے قتل کرنے کا جرم کتنا بڑا ہوگا۔

﴿۶۰﴾وعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُوْلُ اَنَا اللّٰهُ لَااِلٰهَ اِلَّااَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ وَمَلِکُ الْمُلُوکِ قُلُوبُ الْمُلُوکِ فِی يَدِی وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِی حَوَّلْتُ قُلُوبَ مُلُوکِهِمْ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّأْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَاعَصَوْنِی حَوَّلْتُ قُلُوبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ فَلَاتَشْغَلُوا اَنْفُسَكُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوکِ وَلٰكِنْ اِشْغَلُوااَنْفُسَكُمْ بِالذِّكْرِ وَالتَّضَرُّعِ كَیْ اَكْفِيَكُمْ مُلُوكَكُمْ (رواه ابونعيم فی الحلية)

اور حضرت ابودرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ (حدیث قدسی) میں ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضہ قدرت) میں ہیں لہٰذا جب میرے (اکثر) بندے میری اطاعت وفرمان برداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (ظالم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت اور شفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (عادل اور نرم خو) بادشاہوں کے دلوں کو غضبناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت عقوبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لئے (ایسی صورت میں) تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لئے بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع وزاری کر کے) اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو تاکہ میں تمہارے ان بادشاہوں کے شر سے تمہیں بچاؤں۔" اس روایت کو ابونعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔"

توضیح

یعنی بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں اگر تم صحیح رہے تو میں ان کو صحیح کر دوں گا اور اگر تم صحیح نہ ہوئے تو میں ان کے دلوں کو سخت کر دوں گا پھر وہ تمہیں سخت سزائیں دیں گے لہٰذا تم میری اطاعت کرو اور ذکر وفکر میں لگے رہو میں تمہاری طرف سے ان کے لئے کافی ہو جاؤں گا یعنی ان کی شرارت سے تمہیں محفوظ رکھوں گا۔

باب ماعلي الولاة من التيسير

حاکموں پر نرمی واجب ہونے کا بیان

دین اسلام کا یہ مزاج ہے کہ وہ انسانوں کے معاملات اور حقوق میں طرفین کو ایک دوسرے کے قریب کر دیتا ہے اسلام دونوں طرف کے لوگوں کو حقوق کی ادائیگی کا احساس دلاتا ہے اسلام اگر مامور کو نصیحت کرتا ہے تو وہیں پر امراء کو بھی نصیحت کرتا ہے چنانچہ اس سے پہلے احادیث میں زیادہ تر رعایا کو نصیحت تھی کہ اپنے حاکموں کی اطاعت کرو اب حاکموں کو نصیحت کی جارہی ہے کہ تم نرمی کرو اور رعایا پر شفقت کرو اور ہر قسم کی آسانی مہیا کر لیا کرو۔

الفصل الاول

حاکموں کو چاہئے کہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی کریں

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی مُوسٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَابَعَثَ اَحَدًامِنْ اَصْحَابِہٖ فِی بَعْضِ اَمْرِہٖ قَالَ بَشِّرُوْا وَلَاتُنَفِّرُوْا وَیَسِّرُوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا (متفق علیه)

حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی صحابیؓ کو اپنے کسی کام پر مامور کر کے (یعنی کسی جگہ کا حاکم بنا کر) بھیجتے تو ان کو یہ ہدایت فرماتے (طاعات وعبادات اور نیک کام کرنے پر) اجر وثواب کی بشارت دیتے رہنا اور ان (کو ان کے گناہوں پر خدا کے عذاب سے اتنا زیادہ) مت ڈرانا (کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جائیں) نیز (لوگوں کیساتھ) آسانی کا برتاؤ کرنا (یعنی ان سے زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی میں نرمی وآسانی کا طریقہ اختیار کرنا) اور (لوگوں سے زکوٰاۃ وغیرہ کا مال واجب مقدار سے زیادہ وصول کر کے) ان کو دشواری اور تنگی میں مبتلا نہ کرنا۔ (بخاری ومسلم)

﴿۲﴾ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَسِّرُوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا وَسَکِّنُوْا وَلَاتُنَفِّرُوْا (متفق علیه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاکموں اور عاملوں کیلئے) فرمایا (لوگوں کے ساتھ) آسانی کا برتاؤ کرو (ان کو مشکلات اور سختیوں میں مبتلا نہ کرو انکو خدا کی نعمتوں کی بشارت کے ذریعہ) تسکین وتسلی دو، ان کو (خدا کے عذاب سے بہت زیادہ ڈرانے کے ذریعہ یا ان پر ایسے دشوار اور سخت بوجھ ڈال کر کہ جو ان کو خدا کی نافرمانی پر مجبور کر دے) نفرت وخوف میں مبتلا نہ کرو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت معاذؓ کو آنحضرت کی نصیحت

﴿۳﴾وعن ابی بردة قال بعث النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم جدّہ اباموسٰی ومعاذًا الی الیمن فقال یسّرا ولاتعسّرا وبشّرا ولاتنفّرا وتطاوعا ولاتختلفا (متفق علیه)

اور حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دادا یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا اور ان سے فرمایا کہ آسانی کا برتاؤ کرنا، مشکلات اور سختیوں میں مبتلا نہ کرنا بشارت دیتے رہنا، خوف و مایوسی میں مبتلا نہ کرنا، باہم اتفاق و اتحاد کے ساتھ کام کرنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

جدہ : ابو بردہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کے بیٹے ہیں پوتے نہیں ہیں تو وہ کیسے کہتے ہیں کہ میرے دادا کو حضور اکرمؐ نے روانہ فرمایا ہونا یہ چاہئے تھا کہ ابو بردہ کے بجائے ابن ابی بردہ کا لفظ ہوتا تو ابو بردہ کے بیٹے کے جد اور دادا ابوموسی اشعری تھے مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں ابو بردہ لکھا ہوا ہے ہوسکتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہو بہر حال پڑھنے والے کو ابن ابی بردہ پڑھنا چاہئے۔

قیامت کے دن عہد شکن کی رسوائی

﴿۴﴾وعن ابن عمر انّ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال انّ الغادر ینصب لہ لواءٌ یوم القیامة فیقال ھٰذہ غدرة فلان بن فلان (متفق علیه)

اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن عہد شکن (کی فضیحت و رسوائی کے لئے) ایک نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی کی علامت ہے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۵﴾وعن انسٍ عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال لکلّ غادرٍ لواءٌ یوم القیامة یعرف بہ (متفق علیه)

اور حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان (مقرر) ہوگا جس کے ذریعہ وہ پہچانا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

حشر میں غدار کی سزا

﴿۶﴾وعن ابی سعیدٍ عن النبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال لکلّ غادرٍ لواءٌ عند استہ یوم القیامة، وفی روایة لکلّ غادرٍ لواءٌ یوم القیامة یرفع لہ بقدر غدرہ الا ولاغادر اعظم غدرًا من امیر عامّة (رواہ مسلم)

اور حضرت ابو سعیدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "قیامت کے دن ہر عہد شکن (کی

رسوائی وفضیحت کی تشہیر) کے لئے اس کے مقعد کے قریب ایک نشان ہوگا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ "قیامت کے دن ہر عہد شکن کے لئے ایک نشان ہوگا جو اس کی عہد شنی کے بقدر بلند کیا جائے گا (یعنی اس کی جتنی زیادہ عہد شکنی ہوگی اس قدر وہ نشان اور اس کی تشہیر زیادہ ہوگی) خبردار! کوئی عہد شکن، عہد شکنی کے اعتبار سے امام عام (یعنی حکمران وقت) سے بڑا نہیں (یعنی حکمران کی عہد شکنی سب سے بڑی عہد شکنی ہے۔ (مسلم)

توضیح:

ولا غادر اعظم: اس جملہ کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ ایک امیر بغاوت کر کے خلیفۃ المسلمین کے خلاف عوام کو بھڑکا دے اور بغاوت کر کے حکومت پر ناجائز قبضہ جمالے نہ اہل رائے سے مشورہ ہو نہ خیر اور بھلائی کی فکر ہو صرف زبردستی اور تغلب سے ملک پر قابض ہو گیا ہو اس صورت میں " من امیر عامة" خود یہی قابض بادشاہ ہوگا کہ اس سے بڑا غدار کوئی نہیں، حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ رعایا میں سے ایک شخص مسلمانوں کے متفقہ امام و خلیفہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے اور سابقہ عہد و پیمان اور بیعت خلیفہ کو توڑتا ہے یہ بڑا غدار ہے اس صورت میں " من امیر عامة" سے رعایا اور عوام میں سے کوئی باغی مراد لیا جائے گا علامہ نووی نے اس حدیث کو کچھ آسان انداز سے یوں سمجھا دیا ہے فرماتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ اس حدیث میں ہر قسم کی خیانت اور غداری کو غلط قرار دیا گیا ہے خاص کر اس بادشاہ اور خلیفہ وقت کی غداری کو انتہائی نقصان دہ قرار دیا گیا ہے جو مسلمانوں کی امانتوں اور ذمہ داریوں کا محافظ بنایا گیا ہو اور اس نے اس حفاظت کا عہد کر کے زمام اقتدار کو سنبھالا ہو اور پھر اپنے عوام کے ساتھ غداری کرتا ہے خیانت کرتا ہے اور ان پر ترس نہیں کھاتا ہے نہ شفقت کرتا ہے یہ بہت بڑا غدار امام ہے جنہوں نے اپنی تمام ذمہ داریوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس میں رعیت کو غداری اور خیانت اور بغاوت سے روکا گیا ہو کہ تم اپنے خلیفہ کے خلاف بغاوت نہ کرو کوئی فتنہ کھڑا نہ کرو علامہ نووی فرماتے ہیں کہ پہلا مطلب صحیح ہے یہ دوسرا مطلب صرف ایک احتمال ہے۔

الفصل الثانی

رعایا کی ضروریات پوری نہ کرنے والے حکمران کے بارہ میں وعید

﴿۷﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ اَنَّهُ قَالَ لِمُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُوْنَ حَاجَتِهِ وَخَلَّتِهِ وَفَقْرِهِ فَجَعَلَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا عَلٰى حَوَائِجِ النَّاسِ (رواه ابوداؤد والترمذی) وَفِیْ رِوَايَةٍ لَهُ وَلِاَحْمَدَ اَغْلَقَ اللّٰهُ لَهُ اَبْوَابَ السَّمَاءِ دُوْنَ خَلَّتِهِ وَحَاجَتِهِ وَمَسْكَنَتِهِ.

حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ سے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی کام کا ولی یا حاکم بنایا اور اس نے (مسلمانوں کی حاجت، عرضداشت اور محتاجگی سے حجاب کیا (یعنی اس کی ضرورت وحاجت کو پورا نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ اس (والی وحاکم، کی حاجت عرضداشت اور محتاجگی سے حجاب فرمائے گا یعنی اس کو اس کے مطلوب سے دور رکھے گا۔ اور اس کی دعا قبول نہیں کرے گا) حضرت امیر معاویہؓ (یہ حدیث سن کر بہت متاثر ہوئے اور ایک شخص کو (اس کام) پر مقرر کر دیا کہ وہ لوگوں کی ضروریات پر نظر رکھے اور ان کی حاجتوں کو پورا کرتا رہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی کی ایک اور روایت میں اور احمد کی روایت میں یوں ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس (والی حاکم) کی حاجت، عرضداشت اور محتاجگی پر آسمان کے دروازے بند کر دے گا۔

توضیح:

فاحتجب: یعنی غریبوں اور بے وسائل افراد پر دروازے بند کر کے کسی کی خبر گیری اور خیر خواہی نہیں کرتا ہے مظلوم کی بات نہیں سنتا ہے کوتوال اور سنتری حاجب کو دروازہ پر بٹھا کر کسی کو اندر جانے نہیں دیتا ہے ضرورت مندوں سے چھپا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس والی اور حاکم کی حاجت وضرورت اور عرضداشت سے پردہ وحجاب فرمائے گا" خــــلة" اس حاجت کو کہتے ہیں جس سے خلل پڑتا ہو " وحـاجته" عام حاجت مراد لیا جاسکتا ہے "ومسـكنته" فقر وفاقہ کو کہتے ہیں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان تمام کلمات کا معنی ایک ہی ہے صرف تاکید کے طور پر خلة اور فقر اور حاجت اور مسکنت کا الگ الگ ذکر کیا ہے گیا ہے۔

الفصل الثالث

مصیبت زدہ رعایا پر دروازے بند نہ رکھو

﴿۸﴾ عَنْ اَبِی الشَّمَّاخِ الْاَزْدِیِّ عَنِ ابْنِ عَمٍّ لَهُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اَتٰى مُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ وَلِیَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا ثُمَّ اَغْلَقَ بَابَهُ دُوْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَظْلُوْمِ اَوْذِی الْحَاجَةِ اَغْلَقَ اللّٰهُ دُوْنَهُ اَبْوَابَ رَحْمَتِهِ عِنْدَ حَاجَتِهِ وَفَقْرِهِ اَفْقَرَ مَايَكُوْنُ اِلَيْهِ.

حضرت ابوشماخ ازدی سے روایت ہے کہ ان کے چچازاد بھائی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابیؓ تھے ایک دن حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے اور جب ان کی خدمت میں باریاب ہوئے تو کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو لوگوں کے کام کا ولی ووالی بنایا گیا اور اس نے مسلمانوں پر یا کسی مظلوم پر اور یا کسی حاجت مند پر اپنے دروازے بند رکھے (اور اپنے پاس نہ آنے دیا یا اس کی حاجت روائی نہ کی) تو

اللہ تعالیٰ اس پر اس کی ضرورت وحاجت اور محتاجگی کے وقت جب کہ وہ اس کی طرف بہت زیادہ حاجت مند محتاج ہو اپنی رحمت کے دروازے بند رکھے گا (یعنی اگر وہ کسی وقت اپنی دنیا یا عقبیٰ کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجت وضرورت کا اظہار کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکی اس حاجت وضرورت کو پورا نہیں کرے گا یا اگر وہ دنیا میں کسی مخلوق سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اس حاجت وضرورت کو بھی پورا نہیں کردے گا۔

توضیح:

یعنی اگر وہ کسی وقت اپنی دنیا یا آخرت کے بارے میں کوئی حاجت اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھے گا اور اس کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت وضرورت کو پورا نہیں فرمائے گا جبکہ یہ بندہ اس وقت سب سے زیادہ اس ضرورت کی طرف محتاج ہوگا یا اگر وہ دنیا میں کسی مخلوق سے اپنی کسی احتیاج کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اس حاجت وضرورت کو بھی پورا نہیں ہونے دے گا۔

حضرت عمر فاروق کا اپنے گورنروں کے نام فرمان

﴿۹﴾وعن عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهُ كَانَ اِذَابَعَثَ عُمَّالَهُ شَرَطَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَاتَرْكَبُوا بِرْذَوْنًا وَلَاتَأْكُلُوا نَقِيًّا وَلَاتَلْبَسُوا رَقِيْقًا وَلَاتُغْلِقُوا اَبْوَابَكُمْ دُوْنَ حَوَائِجِ النَّاسِ فَاِنْ فَعَلْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَقَدْ حَلَّتْ بِكُمُ الْعُقُوْبَةُ ثُمَّ يُشَيِّعُهُمْ (رواهما البيهقى فى شعب الايمان)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ عمال وحکام اور گورنروں کو کام پر روانہ فرماتے تو ان سے یہ شرط کر لیتے (یعنی ان کو یہ ہدایات دیتے) کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہونا میدہ اور باریک آٹے کی روٹی نہ کھانا باریک کپڑا نہ پہننا اور لوگوں کی حاجت وضرورت کے وقت ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا (یادرکھو) اگر تم نے ان میں سے کوئی چیز اختیار کی تو تم (دنیا وعاقبت) میں سزا کے مستحق ہو جاؤ گے اس کے بعد حضرت عمرؓ ان کو (کچھ دور تک) پہنچانے جاتے یہ دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔

توضیح:

شرط علیهم: یعنی جب حضرت عمر فاروق کسی گورنر کو کسی علاقے کا گورنر مقرر فرما کر روانہ فرماتے تو ان کے ساتھ یہ شرط لگاتے کہ برذون پر سواری نہیں کروگے۔ برذون عمدہ ترکی گھوڑے کو کہتے ہیں۔ شارحین حدیث مثل طیبی اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ برذون کی ممانعت سے عربی گھوڑے پر سواری کی ممانعت بطریق اولی معلوم ہوتی ہے کیونکہ برذون کے مقابلہ

میں عراب یعنی عربی گھوڑے عمدہ ہوتے ہیں یہ ممانعت اس لئے کردی گئی تا کہ گورنروں میں تکبر پیدا نہ ہو کیونکہ متکبر حاکم خادم کے بجائے ظالم ہو جاتا ہے۔ ''نقیا'' یہ اس آٹے کو کہتے ہیں جو دو بار چھان لیا گیا ہو دوسرے الفاظ میں اس کا ترجمہ میدہ اور سفید آٹے کی روٹی یا باریک چھنے ہوئے آٹے کی روٹی اس سے بھی ممانعت اس لئے کردی گئی تا کہ گورنر عیش پرست نہ بن جائیں۔ " رقیقا " باریک کپڑا مراد ہے حضرت فاروق اعظمؓ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہوا کہ تکبر نہ کرو عیش وتنعم کی زندگی نہ گذارو اور لوگوں کو انصاف دینے سے پہلو تہی نہ کرو یعنی خود بھی ٹھیک رہو اور دوسروں کو بھی ٹھیک رکھو ورنہ خلاف ورزی پر سزا دوں گا'' ثم یشیعه ''یعنی ان کو رخصت فرماتے تشیع رخصت کرنے کو کہتے ہیں۔

باب العمل في القضاء والخوف منه

منصب قضاء کی انجام دہی اور اس سے ڈرنے کا بیان

باب الامارۃ کی ابتداء میں چونکہ القضاء کا لفظ عنوان میں آیا تھا اس لئے قضاء سے متعلق مختصر سی بحث وہاں لکھی گئی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

اس سے پہلے امام وامیر کے مسائل وفضائل کا بیان ہو گیا اب اس باب میں دو باتوں کو بطور خاص بیان کیا جائے گا اول یہ کہ قاضی اپنے تمام فیصلوں کے لئے مأخذ اور مبدأ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتہاد کو بنائے انہیں تین مأخذوں کو اپنا رہنما بنائے۔ دوم یہ بیان ہوگا کہ منصب قضاء اتنا بلند و بالا مقام ہے اور اس کی اتنی ذمہ داریاں ہیں کہ ہر آدمی کو اس منصب سے پیچھے ہٹنا چاہئے اور حتی الامکان اس کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔

الفصل الاول

غصہ کی حالت میں کسی کا فیصلہ نہ کیا جائے

(۱) عَن اَبِی بَکرَةَ قَالَ سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ یَقُولُ لَایَقضِیَنَّ حَکَمٌ بَینَ اِثنَینِ وَهُوَ غَضبَانُ (متفق علیه)

حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی حاکم وقاضی غصہ کی حالت میں ہو تو وہ اس وقت دو آدمیوں (کے نزاعی معاملے) میں فیصلہ نہ دے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

وھو غضبان: غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے اسی طرح سخت غم کی حالت میں یا سخت گرمی یا سردی کی حالت میں یا بیماری

کی حالت میں یا بھوک اور پیاس کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ کیونکہ ایسے عوارض کے وقت فکر مغلوب ہوجاتی ہے اور قوت اجتہادیہ کام نہیں کرتی ہے تو اس میں بہت زیادہ خطرہ ہے کہ قاضی غیض وغضب کی وجہ سے صحیح فیصلہ کے بجائے غلط فیصلہ کردے گا اور انصاف کے تقاضوں کو پورا نہ کرسکے گا لہٰذا اس طرح ہنگامی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔

قاضی کو اجتہاد کا اختیار ہے

﴿۲﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَاَبِى هُرَيْرَةَ قَالَاقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَاحَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ وَاَصَابَ فَلَهُ اَجْرَانِ وَاِذَاحَكَمَ فَاجْتَهَدَ وَاَخْطَأَ فَلَهُ اَجْرٌ وَاحِدٌ (متفق علیه)

''اور حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جب کوئی حاکم فیصلہ دینے کا ارادہ کرے اور اجتہاد کرے (یعنی غور وفکر کے ذریعہ حکم وفیصلہ دے) اور پھر اس کا وہ حکم وفیصلہ صحیح یعنی کتاب وسنت کے موافق ہو تو اس کو دوہرا اجر ملے گا (ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اجر صحیح فیصلہ پر پہنچنے کا) اور اگر اس نے کوئی ایسا حکم وفیصلہ دیا جس میں اس نے اجتہاد کیا لیکن (نتیجہ اخذ کرنے میں) چوک گیا (یعنی صحیح حکم تک پہنچنے میں خطا کرگیا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح:

فاجتهد فاصاب: یعنی اگر قاضی اور حاکم کوئی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں لیکن کتاب اور سنت میں اور اسی طرح اسلامی فقہ میں کوئی واضح نص موجود نہیں ہے اور یہ قاضی اب اجتہاد کی طرف مجبور ہے اب قاضی اضطراری کیفیت میں ہے کہ کتاب وسنت اور اجماع امت اور اسلامی عدالتوں کے فیصلوں کی روشنی میں کوئی فیصلہ صادر کرے اب اگر ان حالات میں قاضی نے خوب سوچ بچار کرکے کوئی فیصلہ سنا دیا اور وہ فیصلہ صحیح نکلا تو ان کو دو اجر ملیں گے ایک تو صحیح فیصلہ کا ثواب ہے اور دوسرا ان کی محنت ومشقت کا ثواب ہے اگر ان سے فیصلہ کرنے میں غلطی ہوگئی تو مسئلہ اور حکم کا ثواب تو بوجہ غلطی نہیں ملے گا تاہم ان کی محنت وکوشش وجدوجہد کا ان کو ایک اجر ملے گا لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ حاکم وعالم وقاضی ومجتہد اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہو اگر اجتہاد کا اہل نہیں اور اس نے فیصلہ میں غلطی کی تو ثواب کے بجائے گناہ ہوگا اس حدیث سے ایک ضابطہ یہ نکلا کہ بڑے اجتہاد کے لئے بڑے علم اور بڑی سوچ کی ضرورت ہے نیز اجتہاد کا حق ان اجتہادی اور فروعی مسائل میں ہے جن میں وجوہات مختلفہ احتمالیہ کی گنجائش ہو غیر محتمل نص میں یا شریعت کے واضح ارکان میں نہ تو تقلید ہوتی ہے اور نہ اجتہاد کی ضرورت وگنجائش ہوتی ہے پھر یہ بحث ہے کہ آیا حق ایک ہے یا ہر مجتہد کے اجتہاد میں الگ الگ حق ہے تو راجح اور صحیح یہ ہے کہ حق ایک ہے جو لا علی التعیین کسی کے پاس بھی ہوسکتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے جہاں یہ مسئلہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قاضی فروعی مسائل میں اجتہاد کا حق رکھتا ہے اور وہ کبھی صحیح فیصلہ کرتا ہے اور کبھی غلطی ہو جاتی ہے وہیں پر یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اسلام میں اجتہاد اور مجتہدین کا ایک بڑا مقام ہے اگر وہ اپنے اجتہاد میں صحیح بات تک پہنچ جاتے ہیں تو ان کو دو ثواب ملیں گے ورنہ ایک ثواب تو ان کے لئے طے ہے لہٰذا فقہاء اور مجتہدین کو برا کہنا یا ان پر تنقید کرنا بدبختی ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ "المجتهد يخطئ ويصيب" ایک طے شدہ حقیقت ہے۔

منصب قضاء ایک ابتلاء ہے

الفصل الثاني

﴿۳﴾عن ابی هُرَيْرَةَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جُعِلَ قَاضِيًا بَيْنَ النَّاسِ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّيْنٍ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد وابن ماجه)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا (گویا) اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح:

من جعل قاضیاً: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اس کلام سے وہ قتل مراد لیا ہے جو چھری کے علاوہ ہو جیسے گلا گھونٹنا یا پانی میں ڈبو دینا یا آگ میں جلا دینا یا کسی کا کھانا پانی بند کر کے قتل کرنا۔ یہ وہ صورتیں ہیں جو چھری سے قتل کرنے کی نسبت زیادہ سخت ہیں کیونکہ اس میں قتل کرنے کا دورانیہ طویل ہوتا ہے اس لئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قاضی بننا ایسا ہے جیسے کہ کسی کو چھری کے بغیر ذبح کیا گیا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جسمانی قتل کرنے کا متعارف طریقہ تو چھری چاقو وغیرہ سے ہوتا ہے آنحضرتؐ نے اس متعارف طریقہ قتل کو چھوڑ کر جس قتل کا ذکر فرمایا ہے وہ دین کی تباہی اور روحانی ہلاکت مراد ہو سکتی ہے ظاہری جسم کی ہلاکت مراد نہیں ہو سکتی ہے۔

علامہ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ عہدہ قضا کا خطرہ بہت زیادہ ہے اور اس کا ضرر بہت بڑا ہے کیونکہ قاضی بہت ہی کم عدل و انصاف باقی رکھ سکتا ہے اس لئے کہ نفس کے رجحانات بہت زیادہ ہیں کبھی آدمی کسی من پسند کی طرف کبھی اپنے خادم کی طرف اور کبھی صاحب منصب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور کبھی رشوت قبول کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اور رشوت کا معاملہ تو نہ ٹھیک ہونے والی لاعلاج بیماری ہے۔

صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ جس طرح بغیر چھری کے ذبح سے بدن پر کوئی ظاہری اثر نظر نہیں آتا مگر اندر سے رگیں کٹ جاتی ہیں اسی طرح قضاء میں آپ کو ظاہر میں کچھ نقصان نظر نہیں آتا بلکہ مزے ہی مزے ہیں لیکن روحانی اور باطنی طور پر خطرناک اثر ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ جس شخص کو اپنے نفس پر کامل یقین اور کامل اعتماد وبھروسہ نہ ہو تو وہ قاضی بننے کی جرأت نہ کرے کیونکہ یہ خطرناک صورت ہے اور اگر وہ شخص اپنے آپ پر مطمئن ہو تو وہ قضاء کو قبول کرے بڑے بڑے صحابہ اور بڑے بڑے تابعین نے قضاء کو قبول نہیں کیا امام ابوحنیفہ نے قضاء قبول نہ کرنے کی وجہ سے جیل میں کوڑے کھائے ہیں لیکن حکومت کی قضاء کی طرف جھکے نہیں۔

قاضی بننے کی خواہش نہ کرو

﴿۴﴾وعن انسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ وُكِلَ إِلٰى نَفْسِهِ وَمَنْ أُكْرِهَ عَلَيْهِ أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهُ (رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجه)

اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (اپنے دل میں) منصب قضاء کی طلب وخواہش کرے اور پھر (سربراہ مملکت سے) اس کا خواستگار ہو (یہاں تک کے اس کی خواست گاری پر اس کو قاضی بنا دیا جائے) تو وہ منصب اس کے نفس کے حوالے کر دیا جاتا ہے (یعنی اس کو اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی میں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق حاصل نہیں ہوتی) اور جس کو (اس کی طلب وخواہش کے بغیر) زبردستی اس منصب پر فائز کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو اس کو گفتار و کردار میں راست و درست رکھتا ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

جنتی اور دوزخی قاضی

﴿۵﴾وعن بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ وَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَانِ فِي النَّارِ فَأَمَّا الَّذِي فِي الْجَنَّةِ فَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ (رواہ ابوداؤد و ابن ماجه)

اور حضرت بریدہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قاضی تین طرح کے ہوتے ہیں ایک طرح کے تو جنت میں جانے والے اور دو طرح کے دوزخ میں جانے والے! لہٰذا جنت میں جانے والا تو وہ شخص ہے جس نے حق کو جانا (یعنی یہ جانا کہ حق اس بات میں ہے) اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور جس نے حق کو جانا مگر (اس کے باوجود) اپنے حکم وفیصلہ میں ظلم کیا (یعنی اس نے دیدہ ودانستہ پائمال کیا تو دوزخی ہے، اسی طرح جس نے اپنی جہالت

کی وجہ سے حق کو نہیں پہچانا اور اسی حالت میں لوگوں کے تنازعات کا فیصلہ کیا تو وہ بھی دوزخی ہے (کیونکہ اس نے حق رسی میں کوتاہی اور تقصیر کی)۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

﴿۶﴾ وعن ابی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ قَضَاءَ الْمُسْلِمِيْنَ حَتّٰى يَنَالَهُ ثُمَّ غَلَبَ عَدْلُهُ جَوْرَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَمَنْ غَلَبَ جَوْرُهُ عَدْلَهُ فَلَهُ النَّارُ (رواه ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کا طالب اور خواستگار ہوا یہاں تک کہ اس نے اس کو حاصل بھی کر لیا اور پھر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں) اس کا عدل وانصاف ظلم پر غالب رہا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جس شخص کا ظلم اس کے عدل وانصاف پر غالب رہا تو وہ دوزخ کا سزاوار ہوگا۔ (ابوداؤد)

قیاس اور اجتہاد برحق عمل ہے

﴿۷﴾ وعن مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّابَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي اِذَاعَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ قَالَ اَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْفِي كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُوْ قَالَ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهٖ وَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَايَرْضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ (رواه الترمذی وابوداؤد والدارمی)

اور حضرت معاذ ابن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان (معاذؓ) کو (قاضی وحاکم بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے (بطور امتحان) پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ میں کتاب اللہ (قرآن حکیم) کے موافق فیصلہ کرونگا۔ فرمایا اگر تمہیں وہ مسئلہ (صراحۃ) کتاب اللہ میں نہ ملا؟ انہوں نے کہا "پھر سنت رسول اللہ (حدیث نبویؐ) کے موافق فیصلہ کروں گا فرمایا اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول اللہ (ﷺ) میں بھی نہ ملا؟ انھوں نے کہا تو پھر میں اپنی عقل سے اجتہاد کروں گا اور (اپنے اجتہاد وحقیقت رسی میں) کوتاہی نہیں کروں گا۔ معاذؓ (یا وہ راوی جنہوں نے یہ حدیث معاذ سے روایت کی ہے) کہتے ہیں کہ آنحضرت نے (یہ سن کر) اپنا دست مبارک معاذؓ کے سینے پر مارا (تاکہ اس کی برکت سے وہ اپنی بات پر ثابت قدم رہیں اور ان کے علم میں اضافہ ہو، اور فرمایا) "تمام تعریفیں خدا کے لئے ہیں جس نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول (یعنی معاذ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اس (اللہ) کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) راضی ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

توضیح:

اجتھد برأیی: یعنی اگر کتاب وسنت اور اجماع امت کا واضح فیصلہ سامنے نہ ہو تو میں اس قضیہ کے لئے قرآن وحدیث میں دیکھوں گا کہ اس مسئلہ کی نظیر کونسا مسئلہ ہے اور اس مسئلہ کی طرح بیان شدہ مسئلہ کونسا ہے اور اس کا حکم کیا ہے تو میں اس جزئیہ کو اس پر قیاس کروں گا اسی کا نام اجتہاد ہے یہاں رائے سے مراد وہ رائے ہے جو قرآن وحدیث سے متنبط اور ماخوذ ہو اور اس کی روشنی میں ہو ورنہ خالص اپنی ذاتی رائے کا اعتبار نہیں ہے۔

فقہاء کرام کے ہاں وہ قیاس بھی اصول شرعیہ میں سے ایک اصل ہے جو شرعی نصوص سے مستنبط ہو جس طرح اس حدیث سے واضح طور پر اس قسم کا قیاس اور اس قسم کی رائے اور اجتہاد کو شرعی حجت قرار دیا گیا ہے جمہور کا یہی مسلک ہے ہاں اہل ظواہر غیر مقلدین حضرات قیاس کو شرعی حجت نہیں مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے قیاس ابلیس نے کیا تھا جو مردود ٹھہرا۔

جمہور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت "لعلمه الذين يستنبطونه" میں اجتہاد استنباط اور قیاس کی طرف اشارہ ہے اور زیر بحث حدیث واضح دلیل ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کی تعریف وتوثیق فرمائی ہے باقی ابلیس کا قیاس قیاس نہیں تھا بلکہ صریح حکم کے مقابلے میں حجت بازی تھی وہ سب کے نزدیک ناجائز ہے۔

خصمین کا بیان سن کر فیصلہ کرو

﴿۸﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِي وَاَنَاحَدِيْثُ السِّنِّ وَلَاعِلْمَ لِي بِالْقَضَاءِ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهِ سَيَهْدِي قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ اِذَاتَقَاضَى اِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَاتَقْضِ لِلْاَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَاِنَّهُ اَحْرٰى اَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَاشَكَكْتُ فِي قَضَاءٍ بَعْدُ (رواه الترمذی وابوداؤد وابن ماجه) وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اُمِّ سَلَمَةَ اِنَّمَا اَقْضِي بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِي بَابِ الْاَقْضِيَةِ وَالشَّهَادَاتِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ (جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قاضی بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ نوجوان کو (قاضی بنا کر) بھیج رہے ہیں (جو اپنی کم عمری کی وجہ سے ناتجربہ کار بھی ہے اور) جس کو منصب قضا کی ذمہ داریوں کا پورا علم بھی نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تم اس بارے میں فکر نہ کرو) اللہ تمہارے دل کو فہم وفراست کی ہدایت عطا کرائے گا اور تمہاری زبان کو (صحیح اور برحق حکم وفیصلہ کرنے پر) ثابت رکھے گا۔ (پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منصب قضا کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں یہ تعلیم وہدایت

دی کہ) جب تمہارے پاس دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئیں تو تم پہلے آدمی کے حق میں فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے (مدعا علیہ) کا بیان نہ سن لو کیونکہ یہ (مدعا علیہ کا بیان) تمہیں صحیح حکم وفیصلہ دینے میں اچھی مدد دیگا حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک دعا کی برکت سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت وتعلیم پر عمل کرنے کے) بعد میں کبھی قضیہ کا حکم وفیصلہ کرنے میں مذبذب نہیں ہوا۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

الفصل الثالث

قیامت کے دن ظالم حاکم کا انجام

﴿۹﴾ عن عَبدِاللّٰهِ بنِ مَسعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ حَاکِمٍ یَحکُمُ بَینَ النَّاسِ اِلَّاجَاءَ یَومَ القِیامَةِ وَمَلَکٌ آخِذٌ بِقَفَاهُ ثُمَّ یَرفَعُ رَاْسَهُ اِلَی السَّمَاءِ فَاِنْ قَالَ اَلْقِهِ اَلْقَاهُ فِي مَهْوَاةٍ اَربَعِینَ خَرِیفًا (رواه احمد وابن ماجه والبیهقی فی شعب الایمان)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ حاکم جو لوگوں پر اپنا حکم وفیصلہ جاری اور نافذ کرتا ہے قیامت کے دن (احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اس طرح پیش کیا جائے گا کہ ایک فرشتہ اس کی گدی پکڑے گا۔ پھر وہ فرشتہ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے کھڑا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم دے گا کہ اس کو (دوزخ میں) ڈال دو تو وہ (اس کو دوزخ کے) گڑھے میں ڈال دے گا جو چالیس برس کی مسافت) کے بقدر (گہرا) ہوگا۔'' (احمد، بیہقی شعب الایمان)

توضیح:

مھواۃ: گہرے کھڈے اور گڑھے کو کہتے ہیں ''خریفا'' موسم خزاں کو خریف کہتے ہیں اس سے مراد سال ہیں "یرفع راسه" جیسا کہ محکمہ عدالت کا قانون ہے کہ مجرم کو عدالت میں حاضر کیا جاتا ہے اور پھر فیصلہ کا انتظار کیا جاتا ہے یہاں بھی بارگاہ رب العزت میں فرشتہ اوپر دیکھ کر انتظار کرے گا کہ جناب باری تعالیٰ سے کیا حکم صادر ہوتا ہے اگر حکم ہوتا ہے کہ اس کو دوزخ میں ڈال دو تو فرشتہ ایک گہرے گڑھے میں اس کو پھینک دیتا ہے جو چالیس سال کے بقدر گہرا ہے یہ کوئی تحدید نہیں بلکہ اس گڑھے کی زیادہ سے زیادہ گہرائی بیان کرنا ہے۔

قیامت کے دن قاضی کی حسرت ناک آرزو

﴿۱۰﴾ وعن عَائِشَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیَاْتِیَنَّ عَلَی الْقَاضِي الْعَدْلِ یَومَ

الْقِيَامَةِ يَتَمَنّٰى اَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي تَمْرَةٍ قَطُّ (رواه احمد)

اور حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن (جب حاکموں، سرداروں، اور قانون وانصاف کے ذمہ داروں سے سخت مواخذہ ہو رہا ہوگا تو) عادل ومنصف قاضی کے لئے بھی ایک ایسا لمحہ آئیگا جس میں وہ یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کو دو آدمیوں کے درمیان ایک کھجور کے (بھی) قضیہ کا فیصلہ کرنے کی ذمہ داری انجام دینا نہ پڑتی۔ (احمد)

عادل حاکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہوتی ہے

﴿۱۱﴾وعن عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ اَبِي اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِي مَالَمْ يَجُرْ فَاِذَاجَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ (رواه الترمذی و ابن ماجه)وَفِي رِوَايَةٍ فَاِذَاجَارَ وَكَلَهُ اِلٰى نَفْسِهِ.

اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قاضی جب تک ظلم وناانصافی کی راہ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے (یعنی حق تعالیٰ کی توفیق وتائید اس کے شامل حال ہوتی ہے) لیکن جب وہ ظلم وناانصافی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے الگ ہو جاتے ہیں (یعنی اس کے اوپر سے حق تعالیٰ کی تائید وتوفیق کا سایہ ہٹ جاتا ہے) اور شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے (ترمذی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قاضی جب ظلم وناانصافی کی راہ اختیار کر لیتا ہے تو (اللہ تعالیٰ) اس کے کام کو اس کے سپرد کر دیتا ہے (یعنی اس کو اپنی توفیق وتائید سے محروم کر دیتا ہے)۔

﴿۱۲﴾وعن سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ مُسْلِمًا وَيَهُودِيًّا اِخْتَصَمَا اِلٰى عُمَرَ فَرَاَى الْحَقَّ لِلْيَهُودِيِّ فَقَضٰى لَهُ عُمَرُ بِهٖ فَقَالَ لَهُ الْيَهُودِيُّ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَضَيْتَ بِالْحَقِّ فَضَرَبَهُ عُمَرُ بِالدِّرَّةِ وَقَالَ وَمَايُدْرِيكَ فَقَالَ الْيَهُودِيُّ وَاللّٰهِ اِنَّانَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ اَنَّهُ لَيْسَ قَاضٍ يَقْضِي بِالْحَقِّ اِلَّاكَانَ عَنْ يَمِينِهٖ مَلَكٌ وَعَنْ شِمَالِهٖ مَلَكٌ يُسَدِّدَانِهٖ وَيُوَفِّقَانِهٖ لِلْحَقِّ مَادَامَ مَعَ الْحَقِّ فَاِذَاتَرَكَ الْحَقَّ عَرَجَا وَتَرَكَاهُ (رواه مالک)

اور حضرت سعید ابن مسیبؒ راوی ہیں کہ (ایک دن) حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں ایک مسلمان اور ایک یہودی اپنا جھگڑا لے کر آئے حضرت عمرؓ نے جب (قضیہ کی تحقیق کے بعد) یہ دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو انہوں نے اس (یہودی) کے حق میں فیصلہ دیا اس یہودی نے (اپنے حق میں فیصلہ سنکر) کہا خدا کی قسم آپ نے حق کے مطابق فیصلہ دیا ہے حضرت عمرؓ نے (یہ سنکر) اس کے ایک درہ مارا اور فرمایا تجھے کیسے علم ہوا کہ میں نے حق کے مطابق فیصلہ دیا؟

یہودی نے کہا" خدا کی قسم! ہم نے تورات میں (یہ لکھا ہوا) پایا ہے کہ جو بھی قاضی حق کے مطابق فیصلہ دیتا ہے اس کے دائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے اوراس کے بائیں ایک فرشتہ ہوتا ہے وہ دونوں فرشتے اس کو تقویت پہنچاتے ہیں اور حق کی توفیق دیتے ہیں جب تک وہ حق پر رہتا ہے اور جب قاضی حق کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ فرشتے آسمان پر چلے جاتے ہیں اوراس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (مالک)

توضیح:

ان مسلما و یهوديا: یہ فیصلہ اسلام کے عادلانہ نظام کا شاہکار ہے اور شیعوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ جو عمر حق کی اس طرح پاسبانی فرماتے ہیں کہ یہودی اس کا احترام کرتے ہیں لیکن رافضی کہتے ہیں کہ انہوں نے اہل بیت پر ظلم کیا۔

" فضربه عمر " حضرت عمرؓ نے اس یہودی کو دل لگی کے طور پر چھڑی سے مارا اور کوڑا رسید کیا اور فرمایا کہ تجھے کس طرح معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ حق پر ہوا ہے یہودی نے کہا کہ تورات میں لکھا ہے کہ حق وانصاف کرنے والے حاکم کے اردگرد فرشتے ہوتے ہیں جو فیصلہ کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں اور چونکہ آپ نے حق پر فیصلہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ فرشتے آپ کے ساتھ ہیں اور جس کے اردگرد فرشتے ہوتے ہیں وہ حق پر ہوتا ہے لہٰذا آپ حق پر ہیں آپ کا فیصلہ حق پر مبنی ہے۔

﴿۱۳﴾ وعن ابنِ مَوْهَبٍ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ اقْضِ بَيْنَ النَّاسِ قَالَ اَوَتُعَافِيْنِي يَااَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَ وَمَاتَكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ وَقَدْكَانَ اَبُوكَ يَقْضِي قَالَ لِاَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ كَانَ قَاضِيًا فَقَضٰى بِالْعَدْلِ فَبِالْحَرِيِّ اَنْ يَنْقَلِبَ مِنْهُ كَفَافًافَمَارَاجَعَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ (رواه الترمذى) وَفِي رِوَايَةِ رَزِيْنٍ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ يَااَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَااَقْضِي بَيْنَ رَجُلَيْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ كَانَ يَقْضِي فَقَالَ اِنَّ اَبِي لَوْاَشْكَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ سَاَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْاَشْكَلَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ سَاَلَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنِّي لَااَجِدُ مَنْ اَسْاَلُهُ وَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ عَاذَبِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَبِعَظِيْمٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَاِنِّي اَعُوذُبِاللّٰهِ اَنْ تَجْعَلَنِي قَاضِيًا فَاَعْفَاهُ وَقَالَ لَاتُخْبِرْ اَحَدًا.

اور حضرت ابن موہبؒ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ابن عفانؓ نے (اپنے زمانہ خلافت میں حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ لوگوں کے قاضی بن جاؤ (یعنی حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں منصب قضا کی پیشکش کی) حضرت ابن عمرؓ نے کہا" امیر المؤمنین! مجھ کو تو اس کام سے معاف رکھئے۔" حضرت عثمانؓ نے فرمایا تم اس کام کو کیوں ناپسند

کرتے ہو! حالانکہ تمہارے والد (حضرت عمر فاروقؓ) تو (اپنے دور خلافت کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی) قضا کا کام کرتے تھے؟" حضرت ابن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص منصب قضا پر فائز ہو اور مبنی برانصاف فیصلے کرے تو وہ اس لائق ہے کہ وہ اس منصب سے برابر سرابر جدا ہو (یعنی نہ نقصان پہنچائے نہ فائدہ، نہ ثواب پائے نہ عذاب۔) اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی (ترمذی) اور رزین کی روایت میں جو انہوں نے حضرت نافعؒ سے نقل کی ہے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت ابن عمر نے کہا امیر المؤمنین میں (تو) دو آدمیوں کے درمیان (بھی) کوئی حکم و فیصلہ نہیں کروں گا (چہ جائیکہ بہت لوگوں کا قاضی بنوں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا تمہارے والد (حضرت عمرؓ) تو لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے؟ حضرت ابن عمرؓ نے کہا میرے (والد کی بات تو یہ تھی کہ) اگر انکو کوئی دشواری پیش آتی تھی تو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے اور اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی دشواری پیش آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبریل علیہ السلام سے پوچھ لیا کرتے تھے جب کہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پاتا جس سے پوچھ لیا کروں گا اور میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اس نے بڑی ذات کی پناہ مانگی۔ نیز میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ مانگے اس کو پناہ دو۔ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے ذریعے پناہ مانگتا ہوں کہ آپ مجھے قاضی مقرر نہ کریں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو معاف کیا، لیکن ان سے فرمایا کہ کسی اور کو آگاہ نہ کرنا (کہ وہ منصب قضاء قبول نہ کرے ورنہ لوگ عام طور پر اس منصب قبول کرنے سے گریز کرنے لگیں گے) ورنظام حکومت معطل ہو کر رہ جائے گا۔"

مورخہ ۱۸ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

باب رزق الولاة وهداياهم

قاضیوں کے وظائف اور تحفے تحائف کا بیان

حکومت وقت کے عہدہ داروں کو بیت المال سے ان کے اہل وعیال کے گذران کے مطابق تنخواہ اور وظیفہ دیا جائے گا چونکہ حاکم وقاضی اور حکومت کے دیگر افسر لوگ عوام الناس کے اجیر اور ملازم ہوتے ہیں اور عوام کے کاموں کے لئے اپنے اوقات وقف کئے ہوئے ہوتے ہیں لہٰذا عوام الناس کا جو مال بیت المال اور سرکاری خزانہ میں جمع ہوتا ہے اس مال سے ان قاضیوں کو بقدر کفاف تنخواہ دی جائے گی۔ "رزق" کا لفظ اس تنخواہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو ہر ماہ کے حساب سے دیا جاتا ہو اور ایک عطیہ اور ہدیہ کا لفظ ہے اس کا تعارف یہ ہے کہ سال میں ایک یا دو مرتبہ حکومت کی جانب سے فوج کو جو کچھ

مال دیا جائے اس کو عطیہ کہتے ہیں وظیفہ مقرر کرنے اور عطیہ قبول کرنے سے متعلق دواہم مباحث ہیں۔

بحث اول قاضی وحاکم کی تنخواہ کے جواز پر دلائل

اصولی طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ قاضی اور حاکم چونکہ مسلمانوں کے کاموں میں محبوس ہیں اس لئے ان کو تنخواہ دینا جائز ہے لیکن یہ تنخواہ نہ اتنی زیادہ ہو کہ تعیش کی زندگی بن جائے اور نہ اتنی کم ہو کہ تحقیر اور فقیری کی نوبت آجائے بلکہ بقدر کفاف ہونا چاہئے۔ قاضی اور حاکم کے لئے تنخواہ لینے کے جواز پر چار دلائل ملاحظہ ہوں۔

دلیل اول

حضرت بریدہؓ کی روایت ہے جو مشکوۃ شریف کی فصل ثانی ص ۳۲۶ پر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " من استعملناه علی عمل فرزقناه رزقا فما اخذ بعده فهو غلول" (ابوداؤ) اس روایت کے بالکل ساتھ والی حضرت عمرؓ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "عملت علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فعملنی" یعنی مجھے تنخواہ دیدی گئی اس کے بعد حدیث نمبر ۷ حضرت مستورد بن شداد کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں " من کان لنا عاملا فلیکتسب زوجةً فان لم یکن له خادم فلیکتسب خادما انح.

دلیل دوم:

دوسری دلیل حضرت عائشہؓ کی وہ روایت ہے جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلیفہ بننے کے بعد آپ کا خطبہ ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں " وشغلت بامر المسلمین فسیاکل آل ابی بکر من هذا المال و یحترف للمسلمین فیه" (مشکوۃ ص ۳۲۵)

دلیل سوم:

مستدرک حاکم کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں" انه علیه السلام استعمل عتاب بن اسید علی مکة فتوفی النبی صلی الله وهو عامل علیها و فرض النبی صلی الله علیه وسلم له اربعین او قیة فی سنة.

دلیل چہارم:

چوتھی دلیل یہ ہے کہ تمام خلفاء اور قضاۃ اور عساکر المسلمین نے تنخواہیں لی ہیں جو سلف صالحین کے دور سے چلی آرہی ہیں اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ " لاباس برزق القاضی" ہاں بعض فقہاء کا خیال ہے کہ از ابتداء قاضی وحاکم تنخواہ اور معاوضہ کی شرط نہ لگائے بلکہ رضا کارانہ کام شروع کرے پھر حاکم اس کے لئے وظیفہ مقرر کردے لیکن اس

رضا کارانہ معاملہ پر یہ اعتراض اٹھتا ہے کہ یہ معاملہ ہے ایک معاہدہ اور معاقدہ ہے تو اس طرح مجہول معاقدہ کیسے جائز ہوگا نیز اگر قاضی خود فقیر ہے اور حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی نہیں تو اس سے عہدہ قضاء کی توہین اور تذلیل وتحقیر ہے لہٰذا مندرجہ بالا چاروں دلائل کے پیش نظر متاخرین فقہاء نے معاوضہ لینے کو نہ لینے سے افضل قرار دیا ہے تاکہ آئندہ اس عہدہ پر دوسرے آنے والوں کو پریشانی نہ ہو۔

انہیں دلائل کی روشنی میں متاخرین علماء وفقہاء نے استیجار علی الطاعات کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ عقود رسم المفتی کے مؤلف نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ''فرماتے ہیں کہ اسلام کا ہر وہ عہدہ جو اُجرت دیئے بغیر ختم ہوجاتا ہے اور مفت میں کوئی بھی اس کو سنبھالتا نہیں ہے یعنی مناصب شرعیہ میں سے کوئی منصب اگر اجرت کے بغیر ختم ہوجاتا ہے تو شریعت کے اس منصب کو بچانے کے لئے اجرت لینا دینا جائز ہے۔ مثلاً امامت، وقضاء واذان اور تدریس وتعلیم اگر بغیر معاوضہ چھوڑا جائے تو سارے مناصب ختم ہوجائیں گیاس لئے متاخرین علماء نے اسیجار علی الطاعۃ کو اس مجبوری کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اگر شریعت کا کوئی منصب ایسا ہے کہ اجرت لینے دینے کے بغیر ختم نہیں ہوتا۔ تو ایسی اطاعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے مثلاً تراویح کے ختم قرآن پر اجرت لینا ناجائز ہے۔

ختمات فی المحافل اور ٹیوشن وغیرہ ایسے امور ہیں کہ ان کے ختم ہوجانے سے شریعت کا کوئی منصب ختم نہیں ہوتا تو ایسی طاعات پر اجرت لینا دینا جائز نہیں ہے تراویح تو ختم قرآن کے بغیر چھوٹی سورتوں سے بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ بہر حال صدیق اکبر نے وفات سے پہلے پہلے تمام معاوضہ کو واپس کردیا یہ تقویٰ کا مقام ہے فتویٰ کا نہیں ہے فتویٰ میں تو جائز ہے۔

اب جو بعض نافہم لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ علماء طاعات پر اجرت لیتے ہیں جو ناجائز ہے تو خود یہ اعتراض غلط ہے بلکہ یہ ان لوگوں کا خیال اور منصوبہ ہے کہ اسلام اور دین کا جو تھوڑا بہت کام ہو رہا ہے یہ بھی بند ہوجائے اسی لئے مفتی محمد شفیعؒ نے لکھا ہے کہ جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں وہ ملحد اور بے دین لوگ ہیں۔

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ دین کے کام پر معاوضہ لینے والے کو دو ثواب ملتے ہیں ایک ثواب اس لئے کہ وہ اپنے بچوں کا فریضہ کسب پورا کر رہا ہے اور دوسرا اس وجہ سے کہ یہ شخص دین کی اشاعت کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔

بحث دوم قاضی کے تحفے تحائف

دوسری بحث یہ ہے کہ قاضی اپنے مقرر وظیفہ کے علاوہ کسی کا کوئی تحفہ ہدیہ قبول کرسکتا ہے یا نہیں تو صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ قاضی اپنے رشتہ داروں سے ہدیہ لے سکتا ہے کیونکہ یہ صلہ رحمی ہے جس کو توڑا نہیں جاسکتا ہے دوسرا قاضی اپنے ان دوستوں سے ہدیہ لے سکتا ہے جو منصب قضاء پر آنے سے قبل ان کو دیا کرتے تھے اس کے علاوہ جائز نہیں ہے اسی

طرح قاضی ان لوگوں کے کھانے کی دعوت قبول کرسکتا ہے جو ان کے رشتہ دار ہوں یا دوست ہوں اور پہلے سے عادت جاری ہو۔

دعوت طعام میں یہ ضابطہ ہے کہ دعوت کرنے والے کا اگر یہ خیال ہو کہ اگر قاضی نہیں آتا ہے تو دعوت نہیں کریں گے تو ایسی دعوت میں جانا قاضی کے لئے صحیح نہیں ہے اور اگر اس شخص نے عام دعوت کی ہے چاہے قاضی آئے یا نہ آئے تو ایسی دعوت میں جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ دعوت خاصہ نہ ہو دعوت عامہ ہو۔

نیز قاضی ایسے آدمی کی دعوت خود بھی نہیں کرسکتا ہے جو عدالت میں کسی مقدمہ میں پیش ہو رہا ہو الا یہ کہ دونوں خصمین کو دعوت میں بلائے، نیز قاضی خصمین کے درمیان باتوں میں بٹھانے میں اور لانے لیجانے میں بھی مساوات قائم کرے گا بہرحال سرکاری حکمرانوں کو احتیاط کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ قومی دولت میں خیانت کرنے سے توبہ کرنا بھی آسان نہیں کس کس کا حق کہاں کہاں مارا تھا یہ حساب بہت ہی مشکل ہے۔

الفصل الاول

حضور اکرمؐ مال تقسیم کرنے والے تھے

﴿۱﴾عن اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِيْكُمْ وَلَا اَمْنَعُكُمْ اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ (رواه البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہ تو تمہیں عطا کرتا ہوں اور نہ تمہیں محروم رکھتا ہوں، میں تو صرف بانٹنے والا ہوں کہ جس جگہ مجھے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے میں وہاں رکھ دیتا ہوں۔ (بخاری)

توضیح:

اعطیکم: یعنی میں اپنے اختیار سے نہ کسی کو کچھ دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں مال کی تقسیم کے بارے میں جو کچھ میں کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا جہاں حکم ہوتا ہے میں وہاں دیتا ہوں اور جہاں حکم نہیں ہوتا ہے میں وہاں نہیں دیتا ہوں میں تو صرف بانٹنے اور تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا داتا اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿۲﴾وعن خَوْلَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللّٰهِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواه بخاری)

اور حضرت خولہ انصاریہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے لوگ خدا کے مال میں ناحق تصرف

کرتے ہیں (یعنی زکوٰۃ غنیمت اور بیت المال کے مال میں امام وحکمران کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے ہیں اور اپنے حق اور اپنی محنت سے زیادہ وصول کرتے ہیں وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کے سزاوار ہوں گے۔(بخاری)

وقت کا خلیفہ بیت المال سے وظیفہ لے سکتا ہے

﴿۳﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا اُسْتُخْلِفَ اَبُوبَكْرٍ قَالَ لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِي اَنَّ حِرْفَتِي لَمْ تَكُنْ تَعْجَزُ عَنْ مُؤْنَةِ اَهْلِي وَشُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِينَ فَسَيَأْكُلُ آلُ اَبِي بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ (رواه البخاری)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ بنائے گئے تو فرمایا کہ میری قوم کے لوگ (یعنی مسلمان) جانتے ہیں کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کے اخراجات کے لئے کافی تھا، اب میں مسلمانوں کے امور میں مشغول ہو گیا ہوں (اور اس کی وجہ سے ابوبکر کے اہل وعیال بیت المال) کے مال سے کھائیں گے اور ابوبکر اس بیت المال کی آمدنی میں اضافہ کرنے اس کی حفاظت کرنے اور اس کو مسلمانوں کی ضروریات ودیگر مصارف میں اس کو خرچ کرنے کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرے گا۔(بخاری)

توضیح:

حرفتی: یعنی میرا کاروبار "تعجز" عاجز آنے کے معنی میں ہے یعنی کاروبار عاجز نہیں تھا میرے اہل وعیال کے خرچ سے کم نہیں تھا "مؤنة" اخراجات اور ضروریات کے معنی میں ہے یعنی میرے اہل وعیال کے اخراجات کے لئے کافی تھا "فسیاکل" یہ حق الخدمت کی طرف اشارہ ہے۔ "یحترف" اس لفظ سے یہاں خدمت مراد ہے اور فیہ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہے ملاعلی قاری نے اس ضمیر کو فسیأکل کے معنی ومضمون ومفہوم کی طرف لوٹا دیا ہے۔ بہر حال حضرت ابوبکر صدیق ریشم اور کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور حضرت عمر فاروقؓ غلہ کی تجارت کرتے تھے حضرت عثمانؓ کی تجارت کھجور اور گندم کی تھی اور حضرت ابن عباسؓ کی تجارت عطریات میں تھی۔

الفصل الثانی

﴿۴﴾عن بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلَى عَمَلٍ فَرَزَقْنَاهُ رِزْقًا فَمَا اَخَذَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَهُوَ غُلُولٌ (رواه ابوداؤد)

اور حضرت بریدہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو ہم نے کسی کام پر مامور کیا اور اس کو رزق دیا (یعنی اس کے اس کام کی اجرت وتنخواہ مقرر کر دی اس کے بعد اگر وہ (اپنی تنخواہ

سے زائد) کچھ وصول کرے گا تو یہ مال غنیمت میں خیانت ہے۔ (ابوداؤد)

عامل کی اجرت

﴿۵﴾ وعن عُمَرَ قَالَ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِي (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مجھے عامل بنایا گیا اور اس کی اجرت (تنخواہ) مجھ کو دی گئی۔ (ابوداؤد)

حضرت معاذؓ کو ہدایت

﴿۶﴾ وعن مُعَاذٍ قَالَ بَعَثَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ فَلَمَّا سِرْتُ اَرْسَلَ فِي اَثَرِىْ فَرُدِدْتُ فَقَالَ اَتَدْرِي لِمَ بَعَثْتُ اِلَيْکَ لَاتُصِيْبَنَّ شَيْئًا بِغَيْرِ اِذْنِي فَاِنَّهُ غُلُولٌ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَاغَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِهٰذَا دَعَوْتُکَ فَامْضِ لِعَمَلِکَ (رواہ الترمذی)

اور حضرت معاذؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے (عامل) بنا کر یمن بھیجا (جب یمن جانے کے لئے روانہ ہوا اور کچھ دور چلا گیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھے بلانے کے لئے ایک شخص کو) میرے پیچھے بھیجا میں لوٹ کر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم جانتے ہو، میں نے تمہیں بلانے کے لئے (آدمی) کیوں بھیجا تھا؟ (میں نے یہ آگاہی دینے کے لئے تمہیں بلایا ہے کہ) تم (اپنی مدت ملازمت کے دوران) میری اجازت کے بغیر کچھ نہ لینا کیونکہ یہ خیانت ہے، اور جو شخص خیانت کریگا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جس میں اس نے خیانت کی ہے یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا، اب تم اپنے کام پر جاؤ۔ (ترمذی)

بلا تنخواہ حاکم کتنا خرچ لے سکتا ہے

﴿۷﴾ وعن الْمُسْتَوْرِدِبْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ کَانَ لَنَاعَامِلاً فَلْيَکْتَسِبْ زَوْجَةً فَاِنْ لَمْ يَکُنْ لَهُ خَادِمٌ فَلْيَکْتَسِبْ خَادِمًافَاِنْ لَمْ يَکُنْ لَهُ مَسْکَنٌ فَلْيَکْتَسِبْ مَسْکَنًا،وَفِي رِوَايَةٍ مَنِ اتَّخَذَ غَيْرَ ذٰلِکَ فَهُوَ غَالٌّ (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت مستورد ابن شدادؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس شخص کو ہم نے عامل (کسی جگہ کا حاکم وکار پرداز) بنایا (اگر اس کی بیوی نہ ہو تو) اس کو چاہئے کہ وہ ایک بیوی بیاہ لے، اگر اس کے پاس کوئی خادم (غلام ولونڈی) نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک خادم خرید لے اور اگر اس کا کوئی گھر نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ ایک گھر بنا لے یا خرید لے۔" اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ "اگر وہ اس کے علاوہ کچھ لے گا تو وہ خیانت کرنے والا ہوگا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

فلیکتسب زوجة: مطلب یہ ہے کہ حاکم اپنے زیر تصرف بیت المال سے بیوی کے مہر اور نان نفقہ کی مقدار بقدر کفاف بغیر اسراف روپیہ لے سکتا ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس حاکم کی تنخواہ بیت المال سے مقرر نہ ہو اگر ان کی تنخواہ مقرر ہو تو پھر یہ ضروریات اسی سے پوری کی جائیں گی اسی طرح وہ حاکم اپنی رہائشی ضروریات کے مطابق ایک مکان اور خدمت کے لئے ایک غلام اور اگر غلاموں کا دور نہ ہو تو ان کی قیمت کی مقدار بیت المال سے لے سکتا ہے اگر ضرورت سے زیادہ لے گا تو حرام ہوگا کیونکہ ضروریات تو ایک لمبا سلسلہ ہے اس لئے ضابطہ کے تحت تنخواہ مقرر کرنا آج کل کے دور کے مطابق زیادہ بہتر ہے مدارس کے مہتمم حضرات کے لئے بھی طے شدہ تنخواہ باعث عافیت ہے۔

بیت المال میں خیانت سے بچو

﴿۸﴾وعن عَدِیِّ بْنِ عَمِیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَااَیُّھَاالنَّاسُ مَنْ عُمِّلَ مِنْکُمْ لَنَا عَلٰی عَمَلٍ فَکَتَمَنَا مِنْهُ مِخْیَطًا فَمَافَوْقَهٗ فَهُوَ غَالٌّ یَاْتِیْ بِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِقْبَلْ عَنِّیْ عَمَلَکَ قَالَ وَمَاذَاکَ قَالَ سَمِعْتُکَ تَقُوْلُ کَذَاوَکَذَاقَالَ وَاَنَااَقُوْلُ ذٰلِکَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰی عَمَلٍ فَلْیَاْتِ بِقَلِیْلِهٖ وَکَثِیْرِهٖ فَمَااُوْتِیَ مِنْهُ اَخَذَهٗ وَمَانُهِیَ عَنْهُ اِنْتَهٰی.
(رواہ مسلم وابوداؤد) وَاللَّفْظُ لَهٗ.

اور حضرت عدیؓ ابن عمیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے) فرمایا لوگو! تم میں سے جو شخص ہماری طرف سے کسی کام کا عامل بنایا جائے (یعنی جس کو ہم کسی خدمت مثلاً زکوٰۃ وغیرہ وصول کرنے پر مامور کریں) اور وہ اپنے اس کام کے حاصل (آمدنی) میں سے سوئی برابر یا اس سے زائد ہم سے چھپائے (یعنی وہ جو کچھ وصول کرے اس میں سے ہماری اجازت اور ہمارے علم کے بغیر تھوڑا یا بہت لے لے) تو وہ خیانت کرنے والا ہے اور وہ قیامت کے دن اس کو لے کر آئے گا۔ (یہ سن کر) ایک انصاری کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ نے (وصول تحصیل کا) جو کام میرے سپرد کیا ہے وہ مجھ سے واپس لے لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیوں؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے جو آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کے سلسلے میں جو وعید بیان فرمائی ہے اس کی وجہ سے میں بہت خوفزدہ ہو گیا ہوں، کیونکہ یہ کام لغزش سے تو خالی نہیں ہے، اگر میں کسی لغزش میں مبتلا ہو گیا تو قیامت کے دن کیا جواب دوں گا؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں، میں پھر یہی کہتا ہوں کہ ہم جس شخص کو عامل مقرر کریں اس

کو چاہئے کہ وہ جو کچھ وصول کریں، وہ تھوڑا ہو یا زیادہ سب ہمارے پاس لے کر آئے اور اس میں سے اس کو جس قدر دیا جائے وہ اس کو لے لے اور جو نہ دیا جائے اس سے باز رہے (اب اس واضح ہدایت و تنبیہ کے بعد جو شخص اس کام کو انجام دے سکے وہ اس کی ذمہ داری قبول کرے اور جو شخص ان شرائط کے ساتھ اس کی انجام دہی میں اپنے کو معذور سمجھے وہ اس کی ذمہ داری کو قبول نہ کرے۔ (مسلم، ابوداؤد۔ الفاظ ابوداؤد کے ہیں)

رشوت دینے لینے والے پر آنحضرتؐ کی لعنت

﴿۹﴾وعن عَبدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلرَّاشِی وَالْمُرْتَشِیَ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ) وَرَوَاہُ التِّرمِذِیُّ عَنہُ وَعَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ وَرَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِیْمَانِ عَنْ ثَوْبَانَ وَزَادَ وَالرَّائِشُ یَعْنِی اَلَّذِی یَمْشِی بَیْنَھُمَا.

اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت لینے اور رشوت دینے والے (دونوں) پر لعنت فرمائی ہے۔" ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔" ترمذیؒ نے اس روایت کو حضرت عبداللہ ابن عمرو اور حضرت ابوہریرہؓ سے اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت ثوبانؓ سے نقل کیا ہے نیز بیہقی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رائش یعنی وہ شخص جو رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے درمیان واسطہ وذریعہ بنے اس پر بھی لعنت فرمائی۔

توضیح:

الراشی و المرتشی: رشوت دینے والے کو راشی کہتے ہیں اور اردو والے عوام راشی رشوت لینے والے کو کہتے ہیں یہ عوام کی غلطی ہے کیونکہ رشوت لینے والے کو عربی میں مرتشی کہتے ہیں اور دینے والے کو راشی کہتے ہیں۔

"الرشوۃ" رشوت اس مال کو کہتے جو کسی حاکم کو ابطال حق اور احقاق باطل کے لئے دیا جائے جس سے دوسروں کا حق مارا جائے یعنی صاحب حق کا حق مارا جائے اور رشوت کے زور سے وہ کسی اور کو دیا جائے۔ اگر رشوت اپنے حق کے حصول واثبات کے لئے دیا جائے یا دفع ظلم کے لئے دیا جائے تو یہ درحقیقت ایک تاوان ہے اس کے جواز میں کلام نہیں کیونکہ یہ اپنے آپ سے ظلم دفع کرنا ہے۔

حلال ذرائع سے کمایا ہوا مال اچھی چیز ہے

﴿۱۰﴾وعن عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَرْسَلَ اِلَیَّ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ اِجْمَعْ عَلَیْکَ

سَلَاحَکَ وَثِیَابَکَ ثُمَّ ائْتِنِی قَالَ فَأَتَیْتُهُ وَهُوَ یَتَوَضَّأُ فَقَالَ یَاعَمْرُو اِنِّی اَرْسَلْتُ اِلَیْکَ لِاَبْعَثَکَ فِی وَجْهٍ یُسَلِّمُکَ اللّٰهُ وَیُغَنِّمُکَ وَاَزْعَبَ لَکَ زُعْبَةً مِنَ الْمَالِ فَقُلْتُ یَارَسُولَ اللّٰهِ مَاکَانَتْ هِجْرَتِی لِلْمَالِ وَمَاکَانَتْ اِلَّالِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ قَالَ نِعِمَّا بِالْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ.

اور حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے ذریعے میرے پاس یہ کہلا بھیجا کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے کپڑوں کو اکھٹا کرلو (یعنی سفر کی تیاری کرو) اور پھر میرے پاس آجاؤ حضرت عمرو کہتے ہیں کہ میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق سفر کی تیاری کر کے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت وضو کررہے تھے، (مجھے دیکھ کر فرمایا کہ عمرو! میں نے تمہارے پاس آدمی بھیج کر تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ میں تمہیں ایک طرف یعنی کسی جگہ کا حاکم یا عامل بنا کر بھیجوں، اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت وسلامتی کے ساتھ رکھے تمہیں مال غنیمت عطا فرمائے اور میں بھی تمہیں کچھ مال دوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا ہجرت کرنا (یعنی میرا ایمان قبول کرنا اور اپنا وطن چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجانا) مال کی خاطر نہیں تھا (بلکہ میرا ایمان قبول کرنا خالصۃً للہ تھا اور) میری ہجرت صرف اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی ورضا) کے لئے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک بخت آدمی کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے۔ (شرح السنۃ) امام احمد نے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے اور ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "نیک مرد کے لئے اچھا مال اچھی چیز ہے"۔

توضیح:

یسلمک اللّٰہ : یعنی میں تجھے جہاد کے لئے بھیج رہا ہوں یا تجھے عامل بنا کر ایک جانب روانہ کررہا ہوں اللہ تجھے سالم بھی رکھے گا اور تجھے مال غنیمت بھی عطا فرمادے گا " وازعب " یہ صیغہ باب فتح سے ہے برتن وغیرہ کے بھرنے کے معنی میں آتا ہے یہاں عطیہ اور مال دینے کے معنی میں ہے حضرت عمرو بن العاص ۵ ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ کی ہمراہی میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، بعض نے کہا ہے کہ ۸ ھ میں مسلمان ہوئے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمان کا گورنر مقرر فرمایا تھا شاید اس حدیث میں اسی تقرر کا قصہ ہے۔

الفصل الثالث

سفارش کرنے والا کوئی ہدیہ قبول نہ کرے

﴿۱۱﴾ عَنْ اَبِی اُمَامَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَأَهْدٰی لَهُ هَدِیَّةً عَلَیْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص (کسی بادشاہ وحاکم سے) کسی (شخص مثلاً زید) کی سفارش کرے اور وہ (زید) اس (سفارش کرنے والے) کے پاس سفارش کے عوض کوئی چیز بطور تحفہ وہدیہ بھیجے اور وہ سفارش کرنے والا) اس تحفہ کو قبول کرے تو وہ سود کے دروازوں میں سے ایک بڑے دروازہ میں داخل ہوا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

من ابواب الربا: اس حدیث میں سفارش کی جو صورت بیان کی گئی ہے اس کے معاوضہ میں جو کچھ لیا جائے گا وہ رشوت کے زمرہ میں آتا ہے مگر اس کو رشوت کے بجائے سود کے نام سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ یہ ایسا نفع ہے جو سفارش کرنے والے کو بلا معاوضہ حاصل ہو گیا ہے اور سود کی تعریف ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے ضمن میں اس طرح کی ہے "**وهو في الشرع فضل خال من عوض شرط لاحد العاقدين**" سود اس اضافی نفع کا نام ہے جو مالی معاوضہ کے بغیر معاملہ کرنے والوں میں سے کسی ایک کو ملا ہو۔ اس حدیث سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ مدارس دینیہ کے سفیر حضرات جب بعض نامور علماء سے سفارش لکھواتے ہیں یا ان کی تصدیق حاصل کرتے ہیں اور پھر ساتھ ساتھ ان حضرات کا کچھ اکرام کرتے ہیں یہ اسی رشوت اور سود کے زمرہ میں آتا ہے علماء کرام کو بیدار مغز اور چوکنا رہنے کی بہت ضرورت ہے۔ باطنی احوال کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

مورخہ ۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

باب الاقضية و الشهادات

فیصلوں اور شہادتوں کا بیان

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ ﴿قالو الا تخف خصمان بغیٰ بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق و لا تشطط و اھدنا الی سواء الصراط﴾ (سورۃ ص آیت ۲۲)وقال اللّٰہ تعالیٰ ﴿و استشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم تکونا رجلین فرجل و امرأ تان ممن ترضون من الشھداء ان تضل احد اھما فتذکر احداھما الاخری و لایأب الشھداء اذا مادعو﴾ (بقرہ ۲۸۲)

" اقضیة "اور" قضایا" قضیة کی جمع ہے اور قضیہ اس نزاعی معاملہ کو کہتے ہیں جو حاکم وقاضی کے پاس اس غرض سے لے جایا جائے تا کہ وہ فریقین کے درمیان نزاع کو ختم کرنے کے لئے کوئی حکم اور فیصلہ صادر فرمادے۔

" الشھادات" شہادة کی جمع ہے گواہی دینے کو شہادت کہتے ہیں اور اصطلاح میں فریقین میں سے ایک فریق کے حق کو دوسرے فریق کے مقابلہ میں ثابت کرنے کا نام شہادت ہے۔

الفصل الاول

مدعی کا دعویٰ گواہوں کے بغیر معتبر نہیں ہے

﴿۱﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْيُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَاَمْوَالِهِمْ وَلٰكِنِ الْيَمِيْنُ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ (رواہ مسلم) وَفِي شَرْحِهِ لِلنَّوَوِيِّ اَنَّهُ قَالَ وَجَاءَ فِي رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ اَوْصَحِيْحٍ زِيَادَةٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا لٰكِنِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ.

حضرت ابن عباسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ پر (ان کا مدعی) دیا جائے (یعنی مدعی سے نہ تو گواہ طلب کئے جائیں اور نہ مدعی علیہ سے تصدیق کی جائے بلکہ محض اس کے دعویٰ پر اس کا حق از قسم مال وجان مدعی کو دیا جائے) تو لوگ آدمیوں کے خون اور انکے مال کا (جھوٹا) دعویٰ کرنے لگیں (لہٰذا صرف مدعی کا بلا گواہی کے بیان معتبر نہیں ہے) لیکن قسم کھانا مدعی علیہ پر ضروری ہے (مسلم) اور نووی نے اپنی کتاب شرح مسلم میں لکھا ہے کہ بیہقی کی روایت میں جو حسن یا صحیح اسناد سے منقول ہے

حضرت ابن عباسؓ سے مذکورہ بالا حدیث میں بطریق مرفوع ان الفاظ کا اضافہ بھی منقول ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم کھانا اس شخص کا حق ہے جو انکار کرے یعنی مدعی علیہ۔

توضیح:

لو یعطی : یہ لو فرضیہ ہے اور یعطی مجہول کا صیغہ ہے یعنی فرض کرلو اگر لوگوں کو صرف ان کے دعویٰ کی بنیاد پر مال دیا جانا شروع ہو جائے اور گواہوں کی ضرورت نہ ہو تو کچھ لوگ دوسروں کے ذاتی اموال اور ان کی جان کو ہتھیا لینا شروع کردیں گے اسی لئے اسلام کا یہ قطعی ضابطہ ہے کہ پہلے مدعی سے گواہ طلب کئے جائیں اگر گواہ موجود نہ ہوں تو پھر مدعی علیہ کو قسم کھلائی جائے گی۔

سوال : یہاں یہ اشکال ہے کہ اس حدیث میں قسم کا ذکر کیا گیا ہے لیکن گواہوں کا ذکر نہیں ہے ایسا کیوں ہوا؟

جواب : اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ گواہوں کا مسئلہ چونکہ بہت زیادہ واضح اور مشہور تھا اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا گیا اور منکر کے لئے قسم کا ذکر کیا گیا صاحب مشکوۃ نے حضرت ابن عباس کی ایک روایت کا اضافہ کر کے اس مفہوم اور گواہوں اور قسم کے مضمون کو مکمل کردیا اور صاحب مشکوۃ کا طرز پوری کتاب میں عموماً یہی ہے کہ کسی مجمل حدیث کی تفسیر آنے والی دوسری حدیث سے کرتے ہیں۔

عدالت میں جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید

﴿۲﴾ وعن ابنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنِ صَبْرٍ وَهُوَ فِيْهَا فَاجِرٌ يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَصْدِيْقَ ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ٥ اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ (متفق علیه)

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی چیز پر مقید ہو کر (یعنی حاکم کی مجلس میں) قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو کہ اس کا مقصد قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال حاصل کرنا ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ چنانچہ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ٥ اِلٰى آخِرِ الْآيَةِ (بخاری)

توضیح:

یمین صبر : یمین قسم کے معنی میں ہے اور صبر تو مشہور ہے کہ صبر کو کہتے ہیں لیکن یہاں وہ معروف معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہاں صبر حبس اور قید کرنے کے معنی میں مستعمل ہوا ہے لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ایک شخص کو حاکم نے عدالت میں کسی مقدمہ کے پیش

نظر قسم کھانے کے لئے روک رکھا ہے عدالت کی کارروائی اس کی قسم پر موقوف ہے ادھر حاکم نے ان کو قسم کھانے کا حکم دیا ہے جس کی وجہ سے اس پر قسم کھانا بوجہ اطاعت امیر لازم بھی ہے ایسی قسم میں جو شخص جھوٹ بولتا ہے تو وہ بہت ہی گنہگار ہو جائے گا۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سے قسم کا مطالبہ کیا گیا اور اس کی قسم سے دوسرا آدمی قید ہو سکتا ہے اس نے جھوٹی قسم کھائی جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی محبوس ہو گیا۔ یہ قسم کھانا بہت ہی گناہ ہے۔ تیسرا مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ یمین صبر سے مراد یمین کاذب ہے کہ ایک شخص مثلاً کسی دوسرے شخص کے مال کو ضائع کرنے کی نیت سے جھوٹی قسم کھاتا ہے یہ یمین صبر ہے یہ مفہوم آسان بھی ہے اور حدیث کے آیندہ جملوں سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ حدیث کا یہی مطلب یہاں مراد ہے حدیث میں آیت کی تکمیل اس طرح ہے " **اولئک لا خلاق لهم فی الاخرة ولا یکلمهم اللّٰه ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم و لهم عذاب الیم** O

جھوٹی قسم سے کسی کا حق دبانے والے پر جنت حرام ہے

﴿۳﴾ وعن اَبِی اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِیءٍ مُسْلِمٍ بِیَمِیْنِهِ فَقَدْ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ وَحَرَّمَ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ وَاِنْ کَانَ شَیْئًا یَسِیْرًا یَارَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَاِنْ کَانَ قَضِیْبًا مِنْ اَرَاکٍ (رواه مسلم)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا مال غصب کیا بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا اور اس پر بہشت کو حرام کر دیا۔ ایک شخص نے (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اگر چہ وہ حق معمولی کوئی چیز ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگر چہ پیلو کے درخت کا ایک ٹکڑا (یعنی مسواک) ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم)

توضیح:

اوجب اللّٰه له النار: اس جملہ کے دو مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو کسی مسلمان کا حق دبانا حلال سمجھتا ہے تو اس کے لئے دوزخ واجب ہے اور جنت اس پر حرام ہے دوسرا مطلب اور تاویل یہ ہے کہ ایسے شخص کی سزا اس برے عمل کی وجہ سے بے شک یہی دوزخ ہے لیکن قیامت میں فیصلہ معجون مرکب پر ہوتا ہے کسی ایک عمل کی خاصیت پر مجموعی فیصلہ نہیں ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی مغفرت فرمادے "**وحرم علیه الجنة**" یعنی یہ شخص اول وہلہ میں نجات پانے والوں کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا بلکہ سزا بھگتنے کے بعد جائے گا کیونکہ اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ مخلد فی النار نہیں ہے۔

کیا قاضی کا فیصلہ ظاہر و باطن میں نافذ ہو جاتا ہے؟

﴿۴﴾وعن اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَااَنَا بَشَرٌ وَاِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُونَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِمَااَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَايَأْخُذَنَّهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ (متفق عليه)

اور حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک انسان ہوں اور تم اپنے قضیے (جھگڑے) لے کر میرے پاس آتے ہو، ممکن ہے تم میں کوئی شخص اپنے دلائل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح و بلیغ اور بیان کا حامل ہو اور میں اس کا (مدلل) بیان سنکر اسی کے مطابق فیصلہ کردوں لہٰذا وہ شخص کہ میں جس کے حق میں کسی ایسی چیز کا فیصلہ کروں جو حقیقت میں اس کے بھائی مسلمان کی ہو اس چیز کو نہ لے کیونکہ (ایسی صورت میں گویا) میں اس کے حق میں آگ کے ایک ٹکڑے کا فیصلہ کروں گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح:

انما انابشر : یعنی میں ایک انسان ہوں عالم الغیب نہیں ہوں میں ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہوں لہٰذا سہو اور نسیان بشری تقاضہ ہے ایک انسان عالم الغیب تو ہوتا نہیں کوئی شخص ظاہری الفاظ اور زوردار کلام سے اپنا مدعا ثابت کرے گا اور حقیقت میں وہ اس میں حق پر نہیں ہوگا لیکن وہ اپنی قوت بیان سے حق پر معلوم ہوگا تو میں اس کے حق میں فیصلہ کروں گا حالانکہ حق کسی اور شخص کا ہوگا تو یاد رکھو اس طرح چرب لسانی سے میں اس کو جو کچھ دوں گا وہ دوزخ کا ٹکڑا ہوگا اب یہاں فقہاء کا اختلاف ہے کہ قضاء قاضی صرف ظاہر میں نافذ ہے یا ظاہر و باطن دونوں میں نافذ ہے۔

فقہاء کا اختلاف

جمہور اور صاحبین کے نزدیک قضاء قاضی ظاہراً نافذ ہے باطناً نافذ نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ قضاء قاضی ظاہراً اور باطناً دونوں طرح نافذ ہے ظاہر و باطن میں نافذ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر شریعت میں دنیا میں جس طرح وہ فیصلہ نافذ ہوتا ہے آخرت میں یعنی عنداللہ بھی وہ فیصلہ صحیح شمار ہوگا۔

محل اختلاف

اب محل اختلاف کی تعیین ضروری ہے کہ فقہاء کرام کا کونسی جگہ میں اختلاف ہے اور کونسی جگہ میں اتفاق ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر قضاء قاضی املاک مرسلہ میں ہو تو بالاتفاق ظاہراً قضاء نافذ ہوگی اور باطناً نافذ نہیں ہوگی۔ اور اگر قضاء قاضی

املاک غیر مرسلہ یعنی املاک مقیدہ میں یا غیر اموال میں ہو مثلاً نکاح وطلاق وغیرہ عقود وفسوخ میں ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے نزدیک قضاء قاضی صرف ظاہراً نافذ ہوگی باطناً نافذ نہیں ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قضاء قاضی ظاہراً بھی نافذ ہے اور باطناً بھی نافذ ہے مثال کے طور پر ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص نے میرے ساتھ شادی کرلی ہے اس پر اس عورت نے دو جھوٹے گواہ بھی پیش کر دیئے اور شادی کو ثابت بھی کرلیا حالانکہ حقیقت میں کوئی شادی بیاہ نہیں ہوئی اب ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ یہ عورت صرف ظاہر میں اس شخص کی بیوی ہوگی لیکن باطن میں یعنی فیما بینہ وبین اللہ یہ اس کی بیوی نہیں ہے لہٰذا یہ شخص اس سے جماع نہیں کرسکتا ہے اگر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کے ہاں عورت ظاہراً اور حقیقۃً اس شخص کی بیوی ہوگئی اس سے جماع کرنا جائز ہے اب فریقین کے دلائل سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ املاک مرسلہ اور املاک مقیدہ کسے کہتے ہیں تو یاد رکھو املاک مرسلہ وہ اموال ہیں کہ ایک شخص نے کسی چیز میں ملکیت کا دعوی کیا مگر ملک کا سبب بیان نہیں کیا کہ کس وجہ سے یہ مال اس کی ملکیت میں ہے اس کو املاک مرسلہ کہتے ہیں۔ اور املاک غیر مرسلہ وہ ہیں کہ دعویٰ ملک کا کیا اور ساتھ ساتھ ملکیت کا سبب اور علت بھی بیان کیا کہ میراث میں یہ مال ملا ہے یا خرید لیا ہے یا کسی نے ہبہ کیا ہے گویا یہ املاک مقیدہ ہیں تو فقہاء کا اختلاف صرف املاک مقیدہ اور غیر اموال یعنی عقود اور فسوخ میں ہے اموال مرسلہ میں اختلاف نہیں ہے۔

دلائل

ائمہ ثلاثہ ام سلمہؓ کی حدیث زیر بحث سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ حضور اکرمؐ نے اپنے فیصلہ کے بعد صاف الفاظ میں فرمادیا کہ حقیقت میں اگر کوئی شخص اس چیز کا حقدار نہیں تو وہ اسے ہرگز نہ لے کیونکہ یہ اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ صرف ظاہر میں نافذ ہوتا ہے اور باطن میں نافذ نہیں ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے پاس چند دلائل ہیں پہلی دلیل یہ ہے کہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے تو اگر پہلے نکاح نہیں ہوا تو اب ہوگیا کیونکہ گواہوں کے پیش ہونے کے بعد قاضی نے فیصلہ سنادیا ہے تو یہ درحقیقت انشاء عقد ہے نئے سرے سے نکاح ہوگیا اب باطناً بھی یہ عورت ان کی بیوی ہے۔

۲۔ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل ''لعان کا حکم ہے'' آنحضرتؐ نے واضح الفاظ میں فرمایا "احدکما کاذب" اس واضح اعلان کے باوجود آنحضرتؐ کا فیصلہ نافذ ہوگیا اور فریقین یعنی میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔

امام ابوحنیفہؒ کی تیسری دلیل حضرت علیؓ کا ایک اثر ہے جس کو طحاوی نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے اسی طرح ایک مقدمہ کا فیصلہ سنادیا تو اس عورت نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین اب اس شخص سے میرا نکاح کرادیں تا کہ زنانہ

ہواس پر حضرت علیؓ نے فرمایا" شاھداک زوجاک" یعنی تیرے دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا گویا یہ انشاء عقد ہو گیا نیا نکاح ہے۔

جواب: جمہور نے جو مذکورہ حدیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کو املاک مرسلہ پر حمل کرتے ہیں نیز اس حدیث میں شہادت کا تذکرہ بھی نہیں ہے یہاں صرف چرب لسانی اور زور بیان کا ذکر ہے زیر نظر حدیث تو جھوٹی شہادت اور اس کے نتیجہ میں فیصلے سے متعلق ہے۔

ناحق مقدمہ بازی کرنے والے کے لئے وعید

﴿۵﴾وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْغَضَ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ اَلْاَلَدُّ الْخَصِمُ (متفق عليه)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بدترین اور مبغوض ترین وہ شخص ہے جو بہت زیادہ ناحق جھگڑے والا ہے۔(بخاری ومسلم)

توضیح

الالد: یہ لَدَّیَلُدُّ سے ہے شدید خصومت کرنے والے جھگڑالو کو کہتے ہیں" الخصم" صاد پر کسرہ ہے جھگڑوں کے عاشق کو کہتے ہیں تو ألد: سخت جھگڑالو اور خصم وہ کہ اس کی طبیعت میں جھگڑا پڑا ہو کثرت سے جھگڑتا ہو تو ان دو لفظوں میں کوئی تکرار نہیں ہے ہر لفظ کا اپنا مطلب ہے۔

ایک گواہ کے ساتھ قسم ملانے کا حکم

﴿۶﴾وعن ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى بِيَمِيْنٍ وَشَاهِدٍ (رواه مسلم)

اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک قضیہ میں) ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ صادر فرمایا۔(مسلم)

توضیح:

قضی بیمین و شاهد: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مدعی نے دعویٰ کر دیا اور اس کے پاس دعویٰ کے ثبوت کے لئے دو گواہ نہ ہوں تو وہ ایک گواہ پیش کرے اور ایک قسم کھائے تو دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور مال حاصل ہو جائے گا اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا مدعی سے ایک گواہ کے ساتھ دوسرے گواہ کی جگہ قسم لی جائے گی یا نہیں۔

فقہاء کا اختلاف

تینوں ائمہ اور جمہور فرماتے ہیں کہ اگر معاملہ اور قضیہ حدود اور قصاص کے علاوہ اموال میں ہو اور مدعی کے پاس صرف ایک گواہ موجود ہو تو مدعی دوسرے گواہ کی تکمیل کے لئے خود ایک قسم کھا سکتا ہے تا کہ گواہی مکمل ہو جائے اور مدعی کا مدعا ثابت ہو جائے ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ ایک گواہ کی وجہ سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا ہے اور مدعی پر کسی بھی صورت میں قسم نہیں آئے گی فیصلہ کے لئے ضروری ہے کہ مدعی کے پاس دو گواہ ہوں ورنہ مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی۔

دلائل:

مذکورہ زیر بحث حدیث جمہور کی دلیل ہے اگر چہ اس حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ قسم مدعی سے لی گئی ہے لیکن اس کے بعض طرق میں اس طرح لفظ موجود ہے لہٰذا جمہور نے اسی پر فیصلہ فرمادیا ہے۔ ائمہ احناف کی پہلی دلیل تو قرآن عظیم کی آیت ہے:

﴿و استشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان﴾

دوسری آیت میں ہے ﴿وأشهدوا ذوى عدل منكم﴾

احناف کی دوسری دلیل وہ مشہور حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "البينة على المدعى و اليمين على من أنكر" اس حدیث میں بطور ضابطہ تقسیم کار بیان کیا گیا ہے تو مدعی کا کام گواہ پیش کرنا ہے اور مدعی علیہ کا کام قسم کھانا ہے اس میں اشتراک نہیں ہے۔

جواب:

احناف نے مذکورہ حدیث اور جمہور کی اس دلیل کے کئی جواب دیئے ہیں اول جواب یہ کہ مذکورہ حدیث خبر واحد ہے یہ قرآن کی آیت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے دوسرا جواب یہ کہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی اور احتمال آنے سے استدلال باقی نہیں رہتا ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف فیصلوں کا ذکر ہے کہ آپؐ نے کبھی گواہوں کی بنیاد پر فیصلہ فرمادیا ہے اور کبھی قسم کی بنیاد پر فیصلہ صادر فرمایا ہے گویا حدیث میں ایک فیصلہ کی بات نہیں ہے بلکہ مختلف اوقات میں مختلف فیصلوں کی دو صورتیں بتائی گئی ہیں۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث کا تعلق حفظ دماء سے ہے یہ ضابطہ نہیں بلکہ ایک معروضی فیصلہ تھا جس کے پیش

نظریہ حکم آیا ہے واقعہ اس طرح ہوا کہ بنوعنبر کے کچھ کفار میدان جہاد میں پکڑے گئے تھے جب وہ مدینہ لائے گئے تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم جس وقت پکڑے گئے ہیں اس وقت ہم مسلمان تھے اس پر ان کے پاس ایک گواہ تھا اور دوسرے گواہ کے لئے ان سے قسم لے لی گئی تو شبہ آ گیا جس سے ان کے خون کی حفاظت ہوگئی یا یہ حدیث صلح کی کسی صورت پر محمول ہے ضابطہ وہی ہے جو مشہور احادیث میں ہے اور احناف نے لیا ہے۔

منکر قسم ہی کھائے گا خواہ فاسق کیوں نہ ہو

﴿۷﴾وعن علقمة بن وائل عن ابيه قال جاءَ رَجُلٌ مِنْ حضرموت ورجلٌ مِنْ كِنْدَةَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَاغَلَبَنِي عَلَى اَرْضٍ لِي فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضِي وَفِي يَدِي لَيْسَ لَهُ فِيهَاحَقٌّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَضْرَمِيِّ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لاقَالَ فَلَكَ يَمِينُهُ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ الرَّجُلَ فَاجِرٌ لايُبَالِي عَلَى مَاحَلَفَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ يَتَوَرَّعُ مِنْ شَيْءٍ قَالَ لَيْسَ لَكَ مِنْهُ اِلَّاذٰلِكَ فَانْطَلَقَ لِيَحْلِفَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَدْبَرَلَئِنْ حَلَفَ عَلَى مَالِهٖ لِيَأْكُلَهُ ظُلْمًالَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ وَهُوَعَنْهُ مُعْرِضٌ (رواه مسلم)

اور حضرت علقمہ ابن وائلؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حضرموت کا رہنے والا اور ایک شخص کندہ کا۔ دونوں حاضر ہوئے حضرمی (یعنی حضرموت کے رہنے والے) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس شخص نے میری زمین (کو غصب کر کے اس) پر قبضہ کرلیا ہے۔ کندی نے کہا وہ میری زمین ہے اور میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضے) میں ہے، اس شخص کا اس زمین پر کوئی حق نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق کا بیان سن کر حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اب تمہارے دعوی کا دارومدار اس (مدعا علیہ کی قسم پر ہے (کہ اگر یہ قسم کھانے سے انکار کردے گا تو تمہارا دعوی تسلیم کرلیا جائے گا اور اگر اس نے قسم کھالی تو تمہارا دعوی باطل کردیا جائے گا) اس (حضرمی) نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ شخص تو فاجر (جھوٹا) ہے اس کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس نے جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اور اس کو کسی چیز سے پرہیز نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ (بہرحال) تمہارے لئے اس کی طرف سے سوائے اس (قسم) کے اور کچھ نہیں ہے۔ (یہ سن کر) وہ (کندی) شخص قسم کھانے کے لئے چلا اور جب اس نے پیٹھ پھیری تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ شخص اس حضرمی کے مال پر قسم کھائے گا تا کہ اس کا مال زبردستی ہضم کر جائے تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ

(اللہ) اس سے بیزار ہوگا۔ (مسلم)

توضیح:

ان الرجل فاجر: یعنی فاسق فاجر آدمی ہے قسم کھانے کی کچھ پرواہ نہیں کرے گا اور میرا مال ہڑپ کر لے گا نہ یہ شخص قول میں صحیح ہے نہ فعل میں آنحضرت نے فرمایا جو کچھ بھی ہو جب تمہارے پاس گواہ نہیں ہے تو تم ان سے قسم ہی لو گے۔

"فانطلق" ممکن ہے یہ شخص وضو بنانے کے لئے جانے لگا تا کہ باوضو ہو کر قسم کھائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کھلے میدان میں سامنے آ گیا تا کہ قسم کھالے شوافع قسم کے لئے باوضو ہونے کا حکم دیتے ہیں یہ کندی اگرچہ قسم کے لئے تیار ہو گیا تھا مگر حضور اکرمؐ نے جب وعید سنائی تو اس نے کہا یہ زمین میری نہیں میرے اس بھائی کی ہے جیسے حدیث نمبر ۱۹ میں آ رہا ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کئی فوائد کا بیان ہے ایک فائدہ یہ کہ صاحب ید اور قبضے والا اس اجنبی سے اولیٰ ہے جو صاحب ید نہ ہو دوسرا فائدہ یہ کہ جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہو تو مدعا علیہ پر قسم کھانا لازم ہے تیسرا یہ کہ فاسق کی قسم بھی اسی طرح مقبول ہے جس طرح ایک عادل کی قسم مقبول ہوتی ہے۔

کسی پر جھوٹا دعویٰ کرنے والا دوزخی ہے

﴿۸﴾ وعن ابی ذرؓ انّہ سمع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول من ادّعٰی مالیس لہ فلیس منّا ولیتبوّأ مقعدہ من النّار (رواہ مسلم)

اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص کسی ایسی چیز کا دعوی کرے جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اس کو چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈ لے۔ (مسلم)

توضیح:

مالیس لہ: شیخ عبدالحقؒ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ یہ لفظ بظاہر املاک واموال پر بولا گیا ہے لیکن اس کے عموم میں حسب ونسب کے دعوے اور ظاہر وباطن کے سارے دعوے بھی آتے ہیں۔

یعنی ایک شخص بزرگی کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے علم کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے احوال واعمال عالیہ کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے فتوحات اور کرامتوں اور کشف والہامات کے دعویٰ کرتا ہے اور حقیقت میں وہ اس مقام پر نہیں ہے حدیث کی یہ وعید سب کو شامل ہے۔

بہترین گواہ کون ہے

﴿۹﴾وعن زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَااُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ الَّذِي يَأْتِي بِشَهَادَتِهِ قَبْلَ اَنْ يُسْأَلَهَا (رواه مسلم)

اور حضرت زید ابن خالدؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بہترین گواہوں کے بارے میں نہ بتادوں؟ (تو سنو کہ) گواہوں میں بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی طلب کئے جانے سے پہلے گواہی دے دے۔ (مسلم)

توضیح:

خیر الشهداء: اس حدیث کے دو مفہوم ہیں اول یہ کہ کسی آدمی کا حق کہیں پھنسا ہوا ہے اور اس کے پاس اسکے لئے کوئی گواہ نہیں ہے نہ اس کو کسی گواہ کا علم ہے اس موقع پر دو گواہ آتے ہیں اور گواہی دیکر حق کو حقدار تک پہنچا دیتے ہیں یہ بہترین گواہ ہیں۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مثلاً حقوق اللہ کا معاملہ ہے زکوٰۃ ہے رمضان کے چاند کا معاملہ ہے کفارہ کا مسئلہ ہے وقف اور وصایا اور صدقات کا معاملہ ہے وقت کے حاکم کو معلوم نہیں اور بیت المال کا یہ حق ضائع ہو رہا ہے اس موقع پر ایک آدمی آیا اور اس نے گواہی دیدی اور حاکم کو مطلع کیا تو اس نے قومی فریضہ ادا کر دیا اس لئے یہ بہترین گواہ ہے۔

سوال:

یہاں یہ سوال ہے کہ اس حدیث کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث آرہی ہے اس میں از خود بڑھ چڑھ کر گواہی دینے والے کی سخت مذمت آئی ہے حالانکہ زیر بحث حدیث میں اس کی مدح کی گئی ہے یہ بظاہر تعارض ہے۔

جواب:

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مذمت جھوٹی شہادت میں دلچسپی لینے کی آئی ہے اور مدح سچی شہادت کی آئی ہے یا مذمت کا تعلق نااہل کی شہادت سے ہے اور مدح کا تعلق اہلیت رکھنے والے کی شہادت سے ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاسق کی شہادت مطلق طور پر قابل قبول نہیں ہے احناف فرماتے ہیں کہ قاضی کو فاسق کی گواہی رد کرنا چاہئے لیکن اگر اس نے قبول کرلیا تو فیصلہ کے لئے یہ گواہی جائز ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ گواہی دینا فرض ہے اس کا چھپانا کسی طور پر جائز نہیں ہے بشرطیکہ مدعی گواہی مانگ لے ہاں حدود میں گواہی نہ دینے کی گنجائش ہے۔

۲۳ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

جھوٹی گواہی دینے والوں کے بارے میں پیشن گوئی

﴿۱۰﴾ وعن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يجئ قوم تسبق شهادة احدهم يمينه ويمينه شهادته (متفق عليه)

اور حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں یعنی صحابہؓ اور پھر وہ جو ان کے متصل یعنی تابعین اور پھر وہ جو ان کے متصل یعنی تبع تابعین اور پھر (آخر میں) ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اس کی قسم سے پہلے اور اس کی قسم اس کی گواہی سے پہلے ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

توضیح:

قرنی: قرن کے لفظ کے کئی معانی ہیں اس سے صحابہ کرام بھی مراد ہو سکتے ہیں "**قرنی ای اصحابی**" بعض نے کہا کہ ہر آدمی کے اپنے زمانے کے موجود لوگوں کو قرن کہتے ہیں کیونکہ یہ قِران سے ہے ساتھ ہونے کے معنی میں ہے تو آنحضرتؐ کے زمانے میں موجود لوگ آپؐ کے قرن میں تھے جب تک آپؐ دنیا میں موجود تھے (**کذا فی النهایه**) بعض نے کہا تیس سال قرن ہے بعض نے چالیس سال اور بعض نے ساٹھ سال بعض نے ستر سال بعض نے اسی سال اور بعض نے مکمل سو سال کو قرن قرار دیا ہے (مرقات)

"**تسبق شهادة احدهم**" یہ لاپرواہی، غفلت اور دین بیزاری کی ایک کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر جھوٹی گواہی دینے کے لئے دوڑتے چلے آئیں گے چنانچہ آج کل یہ نقشہ مکمل طور پر موجود ہے عدالتوں کے پاس جھوٹے گواہ کرایہ پر مکان لئے بیٹھے ہیں کہ جس کو بھی ضرورت پڑے یہ فوراً لپک کر گواہی دیدیں اور پیسہ لے کر اپنی غیرت وعزت اور اپنی دیانت وامانت اور اپنے دین کا سودا کریں۔

برصغیر ہندوستان پر جب مغل حکمرانوں کا دور تھا وہ جھوٹے گواہ کی پیشانی پر داغ دیتے تھے تا کہ اس جھوٹے آدمی کی گواہی ہمیشہ کے لئے مردود ہو جائے جب انگریز ملعون کا دور آیا تو اس نے دوسرے اسلامی قوانین کے ساتھ اس قانون کو بھی معطل کر دیا اور کہا کہ اس سے انسانیت کی توہین ہوتی ہے گویا ان کے نزدیک ہر انسان کو جھوٹا بنانا انسانیت کی تعظیم ہے۔

قسم کے لئے قرعہ اندازی کا مسئلہ

﴿۱۱﴾وعن ابی هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ اَلْيَمِيْنَ فَاسْرَعُوا فَاَمَرَ اَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِيْنِ اَيُّهُمْ يَحْلِفُ (رواه البخاری)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں پر قسم کو پیش کیا (یعنی ان سے کہا کہ قسم کھاؤ کہ مدعی صحیح نہیں ہے) چنانچہ ان لوگوں نے قسم کھانے میں جلدی دکھائی تو آپ نے فرمایا کہ قسم کھانے کے لئے ان لوگوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے کہ ان میں سے کون شخص قسم کھائے۔ (بخاری)

توضیح:

عرض علی قوم الیمین: اس حدیث کے دو مفہوم ہیں ایک مفہوم عام شارحین نے لیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک جماعت یا قوم پر اپنے حق کا دعویٰ کیا اس شخص کے پاس دو گواہ نہیں تھے قوم کے تمام افراد نے اس کے دعویٰ کو مسترد کر کے انکار کر دیا اب ان لوگوں پر ضابطہ کے مطابق قسم پیش کی گئی تو سب نے قسم کھانے پر آمادگی ظاہر کی اور جلدی جلدی قسم کھانے کے لئے آگے بڑھے آنحضرتؐ نے قسم کھانے کے لئے ان کے درمیان قرعہ اندازی کرادی کہ جس کا قرعہ نکل آیا وہی قسم کھائے سب نہ کھائیں حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے۔

محققین شارحین اور علامہ طیبی نے اس حدیث کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ مثلاً دو آدمیوں نے کسی چیز کا دعویٰ کر دیا اور وہ چیز تیسرے آدمی کے ہاتھ میں ہے دونوں مدعیان کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے یا دونوں کے پاس گواہ ہے مگر اس تیسرے آدمی جو صاحب الید ہے، نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ چیز کس کی ہے ادھر ہر مدعی کہتا ہے کہ یہ چیز میری ہے اور دوسرے مدعی کی نہیں ہے اس صورت میں یہ دونوں آدمی ایک دوسرے کے لئے مدعی بھی ہیں اور منکر بھی ہیں اور منکر کے لئے قسم ہے تو اس انکار کی صورت میں قرعہ ڈالا گیا کہ جس کا قرعہ نکل آئے وہ قسم کھائے اور مال لے جائے۔

اب اس روایت میں فقہی نقطۂ نظر سے کچھ اختلاف ہے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مال اس تیسرے آدمی کے ہاتھ میں چھوڑا جائے گا کیونکہ ان دونوں میں تعارض آ گیا تو دونوں کی دلیل ساقط ہوگئی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس مال کو دونوں مدعیوں کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ مال کو تقسیم کرو انصاف کا خیال رکھو اور پھر قرعہ اندازی کرو اور پھر ایک دوسرے کے لئے معافی تلافی کرلو۔

یادرہے کہ یہ آدھا آدھا تقسیم کرنا ان چیزوں میں ہوگا جو چیزیں تقسیم کو قبول کرتی ہیں۔

الفصل الثانی

﴿۱۲﴾عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي صلى الله عليه وسلم قال البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه (رواه الترمذی)

حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعی علیہ کے ذمہ۔ (ترمذی)

ایثار و صلح کی ایک صورت

﴿۱۳﴾وعن ام سلمة عن النبي صلى الله عليه وسلم في رجلين اختصما اليه في مواريث لم تكن لهما بينة الا دعواهما فقال من قضيت له بشئ من حق اخيه فانما اقطع له قطعة من النار فقال الرجلان كل واحد منهما يارسول الله حقي هذا لصاحبي فقال لا ولكن اذهبا فاقتسما وتوخيا الحق ثم استهما ثم ليحلل كل واحد منكما صاحبه وفي رواية قال انما اقضي بينكما برأيي فيما لم ينزل علي فيه (رواه ابوداؤد)

حضرت ام سلمہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو آدمیوں کے قضیہ کے بارے میں نقل کرتی ہیں جو اپنا ایک میراث کا معاملہ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تھے اور ان دونوں میں سے کسی کا کوئی گواہ نہیں تھا بلکہ صرف دعوی ہی دعوی تھا (یعنی ان میں سے ایک شخص نے دربار رسالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں چیز میری ہے جو مجھے میراث میں ملی ہے اور دوسرے شخص نے بھی اسی چیز کے بارے میں یہی دعوی کیا اور دونوں میں سے کوئی بھی اپنے دعوی کے ثبوت میں گواہ نہیں رکھتا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان دونوں کے جواب سن کر) فرمایا۔ (یادرکھو) میں جس شخص کے لئے کسی ایسی چیز کا فیصلہ کردوں جو چیز اس کے بھائی کا حق ہو تو وہ چیز اس کے لئے آگ کے ایک ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں ہوگی (یعنی اگر مثلاً مدعی نے کسی ایسی چیز کا دعوی کیا ہے جس کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی نہیں ہے بلکہ واقعۃً مدعی علیہ کی ہے لیکن اس نے جھوٹے گواہوں یا جھوٹی قسم کے ذریعے اپنا دعوی ثابت کردیا اور میں نے ظاہری قانون کے مطابق اس کی گواہیوں اور قسم پر اعتبار کر کے اس کے حق میں فیصلہ کردیا اور وہ چیز اس کو دلوادی تو اس کو یادرکھنا چاہئے کہ وہ چیز اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوگی یعنی اس کو دوزخ کی آگ کا سزاوار بنائے گی) ان دونوں میں سے ہر ایک نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! میرا حق میرے ساتھی (یعنی فریق مخالف)

) کے لئے ہے (میں اپنا دعوی ترک کرتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ! (یہ کیسے ممکن ہے کہ چیز ایک ہو اور اس کے حقدار دو ہوں) بلکہ تم دونوں جاؤ اس چیز کو (آدھوں آدھ) تقسیم کرلو اور اپنا اپنا حق لے لو (یعنی تقسیم میں عدل وایمانداری کو ملحوظ رکھو) اور (یہ طریقہ اختیار کرلو کہ) پہلے اس چیز کے دو حصے کرلو (اور اگر یہ تنازع ہو کہ ان دونوں حصوں میں سے کونسا حصہ کس کو ملے تو) ان دونوں حصوں پر قرعہ ڈال لو (تاکہ طے ہو جائے کہ ان دونوں حصوں میں کونسا حصہ کس شخص کو ملے گا اس طرح تم دونوں میں سے ہر ایک اس حصہ کو لے لے جس پر اس کا قرعہ نکلا ہے اور تم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ اپنا (وہ) حق اپنے ساتھی کو معاف کر دے (جو اس کی طرف سے چلا گیا ہو) ۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم دونوں کے درمیان یہ فیصلہ اپنی رائے اور اپنے اجتہاد سے کر رہا ہوں ۔ اس معاملے میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی ۔ (ابوداؤد)

توضیح:

فاقتسما : یعنی شراکت کی بنیاد پر برابر تقسیم کرو " و توخیا الحق " أی اطلبا الحق یعنی عدل وانصاف کا خوب خیال رکھو حق سے مراد عدل وانصاف ہے " ثم لیحلل " یہ باب تفعیل سے ہے حلال کرنے کے معنی میں ہے یعنی آپس میں تقسیم کے بعد معافی تلافی کرلو "سبحان اللہ ایثار و ہمدردی اور محبت کا ان ساتھیوں نے کیسا نمونہ قائم کیا" ۔

قابض کے حق میں فیصلہ

﴿۱۴﴾ وعن جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ رَجُلَيْنِ تَدَاعَيَا دَابَّةً فَاَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْبَيِّنَةَ اَنَّهَا دَابَّتُهُ نَتَجَهَا فَقَضٰى بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِىْ فِىْ يَدِهٖ (رواہ فی شرح السنة)

اور حضرت جابر ابن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے (دربار رسالت میں) ایک جانور کے بارے میں دعوی کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ پیش کئے کہ یہ جانور اس کا ہے (یعنی میں نے ہی اس کی ماں پر نر کو چھوڑا تھا جس کے نتیجہ میں یہ پیدا ہوا اور اس طرح اس کے پیدا ہونے کا میں ہی سبب بنا تھا گویا ان دونوں میں سے ہر ایک نے یہی دعوی کیا) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو اس شخص کا حق قرار دیا جس کے وہ قبضے میں تھا ۔ (شرح السنۃ)

توضیح:

نتجھا : باب ضرب سے ہے مطلب یہ کہ اس شخص نے کہا کہ میں نے اس کے بچہ جنم لینے اور جنوانے میں کام کیا ہے کہ نر کو مادی پر چھوڑا تھا پھر دیکھ بال کی پھر یہ بچہ آ گیا اور گھر میں اس کو میں نے پال رکھا تھا ۔

"فقضے للذی فی یدہ" اس حدیث سے ظاہری طور پر یہ بات واضح ہوگئی کہ دو شخصوں کا اگر کسی چیز میں تنازع ہو جائے اور دونوں بینہ پیش کریں تو صاحب الید (قابض) کا بینہ راجح ہوگا ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ صاحب ید قابض کا بینہ ہر حال میں غیر قابض کے مقابلہ میں راجح ہے۔ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم جانوروں میں ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے حکم کا تعلق جانوروں سے ہے اور جانوروں میں مسئلہ اسی طرح ہے کہ صاحب ید اور قابض کا بینہ غیر قابض کے مقابلہ میں راجح ہے اور اگر دعویٰ غیر حیوان میں ہو تو پھر دونوں مدعیان قسم کھا کر چیز کو آپس میں آدھا آدھا تقسیم کر دیں گے جیسا کہ دیگر حدیثوں میں اس کا ذکر ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی بھی صورت ہو اور کوئی بھی چیز ہو ہر حالت میں قابض کا بینہ غیر قابض کے مقابلہ میں راجح ہے وہ حضرات شاید مذکورہ حدیث سے اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کرتے ہوں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث احناف کی دلیل ہے کیونکہ اس میں حیوان اور اس کے جنوانے کا واضح طور پر بیان موجود ہے۔

دو مدعیوں کے درمیان متنازع مال کی تقسیم

﴿۱۵﴾ وعن اَبِی مُوسٰی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ رَجُلَیْنِ ادَّعَیَا بَعِیْرًا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدَیْنِ فَقَسَمَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهُمَا نِصْفَیْنِ (راہ ابوداؤد) وَفِی رِوَایَةٍ لَهُ وَلِلنَّسَائِیِّ وَابْنِ مَاجه اَنَّ رَجُلَیْنِ ادَّعَیَا بَعِیْرًا لَیْسَتْ لِوَاحِدٍ مِنْهُمَا بَیِّنَةٌ فَجَعَلَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَهُمَا.

اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا (یعنی ہر ایک نے کہا کہ یہ اونٹ میرا ہے اور پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں) دو دو گواہ پیش کئے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو ان دونوں کے درمیان آدھوآدھ تقسیم کر دیا۔ (ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت نیز نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں یوں ہے کہ دو آدمیوں نے ایک اونٹ کے بارے میں دعویٰ کیا لیکن ان دونوں میں سے کسی کے پاس بھی گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو دونوں کا مشترکہ حق قرار دیا۔ (ابوداؤد)

توضیح:

فبعث : یعنی دونوں نے اپنا اپنا بینہ کھڑا کیا اور قائم کر دیا یعنی بینہ پیش کر دیا۔

"فقسمه" یعنی حضور اکرمؐ نے اس متنازع اونٹ کو دونوں مدعیان کے درمیان تقسیم فرمادیا۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ شاید وہ اونٹ دونوں کے قبضے میں ہوگا، تو دونوں میں تقسیم کردیا گیا ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ شاید یہ اونٹ کسی تیسرے آدمی کے قبضے میں تھا جو اونٹ کا دعویدار نہیں تھا تو جب دونوں نے گواہ پیش کئے اور کسی کو ترجیح حاصل نہیں تھی تو اونٹ درمیان میں تقسیم کردیا گیا کیونکہ احناف کا یہ مسلک ہے کہ اگر دو آدمی کسی چیز کا دعویٰ کریں اور کسی کو ید اور قبضہ حاصل نہ ہو اور دونوں نے اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کردیا تو وہ چیز دونوں میں تقسیم کر کے نصف نصف دی جائے گی، جمہور فرماتے ہیں کہ دونوں میں قسم کھانے کے لئے قرعہ اندازی کی جائے اور جس کا قرعہ نکل آئے وہ قسم کھائے اور مال لے لے زیر بحث حدیث احناف کی دلیل ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ قسم کے لئے جس کا قرعہ نکل آیا اسی کا بینہ راجح ہوگا۔ "لبست لواحد منهما بينة" اس روایت میں یہ بتایا گیا کہ کسی ایک کے پاس بھی بینہ نہیں تھا اور اس سے پہلی روایت میں بتایا گیا کہ دونوں کے پاس بینہ موجود تھا اس تعارض کو دور کرنے کے لئے علماء نے لکھا ہے کہ شاید یہ دو الگ الگ قضیے تھے اور ممکن ہے کہ ایک ہی قضیہ ہو لیکن جب دونوں کی گواہی بوجہ تعارض کالعدم قرار دی گئی تو دونوں بغیر گواہی کے رہ گئے یعنی مقبول گواہی کسی کے پاس نہیں تھی۔

﴿۱۶﴾ وعن ابی هريرة ان رجلين اختصما في دابة وليس لهما بينة فقال النبي صلى الله عليه وسلم استهما على اليمين (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں تنازعہ ہوا (کہ دونوں میں سے ہر ایک اس جانور کو اپنی ملکیت کہتا تھا) اور ان دونوں کے پاس گواہ نہیں تھے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم کھانے پر قرعہ ڈال لو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ قسم کھا کر کہے کہ یہ جانور میرا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح:

استهما على اليمين: یعنی تم دونوں قسم کھانے کے لئے قرعہ اندازی کرلو جس کا قرعہ نکل آیا وہ قسم کھالے گا اور مال کو اٹھالے گا اس روایت کی طرح ایک روایت اس سے پہلے گذر چکی ہے جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے اور گیارہ نمبر حدیث میں گذری ہے وہاں اس مسئلہ کی تفصیل ہے نیز حدیث نمبر ۱۵ میں بھی اس کی وضاحت موجود ہے۔

مدعا علیہ کی قسم

﴿۱۷﴾ وعن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لرجل حلفه احلف بالله الذي لا اله الا هو ماله عندك شئ يعني للمدعي (رواه ابوداؤد)

اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک قضیہ میں) جس شخص (یعنی مدعی علیہ) سے قسم کھلوائی جاتی تھی اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس بات پر اللہ کی قسم کھاؤ جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس شخص (یعنی مدعی) کا تم پر کوئی حق نہیں ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

احلف باللّٰہ: یہ تو واضح ہے کہ جب مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ سے قسم لی جائے گی آنحضرتؐ نے یہاں اسی اصول کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ ''احلف'' تم قسم کھالو۔ قسم کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ قسم کھلانا عدالت میں عدالت کے قاضی کا حق ہے مسلمان سے ان کے عقیدہ توحید کے مطابق حلف لیا جائے گا اور عیسائی سے کہا جائے گا کہ انجیل کے نازل کرنے والے اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤ اور یہودی سے کہا جائے گا کہ تورات کے نازل کرنے والی ذات کی قسم کھاؤ اور مجوسی وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھلائی جائے گی یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ مدعا علیہ کی قسم کا ہر صورت میں اعتبار ہوگا خواہ وہ شخص عادل ہو یا اس میں عدل کا فقدان ہو۔

مدعا علیہ کو ہر حال میں قسم کا حق حاصل ہے

﴿۱۸﴾وعن الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَ رَجُلٍ مِنَ الْيَهُودِ اَرْضٌ فَجَحَدَنِي فَقَدَّمْتُهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَكَ بَيِّنَةٌ قُلْتُ لَا قَالَ لِلْيَهُودِيِّ اِحْلِفْ قُلْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِذَنْ يَحْلِفَ وَيَذْهَبَ بِمَالِي فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًاقَلِيْلًا﴾ اَلْآيَة (رواه ابوداؤد وابن ماجه)

اور حضرت اشعثؓ ابن قیس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ایک زمین میرے اور ایک یہودی کے درمیان مشترک تھی لیکن یہودی نے (اس زمین پر) میرے حصے (کو تسلیم کرنے) سے انکار کر دیا، چنانچہ میں اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا (اور اپنا معاملہ پیش کیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے فرمایا کہ تم قسم کھاؤ، میں نے یہ (سن کر) عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ اس وقت قسم کھالے گا اور میرا مال ہڑپ کر لے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (اسی طرح کے ایک قضیہ کے سلسلے میں جس کا ذکر ابن مسعودؓ کی روایت میں گذر چکا ہے) یہ آیت نازل فرمائی یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور (بمقابلہ) اپنی قسموں کے الخ'' اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔

توضیح:

فانزل اللّٰہ تعالیٰ: اس روایت پر یہ سوال ہے کہ جب یہودی پر اس صحابی نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آیت اتری اب سوال یہ ہے کہ اس آیت میں اس صحابی کے اعتراض کا جواب کیسے آ گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب صحابی نے یہ کہا کہ یہ یہودی ہے قسم کھالے گا تو قرآن کریم کی آیت بطور وعید اتر آئی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جھوٹی قسموں اور بدعہدی کے وعدوں پر شدید نکیر فرمائی۔ جس سے یہودی کو گویا تنبیہ ہوگئی کہ تم اگر غلط قسم کھاؤ گے تو اس کی سزا بہت ہی خطرناک ہوگی نیز اس آیت کا مضمون اور تورات میں جھوٹی قسم پر شدید وعید ایک ہی قسم کے احکام ہیں تو اس آیت سے یہودی کو یاد دلایا گیا کہ دیکھو جھوٹی قسم کھاؤ گے تو تم اپنی کتاب تورات کے حکم کے مطابق سزا پاؤ گے یہ جو کچھ اس سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے ایک حد تک علامہ طیبی نے بھی لکھا ہے اور اس سوال کا حل صرف یہی ہے۔

قسم کھانے والے کو خوف خدا دلاؤ

﴿۱۹﴾ وعنه اَنَّ رَجُلًامِنْ كِنْدَةَ وَرَجُلًا مِنْ حَضْرَمُوتَ اِخْتَصَمَا اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اَرْضٍ مِنَ الْيَمَنِ فَقَالَ الْحَضْرَمِيُّ يَارَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ اَرْضِي اغْتَصَبَنِيْهَااَبُو هٰذَاوَهِيَ فِي يَدِهِ قَالَ هَلْ لَكَ بَيِّنَةٌ قَالَ لَاوَلٰكِنْ اُحَلِّفُهُ وَاللّٰهِ مَايَعْلَمُ اَنَّهَااَرْضِي اغْتَصَبَنِيْهَااَبُوهُ فَتَهَيَّأَ الْكِنْدِيُّ لِلْيَمِيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَقْطَعُ اَحَدٌ مَالًا بِيَمِيْنٍ اِلَّالَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَاَجْذَمُ فَقَالَ الْكِنْدِيُّ هِيَ اَرْضُهُ (ابوداؤد)

اور حضرت اشعث ابن قیس سے روایت ہے کہ قبیلہ کندہ کا ایک شخص اور حضر موت کا ایک شخص دونوں یمن کی ایک زمین کے بارے میں اپنا قضیہ لے کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس شخص کے باپ نے میری زمین مجھ سے چھین لی تھی اور اب وہ اس کے قبضہ میں ہے (میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ میری وہ زمین مجھ کو واپس دلوائی جائے) آنحضرت ؐ نے حضرمی سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس گواہ ہیں (جو گواہی دے سکیں کہ وہ زمین واقعۃً تمہاری تھی؟) اس نے عرض کیا کہ نہیں! لیکن میں اس سے خدا کی قسم کھلوا کر یہ اقرار کراؤں گا کہ وہ نہیں جانتا کہ وہ زمین میری (حضرمی کی) ہے جس کو اس کے باپ نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ چنانچہ وہ (کندی) قسم کھانے کیلئے تیار ہو گیا (اور جب قسم کھانے چلا) تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (یاد رکھو) جو بھی شخص (جھوٹی) قسم کھا کر کسی کا مال ہڑپ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا اس کا ہاتھ کٹا ہوگا۔ کندی نے یہ (سن کر) کہا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ وہ زمین اسی شخص کی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح:

اغتصبنیھا ابو ھذا : یعنی اس کندی شخص کے والد نے وہ زمین مجھ سے چھینی تھی اور وہی زمین اس کندی شخص کے ہاتھ میں ہے چونکہ ان کے پاس گواہ نہیں تھا اس لئے انہوں نے کہا کہ میں ان کو قسم کھلاؤں گا لیکن قسم اس طرح ہوگی کہ یہ شخص خود کہے گا کہ خدا کی قسم مجھے بالکل معلوم نہیں کہ یہ زمین اس حضرمی شخص کی ہے جس سے میرے باپ نے چھین لی ہے۔ کندی شخص اس قسم کے لئے تیار ہوا مگر آنحضرتؐ نے جب وعید سنادی تو اس نے اقرار کیا کہ یہ زمین واقعی اس حضرمی کی ہے " اجذم " جذام ایک مشہور اور خطرناک بیماری کا نام ہے جس سے جسم کے اعضاء حد سے زیادہ موٹے ہو کر پھول جاتے ہیں اور پھر کٹ کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔

لغت میں بھی " جذم " ضرب یضرب سے سرعت کے ساتھ کٹنے کے معنی میں ہے اور پورے ہاتھ کے کٹنے پر بھی بولا جاتا ہے۔

جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے

﴿۲۰﴾ وعن عبداللّٰہ بن انیس قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من اکبر الکبائر الشرک باللّٰہ وعقوق الوالدین والیمین الغموس وماحلف حالف باللّٰہ یمین صبر فادخل فیھا مثل جناح بعوضۃ الاجعلت نکتۃ فی قلبہ الی یوم القیامۃ (رواہ الترمذی) وقال ھذا حدیث غریب)

اور حضرت عبداللہ بن انیسؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) ماں باپ کی نافرمانی کرنا (۳) اور جھوٹی قسم کھانا (یاد رکھو) جس قسم کھانے والے نے بھی مجبوری وقید کی حالت میں خدا کی قسم کھائی اور اس قسم میں مچھر کے پر کے برابر (یعنی تھوڑا سا) بھی جھوٹ شامل کیا تو اس کے دل میں قیامت تک کے لئے ایک نکتہ سیاہ پیدا ہو جائے گا (جس کا وبال آخرت میں ظاہر ہوگا) اس روایت کو ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح:

اکبر الکبائر : یعنی تمام بڑے گناہوں میں سب سے بڑے گناہ یہ ہیں۔ ۱۔ شرک کرنا ۲۔ یمین غموس ۳۔ یمین صبر۔ اس قسم کی ایک حدیث باب الکبائر میں گذر چکی ہے توضیحات جلد اول میں وہاں پوری تفصیل ہو چکی ہے مگر یہاں یمین صبر کا لفظ ہے جو وہاں پر نہیں ہے یمین صبر کی تفصیل بھی اس باب کی ابتداء میں ہو چکی ہے یہاں یمین صبر سے کمرۂ عدالت کے اندر قسم

کھانا مراد ہے۔

یعنی کمرہ عدالت میں آدمی اگر اپنی قسم میں ذرا بھی جھوٹ بولتا ہے تو اس شخص کے دل پر گناہ کا ایک نکتہ یعنی داغ پڑ جاتا ہے یہ داغ ''رین'' کا اثر ہے گویا یہ مہر جباریت کا ایک حصہ ہے یہ اثر اس شخص کے دل سے قیامت تک نہیں مٹے گا۔

قسم کی حیثیت مکان وزمان کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے

﴿۲۱﴾ وعن جابرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِي هٰذَا عَلٰى يَمِيْنٍ آثِمَةٍ وَلَوْ عَلٰى سِوَاكٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ (رواه مالك وابو داؤد وابن ماجه)

اور حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جو بھی شخص میرے اس منبر کے قریب قسم کھاتا ہے اور اس کی وہ قسم جھوٹی ہوتی ہے اگر چہ وہ ایک سبز مسواک کے لئے کیوں نہ ہو تو وہ (دوزخ) آگ میں اپنا ٹھکانہ تیار کرتا ہے۔ یا یہ فرمایا کہ۔ اس کے لئے (دوزخ کی) آگ واجب ہوتی ہے۔'' (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح

عند منبری: مسجد میں منبر اور محراب ویسے بھی ایک مقدس مقام ہوتا ہے اور پھر مسجد نبوی کے منبر کی شان ہی اور ہے اور پھر منبر کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے سے تو اس منبر کی شان ہی نرالی ہوگئی۔

اب جھوٹی قسم کھانا تو ویسے بھی بہت بڑا گناہ ہے خواہ کہیں بھی ہو لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقدس مقام کے پاس جھوٹی قسم کھاتا ہے تو یہ غضب الٰہی کو دعوت دینا ہے اس طرح مقدس مقام کی وجہ سے قسم کی حیثیت اور عظمت بڑھ جاتی ہے اسی طرح جمعہ کے دن عصر کے بعد قسم کھانے سے زمانہ کی عظمت کی وجہ سے قسم کی حیثیت بڑھ جاتی ہے اور اس میں تغلیظ آتی ہے کسی مقام ومکان کی وجہ سے تغلیظ کی مثال علماء نے لکھی ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ میں ہو تو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان والی جگہ سب سے معظم ہے اس میں قسم کی حیثیت بڑھ جاتی ہے۔

اور اگر کوئی شخص مدینہ میں ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس والی جگہ بہت معظم ہے اور اگر آدمی بیت المقدس میں ہو تو قسم کے لئے سب سے معظم جگہ گنبد صخرہ کے پاس والی جگہ ہے اور عام دنیا میں جامع مسجد اور پھر عام مسجد عظمت والے مقامات ہیں شوافع حضرات قسم کی تغلیظ کو مکان وزمان کے ذریعہ سے جائز مانتے ہیں لیکن احناف کہتے ہیں کہ قسم صرف قسم ہے کسی زمان ومکان کی وجہ سے اس کی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا ہے ظاہری نصوص شوافع کے ساتھ ہیں۔

"ولو علی سواک اخضر" سبز مسواک سے قلیل چیز مراد ہے خواہ سبز مسواک ہو یا خشک مسواک ہو مسلم شریف کی ایک روایت میں قضیبا من أراک کے الفاظ آئے ہیں یعنی پیلو اور کیکر کی ٹہنی اس سے بھی مراد قلیل چیز ہے۔

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے

﴿۲۲﴾ وعن خُرَيْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِّلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالْإِشْرَاكِ بِاللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ﴾ (رواه ابوداؤد وابن ماجه) وَرَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ عَنْ اَيْمَنَ بْنِ خُرَيْمٍ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَه لَمْ يَذْكُرِ الْقِرَاءَةَ.

اور حضرت خریمؓ ابن فاتک کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو (صحابہؓ) سے خطاب کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے اور تین مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ "جھوٹی گواہی شرک باللہ کے برابر کی گئی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور دلیل) یہ آیت تلاوت فرمائی فاجتنبو الرجس .... پلیدی (بتوں کی پرستش) سے بچو اور جھوٹ بولنے سے اجتناب کرو کیونکہ تم باطل سے حق کی طرف رجوع کرنے والے ہو نہ کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنے والے ہو۔ اس روایت کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے نیز اس روایت کو احمد اور ترمذی نے بھی ایمن ابن خریم سے نقل کیا ہے اور ابن ماجہ کی نقل کردہ روایت میں آیت شریفہ کا تلاوت کرنا مذکور نہیں ہے۔

کن لوگوں کی گواہی معتبر نہیں ہے

﴿۲۳﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ وَلَا مَجْلُوْدٍ حَدًّا وَلَا ذِيْ غِمْرٍ عَلَى اَخِيْهِ وَلَا ظَنِيْنٍ فِيْ وَلَاءٍ وَلَا قَرَابَةٍ وَلَا الْقَانِعِ مَعَ اَهْلِ الْبَيْتِ (رواه الترمذی) وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَيَزِيْدُ بْنُ زِيَادٍ الدِّمَشْقِيُّ الرَّاوِيْ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ.

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کی گواہی جائز و معتبر نہیں (۱) خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت (۲) جس شخص پر تہمت کی حد جاری کر دی گئی ہو (۳) دشمن، جو اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف ہو (۴) وہ شخص جو ولاء کے بارے میں متہم ہو (۵) وہ شخص جو قرابت کے بارے میں متہم ہو (۶) وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیادہ دمشقی منکر الحدیث ہے۔

توضیح:

خائن ولا خائنة: اس حدیث میں اور اس کے بعد آنے والی دو حدیثوں میں ایسے لوگوں کا بیان ہے جن کی شہادت قبول نہیں ہوتی ہے اسلام کی نظر میں جتنا حاکم کا عادل ہونا ضروری ہے اتنا ہی گواہ کا عادل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ صحیح فیصلہ تک پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ بھی صحیح ہو اس حدیث میں ایسے ہی لوگوں کی گواہی کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے جو عدل وانصاف کے معیار پر پورا نہیں اترتے ہیں جیسا خائن مرد اور خائنہ عورت ہے خیانت کا مفہوم عام بھی ہوسکتا ہے کہ جو دنیا اور دین دونوں میں خیانت کرنے والا ہو چونکہ خیانت کی وجہ سے یہ لوگ فاسق ہوگئے اور شہادت کے لئے عادل ہونا ضروری ہے اس لئے ان کی گواہی معتبر نہیں۔

عرف عام میں خائن وہی ہے جو لوگوں کے اموال اور امانت میں خیانت کرتا رہتا ہو اس حدیث کے پیش نظر یہی مفہوم زیادہ واضح ہے بعض نے مطلق فاسق مراد لیا ہے۔

" ولا مجلود حداً " مجلو دجلد سے ہے اور جلد کوڑے کو کہتے ہیں یعنی جن کو حد قذف میں کوڑے لگے ہوں اس قاذف پر جب حد نافذ ہو کر کوڑے لگ جائیں تو اس کے بعد اس کی شہادت معتبر نہیں رہتی ہے ۔ شوافع کے ہاں اگر یہ محدود توبہ کرلے تو پھر اس کی گواہی معتبر ہے کیونکہ " الا الذین تابو امن بعد ذلک " کا استثناء "ولا تقلبوا لهم شهادةً ابداً " سے ہے تو جب قاذف توبہ کرلے تو اس کی گواہی معتبر ہو جائے گی اگرچہ حد قذف لگی ہو بلکہ تمام حدود کا یہی حکم ہے احناف فرماتے ہیں کہ دیگر حدود کا حکم تو ایسا ہی ہے لیکن حد قذف لگنے کے بعد آدمی ہمیشہ کے لئے مردود الشہادۃ بن جاتا ہے اس لئے توبہ کرنے سے اس کی گواہی معتبر نہیں ہوسکتی اور آیت " الا الذین تابو " کا استثنا "اولئک هم الفاسقون " سے ہے کیونکہ یہ قریب بھی ہے اور شهادةً نکرہ لا کر عموم کی طرف اشارہ بھی ہے کہ کسی قسم کی گواہی منظور نہیں اور ابداً کے لفظ سے مزید تاکید بھی پیدا کردی ہے اور زیر نظر واضح حدیث بھی ہے لہٰذا محدود فی القذف نے جب اپنی زبان کو کسی پاکدامن عورت پر بہتان میں آلودہ کردیا تو ان کی سزا یہی ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی زبان کا اعتبار نہ کیا جائے " ولا ذی غمر " غمر دشمنی اور بغض وحسد و عداوت کو کہتے ہیں تو اس طرح کینہ ور حاسد اور دشمنی کا جذبہ رکھنے والے شخص کی گواہی اپنے کسی مسلمان بھائی پر جائز نہیں ہے خواہ وہ ان کا سگا بھائی ہو یا عام مسلمان ہو کیونکہ دشمنی اور عداوت کا یہ جذبہ اس کو عدالت پر قائم رہنے نہیں دے گا " ولا ظنین " ظنین متہم کو کہتے ہیں جیسے "وما هو علی الغیب بظنین " آیت بھی اسی معنی میں ہے " ولاء " میراث کو کہا جاتا ہے یعنی ایک غلام جب آزاد ہو جائے اور پھر مرجائے تو اس آزاد کردہ غلام کی میراث اس کے آزاد کرنے والے آقا کی ہے اب اگر کوئی غلام اپنی نسبت میں جھوٹ کہتا ہے کہ مجھے مثلاً حارث نے آزاد کیا ہے حالانکہ لوگ واضح طور پر جانتے ہیں کہ اس کو حارث نے نہیں بلکہ زید نے آزاد کیا ہے تو یہ غلام اس نسبت میں متہم فی الولاء ہے یہ اصل مالک کا حق مارنا چاہتا ہے اس سے

یہ فاسق ہو گیا اور فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہے لہٰذا ظنین فی الولاء کی گواہی مردود ہے اسی طرح معاملہ ظنین فی القرابۃ کا ہے کہ ایک شخص مثلاً کہتا ہے کہ میں عمر کا بیٹا ہوں حالانکہ لوگ واضح طور پر جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے یہ عمر کا بیٹا نہیں بلکہ بکر کا بیٹا ہے تو اس جھوٹی نسبت سے یہ شخص مردود الشہادۃ ہو گیا لہٰذا ان کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

"ولا القانع مع اهل البيت" القانع سے مراد ہر ایسا شخص ہے جو کسی کے نان نفقہ اور اس کے خرچہ پر گذارہ کرتا ہو جیسے خادم ہے نوکر چاکر ہے یا شاگرد و مرید ہے اس کی گواہی اس لئے معتبر نہیں ہے کہ ان دونوں کے مفادات میں اشتراک ہے تو شاید یہ شخص ان مفادات کے پیش نظر گواہی میں جانب داری سے کام لے اور غلط گواہی دیدے۔

احناف فرماتے ہیں کہ انہیں مفادات کے پیش نظر بیوی کی گواہی شوہر کے حق میں معتبر نہیں ہے نہ شوہر کی گواہی بیوی کے حق میں صحیح ہے شوافع حضرات اس کو درست مانتے ہیں۔

﴿۲۴﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَجُوْزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَاخَائِنَةٍ وَلَازَانٍ وَلَازَانِيَةٍ وَلَاذِي غِمْرٍ عَلَى اَخِيْهِ وَرَدَّ شَهَادَةَ الْقَانِعِ لِاَهْلِ الْبَيْتِ

(رواه ابو داؤد)

اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد اور ان کے والد اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہ تو خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اور نہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اسی طرح دشمن کی گواہی (اپنے) دشمن کے خلاف مقبول نہیں۔ نیز آنحضرتؐ نے (ایک مقدمہ میں) اس شخص کی گواہی کو رد کر دیا جو ایک گھر کی کفالت و پرورش میں تھا اور اس نے گواہی اس گھر والوں کے حق میں دی تھی۔ (ابوداؤد)

گنوار دیہاتی کی گواہی کسی شہری پر معتبر نہیں

﴿۲۵﴾ وعن اَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَجُوْزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلَى صَاحِبِ قَرْيَةٍ (رواه ابو داؤد و ابن ماجه)

اور حضرت ابو ہریرہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بستی میں رہنے والے کے حق میں یا اس کے خلاف، جنگل میں رہنے والے کی گواہی درست نہیں ہوگی۔

توضیح:

ولا شهادة بدوی: بدوی بداوہ کی طرف منسوب ہے اور بداوہ دیہات اور صحرا کو کہتے ہیں یہ حضارہ کے مقابلے میں آتا ہے

ابوطیب متنبی نے کہا ہے ؎

حسن الحضارة مجلوب بتطرية وفی البداوة حسن غیر مجلوب

بدوی سے مراد وہ دیہاتی ہے جو جٹ جنگلی اور جاہل ہو جب دیہاتی ایسا ہوگا تو اس کے پاس علم نہیں ہوگا تمیز نہیں ہوگی سلیقہ نہیں ہوگا۔ اونچ نیچ سے واقف نہیں ہوگا گواہی دینے کی شرائط سے واقف نہیں ہوگا غفلت ونسیان کا اس پر غلبہ ہوگا ملاعلی قاریؒ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ عموماً دیہاتیوں اور شہریوں کے درمیان دشمنیاں ہوتی ہیں تو بوجہ عداوت ان کی گواہی غیر مقبول ہوگی۔

بہر حال اگر بدوی میں سلیقہ ہو سمجھ ہو تمیز ہو تو جمہور کے نزدیک ان کی گواہی عام انسانوں کی طرح مقبول ہوگی ہاں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مطلق طور پر کسی دیہاتی کی گواہی کسی شہری پر مقبول نہیں ہے جمہور نے اس زیر بحث حدیث کو غالبی اور اکثری احوال پر محمول کیا ہے۔

صاف اور واضح بیان تیار کر کے عدالت میں جاؤ

﴿۲۶﴾ وعن عوف بن مالك ان النبیَّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قضی بین رجلین فقال المقضیُّ علیہ لما ادبر حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل فقال النبیُّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم ان اللّٰہ تعالیٰ یلوم علی العجز ولکن علیک بالکیس فاذا غلبک امر فقل حسبی اللّٰہ ونعم الوکیل (رواہ ابوداؤد)

اور حضرت عوف ابن مالک کہتے ہیں (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان ایک مقدمہ کا فیصلہ دیا (جو ایک شخص کے خلاف اور دوسرے شخص کے حق میں تھا، چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ جس شخص کے خلاف ہوا تھا اس نے مجلس نبوی سے اٹھ کر) واپس جاتے ہوئے کہا حسبی اللہ ونعم الوکیل یعنی مجھ کو میرا اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (سنکر) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نادانی ولا پرواہی پر ملامت کرتا ہے، تم کو چالاکی اور ہوشیاری ضروری ہے پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو حسبی اللہ ونعم الوکیل کہو۔ (ابوداؤد)

توضیح:

حسبی اللّٰہ: ملاعلی قاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے غالباً کسی سے قرض لیا تھا اور رسید لکھوادی تھی پھر اس نے قرض واپس کیا مگر یہ غفلت ہوئی کہ واپسی پر کوئی رسید اور ثبوت نہیں بنایا قرض خواہ نے اس پر پھر دعویٰ کیا کہ میرا قرض کرو تم پر اتنا قرض ہے اور یہ رسید ہے اس بچارے نے جواب میں کہدیا کہ میں نے ادا کر دیا ہے اس نے کہا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم نے واپس کیا ہے اس پر مدعی نے مقدمہ جیت لیا اور اس بیچارے نے غم وحسرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا اور